راحت

پیش لفظ

صنف ادب میں ناول کو مقبول عام کی سند حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر طبقۂ فکر میں پڑھا جاتا ہے۔ کیونکہ مقصدیت کے ساتھ حالات و واقعات، تاثر و اظہار، تفریح و تعمیر کے خیالات کی بہتر ترجمانی ناول میں ہوتی ہے۔ گھریلو اور معاشرتی زندگی کے تضادات، جیتے جاگتے، اچھے برے کردار ناول کو حقیقت کا رنگ دیتے ہیں۔ افسانہ نگاری کرتے ہوئے میں نے ناول نگاری پر توجہ دی۔ اس توجہ نے ''گڑیا'' کا روپ دھارا۔ یہ ناول ماہنامہ ''آنچل'' کراچی میں قسط وار شائع ہوا۔ قارئین نے بے حد پسند کیا۔ قارئین کی ہی پُرزور فرمائش پر ناول ''گڑیا'' کو مکمل کتابی شکل میں شائع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ اس اہتمام میں ناگزیر وجوہات کی بنا پر کچھ تاخیر ہوئی۔

ناول ''گڑیا'' کے بارے میں بتاتی چلوں کہ یہ ہمارے معاشرے سے نمو پذیر ہونے والا ناول ہے جس میں زندگی کے تجربات اور مشاہدات کو ایک خاص انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ کہانی ہے خوابوں، خواہشوں کی دہلیز پر قدم رکھنے والی ایسی معصوم لڑکی کی جسے زمانے نے قدم قدم پر سادہ اور معصوم آرزوئیں رکھنے کی سزا دی..... وقت کے ظالم تھپیڑے کھاتے کھاتے طویل مسافت طے کرنے کے بعد بالآخر وہ ساحل مراد پر پہنچی..... آپ سب کے لئے اس میں تفریح اور دلچسپی کے تمام لوازمات موجود ہیں۔ مہر و اُلفت، سادگی و معصومیت، عیاری و ہوشیاری، فریب و دغا سب یکجا ہیں۔ جزا و سزا کے درمیان سفر کرنے والے سب کردار آپ کو جیتے جاگتے حرکت کرتے دکھائی دیں گے۔

''گڑیا'' کو کتابی شکل میں لانے کے لئے صرف میری محنت شامل نہیں، اس میں ادارہ آنچل کے تعاون اور پبلشرز القریش پبلی کیشنز لاہور کی محنت و کوششیں شامل ہیں جس کے لئے میں اُن کی بے حد ممنون ہوں اور امید کرتی ہوں کہ ان کی محنت و کاوش ہر مکتبہ فکر میں سراہی جائے گی۔ انشاء اللہ۔

راحت وفا

فجر کی اذان سنائی دی تو برکت علی فوراً پلنگ چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اندازے سے چپل پہنی اور لائٹ آن کی پھر دھیرے سے بولے۔

''گڑیا کی ماں! اٹھو، نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ میں مسجد جا رہا ہوں۔ تم سب بھی اٹھ جاؤ۔''

برکت علی اپنے معمول کے مطابق سر پر ٹوپی رکھ کے چلے گئے۔ زینب حسب عادت شوہر کے اٹھانے پر فوراً اٹھ گئیں۔ ساتھ ہی تینوں بیٹیوں کو بھی آواز دی۔

صفیہ، ثریا، گڑیا، اٹھو نماز کا وقت ہو گیا۔''

ماں کی آواز پر فرش پر سوئی تینوں بہنیں کسمسا کر اٹھ گئیں۔ صفیہ اور ثریا تو زمین سے چادر تہہ کر کے وضو کے لئے باہر صحن میں چلی گئیں البتہ گڑیا ناک منہ بناتے ہوئے بڑبڑائی۔

''اماں! آج تو عید ہے۔''

زینب کو اس کی معصومیت پر ہنسی آ گئی۔ ''بیٹا! نماز تو عید پر بھی معاف نہیں۔''

''ہنہ، میں نہیں اٹھتی، ہمارے کون سا کپڑے بنے ہیں۔ مہندی بھی نہیں لگائی۔'' وہ برا سا منہ بنا کر چادر تان کر لیٹ گئی۔

''کوئی ضروری نہیں کہ عید پر نئے کپڑے پہنے جائیں اور مہندی لگائی جائے۔'' زینب نے اس پر سے چادر اتاری۔

پرانے کپڑے اس قابل ہیں، کتنے سارے جوڑ لگا رکھے ہیں۔'' اس نے پہنا ہوا کرتا ماں کو دکھایا۔

''اچھا چل تکرار نہ کر، باپ جس قابل ہے پال رہا ہے۔ غریب چوکیدار ہی تو ہے۔ کسی لاٹ صاحب کے پیدا ہوتیں۔'' اماں جلی کٹی سنا کر خود بھی وضو کے لئے چلی گئیں اور وہ بے بسی سے آئے آنسو پی کر اپنے مظلوم باپ کے بارے میں سوچنے لگی۔

''واقعی ابا بہت بدنصیب ہیں۔ اس عمر میں بھی ''لال کوٹھی'' کے چوکیدار ہیں۔ ایک چوکیدار کی آمدنی ہی کیا۔ اگر اماں ان کے گھر کی چھوٹی موٹی سلائی نہ کریں تو ایک وقت کی روکھی سوکھی بھی نہ ملے۔''

برکت علی سرکاری ملازمت سے ریٹائرمنٹ کے بعد گھر کی ضروریات پوری کرنے کے لئے لال کوٹھی میں چوکیداری کرتے تھے۔ سیٹھ حمید الدین نے ترس کھا کر سرونٹ کوارٹر دے دیا تھا جس میں

بیوی بچیوں کے ساتھ زندگی گزر رہی تھی۔ سیٹھ صاحب کے انتقال کے بعد بھی بیگم حمید نے ان سے یہ سہولت واپس نہیں لی تھی بلکہ اماں اور صفیہ کو گھر کی چھوٹی موٹی سلائی کا کام دے کر معقول پیسے دے دیتی تھیں۔ اس کے علاوہ بچا کھچا کھانا بھی ان کے حصے میں آتا تھا..... برکت علی اس کے علاوہ یہ بھی پسند نہیں کرتے تھے کہ بیوی، بیٹیاں اجرت پر کوٹھی کے برتن دھوئیں یا فرش صاف کریں۔ حتیٰ الامکان وہ اپنی کم تنخواہ میں گزر اوقات کرنا چاہتے تھے۔ ان کی ڈیوٹی صبح سے شام تک تھی اس کے بعد دوسرا چوکیدار آجاتا تھا۔

کم آمدنی کے باعث بڑی صفیہ درمیانی ثریا اور سب سے چھوٹی گڑیا کو چاہنے کے باوجود تعلیم نہ دلوا سکے تھے۔ قرآن شریف اور کچھ دینی تعلیم گھر پر ہی زینب نے انہیں دی تھی۔ گھریلو زندگی کے ایسے حالات نے صفیہ اور ثریا کو بہت صابر اور سنجیدہ بنا دیا تھا۔ ان کے لبوں پر کبھی کوئی فرمائش یا گلہ نہیں آیا تھا۔ البتہ گڑیا کم فہم اور بے پروا تھی۔ شاید کم عمر ہونے کے باعث وہ بہت کچھ سمجھنے سے قاصر تھی۔ اس کا دل تو بہت سارے ارمانوں کی آماجگاہ تھا۔ اکثر وہ اماں سے اسی وجہ سے ڈانٹ کھاتی تھی کہ دوسروں کی برابری کرتے خوامخواہ کی نقل نہیں کرتے کسی کی چیز کو بری نظر سے نہیں دیکھتے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا پر شکر کرتے ہیں۔ یہ بہت سے فقرے تھے جو اماں اسے سناتی رہتی تھی اور وہ سمجھنے کی بجائے مزید ہتھے سے اکھڑ جاتی تھی۔ طرح طرح کی معصوم تاویلیں پیش کرنے لگتی بلاشبہ اس کا ذہن سادہ اور معصوم تھا۔ کبھی زینب کو ہنسی آجاتی اور کبھی غصہ۔

جیسے آج عید تھی۔ زینب جانتی تھی کہ عید پر نئے کپڑے بنتے ہیں، نیا جوتا پہنتے ہیں۔ مہندی لگائی جاتی ہے۔ چوڑیاں پہنی جاتی ہیں مگر وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ اس کے پاس رقم نہیں تھی۔ ایسا کرنے کے لئے رات بھی اس نے گڑیا کو ڈانٹ ڈپٹ کر جلدی سلا دیا تھا اور اب پھر صبح اس کے جاگتے ہی وہ غصے سے ڈانٹ رہی تھی۔

"ابا! یہ کیسی عید ہے، ہمارے پاس تو کچھ بھی نہیں، پچھلے سال کی طرح یہ عید بھی ایسی ہے۔" اس نے نماز پڑھ کر آتے ہی ابا سے کہا تو وہ پرملول سے بیٹی کو دیکھتے رہے۔

"مت صبح سویرے دل جلایا کر۔ اپنے نصیب دیکھ لیا کر۔" اماں نے جائے نماز تہہ کر کے رکھتے ہوئے کہا۔

"کیوں نہ بات کروں۔ عید تو کوٹھی میں نظر آئے گی۔ بڑی بیگم صاحبہ نے رات بھر اچھی اچھی کھانے کی چیزیں تیار کرائی ہیں اور دلہن بیگم کے اتنے خوب صورت کپڑے تیار کرائے ہیں۔" وہ بچوں کی طرح لچاتے ہوئے بولی۔

"دیکھ گڑیا! چمٹا پھینک کر ماروں گی پھر تو نے کوٹھی کے اندر جھانکا۔" کچھ دیر بعد انہیں یاد آیا تو۔

"تو اندر کیوں جاتی ہے۔ میں نے ہزار مرتبہ منع کیا ہے کہ اپنے اس کمرے تک رہا کر مردود، تیری بہنیں تو نہیں جاتیں تو نجانے کیا گل کھلائے گی۔" اماں تو غصے میں اور نجانے کیا کیا سناتیں کہ صفیہ اس

کا بازو پکڑ کر باہر لے گئی۔

"دیکھ میری بہن! کوٹھی کے سنہری لوگوں کو مت دیکھا کر ورنہ تیری آنکھیں چندھیا جائیں گی۔ فرق کچھ نہیں پڑے گا۔ وہ، وہ ہیں اور ہم، ہم۔ اپنے اپنے نصیب کی بات ہے۔ ہماری طرف دیکھ۔ کبھی ہم نے ابا، اماں سے کوئی شکایت کی ہے۔" صفیہ نے پیار سے اس کے بال سنوارے۔

"مگر میرا دل چاہتا ہے کہ ویسے ہی رہیں۔ اچھے اچھے کپڑے پہنیں، چکنی چکنی کریں لگائیں، خوشبو چھڑکیں اور....."

"اور آنکھیں کھول لو۔" صفیہ نے اس کی بات کاٹی اور کچھ توقف کے بعد بولی۔ "پیاری بہنا وہ امیر ہی۔ ہم غریب، غریبوں کو ایسے سہانے خواب نہیں دیکھنے چاہئیں۔"

"اب دیکھو عید ہے اور اماں سوکھی روٹیاں پکا رہی ہوں گی۔ جاؤ، جا کر دیکھو۔" وہ آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو بھرتے ہوئے بولی۔ صفیہ نے اسے سینے سے لگا کر پیار کیا۔ وہ دیکھ نہ سکی کہ اس کی صفیہ باجی کے دو آنسو ٹوٹ کر اس کے بالوں میں کھو گئے۔

○❖○

بیگم حمید نے شیر خورما کی تیاری کا آخری جائزہ لیا اور رمضان بابا سے کہا۔

"زینب اور صفیہ کو بلاؤ۔ آج بہت کام ہے۔" اس کے جانے کے بعد وہ ہال کمرے میں آگئیں۔

"رضیہ! چھوٹے صاحب عید کی نماز پڑھنے کے لئے گئے؟"

"نہیں جی! ابھی تو دروازہ ہی نہیں کھلا۔" رضیہ نے گلدان کی اچھی طرح صفائی کرتے ہوئے تیز انداز میں کہا۔ بیگم حمید اداس سی ہو کر صوفے پر بیٹھ گئیں..... انہیں یہ دکھ تھا کہ ان کا بیٹا کیسا انسان بن گیا ہے۔ حمید صاحب جتنا خدا کے حضور جھکنے والے سعادت مند انسان تھے، اتنا ہی توصیف دین سے دور۔ کبھی جمعہ کی نماز نہیں پڑھی تھی لہٰذا عیدا کی نماز کا تصور بھی محال تھا۔ جیسا وہ خود تھا، بیوی بھی بالکل اسی پر گئی تھی۔ روپے پیسے کی ریل پیل نے توصیف کو خودسر، مغرور بنا دیا تھا۔ کسی کی مرضی یا پسند کا خیال رکھنا اس نے سیکھا ہی نہیں تھا۔ سب ماں سے محبت کرتا تھا۔ صرف ان کا احترام کرتا تھا مگر بعض معاملوں پر اپنے معمولات کے مطابق عمل کرتا تھا۔

آج عید کا دن تھا۔ اسے رات ہی کھانے کی میز پر بیگم حمید نے صبح جلد اٹھنے اور عید کی نماز پڑھنے کے لئے تاکید کی تھی۔ بہو کو بھی ایسا کرنے کے لئے کہا گیا تھا مگر اس کا الٹ نتیجہ نکلا۔ اب تک کمرے کا دروازہ بند تھا اور وہ دونوں سو رہے تھے۔

"رضیہ! جا دروازہ کھٹکھٹا اور میری طرف سے پیغام دے کر آ۔" انہوں نے غصے سے کہا۔ رضیہ گئی اور واپس آگئی۔

"جی وہ کہہ رہے ہیں کہ آج چھٹی ہے ابھی آتے ہیں۔"

"ہونہہ، دیکھ لیا رضیہ ہمیں، یا تو دن رات پیسہ کمانے کی دھن یا ہے پھر چھٹی جان کی عیش کرتے

ہیں۔ایسے خاص دن بھی صرف چھٹی کا مفہوم رکھتے ہیں۔ سچ کہتے ہیں اللہ کو بھی زیادہ تر غریب ہی یاد کرتے ہیں۔'' بیگم حمید نے دل کا غبار ملازمہ کے سامنے ہی نکال دیا۔

کچھ دیر بعد زینب اور صفیہ ان کے پاس آگئیں۔

''آؤ زینب، آج تم دونوں کی ضرورت رہنی ہے، ملنے جلنے والوں کا سلسلہ کچھ ہی دیر میں شروع ہو جائے گا تو کچن میں رمضان بابا کے ساتھ دو آدمی اور ہونے چاہئیں۔''

''جی بہتر۔'' صفیہ ماں سے پہلے کچن کی طرف چل دی جب کہ زینب کو بیگم حمید نے کچھ دیر اپنے پاس بٹھالیا۔

''زینب! ایک بات بتاؤ۔''

''جی بیگم صاحبہ۔''

''صفیہ کی عمر خیر سے نکلی جارہی ہے۔کوئی رشتے کا بندوبست کیا یا نہیں۔''

''نہیں بیگم صاحبہ، اللہ ہی کرے گا۔'' زینب لمبی سانس بھر کر بولی۔

''دیکھتے ہی دیکھتے کتنی بڑی ہوگئی۔''

''جی ہاں! غریبوں کے آنگن میں دھوپ بہت جلد اترتی ہے۔یہی نہیں باقی دونوں بھی اسی طرح بڑی ہوگئی ہیں۔'' زینب افسردگی سے بولی۔

''خیر اللہ کرے گا۔سب ٹھیک ہو جائے گا۔میری نظر میں کوئی رشتہ ہوا تو دیکھوں گی۔'' بیگم حمید نے ترحم کھاتے ہوئے کہا تو زینب شکریہ کہہ کر اٹھنے لگی۔

''ایک ہماری دلہن بیگم ہیں۔دس بجے سے پہلے سو کر نہیں اٹھتیں۔''

''کوئی بات نہیں بیگم صاحبہ! ایسی صورت میں عورتیں اپنا آپ بھول جاتی ہیں۔'' زینب کہتی ہوئی کچن کی طرف چلی گئی۔بیگم حمید کی آنکھیں آنے والے پوتے، پوتی کے خیال میں چمکنے لگیں۔ایک ہی تو بیٹا تھا۔کل جائداد، بینک بیلنس کا وارث حد درجہ لاڈلا۔اسی وجہ سے بیٹے کی ہر بات وہ نظر انداز کر دیتی تھیں۔وقتی طور پر ناراض ہوتی تھیں۔

○❖○

رات کو انہیں فراغت نصیب ہوئی۔

''ثریا! یہ لو بیٹا بیگم صاحبہ نے شیر خورما دیا ہے۔'' زینب نے پیالہ میز پر رکھ دیا۔ثریا سے پہلے گڑیا لپک کر آئی اور پیالہ اٹھا کر منہ سے لگالیا۔

''ارے، ارے ثریا کو بھی دو۔اپنے ابا کو بھی چکھاؤ، ندیدوں کی طرح منہ سے لگالیا۔'' زینب نے ڈپٹ کر کہا۔

''اماں! کتنا مزیدار ہے۔صبح سے تو انتظار کر رہی تھی۔'' وہ ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔زینب کو غصہ آگیا۔

''بے غیرت اوروں کا بھی خیال رکھا کر۔''

ثریا کو اماں کی بات اچھی نہ لگی۔''اماں! کھانے دے، چھوٹی ہے۔''

''بڑی دیر لگادی تم ماں بیٹی نے؟'' ابا نے پوچھا۔

''بس اب اللہ اللہ کر کے مہمان گئے ہیں اور دلہن بیگم، چھوٹے صاحب سیر تفریح کے لئے جا رہے ہیں تو بیگم صاحبہ نے چھٹی دی۔'' زینب نے کمر سیدھی کرتے ہوئے کہا۔گڑیا نے لمحہ بھر کو ماں کی بات پر دھیان دیا اور پھر پیالہ میز پر رکھ کر وہ دوڑی کہ سب حیران رہ گئے.....کافی دیر بعد آئی تو اماں نے وہ لتے لئے کہ اللہ کی پناہ۔

''کہاں گئی تھی مردار، رات کو اس طرح ہڑبونگ مچاتی۔''

''وہ اماں، جب دلہن بیگم باہر جاتی ہیں تو اتنے خوب صورت کپڑے پہنتی ہیں اور اتنا اچھا چہرہ بناتی ہیں کہ دل چاہتا ہے، میں بھی ایسا ہی کروں۔'' وہ بالکل سادگی سے کہہ رہی تھی.....اور اماں سلگ اٹھیں۔

''تجھ پر خدا کی مار، ایسی حماقتیں کرتے شرم نہیں آتی۔ بچی نہیں رہ گئی۔بیسویں سال میں ہے۔ عقل کے ناخن لے۔'' اماں تو نجانے کیا کچھ کہتیں کہ ابا نے اشارے سے منع کر دیا۔وہ صرف گھور کر رہ گئیں۔

''صفیہ باجی، ثریا باجی۔کیا تمہارا دل نہیں کرتا۔ایسے بننے کو۔'' بستر بچھا کر وہ جوں ہی ان کے برابر لیٹی تو پوچھنے لگی۔

''شی، چپ کر کے سو جا۔اماں نے سن لیا تو ماریں گی۔'' ثریا نے آہستہ سے منہ پر انگلی رکھی۔

''میرا دل چاہتا ہے، چھوٹے صاحب کے کمرے میں دن رات رہوں۔'' وہ پھر بولی تو صفیہ نے ہلکی سی چپت لگادی۔

''ایسی بے وقوفوں والی باتیں نہیں کرتے۔''

''تم ایسا ہی رہنا چاہتی ہو۔'' اس نے باری باری صفیہ باجی اور ثریا باجی کو دیکھا تو وہ دونوں کوئی جواب نہ دے سکیں بس حسرت سے آنکھیں موند لیں۔اسے کیا بتائیں کہ حسرتیں کیسے دلوں میں پلتی ہیں۔کس طرح گھٹ گھٹ کر ہم ایسی لڑکیاں جیتی ہیں۔مگر کر کچھ نہیں سکتیں۔ہم نے بھی جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی ایسی بے شمار خواہشات پلکوں میں سجائیں تھیں مگر وقت و حالات نے کبھی کروٹ نہ لی۔اماں ابا کے اداس متفکر چہرے دیکھ کر فوراً آرزوؤں کا گلا گھونٹ دیا۔خود کو بے حس پتھر کی طرح پڑا محسوس کرتے ہیں۔اماں، ابا کی آنکھوں میں جو دبیز سا اضطراب نظر آتا ہے وہ ہمارا ہی تو ہے۔ہم بیٹیاں ہیں۔ہمیں کیسے بیاہ کر رخصت کریں۔کون اس سرونٹ کوارٹر میں آئے گا؟ تمہاری عمر میں ہم بھی یہ سرونٹ کوارٹر بھول جاتی تھیں مگر اب تو یاد ہی صرف یہ رہتا ہے، تمہیں کیا معلوم یہ کھردرا فرش کیسے پسلیوں کو چٹخاتا ہے۔سوتی تو تم بھی ہو مگر ابھی تمہاری بے پروائی اور لاابالی پن کی عمر ہے۔اس

لئے ہماری طرح نہیں سوچتی۔

○❖○

''گڑیا! آجا ناشتا کرلے۔'' زینب نے چولہے کے پاس سے آواز لگائی۔

''جا، ثریا بہن کو بلا۔'' ابا نے ثریا سے کہا۔

''اماں! کیا بنایا ہے۔'' اس کی نظریں چولہے پر دوڑنے لگیں۔

''چائے اور پراٹھا ہے۔'' صفیہ باجی نے بہت خوش ہوتے ہوئے کہا۔ تو وہ منہ بنا کر ابا کے پلنگ پر بیٹھ گئی۔

''کیا ہوا؟''

''ہمارے گھر ڈبل روٹی کیوں نہیں آتی اور رنگ برنگی بوتلیں جو بیگم صاحبہ کی میز پر رکھی ہیں، میرا بڑا دل چاہتا ہے کہ روز دودھ پیا کروں۔'' وہ ایسے ابا کو بتا رہی تھی جیسے وہ جانتے ہی نہ ہوں۔

''گڑیا! اب تو اتنی چھوٹی بھی نہیں کہ بات سمجھ نہ سکے۔ ان چیزوں پر بہت سے پیسے خرچ ہوتے ہیں اور تیرے باپ کے پاس پیسے نہیں ہیں۔ مت لوگوں کی چیزیں دیکھ کر للچایا کر۔'' اماں نے بھنویں چڑھا کر صبح صبح جھاڑ دیا۔

''تو چپ کر صفیہ کی ماں، میں اپنی گڑیا کو سمجھاتا ہوں۔'' ابا کی بات سن کر وہ ان کی طرف متوجہ ہوگئی۔

''گڑیا بیٹے! تمہارے باپ کی بہت تھوڑی سی تنخواہ ہے۔ اس میں یہ روکھا سوکھا بھی چل جائے تو اللہ کا شکر ہے۔ اس قدر مہنگائی میں پانچ افراد کا گزارا کرنا کتنا مشکل ہے۔ یہ سمجھنے کی کوشش کرو، تم سے بڑی دو جوان بہنیں ہیں، ان کی شادیاں بھی کرنی ہیں۔''

''اس کو کیا پرواہ، نواب زادی کی خواہشات پوری نہیں ہوتیں۔'' زینب نے چڑ کر کہا تو وہ بنا کچھ کھائے کمرے میں چلی گئی۔

''اتنا مت کہا کر۔ آخر غریب بھی انسان ہوتے ہیں۔ اچھا برا دیکھ کر دل مچل جاتا ہے۔'' برکت علی نے بیوی کو نرمی سے سمجھایا۔

○❖○

وہ نظریں بچا کر کوٹھی کے اندر پہنچ گئی۔

کچن میں رمضان بابا ہی تھے، وہ ان سے پوچھنے لگی۔

''رمضان بابا! سب نے ناشتا کرلیا۔''

''ہاں۔''

''برتن اٹھالاؤں۔''

''نہیں، میں اٹھالوں گا۔''

''ارے نہیں رمضان بابا۔ میں لے آتی ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ ناشتے کی میز پر پہنچ گئی۔ میز پر آدھا

انڈا ایک سلائس ہی بچا ہوا تھا۔ اس نے آرام سے اٹھایا کرسی کھینچ کر بیٹھی اور کھانے لگی۔ کافی دیر گزرنے پر رمضان بابا آگئے۔

''ارے گڑیا! یہ کیا کر رہی ہے؟ اٹھ بیگم صاحبہ نے دیکھ لیا تو شاید چپ بھی ہو جائیں۔ اگر صاحب نے دیکھ لیا تو تیرے ساتھ میری نوکری بھی جائے گی۔'' رمضان بابا نے ہاتھ پکڑ کر گھسیٹا اور کچن میں لے گئے۔

''رمضان بابا! دودھ ہے۔''

''ارے، جا یہاں سے۔ کیوں پاگل ہوئی ہے۔'' رمضان بابا نے بمشکل اسے کوارٹر کی طرف بھیجا۔ مگر کیاریاں ٹھیک کراتے ہوئے بیگم حمید کی نظر اس پر پڑ گئی۔

''گڑیا..... گڑیا! ادھر آؤ۔'' وہ بچا کھچا ڈبل روٹی کا ٹکڑا منہ میں رکھ کر ان کے پاس آگئی۔

''کیسے آئی تھی؟''

''وہ، وہ۔'' بتانے سے پہلے اسے کچھ احساس ہوگیا کہ رمضان بابا کی شامت آجائے گی۔ لہٰذا ٹال گئی۔

''اچھا جاؤ۔'' انہوں نے کہا تو وہ تیزی سے کوارٹر میں داخل ہوگئی۔ مگر کچھ ہی دیر بعد بیگم حمید کو اپنے گھر دیکھ کر وہ بوکھلا گئی۔ ان کے ہاتھ میں ایک پلیٹ تھی جس میں ڈبل روٹی تھی۔

''زینب! یہ لو، گڑیا کو دو۔'' ہاتھ سے پلیٹ پکڑتے ہوئے زینب شرمندہ سی ہوگئی۔

''اس کی کیا ضرورت تھی؟''

''کوئی بات نہیں، کبھی کبھی یہ ناشتا بھی کر لینا چاہیے۔'' وہ خوش دلی سے کہہ کر چلی گئیں تو زینب نے تیزی سے اٹھ کر اسے بالوں سے پکڑا اور کمرے میں لے گئی۔

''بے غیرت، بے شرم تو کچھ کر کے آئی ہے جو بیگم صاحبہ یہ لے کر آئیں۔ تو نے ہماری عزت خاک میں ملانے کا سوچ لیا ہے، بول کیوں گئی تھی۔ کیوں.....؟'' شدید پٹائی کے دوران زینب کی زبان بھی چل رہی تھی۔

''امی! چھوڑو، چھوڑ دے۔'' صفیہ اور ثریا چھڑانے کی کوشش میں ہانپ رہی تھیں۔

''میں نے کیا کیا ہے۔'' جب زینب نے چھوڑا تو وہ روتے ہوئے بولی۔

''مجھے کیا پتا کیا لے کر آئی ہیں؟''

''صرف آدھا انڈا اور ایک ٹکڑا ہی تو کھایا ہے۔'' وہ حد درجہ معصومیت سے منہ بسورتے ہوئے بولی۔

''کیوں..... کیوں..... بول، تیری اس حرکت نے ہمیں کتنا نیچا دکھایا ہے۔'' زینب خود بھی رونے لگی۔

''ایسا کیوں کرتی ہے گڑیا؟'' صفیہ باجی بولیں۔

''غریبوں کا یہ بڑا جرم ہے۔ تو خواہشات کے جنگل میں کیوں بھاگتی ہے، صبر و قناعت سے اپنے گھر میں رہا کر۔'' صفیہ باجی نے اس کے بال سنوارے۔

''بڑی بیگم صاحبہ وہ تمہارے لئے لائی ہیں۔'' وہ مسکرا کر درد بھول گئی۔

''پاگل وہ لائی نہیں، یاد کرانے آئی تھیں کہ ہماری اوقات کیا ہے۔ امیروں کے اتنے ٹکڑے کوڑے کے ڈھیر پر گریں یا جانور کھا جائیں۔ انہیں پرواہ نہیں ہوتی۔ مگر جب کسی انسان کے حلق سے اترتے ہیں تو یہ بے چین ہو جاتے ہیں۔ بیگم صاحبہ نے تو بڑا مہذب طریقہ اختیار کیا ہے۔ ورنہ تمہیں اتنی بے عزتی کے ساتھ گھر سے نکالتیں کہ تم تصور بھی نہیں کر سکتیں۔'' ثریا باجی نے پیار سے اس کے سرخ تھپڑ کھائے۔ گال سہلاتے ہوئے سمجھانے کی کوشش کی۔

''یہ عزت کی چھت ملی ہوئی ہے تو کلموہی چھنوا کر رہے گی۔'' زینب غصے سے کہہ کر افسردہ سی لیٹ گئی۔

''تو کوٹھی کے اندمت جایا کر۔'' صفیہ باجی بولیں۔

''صفیہ باجی! کتنے اچھے کمرے میں جھالروں والے پردے، بڑی بڑی تصویریں اور گلدان کتنے خوب صورت ہیں اور جس پر بڑی بیگم صاحبہ بیٹھتی ہیں، وہ صوفہ کتنا نرم ہے۔ کمرا ٹھنڈا کرنے کی مشین سے ساری گرمی ختم ہو جاتی ہے۔ ہمارا کمرا کتنا گرم ہوتا ہے۔'' لمحہ بھر کو سانس لیا پھر بولی۔ ''اور چھوٹے صاحب کا کمرا تو کتنا گرم ہوتا ہے۔'' لمحہ بھر کو سانس لیا پھر بولی۔ ''اور چھوٹے صاحب کا کمرا تو تم نے خوابوں میں بھی نہیں دیکھا ہوگا۔ دل چاہتا ہے، بیٹھی رہوں۔''

''بری بات، یہ ساری باتیں حرص کے معنی میں آتی ہیں۔ ہمارا گھر یہ ہے۔ ہمیں اس کے بارے میں بات کرنی چاہیے۔ وہ مالک ہیں اور ہم نوکر۔'' ثریا نے سختی سے کہا تو وہ چپ ہو گئی۔

○❖○

کئی دن تک زینب کو ملال رہا کو اس نے اپنی معصوم گڑیا کو کتنا مارا..... کچھ بھی تھا بیٹی ہے، ماں، اولاد سے بہت پیار کرتی ہے۔ دکھ ہو یا سکھ۔ ماں باپ واحد ہستیاں ہوتے ہیں جو اولاد کو گلے سے لگا کر رکھتے ہیں انہیں مقدور بھر خوشیاں دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ زینب اندر ہی اندر کڑھتی رہی تو اسی وجہ سے بخار ہو گیا۔ شام کو چھٹی کے بعد برکت علی نے محلے کے میڈیکل اسٹو سے بخار کی گولیاں لیں اور آ گئے۔ زینب کو دوا دے کر وہ اس کو پڑھنے کی کوشش کرنے لگے۔

''کیا دیکھ رہے ہیں؟''

''صفیہ کی ماں! پریشان ہو کر تم نقصان کرو گی۔''

''مجھے صرف گڑیا کی پریشانی ہے۔''

''گڑیا ابھی زیادہ سمجھ دار نہیں ہوئی۔ عقل آ جائے گی۔''

''مجھے ڈر لگتا ہے، وہ کوئی ایسی ویسی حماقت نہ کر بیٹھے جس سے ہم رسوا ہوں۔''

''خدا نہ کرے۔ ایسا کچھ نہیں ہوگا۔'' آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''اسے کوئی اچھی بری بات ہی نہیں آتی۔ کوٹھی کے اندر جاتی ہے تو خواہشات کا طوفان ساتھ لے آتی ہے۔'' زینب نے نقاہت سے کہا۔

''نظر رکھا کرو تا کہ جانے نہ پائے۔''

''ارے اتنی آفت ہے، نظروں میں دھول جھونک جاتی ہے۔''

''چلو، اللہ مالک ہے۔ اب جان سے تو مار نہیں سکتے۔'' برکت علی افسردہ ہو گئے۔

''صفیہ اور ثریا کی فکر الگ کھائے جا رہی ہے۔''

''ہاں یہ تو ہے۔ تم کہہ رہی تھی کہ بڑی بیگم صاحبہ نے کوئی ذکر کیا تھا۔''

''کیا تو تھا مگر کچھ واضح نہیں۔''

''پھر ان سے کہو، شاید کوئی سبب بن جائے۔''

''اللہ کرے، مگر سوچتی ہوں کہ ایسا ہو بھی گیا تو پیسے کہاں سے آئیں گے۔''

''تم فکر نہ کرو۔ اللہ کوئی ذریعہ بھی بنائے گا۔ فی الحال تم کل جانا اور ان سے درخواست کرنا۔'' برکت علی نے عشاء کی اذان سن کر اٹھتے ہوئے کہا۔

''اچھا ٹھیک ہے۔'' وہ دھیرے سے بولی۔

''اب تم آرام کرو تا کہ بخار اتر جائے۔'' وہ جاتے جاتے بولے۔

''ثریا..... ثریا!'' زینب نے آہستہ سے پکارا۔

''جی اماں!''

''ذرا میرا سر دبا دے، بڑا شدید درد ہو رہا ہے۔'' ثریا کی بجائے گڑیا نے آ کر دبانا شروع کر دیا۔ زینب نے دیکھا تو تڑپ کر اسے سینے سے لگا لیا۔ پھر خوب اس کے گالوں پر پیار کیا۔ وہ تو بے قصور اور معصوم تھی۔ اس کا جرم صرف غریبی تھا۔ اس کی معصوم خواہشات کوئی ماورا نہیں تھیں۔ اسی دنیا، اسی زندگی کا حصہ تھیں۔ مگر جس کی دسترس میں آ جائیں وہ خوص نصیب اور جس کا ہاتھ خالی رہ جائے تو بدبختی زندگی بھر ساتھ رہتی ہے۔ گڑیا کے خوب صورت چہرے پر غریبی کا داغ لگا ہوا تھا۔

○❖○

اگلی صبح ''لال کوٹھی'' میں خوشیوں بھری افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ زینب اپنا مدعا لے کر گئی مگر نہ بڑی بیگم صاحبہ ملیں اور نہ دلہن بیگم۔ اس نے رضیہ سے پوچھا۔

''خیریت ہے رضیہ؟''

''دلہن بیگم کے بیٹی پیدا ہوئی ہے، سب اسپتال گئے ہیں۔ میں بھی ابھی جا رہی ہوں۔ تمہیں چلنا ہے تو چلو۔'' رضیہ نے اپنے مخصوص انداز میں تیز تیز بتایا۔

''اچھا ہاں چلتی ہوں۔ شاید کوئی کام ہو۔'' زینب نے خوشی سے کہا۔

"؟ تو آؤ، ڈرائیور ناشتا لے کر جا رہا ہے چلیں۔" رضیہ اسے ساتھ لے کر چل دی۔ زینب جو بات کرنے آئی تھی قدرت نے اس کا موقع ہی نہ دیا۔ بات کچھ سے کچھ ہو گئی۔

"رضیہ! میں ذرا صفیہ کو بتا دوں کہ ہم اسپتال جا رہے ہیں۔" زینب جلدی جلدی کوارٹر تک گئی اور صفیہ کو کہہ کر واپس آ گئی۔ گیٹ پر برکت علی کو بتایا۔ گڑیا کے کان میں جو یہ بھنک پڑی تو چپل پیروں میں ڈال کر سیدھی کوٹھی کے اندر پہنچ گئی۔ ان خوب صورت آرام دہ کمروں میں جانے کی خواہش اس کی ہر دم بیدار رہی تھی۔ بڑی بیگم کی کرسی پر بیٹھ کر دیکھا پھر چھوٹے صاحب کے کمرے میں آ گئی۔ کمرے میں گھستے ہی دلفریب خوشبو اسے محسوس ہوئی۔ لمبی لمبی سانسیں بھر کے خوشبو من کے اندر اتارنے لگی، نرم گداز بستر پر لیٹ کر کروٹیں بھر کے دیکھا۔ قد آدم آئینے پر نظر ڈالی تو طرح طرح کی بوتلوں نے اپنی طرف کھینچا۔ سب کو چھو چھو کر دیکھا۔ کتنا اچھا لگ رہا تھا۔ مہین پردوں کے ساتھ لہرانے کو من مچل رہا تھا۔ خوابوں کی دنیا کا احساس ہو رہا تھا اور وہ خوابوں کی دنیا میں دور تک نکل گئی۔ احساس نے اس وقت ننگی تاروں کو چھو لیا جب بیگم حمید نے خشمگیں نظروں سے گھورا۔ وہ دم بخود رہ گئی۔ ان کے چہرے پر ناگواری کی کیفیت تھی۔ کچھ کہنا چاہتی تھیں مگر غصے سے پھڑ پھڑاتے لب اجازت نہیں دے رہے تھے، بڑے تحمل سے صرف اتنا کہا۔

"جاؤ اپنے کوارٹر میں۔" وہ سہمی سہمی سی آ گئی۔

زینب اور رضیہ کو انہوں نے کچن میں یخنی بنانے کے لئے بھیجا تھا۔ جونہی وہ دونوں ان کے پاس آئیں تو رضیہ کو چھوٹے صاحب کے کمرے کی صفائی کے لئے بھیج کر انہوں نے سنجیدگی سے زینب کو گڑیا کی حرکات و سکنات کے بارے میں بتایا۔

"دیکھو زینب! تمہاری گڑیا کے لچھن اچھے نہیں۔ اس کے لڑکپن پہ مت جاؤ۔ اس کی حرکتیں نوٹ کرو، چھوٹے صاحب کے کمرے میں جس طرح اس کا انگ انگ لہرا رہا تھا، مجھے خوف محسوس ہوا دیکھ کر، اسے سمجھاؤ۔ بنا اجازت کسی کے گھر میں داخل نہیں ہوتے۔ یہ تو پھر کمرے میں گھس گئی۔ دلہن بیگم یا توصیف نے دیکھ لیا ہوتا تو زیادہ ناراضگی ہوتی۔"

وہ کہہ چکیں مگر زینب تو جیسے شرمندگی سے زمین میں دھنس گئی۔ چہرے پر غم و غصے کے آثار پیدا ہو گئے۔ بخار کی نقاہت گئی نہ تھی کہ وہ سرتا پا لرزنے لگی جیسے تیسے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگی اور کوارٹر تک آئی۔ چہرے پر چمکتے پسینے اور خشک پھڑ پھڑاتے لبوں کو دیکھ کر صفیہ اور ثریا پریشان ہو گئیں۔ انہیں سہارا دے کر پلنگ تک لائیں، جلدی سے پانی لا کر دیا۔ وہ دور بیٹھی گڑ کھانے میں مصروف رہی۔

"گڑیا...... گڑیا، کمینی، نیچ ادھر آ۔" زینب کا پارہ چڑھ گیا...... وہ آہستہ آہستہ قریب آ گئی۔ زینب نے اس کے بال پھر مٹھی میں جکڑ کے منہ پر تواتر سے تھپڑ رسید کر:

"کلموہی، بدذات۔ کیا تیرے من میں سمائی ہے، کیوں ہماری جان لینے پر تلی ہے، کیوں تو بغیر اجازت کے چھوٹے صاحب کے کمرے میں گئی؟" چیخ و پکار کے بعد زینب خود بری طرح ہانپنے لگی۔

"اماں! میں نے کچھ خراب نہیں کیا۔ بس دیکھا تھا۔" وہ روتے روتے صفائی پیش کرنے لگی۔

"کیوں دیکھا تھا، کیا تیرے باوا کا مال ہے جیسے تو دیکھتی ہے۔" وہ دھاڑی۔

"شرم نہیں آتی تجھے گھر میں کلس کرتی ہے، روز ہی نیا ہنگامہ کھڑا کرتی ہے۔" صفیہ باجی نے بھی شدید غصے سے اسے دھکا دیا۔

"میں نے کچھ نہیں کیا۔" وہ رو دی۔

"تو نے سب سے بڑا جرم کیا ہے۔ بنا اجازت کے کیوں گئی تو۔" ثریا بھی برہمی سے بولی۔

"پتا نہیں تیرے دماغ میں کون سا بھوت گھس گیا ہے جو نکلتا ہی نہیں۔" زینب سسکیاں لینے لگی۔

"اماں...... وہ...... میں......"

"دفع ہو جا میری نظروں کے سامنے سے۔" زینب نے غصے میں لات رسید کی تو وہ اٹھ کر کمرے میں چلی گئی۔ گھر کی فضا پھر بوجھل سی ہو گئی۔ زینب جی بھر کے روئی۔ صفیہ اور ثریا بھی پریشان سی ماں کو دیکھتی رہیں۔ دل کی حسرتیں آنسوؤں کے راستے بہہ نکلیں۔ اس زندگی کے المیے پر وہ رونے کے سوا کیا کر سکتی تھیں۔"

○❖○

بچی کی پیدائش سے مسلسل "لال کوٹھی" میں گہما گہمی تھی۔ خیرات دی جا رہی تھی، صدقہ دیا جا رہا تھا۔ مبارک بادیں وصول کی جا رہی تھیں۔ دل کھول کر مٹھائی تقسیم ہو رہی تھی۔ دلہن بیگم بچی کے ہمراہ گھر آ چکی تھیں۔ بیگم حمید خوب جی کے ارمان نکال رہی تھیں۔ ان کے خوشی سے قدم زمین پر نہیں ٹکتے تھے۔ اتنے بڑے گھر میں معصوم کلکاریاں سننے کی وہ کب سے منتظر تھیں۔ اب اللہ نے ان کی آرزو پوری کی تھی اور انہیں اپنا آپ بھولنے لگا تھا۔ بچی کا نام انہوں نے تابندہ رکھا جسے توصیف نے فوراً تابی کر دیا۔ بیگم حمید مسکرا دیں۔

اپنی خوشیوں میں مصروف بیگم حمید یہ بالکل بھول گئیں کہ اس خوشی میں غریب ملازمین بھی شریک ہونے چاہئیں۔ برکت علی کا گھر تو جیسے انہیں بالکل ہی یاد نہ رہا۔ جب یاد آیا تو کام کرتی زینب کو بلا کر معذرت سے کچھ مٹھائی اور کپڑے دئے۔ جنہیں زینب خاموشی سے بغل میں دبا کر چلی آئی۔

"اماں! کیا لائی ہو۔" گڑیا چیل کی طرح ان کے ہاتھ میں پکڑے لفافے پر جھپٹی۔

"مٹھائی ہے اور کپڑے ہیں۔" زینب قریب پڑے پلنگ پر بیٹھ گئی۔ چیزیں ان تینوں کے آگے کر دیں۔ صفیہ اور ثریا نے مٹھائی کھالی مگر گڑیا نے تھوڑی سی کھا کر تھوک دی۔

"کیا ہوا؟"

"بو آ رہی ہے۔" اس نے ناک چڑھائی۔

"واہ میم صاحبہ کو بو آ گئی۔" زینب کو غصہ آ گیا۔

"اماں! کھا کر دیکھ لو۔" وہ سچائی پیش کرنے لگی۔

''اچھا اچھا جو ہمارے نصیب میں تھا، مل گیا۔'' زینب نے جھلا کر کہا۔

''ہمارے نصیب میں سڑی ہوئی مٹھائی تھی۔'' گڑیا کے مزید کریدنے پر زینب نے چپل کھینچ ماری۔

''جو دینا تھا دے دیا۔ کیا میں جا کر لڑوں۔''

اچھا یہ بتاؤ تم نے چھوٹے صاحب کی بیٹی کو دیکھا ہے۔'' وہ بھولپن سے پوچھنے لگی۔

''ہاں، بہت پیاری ہے، تابندہ نام رکھا ہے بیگم صاحبہ نے۔''

''اماں! میں دیکھنے جاؤں۔'' وہ مارے شوق کے جلدی سے بولی۔ زینب کو تاؤ آ گیا۔

''پھر وہی، نہیں جانا۔''

''اماں! ایک دفعہ دیکھ کر واپس آ جاؤں گی۔''

''سنا نہیں کہ تمہارا وہاں کیا کام ہے۔'' صفیہ باجی نے سرزنش کی۔

''چھوٹے سے بچے پیارے ہوتے ہیں، میں اس کو دیکھنا چاہتی ہوں۔'' اس کی آنکھوں میں شوق ہی شوق تھا۔

''فی الحال نہیں، کچھ دنوں بعد۔'' زینب نرمی سے بولی۔ ماں کے منع کرنے پر فی الحال تو واقعی خاموش ہو گئی۔ مگر جونہی ان کی نظر ادھر ادھر ہوئی تو ننگے پاؤں وہ کوٹھی کے اندر تھی۔ دبے قدموں سے اس نے ہال کمرے میں دیکھا، بڑی بیگم صاحبہ کی کرسی خالی تھی۔ پھر وہ سیدھی چھوٹے صاحب کے کمرے میں چلی آئی۔ پردہ اٹھاتے ہی رک گئی۔ اس وقت بیگم صاحبہ، دلہن بیگم اور چھوٹے صاحب تینوں ہی بچی کے گرد تھے۔ اسے اس طرح کھڑا دیکھ کر چھوٹے صاحب نے درشت لہجے میں پوچھا۔

''کیا کام ہے۔''

''بیگم صاحبہ جی! مجھے تابندہ کو دیکھنا ہے۔'' وہ براہ راست بیگم صاحبہ سے بولی۔ کیونکہ چھوٹے صاحب کے تند مزاج سے تو وہ ویسے ہی ڈرتی تھی۔

''اچھا آؤ، آؤ ادھر۔'' بیگم صاحبہ نے اپنے پاس بلایا۔ وہ ان کے پاس آ گئی۔ خوب صورت گول مٹول سی مندی مندی آنکھوں والی تابندہ کو دیکھتے ہوئے اس کی آنکھیں چمکنے لگیں، لب مسکرانے لگے۔

''بیگم صاحبہ! میں گود میں لے لوں۔'' اس نے پھر انہی سے کہا۔

''ہاں لے لو۔'' ابھی وہ لینے بھی نہ پائی تھی کہ چھوٹے صاحب بولے۔

''پھر کسی وقت آ کر لے لینا۔ ابھی سو رہی ہے۔'' اس کا صاف مطلب تھا کہ وہ کمرے سے جائے۔ وہ اسے گود میں لے کر کھلانے کی حسرت لئے واپس آ گئی۔ اسے آتا دیکھ کر ثریا نے خاموشی اختیار کر لی۔ ایک طرف لے جا کر آہستہ سے بولی۔

''تو پھر اندر گئی تھی۔''

''باجی! تابندہ اتنی پیاری ہے کہ بس کیا بتاؤں؟''

''جب تجھے اماں نے منع کر دیا تھا پھر بھی باز نہیں آئی۔'' ثریا نے غصے سے کہا۔

''آج کسی نے نہیں ڈانٹا، چھوٹے صاحب نے پیار سے تابندہ میری گود میں دے دی۔'' وہ خود سے جھوٹ بول گئی۔

''پھر!'' ثریا کچھ نرم ہو گئی۔

''پھر کیا، میں چھوٹے صاحب کو دیکھتی رہی۔ وہ کتنے اچھے ہیں۔ کتنے اچھے کپڑے پہنتے ہیں۔ ثریا باجی! میں ابا سے کہوں گی کہ آپ کی اور صفیہ باجی کی شادی بھی چھوٹے صاحب جیسے لڑکوں سے کریں۔''

''چپ ایسا نہ کرنا، ہماری ایسی تقدیر کہاں؟ ہمارے لئے تو یقیناً کوئی برکت علی جیسا ہی ہو گا۔'' ثریا کا لہجہ پوری طرح نمکین ہو گیا۔ گڑیا کی آنکھوں میں جلتی قندیلیں ایک دم بجھ گئیں پھر جگمگائیں اور بولی۔

''میں تو ایسے صاحب سے ہی شادی کروں گی۔''

''آمین!'' ثریا نے اس کی پیشانی چوم لی۔

○❖○

پھر تو گڑیا کی زندگی جیسے اپنے کوارٹر سے نکل کر چھوٹے صاحب کے کمرے تک محدود ہو گئی۔ تابی کے بت میں جیسے اس کی معصوم آرزوئیں سمٹ آئی تھیں۔ صبح، دوپہر، شام وہ اس کے اردگرد ہوتی۔ بیگم حمید نے دلہن بیگم کو سمجھا دیا تھا کہ کوئی بات نہیں۔ آنے دیا کرو۔ صرف چھوٹے صاحب کی موجودگی میں وہ کمرے میں نہ جاتی وگرنہ سارا وقت وہیں رہتی۔ تابندہ کے لئے کمرے میں اتنے ڈھیر سارے کھلونے تھے کہ وہ حسرت سے ان کھلونوں سے کھیل کر اپنی تمنا پوری کرتی۔ خاص طور پر ایک نیلی آنکھوں والی سنہری بالوں والی گڑیا کے بارے میں بتاتی۔ ایسے میں زینب ہر ممکن اسے باز رکھنے کی کوشش کرتی۔ ڈانٹ کر، غصے سے، مار کر اس نے روکنا چاہا مگر بے سود۔

دلہن بیگم سوا مہینہ نہا کر لاہور گئیں تو اس کی ساری خوشیاں ان کے ساتھ چلی گئیں۔ تابندہ کی یاد میں صبح سے شام تک اداس رہتی۔ بیگم صاحبہ سے دن گن گن کر ان کے واپس آنے کا پوچھتی۔ ایسے میں وہ ہنس دیتیں۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ اڑ کر جائے اور تابندہ کو گود میں اٹھا لے۔ مگر ایسا وہ صرف سوچ کر رہ جاتی۔ کر کچھ نہ سکتی تھی۔ اماں نے ایسے میں اسے منع کر دیا تھا کہ اب اندر مت جایا کرو۔ جب تابندہ آ جائے تو پھر جانا۔ وقتی طور پر تو وہ خاموش رہی مگر جوابال اس کے دل میں بے چینی پیدا کرتا تھا، اس کے آگے وہ بے بس ہو جاتی تھی پھر نہ اسے اماں کی باتیں یاد رہتیں اور نہ مار۔ وہ بے خودی میں بڑھتی چلی جاتی، نتیجے سے بے پرواہ ہو کر۔

اس مرتبہ تین چار روز ہو گئے تھے اور وہ اندر نہیں گئی تھی۔ اماں کو بیگم صاحبہ بازار لے گئیں تو اسے

موقع مل گیا۔

چھوٹے صاحب کے کمرے میں گھستے ہی وہ سرمستی کی سی کیفیت سے دوچار ہونے لگتی تھی۔ سب کچھ اسے اپنے خوابوں جیسا نظر آتا تھا۔ ہر چیز پکار پکار کر اسے اپنی طرف بلاتی تھی۔ اس کی ناتمام حسرتیں، سب کی سب اس کمرے میں جمع تھیں۔ کتنا دل چاہتا تھا کہ بھاگتے، دوڑتے، ناچتے، گاتے چہرے ٹی وی پر دیکھے مگر ان کے ہاں تو ریڈیو بھی نہیں تھا۔ میز پر رکھے ٹی وی نے گدگدی کی اور وہ لگی اس کا بٹن ٹٹولنے، مگر ناکام رہی پھر دلہن بیگم کے سرخ، گلابی، نارنجی، جامنی رنگوں میں سجے ہونٹ یاد آ گئے تو جھٹ اس نے لپ اسٹک اٹھا کر دیکھنی شروع کر دی۔ ان سے من بھرا تو نگاہ شوق اس خوب صورت گڑیا پر جا کر ٹھہر گئی، گڑیا اٹھا کر وہ چومنے لگی۔ اسے بانہوں میں لے کر تابندہ کی طرح جھلانے لگی۔ آنکھیں بند کر کے وہ اس گڑیا کے سنگ فضاؤں میں اڑنے لگی..... پورے کمرے میں چکراتے چکراتے دروازے کے قریب آئی تو بری طرح کسی سے ٹکرا گئی۔ جھٹ آنکھیں کھلیں تو تھر تھر کانپنے لگی۔ شدید شعلہ بار نظروں سے گھورنے والے تو صیف صاحب کھڑے تھے۔ انہوں نے سختی سے گڑیا اس سے چھین لی اور چلانے لگے۔

''شرم نہیں آتی چوری کرتے، بغیر اجازت کمرے میں داخل ہو کر یہ گل کھلاتی ہو گی، پہلے بھی کچھ نہ کچھ چرایا ہو گا۔'' وہ بلا تکان بولتے جا رہے تھے۔ ان کی چیخ و پکار پر بیگم حمید ہانپتی کانپتی آئیں۔ ابھی کچھ ہی دیر پہلے تو وہ بازار سے لوٹی تھیں۔ وہ ہونق بنی چھوٹے صاحب کو دیکھ رہی تھیں کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔

''آیئے امی جان! دیکھئے رنگے ہاتھوں پکڑا ہے، گڑیا چرا کر جا رہی تھی کہ اچانک میں آ گیا۔ دروازے سے پکڑا۔'' وہ ماں کو بتانے لگے۔

''گڑیا! ایسی حرکت کرتے غیرت نہیں آئی۔'' بیگم حمید مشتعل ہو گئیں بنا اس کی بات سنے۔

''ہنہ، اور سر چڑھائیں ان دو ٹکے کے نوکروں کو، لاکھ مرتبہ آپ کو سمجھایا ہے کہ انہیں اتنی آزادی اور چھوٹ مت دیا کریں۔ پہلے بھی نجانے کیا کچھ لے جا چکی ہو گی۔ ان چھوٹے لوگوں کا کوئی ایمان ہوتا ہے۔'' چھوٹے صاحب نے حقارت سے اس کی طرف دیکھا۔ ان کی خوب صورت نیلی آنکھوں کو وہ اس طرح بدنما ہوتا دیکھے گی، یہ اس نے سوچا بھی نہ تھا۔

''چل میرے ساتھ منہ کیا دیکھ رہی ہے۔'' بیگم صاحبہ نے تڑخ کر کہا تو وہ اپنی صفائی میں لب ہلائے بنا ان کے پیچھے پیچھے ہال کمرے میں آئی۔

''رضیہ..... اور رضیہ! جا زینب کو بلا کر لا۔'' رضیہ پلک جھپکتے میں گئی اور آ گئی۔ ساتھ میں زینب بھی آ گئی۔

''آؤ زینب! تمہاری گڑیا بیٹی نے اتنا گھٹیا فعل کیا ہے کہ ہمیں شرم آ رہی ہے۔'' زینب تو جیسے سناٹے میں آ گئی۔

''سن رہی ہو!''

''جی..... جی ہاں۔'' اس کے تو حواس گم ہو گئے۔

''چوری کی ہے اس نے، رنگے ہاتھوں پکڑ لیا ہے چھوٹے صاحب نے۔'' انہوں نے چبا چبا کر کہا۔ ان کی آواز پر گھر کے دیگر ملازمین بھی اکٹھے ہو گئے۔ وہ مجرم بنی کھڑی تھی، صداقت کیا ہے بتا نہیں پا رہی تھی۔

''ہیں، جی یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟''

''میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ چھوٹے صاحب کے کمرے میں تابندہ بیٹی کی گڑیا چرا کر نکل رہی تھی کہ چھوٹے صاحب نے آ لیا۔'' بیگم صاحبہ نے پوری تفصیل بیان کی..... سب نظروں ہی نظروں میں جیسے سرگوشیاں کرنے لگے۔

''گڑیا چوری کی.....'' زینب کی بے چارگی سے بھری آنکھیں ڈبڈبانے لگیں۔ سب کے درمیان وہ خود کو بنا کپڑوں کے سمجھنے لگی۔

''ہاں! چوری، چوری ہوتی ہے۔ چاہے گڑیا ہی کی ہو۔'' بیگم حمید نے طنز سے کہا۔

''کیوں ری، بے غیرت، بے حیا! شرم نہیں آئی ایسی حرکت کرتے، کاش تو پیدا ہوتے ہی مر گئی ہوتی۔ ہائے میرے اللہ میں کیا کروں؟'' زینب وہیں فرش پر بیٹھ کر سر پیٹنے لگی۔

''زینب اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں، اس لئے ہم تم پر شک نہیں کر رہے ہیں۔'' بیگم کو زینب کی سادگی کا اندازہ تھا۔ امید تو انہیں گڑیا سے بھی نہیں تھی۔

''اری بول! کیوں چوری کی۔'' زینب نے اٹھ کر دو ہتڑوں سے بری طرح پیٹ ڈالا۔

''اماں! میں نے چوری نہیں کی، بیگم صاحبہ جی! میں نے چوری نہیں کی۔'' وہ روتے روتے پکار اٹھی۔

''پھر یہ سب کیا تھا۔'' بیگم حمید نے نرمی سے پوچھا۔

''میں تابندہ کے خیال میں چلی گئی، گڑیا صرف اٹھا کر جھلا رہی تھی، اس سے کھیل رہی تھی۔''

''کیوں..... کیوں گئی تو کمرے میں..... کیوں گڑیا اٹھائی؟'' زینب نے زمین پر گرا کر لاتوں سے، مکوں سے مارنا شروع کر دیا۔ وہ پھر کچھ نہ بولی۔ چپ چاپ مار سہتی رہی۔

''زینب! اسے چھوڑ دو اور لے جاؤ۔'' بیگم حمید کو ترس آنے لگا، ان کی سمجھ سے باہر تھی یہ بات کہ کیا معاملہ تھا۔ تاہم اخلاقی فرض نبھاتے ہوئے انہوں نے زینب کو کہا۔

''چل ذلیل! اٹھ۔'' زینب گھسیٹتی ہوئی لے گئی۔

○❖○

زینب پلنگ پر لیٹی تین روز سے چپ چاپ آنسو بہا رہی تھی۔ ندامت اور شرمندگی کا احساس اسے اندر ہی اندر کچوکے لگاتا تھا۔ برکت علی کے لبوں پر بھی چپ کی مہر لگی ہوئی تھی۔ ان کی کمر کچھ اور

جھک سی گئی تھی۔ احساس شرمندگی کے باعث وہ کوٹھی کے ملازمین سے بھی نظریں چرا رہے تھے۔ بیٹی کی باتوں میں سچائی تھی۔ یہ تو وہ جان چکے تھے مگر ساتھ ساتھ یہ بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ غریبوں کی سچائی بھی تہمت بن جاتی ہے۔ الزام بن جاتی ہے، انسان الزام سہتا ہے، برداشت کرتا ہے۔ جیسے ان کا پورا گھر کر رہا تھا۔ صفیہ اور ثریا بالکل جمود کی کیفیت میں تھیں۔ سانس لیتے بھی ڈرنے لگی تھیں۔ ماں کو کڑھتا دیکھ کر خود بھی کڑھنے لگتیں۔ ایسے میں پابند کی گئی گڑیا پر ان کا غصہ نکلتا۔ وہ اسے برا بھلا کہنے لگتیں۔

"اور تو کوئی سکھ نہیں، عزت تھی، وہ بھی نیلام کر دی۔" صفیہ نے غصے سے کہا۔

"یہ تو اپنے ہی گھر کی دشمن ہو گئی ہے۔ دیکھ لیا چھوٹے صاحب کو۔" ثریا طنز سے بولی۔

"ہنہ، یہ کیا جانے گھوڑوں کی دلتیاں گھوڑے ہی سہہ سکتے ہیں، اپنی اوقات بھول جانے سے انسان منہ کے بل ہی گرتا ہے۔" صفیہ نے اسے گھورا۔ "دیکھ لیا اپنی کٹیا اور چھوٹے صاحب کے کمرے کا فرق، کیسے رسوا کرایا ہے سب کو۔" صفیہ باجی بے بسی اور شرمندگی سے رونے لگیں۔

"میری بات صفیہ باجی غلط نہیں ہے۔" گڑیا افسردگی سے بول۔

"غلط ہی ہے، جب تمہیں منع کر دیا تھا پھر کیوں گئی؟" صفیہ باجی نے پوچھا۔

"صرف گڑیا کو دیکھا تھا۔ وہ مجھے بہت اچھی لگتی ہے۔"

"تجھے تو سب کچھ اچھا لگتا ہے، اپنی تقدیر بھی اچھی لے کر پیدا ہوتی منحوس!" زینب غصے سے بولی۔

"ہاں...... میں منحوس ہی ہوں۔ کیونکہ کبھی تم نے مجھے گڑیا لے کر نہ دی، نام تو میرا بھی گڑیا ہے، مجھے کیا معلوم کہ میرے سے اچھی وہ گڑیا ہے جو وہاں بجی ہے، جسے چھونے سے یہ سب ہوا۔ میں بھی گڑیا ہوں۔ جسے اماں مارتی ہے۔ رلاتی ہے نہ میں ٹوٹتی ہوں اور نہ مرتی ہوں۔ میرے کیا خواب ہیں۔ کیا خواہشیں ہیں۔ پوری کی ہیں کبھی، وہ گڑیا جو نہ ہلتی ہے نہ آنکھیں کھولتی، نہ جاگتی ہے نہ سوتی ہے۔ اسے اتنے پیار سے رکھتے ہیں، میں کیسی گڑیا ہوں۔" وہ بری طرح سسکیاں لینے لگی۔ "بول نا اماں! میرا نام گڑیا کیوں رکھا...... مجھ میں اور اس گڑیا میں تو بہت فرق ہے۔ یہی تو میں اس میں دیکھتی تھی کہ وہ اصل گڑیا ہے یا میں۔ بول اماں! کون اصل ہے...... وہ ربر کی گڑیا یا یہ گوشت پوست کی گڑیا۔" وہ زینب کی پٹی سے لگ کر روتے روتے معصومیت سے پوچھ رہی تھی۔ ایسی دل دہلانے والی معصومی سے کہ زینب کا کلیجہ پھٹنے لگا۔ تڑپ کر اٹھی اور اسے سینے سے لگا لیا۔ بے اختیار اس کے سیاہ گھنیرے بال چومے، بڑی بڑی بھنورا سی آنکھیں چومیں۔ گلاب سے ہونٹ چومے۔

"تو اصل گڑیا ہے، میری گڑیا، بس فرق اتنا ہے کہ جب پیدا ہوئی تو اچھی طرح دیکھا، نازک، کامنی رنگ روپ پر نام رکھ دیا۔ اس کے بعد حالات نے ایسے الجھایا کہ غور سے دیکھنا ہی بھول گئی۔ غریبی اور بے بسی نے تیرے نازک خدوخال کو اپنے پیچھے چھپا لیا...... تو تو میری گڑیا ہے۔ پیاری سی، بھولی سی۔" زینب ماں تھی، بیٹی کے معصوم سچے سوالوں پر تڑپ اٹھی۔ وہ تو واقعی یہ بھول گئی تھی کہ گڑیا کیوں پیاری لگتی ہے، کیوں سب اس کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس کی گڑیا تو وقت اور حالات کی گرد میں دھندلا گئی ہے۔ اتنے دن کے رونے کڑھنے میں ایک دم ہی کمی آ گئی۔ اسے سینے سے لگایا تو ساری تکلیف بھول گئی۔

O❖O

وہ دسمبر کی سرد صبح تھی جب چیختی چنگھاڑتی ایمبولینس لال کوٹھی کے گیٹ کے اندر داخل ہوئی۔ ایک کہرام مچ گیا۔ بیگم حمید کی دلخراش چیخیں سن کر وہ سب بھاگ کر ان کے پاس پہنچیں، وہ دلہن بیگم اور ننھی تابندہ کی میتوں کو دیکھ کر حیران رہ گئیں۔

"بیگم صاحبہ جی! یہ کیا ہوا؟" زینب نے روتی ہوئی بیگم حمید سے پوچھا۔

"ارے کار کا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔ یہ دونوں ختم ہو گئیں۔"

"چھوٹے صاحب لینے گئے تھے۔"

"وہ ایمرجنسی میں ہے۔" یہ بتا کر وہ بے ہوش ہو گئیں۔ سب نے بمشکل سنبھال کر انہیں کمرے تک پہنچایا۔ بیگم حمید کا کوئی عزیز اوقارب نہیں تھا۔ ملازمین ہی حرکت میں آئے۔ بڑی مشکل سے بیگم حمید کو ہوش میں لایا گیا تو زینب، رضیہ سب نے رو رو کر ایک ہی منت کی۔

"بیگم صاحبہ! خود کو سنبھالیں۔ چھوٹے صاحب کو آپ کی ضرورت ہے، وہ اسپتال میں ہیں، رمضان بابا بتا رہے ہیں کہ ان کا آپریشن ہو رہا ہے۔ آپ اگر ہمت ہار گئیں تو ان کا کیا ہوگا۔"

"اور میری تابی۔ دلہن بیگم۔" وہ ہوش میں آتے ہی پھر رونے لگی۔

"اللہ کی یہی مرضی تھی۔ آپ اس وقت چھوٹے صاحب کے بارے میں سوچیں۔ وہ سلامت رہیں گے تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔" رضیہ نے کہا تو وہ ملازمین کی ہمدردی پا کر رو دیں۔ ان کا تھا ہی کون۔ آج یہ ملازم بھی نہ ہوتے تو کون ان کے غم میں شریک ہوتا۔ سب کو بھیگی بھیگی آنکھوں سے ایسے دیکھ رہی تھیں جیسے شکریہ ادا کر رہی ہوں۔

زینب نے صفیہ سے ڈرائیور کو گاڑی نکلوانے کے لئے کہلایا اور خود سہارا دے کر باہر لے آئی۔ اسپتال جانا ضروری تھا۔ میتوں کے کفن دفن کے انتظامات انہوں نے برکت علی کے سپرد کر دیئے تھے۔ برکت علی اشک بار سے سب کام کر رہے تھے۔

گڑیا تو تابندہ کے قریب سے ہل ہی نہیں رہی تھی، وہ تو شدت سے اس کا انتظار کر رہی تھی اور وہ اس طرح آئی کہ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھریں اس کا طواف کر رہی تھیں...... سب کی دبی دبی سسکیاں، آہیں پوری کوٹھی میں محسوس ہو رہی تھیں۔

شام تک برکت علی نے سارے انتظامات کر لئے، میتوں کو غسل دے کر تیاری کر کے برآمدے میں تخت پر لٹا دیا گیا۔ اب صرف انتظار تھا بیگم حمید کا جو توصیف کے آپریشن کی وجہ سے ابھی تک

اسپتال میں تھیں۔ جوں ہی آپریشن کے بعد ڈاکٹر نے حمید بیگم کو یہ روح فرسا خبر سنائی کہ توصیف صاحب کی جان خطر سے باہر ہے لیکن شدید خراب ہونے کے باعث دائیں ٹانگ کاٹنی پڑی تو وہ لرز اٹھیں۔ ''یا اللہ میں زندہ کیوں رہ گئی یہ خبر سننے کو۔'' ان کی دلدوز فریادوں سے اردگرد کے لوگ بھی افسردہ ہوگئے۔

''شکر کریں بیگم صاحب اللہ نے چھوٹے صاحب کی جان بخش دی۔'' رمضان بابا نے ڈھارس بندھائی۔

''ڈاکٹر صاحب! میں اپنے بیٹے سے مل سکتی ہوں۔''

''جی نہیں! ابھی وہ ہوش میں نہیں ہیں۔'' ڈاکٹر نے معذرت کی اور چلا گیا۔

''رمضان بابا! آپ یہاں رہیں، وہاں مغرب کے بعد جنازہ جانا ہے۔ ہمیں یہ پہاڑ بھی اٹھانا ہے۔'' وہ رندھے ہوئے گلے سے بولیں۔

''آپ جائیں، میں ہوں۔'' رمضان بابا نے کہا تو وہ ڈرائیور کے ساتھ گھر آگئیں۔

انتہائی رقت آمیز منظر تھا جب جنازے لال کوٹھی سے باہر نکلے۔ محلے کے تقریباً سب لوگ اس دکھ میں شریک تھے۔ جنازے جانے کے بعد نیم بے ہوشی کی حالت میں بستر پر گر گئیں۔ گریہ زاری کرتے کرتے زبان خشک ہوگئی تھی۔ ایسے میں صفیہ نے مشورہ دیا کہ انہیں نیند کی گولی دے دینی چاہیے تاکہ یہ رات بھر سو جائیں۔ مشورہ مناسب تھا۔ ڈاکٹر کے مشورے سے گولی منگوائی گئی اور کھلا دی، کچھ ہی دیر بعد وہ غم سے بیگانی ہو کر سو چکی تھیں۔

○❖○

اگلی صبح اتنا ہی دردناک عذاب لے کر آئی تھی، چائے کے دو گھونٹ پی کر وہ اسپتال پہنچیں۔ توصیف کو ہوش آچکا تھا۔ ماں کو دیکھ کر اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ انہوں نے سر پر اپنا چہرہ رکھ کر روتے ہوئے اسے تسلیاں دیں۔

''نہ رو میرے چاند، اللہ کو یہی منظور تھا۔''

''امی! میں بھی محتاج ہوگیا۔'' وہ بے چارگی سے بولا۔ ماں کے دل پر چوٹ پڑی۔ کافی دیر وہ سسکتی رہیں۔ بیٹے کو کوئی تسلی نہ دے سکیں۔ ایک ماں کس قدر تکلیف میں ہوتی ہے۔ جب اس کی اولاد پر کوئی افتاد آتی ہے، کوئی نقصان ہوتا ہے۔ یہ احساس انہیں پہلی مرتبہ ہوا تھا۔ اکلوتے لاڈلے بیٹے کی زندگی برباد ہوگئی تھی۔ یہ خیال ہی انہیں شدید کرب میں مبتلا کیے ہوئے تھا۔ سارا دن وہ اس کے سرہانے بیٹھی رہیں۔ ڈاکٹر نے زیادہ باتیں کرنے سے منع کیا تھا۔ اس لئے وہ چپ چاپ آیتیں پڑھ کر اس پر پھونک دیتیں اور دوپٹے سے آنسو صاف کر لیتیں۔

گھر کی تو انہیں مطلق پرواہ نہیں تھی۔ سب ختم، نذر، نیاز، زینب، رضیہ، صفیہ اور ثریا کے ذمے تھا۔ اپنا اپنا کام وہ انسانی ہمدردی کے تحت بہ احسن طریقے سے انجام دے رہی تھیں۔ ان کے لئے کھانا،

چھوٹے صاحب کے لئے جوس، یخنی سب وقت پر جا رہا تھا۔

اس پورے وقت میں صرف نظر انداز ہو رہی تھی گڑیا۔ جو کواٹر میں پڑی بخار میں پھنک رہی تھی۔ اس سانحے کا اثر اس نے شدید لیا تھا۔ کسی کو خیال ہی نہیں آیا کہ گڑیا کہاں ہے۔ کس حال میں ہے؟ برکت علی کسی کام سے گیٹ تو دوڑتے ہوئے زینب کو بلانے آئے۔

''بھاگوان اسے سنبھال، میں دوا لے کر آتا ہوں۔''

''گڑیا، میری بیٹی! کیا حال بنا لیا ہے تو نے؟'' زینب نے اس کے گال تھپتھپائے۔ لمحہ بھر کو اس کی آنکھیں ہولے سے وا ہوئیں اور پھر بخار کی حدت سے بند ہوگئیں۔ برکت علی دوا لے کر آئے، انہوں نے پہلے دو بسکٹ اور چائے لا کر دی۔ وہ نہ نہ کرتی رہی۔ زینب اور برکت علی نے چمکار، پچکار کر اسے کھانے پر مجبور کیا۔ دوا دی اور لحاف اوڑھا کر سلا دیا..... ایسی حالت میں کسی کا اس کے پاس رہنا ضروری تھا۔ زینب نے صفیہ کو اس کے پاس بھیج دیا اور خود اندر ہی رہی..... صفیہ بڑی دیر تک اس کے سر کو دباتی رہی۔ دوائی کے اثر سے پسینہ آنے پر بخار کم ہوا تو آنکھیں کھول کر صفیہ باجی کو دیکھا۔

''چھوٹے صاحب کیسے ہیں؟'' وہ الٹا پوچھنے لگی۔

''خطرے سے باہر ہیں۔''

''بس جو لکھا ہو، ہو کر رہتا ہے۔'' صفیہ باجی دکھ سے بولیں۔

''کیا ہماری طرح ان کے لئے بھی ایسا لکھا ہو سکتا ہے۔'' وہ معصومیت سے بولی۔

''پگلی! اچھا برا تو کسی بھی انسان کے ساتھ ہو سکتا ہے۔''

''اللہ کی مرضی، تم صرف اس بات پر ہی افسردہ ہو، جب کہ چھوٹے صاحب کی دائیں ٹانگ بھی کاٹ دی گئی۔''

نہیں..... نہیں، یہ نہیں ہو سکتا۔'' وہ دکھ سے اٹھ بیٹھی۔

''ایسا ہو چکا ہے، ان کی جان بچانے کے لئے ایسا کرنا ضروری تھا۔''

''مگر وہ تو اتنے خوب صورت ہیں۔ صرف ناراض ہوتے ہیں، اس کا میں برا نہیں مانتی۔'' وہ نہایت بھولے انداز میں بولی۔ صفیہ باجی کو ہنسی آگئی۔

''احمق! ہم پر وہ ناراض ہو سکتے ہیں کیونکہ انہیں حق اللہ نے دیا ہے مگر ان کے اس حادثے پر ہمیں دکھ ہے۔''

''باجی وہ جو کپڑے بھی پہنتے کتنا اچھے لگتے تھے۔ میں نے ہمیشہ انہیں خوب صورت ہی دیکھا ہے۔ وہ جو پینٹ پہنتے تھے، کیا اب پہن سکیں گے۔'' اس کی سادگی پر صفیہ کو ہنسی آرہی تھی۔

''پتا نہیں، لیکن تم فکر مت کرو۔''

''باجی چھوٹے صاحب چلتے تھے تو بہت اچھے لگتے تھے۔'' وہ جیسے چھوٹے صاحب کی ذات میں ہی پھنس گئی۔

”گڑیا! اتنی غور سے دیکھتی تھی تم۔“ صفیہ باجی نے عجیب لہجے میں پوچھا۔

”ہاں، آپ نے نہیں دیکھا کیا؟“ وہ سادگی سے بولی۔

”اب ایسا مت کرنا۔“ انہوں نے ٹوکا۔

”اب تو انہیں ہماری ہمدردی کی ضرورت ہوگی۔“

”نہیں کرنی ہمدردی اور نہ ہی ان بڑے لوگوں کو ہمدردی کی ضرورت ہوتی ہے، انہیں نوکروں کی ضرورت ہوتی ہے، وہ بہت سے مل جاتے ہیں۔“ صفیہ زچ ہوگئی۔

”باجی تابندہ کے کھلونے، دلہن بیگم کے کپڑے، زیور کون لے گا؟“

”کوئی بھی لے، تم خاموش ہو جاؤ، کوئی فکر کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔“ صفیہ کو تکرار پر غصہ آ گیا۔ وہ برا سا منہ بنا کر چپ ہوگئی۔

○❖○

”لال کوٹھی“ کے در و دیوار پر گہرا جامد سناٹا چھایا تھا۔ خاموش سی اداسی نے پوری کوٹھی کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ سوئم کے بعد بھی اداسی اور دکھ قائم تھا۔ چھوٹے صاحب کے پاس اسپتال میں رات دن بیگم حمید موجود رہتیں۔ حالانکہ سب نے انہیں مشورہ دیا کہ گھر جا کر آرام کریں۔ اس طرح تو بیمار ہو جائیں گی۔ مگر بیٹے سے لمحہ بھر کو بھی وہ دور رہنا نہیں چاہتی تھیں۔

آج توصیف خاصے بہتر تھے۔ ناشتے کے بعد اماں سے بولے۔

”امی جان! آپ آج گھر جائیں، آرام کریں، کل آیئے گا۔“

”نہیں، میں ٹھیک ہوں، تم فکر نہ کرو۔ بیگم حمید نے بیٹے کی پیشانی چومتے ہوئے کہا۔

”پھر ہم دونوں ہی گھر چلتے ہیں۔“

”نہیں، ابھی کیسے جا سکتے ہیں؟“

”ڈاکٹر سے میں نے پوچھا تھا، وہ کہتا ہے صرف ٹانگ کا ہی مسئلہ ہے۔ باقی چوٹیں مندمل ہو چکی ہیں۔ درد بھی نہیں ہے۔ گھر پر بھی ڈاکٹر روز آ سکتا ہے۔“

”مگر۔“

”مگر کچھ نہیں، میں یہاں تنگ آ گیا ہوں۔“

”اچھا میں ڈاکٹر صاحب سے مشورہ کر کے آتی ہوں۔“ وہ اٹھ کر چلی گئیں تو توصیف کی خوب صورت آنکھوں سے دو موتی ٹوٹ کر تکیے میں جذب ہو گئے۔ کیسے تباہ ہو گئی تھی زندگی۔ تین سال جس کی سنگت میں، شراکت میں گزارے وہ شریک سفر نہ رہی، جس بیٹی کے دیکھنے سے سارے جہاں کی خوشی ملتی تھی، وہ بیٹی نہ رہی۔ اپنا آپ تو وہ بھی مٹی میں مل گیا۔ ایک ٹانگ کی معذوری کیسے گا؟ بگاہے احساس پیدا کرے گی۔

”توصیف! تم تو جیسے کے نہیں رہے کسی کی نظر لگ گئی؟ کون سا گناہ کیا تھا جو یہ سزا ملی!“ وہ دکھ

سے سسک اٹھے، دروازے پر آہٹ محسوس ہوئی تو جلدی سے آنکھیں صاف کر ڈالیں۔ دروازہ آہستہ سے کھلا تو دنگ رہ گئے ہاتھ میں پھولوں کا تھیلا پکڑے گڑیا کھڑی تھی۔ اس کے معصوم چہرے پر آج بھی اداسی اور دکھ تھا۔

”سلام چھوٹے صاحب!“

”وعلیکم السلام، آؤ۔“ وہ دھیرے سے بولے۔

”چھوٹے صاحب، مجھے بخار تھا۔ آج ٹھیک ہوں، ڈرائیور کی منت کر کے آئی ہوں۔“ وہ معصومیت سے تفصیل بتانے لگی۔ وہ آہستہ سے مسکرا دیے۔

”اچھا! ہم سے ملنے، بیٹھو۔“ وہ کھڑی ہی رہی۔

”چھوٹے صاحب! ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔“

”ہنہ، مگر ایسا تو ہو گیا ہے۔“ وہ دکھی سے ہو گئے۔

وہ چپ چاپ انہیں دیکھتی رہی۔ اس کی سیاہ آنکھوں میں رحم ہی رحم تھا۔ جو چہرہ توصیف کو کبھی نظر نہیں آیا تھا، آج بار بار ان کی نگاہ اس سے الجھ رہی تھی۔ اس کی معصوم باتیں ٹھنڈے پانی کا احساس دلا گئی تھیں۔ کچھ بھی تھا۔ اس وقت اکھڑ اور مغرور توصیف کو ایسے ہی بے ضرر ہمدرد کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ انہیں آج وہ بیزار کر رہی تھی اور نہ غصہ دلا رہی تھی۔ وہ مطمئن تھے۔

”توصیف! اندر سے غصہ نکالو، تلاش کرو، ڈھونڈو۔“ ضمیر نے کہا تو وہ تلاش کے باوجود وہ زہر تلاش نہ کر سکے۔ جس کی وجہ سے وہ پہچانے جاتے تھے۔ ایک حادثے کے بعد انسان اس قدر تبدیل ہو جاتا ہے۔ اتنا تائب ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی کیفیت پر خود حیران تھے۔ انسان پہلے تائب کیوں نہیں ہوتا؟ توصیف خود سے سوال جواب کر رہے تھے اور وہ یک ٹک انہیں دیکھ رہی تھی۔ بیگم حمید آ گئیں تو حیرانی سے بولیں۔

”گڑیا! تم کس کے ساتھ آئی ہو؟“

”جی ڈرائیور کے ساتھ۔ میرا دل چاہتا تھا کہ چھوٹے صاحب کو ملنا ہے۔“ وہ اپنے مخصوص انداز میں بولی تو بیگم صاحبہ مسکرا دیں۔

”توصیف! ڈاکٹر صاحب نے اجازت دے دی ہے۔ ساری ہدایات دے دیں اور دوائیاں لکھ دی ہیں، روز ڈاکٹر چیک کرنے آئے گا۔“ بیگم حمید نے کہا۔

”چلیں پھر!“

”ہاں، اسٹیچر آ جائے۔“

”گڑیا! تم سب چیزیں اکٹھی کرو اور گاڑی میں رکھواؤ۔“ بیگم حمید نے کہا تو وہ جلدی جلدی کام میں لگ گئی۔ بیگم حمید کی آنکھیں بھر آئیں۔

”امی! آپ رو رہی ہیں۔“

"ہاں، ایک ماں، بیٹے کی ٹانگ چھوڑ کر جائے تو روئے گی ضرور۔"

"نہیں، مجھے ہمت دینے والی ماں روئے گی نہیں۔" توصیف نے کہا۔

"ہاں، نہیں روؤں گی۔" انہوں نے فوراً آنسو صاف کر لئے۔

○❖○

شام ڈھل رہی تھی۔ بیگم حمید، توصیف کو گہری نیند سوتا دیکھ کر ہال کمرے میں آ گئیں۔ بیٹے کے سامنے جو قفل احساسات پر ڈال کر رکھتی تھیں، وہ ٹوٹ گیا۔ تنہائی پاتے ہی وہ بری طرح سسک اٹھی۔

"کتنا اداس اور غمگین ہو گیا ہے میرا توصیف۔" وہ تڑپ کر رو دیں۔ اس کے سامنے ہمت بڑھانے کی باتیں کرتیں اور بعد میں بھربھری ریت کی مانند بکھر جاتیں۔ جواں خوبرو بیٹے کی زندگی کا یہ المیہ انہیں کھا رہا تھا۔ اس وقت بھی وہ بھیگی آنکھیں صاف کر رہی تھیں کہ گڑیا آ گئی۔

"بیگم صاحبہ جی! آپ نہ روئیں، چھوٹے صاحب کو دکھ ہوگا۔" اتنی محبت اور ہمدردی سے اس نے کہا کہ وہ غور سے دیکھنے پر مجبور ہو گئیں۔ وہ ان کے پیروں میں قالین پر بیٹھ گئی۔

"اس کے دکھ پر تو رو رہی ہوں۔"

"وہ اچھے ہیں، ٹھیک ہو جائیں گے۔"

"ہاں، اس کی معذوری۔" وہ کرب سے بولیں۔

"بیگم صاحبہ جی۔ کوئی تو انہیں سہارا دے گا، ان کی معذوری ختم ہو جائے گی۔" وہ بڑے سمجھدارانہ انداز میں باتیں کر رہی تھیں۔

"آمین!" انہوں نے صدق دل سے دعا کی۔ اسی لمحے زینب آ گئی۔ اس نے گڑیا کو دیکھا تو بگڑ گئی۔

"تو یہاں کیا کر رہی ہے۔ چل گھر۔"

"ارے رہنے دے زینب، تنہائی کھانے کو دوڑتی ہے۔" بیگم حمید آہستہ سے بولیں۔

"بیگم صاحبہ! اس کی احمقانہ حرکتوں سے ڈر لگتا ہے، چل گھر اور آئندہ بغیر مجھے بتائے نہیں آئے گی تو۔" زینب ڈری ہوئی تھی۔ اس لئے ایسا کہہ رہی تھی۔ اسے کیا معلوم کہ لال کوٹھی کے مکین چوٹ کھا کر درد محسوس کرنے کے قابل ہو گئے ہیں اسے تو یہ ڈر تھا کہ اب تو چھوٹے صاحب مستقل کمرے میں رہتے ہیں۔ کہیں یہ پھر کوئی تہمت نہ لگوا لے۔

"نہیں زینب! ہم میں سے کوئی بھی گڑیا کو نہیں سمجھ سکا۔ یہ تو بہت سادہ ہے، معصوم ہے، دل کا درد کم کر دیتی ہے۔" زینب ہونق بنی بیگم صاحبہ کا منہ دیکھ رہی تھی یہ گڑیا کے بارے میں ان کا خیال تھا۔

"آپ جانتی ہیں کہ اوٹ پٹانگ حرکتیں کرتی ہے۔ ہر چیز کو چھیڑتی ہے۔ ہمیں عزت بہت پیاری ہے۔" زینب کو گزشتہ ذلت یاد آ گئی۔

"خیر کچھ بھی کہو، ہم کسی سے باتیں کرنا چاہتے ہیں۔"

"اماں! تو چل میں آتی ہوں۔" وہ بولی۔

"کیوں..... ساتھ چل۔" زینب نے گھورا۔

"میں ایک منٹ میں آئی۔" وہ بنا زینب کے جواب کے چھوٹے صاحب کے کمرے کی طرف گئی اور کچھ دیر بعد آ گئی۔ بیگم حمید نے کوئی استفسار نہیں کیا، زینب نے بھی وہاں خاموشی اختیار کی مگر گھر پہنچتے ہی وہ آگ بگولہ ہو گئی۔

"صفیہ کے ابا! اپنی لاڈلی کو سنبھال لو ورنہ اب کے جو یہ چاند چڑھائے گی تو منہ چھپاتے پھرو گے۔" اماں کی بات سن کر ابا کے ہاتھ میں ہی نوالہ رہ گیا۔ ثریا اور صفیہ بھی کھانا کھاتے رک گئیں وہ دبک کر ایک طرف کھڑی ہو گئیں۔

"کیا، کیا ہے اس نے۔" ابا کی خشونت بھری آواز پر وہ خوف زدہ ہو گئی۔

"لاکھ دفعہ منع کرنے کے باوجود کوٹھی میں جانے سے باز نہیں آتی اور تو اور چھوٹے صاحب کے کمرے میں ایسے چکر لگاتی ہے جیسے مالکن ہو۔ ارے پھر کوئی عیب لگوا کر آئے گی۔ میں نے منع کیا پھر بھی کمرے میں ہو کر آئی ہے بے شرم۔" اماں نے اٹھ کر گھونسے مارے۔

"گڑیا! اب اگر تو نے دہلیز سے باہر قدم رکھا تو تجھے صحن میں گاڑ دوں گا۔" ابا نے اتنے ٹھوس لہجے میں گھور کر کہا کہ وہ سرتاپا کانپ اٹھی۔ اس سے پہلے تو اس نے انہیں اس روپ میں نہیں دیکھا تھا۔

"پتا نہیں کم بخت کس مٹی سے بنی ہے۔ کوئی اثر ہی نہیں ہوتا۔" اماں نے چولہے کے پاس ہی چوکی پر بیٹھ کر کہا۔ صفیہ نے انہیں کھانا دیا۔

"اماں! چھوٹے صاحب اکیلے پریشان ہوتے ہیں۔" وہ سادگی سے بولی۔

"چپ، بے حیا۔ زبان کھینچ لوں گا۔" ابا سخت غصے سے چلائے۔

"یا اللہ اس کو ہدایت دے، بڑے لوگوں کی سختیاں جھیلنے کی ہم میں قوت نہیں۔"

اماں نے نوالہ منہ میں رکھتے ہوئے آسمان کی طرف دیکھا اور دعا کی۔

"چل ادھر آ، کھانا کھا لے۔" صفیہ باجی نے پکارا۔

"مجھے نہیں کھانا۔"

"یہ نواب زادی دال کیوں کھانے لگی۔" اماں نے طنز کیا۔

"میں نے کھا لیا ہے۔"

"ہاں، مال کھانے کے لئے تو یہ وہاں کچھ بھی کر سکتی ہے۔" ثریا نے غصے سے کہا۔

"کیا کھایا ہے؟" صفیہ باجی کو یقین نہیں آ رہا تھا۔

"گوشت اور چاول۔" وہ بولی تو اماں جل کو بولیں۔ "بے غیرت، کھانے کی بھوکی۔ جھونپڑیوں میں رہ کر محلوں کے خواب دیکھتی ہے۔"

وہ ان کی بات پر بنا اثر لئے اپنی چادر اور دری لے کر فرش پر بستر کر کے لیٹ گئی۔

تین چار روز وہ پر کٹے پرندے کی طرح وقت گزارتی رہی۔ نہ ٹھیک کھاتی تھی اور نہ ٹھیک سے کسی سے بات کر رہی تھی۔ سب اس کی یہ حرکتیں دیکھ رہے تھے مگر چپ تھے.....لیکن اس کی خدا نے سن لی۔ رضیہ، زینب کو بلانے آئی۔ اماں دوپٹہ اوڑھتے ہوئے اس کے ساتھ چلی گئیں۔ بیگم حمید نے دیکھتے ہی برہمی کا مظاہرہ کیا۔

''زینب! ایسا کیا ہو گیا کہ نہ خود شکل دکھاتی ہو اور نہ ہی گڑیا کو آنے دیتی ہو؟''

''جی، ایسی کوئی بات نہیں، میری کمر میں درد تھا اور گڑیا کو اس کے ابا نے باہر نکلنے سے منع کر دیا ہے اس کی حرکتوں سے پریشان ہو کر ایسا کیا ہے۔'' زینب نے صفائی پیش کی۔

''بھئی، یہ باہر تو نہیں کوارٹر سے کوٹھی میں آنا ہے اور گڑیا کے یہاں آنے پر پابندی تم نہیں لگا سکتی۔ میں ابھی برکت علی سے بات کرتی ہوں۔'' بیگم حمید خفگی سے بولی۔ درحقیقت توصیف کمرے میں اداس ہو جاتا تھا ایسے میں وہ ماں سے کئی مرتبہ گڑیا کا پوچھ چکا تھا۔

''آپ ناراض نہ ہوں، وہ دراصل احمق ہے۔'' زینب بولی۔

''ہمیں اس سے کیا مطلب، کوئی کام تو کروانا نہیں ہوتا، بس اپنی باتوں سے توصیف کا دل بہلا دیتی ہے۔'' بیگم حمید نے کہا تو وہ انکار نہ کر سکی.....بیگم حمید نے مزید برکت علی کو بلا کر حکمیہ انداز میں کہہ دیا.....وہ بھی کچھ نہ بول سکے۔ دونوں میاں بیوی اثبات میں گردن ہلا کر رہ گئے۔

جونہی زینب نے گھر آ کر ذکر کیا تو اس کے پر لگ گئے.....پنجرہ توڑ کے جس طرح پنچھی اڑتا ہے بالکل ویسے ہی قلانچیں بھرتی ہوئی کوٹھی کے اندر پہنچ گئی۔

''بیگم صاحبہ اپنے کمرے میں آرام کر رہی ہیں۔'' رضیہ نے اسے بتایا تو وہ خوش ہو کر سیدھی چھوٹے صاحب کے کمرے میں آ گئی۔

تکیے کا سہارا لئے وہ اخبار پڑھ رہے تھے۔ اس کی آہٹ پر اخبار ایک طرف رکھا اور بولے۔

''کیوں بھئی، ہماری خیریت پوچھنے کیوں نہیں آئی۔'' ان کا تبسم سے بھرا گلہ اسے خوش کر گیا پھر اس نے الف سے یے تک اماں ابا کی داستان سنا دی۔

''گڑیا! اب ہم ناراض ہونے کے قابل نہیں، انہیں شاید یہ اندازہ نہیں۔'' وہ تاسف سے بولے۔

''چھوٹے صاحب! اب طبیعت کیسی ہے؟''

''بہت بہتر۔ بیٹھو۔'' وہ بولے۔

وہ بیٹھ گئی۔ دھانی دوپٹے میں سادگی سے بھرپور دلکشی لئے فرشتوں سے زیادہ معصوم لگ رہی تھی.....توصیف ہولے سے مسکرائے تو وہ بولی۔

''آپ کیا سوچ رہے ہیں۔''

''سوچ نہیں، دیکھ رہا ہوں سادگی سے سجا چہرہ۔''

''چھوٹے صاحب! آپ کے لئے کچھ کھانے کو لاؤں۔''

''نہیں، میں نے ابھی سوپ پیا ہے، تم بس اچھی اچھی باتیں کرو۔''

''صاحب آپ تو اس طرح اداس ہو جاتے ہوں گے۔''

''ہاں، اداسی ہی اب ساتھ رہتی ہے۔'' وہ افسردگی سے بولے۔

''آپ اداس نہ ہوا کریں۔'' وہ معصومیت سے بولی۔

''گڑیا! تم نہیں سمجھو گی کہ میری زندگی کا نقشہ ہی بگڑ گیا ہے۔ کیا پہلے کے چھوٹے صاحب اور اب اس صاحب میں کوئی فرق نہیں۔'' وہ دھیرے سے بولے۔

''نہیں! فرق تو بہت ہے۔ پہلے آپ کو اچھے اچھے کپڑے پہن کر چلتا دیکھتی تھی۔ میرا دل چاہتا تھا کہ میں بھی ایسے ہی چھوٹے صاحب سے بیاہ کروں گی۔'' اس نے ایسی ترنگ میں کہا کہ توصیف سنجیدگی کے باوجود کھل کھلا کر ہنس دیے۔

''اور اب یہ دل نہیں چاہتا۔''

''آپ تو اب بھی بہت سوہنے ہیں۔ ایسے تو فلموں میں ہوتے ہیں۔''

''اچھا، ایک بات بتاؤ، تمہیں اب مجھ سے ڈر نہیں لگتا۔''

''ڈرتو پہلے بھی نہیں لگتا تھا۔ بس آپ کی ناراضگی کی وجہ سے چلی جاتی تھی۔'' وہ سچائی سے بولی تو توصیف اس سادہ لڑکی کو حیرت سے دیکھنے لگا۔

''اور وہ جو میں نے تمہارے ساتھ گڑیا چوری کی زیادتی کی تھی، اس پر غصہ نہیں آیا۔''

''وہ.....وہ تو میں نے کی نہیں تھی۔ اس لئے غصہ کیوں آتا۔ مجھے یہ گڑیا دیکھ کر اپنا آپ یاد آتا تھا۔ اس لئے میں اسے دیکھ رہی تھی۔'' وہ اس قدر صاف گو اور معصوم تھی کہ توصیف ایک مرتبہ پھر شرمندہ ہونے لگے۔

''چھوٹے صاب! میرا نام گڑیا ہے۔ کیا میں اس گڑیا جیسی ہوں؟'' وہ بھولپن سے بولی۔

''بتائیں گے، فی الحال دوائی کا وقت ہو گیا ہے۔ ٹیبل سے دوائی اٹھا کر دو اور پانی دو۔'' وہ خوب صورتی سے ٹال گئے۔ اس اثنا میں بیگم حمید بیٹے کے لئے پھل لے کر آئیں۔ اسے دیکھ کر مسکرائیں۔

''اس باتونی نے بول بول کر تیرا سر کھا لیا ہو گا۔''

''ارے امی، یہ ہی تو تازہ ہوا کا جھونکا ہے جو مجھ لاچار تک آ کر بوریت دور کرتا ہے۔''

''ہاں، میں نے زینب سے کہہ کر بلوایا ہے۔''

''میں اپنے پچھلے رویے پر نادم ہوں۔ خوامخواہ بے ضرر سی لڑکی پر بگڑتا تھا۔'' توصیف نے آہستہ سے کہا۔

''چلو غلطی کا احساس ہو گیا۔'' بیگم حمید نے سیب کاٹ کر انہیں دیا۔

''بیگم صاحبہ جی! چھوٹے صاحب کے سارے کام مجھے بتایا کریں، میں کر سکتی ہوں۔''

"اچھا، فی الحال وہ الماری کھول۔ ہم نے دلہن بیگم کے سارے کپڑے تمہارے لئے نکال کر اکٹھے کر دیے ہیں۔" بیگم حمید گلوگیر لہجے میں اشارہ کر کے بولیں۔ توصیف نے دکھ سے آنکھیں موڑ لیں۔

وہ کچھ دیر تذبذب میں رہی۔ وہ تو بہت دیوانی تھی دلہن کے کپڑوں کی۔ انہیں ان کپڑوں میں دیکھ کر ہی تو اس کا دل حسرت سے کروٹیں لیتا تھا۔ اب جب وہ سب کپڑے ہاتھ بڑھا کر اٹھانے کے منتظر تھے تو وہ ہونٹ چبا رہی تھی......

"گڑیا! کیا سوچ رہی ہے؟" بیگم حمید نے پلکوں میں آئی نمی پلو سے صاف کی۔

"جی! میں لے کر کیا کروں گی۔" وہ ہولے سے بولی۔

"پہننا، تم پہنو گی تو دلہن بیگم کی روح کو ثواب پہنچے گا۔ ویسے بھی یہ کپڑے ہمارے کس کام کے رہ گئے۔" بیگم حمید بہو کے مرنے کے بعد بالکل ہی ٹوٹ پھوٹ گئی تھیں۔ بیٹے کے لئے ہنس بول کر غم غلط کرنے کی کوشش کرتی تھیں۔

"کیا یہ کپڑے پسند نہیں ہیں تمہیں؟" اسے اس طرح کھڑا دیکھ کر توصیف بولے۔

"نہیں، چھوٹے صاحب! ایسی بات نہیں ہے۔ میں تو ان کپڑوں جیسے خواب میں کپڑے پہنے دیکھتی ہوں۔ جب دلہن بیگم کو دیکھتی تھی تو میرا دل چاہتا تھا کہ کاش میرے پاس ایسے کپڑے ہوں۔" وہ سادگی میں بولتی چلی گئی۔

"چلو پھر اٹھاؤ اور لے جاؤ۔" توصیف نے کہا اور وہ الماری کی طرف بڑھی، چادر میں بند بڑی سی گٹھڑی اٹھائی اور خوش خوش کوارٹر کی طرف چلی آ گئی۔

○❖○

خوب صورت رنگوں کی قوس وقزح جیسے، اودھے، نیلے، پیلے پیراہن اپنی بہار دکھا رہے تھے۔ کسی لباس پر ستاروں کی چمک تھی اور کسی پر موتی جگمگا رہے تھے۔ ان سب کی چمک دمک اس کی سیاہ آنکھوں میں نظر آ رہی تھی۔ صفیہ، ثریا اور زینب کبھی اس کی طرف دیکھتیں اور کبھی ڈھیر سارے کپڑوں کو۔

"یہ کپڑے تو نے مانگے ہیں؟" زینب نے پوچھا۔

"نہیں اماں! بیگم صاحبہ نے خود دیے ہیں۔"

"تو نے کیوں لئے۔ ہم مردوں کے کپڑے نہیں پہنتے۔" صفیہ باجی نے کہا۔

"یہ دلہن بیگم کے کپڑے ہیں۔ کسی مردے کے نہیں۔" وہ اکڑی۔

"دلہن بیگم اب مر چکی ہے۔" صفیہ باجی نے چبا کر زور سے کہا۔

"دلہن بیگم، کوئی تمہاری طرح، صفیہ باجی [illegible] تمہیں۔ جو زندگی میں مردوں جیسے کپڑے پہنتی ہیں۔" اس نے ایسی چوٹ دار بات کی کہ صفیہ کو تاؤ آ گیا۔

"بکواس بند کرو، تمہاری حرص اور ہوس نے پاگل کر دیا ہے۔"

"یہ میرے لئے ہیں تم مت پہنو، اماں زندگی بھر تمہیں ایسے قیمتی کپڑے نہیں دلوا سکتیں۔" اس نے جیسے یاد دلایا۔

"گڑیا مت اتنے ادھورے سپنے دیکھا کر۔ یہ دھند چھٹے گی تو اپنا آپ تلاش کرنا مشکل ہو جائے گا۔" زینب، بیٹی کی اس روش پر پریشان ہوتی تھی۔

"میں نے کیا کیا ہے۔" وہ جھلائی۔

"تو برکت علی کی بٹی بن کر خواب دیکھا کر بس۔" زینب نے سمجھایا۔

"ہونہہ پتا نہیں اماں تو کیا بولتی ہے۔ میری مان اس میں سے چھ جوڑے، ثریا اور صفیہ کی شادی کے لئے رکھ دے ورنہ کہاں سے کپڑے بنیں گے۔" اس نے بڑے پتے کی بات کی مگر ثریا چڑ گئی۔

"ہمیں نہیں چاہیے مردوں کی اترن۔"

"نہیں تو نہ سہی۔" وہ گٹھڑی اٹھا کر اندر کمرے میں لے گئی۔

زینب کے کلیجے کو جیسے یہ بات کھا گئی۔ صفیہ اور ثریا کو دیکھا تو ہول سی اٹھی۔ دونوں کے سر چاندی چاندی ہو گئے تھے۔ کوارٹر کا نا تمام اثاثہ برکت علی کی دہری ہوتی کمر اسے یاد آ گئی۔ اب تک کوئی نہ ذریعہ تھا اور نہ وسیلہ۔ "یا اللہ! ہماری بیٹیوں کا کیا ہو گا؟ اب تو صفیہ اور ثریا کے ساتھ ساتھ گڑیا بھی سمجھ دار ہو گئی ہے۔ کیسے یہ بوجھ اتریں گے۔" دو آنسو پلکوں پر اٹک گئے۔

حالات کا جائزہ لینے کے بعد کسی اچھے رشتے کی آس لگانا فضول تھا۔ غربت کی چادر میں لپٹی بیٹیاں کسی کو نظر نہیں آتیں مگر پھر بھی بوڑھے ماں باپ کو ایک امید اور آس تو تھی۔ اسی امید پر زینب چارپائی سے اٹھ کر کمرے میں آئی۔ وہ کمرے میں پڑے اکلوتے جھلنگے سے پلنگ پر پڑی نیند کے مزے لے رہی تھی۔ الہڑ عمر کے یہی مزے ہوتے ہیں کہ کانٹوں بھرا بستر بھی پھولوں کی سیج معلوم ہوتا ہے۔ اس کے چہرے پر ان جھوٹے خوابوں کی مدھر تا تھی بند پلکوں کے اس پار رنگین خواہشات کا جہاں آباد زینب نے دیکھ لیا۔

"یا خدا! اسے راہ ہدایت دکھا۔ اس کا ٹوٹ کر بکھرنا بوڑھی ماں سے نہیں دیکھا جائے گا۔" زینب نے ممتا سے اس کے الجھے بالوں میں انگلیاں پھیریں اور پھر میز پر رکھی گٹھڑی کھول کر چند جوڑے الگ نکال کر صندوق میں رکھ دیئے۔ ثریا کی بات سے زیادہ انہیں اس نا سمجھ کی بات سمجھ میں آ گئی تھی۔

"سچ ہی کہتی ہے، دلہن بیگم تو مر کر بھی زندہ ہی ہیں اور ہم جیسے زندگی میں بھی مردوں جیسی زندگی گزارتے ہیں۔" زینب نے سوچا اور سارا وقت وہ رنجیدہ سی چارپائی پر پڑی رہی۔ اس کے اندر بے چینی اور سوچ ٹوٹی چارپائی کی ایک ایک آواز سے ظاہر ہو رہی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ چارپائی کی چوں، چاں نہیں بلکہ اس کے جسم کی ہڈیاں چیخ رہی ہوں اور اس کا احساس فرش کریدتی صفیہ کو بھی ہو رہا تھا اور در و دیوار گھورتی ثریا کو بھی۔

''اماں! کیا بات ہے؟'' صفیہ بولی۔

''کچھ نہیں۔''

''پھر کیا ہوا ہے؟''

''بس تم دونوں کی طرف سے فکرمند ہوں، کیا ہوگا۔''

''ہونہہ، اماں کاش ہماری پیدائش پر ہی تو سوچ لیتی اور گلا دبا دیتی۔ آج کتنی سکھی زندگی گزار رہی ہوتیں۔'' ثریا نے طنزیہ کہا تو زینب نے اشارے سے منع کیا۔

''یہ تو بھاگ ہیں اپنے، ورنہ بیٹیاں رحمت ہوتی ہیں۔''

''اماں، یہ کیسے بھاگ ہیں کہ تو کڑھتی ہے۔ ابا کڑھتا ہے مگر حالات تبدیل نہیں ہوتے۔'' صفیہ نے افسردگی سے کہا۔

''چل اللہ کبھی تو بہتری کرے گا۔'' زینب نے بیٹیوں کو تسلی دی کیونکہ یہی وہ واحد سہارا تھی جس سے غریب دل بہلا بہلا کر زندہ رہتے ہیں۔

○❖○

توصیف مکمل طور پر صحت یاب ہو گئے تھے۔ ٹانگ کی معذوری کے علاوہ اور کوئی پریشانی نہیں رہی تھی۔ فی الوقت بیگم حمید نے وہیل چیئر منگوا کر کمرے میں قید سے انہیں باہر نکلنے میں مدد دی۔ ان کے کہنے کے مطابق فیکٹریوں کے ضروری کام مینیجر گھر آ کر زیر بحث لائے۔ یہ مصروفیت توصیف کے لئے اشد ضروری تھی۔ بیٹے کے سجیلے وجود کو وہیل چیئر پر دیکھ کر بیگم حمید کا دل خون کے آنسو رو دیا مگر انہوں نے ظاہر ہونے نہیں دیا۔

صبح صبح لان میں بیگم حمید انہیں چھوڑ گئی تھیں۔ گلاب کے کنج کے قریب ہی اس نے بیٹھنے کی خواہش کی تھی۔ دلفریب خوشبو اور ٹھنڈی مست ہوا کے جھونکے من میں اتارنے کو اس کا دل مچل رہا تھا۔ لمبی لمبی سانسوں میں فضا کی ساری تازگی بھرنے کے لئے انہوں نے خود کو آزاد چھوڑ دیا۔

''سلام چھوٹے صاحب۔'' گڑیا کی آواز پر اس نے دائیں ہاتھ مڑ کر دیکھا تو ہنس دیئے۔ لال کام دار سوٹ میں وہ اس وقت کچھ مضحکہ خیز لگی۔

''کیا میں ان کپڑوں میں اچھی نہیں لگ رہی؟''

''نہیں، یہ بات نہیں ہے، تم اپنی جگہ پیاری ہو، اچھی ہو مگر یہ کپڑے اس طرح صبح نہیں پہنے جاتے۔'' وہ مسکرائے اور بیٹھنے کے لئے کہا۔

''مگر دلہن بیگم تو پہنتی تھیں۔''

''اوہ، وہ بھی خاص موقعوں پر پہنتی تھیں اور پھر وہ شادی شدہ تھیں۔'' توصیف لمبی سرد آہ بھر کے بولے۔

''پھر میں بدل کر آتی ہوں۔''

''ارے اب رہنے دو، سب اچھا ہے۔'' توصیف نے کہا۔

''چھوٹے صاحب! ایک بات بتائیں۔''

''پوچھو۔''

''دلہن بیگم آپ کو اچھی لگتی تھیں۔''

''تم کیوں پوچھ رہی ہو۔''

وہ چند لمحے دیکھتی رہی پھر بولی۔

''میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ کیا دلہن بیگم ہی اچھی ہوتی ہیں، ہم جیسے نہیں۔''

''پگلی ہو تم، تمہیں یہ کس نے کہہ دیا؟'' توصیف ہنستے چلے گئے۔

''آپ ہنس کیوں رہے ہیں؟'' وہ سہم گئی۔

''تمہاری بات پر۔'' ہنستے ہنستے ان کی آنکھوں میں پانی آ گیا۔

''تو پھر صفیہ باجی دلہن بیگم کیوں نہیں بنتیں، ثریا باجی دلہن بیگم کیوں نہیں بنتیں؟''

''وہ بڑے دکھ سے بولی تو انہیں جیسے بریک لگ گئی ہو۔''

''اس بارے میں، میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔''

''اس لئے کہ دلہن بیگم، دلہن بیگم ہوتی ہیں، صفیہ، ثریا، گڑیا نہیں بن سکتیں۔''

وہ سچائی سے کہہ گئی..... وہ اس کی بات کی گہرائی تک گئے مگر فوراً ہی واپس لوٹ آئے۔

''دیکھو، ہر انسان الگ الگ آیا ہے۔ تم گڑیا ہو۔ اب ہر لڑکی تمہارے جیسی پیاری سی، نازک سی، گڑیا تو نہیں بن سکتی نا.....'' انہوں نے شرارت سے کہا تو وہ کھل کر ہنس پڑی۔

''ہاں، بالکل ایسے ہنستے رہنا چاہیے۔'' توصیف اپنے اندر کرب کو چھپا کر خود بھی ہنسنے لگے۔

''آپ بھی ایسے ہی ہنسا کریں۔''

''کوشش تو کرتا ہوں۔''

''آپ کو تابی زیادہ یاد آتی ہے یا دلہن بیگم۔'' وہ اچانک بولی۔

''دونوں۔''

''پھر بھی زیادہ کون.....؟'' اس نے اصرار کیا۔

''دلہن بیگم۔''

''کیوں، تابی تو آپ کی بیٹی تھی؟''

''دلہن بیگم ہماری بیٹی کی ماں تھی اس لئے۔'' وہ رنجیدہ سے بولے۔

''چھوٹے صاحب! اب آپ کیا کریں گے؟'' اس نے بے تکا سا سوال کیا تو وہ نہ سمجھتے ہوئے بولے۔

''کیا مطلب؟''

''میرا مطلب ہے کوئی اور دلہن بیگم؟'' وہ بڑے معصوم انداز میں پلکیں جھپکا کر بولی۔

''او، اچھا۔ فی الحال تو اپنی ٹانگ کے بارے میں سوچنا ہے۔'' انہوں نے اپنی معذور ٹانگ کو دیکھا۔ تو وہ کچھ شرمندہ سی ہوگئی۔

○❖○

چودہ تاریخ کا چاند آسمان پر جلوہ گر تھا۔ ننھے منے ستارے اس کے اردگرد جگمگا کر اپنی اپنی اہمیت کا احساس دلا رہے تھے۔ صفیہ کے برابر لیٹی وہ بڑی دیر سے چاند تاروں کا کھیل دیکھ رہی تھی۔ رات کافی ڈھلنے کے باوجود وہ جاگ رہی تھی۔ تین جھلنگے سے پلنگ پاس پاس بچھے تھے۔ ایک پر ثریا اور زینب بے سدھ سوئی ہوئی تھیں۔ دوسرے پر دن بھر کے تھکے ہارے ابا کروٹ کے بل پڑے تھے اور تیسرے پر وہ اور صفیہ تھیں۔ آج کل آدھی سے زیادہ رات اس کی جاگ کر ہی گزرتی تھی۔ صفیہ چاند کی دودھیا سی روشنی میں بھی اس کے چہرے کا حال اور آنکھوں کا اضطراب پڑھ لیتی تھی۔ اکثر رات میں وہ چھوٹے، چھوٹے صاحب بڑبڑاتی تو صفیہ دکھ سے اسے دیکھ کر آنکھیں بند کر لیتی۔

اس وقت بھی بھولی سی گڑیا کی آنکھوں میں چاند تاروں کا عکس نہیں بلکہ سپنوں کے زرتار عکس لہرا رہے تھے۔

''گڑیا۔'' صفیہ نے آہستہ سے پکارا تو وہ چونکی۔

''جی باجی۔''

''کیوں جاگتی رہتی ہو؟''

''باجی! جب میری نظر لال کوٹھی پر پڑتی ہے تو وہیں جم جاتی ہے۔ چاند کی روشنی میں لال پتھر سے بنی یہ کوٹھی مجھے بہت خوب صورت لگتی ہے۔''

''ایسی تو بہت سی کوٹھیاں اور بھی ہیں۔ تم اس کے بارے میں ہی سوچتی رہتی ہو۔'' صفیہ باجی نے اس کے گھنیرے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔

''ہاں، مگر میں سوچتی ہوں کہ کچھ لوگ لال کوٹھی کے اندر رہتے ہیں اور کچھ ہم ایسے جو باہر سے ترستے ہیں۔ کاش ہم بھی اندر ہی رہتے۔ چاہے کسی گلدان کی شکل میں یا پھر خوب صورت صوفے کی شکل میں۔''

''ارے تُو تو ایسی بڑی بڑی باتیں کرنے لگی۔ یہ جاننے کی کوشش کرو کہ کیا وہ اندر کے لوگ سکھی بھی ہیں یا کہ نہیں۔'' صفیہ نے اسے آہستہ سے کہا۔

''ہاں وہ سکھی ہیں۔ کیا ہوا دلہن بیگم مر گئیں اور آجائیں گی۔ کیا ہوا تابی مر گئی اور آجائے گی اور کیا ہوا چھوٹے صاحب کی ٹانگ چلی گئی تو اور لگ جائے گی۔ مگر تبدیلی نہیں آتی تو ہمارے گھر نہیں آتی۔ بولیں باجی! کیا آپ اپنے گھر گئیں، کیا ثریا باجی اپنے گھر گئیں۔ نہیں تو پھر میں کیسے مان لوں کہ وہ دکھی ہیں۔ دکھی تو ہم ہیں۔ اماں ہیں۔ ابا ہیں۔'' وہ تیزی سے مگر ہلکی آواز میں بولتی رہی اور صفیہ کی آنکھوں

سے موتی ٹوٹ ٹوٹ کر تکیہ بھگوتے رہے۔ بات تو سچ ہی تھی۔

''کچھ بھی کہو، گڑیا میں پھر بھی تمہیں نصیحت کروں گی کہ تم اپنے خوابوں میں پرائے لوگ شامل مت کرنا۔ ورنا اپنا آپ بھی تلاش کرنا پڑے گا۔'' صفیہ باجی نے جو کہا وہ اسے قطعاً سمجھ نہیں آیا۔ بس وہ سن کر خاموش ہوگئی۔

اس کے اندر جوان دیکھا اور انجانا احساس، چھوٹے صاحب کو دیکھ کر جاگتا تھا وہ خود ساختہ نہیں تھا۔ نہ ہی وہ کسی فریب کا شکار تھی۔ وہ تو صرف ان ماورائی لوگوں کو چھونا چاہتی تھی، ان کے بیچ رہ کر اپنا آپ محسوس کرنا چاہتی تھی۔ فرق دیکھنا چاہتی تھی کہ ان میں اور اس میں کیا فرق ہے۔ اگر وہ محل کے باسی ہیں تو محل کی زندگی میں کیا خاص بات ہے؟ وہ لوگ ریشم کے بنے کیوں لگتے ہیں؟ جب کہ اس کے گھر میں تو دودھ جیسی ریشمی جوانیاں ململ، کھردرے لباس میں ڈھل گئی تھیں۔ وہ ریشم کا حصہ بننا چاہتی تھی۔ میلا لباس نہیں، ننھی منی خواہشات تو بچپن سے اس کے ساتھ پل کر جوان ہوئی تھیں۔ اس نے ہمیشہ حسرت بھری نگاہوں سے لال کوٹھی کی دنیا دیکھی تھی، یہ الگ بات تھی کہ لال کوٹھی نہ دنیا کی پہلی کوٹھی تھی اور آخری۔ کیونکہ اس کی زندگی کا کینوس محدود تھا۔ اس لئے وہ صرف اس کے بارے میں ہی سوچتی تھی۔

○❖○

آج صبح سے لال کوٹھی میں افراتفری کا سا سماں تھا، پورے گھر کی صفائی ہو رہی تھی۔ ہر ملازم کے ہاتھ میں ڈسٹر تھا۔ گیسٹ روم کی مکمل صفائی کے انتظامات کا جائزہ بیگم حمید لے رہی تھیں۔ ساتھ ساتھ ان کا ذہن سوچ کا شکار تھا۔ ''جانے اب کیسی ہوگئی ہو۔ پہلے تو بہت خوب صورت تھی، مگر ہم نے تو اسے بچپن میں دیکھا، پورے پندرہ سال پہلے۔ چلو آج آ ہی جائے گی.....'' وہ محبت سے بڑبڑائیں۔ حمید صاحب کے عزیز دوست جو امریکہ میں مقیم تھے، بیٹی کو اس کی خواہش پر کچھ عرصے کے لئے پاکستان بھیج رہے تھے۔ دو روز پہلے ہی ٹیلی گرام آیا تھا۔ بیگم حمید اپنے کسی خیال پر مسرور تھیں۔ انہوں نے بڑے پُرشوق انداز میں توصیف کو علیزہ کے بارے میں بتایا۔ وہ پہلے سوچنے لگے پھر اس بات پر کہ بہت پہلے ملے تھے اب کیسی ہوگی۔ ہلکے سے مسکرا دیئے۔ گڑیا جس نے صفائی کا بیڑا ان کے کمرے سے اٹھایا تھا، ڈریسنگ ٹیبل صاف کرتے کرتے ان کو دیکھا۔ علیزہ نام اس کے حلق میں اٹک گیا تھا۔ بیگم حمید جا چکی تھیں۔ توصیف بازو سر کے نیچے رکھے لیٹے تھے۔

''چھوٹے صاحب!''

''ہاں۔'' وہ چونکے۔

''آپ بہت خوش ہیں۔'' اس کے غیر متوقع سوال پر انہوں نے اس کی طرف دیکھا۔ زرد دوپٹہ بالوں میں باندھے بنا کسی بناؤ سنگھار کے بھولپن اور سادگی کی بے مثال شکل میں وہ بہت اچھی لگی۔

''گڑیا! خوشیاں تو ہم سے روٹھ کے جا چکی ہیں۔ اب تو احساس ہی باقی ہے۔'' وہ ان کی بات نہ

سمجھتے ہوئے پھر بولی۔

''آپ علیزہ بی بی کے آنے پر خوش نہیں ہیں کیا؟''

''علیزہ کے آنے سے کچھ دل بہل جائے گا۔ بس!'' وہ بے دھیانی میں کہہ گئے۔

''کیا میں آپ کا دل نہیں بہلاتی؟'' اس نے گلہ کیا تو وہ ہنس کر بولے۔

''ہاں کیوں نہیں، تمہارا وجود تو بہت غنیمت ہے۔''

وہ خوش ہوگئی۔ ''پھر آپ علیزہ بی بی کے لئے خوش کیوں ہو رہے ہیں؟''

''آنے والے مہمان کے لئے خوش ہونا چاہیے۔ علیزہ کا تم بھی بھرپور خیال رکھنا۔''

''وہ کیسی ہیں؟'' وہ متفکر سی بولی۔

''بہت اچھی ہیں۔''

''دلہن بیگم جیسی یا میرے جیسی۔'' اس کے یہ پوچھنے پر توصیف چونک کر اس کو دیکھنے لگے۔ انہیں اس کی معصومیت سے بھری بات اچھی لگی۔

''یہ کیا بات ہوئی ہر آدمی الگ ہوتا ہے۔''

''نہیں صاحب! بس دو ہی طرح کے ہوتے ہیں سب۔''

''وہ کیسے؟''

''آپ جیسے اور ہمارے جیسے۔''

''نہیں، ایسا نہیں ہے گڑیا! تم ابھی تک سمجھ نہیں سکتی۔''

''سمجھ سکتی ہوں صاحب!''

''تم بہت بھولی ہو، اچھی ہو اللہ کرے تم ایسی ہی رہو۔'' توصیف بڑی محبت سے بولے۔ گڑیا کے کانوں سے امرت ٹپکا اور ٹھیک دل کی دھڑکنوں تک جا پہنچا۔ وہ مسکرائی۔

''چلو اب جلدی سے کام ختم کرلو۔''

''بس ابھی ختم کرتی ہوں۔'' اس نے کہا اور جلدی جلدی صفائی کرنے لگی۔ سائیڈ ٹیبل پر رکھی دلہن بیگم کی تصویر اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔ توصیف تڑپ کر بستر سے اٹھنے کے لئے ہلے مگر اٹھ نہ سکے۔ وہ ہکا بکا سی کبھی فرش پر بکھرے ٹکڑوں کو دیکھ رہی تھی اور کبھی توصیف کے دکھی چہرے کو۔

''معافی دے دیں چھوٹے صاحب!'' وہ سہم کر بولی۔

''گڑیا! یہ سب ٹکڑے احتیاط سے سمیٹ لو۔ تصویر مجھے دے دو اور کمرے سے اسی وقت چلی جاؤ۔'' توصیف کربناک لہجے میں بولے۔ وہ جلدی سے کانچ سمیٹنے لگی۔

''آپ کو بہت دکھ ہوا ہے صاحب!''

''ہاں، ذات کے ٹکڑے ہوں تو دکھ ہوتا ہے۔''

''مگر وہ تو مر چکی ہیں۔'' وہ سادگی سے بولی۔

''نہیں، وہ ہمارے لئے نہیں مریں۔'' توصیف بہت عرصے بعد غصے سے چلائے۔ وہ تھر تھر کانپنے لگی۔ وہ جیسے پہلے والے توصیف بن گئے۔ ان کی آواز بیگم حمید کے کمرے میں آ گئی۔ کچھ دیر انہوں نے کمرے کا جائزہ لیا اور پھر بنا کچھ پوچھے ہی وہ کانچ کے ٹکڑے دیکھ کر سب کچھ سمجھ گئیں۔ اسے باہر جانے کے لئے اشارہ کیا اور خود دلہن بیگم کی تصویر اپنی ساڑی کے پلو سے صاف کر کے انہیں پکڑا دی، وہ آنکھیں موند کر اپنے دکھ کو کم کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

''توصیف اتنا ناراض نہیں ہوتے۔'' انہوں نے ان کے سرہانے بیٹھ کر بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔

''آپ جانتی ہیں ہم فاخرہ سے محبت بھی کرتے تھے اس لئے جسم چلے جانے کے بعد بھی محبت ہمارے اندر ارد گرد اس کمرے میں موجود ہے۔''

سب سچ ہے مگر بیٹا مرنے والوں کی واپسی تو ممکن نہیں۔ اس لئے جینے والوں کے ساتھ جینا پڑتا ہے۔ میں خود یہ تصویر تمہارے کمرے سے اٹھوانے والی تھی۔'' بیگم حمید نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

''کیوں..... کس لئے..... ہمیں ہنستا بولتا دیکھ کر خوش سمجھ لیا آپ نے؟'' وہ بولے۔

''ہر ماں اپنی اولاد کو خوش دیکھنا چاہتی ہے۔''

''مگر، میں شاید ایسا نہ کرسکوں، میرے پاس بچا ہی کیا ہے؟''

''بہت کچھ، تمہاری قیمتی جان، اس ایک زندگی سے ہمیں بہت سی امیدیں ہیں۔''

''ہم تو صرف آپ کی خاطر جی رہے ہیں۔''

''بیٹا! جینا پڑتا ہے اور انشاء اللہ اچھی بھرپور زندگی جیو گے۔'' بیگم حمید نے ان کی پیشانی چوم کر کہا۔

''علیزہ کے لئے گاڑی ائیرپورٹ بھیج دیں۔''

''میں خود جا رہی ہوں۔ تم آرام کرو۔'' بیگم حمید نے کہا تو وہ نارمل انداز میں سر ہلا کر لیٹے رہے۔ ان کے جانے کے بعد انہیں افسوس ہوا۔ گڑیا کو ڈانٹنے کے بعد ایک دم ہی اتنا غصہ آ گیا یا پھر غصہ یقینی تھا۔ فاخرہ کی موت تسلیم کرنے کے باوجود وہ تنہائی میں اسے یاد کرتے تھے۔ اپنی بیٹی کے لئے آنسو بہاتے تھے۔ گڑیا کو کیا خبر کہ اس کی معصوم سادہ باتوں سے وہ وقتی طور پر دل بہلاتے ہیں۔ کچھ دیر کو غم غلط کرتے ہیں وگرنہ جس کی زندگی سے سب بہاریں چلی جائیں وہ کیسے مسکرا سکتا ہے، کیسے ہنس سکتا ہے۔ یہ تو دنیاداری کا چکر ہوتا ہے کہ انسان آنسو چھپا کر ہنستا ہے، درد دبا کر مسکراتا ہے۔'' توصیف تم بھی بالکل یہی ایکٹنگ کر رہے ہو۔ گڑیا جیسی سادہ لوح کیا سمجھے؟''

○❖○

''گڑیا! کیا بات ہے۔ بڑی جلدی واپس آ گئی؟'' کپڑے دھوتی ثریا نے کہا۔ وہ چپ چاپ بیٹھ گئی۔

''کیا ہوا؟'' صفیہ نے بھی بغور دیکھا۔

''کچھ نہیں ہوا۔'' وہ چڑ کر بولی۔

''ہیں..... ہیں پھر اتنا بگڑ کیوں رہی ہے؟'' زینب نے سبزی کاٹ کر رکھتے ہوئے کہا۔

''اماں! کیا مر کر بھی کوئی آ سکتا ہے۔'' وہ ان کے قریب آ کر کھوئی کھوئی سی بولی۔

''تو پاگل ہے کیا، بھلا کون آئے گا؟''

''پھر مرنے والے یاد کیوں رہتے ہیں؟''

''کیونکہ زندگی میں ان سے رشتہ ہوتا ہے۔ مگر اس زمانے میں سب کو اپنی اپنی پڑی ہے کون کسی کو یاد رکھتا ہے۔'' زینب نے کہا۔

''نہیں، ہمارے ہاں ایسا ہوتا ہے، ورنہ دیکھو چھوٹے صاحب، دلہن بیگم کو یاد کرتے ہیں۔''

''کیوں نہ کریں، وہ ان کی بیوی تھی۔'' صفیہ نے کہا۔

''کیوں کرتے ہیں، وہ مر کر بھی یاد ہیں اور ہم زندہ ہو کر بھی یاد نہیں رہتے۔'' وہ جھلائی۔

''ارے ان کے قصے میں ہم کہاں سے آ گئے اور تو کیوں ہر وقت چھوٹے صاحب کے چکر میں پھنسی رہتی ہے۔'' زینب نے گھورا۔

''اماں! کیا ہم ساری زندگی کسی کو نظر نہیں آئیں گے۔؟''

''کیسی باتیں کرتی ہے، اللہ جانے؟'' زینب جھنجلا گئی۔

''اماں! یہ لال کوٹھی اور چھوٹے صاحب کے خیال سے باہر نہیں نکلے گی۔'' صفیہ نے ماں سے کہا۔

''عقل نہیں ہے، خود ہی سمجھ جائے گی۔'' زینب نے آہستہ سے کہا۔

''اماں! اچھا خواب تو سب کو دیکھنا چاہیے۔''

''نہیں، خواب جب ٹوٹتے ہیں تو بہت تکلیف ہوتی ہے۔'' صفیہ نے جواب دیا۔

''اپنی حیثیت اور مقام کی مناسبت سے خواب دیکھنے چاہئیں۔'' زینب نے کہا۔

''تاکہ اپنے جیسے آدمیوں کا اضافہ ہو۔'' وہ ہنسی۔

''ہاں تو اس میں غلط کیا ہے۔ اب تو کیا سمجھتی ہے کہ تیرے میرے جیسے لوگوں کے رشتے دار چھوٹے صاحب یا بیگم صاحبہ جیسے ہوتے ہیں۔''

''یہی تو میں سوچتی ہوں کہ کیوں نہیں ہوتے؟'' وہ الجھ گئی۔

''بس جو جہاں ہے وہیں رہنے دے۔ اپنے ذہن کو خراب مت کیا کر۔'' زینب نے ٹالنے کو کہا۔

وہ اٹھ کر کمرے میں آ گئی۔ زمین پر پاؤں پسار کر بیٹھ گئی۔ خیال اب تک وہیں الجھا تھا۔

''ہنہ، کیا ہماری آنکھیں صرف انہیں دیکھ کر حسرت سے جل سکتی ہیں، کبھی ٹھنڈک محسوس نہیں ہو سکتی چھوٹے صاحب نے کیسے دلہن بیگم کے لئے غصے کا اظہار کیا۔ کیا وہ انہیں یاد کرتے رہیں گے یا پھر.....'' اس سے آگے وہ کچھ نہ سوچ سکی۔ باہر سے صفیہ کی آواز آئی۔

''گڑیا کو چھوٹے صاحب بلا رہے ہیں۔'' وہ دوڑ کر باہر نکلی اور خوشی سے مسکرا دی۔ اسے یہ خوشی ہو رہی تھی کہ چھوٹے صاحب اپنے کئے پر نادم ہو گئے ہوں گے۔

''جا گڑیا! زیادہ دیر نہ لگانا۔'' زینب نے آہستہ سے کہا۔ وہ دراصل اچھا نہیں سمجھتی تھی، اس کا چھوٹے صاحب کے پاس جانا۔ مگر وہ تو بنا اس کے چہرے کو دیکھے صفیہ سے پہلے دروازے سے باہر نکل گئی۔

''ہال کمرے میں چھوٹے صاحب کے ساتھ اجنبی نسوانی آواز پر وہ اندر آ گئی۔ چھوٹے صاحب کے برابر بیٹھی تیکھے نین نقش، دودھیا رنگت والی لڑکی اپنے تراشیدہ خوب صورت سیاہ بال جھٹک کر مسکرائی تو وہ قدم روکے وہیں کھڑی رہی۔

''آؤ گڑیا!''

''ان سے ملو، یہ علیزہ ہیں اور یہ بہت اچھی پیاری گڑیا۔'' چھوٹے صاحب نے یہ سب کہہ کر گویا اسے ساتویں آسمان پر پہنچا دیا۔

''اچھا تو یہی وہ گڑیا ہے جس کی دو گھنٹوں سے تعریف ہو رہی ہے۔'' علیزہ نے توصیف سے کہا۔ وہ مسرور سی مسکرا دی۔

''ہاں، ہے بالکل گڑیا جیسی کیوں؟'' توصیف نے علیزہ سے پوچھا۔ وہ اور زیادہ خوش ہو گئی۔ علیزہ اسے دیکھنے لگی۔ ان دونوں کی نظروں کی زد میں تنہا کھڑی وہ بے چین تھی کہ ابھی چھوٹے صاحب اسے پیار سے بیٹھنے کے لئے کہیں گے۔

مگر ایسا نہیں ہوا۔

''علیزہ! گھر میں تنہائی کا اذیت ناک احساس مار ڈالتا۔ اگر یہ لڑکی ہماری دلجوئی نہ کرتی۔ ہمارا دل نہ بہلاتی۔'' توصیف نے کہا۔

''اچھے ملازمین بھی نعمت ہوتے ہیں۔'' علیزہ نے جواباً کہا تو گڑیا کے دل پر ضرب لگی۔ اس نے تیزی سے چھوٹے صاحب کو دیکھا۔ وہ فوراً تصحیح کریں گے کہ یہ ملازم نہیں۔

''اب تمہارے آنے سے مزید اچھا ہو جائے گا۔'' توصیف نے تو اس کے دل کی آواز ہی نہیں سنی۔ بے اختیار رہی وہ رو دی۔ پلکوں کی نمی چھپا کر سیدھی باہر نکل آئی۔ راستے میں ہی بیگم حمید نے آواز دے ڈالی۔

''گڑیا......گڑیا!''

''جی بیگم صاحبہ!'' وہ ان کے قریب پہنچی۔

''یہ چائے تو لے جا علیزہ بی بی اور چھوٹے صاحب کے لئے۔'' وہ چپ چاپ چائے کی ٹرے لئے واپس آ گئی۔ وہ دونوں کسی بات پر ہنس رہے تھے۔

''گڑیا! چائے رکھ دو اور میرے لئے دوا لے آؤ۔'' توصیف نے کہا اور وہ ٹرے رکھ کر ان کے کمرے کی طرف چلی گئی۔

○❖○

موسم اچانک ابر آلود ہو گیا تھا۔ کالے کالے بادل آسمان کو اپنی آغوش میں لئے جھولا جھلا رہے تھے۔ جھولنے پر بجلی چمک کر احساس پیدا کرتی کہ جس طرح کوئی قہقہہ لگائے۔ رم جھم برستے پانی کو اپنے ہاتھ میں بھر کر مٹھی کھول کر چھینٹے توصیف کے چہرے پر مارے تو وہ ہنس دیے۔

''بہت اچھا موسم ہو گیا ہے۔'' علیزہ نے بالکنی میں کھڑے کھڑے کہا۔

''ہاں ایسا موسم تو کبھی کبھی ہوتا ہے۔''

''کیوں نہ اچھی سی چائے اور گرم گرم پکوڑے بنوائے جائیں۔'' توصیف نے چٹخارہ لیا۔

''اوں، نہیں، باہر چلتے ہیں لانگ ڈرائیو پر۔'' علیزہ نے کہا۔

''مگر میں۔''

''میں کیا، میں آپ کو سہارا دے کر لے جاؤں گی۔'' علیزہ نے ان کا مطلب جان کر کہا۔

قریب قالین پر بیٹھی گڑیا ہچکولے کھاتے دل کو سنبھال رہی تھی۔ اسے ایسا لگنے لگا تھا کہ علیزہ بی بی نے خالی کمرے کو بھر دیا ہے اور اب شاید چھوٹے صاحب پھر پہلے جیسے نہ ہو جائیں۔ جس احساس کی گرفت نے چھوٹے صاحب سے جذباتی رشتہ جوڑا تھا وہ ڈگمگا رہا تھا۔ اس کے کمرے میں موجود ہونے کے باوجود وہ دونوں اسے نظر انداز کر رہے تھے۔

''کیوں ٹھیک ہے گڑیا؟'' توصیف نے اس کو پکارا تو وہ چونکی۔

''ہوں، ہاں،'' ایک دم ہی وہ خوش ہو گئی۔

''گڑیا! ہماری واپسی تک چلی نہ جانا۔'' علیزہ نے پرس اٹھا کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ اس کی خوشی پھر ٹوٹ گئی۔ صرف گردن ہلا کر رہ گئی۔

''گڑیا! مگر دیر ہونے پر تم چلی جانا۔'' توصیف یہ کہتے ہوئے قریب سے گزر گئے۔ وہیل چیئر کی آواز دور ہوتی گئی اور وہ بے وقعت سا احساس لئے اپنے گھر آ گئی۔

صحن میں پڑے پلنگ پر وہ آڑی ترچھی لیٹ گئی۔ صفیہ جو چولہے کے پاس بیٹھی چائے پی رہی تھی اسے بغور دیکھنے کے بعد بولی۔

''گڑیا! چائے پی لے۔''

''مجھے نہیں پینی!''

''اتنی چپ کیوں ہے؟''

''چھوٹے صاحب کی وجہ سے۔'' وہ سادگی سے بولی۔

''چھوٹے صاحب کی وجہ سے......کیا مطلب؟'' صفیہ فوراً اس کی پائنتی آ کر بیٹھ گئی۔

''وہ علیزہ بی بی کے ساتھ چلے گئے؟'' اس نے منہ بسورا۔

''کہاں چلے گئے؟''

''سیر کرنے۔ جو علیزہ بی بی کہتی ہیں وہی کرتے ہیں۔''

''تو تجھے کیا؟''

''مجھے کچھ نہیں کہتے۔''

''پاگل وہ تجھے کیا کہیں۔ مالک لوگ ہیں۔ جو چاہیں کریں۔'' صفیہ کو ہنسی آ گئی۔

''پر چھوٹے صاحب تو اتنی باتیں......''

''چھوڑ اس ذکر کو۔ چل چائے پی لے۔'' صفیہ نے بیکار جان کر بات ٹالی۔

''تو چھوٹے صاحب، چھوٹے صاحب کی تسبیح چھوڑ نہیں سکتی۔'' زینب نے نماز پڑھنے کے بعد جھلا کر کہا۔

''وہ اتنے اچھے لگتے ہیں۔''

''تو بے عزت کروائے گی۔ ایسی باتیں کر کے بوڑھے باپ کو رسوا کرے گی۔'' زینب نے دہائی دے ڈالی۔

''اماں......اماں! وہ اب مجھ پر ناراض نہیں ہوتے۔''

''ہنہ......ارے! کم عقل انہیں حق ہے تو اس چکر میں مت پڑا کر۔''

''اماں! تجھے چھوٹے صاحب اچھے کیوں نہیں لگتے؟''

''ہیں......'' زینب نے حیرت سے کہا۔

''اماں! میرا دل چاہتا ہے کہ صفیہ باجی کے لئے، ثریا باجی کے لئے بھی تو چھوٹے صاحب جیسے دلہا پسند کرے۔ ہماری صفیہ باجی کتنی اچھی ہیں، تو پھر ان کے لئے ایسا کیوں نہیں ہو سکتا۔''

''یہ برکت علی کی بیٹیاں ہیں، جن کی آدھی سے زیادہ جوانی اس کوارٹر کے در و دیوار چاٹ گئے ہیں۔ اس کوارٹر کے دروازے سے باہر کوارٹر کا دروازہ تو ملتا ہے۔ محل کا نہیں۔ ان کے لئے پھر کسی برکت علی کا انتظار تو ہو سکتا ہے۔ چھوٹے صاحب کا نہیں۔'' زینب کی دکھتی رگ پر ہاتھ پڑا تھا وہ درد

سے تڑپ اٹھی۔

''مگر میں تو چھوٹے صاحب کو ہی لوں گی۔'' وہ بے دھڑک بولی۔

''کیا..... خاموش ہو جا کم بخت۔ کسی نے سن لیا تو قیامت آ جائے گی۔'' زینب نے اس کے بال پکڑ کر چارپائی کی پٹی پر سر مارتے ہوئے کہا۔

''چھوڑ دے اماں، یہ بے وقوف ہے۔'' صفیہ نے اماں کی مٹھی سے بال چھڑائے۔

''اماں! تو چھوٹے صاحب کے خلاف کیوں ہے؟''

''اس لئے کلموہی کہ وہ آسمان ہیں اور ہم زمین۔ مالک بخشش دیتے ہیں، برابری نہیں، تو ان کی خدمت کرتے کرتے دور نہ چلی جانا۔'' زینب نے آگ بگولہ ہوتے ہوئے کہا۔ وہ سہم کر چپ ہو گئی کچھ نہیں بولی۔ بلکہ سب خاموشی کی تصویر بن گئیں۔ صفیہ، ثریا، زینب اور وہ خود سوچ کی چادر اوڑھ کر ایک دوسرے سے چھپنے کی ناکام کوشش کرنے لگیں مگر چھپ نہیں سکتی تھیں۔ درد مشترک جو تھا، حسرتیں ایک جو تھیں۔ اس لئے گہرا سناٹا تھا۔

○❖○

''بیگم صاحبہ! آپ نے صفیہ کے رشتے کے بارے میں کچھ کہا تھا۔'' زینب نے کہا۔

''ہاں، یاد آیا۔ تم نے پھر یاد ہی نہیں کرایا۔'' بیگم حمید نے اخبار تہہ کر کے ایک طرف رکھا اور زینب کی بات پر توجہ دی۔

''بس کوئی نہ کوئی ایسی بات ہو جاتی تھی اور بات میرے لبوں پر ہی رک جاتی۔''

''وہ ہمارا پرانا باورچی تھا۔ اس کے مرنے کے بعد ایک بیٹا تھا جو اپنے دور پار کے چچا کے ہاں رہا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے ملنے آیا تو دبے دبے لفظوں میں ذکر کر رہا تھا۔''

''کیا معلوم اب تک۔'' زینب نے خدشہ ظاہر کیا۔

''نہیں، ابھی شادی نہیں ہوئی۔ ورنہ وہ ہمیں ضرور بتانے آتا۔ اچھا فرماں بردار لڑکا ہے۔''

''کرتا کیا ہے؟''

''گجرات میں ہی کسی کوٹھی میں ملازم ہے۔'' بیگم حمید نے کہا۔ کچھ فاصلے پہ بیٹھی گڑیا کے کان کھڑے ہوئے کھسک کر قریب آ گئی۔

''رابطہ کیسے ہو؟''

''ہمارے پاس اس کا پتا ہے۔ خط ڈال کر بلا لو۔ دو چار دن اپنے پاس رکھو، عادت کا اچھے برے کا پتا چل جائے گا۔'' بیگم حمید نے بڑی تفصیل سے بات مکمل کی تو زینب کا آدھا منہ کھلا رہ گیا۔

''اپنے پاس..... ایک ہی تو کمرا ہے اور جوان بیٹیوں کے ہمراہ۔''

''اری زینب! زمانہ بدل گیا ہے۔ تو نے جوان بیٹیاں بیاہنی بھی تو ہیں۔ اسے اور وقت گزر جائے گا۔ شرف لڑکا ہے۔ خدا کرے صفیہ کے لئے راضی ہو جائے۔''

''ہمیں ملازم سے صفیہ باجی نہیں بیاہنی۔'' گڑیا نے درمیان میں کہا۔

''تو چپ رہ۔ چل ثریا کو آٹا گوندھ کر دے۔'' زینب نے درمیان میں کہا۔

''اماں! ہمیں نہیں بلانا اسے۔'' وہ کہتی ہوئی چلی گئی۔

''برا نہ مانئے گا بیگم صاحبہ! یہ نا سمجھ ہے۔ آپ مجھے لڑکے کا پتا دے دیں۔'' زینب نے اس طرح عاجزی سے کہا جیسے ذرا بھی بیگم صاحبہ کو ناگوار گزرا تو وہ اس رشتے سے انکار کر دیں گی۔

''جانتی ہوں۔ میں لاتی ہوں پتا۔'' بیگم حمید یہ کہہ کر چلی گئیں، کچھ دیر بعد وہ چٹ لئے آ گئیں۔

''یہ لو، لڑکے کا نام اسلم ہے۔ اچھو، اچھو کہتے ہیں۔''

''بیگم خط کے دو بول بھی آپ ہی لکھ دیں۔ ہمارے ہاں کون لکھے گا؟'' زینب نے ملتجیانہ انداز میں کہا۔ وہ فوراً راضی ہو گئیں۔

''ٹھیک ہے، میں ابھی لکھ کر خط ڈلوا دیتی ہوں۔ تم جاؤ۔'' انہوں نے زینب کو کہا تو وہ شکریہ ادا کرتی ہوئی آ گئی۔

اس کو دیکھتے ہی وہ بولنے لگی۔

''اماں! تو اچھی طرح سن لے کسی ملازم کو ہم نہیں آنے دیں گے۔''

''کیا بکواس کر رہی ہے، دماغ خراب ہو گیا ہے تیرا۔ بڑوں کی باتوں میں دخل دینے کی ضرورت نہیں۔'' زینب نے غصے سے کہا تو وہ صفیہ کے پاس جا کر اسے سمجھانے کی کوشش کرنے لگی۔

''صفیہ باجی! اماں تجھے ایسی ہی زندگی دینا چاہتی ہے۔ تو انکار کر دے۔''

''بات کیا ہے پتا تو چلے؟'' صفیہ کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

''منحوس نے پہلے ہی طوفان مچا دیا۔'' زینب نے بیٹھتے ہوئے سب کچھ بتایا تو صفیہ نے اس کے چہرے پر پیار کرتے ہوئے فقط اتنا کہا۔

''یہی حقیقت ہے گڑیا! شکر کر کوئی آئے تو۔''

''مگر، مگر وہ چھوٹے صاحب؟''

''بند کر اپنی زبان اور دفع ہو جا اندر۔ تیرے دماغ میں تو بھوت سما گیا ہے۔'' زینب نے غصے سے چپل اٹھا کر اس کی پیٹھ پر دے ماری۔ وہ روتی ہوئی کمرے میں گھس گئی۔

''نہ جانے یہ لڑکی کیا چاہتی ہے۔ بیگم صاحبہ کے سامنے ہی زبان چلانے لگی۔ نہ اپنے حالات کا خیال اور نہ جوان بہنوں کا احساس۔ کوئی میرے دل سے پوچھے کیسے رات دن تینوں کو دیکھ دیکھ کر جلتی ہوں۔'' زینب بولتے بولتے لمحہ بھر کو رکی اور پھر شروع ہو گئی۔ ''اب یہاں محلوں کے شہزادے تو آنے سے رہے۔ کوئی ملازم بھی آ گیا تو غنیمت جانوں گی۔ ایسے جھونپڑوں میں کون جھانکتا ہے؟ چلی ہے اونچے محلوں کے خواب دیکھنے۔ ہر بات چھوٹے صاحب سے شروع کر کے چھوٹے صاحب پر ختم کرتی ہے۔ اپنی حیثیت نہیں دیکھتی۔'' زینب رکی تو ثریا بولی۔

''چل اماں! چپ ہو جا۔''

''ارے میں تو ہو ہی جاؤں گی، اسے سمجھاؤ۔''

''وہ بھی سمجھ جائے گی۔''

''اب ذرا گھر اچھی طرح جھاڑ لو، چادر اور تکیے کا استر بھی دھو کر رکھو۔ جیسے ہی لڑکا آئے تو بستر کر دینا۔'' زینب نے ہدایت کی تو صفیہ اس بوسیدہ اکلوتی چادر کے بارے میں سوچنے لگی جو سفید کی بجائے پیلی ہو چکی تھی۔

''اماں! کیا وہ صفیہ کو پسند کر لے گا۔'' ثریا نے ڈرے ڈرے لہجے میں کہا۔

''اللہ نے چاہا ضرور کرے گا۔'' زینب بڑے وثوق سے بولی۔ ثریا اور صفیہ اٹھ کر اپنے اپنے کام سے لگ گئیں۔

○❖○

''آنٹی! میں نے تو صیف کو راضی کر لیا ہے۔ علاج کے لئے امریکا جانے پر۔'' علیزہ نے بیگم حمید سے کہا تو انہوں نے خوشی کا اظہار کیا۔

''جب علاج ممکن ہے تو پھر کیوں نہ کرایا جائے۔''

''اور ویسے بھی تو معذوری کی زندگی کس کام کی۔''

''بس بیٹا! بیٹے کا یہ دکھ اندر ہی اندر مجھے کھائے جا رہا ہے۔ اتنی چھوٹی عمر میں سب کچھ ختم ہو گیا۔'' بیگم حمید کی آنکھیں بھر آئیں۔

''آنٹی! سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں پوری کوشش کر رہی ہوں کہ وہ زندگی کی طرف رجوع کریں۔'' علیزہ نے کہا۔

''ہماری دلی آرزو ہے کہ تم اسے خوشیوں کی طرف لاؤ۔'' بیگم حمید کا محبت کے جذبے سے بھرا ہال کمرے میں داخل ہوتی گڑیا کو اچھا نہیں لگا۔

''بھئی گڑیا! تمہاری تعریفیں تو، تو صیف بھی کرتے ہیں۔'' علیزہ نے کہا تو وہ ہوا میں اڑنے لگی۔

''گڑیا! بس دعا کر تیرے چھوٹے صاحب امریکا سے بالکل ٹھیک ہو کر آئیں۔'' بیگم حمید خوشی سے چمکتی آنکھوں سے نمی صاف کی۔ وہ حیرت سے منہ دیکھنے لگی۔

''کیا مطلب بیگم صاحبہ؟''

''ہم ان کی مصنوعی ٹانگ لگوانے کے لئے امریکہ لے جا رہے ہیں۔ تمہیں دعا کرنی ہے کہ ہنستے مسکراتے واپس آئیں۔'' علیزہ نے اس کو سمجھایا۔ وہ گنگ سی رہ گئی۔

''مجھے بھی ساتھ لے جائیں گے۔'' اس نے معصومیت سے علیزہ کو دیکھا۔

''نہیں گڑیا! تم ساتھ نہیں جا سکتی۔ یہیں رہ کر دعا کرنا۔'' علیزہ نے کہا تو اس کی موٹی موٹی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''واپسی پر ہم گڑیا کو بہت قیمتی جوڑا دیں گے۔'' بیگم حمید نے کہا تو وہ بنا کچھ کہے سیدھی تو صیف کے کمرے میں آ گئی۔

''چھوٹے صاحب..... چھوٹے صاحب!'' رندھے ہوئے گلے سے پکارا۔ تو صیف نے فیکٹری کی اکاؤنٹ فائل ایک طرف رکھتے ہوئے دیکھا۔

''چھوٹے صاحب! آپ امریکا چلے جائیں گے۔''

''کیوں؟''

''آپ کیوں اتنی دور جانا چاہتے ہیں؟''

''کیا تم نہیں چاہتی کہ ہم چل پھر سکیں۔ اس کرسی سے نجات حاصل کریں۔'' انہوں نے الٹا اسی سے سوال کیا تو وہ گڑبڑا گئی۔

''میرے بنا.....'' اس نے معصومیت سے کہا۔

''نہیں، تمہاری پیاری پیاری باتیں ہمیں وہاں یاد آئیں گی۔ ہم تمہارے لئے اداس بھی ہوں گے۔'' وہ بڑی محبت سے اس کے چہرے پر بکھری لٹیں سنوارتے ہوئے بولے۔ وہ پلک جھپکتے ہی آسمان کی وسعتوں میں پہنچ گئی۔ چھوٹے صاحب کے منہ سے نکلے ایسے الفاظ امرت دھارا کا روپ دھار لیا کرتے تھے۔

''کیا سوچ رہی ہو گڑیا؟''

''آپ جلدی آ جائیں گے۔''

''ہاں، بس یوں گئے اور یوں آئے۔ تم دعا کے ساتھ انتظار کرنا۔'' انہوں نے چٹکی بجا کر کہا تو وہ مسکرا دی اور دل ہی دل میں پکا عہد کر لیا کہ خوب شوق کے ساتھ دعا کرے گی اور رات دن انتظار کرے گی۔ بلکہ مجسم انتظار بن جائے گی۔

''ہمارا کمرا ٹھیک رکھنا تمہاری ذمہ داری ہے۔''

''میں صبح شام اسے صاف کیا کروں گی۔'' وہ خوش دلی سے بولی۔

○❖○

تو صیف نے صبح سے فیکٹری سے منیجر، پروڈکشن مینیجر، چیف اکاؤنٹنٹ کو بلا کر مکمل ہدایات دیں تاکہ ان کی غیر موجودگی میں فیکٹری کا کام متاثر نہ ہو۔ سب تیاری مکمل ہو چکی تھی۔ سیٹیں کنفرم ہو چکی تھیں۔ بیگم حمید نے کوٹھی کے اندر کا سارا حصہ لاک کرا دیا تھا۔ صرف بیرونی حصہ کھلا رکھنے کا حکم دیا تھا۔ سامان پیک کرا کر وہ وہاں کمرے میں آ گئیں۔ تو صیف، علیزہ وہاں پہلے سے موجود تھے۔

''کس قدر تھکا دینے والا کام ہوتا ہے یہ بھی۔''

''صفائی وغیرہ کے لئے کسے کہا ہے؟'' تو صیف نے پوچھا۔

''صفیہ کو۔''

’’گڑیا کو نہیں؟‘‘

’’نہیں، اب وہ اتنی بھی ذمہ دار نہیں ہے لاابالی سی ہے۔ اس پر سب نہیں چھوڑا جاسکتا۔‘‘ بیگم حمید نے جواب دیا۔

’’مگر ہم نے تو اسے اپنے کمرے کے لئے کہا ہے۔‘‘

’’میرا خیال ہے صفیہ مناسب ہے۔‘‘ علیزہ نے کہا۔ بیگم حمید نے تائید میں گردن ہلا دی۔ توصیف خاموش ہوگئے۔

’’رات نو بجے فلائٹ ہے۔ شام ہونے کو ہے۔ تیزی سے وقت گزر جائے گا۔ مزید کچھ ساتھ لینا ہے تو بتاؤ۔‘‘ بیگم حمید نے پوچھا۔

’’کچھ نہیں۔ بس کافی ہے۔‘‘

’’ویسے بھی وہاں آپ کا گھر ہے کوئی اجنبی نہیں ہے وہاں۔‘‘ علیزہ نے کہا۔ توصیف نے مسکرا کر سر ہلایا۔

’’اس بہانے علویہ کے پاپا کی شکایت بھی دور ہوجائے گی۔‘‘ بیگم حمید نے ہنس کر کہا اور پھر کسی کام کے لئے اٹھ کر اندر چلی گئیں۔

’’کتنی عجیب بات ہے، کس بہانے سے شکایت دور ہو رہی ہے۔‘‘ توصیف نے سرد آہ بھر کے دھیرے سے کہا۔

’’تاہم یہ بھی خوش کن ہے میرے لئے۔‘‘ علیزہ نے ’’میرے لئے‘‘ پر زور دے کر کہا۔

’’ایسی کیا خاص بات ہے؟‘‘

’’شاید میرے امریکا میں توصیف صاحب جیسا کوئی شخص نہ تھا۔ علیزہ گھوم پھر کر پاکستان آگئی۔ یہ بھی تو سب سے بڑی خاص بات ہے۔‘‘ اس نے شریر نظروں سے دیکھا۔ توصیف ہنس دیئے۔

’’اتنا خالص مکھن علیزہ جی۔‘‘

’’کچھ بھی کہہ لو، مگر جذبات کی وابستگی پر الزام نہیں لگا سکتے۔‘‘

’’اچھا جی، ایک لنگڑے سے ایسا جذباتی رشتہ بھی ہوسکتا ہے۔‘‘

’’پلیز توصیف، ناقدری نہیں، آپ کیا ہیں۔ یہ بتانا مشکل ہے۔‘‘ علیزہ برا مان کر بولی۔

’’کہاں ہیں اب توصیف، ختم ہوگئے ہیں۔ اب کیا باقی ہے۔‘‘ وہ ایک دم ہی بے چین ہوگئے۔ اندر کا دکھ چہرے پر پھیل گیا۔

’’ابھی تو بہت کچھ ہے۔ بلکہ سب کچھ۔‘‘ وہ جذبات کے عالم میں بولی۔

’’ہمارے ہنسنے، مسکرانے کو خوشی مت سمجھو۔‘‘

’’بے فکر رہیے۔ عنقریب آپ کے اردگرد خوشیاں ہی خوشیاں ہوں گی۔‘‘ علیزہ آنکھیں موند کر خوابوں، خیالوں کی دنیا میں کہیں دور نکل گئی۔ توصیف نے اس کی بند آنکھوں کے پاس بھی ساری

کیفیت جھانک کر معلوم کر لی اور ہلکے سے تاسف کے ساتھ ہونٹ چبانے لگے۔

○❖○

مطلوبہ سامان گاڑی میں رکھا جاچکا تھا۔

بیگم حمید نے آخری مرتبہ ملازمین کو بھرپور تاکید کی۔ خصوصاً صفیہ، برکت علی اور زینب کے علاوہ مالی بابا کو۔

’’سب کچھ سمجھ لیا تم لوگوں نے؟‘‘ انہوں نے سب کی طرف دیکھا۔ جواب میں سب کی روبوٹ کی طرح گردنیں ہلیں۔

گڑیا اداس سی ان کے قریب آکر بولی۔ ’’بیگم صاحبہ جی! چھوٹے صاحب کا کمرا بھی بند کردیا؟‘‘

’’ہوں۔‘‘

وہ ہونٹ چبانے لگی۔ توصیف نے ہنس کر پوچھا۔

’’ہمارے کمرے میں ہمارے بغیر کیا کرو گی؟‘‘ جواب میں آنکھیں چھلک گئیں۔

’’ارے، ارے گڑیا! بھئی بری بات۔ ایسا کرو گی تو ہم نہیں جاسکیں گے۔‘‘ توصیف بہت والہانہ انداز میں وہیل چیئر اس کے قریب لا کر بولے۔ وہ بھیگی پتلیوں سے دیکھتی رہی۔ محبت کے احساس کو سمجھنے کی پوری کوشش میں کئی بے قرار لمحے گزر گئے۔ کیا ایسا بھی ممکن ہے؟‘‘ لب کپکپائے توصیف کے بھولے چہرے کو مسکرا کر دیکھنے لگے۔

’’ہم تمہارے اس جذبے کی بہت قدر کریں گے۔ واپسی پر تمہارے پاس سب سے پہلے آئیں گے۔‘‘ رک کر خوشی سے پھر بولے۔ ’’وہ لائیں گے جسے پا کر تم خوش ہو جاؤ گی۔‘‘ لفظوں کا امرت قطرہ قطرہ کان کے پردے پر گرا۔ پورے جسم کا نظام جیسے فیل ہوگیا۔ صرف دھک، دھک، دھک دل ہی دھڑک رہا تھا۔ نہ کچھ اور سنائی دے رہا تھا اور نہ کچھ دکھائی دے رہا تھا۔ بے خودی میں ہی اس نے خدا حافظ کے لئے ہاتھ لہرا دیا۔ اردگرد خاموشی چھا گئی۔ سب اپنے اپنے کاموں میں لگ گئے تھے وہ پتھر بنی اپنی جگہ پر کھڑی تھی۔

کیا [illegible] کر بھی وہ گم سم تھی۔ صفیہ اور ثریا نے باری باری اس کو دیکھا اور ایک دم اٹھتی ہی بولیں۔

’’گڑیا! کیا ہوا؟‘‘

اس نے ان کی طرف دیکھا اور گردن نفی میں ہلا دی مگر زینب نے تڑخ کر کہا۔

’’لال کوٹھی بند جو ہوگئی ہے۔‘‘

’’تو ہوئے گڑیا کو کیا؟‘‘ صفیہ بولی۔

’’اس کی روح ہی وہاں رہتی ہے۔‘‘ اماں نے طنزیہ گھورا۔

’’اماں! تم نے سنا نہیں چھوٹے صاحب کیا کہہ رہے تھے۔‘‘ وہ سحرزدہ سی بولی۔

اماں نے اور زیادہ گھورا۔ ’’بڑے لوگ ایسی باتیں نہ کریں تو ملازم خوش کیسے ہوں۔‘‘

''میں خود کو ملازم سمجھتی ہوں لیکن چھوٹے صاحب ایسا نہیں سمجھتے۔'' وہ غصے سے بولی۔

''تو، تو پاگل ہے نہ جانے کیا الٹا سیدھا سوچتی ہے۔'' صفیہ نے بھی تردید کی۔

''تمہیں خود پتا چل جائے گا جب وہ واپس آئیں گے۔'' وہ خفگی سے بولی۔

''ہنہ، احمق کہیں کی۔'' صفیہ اور ثریا کھل کھلا کر ہنس پڑیں۔

''چھوٹے صاحب کو غلط نہ سمجھو۔''

''یہی تو پیاری بہن ہم تمہیں کہہ رہے ہیں کہ تم انہیں کچھ اور نہ سمجھ لینا۔ بعد کو افسوس ہوگا۔'' ثریا نے قریب آ کر اس کے چہرے پر پیار کیا اور وہ ربر کی گڑیا کی طرح پلکیں جھپکنے لگی۔

''اب تو گھر میں رہ کر بہنوں سے کام کاج سیکھ۔'' اماں نے کہا۔

''مجھے نہیں سیکھنا۔'' وہ کہتی ہوئی چلی گئی۔

''ہاں، ہاں۔ باوا نوکر ساتھ دے گا۔ رہتی جھونپڑے میں ہے۔ خواب دیکھتی ہے محلوں کے۔'' اماں جل کر بولیں۔

''کیوں چلا رہی ہے بھاگوان؟'' برکت علی نے دروازے سے داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔

''ارے مجھے بھاگوان کیوں کہتے ہو۔ میں تو بھاگ جلی ہوں۔'' اماں نے خود کو کوسا۔

''ایسے کیوں کہتی ہے۔ اللہ کا شکر کیا کر۔'' برکت علی پاس ہی تخت پر بیٹھ گئے۔

''ہاں۔ شکر ہی تو ہے، یہ تین عذاب ہر وقت جان کا روگ دیکھ دیکھ کر میں دن رات جلتی ہوں۔ آخر کیا بنے گا ان کا۔'' زینب نے دہائی دی۔

''اب کیا ہو گیا؟''

''برکت علی! وہ لڑکی کھردرے پلنگ پر سو کر رنگیں خواب بنتی ہے۔ چھوٹے صاحب سے آسیب کی طرح چپک گئی ہے۔ وہ تو اور کچھ دیکھنے کو تیار نہیں۔ مجھے اس کے ارادے اچھے نہیں لگتے۔''

''ارے صفیہ کی ماں! ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے۔ بس خلوص اور محبت سے پیش آتی ہے۔ تم غلط مفہوم نہ دیا کرو۔'' برکت علی نے خیال خام سمجھ کر اڑا دیا۔

''کچھ بھی کہو، اپنی لاڈلی کے ذمے دار تم ہو، کل کو مجھے کچھ نہ کہنا۔ کیونکہ اگر وہ ٹھوکر کھائے گی تو سب سے زیادہ دکھ تمہی کو ہوگا۔''

''اللہ بہتر کرے گا۔''

''ابا! کھانا لاؤں؟'' صفیہ نے پوچھا تو برکت علی ہاتھ دھونے چل دیے۔

○❖○

دھوپ منڈیرے سے اتر کر پورے صحن میں پھیل گئی تھی۔

وہ کسل مندی سے پلنگ پر لیٹی تھی۔ دل ہی نہیں چاہ رہا تھا کہ آنکھیں کھول کر دیکھے۔ روز تو آنکھیں کھول کر سب سے پہلے لال کوٹھی کے خوبصورت در و دیوار دیکھتی تھی مگر آج تو نہ آنکھیں کچھ

دیکھنے کو بے قرار تھیں اور نہ دل بے تاب تھا۔ سارا حسن جس کے دم قدم سے تھا وہ کوسوں دور تھا پھر بھلا کون سی خوب صورتی باقی رہ گئی تھی۔ اس لئے تو وہ آنکھیں موندے وقت کو دھکیل رہی تھی۔

زینب تو کسی کام سے بازار گئی تھی۔ صفیہ برتن دھو کر فارغ ہوئی تھی، ثریا نے میلے کپڑے دھونے کے لئے اکٹھے کئے۔ ساتھ میں اسے بھی لتاڑا۔

''مہارانی! اب اٹھ جاؤ۔ چائے بھی چولہے پر پڑی پڑی خراب ہو رہی ہے۔'' بہت عرصے بعد گھر کا ناشتا کرنے کی ضرورت پیش آئی تھی۔ اس کا دل بے زاری سے بھر گیا۔

''نہیں کرنا مجھے ناشتا۔''

''کیوں، کیا اب بھی چھوٹے صاحب کا جھوٹا ملنے کی امید ہے؟'' ثریا تنک کر بولی۔

''یہاں کون سا کوئی اچھا ناشتا بنا ہوگا۔'' وہ کروٹ لے کر بولی۔

''ظاہر ہے ہم ان کے جیسا تو تمہیں ناشتا کرانے سے رہے۔'' صفیہ نے کہا۔

''تو پھر رکھیں اپنا ناشتا سنبھال کر، کالی کسیلی چائے سے سوکھی روٹی میں نہیں کھا سکتی۔''

''تیرا تو دماغ عرش معلیٰ پر پہنچا ہوا ہے۔'' ثریا نے کہا۔

''اچھی بات کی خواہش بری نہیں ہوتی۔''

''ہاں، مگر اتنی خواہش رکھنی چاہیے جو پوری ہو سکے۔ چھوٹے صاحب کے دائرے سے باہر نکل کر اپنے اس چھوٹے سے کوارٹر کو دیکھو۔'' صفیہ نے اچھی خاصی تقریر کر ڈالی۔

''صفیہ باجی! آپ ساری زندگی اس کوارٹر کو ہی دیکھنا چاہتی ہیں کیا؟'' وہ انتہائی معصومیت سے بولی۔

''اس لئے کہ میری دور کی نظر خراب ہے۔ قریب جو ہے وہی نظر آتا ہے۔'' صفیہ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''مگر میں چاہتی ہوں کہ آپ کا بڑا پیارا گھر ہو، گاڑی ہو، نوکر ہوں اور.....''

''بس، بس، کم عقل ہو، لال کوٹھی نے تمہیں جکڑ بند کر رکھا ہے۔'' صفیہ نے درمیان سے ہی فقرہ کاٹ لیا۔

''میں نے جب سے دیکھنا اور محسوس کرنا سیکھا ہے، لال کوٹھی ہی مرکز رہی ہے۔ اتنا پرانا پیار ہے اس سے میرا کہ اب اسے چھوڑ نہیں سکتی۔''

''گڑیا! دل بڑی پاگل چیز ہے۔ یہ خوامخواہ بہکاتا ہے۔'' صفیہ باجی نے دھیرے سے کہا اور اٹھ کر چولہا صاف کرنے لگیں اور وہ واقعی دل کی دھڑکنیں گننے لگی۔

''عجیب بے ہنگم سا شور تھا۔ کچھ صاف سنائی نہ دے رہا تھا۔ بس ایک اکساہٹ سی تھی کہ جو آنکھوں کو بھلا لگتا ہے۔ ویسا ہی ہونا چاہیے۔ ویسا نہیں کیوں؟ کیا خواہش روپ بدل لیتی ہے؟ کیا ارمان جگہ اور مقام پہچانتے ہیں؟ نہیں تو پھر اس میں میرا کیا قصور؟''

''صفیہ باجی! رنگ اچھے لگتے ہیں مجھے۔ میں نے اس چار دیواری میں صرف بے رنگی ہی دیکھی ہے۔ میں نے دو مرد دیکھے ہیں۔ ایک ابا اور دوسرے چھوٹے صاحب۔ ابا کو اب تک چکی میں پسے دیکھ کر میں تھک گئی ہوں۔ مجھے چھوٹے صاحب جیسے ابا چاہیے تھے مگر ایسا نہیں ہوا اب.....''

''چپ کر جا گڑیا، کیا اول فول بکتی ہے۔ تو خواہش کے جنگل میں اپنے باپ کو بھی رد کر رہی ہے۔'' صفیہ نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے کاٹ دی۔

''میں یہ سب اب دیکھنا نہیں چاہتی۔ سب لوگ ہماری طرح ہی تو ہیں، سب کی دو ٹانگیں، دو ہاتھ، سر آنکھیں ہیں۔ چھوٹے صاحب کی بھی اور ابا کی بھی وہی جسامت ہے۔ دلہن بیگم اور آپ میں، علیزہ اور ثریا باجی میں کیا فرق ہے؟''

''تو بہت معصوم اور بھولی ہے کچھ نہیں جانتی۔ پگلی مقام اور جگہ سب سے بڑا فرق ہوتا ہے۔ یہ کوارٹر اور وہ لال کوٹھی کی قد و قامت دیکھ جس طرح ان میں فرق ہے۔ ویسا ہی انسانوں میں فرق ہوتا ہے۔'' صفیہ باجی کے چہرے پر چرن ہی حزن پھیل گیا۔

''جیسے ربر کی گڑیا میں اور مجھ میں فرق ہے۔ اسے شیشے کی الماری میں سنبھال کر رکھتے ہیں، پیار سے دیکھتے ہیں، ہاتھوں میں اٹھاتے ہیں اور میں ایسے کھردرے ٹوٹے ہوئے پلنگ پر یا پھر اونچی نیچی اینٹوں سے بنے فرش پر سوتی ہوں۔ آنکھیں جھپکوں یا لب ہلاؤں، رہتی اسی زمین پر ہوں۔'' وہ ٹھہر ٹھہر کر گویا صفیہ کی باتوں کی تائید کرنے لگی۔ اس کی آنکھوں سے بہتے نمکین پانی کو صفیہ نے اپنے آنچل میں سمیٹ لیا۔

''صبر اور شکر کرتے ہیں۔''

''پتا نہیں بات، اماں جیسے لوگ اپنی اولاد کے ایسے نام کیوں رکھتے ہیں؟''

''اولاد کے لئے خوش تو امیر غریب سب ہوتے ہیں اس لئے۔'' صفیہ نے آہستہ سے کہا اور اس نے آنکھیں موند کر اس کی بات پر بھی یقین کر لیا۔

○❖○

''ٹک، ٹک،'' رات کے سناٹے میں تیسری بار آواز گونجی۔

زینب اور برکت علی دونوں ہی جاگ کر یہ یقین کر رہے تھے کہ دستک اپنے دروازے پر ہی ہے یا وہم ہے۔ اتنی رات گئے ان سے ملنے کون آ سکتا ہے؟''

''صفیہ کے ابا! جاؤ تو اپنے ہی دروازے پر کوئی ہے۔'' زینب نے برکت علی سے کہا اور برکت علی چپل پہن کر دروازے تک گئے۔

''کون..... کون ہے بھئی؟'' پوچھتے ہوئے دروازہ کھولا۔ صحن میں بھی اندھیرا تھا اور باہر دروازے کے بھی اندھیرا تھا۔ اس لئے وہ پہچان نہ سکے۔

''جی میں اسلم ہوں۔''

''کون اسلم!'' برکت علی نے بغور اس کا جائزہ لینا چاہا۔

''جی اچھو، گجرات سے آیا ہوں۔ بڑی بیگم صاحبہ کا خط آیا تھا۔'' وہ روانی میں بولتا گیا۔

''ارے، اچھا، اچھا۔ اندر آؤ بیٹا۔'' دروازے سے کان لگائے کھڑی زینب خوشی سے پکاری۔

''ہاں، ہاں آؤ میاں۔'' برکت علی بھی گرم جوشی سے اندر کے لئے راستہ دکھانے لئے۔ زینب دوڑ کر کمرے میں گئی اور ان تینوں کو جھنجھوڑنے لگی۔

''صفیہ، ثریا، اے گڑیا اٹھو۔ اسلم آیا ہے۔ بستر صحیح کرو۔''

''کون اسلم اماں؟'' ثریا اور گڑیا نے آنکھیں ملتے ہوئے پوچھا۔

''بتاتی ہوں پہلے اس کے بیٹھنے کو بستر ٹھیک کرو۔'' اماں کی زبان کے ساتھ ساتھ ہاتھ بھی بستر ٹھیک کرنے کے لئے چل رہے تھے۔

''آؤ میاں! آؤ بیٹھو۔'' برکت علی کے ساتھ ہی ایک نوجوان کمرے میں داخل ہو گیا۔ صفیہ اور ثریا ننگے پاؤں ہی باہر بھاگ گئیں۔ جب کہ گڑیا نے پلکیں جھپک جھپک کر اس کا جائزہ لینا شروع کیا۔

دبلا پتلا، درمیانے قد کا نوجوان تھا۔ کھلی پیشانی پر بال ہلکے سے تیل کے ساتھ جمائے اپنی قدرے چھوٹی آنکھوں کو پھاڑے وہ کبھی برکت علی کو دیکھتا پھر گڑیا کی طرف۔

''ارے یہ تھیلا تو رکھ دو۔'' وہ ہنس کر بولی اور وہ فوراً کھسیانیت سے کالا شاپر زمین پر پٹخ کر سیدھا ہو گیا۔

''اس میں قیمتی چیزیں تو نہیں؟'' وہ دوبارہ بولی۔ تب اس نے دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے کہا۔

''جی نہیں۔ بس کپڑے ہیں میرے۔''

''واہ، واہ کیا اٹیچی کیس نہیں تھا؟'' رک کر غور سے اسے دیکھا اور حیرت سے چلائی۔

''تم پان کھاتے ہو، کتنے گندے دانت ہیں تمہارے۔''

''گڑیا! چل باہر، اسلم بیٹے کے لئے دو روٹی پکوا اور سالن گرم کروا۔'' زینب نے ڈپٹ کر اسے کمرے سے باہر نکالا۔

''اسلم میاں! اس کی باتوں کا برا نہ ماننا۔ یہ سب سے چھوٹی بیٹی ہے، شریر ہے۔'' برکت علی نے وضاحت کی تو اس نے گردن ہلا کر گویا بات تسلیم کر لی۔

''اماں! روٹی یا پراٹھے؟'' گڑیا نے دوبارہ دروازے سے سر نکالا۔

''پراٹھے۔'' زینب نے غصہ ضبط کیا۔

''وہ اماں، سالن تو بو دے رہا ہے۔'' وہ پھر بولی۔

''بھنڈی کی خوشبو ہی ایسی ہوتی ہے۔'' زینب بناوٹ سے بولی۔ اندر ہی اندر آگ بگولہ ہو رہی

تھی۔

''گڑیا بیٹے! چائے بھی بنانی ہے۔ اسلم سفر سے آئے ہیں۔'' برکت علی نے کہا۔

''ابا! دودھ تو ہمارے یہاں رات کو نہیں ہوتا۔'' وہ نہایت سادگی سے بتانے کی کوشش میں برکت علی کے قریب آ گئی۔ برکت علی نے خفگی سے اسلم کی طرف دیکھا۔

''آؤ میرے ساتھ۔'' زینب نے غصے سے اس کا بازو پکڑ کر باہر کو گھسیٹا۔ باہر نکلتے ہی اس کی پر دو ہتڑ مارے۔

''مردار، منحوس پہلے دن ہی اپنی اصلیت بتائے گی۔''

''اماں...... اماں! جانے دے۔ اندر آواز جائے گی۔'' ثریا نے آ کر چھڑایا۔

''جلدی سے سب چیزیں لے کر اندر آ جانا۔ تم سے کہہ رہی ہوں۔'' زینب نے صفیہ سے کہا اور پھر کمرے میں چلی گئی۔

''ہنہ سب چیزیں۔ یہ سب چیزیں ہیں۔'' وہ روتے روتے ٹرے کی طرف اشارہ کر کے ہنس پڑی۔ ''بسی ہوئی بھنڈی، سوکھا سڑا پراٹھا اور بغیر دودھ کے چائے۔''

''گڑیا! تو تو نمک نہ چھڑکا کر۔'' صفیہ نے جل کر کہا۔

''کیا ہمارے جیسا انسان بھی اماں ابا کو خوف زدہ کر سکتا ہے۔'' وہ بھولپن سے بولی۔

''ہاں۔ کیونکہ ہم سب سے بڑا خوف ہیں۔'' ثریا نے آہستہ سے جواب دیا۔

''کتنا عجیب وغریب ہے یہ شخص۔'' گڑیا محو حیرت تھی۔

''کیوں کیا سینگ نکلے ہوئے ہیں؟'' صیہ نے اندر جاتے جاتے ہنس کر پوچھا۔

''بس سینگ کی ہی کمی ہے ورنہ تو وہ ہمارے جیسے ہیں۔''

''ہاں تو ہمارے پاس ہمارے جیسے ہی آئیں گے۔'' صفیہ کے بعد ثریا نے اس کو جواب دیا اور افسردہ سی صحن میں چار سو نظریں دوڑاتے دوڑاتے پھر لال کوٹھی کے در و بام میں کھو گئی۔ ثریا نے اٹھ کر دروازے سے کان لگا دیئے۔

''یہ ہماری سلیقہ مند بیٹی صفیہ ہے۔'' ابا کی مسرور سی آواز آئی۔

''اسلم میاں! اس ہماری بیٹی میں بڑے گن ہیں۔ کھانا پکانے سے لے کر سلائی کڑھائی تک سب کام مہارت سے کر لیتی ہے۔'' زینب کی زبان تیزی سے بیٹی کی تعریف میں چلنے لگی۔ جب کہ دوسری طرف اپنے سامنے کھانا رکھے اسلم نظریں جھکائے خاموش بیٹھا تھا۔ قریب ہی صفیہ مجرم بنی کسی باندی کی طرح ہاتھ باندھے کھڑی تھی۔ کتنا عجیب موقع آ گیا تھا کہ پرانی روایات سے لپٹے برکت علی اور زینب بیٹی کے رشتے کے لئے لڑکے کو بیٹی دکھا کر خوشامد کر رہے تھے۔ جہاں بیٹیوں کو دکھانا تو کجا ان سے مشورہ کرنا بھی سنگین جرم سمجھا جاتا تھا مگر اب کس قدر مجبوری اور بے بسی کا عالم تھا کہ وہ ایک معمولی سے خانساماں کے آگے بچھے جا رہے تھے۔

''جی بہتر۔'' وہ توقف سے بولا۔ ایک لقمہ لیا اور برا سا منہ بنا کر ہاتھ کھینچ لیا۔ زینب اور صفیہ کو بخوبی علم ہو گیا کہ اسے کھانا پسند نہیں آیا اور آتا بھی کیسے۔ گڑیا کی بات سچ ہی تھی۔ بھنڈی بسی ہوئی تھیں۔ بنا دودھ کے کڑوا کسیلا گرم پانی چائے تو نہیں ہوتی۔ زینب نے اشارے سے صفیہ کو باہر جانے کو کہا اور خود کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

O❖O

صفیہ تو جلدی جلدی ناشتا بنا، اسلم منہ دھونے جا رہا ہے۔'' زینب نے تیزی سے کہا اور صحن کے درمیان بچھے پلنگ پر سوئی گڑیا کو جھنجوڑا۔

''اٹھ، چل بھائی کو تولیہ لا کر دے۔'' گڑیا نے ہڑبڑا کر ایک آنکھ سے دیکھا۔ اماں سرہانے کھڑی تھیں۔

''چل اٹھ۔''

''اماں کیا ہو گیا ہے۔ صبح صبح۔'' جھنجلا کر اٹھی اور نلکے پاس کھڑے اسلم کو دیکھ کر برا سا منہ بنا کر بولی۔

''ہنہ، یہ کوئی چھوٹے صاحب ہیں جو میں تولیہ لا کر دوں۔''

''ہیں...... کیا بک رہی ہے؟'' زینب نے ڈپٹا۔

''دیکھو تو، کیسی شکل نکل آئی ہے ان کی۔'' وہ ہنس کر بولی۔

''بکواس بند کر لے۔''

''اماں! میں نے اسلم بھائی کے کپڑے استری کر دیئے۔'' ثریا نے آ کر اطلاع دی اور ہاتھ میں پکڑے کرتے، پاجامے کو صحن میں بندھی رسی پر پھیلا دیا۔

''اوہ، یہ پڑے، انہیں کون استری کرتا ہے اور ایسے کپڑے تو انہوں نے پہن رکھے ہیں۔'' وہ کھل کھلائی۔ ثریا بھی مسکرا دی۔ جب کہ زینب نے گھور کر دیکھا۔ بادل نخواستہ وہ تولیہ لے کر اسلم کے قریب گئی۔ پانی کے چھینٹے مار کر وہ اٹھا تو اسے منہ بنائے کھڑا دیکھ کر بولا۔

''بیمار ہے۔''

''کون؟'' وہ حیرت سے بولی۔

''تم!''

''کیوں؟''

''منہ بنایا ہوا ہے اس لئے۔'' وہ منہ رگڑتے ہوئے بولا۔

''تمہیں دیکھ کر بن گیا تھا۔'' وہ سادگی سے بولی۔

''کیا مطلب؟''

''بس تمہارا منہ تو ابا جیسا ہے اس لئے۔'' وہ روانی سے بولی اور واپس چارپائی پر آ کر بیٹھ گئی۔

اسلم بھی اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

''مجھے تیری یہ بات سمجھ نہیں آئی۔''

''مجھے تمہارے جیسے شخص کو سمجھانی بھی نہیں ہے۔'' اس نے تنقیدی نظروں سے گھور کر دیکھا۔

''تو لڑکی ہے یا؟''

''میں گڑیا ہوں۔ بس مجھ سے بات نہ کرو۔'' وہ تنک کر اٹھی اور اندر کمرے میں چلی گئی۔ وہ ہونق بنا دیکھتا رہ گیا۔

''بیٹا! اس پاگل کی باتوں پر توجہ نہ دے۔'' زینب نے محویت توڑی تو وہ گردن ہلا کر بولا۔

''خالہ! یہ تمہاری زبان نہیں بولتی۔''

''بس زیادہ بیگم صاحبہ کے پاس رہتی تھی اس لئے۔'' زینب نے ناشتا اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ وہ آہستہ آہستہ ناشتا کرنے لگا۔

جب کہ اندر اس کا منہ پھولا دیکھ کر صفیہ اور ثریا نے پوچھا۔ صفیہ کو تو اماں نے کمرے میں رہنے کہا تھا۔

''صفیہ باجی کیا تم اس سے شادی کرو گی، پان چبانے والے سے؟''

'دہاں، اگر لکھی ہوئی تو۔'' صفیہ نے دھیرے سے جواب دیا۔

''مگر کیوں؟''

''اس میں اگر مگر کی کیا بات ہے۔'' صفیہ نے پوچھا۔

''کیا تم ابا جیسی صورت والے انسان کو ہی دیکھنا چاہتی ہو؟'' اس نے چبا چبا کر پوچھا۔

''ہاں شاید۔'' ڈھیر سارا نمکین پانی صفیہ کی آنکھوں میں چھلکنے لگا۔

''تم انکار کر دو۔ میں کہہ رہی ہوں۔'' گڑیا نے بڑے وثوق سے کہا۔

''کیا بکواس کر رہی ہے یہ؟'' اماں نے اندر داخل ہوتے ہوئے اس کے کان کھینچے۔ شاید انہوں نے اس کی بات سن لی تھی۔ ثریا نے فوراً اس کو کھینچ کر جان بخشی کرائی۔

''اماں! تم چھوٹے صاحب سے بھی بات نہیں کرنے دیتی تھیں اور اب گندے سے انسان سے بھی روکتی ہو۔ کیا یہ بھی ہم سے اچھا ہے؟'' اس نے اماں سے پوچھا۔ زینب بے بسی سے منہ تکتی رہ گئی پھر باہر نکل گئی۔

''دیکھو، گڑیا! کوئی اچھا برا نہیں ہوتا۔'' ثریا نے آہستہ سے کہا۔

''کیوں نہیں ہوتا، آپ کو یہ آدمی اچھا لگتا ہے؟'' اس نے تکرار کی۔

''نہیں لگتا تو لگنے لگے گا۔'' صفیہ نے دھیرے سے کہا۔

''میں تو کبھی اس شخص سے بات بھی نہ کروں۔'' آخر میں اس نے خود ہتھیار پھینک دیئے اور لیٹ کر سو گئی۔

○❖○

اسلم بڑی دیر سے کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ کچھ نہ کچھ سوچ رہا تھا۔ چہرے کے بدلتے رنگ بتا رہے تھے کہ بات کچھ ہے۔ زینب بڑی دیر سے اس کا جائزہ لے رہی تھی۔ جونہی ابا گھر میں داخل ہوئے تو اس نے فوراً انہیں بتایا۔ انہوں نے چپ رہنے کا کہہ کر اسلم کی طرف توجہ کی۔

''کیوں میاں! کیا سوچ رہے ہو؟''

''جی وہ میں اب جانا چاہتا ہوں۔'' اس نے بوکھلا کر کہا۔

''اتنی بھی جلدی کیا ہے؟'' وہ بولے۔

''بس جی مالکان ناراض ہوں گے۔''

''کچھ فیصلہ بھی کیا یا پھر یونہی جا رہے ہو؟''

''وہ جی ماں، مگر.....'' اس نے تھوک نگلا۔

''مگر کیا بیٹا؟'' زینب نے جلدی سے پیڑھا اس کے قریب گھسیٹا۔

''میں نے جو فیصلہ کیا ہے وہ پکا ہے۔ تمہارے انکار پر میں چلا جاؤں گا مگر فیصلہ نہیں بدلوں گا۔'' اسلم نے دونوں کو چور نظروں سے دیکھتے ہوئے جلدی سے کہا۔

''کیا مطلب؟'' زینب کو فکر لاحق ہوئی۔

''مطلب یہ کہ میں گڑیا سے شادی کروں گا۔'' اس نے ایک زوردار دھماکہ کر ان دونوں کی سماعت پر کیا اور بغور ان کو دیکھنے لگا۔ زینب تو سناٹے میں آ گئی۔ ابا میاں کے چہرے پر مردنی چھا گئی۔ دونوں کے دل جیسے دھڑکنا بھول گئے۔ زینب کے لب کپکپا کر رہ گئے۔ بات ہی شاید ایسی تھی۔ وہ بڑی بیٹیوں کا بوجھ جن کندھوں پر ہو وہ چھوٹا اور کم بوجھ اترنے پر بھی افسردہ ہی ہوتے ہیں۔ گڑیا بھی بوجھ تو تھی۔ مگر صفیہ اور ثریا سے کم۔ دونوں عمر کے جس دوراہے پر تھیں، وہاں زیادہ دیر کوئی رک کر نہیں سوچتا۔ بلکہ رکتا ہی نہیں۔ گڑیا تو ابھی اس منزل پر نہیں پہنچی تھی۔ اس کی امنگوں بھری عمر تو دور سے ہی چونکا سکتی ہے۔

''میرا فیصلہ منظور ہے یا نہیں؟'' اسلم نے دبے دبے لفظوں میں پوچھا۔

''اسلم میاں! کیا یہ فیصلہ ہماری مجبوریاں دیکھ کر کیا ہے؟'' ابا میاں کی آواز زلزلے کی زد میں تھی۔ زینب نے مری مری ٹانگوں سے پیڑھا واپس پیچھے کی طرف دھکیلا اور چپ چاپ اٹھ کر اندر چلی گئی۔

''تم نے اس کی بھی تم شادی کرنی ہے۔'' اسلم نے کھردرے لہجے میں پوچھا۔

''ہاں، مگر گڑیا میری بیٹی.....''

''شہزادی ہے، سرخاب کے پر لگے ہیں، انگریجی بولے ہے، چچا میں شادی ایسی لڑکی سے ہی کرنا چاہتا تھا۔'' اسلم نے انتہائی بدتمیزی سے ابا میاں کی بات کاٹی۔

''ہاں شہزادی بھی ہے اور کم سن بھی۔'' ابا میاں تلملا اٹھے۔

''تو میں کیا کروں؟'' اسلم نے بدتمیزی سے کہا۔

''تمہاری اور اس کی عمروں میں فرق ہے اور ویسے بھی میری بڑی بیٹیاں بیٹھی ہیں تو یہ کیسے کر ہوں۔'' ابا میاں نے مصالحتی انداز میں سمجھایا۔

''ارے چاچا، مرد بڑے ہوتے ہیں اور تو بڑی بیٹیوں کے ساتھ اس کو بھی بوڑھا کرے گا۔'' نے ابا میاں کے دل پر چوٹ لگائی۔

''دیکھو، میاں! بدتہذیبی کا مظاہرہ نہ کرو۔ بات سمجھنے کی کوشش کرو۔'' انہوں نے بھی کچھ سختی جواب دیا۔

''تیری مرضی ہے چاچا! میں اب جاؤں گا۔'' اسلم نے آخری تیر پھینکا اور جوتا پہننے لگا۔

''بھئی کھانا کھا کے شام کو چلے جانا۔'' ایک دم ابا میاں نے پیش کش کی۔

''ہاں، میں صفیہ سے کہتی ہوں، وہ باہر آ کر سالن چڑھائے۔'' زینب نے طاقت یکجا کر ہمت سمیٹ کر صفیہ کے باہر آنے کا اعلان کر دیا۔ ابا میاں نے زینب کے اندر کی کیفیت سے سمجھو لیا اور اسلم کا شانہ تھپک کر خود باہر چلے گئے۔

''چاچی! پھر میرا فیصلہ قبول ہے۔'' اسلم نے عیاری سے مسکرا کر پوچھا۔

''میں تیرے چاچا کو سمجھاؤں گی۔'' زینب نے جواب دیا۔

''دیکھ چاچی! اپنے پاس موج ہی موج ہے۔ اس کوارٹر سے اچھا کوارٹر ہے میرا اور خوب چلتی۔ صاحب لوگوں پر اپنی۔'' اسلم اصل روایتی انداز میں تعریف کرنے لگا۔

''مگر گڑیا کو کوارٹر سے نکل کر کوارٹر میں نہیں جانا۔'' ثریا جو نہ جانے کب سے ان کی باتیں سن رہی تھی۔ تڑخ کر باہر آئی اور زور سے چلائی۔

''ثریا..... کیا بھونک رہی ہے تو۔ تیرا یہاں کیا کام ہے؟'' زینب نے غصے سے بیٹی کو ڈانٹا۔

''اماں! بولنے دے۔ یہ کیا سمجھ رہا ہے ہماری گڑیا کو، وہ تو معصوم ہے۔ کانچ سے بنی ہے۔ اس آنکھوں میں خوب صورت خواب ہیں، میں انہیں بکھرنے نہیں دوں گی۔'' ثریا بولتی چلی گئی۔ اسلم سا اس کا منہ دیکھتا رہا۔

''کوئی خواب نہیں ہوتے؟'' زینب نے اسے بازو سے پکڑ کر اندر کیا اور سینے سے بھینچ لیا۔

''اماں..... اماں! تو اسے نکال باہر کر۔'' ثریا گڑگڑائی۔

''اس کو نکال کر بھی اس جیسا ہی آئے گا۔''

اماں! گڑیا بہت چھوٹی ہے، وہ اس سے نفرت کرتی ہے۔'' صفیہ نے بھی سفارش کی۔

''محبت کے انتظار میں وہ بھی تمہاری طرح ہو جائے گی اور پھر کچھ نہیں ہوگا۔'' زینب پلنگ پر گر گئی۔

○❖○

شام کے سلگتے سائے بڑھ رہے تھے۔ بڑھتی ہوئی تاریکی کے ساتھ ساتھ گڑیا کی زندگی میں بھی تاریکی گھل رہی تھی۔ وہ حیران نظروں سے سب کے چہرے دیکھ رہی تھیں۔ کوئی اس سے کچھ بات نہیں کر رہا تھا۔ دوپہر کے کھانے سے لے کر اب تک دل ہلا دینے والی اداسی اور خاموشی تھی۔ اس نے صفیہ سے پوچھنا چاہا تو وہ بھی اداس چہرہ لئے کمرے سے باہر نکل گئی۔ ثریا سے پوچھا تو اس نے بھی نظریں چرا لیں۔ اماں، اماں تو ویسے ہی کنی کترا رہی تھیں۔ اسلم کے پاس بیٹھے ابا میاں سے اس نے خود ہی پوچھ لیا۔

''ابا! کیا بات ہے؟''

''کچھ نہیں، تم اندر چلو۔'' ابا میں نے اسے کہا۔

''اجی آپ کو کوئی پریشانی ہے کیا؟'' اب کی بار اس نے گھورتے ہوئے اسلم سے پوچھا۔

''گڑیا..... گڑیا! چل اندر۔'' زینب نے غصے سے چلا کر کہا اور وہ کمرے میں جانے کے بجائے پاؤں پٹختی ہوئی لال کوٹھی کے اندر چلی گئی۔

''چاچا! کہاں گئی ہے اس وقت؟'' اسلم نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

''کوٹھی کے اندر۔''

''چاچا! یہ کوٹھی تو کچھ بھی نہیں۔ جس میں اسے لے کر جاؤں گا، وہ محل ہے محل۔'' اسلم نے اترا کر دانتوں کی نمائش کی۔

پھر دیوار سے پیچھے بیٹھی گڑیا کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا۔ بند کمرے کے دروازے سے لپٹ کر صفیہ اور ثریا نے اپنے اندر اٹھنے والے ہر طوفان کو روکنے کی کوشش کی۔ اندر باہر ہر طرف طوفان ہی طوفان تھا۔ ایسا طوفان جو جسم و جاں کے اندر اٹھ رہا تھا۔ تباہی پھیلانے کا منتظر تھا۔ جونہی ابا میاں نے اسلم کو شادی کے لئے آئندہ جمعے کی تاریخ دی، وہ سینہ پھلا کر چلا گیا اور طوفان کی شدت نے پورے گھر کو اپنی لپیٹ میں لے کر ہلا ڈالا۔

''ابا..... ابا! یہ تم نے کیا کیا؟'' صفیہ چلا اٹھی۔

''گڑیا تو مر جائے گی۔ جس کی معصوم آرزوؤں نے لال کوٹھی کے در و بام میں الجھ کر آنکھیں کھولی ہوں۔ وہ اس شخص کی قید میں دم توڑ دے گی۔'' ثریا نے اداس سے ابا میاں کے آگے دوزانوں بیٹھ کر منت کی۔

''مگر بیٹا! لال کوٹھی کے کوارٹر میں رہنے والی گڑیا یا صفیہ ایک برابر ہوتی ہیں۔'' ابا میاں نے ثریا کے سر پر دست شفقت رکھا۔

''اسے سمجھاؤ، اب لال کوٹھی کے کسی منظر کو دل میں جگہ نہ دے۔ صفیہ! پیار سے بتاؤ اسے۔'' زینب نے آہستہ سے کہا۔

''وہ کیسے مانے گی۔ وہ تو اسلم سے نفرت کرتی ہے، اسے اسلم جیسے مرد پسند نہیں۔'' صفیہ نے پھر

زور دے کر کہا۔

''صفیہ! اتنی سمجھدار ہو کر بھی ناسمجھی کی باتیں کرتی ہو۔ مالکوں کی خدمت کی جاتی ہے۔ برابر نہیں۔ جاؤ، اسے بلا کر لاؤ۔'' ابا میاں نے ڈپٹ کر تحکم سے کہا۔ صفیہ مردہ قدموں سے صحن عبور کے لال کوٹھی کے اس حصے میں آ گئی جہاں گڑیا بیٹھ کر گھنٹوں سوچا کرتی تھی۔ اس وقت بھی اس کی آنکھوں کے پیچھے خوابوں کے تانے بانے تھے۔ صفیہ نے کندھے پر ہاتھ رکھا تو اس نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔

''باجی تم؟''

''کیا کر رہی ہو؟'' صفیہ اس کے قریب ہی بیٹھ گئی۔

''باجی! مالی بابا ٹھیک سے کیاریوں کی دیکھ بھال نہیں کر رہے۔ دیکھو، کیسے گھاس پھوس اگ آیا ہے۔'' اس نے لان میں پھیلے خشک، بے رنگ پھولوں کی طرف اشارہ کیا۔

''جب دیکھ بھال کرنے والے نہ ہوں تو نظام ایسے ہی بگڑ جاتا ہے۔'' صفیہ نے اس کے خوبصورت ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔

''میں کل صبح مالی بابا کو ڈانٹ کر کہوں گی۔'' گڑیا نے کہا۔

''نہیں، کوئی ضرورت نہیں۔ مالکان آئیں گے تو خود ٹھیک کرا لیں گے۔'' صفیہ نے جواب دیا۔

''صفیہ باجی! چھوٹے صاحب آ کر ناراض ہوں گے۔''

''نہیں ہوتے اور اگر ہوں بھی تمہیں اس سے کیا۔'' صفیہ زچ ہو گئی۔

''نہ جانے کب آئیں گے۔'' گڑیا نے لمبی سانس بھر کے آسمان کی طرف دیکھا۔

''کسی کے آنے جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ سب کچھ ہوتا رہتا ہے۔'' صفیہ کی آواز کا کرب اس کے چہرے پر پھیل گیا۔ ہلکی سی روشنی میں بھی گڑیا نے اس کے چہرے پر موجود سب کچھ پڑھ لیا۔

''کیا بات ہے باجی؟''

''کچھ نہیں، کچھ خاص نہیں۔'' صفیہ باجی نے اسے گلے سے لگا لیا۔

''نہیں کچھ تو ہے، بولو، وہ گھامڑ اسلم تو کچھ نہیں کہہ گیا۔'' اس نے تکرار کی اور صفیہ کے ہونٹ کانپ اٹھے۔

''گڑیا! وہ جو کہہ گیا ہے تمہیں اسے برداشت کرنا ہوگا۔''

''مجھے، کیوں مجھ سے ناراض ہو کر گیا ہے۔ میں اسے معاف کیے دیتی ہوں۔'' وہ اکڑ کر بولی۔

''گڑیا! تو بہت خوش قسمت ہے۔'' صفیہ نے اس کی پیشانی چوم لی۔

''وہ کیسے؟'' وہ حیران ہوئی۔

''اسلم نے تجھے پسند کیا ہے اور ابا نے رضامندی دے دی ہے۔'' صفیہ نے آگ کا سیلاب ہی جست میں عبور کر لیا۔ کیونکہ وہ اب مزید برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ چلا اٹھنے کی باری اب گڑیا کی

تھی۔

''باجی! یہ جو کہا ہے، میرے لئے ہے۔'' وہ چیخی۔

''ہاں، تمہارے لئے اور تمہیں حوصلے سے یہ صبر کا گھونٹ بھرنا پڑے گا۔ ابا زبان دے چکے ہیں۔''

''نہیں، نہیں میں ابا سے پوچھتی ہوں، ہٹو۔'' اس نے سختی سے صفیہ کو دھکا دیا اور دوڑ کر دروازے سے اندر داخل ہوئی۔ زینب کی اور برکت علی کی نظریں جھک گئیں۔

''ابا! صفیہ باجی وہ اسلم.....''

''صفیہ کی ماں! اسے سنبھالو، سمجھاؤ۔'' برکت علی جلدی سے اٹھتے ہوئے بولے مگر وہ ان کے دامن سے لپٹ گئی۔

''نہیں ابا! میں تم سے بات کرنا چاہتی ہوں، میری مرضی کے خلاف.....''

''گڑیا! غریب گھروں میں صرف بوجھ اتارنے کی فکر ہوتی ہے۔ پسند ناپسند کی نہیں۔'' برکت علی نے جبر کر کے کچھ سختی سے کہا۔

''بوجھ..... میں بوجھ ہوں۔'' وہ چلائی۔

''ابھی تو نہیں لیکن کچھ اور دن کے انتظار میں بن جاؤ گی۔ میری ہمت جواب دے گئی ہے۔ میں اکیلا ہوں، بوڑھا اور کمزور ہوں۔'' ابا کی رقت آمیز آواز پر وہ اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''صفیہ کی ماں! اسے بتاؤ کہ اس کا باپ کتنا اکیلا ہے۔ ان تینوں کے فرائض کا بوجھ بمشکل اٹھا سکے گا۔'' برکت علی رندھی ہوئی آواز میں کہہ کر شکستہ قدموں سے باہر چلے گئے۔

''گڑیا، میری بیٹی! تو بہت اچھی ہے۔ اپنے گھر کے سب مسئلے سمجھتی ہے۔'' زینب نے اسے گلے لگا کر پیار کیا۔

''اماں..... اماں! تو بھی مجھے مسئلہ سمجھتی ہے'' وہ تڑپ اٹھی۔

''نہیں گڑیا! میری چاند، مسئلہ ہماری غریبی ہے، ہماری مجبوری ہے۔'' زینب نے اسے چمکارا۔

''غربت میں کم ہمتی کہاں کی اچھائی ہے۔'' وہ تھی تو چھوٹی مگر باتیں بڑی بڑی کرتی تھی۔

''تمہارا کوئی بھائی ہوتا تو تمہارے ابا کو اتنی فکر نہ ہوتی۔ صفیہ اور ثریا کی عمریں نکلی چلی جا رہی ہیں۔ کون آئے گا یہاں اسلم سے بہتر۔ تقدیر کا لکھا سمجھ کر تم تینوں کو ایسا ہی قبول کرنا ہوگا۔'' زینب کی آواز بھرا گئی۔

''اماں! مگر صفیہ باجی۔''

''صفیہ کا اللہ وارث ہے۔ جو فرض ادا ہو جائے بہتر ہے۔ اسی لئے ہم نے اسلم سے ہاں کی ہے۔''

''چھوٹے صاحب، میں، وہ.....'' وہ سسکیاں بھرنے لگی۔ اسے اپنی بے بسی پر پہلی مرتبہ رونا آ رہا

تھا۔

''چھوڑ اس قصے کو۔ ان بڑے لوگوں سے ہمارا کیا واسطہ؟'' زینب نے سختی سے کہا۔

''کیسے چھوڑ دوں۔ میں اس زندگی سے باہر نہیں نکل سکتی اماں۔'' وہ گڑگڑائی۔

''اماں! گڑیا کی مان لے۔'' صفیہ کو بہن پر ڈھیروں پیار آ رہا تھا۔

''صفیہ! شادی تو ہونی ہی ہے پھر اسلم میں کیا برائی ہے؟''

''وہ گڑیا کو پسند نہیں پھر اس کے جوڑ کا بھی نہیں ہے۔'' ثریا بھی بولی۔

''اس سے کیا فرق ہوتا ہے۔ روٹی دے گا، کپڑا دے گا، بس یہی دو باتیں دیکھتے ہیں ہم۔'' زینب نے تاویل پیش کی۔

''نہیں اماں، میری آنکھوں میں دیکھ، میرے دل میں جھانک، تو کیسی ماں ہے، میری بات نہیں سمجھتی۔'' وہ سحر زدہ سی بولی۔

''ماں صدقے، پر ان باتوں سے کچھ فائدہ نہیں۔ وہ سب تیرے سپنے ہیں اور کچھ نہیں۔'' زینب نے دلاسا دیا۔

''اماں! چھوٹے صاحب آئیں گے تو.....''

''تو، ارے بے وقوف کیا ہوگا..... کون لگتے ہیں وہ ہمارے..... ان کے آنے نہ آنے سے ہمیں کیا فرق پڑتا ہے؟'' زینب جھلا گئی۔

''میں..... آنے پر بتاؤں گی..... اس وقت مجھے مجبور نہ کر اماں!'' اس نے ہاتھ جوڑ دیے۔

''صفیہ، ثریا۔ اسے سمجھاؤ..... تمہارا باپ زبان دے چکا ہے..... اس کے بڑھاپے کی لاج کرو..... ورنہ زہر دے دو اسے۔'' زینب غصے میں کہتی ہوئی اندر کمرے میں چلی گئی اور وہ صفیہ کے گھٹنے پر سر رکھ کر رو دی۔

''گڑیا! شادی خوشی کی بات ہے، اسلم پیار سے رکھے گا تجھے۔'' ثریا نے کہا۔

''مگر وہ تو صفیہ باجی کے لئے.....'' جملہ ادھورا چھوڑ کر اس نے سسکی بھری۔

''صفیہ باجی کے لئے کوئی اور آ جائے گا۔ اللہ کرے تجھے تو وہ سب خوشیاں ضرور ملیں جو تیرے من میں ہیں۔'' صفیہ نے اس کے بال سنوارے۔

''چھوٹے صاحب اور دلہن بیگم کی طرح۔'' اس نے معصومیت سے پوچھا۔

''چپ، اب ان کا خیال چھوڑ دے۔ اسلم تیری ہر خوشی پوری کرے گا۔'' صفیہ نے آہستہ سے ڈانٹا۔

''نہیں ایسا نہیں ہوگا۔''

''تو فکر نہ کر، سب اچھا ہوگا..... سو جا چپ چاپ'' صفیہ نے پیار بھری تھپکی سے اسے سونے پر مجبور کر دیا اور خود دل ہی دل میں اس کے معصوم خوابوں کی تکمیل کی دعا کرتی رہی۔

○❖○

سارے گھر پر جیسے خاموشی نے پہرے ڈال دیے تھے۔ سب اپنے اپنے خول کے اندر چل رہے تھے، سانس لے رہے تھے۔ برائے نام کھا پی رہے تھے۔ صرف آپس میں بول نہیں رہے تھے۔ بات نہیں کر رہے تھے۔ برکت علی کو بخار نے آ لیا تھا۔ ایک رات میں ہی وہ بخار کے ہاتھوں نچوڑے ہوئے لگ رہے تھے یا پھر ان کے اندر کہیں رات سے کوئی دکھ اور درد تھا جو وہ سب سے چھپا رہے تھے۔

''صفیہ کے ابا! لو ناشتا تو کر لو پھر بخار کی گولی بھی کھانی ہے۔'' زینب نے چائے کی پیالی اور دو پراٹھے پلیٹ میں رکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں، گڑیا کی ماں! بھوک نہیں ہے۔'' برکت علی نے سوکھے لبوں پر زبان پھیری۔

''بھوک کیسے نہیں ہے۔'' زینب شوہر کے دل کی حالت سے واقف تھی۔

''گڑیا نے ناشتا کر لیا؟'' برکت علی نے آہستہ سے پوچھا۔

''نہیں۔ سو رہی ہے ابھی۔'' زینب نے خود ہی جھوٹ بول دیا۔ حالانکہ اس کی خلا میں گھورتی آنکھیں اس نے خود دیکھی تھیں۔ ماں کا کلیجہ یکبارگی تڑپا تھا مگر پھر صبر کی سل رکھ کر خاموش ہو گئی تھی۔

''تو نے اسے سمجھا لیا؟'' برکت علی نے آہستہ سے پوچھا۔

''ہاں، کچھ خود ہی سمجھ جائے گی۔ وقت تو سب کو خود ہی سمجھا دیتا ہے۔'' زینب نے جواب دیا۔

''مجھے تو یہ غم کھائے جا رہا ہے کہ میں نے شاید غلط کیا ہے۔'' برکت علی نے بمشکل چائے کی چسکی لی۔

''واقعی ابا! تم نے اچھا نہیں کیا۔ گڑیا رات بھر میں کملا گئی ہے اس کو چپ لگ گئی ہے۔'' صفیہ نے باپ کی بات کا جواب دیا اور قریب ہی بیٹھ کر ان کا سر دبانے لگی۔

''تو ٹھیک کہہ رہی ہے۔ غریب بوڑھے باپ کو جب کوئی سہارا نظر نہ آئے تو کیا کرے..... میری زندگی کا کوئی بھروسا نہیں۔ آج مر جاؤں تو کل۔ مالکان یہ سر چھپانے کی جگہ بھی خالی کرا لیں گے۔ کوئی نہ کوئی رشتہ ہے اور نہ رشتہ دار۔ اسلم کے سوال کو کیسے رد کرتا بولو۔'' ابا میاں دکھ سے بولتے چلے گئے۔ ان کی آنکھوں کی نمی صفیہ نے اپنے ہاتھوں میں جذب کر لی۔

''ابا! تم فکر نہ کرو۔ جس نے پیدا کیا ہے، وہ سنبھالتا بھی ہے۔'' صفیہ نے دلاسا دیا۔

''ہاں، وہی سنبھالے گا، بندہ کس قابل۔'' وہ لمبی آہ بھر کے چپ ہو گئے۔

''گڑیا خوش رہے بس۔'' زینب نے دعا دی۔ صفیہ مردہ قدموں سے اٹھی اور گڑیا کو پھر نئے سرے سے سمجھانے چلی گئی۔

''صفیہ کی ماں! بیگم صاحبہ یا چھوٹے صاحب کا کوئی خط نہیں آیا۔ کافی دن ہو گئے۔''

''ارے، یہاں ان کا اب کون بیٹھا ہے۔ نوکروں کے لئے تو خط لکھنے سے رہے۔'' زینب بولی۔

"یہ تو ٹھیک ہے مگر جاتے ہوئے بیگم صاحبہ نے خود پتا دیا تھا، اس پر گڑیا کی شادی کا خط ڈال دیتے ہیں۔" برکت علی سادگی سے بولے۔

"ارے گڑیا کے ابا! کیا ہو گیا ہے تمہیں بھئی، وہ جان کر کیا کریں گے۔ بڑے لوگوں کو ان باتوں سے کیا مطلب؟" زینب جھنجلا کر بولی۔

"اچھا بابا، یہ بتا کہ کچھ پیسے بھی ہیں یا یونہی جمعے کی تاریخ دے دی؟" برکت علی بولے۔

"غم نہ کرو، پہلے بخار سے نجات پالو۔ پھر بات کریں گے۔"

"اے، بے وقوف عورت۔ صرف پانچ دن ہیں درمیان میں۔" برکت علی بولے۔

"تو ہمیں کون سا بازار خریدنا ہے۔ دو چار جوڑے دلہن بیگم کے رکھے ہیں۔ کچھ اور چیزیں جمع رکھی ہیں۔ چھوٹے صاحب کی صحت یابی پر جو سوٹ تمہیں دیا تھا وہ بھی میں نے سنبھال کر رکھا تھا۔ اسلم کو دے دیں گے۔" زینب نے نامکمل آرزوؤں کی تفصیل پیش کی۔

"اور کھانے پینے کا انتظام کیا ہوگا؟" برکت علی تشویش سے بولے۔

"چار آدمیوں کے لئے دیگیں تو چڑھانے سے رہے۔ بس گھر میں کچھ پک جائے گا۔" زینب نے کہا۔

"زینب! تمہاری جیسی بیوی اللہ ہر کسی کو دے، نہ زندگی بھر اپنے لئے کچھ مانگا اور اب بیٹیوں کے لئے بھی کوئی فرمائش نہیں۔ میں دل میں ڈھیرے سارے ارمان رکھنے کے باوجود کبھی تمہارے لئے کچھ نہ کر سکا۔" برکت علی کی آواز رندھ گئی۔

"خدا آپ کو سلامت رکھے۔ مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ اٹھو جا کے ڈاکٹر سے دوا لے آؤ۔" زینب نے ان کا بوجھ کم کر دیا۔

"نہیں، گولی سے ہی بخار اتر جائے گا۔ خوامخواہ پچیس تیس روپے ضائع کرنے کا کیا فائدہ۔" برکت علی نے کہا اور نرمی سے آنکھیں موند لیں۔ زینب نے کچھ مطمئن ہو کر سوچا اور پھر اٹھ کر کچھ کام کاج کی غرض سے کمرے میں چلی گئی۔

○❖○

مردہ قدموں سے چلتی ہوئی وہ لال کوٹھی میں آ گئی۔ لان کے بیچوں بیچ کھڑے ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگی۔ مکمل خاموشی تھی..... سناٹا تھا..... اسے اس خاموشی پر وحشت ہونے لگی۔ دل نے چاہا ابھی کمرے کا دروازہ کھلے اور چھوٹے صاحب باہر نکلیں۔ اسے یوں کھڑا دیکھ کر بلائیں اور وہ خوشی احساس سے لپٹ کر اندر چلی جائے۔

"چھوٹے صاحب! آ جاؤ..... آ جاؤ....." وہ دوڑ کر بند دروازے کو پیٹنے لگی۔ آواز سن کر رمضان بابا کیاریوں سے نکل کر اس کے پاس آ گئے۔

"ارے گڑیا بیٹا! کیا بات ہے؟" انہوں نے اسے دیکھ کر کہا۔

"رمضان بابا! چھوٹے صاحب کب آئیں گے؟" اس نے بے قراری سے پوچھا۔

"اری بیٹا! مالک لوگ ہیں۔ کبھی بھی آ سکتے ہیں مگر تجھے کیا کام ہے مالکوں سے؟" رمضان بابا نے پیار سے پوچھا۔

"رمضان بابا! بیگم صاحبہ تو کہہ رہی تھیں کہ جلد آ جائیں گی۔"

"ہاں مگر یہاں کون سے ان کے بغیر کام رکے ہوئے ہیں۔ اس لئے جب چاہے آئیں۔" رمضان بابا بولے۔

"مگر بابا! دیکھو تو اتنا بڑا گھر کیسے سُونا سُونا اور ویران لگ رہا ہے۔" اس نے اداس نظروں سے چاروں طرف دیکھا۔

"ہاں یہ تو ہے مگر گھر تو پھر آباد ہو جائے گا۔" رمضان بابا نے کہا۔

"شاید دیر ہو جائے گی۔" وہ پاتال میں کہیں اتر گئی۔

"اچھا، میں اب تھوڑا سا کام کر لوں۔" رمضان بابا پھر اپنے کام کے لئے چلے گئے اور وہ پھر لال کوٹھی کے در و بام میں الجھ گئی۔

دوپہر کی دھوپ چاروں طرف پھیل گئی تھی۔ وہ نہ جانے کب تک بیٹھی رہتی کہ صفیہ نے آ کر اسے چونکایا۔

"گڑیا! کیوں دل کو فریب کا شکار کرتی ہے۔"

"تم باجی کیا جانو کہ حقیقت کیا ہے اور فریب کیا ہے؟"

"گڑیا! تم برکت علی کی بیٹی ہو۔ یہ حقیقت ہے۔ صرف اس حقیقت پر نظر رکھو۔" صفیہ نے چڑ کر کہا۔

"نہیں..... میں گڑیا ہوں..... انسان ہوں..... اپنی پہچان چاہتی ہوں..... کسی کے گھر میں پیدا ہونا جرم نہیں ہونا چاہیے۔" وہ دیوانوں کی طرح چلائی۔

"کیا مطلب؟"

"صفیہ باجی! برکت علی کی بیٹی بن کر سوچنا چھوڑ دوں..... محسوس کرنا چھوڑ دوں..... دیکھنا چھوڑ دوں....." وہ رو دی۔

"نہیں، ضرور سوچو، محسوس کرو، مگر اس چار دیواری میں رہ کر جہاں پیدا ہوئی ہو۔" صفیہ نے اسے پیار سے چمکارا۔

"یہ کیسی دنیا ہے..... کیسا نظام ہے..... جو جہاں پیدا ہو گیا ہے، وہ صرف وہیں تک رہے..... یہ کیا بات ہے..... اس طرح تو مشینی انسان رہ سکتے ہیں۔ میں انسان ہوں..... آپ، میں، ہم سب انسان ہیں، بیگم صاحبہ اور چھوٹے صاحب کی طرح۔ میرے اندر ایسی دنیا ہے..... میں کیا کروں؟" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"کچھ بھی نہیں ہوتا۔ یہ بھول ہے تمہاری کہ تم خوش فہمی کی دنیا میں رہتی ہو۔ اتنی بڑی تبدیلی لئے تم نے سوچ لیا۔ یہ کبھی ممکن نہیں ہوتا۔ کیونکہ تم نا سمجھ ہو۔ ہمدردی اور محبت کے فرق کو نہیں سمجھتی۔" صفیہ نے آہستہ سے کہا۔

"یہ سوچ کر ہی ہم جیسے غریب، غریب ہی بناتے ہیں۔ کیونکہ ہماری سوچ چھوٹی ہوتی ہے۔"

"یہ غریب بنانے والی بات تمہاری ٹھیک ہے مگر یاد رکھو، امیر بھی صرف امیر ہی بناتے ہیں۔ ان کے گھر بڑے ہوتے ہیں مگر دل صرف غریبوں کے بڑے ہوتے ہیں۔ جیسے تمہارے بڑے دل میں پوری کی پری لال کوٹھی سما گئی۔" صفیہ نے تاسف سے مسکرا کر لال کوٹھی کو دیکھا۔

"صفیہ باجی! میرے دل میں کبھی آپ جیسے سپنے نہیں آسکتے۔" وہ سادگی سے بولی۔

"خدا کرے تو جیسا چاہتی ہے ویسی ہی رہے (آمین)۔" صفیہ نے خلوص دل سے دعا دی۔

"اسلم کے ساتھ بھی....."

"ہاں، اللہ کرے اسلم تیرے سب ارمان پورے کرے۔" صفیہ نے ڈھارس بندھائی۔

زینب بڑی دیر سے صندوق کھولے کپڑے الٹ پلٹ کر رہی تھی۔ کچھ چیزیں اس کے اپنے کی تھیں۔ وہ اس نے نکال کر ایک طرف رکھ دیں۔ دلہن بیگم کے کپڑے نکال کر وہ بھی رکھ دیئے۔

"صفیہ! ادھر آ۔" زینب نے پکارا۔

"آئی ماں!" صفیہ نے جواب دیا اور فوراً اماں کے پاس چلی آئی۔

"صفیہ! ایک سرے دانی بھی تھی میرے جہیز کی۔ دیکھ تو مل ہی نہیں رہی۔"

"اماں! بس اور کچھ نہیں دیں گے کیا؟" صفیہ نے تاسف سے زینب کو نکالے ہوئے سامان دیکھا۔

"اور، اور ہے ہی کیا جو دیں گے۔ یہ سب کچھ تیرے لئے رکھا تھا۔" زینب دکھ سے بولی۔

"اماں! ایسی شادی بھی کیا شادی ہے۔ نہ ہنسنے کا مقام اور نہ رونے کی کیفیت۔" صفیہ کے لہجے کرب زینب کو دہلا گیا۔

"صفیہ! نہ میرے کلیجے پر چھریاں چلا۔ ایک ماں سے اس کے صبر کا امتحان نہ لے بیٹا۔" زینب آنکھیں چھلک اٹھیں۔ ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"تو نہ کر اماں یہ شادی۔ کیا ضروری ہے کہ پھولوں جیسی گڑیا کو اس احمق سے بیاہیں۔ ہم نے قرض تو نہیں لیا ہوا۔" ثریا نے کمرے میں داخل ہوتے ہی ماں سے کہا۔

"ہاں اماں! اللہ مالک ہے۔ گڑیا کا بھی اور ہمارا بھی۔" صفیہ بولی۔

"نہیں، ایسے گھروں میں جب بھی یہ دن آئے گا تو حالت ایسی ہی ہوگی۔ جو فرض پورا ہو جائے اچھا ہے۔ تمہارے ابا کی صحت اور زندگی کا کوئی بھروسا نہیں۔" زینب نے دلاسا دیا۔

"اماں! یہ گڑیا کے ساتھ ظلم ہے۔ وہ مر جائے گی۔" ثریا رو دی۔

"اللہ کرے گا میری گڑیا کے سب ارمان پورے ہوں گے۔" زینب نے حوصلے سے بھیگی آنکھیں صاف کیں اور پھر ٹوٹے ہوئے صندوقوں میں ہاتھ مارنے لگی۔

گڑیا کمرے سے باہر ڈھلتی دھوپ کے سائے گھور رہی تھی۔ شام ہو رہی تھی اس کے اندر پھر ایک شام کا، گہری شام کا اضافہ ہونے والا تھا۔ کبھی کبھی وہ کمرے کی طرف دیکھتی تو ان تینوں کی کیفیت دور بیٹھے ہی جان لیتی پھر نظریں چرا کر باہر سفر طے کرنے کے بعد تھکے تھکے سورج کو دیکھنے لگتی۔ ان سایوں میں لال کوٹھی کو دیکھنا اسے ہمیشہ اچھا لگتا تھا مگر آج نہیں لگ رہا تھا۔ سب کچھ ہیبت ناک لگ رہا تھا۔ لال کوٹھی کی جیسے بے شمار آنکھیں بن گئی تھیں۔ سب کی سب اسے گھور رہی تھیں۔ ڈرا رہی تھیں۔

"گڑیا..... گڑیا بیٹی!" برکت علی گھر میں داخل ہوئے تو اسے خاموش اداس بیٹھا دیکھ کر اس کے قریب ہی بیٹھ گئے۔

"جی، جی ابا!" وہ چونکی۔

"اکیلی کیوں بیٹھی ہو۔ وہ تینوں اندر کیا کر رہی ہیں؟" انہوں نے پیار سے اس کے بال سنوارے۔

"وہ ایک ایک ارمان، ایک ایک خواہش اکٹھی کر رہی ہیں۔"

"بیٹا! اب اپنے گھر جا کر ہر خوشی اور ہر مسرت تم نے خود اکٹھی کرنی ہے۔ بوڑھے باپ کی عزت کے لئے۔" برکت علی رندھے ہوئے لہجے میں بولے۔ وہ تڑپ اٹھی۔

"ابا! تمہاری طبیعت کیسی ہے اب؟"

"ٹھیک ہے، پانی پلاؤ۔" برکت علی نے ضبط کے ساتھ کہا۔

"ابا! تم پریشان نہ ہو، میں نے تو رضامندی دے دی ہے۔" اس نے پانی کا گلاس ان کو پکڑا کر آہستہ سے کہا۔

"جیتی رہو۔" برکت علی نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ دو آنسو پلکوں سے گرے مگر اس نے جلدی سے دوپٹے سے اٹھ کر دوپٹے سے پونچھ ڈالے۔ برکت علی نہ دیکھ سکے کہ رضامندی کے پردے میں کیسی قیامت ہے جو دل پر ٹوٹ رہی ہے، کیسا دکھ ہے جو آنکھوں کے راستے امڈ رہا ہے، کیسی تڑپ ہے جس نے لب سی دیے ہیں مگر اندر ہی اندر چٹکیاں لے رہی ہے، یہ کیسی علامت ہے، میں بھی نہیں جانتی، کیا چاہتی ہوں یہ بھی نہیں معلوم، محبت اور نفرت کے درمیان ہوں، کیا میرے اندر کے خواہش نما جذبے نے محبت کی شکل اختیار کر لی ہے، کیا ہے، کیسی تکلیف ہے، کس کے لئے بے قرار ہوں؟ وہ اپنی چیخوں کے حصار میں لال کوٹھی کے ستونوں سے لپٹ کر زار و قطار روئی۔

"گڑیا! کیوں خود کو ہلکان کر رہی ہو؟" ثریا نے اسے باہر نکلتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ خود بھی فوراً پیچھے چلی آئی۔

''اب میرے رونے پر بھی پابندی ہے۔'' وہ چیخی۔

''میرا مطلب ہے یہ بے جان در و دیوار تمہارے رونے کے اثر سے محفوظ ہیں۔'' ثریا نے نرمی سے کہا۔

''نہیں، یہ میرے ساتھ باتیں کرتے ہیں، مجھے تسلیاں دیتے ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔

''دیکھو، گڑیا! جو اپنا ہو اس پر صبر شکر کرتے ہیں، جو پرایا ہے اس کا غم کیا؟'' ثریا نے پیار سے سمجھایا۔

''مگر میرے اندر یہ بات کیوں نہیں سماتی؟'' وہ بے بسی سے رو دی۔

''اچھا مجھے بتا تیرے اندر کیا ہے؟'' ثریا نے ترحم سے پوچھا۔

''مجھے بھی نہیں معلوم۔ بس یوں لگتا ہے کہ میں لال کوٹھی سے دور ہو گئی تو مر جاؤں گی۔ مجھے لال کوٹھی کی طرح ہر، ہر چیز سے پیار ہے، ایسی سب چیزیں میرے اندر ہیں اور اسلم..... اسلم تو ابا کی طرح ہے۔'' وہ بے چارگی سے بولی۔

''تم نے اپنے اندر صرف خواہشات کو جمع کر رکھا ہے اور یہ سب کی سب پوری نہیں ہوتیں۔ ہمارے جیسے گھروں میں تو بالکل نہیں ہوتیں۔ اگر ملازم مالکوں کے برابر بیٹھنے کا سوچیں تو یہ ممکن نہیں۔''

''میں انسان پہلے ہوں۔''

''ہاں مگر کم تر درجے کی۔'' ثریا زچ آ گئی۔

''میں کیسے یقین کر لوں، جب کہ چھوٹے صاحب یہاں نہیں ہیں۔ اگر ہوتے تو.....''

''تو بھی اپنے مقام پر ہی رہتے۔ آسمان اور زمین کے درمیان بہت فاصلہ ہے۔'' ثریا نے تنگ کر اس کی بات کاٹ دی۔

''تو چھوٹے صاحب ایسے ہیں؟'' اس نے سہمی نظروں سے ثریا کی طرف دیکھا۔

''ہاں، بالکل ایسے، جیسے میں نے بتایا ہے۔'' ثریا نے مضبوط لہجے میں جواب دیا۔

''مگر.....'' وہ پھر رو دی۔

''گڑیا! ابا، اماں کی عزت اب تمہارے ہاتھ ہے۔ اپنے اندر اٹھنے والے ہر سوال کو، ہر خواہش کو دفن کر دو اور سمجھ لو کہ انسان جس چار دیواری میں پیدا ہوتا ہے۔ اس کے در و دیوار پر اپنی خواہشات کی لکیریں بناتا ہے۔'' ثریا کر بناک انداز میں کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کا کوئی جواب نہ ملا تو شکستہ قدموں سے چلتی ہوئی اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی اور وہ تو ثریا کی آواز کے زیر و بم میں کھو گئی۔

کبھی کبھی ہر موسم ہجر کا موسم محسوس ہوتا ہے اور کبھی فراق کا موسم ہی انسان کے جذبات و احساسات پر طاری ہوتا ہے۔ فراق کا موسم تو شاید لمحوں پر محیط ہوتا ہے۔ جیسا کہ گڑیا کی زندگی میں چند دن وہ خوشی اور مسرت کے تھے۔ جب وہ چھوٹے صاحب کے قریب تھی۔ قریب سے مراد ان

سے باتیں کرتی تھی۔ دل بہلاتی تھی۔ اور لال کوٹھی جو بچپن سے اس کے دل و دماغ میں عشق کا درجہ رکھتی تھی، وہ پختہ یقین بن گئی تھی۔ محبت تو اسے لال کوٹھی کی ہر چیز سے تھی مگر چھوٹے صاحب ان سب میں مرکزی حیثیت رکھتے تھے۔ کیونکہ نوجوانی کے ہلکورے امنگوں بھرے دل میں شدت سے کروٹیں لیتے دوشیزگی کی مہک میں فطری طور پر ایک خوش شکل وجیہہ مرد کی مہک شامل ہو جاتی ہے۔ یہ الگ بات تھی کہ وہ کبھی ٹھیک سے کچھ بھی اپنی اپنی جگہ پر نہ رکھ سکی۔ معصومیت اور سادگی کے سبب کبھی اپنے جذبوں کو ترتیب نہ دے سکی۔ شاید اسی لئے وہ اب تک اس بات سے ناواقف تھی کہ اس کے اندر کیا ہے۔ وہ لال کوٹھی میں بسنے والے چھوٹے صاحب کی پرستش کرتی ہے، پوجا کرتی ہے، سراہتی ہے یا عشق کرتی ہے، چھوٹے صاحب کی ہستی سے پیار ہے یا اپنی نظروں کے آسائشی خیال سے پیار ہے، ان کے لباس اور پرفیومز روح کو مسحور کرتے ہیں یا پھر ان سے اندر سے اٹھتی ایک دلفریب محبت اسے چھوتی ہے۔ یہ سب باتیں آج بھی اس کی دسترس میں نہیں تھیں اور آج صبح سے وہ اداس موسم کی اداسی محسوس کر رہی تھی۔ چاروں طرف ہجر کا موسم دکھائی دیتا تھا۔ لال کوٹھی سے بچھڑنے کا موسم بالکل ایسے جیسے کسی محبوب سے جدا ہونے کا موسم ہو۔ بار بار دل بے قراری سے مچلتا کہ دوڑ کر لال کوٹھی کے کسی گوشے میں چھپ جائے وہاں کوئی اسے نہ دیکھے۔ وہ ساری زندگی وہاں چھپی ہے مگر صحن میں موجود ابا، اسلم اور اسلم کے چند دوستوں کی موجودگی میں وہ باہر نہیں نکل سکتی تھی۔ بعد نماز جمعہ تو اسے یہ گھر چھوڑ کر جانا ہی تھا۔ ایک دو گھنٹوں کی تو بات تھی۔ وہ بے بس پرندے کی طرح اپنی خواہشات کا گلا گھونٹ کر اپنی قسمت پر شاکر ہو گئی۔ اماں، ثریا اور صفیہ باہر مہمانوں کے لئے کھانا پکا رہی تھیں۔

''ہنہ، غریبوں کی بیٹیاں بھی کیا نصیب لے کر آتی ہیں۔ شادی والا گھر بھی مٹی کا گھر معلوم ہوتا ہے، چار مہمانوں پر مشتمل بارات، باراتیوں کے چہروں پر چھائی خاموشی، خشک لبوں سے کھردرے پلنگوں پر بیٹھنے کو کہنا، روایتی کھانوں کے بجائے کالی دیگچی میں آلو گوشت پکنا، جس میں آلو اور شوربہ زیادہ، گوشت کم، ٹوٹی پھوٹی پلیٹوں میں پیش کرنا۔ یہ خاص دن بھی کتنا عام بن جاتا ہے۔''

اس نے اندر کی کڑواہٹ کو بڑبڑا کر باہر نکالا اور اپنے قریب سلوٹ زدہ سرخ سادہ جوڑا رکھا ہوا تھا جو آج کی دلہن کا خاص لباس تھا۔ عام سے کپڑے کا صرف ایک گوٹے کی لکیر سے سجا، بغیر زیورات کے، بغیر سرخی پاؤڈر کے، بغیر کسی خوشی اور چونچلے کے، نہ کوئی پہنانے کی فرمائش کر رہا تھا اور نہ پہنانے کی، نہ کوئی دلہن کو دیکھنے کے لئے بے تاب تھا اور نہ دلہن لے جانے کے لئے بے قرار۔ بس ایک سادہ سا طریقہ تھا جو ہونا ہی تھا۔ اس نے کپڑے اٹھائے اور کمرے کا دروازہ بند کر کے بدل لئے۔ یہ صبر و رضا کی بھرپور کوشش تھی۔ نکاح خواں کے آنے میں اب دیر ہی کتنی تھی۔ وہ خود کو اس کڑے صبر آزما امتحان کے لئے بھی تیار کر کے بیٹھ گئی۔

○❖○

ابا کے دست شفقت تلے اس نے دروازے کی چوکھٹ عبور کی۔ بھیگی پلکوں سے برقعے کی اوٹ سے "لال کوٹھی" کی طرف دیکھا۔ پانی میں سے دینا بھی کیا دیکھنا تھا۔ سب کچھ پانی پانی ہی تو لگ رہا تھا۔ دروازے کے اندر کھڑی اماں، ثریا اور صفیہ کی سسکیاں اس کے قدموں سے لپٹ رہی تھیں۔ دو قدم کے فاصلے پر کھڑا اسلم خشمگیں نگاہوں سے اسے گھور رہا تھا۔ پہلی مرتبہ برقعے میں لپٹی وہ نخ پریشان تھی۔ نگاہیں جیسے لال کوٹھی کے در و بام سے لپٹ گئی تھیں اور دل سے ایسی آوازیں نکل رہی تھیں جیسے کہہ رہی ہو۔

"مجھے روک لو..... نہ جانے دو..... میں جدا ہو کر نہیں رہ سکتی۔"

"چاچا! اب یہاں کیا ٹکٹ لگاؤ گے، ویسے بھی سب لوگ میرے ابا کے نوکر نہیں ہیں جو سڑک پر کھڑے رہیں۔" اسلم کی کرخت آواز نے جمود توڑا۔

وہ واپس دنیا میں آ گئی اور پھر اس کے قدم آگے بڑھتے ہی چلے گئے۔ پلٹ کر نہ کچھ کہا اور نہ سنا۔ کوئی گلہ تھا، نہ شکوہ، اسلم کے ساتھ زندگی جو گزارنی تھی۔ اس لئے اس کے قدموں کے نشان کو اپنا مقدر سمجھ کر چلتی رہی۔ بس کے ہچکولوں میں، راتے کی ٹھوکروں میں پیچھے رہ جانے والا ہر، ہر منظر اس کے ساتھ تھا۔ وہ سر جھٹک رہی تھی، بھلانا چاہتی تھی مگر ایسا لگتا تھا کہ وہ سب منظر بھی اس کے ساتھ سفر کر رہے ہیں۔ اسلم کی گہ چھوٹے صاحب کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ بے اختیار اس کی آنکھیں چھلک اٹھیں۔ نقاب سے رگڑ کر آنکھیں صاف کیں مگر سرخ متورم آنکھیں جب کوارٹر کے دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی اسلم نے نقاب الٹ کر دیکھا تو تڑپ کر بولا۔

"کس کی یاد میں آنسو بہاتی آئی ہو۔ باوا تو یاد آنے سے رہے۔" اس نے حیرت سے چوکی اس کو دیکھا۔ وہ کمرے کا تالا کھول کر کمرے میں داخل ہو چکا تھا۔ وہ اکیلی صحن میں کھڑی دروازے کو گھور رہی تھی جس سے اسلم اندر گیا تھا۔ لمبی سانس بھر کے برقعہ اتارا اور خود بھی آہستہ آہستہ چل کر کمرے میں آ گئی۔ وہ جھٹکے سے پلنگ پر لیٹ کر گویا سفر کی تھکان اتار رہا تھا۔ اس کے قدموں کی آہٹ پر بولا۔

"بھوک تو نہیں لگ رہی تجھے؟" وہ ذرا سی نرمی سے بولا اور پیٹ سے اٹھنے والی بھوک کی آواز کو دبا کر اس نے نفی میں گردن ہلا دی۔ بھوک تو شدت سے لگی تھی۔ دوپہر اسلم کے نام سے جڑ جانے کے بعد کھانے کی طلب ہی کہاں رہی تھی۔ انتک پیتی رہی۔ غم کھاتی رہی مگر جو زندہ ہے اسے خوراک

چاہیے۔

"میرا خیال ہے بھوک لگ رہی ہوگی۔ میں ذرا کوٹھی میں جا رہا ہوں، چھوٹے صاحب کو سلام کر کے آتا ہوں۔"

"چھوٹے صاحب کو؟" بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔

"ہاں، بڑے صاحب اور بیگم صاحبہ کے انتقال کے بعد صرف چھوٹے صاحب ہی تو ہمارے مالک ہیں۔" اسلم نے سلیپر پہن کر اٹھتے ہوئے کہا۔

"کتنی عجیب بات ہے۔" وہ زیر لب بڑبڑائی۔

"کیا کہہ رہی ہے؟"

"کچھ نہیں۔" اس نے کہا۔

"اچھا، ایسا کرتے ہیں کہ تو بھی چل۔ آج صرف سلام کرتے ہیں، کل سے تجھے بھی کام کاج کرنا ہوگا۔ واپسی پر کھانا جو بچا ہوگا وہ لے آئیں گے۔" اسلم نے تجویز پیش کی۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ سوچتی اس نے بس چلنے کو کہا۔

"بس چل آ جا، آ جا جلدی جلدی۔" وہ تیز تیز قدموں سے بالکل اسی طرح کوٹھی کے اندر پہنچ گیا جیسے وہ لال کوٹھی کے اندر جاتی تھی۔ یہ کوٹھی تو لال نہیں تھی مگر اسی طرح بڑی، خوب صورت اور دلکش نظر آ رہی تھی۔ اس کی نگاہیں چاروں طرف کا جائزہ لے رہی تھیں۔

"کیا پتھرا گئی ہے، جلدی آ؟" اسلم نے غصے میں پلٹ کر کہا۔ وہ چونک کر تیزی سے اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ اسلم نے خوب صورت سی راہداری سے گزر کر آخری دروازے پر دستک دی۔

"یس۔" بھاری مردانہ آواز آئی۔

"چھوٹے صاحب! میں اسلم ہوں جی۔" اسلم نے چاپلوسی والے انداز میں زور سے کہا۔

"اندر آ جاؤ۔" جواب ملا۔

"چل، چل آ۔" اسلم نے خوش ہو کر کہا۔ بھاری ریشم کے پردے کو ہاتھ سے سرکا کر وہ اسلم کے پیچھے کمرے میں داخل ہوئی تو جیسے غش آ گیا۔ کچھ دیر کو واقعی پتھرا گئی، کمرے کی ایک ایک چیز جانی پہچانی تھی۔ اسی طرح خوب صورت اور دلفریب چاروں طرف جانا پہچانا منظر تھا۔ بہت بھینی بھینی مہک فضا میں رچی بسی تھی۔ اس نے لپک کر ایک ایک چیز کو چھو کر دیکھا اور خوش ہو کر اسلم کی طرف دیکھا جو کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔ کھڑکی سے باہر جھانکنے میں محو شخص کی پشت ان کی طرف تھی۔

"سلام چھوٹے صاحب!" اسلم نے اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔

"ہاں، وعلیکم السلام!" اس نے پلٹ کر دیکھا اور سلام کا جواب دیا۔ اس پر نظر پڑی تو حیرت زدہ ہو کر لمحے بھر کو وہ اسی کو دیکھتا رہا اور وہ بھی خوب صورت سجیلے سنورے اس چھوٹے صاحب میں۔ پیچھے چھوڑ آنے والے چھوٹے صاحب کی پرچھائیاں دیکھنے لگی۔ معمولی سا فرق تھا ورنہ اسی طرح بال

سنہرے تھے، اسی طرح چہرہ آئینے کی مانند دمک رہا تھا۔ اسی طرح لبوں پر دلفریب تبسم تھا۔ وہی لباس۔ بس ناک نقشے کا معمولی سا فرق تھا۔ وہ حیرت زدہ تھی کہ سب چھوٹے صاحب ایک جیسے کیوں ہوتے ہیں۔

''اسلم یہ کون ہے بھئی؟''

''جی، میری زنانی ہے..... میری بیوی۔'' اسلم شرماتے ہوئے بولا۔

''ہیں..... اس سے..... میرا مطلب اس لڑکی سے تمہاری شادی ہوئی ہے؟'' وہ سخت متعجب تھی۔

''کیوں جی، کیا ہوگیا؟'' اسلم گھبرایا۔

''اتنی چھوٹی لڑکی سے۔'' وہ اس کے حسین معصوم سراپا پر چور نظریں ڈالتے ہوئے بولا۔

''میں بھی بہت بڑا نہیں ہوں جی۔'' اسلم برا مانتے ہوئے بولا۔

''نہیں، نہیں۔ میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ خیر مبارک ہو تمہیں اتنا حسین جیون ساتھی۔'' اس نے گم نگاہیں گڑیا پر ڈالیں، وہ ہونٹ چبانے لگی۔

''کل سے چھوٹے صاحب، یہ بھی کام پر آجایا کرے گی۔'' اسلم نے کہا۔

''ہاں، ہاں، یہ ضروری ہے۔'' وہ جلد سے بولا۔

''میں صفائی کر دیا کروں گی، چیزیں جھاڑ دیا کروں گی۔'' اسلم سے پہلے وہ خوشی سے خود ہی بول پڑی اور معصومیت سے بولتی چلی گئی۔

''چلو یہ بھی ٹھیک ہے، میرے کمرے کی صفائی اچھی طرح کرنا۔'' وہ بخوشی رضامندی سے بولا۔

''چھوٹے صاحب! ہمارے گھر وہاں بھی چھوٹے صاحب تھے۔'' وہ بچوں کی طرح تھوک نگلتے ہوئے بتانے لگی اور وہ دلچسپ نظروں سے اس کی معصوم صورت کو تکتا رہا۔

''اچھا مگر یہ بتاؤ تمہارا نام کیا ہے؟'' اس نے براہ راست اس سے پوچھا۔ اسلم کی حیثیت کمرے میں برائے نام ہی رہ گئی تھی۔

''گڑیا..... میرا نام گڑیا ہے۔'' اس نے خوش ہو کر بتایا۔

''گڑیا..... بہت اچھا نام ہے۔''

''آپ چھوٹے صاحب ہیں۔'' اس نے بھولپن سے پوچھا۔

''اوکم عقل اور نہیں تو کیا، چل اب سر نہ کھا۔ صاحب جی کے آرام کا وقت ہے۔'' اسلم نے نرمی سے کہا اور چلنے کا اشارہ کیا۔ وہ خوشی خوشی آگے آگے چل دی۔

○❖○

''کیوں، کیسے ہیں ہمارے چھوٹے صاحب؟'' کوارٹر میں گھستے ہی اسلم نے پوچھا۔

''اچھے ہیں۔'' وہ مسکرائی۔

''واہ بھئی، چھوٹے صاحب سے مل کر تو بہت خوش ہے۔'' اسلم نے کچھ عجیب سے لہجے میں کہا۔

''سب چھوٹا صاحب اتنے اچھے کیوں ہوتے ہیں؟'' اس نے پلنگ پر لیٹتے اسلم سے پوچھا۔

''پتا نہیں۔'' وہ بے پروائی سے بولا۔

''اسلم! تو بھی ایسا بن سکتا ہے۔'' وہ اس کی پائنتی میں بیٹھتی ہوئی بولی۔

''ہا، ہا، ہا، اری بے وقوف ایسا بن سکتا تو کیا ایسا ہوتا؟'' اسلم زور زور سے ہنسا۔

''کیوں نہیں بن سکتا۔ ویسے ہی کپڑے پہن، ویسے ہی بال بنا.....''

''بس، بس زیادہ باتیں نہ بنا۔ کیا ڈاکہ ڈالوں یہ سب کرنے کے لئے؟'' اس نے درمیان سے ہی اس کی بات کاٹ ڈالی۔

''کیوں، انہوں نے ڈاکے ڈالے ہیں؟''

''ہش، بے وقوف، وہ جدی پشتی ارب پتی ہیں۔'' اس نے ڈانٹا۔

''مگر مجھے تو ایسے لوگ ہی اچھے لگتے ہیں۔'' وہ بے دلی سے بولی۔

''زیادہ بکواس نہ کر، آج ہماری شادی کی رات ہے۔ میں غصے میں نہیں ہونا چاہتا۔'' اسلم کچھ دھیمے انداز میں بولا اور اس کا نازک سا ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب کر لیا۔ وہ ایک دم اچھل کر پرے ہوگئی۔

''توبہ، توبہ، اسلم! تیرے کپڑوں میں سے بساند آرہی ہے۔''

''کیا، تو مجھے یہ بھی بتائے گی۔'' اسلم تاؤ میں آگیا اور اٹھ کر سختی سے اسے پکڑ کر بولا۔ پھر بے بس پرندے کی طرح وہ کچھ پھڑ پھڑاتی رہی اور آخر کو بے سدھ ہوگئی۔

کچھ دیر بعد اسلم کے خراٹے گونجنے لگے تو وہ کھسک کر اس سے دور ہوگئی۔ ایک دم ہی ڈھیر سارا نمکین پانی آنکھوں کے رستے بہہ نکلا۔ من کے اندر کے شیش محل پر پہلا پتھر لگا تھا۔ اس کی خواہش یہ نہیں تھی۔ ایک چھپاکے سے چھوٹے صاحب پہلو میں آگئے۔ وہ روتے روتے مسکرا دی۔ کچھ دیر پہلے کی طبیعت اوب کر دینے والی بساند، میٹھی میٹھی محبت کی مہک میں بدل گئی اور وہ مسرور سی نیند کی وادیوں میں چلی گئی۔

صبح اسلم کے پکارنے پر وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

''تو اسلم کی بچی! اب اٹھ جا، کام کاج بھی کرنا ہے۔''

''مجھے بھوک لگ رہی ہے۔'' وہ سہم کر بولی۔

''ہنہ، بھوک لگی ہے، چل اٹھ کوٹھی میں چل۔ وہیں صاحب کے بعد نوکر کھاتے ہیں۔'' اسلم نے کہا اور بالوں میں خوب سارا تیل لگا کر مالش کرنے لگا۔

''رات کو بھی کچھ نہیں کھایا تھا۔'' وہ سخت کمزوری محسوس کر رہی تھی

''اچھا، اچھا، مر نہیں جائے گی تو، میں بھی تو رات سے بھوکا ہوں۔'' وہ پھنکارا اور وہ پھر بے بسی سے رو دی۔ اس کی شادی کا دوسرا دن کتنا غیر اہم تھا۔

''پھر آنسو بہا رہی ہے۔ اٹھ کھڑی ہو۔'' اسلم نے بگڑ کر کہا اور وہ جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسی

اثنا میں دروازے پر دستک ہوئی۔ اسلم دروازے کی طرف گیا۔

''کون؟''

''اسلم بیٹا! ہم ہیں۔'' برکت علی کی آواز پہچان کر اسلم نے دروازہ کھول دیا۔ برکت علی اور ... اندر آ گئے۔ گڑیا دوڑ کر ابا کے گلے لگ گئی پھر ایک لمحے بھیگی پلکوں سے صفیہ کی طرف دیکھا ... سسکیاں لیتی ہوئی اس کے گلے لگ گئی۔

''اندر تو چلو، بیٹھو۔'' اسلم نے ازراہ مروت کہا۔

''اور بیٹا خیریت سے پہنچ گئے تھے؟'' ابا میاں نے بیٹھتے ہوئے اسلم سے پوچھا۔

''ہاں جی!''

''صفیہ باجی! اندر چلیں۔'' گڑیا نے کہا اور وہ دونوں کمرے میں چلی گئیں۔

''گڑیا! تو خوش تو ہے؟'' صفیہ نے کمرے میں چاروں طرف نظریں دوڑائیں اور کمرے میں ... چیز بھی تو اسے گڑیا کی خوشی کی نظر نہ آئی۔

''میری خوشی اس کمرے میں تلاش کرو۔ اس کوارٹر کی چار دیواری میں تلاش کرو۔'' وہ کرب ... لہجے میں انتہائی ضبط کے ساتھ بولی۔

''تجھے خوشی پیدا کرنی پڑے گی۔'' صفیہ نے بڑھ کر اسے سینے سے لگا لیا۔

''ہنہ، خالی پیٹ...... جہاں روٹی بھی مرضی سے نہ ملتی ہو، وہاں خوشی کیا ہوگی؟'' وہ طنزیہ بولی۔

''تو نے کچھ نہیں کھایا۔'' صفیہ نے چونک کر اس کا چہرہ اپنے سامنے کیا۔

''چل بھئی، کام پر، چھوٹے صاحب ناراض ہوں گے۔'' اس کے کچھ کہنے سے پہلے ... دروازے پر آ کر بولا۔

''ابا اور صفیہ باجی کے لئے......'' بمشکل وہ اتنا ہی بول سکی۔

''ہاں یہ آرام کریں، کام کاج سے فارغ ہو کر آ جانا۔ ساتھ میں کچھ کھانے پینے کے لئے آئیں گے۔'' اسلم بڑی عجلت میں بولا۔ صفیہ کے دل پر کاری ضرب لگی۔

''شادی کے دوسرے دن کام پر گڑیا جائے گی؟'' اس نے طنز سے پوچھا۔

''ہاں، کیوں گڑیا کسی شہزادی کا نام ہے۔'' وہ بدتمیزی سے بولا۔

''شہزادی کیا چیز ہے، میری گڑیا کے سامنے۔'' صفیہ کو تاؤ آ گیا۔

''اسے کہتے ہیں اپنے منہ مٹھو بننا۔'' وہ تمسخرانہ ہنسی ہنسا۔

''اسلم! یہ واقعی شہزادی ہے۔'' صفیہ نے کہا۔

''ہاں! شہزادی ہے مگر بغیر تخت و تاج کے۔'' وہ پھر ہنسا۔

''باجی! تم اور ابا آرام کرو۔'' گڑیا رندھے ہوئے گلے سے بولی۔

''نہیں ہم تمہیں لینے کے لئے آئے ہیں۔'' صفیہ نے سختی سے کہا۔

''یہ تو نہیں جائے گی۔ چھوٹے صاحب نے کام پر لگا دیا ہے۔'' اسلم نے بھی سختی سے کہا۔

''چھوٹے صاحب بہت اچھے ہیں۔'' گڑیا معصوم بچوں کی طرح بولی۔

''گڑیا! تو کب عقل مند ہوگی۔'' صفیہ تاسف سے بولی۔

''اب تم لوگوں کو جانا ہے یا رہنا ہے؟'' اسلم بے پروائی سے کان کھجاتے ہوئے بولا۔

''میں ابا سے پوچھتی ہوں۔'' صفیہ یہ کہہ کر باہر نکل گئی۔

''اسلم! کچھ تو خاطر کرو۔ میرے ابا پہلی دفعہ آئے ہیں۔'' گڑیا نے منت کی۔

''کیا کروں؟''

''کچھ لے آؤ، ناشتا بھی نہیں کیا ہوگا۔''

''اچھا جاتا ہوں۔'' وہ اکڑ کر باہر نکلا مگر باہر ان کو تیار کھڑا دیکھ کر رک گیا۔

''اچھا اسلم میاں! ہم چلتے ہیں۔ گڑیا کو بھیج دو ہمارے ساتھ۔'' ابا میاں نرمی سے بولے۔

''وہ جی، ابھی گڑیا کو نہیں بھیج سکتا۔ ہفتے دو ہفتے بعد چھٹی لے کر ملانے لے آؤں گا۔''

''مگر......''

''تو چپ رہ۔'' اسلم نے گڑیا کو ڈانٹا۔

''گڑیا بیٹا! دل چھوٹا نہ کر، اسلم جلدی تجھے لے آئے گا۔'' ابا میاں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''نہیں......'' وہ رونے لگی۔

''گڑیا! روتے نہیں۔'' صفیہ نے بھرائی آنکھوں سے دیکھا۔

''مجھے معاف کر دینا، میری بیٹی، کبھی کبھی ماں باپ بھی کم فہمی کا ثبوت دیتے ہیں۔'' ابا میاں شکستہ قدموں سے دروازے کی طرف بڑھ گئے۔ صفیہ بھی پلکیں صاف کر کے باپ کے پیچھے چل دی۔ گڑیا چیخیں مار مار کر رونے لگی۔

''اب چپ کر، کون مر گیا ہے تیرا؟'' وہ چلایا۔

''کتنے برے ہو تم، کوئی گھر پر آئے ہوئے مہمان سے ایسا سلوک کرتا ہے۔ ایک گلاس پانی کا تک نہ پوچھا...... جس دل سے میرے ابا گئے ہیں، تو کیا جانے؟'' وہ بپھر کر بولی۔

''چٹاخ۔'' اسلم نے اس کے پھول سے رخسار پر تھپڑ رسید کر دیا۔

''تو نے مجھے مارا ہے۔ میں کہیں نہیں جاؤں گی...... مر جاؤں گی......'' وہ ضدی پن سے اٹھی اور کمرے میں گھس کر کمرے کا دروازہ بند کر لیا۔ اسلم دروازہ پیٹ پیٹ کر چلا گیا مگر اس نے دروازہ نہیں کھولا۔

○❖○

بند دروازے کے پیچھے وہ تڑپ تڑپ کر روئی۔ ابا اور صفیہ باجی کو پکار پکار کر روئی مگر وہاں کون تھا جو اس کی چیخ و پکار سنتا۔ اسلم تو چلا گیا تھا۔ بے حس و خود غرض بن کر۔ دو دن کا فاقہ اور اوپر سے اسلم

کے ظلم وستم، دل میں دردوغم کا طوفان آیا ہوا تھا۔ نقاہت اور کمزوری سے نڈھال سی پلنگ پر اپنی بدبختی پر آنسو بہا رہی تھی کہ دروازے کی دستک پر چونکی۔ پہلی دستک بہت دھیمی تھی، دوسری تیز۔ وہ غم وغصے سے اٹھی اور چلائی۔

"دروازہ نہیں کھولوں گی...... تم نے مجھے مارا ہے...... میں بند کمرے میں مر جاؤں گی۔"

"گڑیا! دروازہ کھولو...... میں ہوں......" چھوٹے صاحب کی مدھم آواز پر اس نے جلدی سے دروازہ کھول دیا۔ واقعی نفاست سے بال سنوارے، خوب صورت تراش خراش کے شلوار سوٹ میں پشت پر ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ وہ مسحور سی معصومیت سے دیکھتی رہی۔ ہر دکھ اور ہر تکلیف بھول گئی۔

"کس نے مارا ہے تمہیں؟" بڑی اپنائیت سے انہوں نے پوچھا۔

"اس اسلم نے بہت زور سے میرے منہ پر تھپڑ مارا ہے۔" وہ چھوٹے سے بچے کی طرح روتے ہوئے بتانے لگی۔ وہ زیرلب مسکرائے۔

"اوں، ہوں۔ یہ چکنی چکنی صورت، گلاب جیسے گال مارنے کے لئے تھوڑی ہیں، یہ تو چھونے اور سہلانے کے لئے ہیں۔" انہوں نے دو انگلیوں سے اس کے رخسار چھوئے تو وہ خوشی سے پھولے نہ سمائی۔

"اسی لئے تو چھوٹے صاحب اچھے ہوتے ہیں۔ یہ اسلم جیسے لوگ ایسی باتیں کیوں نہیں کرتے ہنہ، کریں بھی کیسے، منہ میں سے گندی بدبو آتی ہے۔" وہ پھر برا سا منہ بنا کر بولی۔

"تمہیں ایسی باتیں اچھی لگتی ہیں۔" وہ محویت سے دیکھتے ہوئے بولے۔

"ہمارے چھوٹے صاحب بھی ایسے ہی بولتے تھے۔" اس نے سادگی سے بتایا۔

"اچھا! ہم بھی ایسے ہی بولتے ہیں۔ اس وقت تم چلو کمرے کی صفائی کرو۔"

"ٹھیک ہے مگر مجھے بھوک لگی ہے۔"

"ارے تو یہ کون سی مشکل بات ہے۔ چلو تمہارے لئے خاص ناشتا بنواتے ہیں۔" انہوں نے کہا۔ وہ تو جیسے ہواؤں میں اڑنے لگی۔ کہیں کے پاؤں کہیں پڑ رہے تھے۔ وہ ان کے ہمراہ تھی پھر واقعی اس کے لئے خاص ناشتا تیار ہوا اور اس نے پیٹ بھر کے سب کچھ کھایا۔ اسلم حیرت سے سا شہریار خان کو دیکھ رہا تھا جو اس کی بیوی کو اتنی عزت دے رہے تھے۔ اس سے پہلے تو اس نے کسی نوکر یا نوکرانی پر اتنی مہربانی نہیں دیکھی تھی۔

"اسلم! کیا دیکھ رہے ہو؟" شہریار خان نے پوچھا۔

"جی...... میں کچھ نہیں۔" وہ ہکلایا۔

"اسلم! اتنی پیاری صورت مارنے کے لئے نہیں ہوتی۔" انہوں نے ایک گہری نظر اس پر ڈال کر پھر اسلم سے کہا۔ گڑیا کا دل خوشی سے جھومنے لگا۔ الٹے سیدھے نوالے منہ میں ٹھونس کر دونوں ہاتھ صاف کرتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آئیں چھوٹے صاحب! مجھے ایک دفعہ کمرے کی سب چیزوں کے بارے میں بتا دیں پھر میں خود کر لیا کروں گی۔" اس نے بے باکی سے شہریار خان کا ہاتھ پکڑا اور بولی۔ وہ سر ہلا کر ساتھ ساتھ چل دیئے۔ اسلم خوش ہو گیا کہ چلو اس بہانے کام پر تو لگی۔ اپنا کمائے گی اور اپنا کھائے گی۔ مفت کی روٹی توڑنے سے تو بڑی اچھی ہے۔

رات پلنگ پر ایسی گری کہ تھکن سے آنکھیں خود بخود بند ہوتی چلی گئیں مگر اسلم ابھی کوٹھی میں ہی تھا۔ اسے پتا ہی نہ چلا کب وہ آیا، جب اس کے بال کھینچ کر وہ چلایا تو وہ درد سے بلبلا کر اٹھ بیٹھی۔

"مر گئی تھی کیا؟"

"کیا ہے...... کیوں چلا رہا ہے؟"

"چل اٹھ، چارپائی چھوڑ اور میرے سر میں درد ہو رہا ہے، سر دبا۔" وہ غصے سے بولا۔

"ہنہ، پہلے اپنے بال دیکھ، کتنے میلے اور چپکے ہوئے ہیں۔ تیل لگا کر دھو بھی لیا کر۔" وہ تنک کر بولی۔

"کیا بکواس کر رہی ہے؟" اسلم مارنے کو دوڑا۔

"اور نہیں تو کیا، اپنے صاحب کے بال دیکھے ہیں۔" وہ بھی بگڑی۔

"اوئے تو صاحب صاحب کیا کرتی ہے سیدھی طرح سر دبا۔" وہ چلایا تو وہ سہم کر سر دبانے کو بڑھی۔ سمٹ کر سرہانے بیٹھی اور بڑی الجھن میں اپنا نرم و نازک ہاتھ اس کے سر پر رکھ دیا۔ وہ آنکھیں موندے لیٹا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ سر دبا رہی تھی۔ اس کے ہاتھوں کی نرمی، گرمی کی شکل میں اسلم کے ذہن سے ہوتی ہوئی پورے جسم پر طاری ہونے لگی۔ بے چین سا ہو کر اس نے دونوں ہاتھوں سے اس کے ہاتھ تھام لئے اور کھینچ کر قریب کرنا ہی چاہتا تھا کہ وہ پوری طاقت سے ہاتھ چھڑا کر دور بھاگ گئی۔

"اسلم! تمہیں دیکھ کر تو الٹی آتی ہے۔" واقعی اس کا دل متلا گیا تھا۔ اسلم کو جیسے کسی بچھو نے ڈنگ مارا۔ وہ اٹھا اور اس بات کا انتقام اس نے لاتوں، گھونسوں کی شکل میں لیا۔

بے دردی سے مار کر وہ پھر سو گیا اور وہ جسم کی ایک ایک چوٹ پر آنسو بہاتی رہی۔ انگ انگ درد کر رہا تھا۔ وہ خوب روئی اماں، ابا کو یاد کر کے، صفیہ اور ثریا باجی کو یاد کر کے۔ "تم سب نے میرے ساتھ ظلم کیا ہے۔ مجھے جانور کے حوالے کر دیا ہے۔" روتے روتے اس کی ہچکی لگ گئی۔ مگر کون تھا اس کے قریب جو اس کا سر گود میں رکھ کر آنسو صاف کرتا، بالوں میں انگلیاں پھیر کر تسلی دیتا، نیند ہی اتنی شفیق ہوتی ہے جو کانٹوں پر بھی آ جاتی ہے۔ وہ بھی روتے روتے آخر کو سو گئی۔ کھردرے فرش کی چبھن نے بھی سکون نہ دیا، آنکھ صبح پھر اسلم کی چنگھاڑتی ہوئی آواز پر کھلی۔

"نواب جادی اٹھ جا...... چھوٹے صاحب انتظار کر رہے ہوں گے۔" اس نے لات مار کر کہا۔

وہ فوراً اٹھ بیٹھی۔ اس گھور اندھیرے میں چھوٹے صاحب ہی تو روشنی کی کرن تھے۔ پاؤں م ڈال کر سیدھی کوٹھی کے لئے چل دی۔ اسلم ہونق بنا پیچھے سے دیکھتا رہا پھر سر جھٹک کر خود بھی چلا
اس نے چھوٹے صاحب کے کمرے کے دروازے پر آہستہ سے دستک دی۔ وہ شاید ا منتظر تھے۔

"گڑیا! آ جاؤ۔" ان کی نیند سے بوجھل آواز آئی۔ وہ فوراً کمرے میں داخل ہوگئی۔ کمر ملگجی سی روشنی پھیل ہوئی تھی۔ بستر پر دراز سلیپنگ لباس میں مخمور نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بہت اچھے لگے۔

"گڑیا! سر دبا دو۔ بڑا درد ہے۔" وہ بولے۔

"جی اچھا!" وہ لپک کر ان کے سرہانے بیٹھ گئی۔ ان کے ریشم سے بالوں میں انگلیاں پھ نے ہاتھ کو ناک کے قریب لے جا کر سونگھا۔ دلفریب سی مہک اس کی روح تک میں اتر گئی پھ وہ یہی عمل دہراتی رہی۔ وہ شاید اس کی انگلیوں کے لمس سے سو گئے تھے۔ اسے اپنے چھوٹے یاد آ رہے تھے۔ وہ بھی تو ایسے ہی تھے، ایسا ہی لباس پہنتے تھے، ایسے لیٹتے تھے، ان کے بالوں ایسی ہی خوشبو آتی تھی۔ وہ بے خودی سوچتی سوچتی دور نکل گئی۔

"گڑیا! بس ٹھیک ہے۔" شہریار خان نے آنکھ کھلنے پر کہا تو وہ معصومیت سے بولی۔

"چھوٹے صاحب! اب درد ٹھیک ہو گیا ہے۔"

"ہاں...... سر کا تو ہو گیا ہے۔" انہوں نے ذو معنی جملہ کہا۔ وہ نہ سمجھی اور ہنس کر کمرے پونچھ میں لگ گئی۔ جب کہ وہ اس پری پیکر کے حسن و جمال میں اس طرح محو تھے کہ کچھ دیر دنیا سے بے خبر ہو گئے۔ اس کا پھرتیلا جسم حرکت میں مصروف تھا اور وہ ہر ہر انگ پر فدا ہو رہے

"چھوٹے صاحب! ناشتا لے آؤں؟" جھاڑ پونچھ سے فارغ ہو کر وہ بولی تو وہ جیسے گئے۔

"ہاں...... نہیں ابھی نہیں...... نہا لوں، پھر۔" وہ بستر سے اٹھے اور غسل خانے میں گھس گ نے جلدی جلدی بستر ٹھیک کیا۔ چادر کی شکنیں دور کیں کہ انہوں نے پکارا۔

"گڑیا......!"

"جی چھوٹے صاحب!" وہ جلدی سے بولی۔

""""تولیہ تو پکڑا دو۔" غسل خانے کے دروازے سے انہوں نے گردن نکال کر کہا۔

"یہ لیں جی۔" اس نے جھٹ تولیہ اٹھا کر ان کے گیلے ہاتھ پر رکھ دیا۔ غسل خانے سے اٹ کن خوشبو نے اس کے حواس چھین لئے۔ وہ تو ایسی مہک کی دیوانی تھی۔ تولیہ تھما کر بھی وہ ل سانس لے کر اس خوشبو میں دیر تک کھوئی رہی۔ کھٹ سے دروازہ کھلا وہ باہر نکلتے ہوئے اس گئے تو وہ اور زیادہ بوکھلا گئی۔ پیشانی پر بکھرے گیلے بال اس کو بہت اچھے لگے۔ اس طرح در میں کھڑا دیکھ کر وہ مسکرائے۔

"کیا ہوا تمہیں؟"

"وہ جی...... کتنی اچھی خوشبو ہے۔ بالکل ہمارے چھوٹے صاحب جیسی۔" وہ بے ساختہ بولی اور قہقہہ لگا کر ہنس دیے۔

"تمہیں پسند ہے یہ خوشبو؟"

"ہاں...... مگر......" وہ جز بز سی ہو گئی۔

"یہ خوشبو تو تم میں سے بھی آ سکتی ہے۔" اس کی بڑی بڑی ارمان بھری آنکھوں میں دور تک جھانکتے ہوئے بولے۔

"وہ کیسے؟"

"بھئی! یہ خوشبو صابن کی ہے اور یہ صابن ہم تمہیں ابھی دیے دیتے ہیں۔" وہ سیدھے باتھ روم میں گئے اور سبز صابن کی ٹکیہ لا کر اس کے ہاتھ میں دے دی۔

"نہیں جی...... میرا یہ مطلب نہیں تھا۔"

"رکھ لو۔ جب ہمارے کمرے میں آیا کرو تو یہ خوشبو تم بھی استعمال کر سکتی ہو۔" تولیے سے بال صاف کرتے ہوئے وہ بولے۔

"چھوٹے صاحب! اسلم آپ جیسا کیوں نہیں ہے؟" وہ بھولپن سے بولی۔

"اس لئے کہ اسلم، اسلم ہے اور ہم، ہم۔"

"وہ میرے پاس آتا ہے تو بدبو آتی ہے۔"

"تم اسے پاس آنے ہی نہ دیا کرو، فوراً ہمارے پاس آ جایا کرو، ہمارے پاس اس سے بھی زیادہ اچھی خوشبوئیں ہیں۔" وہ بڑے قرینے سے بولے اور وہ چھوٹی سی بچی کی طرح سر ہلاتی رہی۔

"چلو...... ناشتا لگواؤ......" انہوں نے کہا اور وہ گردن ہلا کر باہر نکل گئی۔ شہریار خان دھیرے سے مسکرا دیے۔

○❖○

شہریار خان کی نظر عنایت اس پر زیادہ دیکھ کر تمام نوکر اس کا ادب کرنے لگے، ہر بات اس سے پوچھ کر کرنے لگے۔ وہ اس بات پر بہت خوش تھی کہ سب اس کی اتنی بات مانتے ہیں۔ اسلم بھی وہاں دبا دبا سا رہتا مگر کوارٹر میں گھستے ہی پر پرزے نکال کر اس سے لڑنے لگتا۔ وہ تو کوٹھی کے ماحول میں ایسے گم ہو گئی تھی جیسے شروع سے وہیں رہتی آئی ہو۔ اس کے اندر کی احساس محرومی نے بھرپور قبولیت پائی تھی۔ وہ سب کچھ بھول کر اپنے آپ میں گم ہو گئی تھی۔ اسلم کو اب کچھ کچھ یہ بات کھلنے لگی تھی۔ اس نے اس کے بدلتے تیور دیکھ کر صبح اسے کام پر چلنے کو نہیں کہا مگر وہ تو خود تیار تھی۔

"گڑیا! میرا خیال ہے تو کام پر مت جایا کر۔"

''کیوں..... تیرے اس محل میں جل جل کر جان سے جاؤں۔'' وہ بھی تڑخ کر بولی۔

''کیوں! تو کیا شروع سے اس کوٹھی میں رہتی آئی ہے؟'' وہ بھی چیخا۔

''ہاں اور نہیں تو کیا۔ 'لال کوٹھی' تو اس سے بھی زیادہ خوب صورت ہے۔'' وہ ہاتھ نچا کر بولی۔

''زیادہ بک بک نہ کر۔'' اس نے اس کے بال پکڑ کر پلنگ پر دھکا دیا اور پاؤں پٹختا ہوا شہریار خان کے کمرے میں پہنچا۔ وہ کسی سے ٹیلی فون پر بات کر رہے تھے۔ کچھ دیر کے انتظار کے انہوں نے فون بند کیا اور اسلم کی طرف متوجہ ہوئے۔

''کیا بات ہے، گڑیا نہیں آئی؟'' انہوں نے حیرت سے پوچھا۔

''یہ لو۔ گڑیا کی تنخواہ اتنی یا اس سے بھی زیادہ تنخواہ مہینے میں دو بار آ کر لے لیا کرو۔ مگر گڑیا کام ضرور کرے گی۔'' انہوں نے پینٹ کی جیب سے سرخ سرخ نوٹوں کی گڈی سی اس کی طرف اچھال دی اور اسلم کے تو جیسے ہاتھ کانپ اٹھے۔ ایسا لگا جیسے ہاتھ بھاری پتھر کے نیچے دب گئے ہیں۔

''دیکھو، پیسے سے زندگی کا لطف اٹھاؤ۔'' انہوں نے عجیب سی نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ ہکلا کر بولے نوٹ بوسیدہ قمیض کی جیب میں ٹھونس کر مطمئن قدموں سے کمرے سے باہر نکل آیا۔ دروازے پر ہی گڑیا اسے مل گئی مگر وہ بڑی نرمی سے فقط اتنا بولا۔

''ٹھیک ہے۔ صاحب کا خیال رکھا کر۔'' وہ خوش ہو کر کمرے میں داخل ہوئی۔

''سلام چھوٹے صاحب!''

''ارے تم نے اتنی دیر لگا دی۔''

''وہ اسلم جھگڑ رہا تھا کہ کام پر نہیں جانا۔'' اس نے بتایا۔

''اوہ۔ برا نہ ماننا گڑیا، تمہارا شوہر بہت کمینی فطرت کا مالک ہے۔ منہ مانگی تنخواہ لے کر گیا ہے۔'' وہ بہت چالاکی سے بولے۔

''ہنہ، ہے ہی کم ظرف۔ لالچی نہ ہوتا تو صفیہ باجی کی بجائے مجھ سے شادی کیوں کرتا؟'' اس نے بھی دل کا زہر نکالا۔

''چلو دفع کرو۔ جلدی سے ناشتے کا بندوبست کرو پھر ہمارے ساتھ چلو کچھ اچھے اچھے کپڑے خرید کر دیں۔'' وہ مسکرائے۔

''جی، مجھے.....'' وہ حیرت سے بولی۔

''ہاں، تمہیں۔''

''مگر.....؟''

''مگر کیا..... تمہارے خوب صورت جسم پر یہ موٹے بدنما کپڑے اچھے نہیں لگتے۔ ہمارا بس چلے تو اپنی ساری دولت دے کر تمہارے لئے خوب صورت لباس اور زیورات بنوائیں۔''

''بالکل دلہن بیگم جیسے؟'' وہ جلدی سے بولی۔

''کون دلہن بیگم؟''

''چھوٹے صاحب کی دلہن بیگم۔''

''ارے وہ تو کچھ بھی نہیں ہوں گے۔ جو آج ہم تمہارے لئے لائیں گے۔''

''آپ کتنے اچھے ہیں۔'' وہ بہت خوش ہو گئی۔

''پہلے ناشتا۔'' وہ بولے۔

''جی ابھی لائی۔'' وہ کہہ کر مڑنے ہی والی تھی کہ وہ ایک آنکھ رگڑتے ہوئے بستر پر گر گئے۔

''کیا ہوا، کیا ہوا چھوٹے صاحب!'' وہ پریشان ہو گئی۔

''آنکھ میں کچھ پڑ گیا ہے شاید۔'' وہ بری طرح دائیں آنکھ رگڑ رہے تھے۔ اس نے تھوڑا جھک کر آنکھ دیکھنی چاہیے تو نہ جانے کیسے انہوں نے کروٹ لی کہ وہ توازن برقرار نہ رکھ سکی۔ سیدھی ان پر جا گری۔ لمحے بھر کو دھڑکنوں کے شور میں وہ پریشان ہو گئی اور گھبرا کر تیزی سے اٹھی۔ خوف سے اس کے چہرے کا رنگ پیلا پڑ گیا۔ جب کہ اس کے گداز جسم کی لطافت کا احساس ان پر اب تک طاری تھا۔ آنکھیں کھولے بالکل سیدھے لیٹے وہ اسی کو دیکھ رہے تھے۔

''معاف کر دیں چھوٹے صاحب!'' وہ سخت خوف زدہ تھی۔ وہ ہنس دیئے۔

''ارے نہیں نہیں پھر کیا ہوا؟'' کچھ عجیب سے انداز میں وہ بولے۔ وہ پسینے پسینے ہو رہی تھی۔

''آپ ناراض تو نہیں ہیں چھوٹے صاحب؟'' اسے واقعی یہ خیال ہو رہا تھا کہ اچانک اس کی حرکت پر کہیں وہ ناراض تو نہیں۔ مالک کسی بھی وجہ سے نوکر سے ناراض ہو سکتا ہے۔

''ہم بہت خوش ہیں۔ ہمیں تو پتا ہی نہیں تھا کہ تم اتنی خوب صورت ہو۔'' وہ مخمور نگاہوں سے دیکھنے لگے۔

''چھوٹے صاحب..... آپ کی آنکھ۔'' سے ایک دم ہی خیال آیا کہ جس وجہ سے سب کچھ ہوا تھا۔ وہ مسئلہ تو بھول ہی گئی۔

''ہاں، آنکھ ٹھیک ہے۔ سب ٹھیک ہے۔'' وہ کھوئے کھوئے ہوئے سے آنکھیں موند کر لیٹے رہے اور وہ آہستہ سے ناشتا لینے چلی گئی۔

○❖○

رئیس ابن رئیس شہریار خان کی روح بے قرار تھی۔

حسن و عشق کی دنیا کے بے تاج بادشاہ شہریار خان کی بدمست روح ایک معمولی ملازم کے لئے بے چین رہنے لگی تھی۔ والدین کی وفات کے بعد اکلوتے ہونے کے ناطے جو کچھ ملا وہ نوجوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی حسینوں کے ناز نخرے اٹھانے میں خرچ کرنا شروع کر دیا۔ دولت کی، جائیداد کی ریل پیل میں کبھی کمی آئی ہی نہیں۔ وفادار ملازمین گھر بٹھا کر روپیہ برسا رہے تھے۔ رہا وقت تو اسے کبھی شمار کیا ہی نہیں۔ ترنگ بھرے دن اور رنگین راتیں یہی وقت کا مصرف بنتی گئیں۔ نئے لباس کی

طرح نیا نوخیز حسن پہلو میں رکھنا ان کی عادت تھی۔ اب گڑیا کی شکل میں جو حسن دیکھا تو وہ بے گئے۔ حسن، معصومیت اور نسوانیت کے ساتھ۔ قیامت ہی قیامت۔ قیمتی پرفیومز سے مہکتے وجو ان سے دور ہوتے جا رہے تھے۔ ملگجے سے لباس میں، حیران نظروں سے دیکھتی وہ ان کو گھائل تھی۔ یہ معصوم نوخیز روپ انہیں لمحہ بہ لمحہ پاگل بنا رہا تھا۔ دل میں محبت جیسے گداز جذبے کی کسک تک انہوں نے محسوس نہیں کی تھی مگر بازوؤں کے بیچ تنہائی بے چین کر رہی تھی۔

''شہریار خان! یہ چھوٹی سی لڑکی تمہارے لئے کیا اہمیت اختیار کر گئی ہے؟'' گاڑی ڈرائیو کر کے دوران انہوں نے خود سے سوال کیا۔

''نہیں معلوم مگر اسے قریب کرنے کے لئے دل بے قرار ہے۔'' خود ہی جواب دے کر حاصل کیا۔ ایک ڈیپارٹمینٹل اسٹور سے اس کے لئے ڈھیر ساری شاپنگ کی۔ جب کوٹھی میں داخل کرانہوں نے کپڑے استری کرتی گڑیا کی طرف بڑھائے تو وہ بھونچکا سی منہ دیکھتی رہی۔

''پکڑو، یہ سب کپڑے، جوتے تمہارے لئے ہیں۔''

''مگر..... میں..... میں تو.....''

''کچھ نہ بولو..... رات کو ان میں سے اچھا سا جوڑا پہن کر دکھانا۔'' وہ ذرا اس کا کان کے جھک کر بولے۔ وہ تب بھی کچھ نہ سمجھی۔

''میں یہ سب اس طرح تو حاصل نہیں کرنا چاہتی۔ نہ بھیک میں اور نہ مہربانی میں۔'' وہ اداسی سے بولی۔

''اخاہ! کتنی پاگل ہو۔ ہمارے تحفے کو حقیر کہہ رہی ہو۔'' وہ برا مان گئے۔

''نہیں جی میرا یہ مطلب نہیں ہے۔ مگر اب یہ سب اسلم کے ساتھ ہے۔ میں اسلم کی گھر ہوں۔'' وہ بہت سنجیدگی سے بولی۔

''غلط جگہ پر کھڑی ہو کر خود کو نہ دیکھ، تم کیا ہو، شیشے میں غور سے دیکھو۔'' وہ بولے۔

''اسلم ناراض ہوگا۔'' وہ سہم گئی۔

''اب اسلم کا تم پر اتنا حق نہیں کہ وہ ہمارے دیے ہوئے تحفے استعمال کرنے دے۔'' وہ دار لہجے میں بولے۔

''ویسے آپ بہت اچھے ہیں۔ بالکل ہمارے چھوٹے صاحب جیسے۔'' وہ پھر سے چھوٹی سی گڑیا بن گئی۔

''بس آئندہ ہماری اچھائی پر اعتبار کرنا۔'' وہ بولے۔

''مجھے دلہن بیگم جیسے کپڑے پہننے کا بہت شوق تھا اور ہے مگر اماں، ابا نے مجھے اس کم بخت اسلم پلے باندھ دیا۔ چھوٹے صاحب ہوتے تو کبھی ایسا نہ کرنے دیتے۔'' وہ بولتی چلی گئی۔

''چلو اب یہ چھوٹے صاحب تمہارا ہر شوق پورا کریں گے مگر ایک شرط پر۔'' انہوں نے سینہ

کر کہا۔

''وہ کیا جی؟''

''تم بھی ہماری ہر بات مانو گی۔''

''کیوں نہیں جی؟'' وہ خوشی سے بولی۔

''تو پھر یہ سب سامان لے جاؤ۔ میں اس وقت کام سے جا رہا ہوں۔ رات کو آؤں گا۔'' وہ یہ کہہ کر گاڑی کی چابی لئے دوبارہ باہر نکل گئے۔

سامان اٹھائے وہ کوارٹر میں چلی آئی۔ اسلم بھی شاید تھوڑی دیر پہلے ہی آیا تھا۔ میلے کچیلے کپڑے صحن میں پھینک رہا تھا۔ اسے گھور کر دیکھا اور منہ پھلا کر پلنگ پر لیٹ گیا۔ وہ کون سا اس سے کوئی بات کرتی تھی۔ اسے تو پہلے دن سے ہی اسلم سے نفرت تھی۔ بس خوامخواہ کا تعلق تھا۔ اندر کمرے میں جانا چاہتی تھی کہ وہ گرجا۔

''گھر میں بھی نظر ڈال لیا کر، کوئی باوا نے نوکر چاکر نہیں دیے۔''

''تو نے مجھے تو نوکر بنا دیا ہے۔''

''نوکر بنایا ہے..... مالکن بننے کے خواب نہ دیکھ۔ کہاں سے لائی ہے، یہ سامان؟'' اسلم کوتوال کی طرح مقابل کھڑا ہو کر ڈبے کھول کھول پلنگ پر، زمین پر پھینکنے لگا۔

''چھوٹے صاحب نے دیے ہیں۔'' وہ چلائی۔

''تو یہ کپڑے پہنے گی، بیگم صاحبہ جیسے، اپنی اوقات نہ بھول۔''

''دیکھ اسلم! میرا دل نہ جلا، مجھے تنگ نہ کر۔'' وہ رونے لگی۔

''ہنہ۔ گھر کو کوڑا کباڑ بنا دیا، کون دھوئے گا یہ کپڑے۔''

''میں صبح دھولوں گی۔'' اس نے روتے روتے جواب دیا۔

''نہیں ابھی دھو۔''

''مجھے کوٹھی واپس جانا ہے۔ چھوٹے صاحب نے کہا تھا۔''

''کہاں نے جانا ہے۔ سب کام تو ختم کر لیا؟'' وہ بولا۔

''مجھے نہیں معلوم۔''

''مجھے کام سے جانا ہے۔ تو گھر میں رہے گی۔ کہیں نہیں جانا۔'' اسلم چھلاوے کی مانند چلا گیا اور اس نے جلدی سے سب ڈبے سمیٹ کر پھر سے دیکھنے شروع کیے۔ گلابی، نیلا، پیلا، کالا ہر رنگ کا سوٹ اپنی اپنی چھب دکھلا رہا تھا۔ ریشم سے زیادہ نرم، مہین سے کپڑے جدید تراش خراش کے اس کے سامنے تھے، کبھی گلابی پر ہاتھ پڑتا تو کبھی کالا دل لبھاتا۔ کون سا پہنے اور کون سا نہیں۔ مگر اسلم نے گھر میں رہنے کو کہا ہے۔ وہ سوچ کر اداس سی میلے کپڑے سمیٹ کر دھونے کے لئے بیٹھ گئی۔

''شام کافی گہری ہو گئی تھی، بلکہ رات ہی ہو گئی تھی جب وہ کپڑے دھو کر فارغ ہوئی۔ کپڑے تار

پر پھیلا رہی تھی کہ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

''کون؟'' جواب دیے بغیر چھوٹے صاحب اندر آ گئے۔ وہ خوش ہو کر پلنگ پر سے چیزیں اٹھانے لگی۔

''آئیں، بیٹھیں۔''

''گڑیا! تم کوٹھی میں ہونے کے بجائے یہاں ہو۔''

''جی صاحب جی! کافی کپڑے میلے ہو گئے تھے اس لئے۔'' وہ سادگی سے بولی۔

''اچھا، مگر ہم نے ڈھیرے سارے کپڑے پہننے کے لئے لے کر دیے ہیں۔''

''جی..... جی ہاں۔'' وہ ہکلائی۔

''جی ہاں کیا۔ وہ فوراً پہنو اور ہمارے پاس آؤ۔'' وہ تحکم سے بولے اور واپس چلے گئے۔ وہ لمحے سوچتی رہی پھر نیلا جالی دار کرتا اور شلوار پہن کر الٹے سیدھے بال بنا کر وہ دروازہ باہر سے بند کے اندر کوٹھی میں چلی آئی۔

چھوٹے صاحب کے کمرے کی مدھم روشنی پتا دے رہی تھی کہ وہ کمرے میں ہیں۔ وہ بے دھڑک کمرے میں داخل ہو گئی۔

''جی چھوٹے صاحب!'' اس نے سادگی سے پوچھا۔ کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے شہریار خان جیسے ہی پلٹے تو پلکیں جھپکنا بھول گئے۔ اس کا چاندی جیسا روپ چھن چھن کر بجلیاں گرا رہا تھا۔

''چھوٹے صاحب! کیا کام کرنا ہے؟'' وہ ان کی دلی کیفیت سے بے نیاز ہو کر بولی۔

''وہ، میرے دوست نے سنگاپور سے سجاوٹ کی کچھ چیزیں بھیجی ہیں، اپنے ہاتھوں سے سجا دو۔'' شہریار خان محویت کے عالم سے باہر نکلے۔

''جی بہتر۔''

''الماری میں سے نکالو۔'' انہوں نے بتایا اور وہ واقعی بے پروائی سے الماری کی طرف بڑھی۔ اس میں سے بڑا سا پیکٹ نکالا، اسے کھولا تو رشک سے آنکھیں کھل کی کھلی رہ گئیں۔

''اف، اتنے خوب صورت۔'' بچوں کی طرح وہ ہر ڈیکوریشن پیس کو چھو چھو کر دیکھ بھی رہی تھی اور خوش بھی ہو رہی تھی۔

''تم سے زیادہ تو نہیں۔'' وہ بولے مگر جیسے اس نے سنا ہی نہیں۔

''چھوٹے صاحب! ہمارے چھوٹے صاحب کے کمرے میں بھی ایسی چیزیں تھیں۔'' وہ ترنگ میں بولی۔

''بھئی گڑیا! کیا ہم تمہارے چھوٹے صاحب نہیں؟'' انہوں نے مصنوعی خفگی کا اظہار کیا۔

''ہاں، ہاں جی کیوں نہیں۔''

''تو چلو ہمارا کمرا اپنے ہاتھوں سے سجا دو۔'' وہ اس کے قریب قالین پر بیٹھ گئے۔

''ابھی دیکھیں، میں کمرے کو کیسے سجاتی ہوں۔'' وہ چٹکی بجاتی ہوئی اٹھ کر دیکھنے لگی کہ کون سی چیز کو کہاں رکھنا چاہیے۔ انہوں نے اس کے مرمریں، نرم و نازک پیر پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ جلدی سے پرے ہو گئی۔

''گڑیا! تم تو خود مرمر سے تراشی ہوئی گڑیا ہو۔'' وہ سرمستی کے عالم میں اس کے کچھ کہنے سے پہلے بولے۔

''ارے کہاں چھوٹے صاحب! میں کھلونے والی گڑیا نہیں، بدنصیب برکت علی کی بیٹی گڑیا ہوں۔'' وہ بھولا سا چہرہ بنا کر بولی۔

''اوں، ہوں۔ تم کیا ہو، تمہیں معلوم ہی نہیں۔ اس کمرے میں اس وقت تم سے بڑھ کر کوئی چیز خوب صورت اور قیمتی نہیں۔'' وہ کھڑے ہو کر اس کے بالکل قریب جھکتے ہوئے بولے۔

''سچ چھوٹے صاحب!'' وہ پھر سرشار ہو گئی۔

''بالکل سچ!'' وہ اور جھکے اور سلگتے لب اس کی مرمریں گردن سے چھوتے ہوئے گزر گئے۔ وہ پھر جلدی سے پرے ہو گئی۔

''مگر کمرے میں سجی چیزوں کی تو حفاظت کی جاتی ہے۔ انہیں پیار سے چھوتے ہیں، دیکھتے ہیں لیکن میں تو اسلم سے مار کھاتی ہوں۔''

''ہم تمہیں پیار سے چھو کر قیمتی بنائیں گے۔'' انہوں نے گہری نظروں سے کرتے کے آر پار جھانکنے کی کوشش کی۔

''وہ کیسے چھوٹے صاحب! کیا اسلم آپ جیسا ہو جائے گا۔ مجھے مارے گا بھی نہیں، اس میں سے بدبو بھی نہیں آئے گی؟'' وہ تیزی سے بولتی چلی گئی۔

''ہاں..... اسلم تمہیں کچھ نہیں کہے گا۔'' وہ کچھ سنبھل کر صوفے پر بیٹھ گئے اور وہ پھر کام میں مگن ہو گئی۔ ایک مرتبہ پھر صوفے پر بیٹھے شہریار خان شدید من کی پیاس کے باوجود اس کے لئے سنبھل گئے۔ اپنے آپ کو بہلانے پر مجبور ہو گئے۔

○❖○

اسلم کے خوف سے ڈری سہمی جب وہ گھر پہنچی تو دروازہ اسی طرح بند تھا۔ جس طرح بند کر کے گئی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ اسلم ابھی نہیں آیا تھا۔ اس نے سکھ کا سانس لیا اور دروازہ کھول کر اندر آ گئی۔ سارے دن کی تھکن سے جسم میں درد ہو رہا تھا، کپڑے بدلے بغیر آڑی ترچھی لیٹ گئی۔ چاندنی رات تھی، آسمان پر چمکتے دمکتے ستاروں کو دیکھتے ہوئے اسے صفیہ باجی، ثریا باجی شدت سے یاد آنے لگیں۔ ایسی راتوں میں صحن میں لیٹ کر وہ ان سے باتیں کیا کرتی تھی۔ الٹے سیدھے سوال جواب کرتی تھی اور وہ محبت سے، دھیرے دھیرے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے جواب دیتی تھیں۔ نہ جانے کس حال میں ہوں گی۔ مہینہ ہونے کو آیا تھا۔ ایک مرتبہ ایسے ان سے جدا ہوئی تھی کہ اب تک

ملنے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ بوڑھے، کمزور ابا کو دیکھے بنا وہ کیسے زندہ تھی۔ اماں کی ڈانٹ بھر
سے دور رہ رہی تھی۔ بے اختیار ہی آنسو پلکوں سے ٹوٹ کر تکیے میں جذب ہوتے رہے، آنسو
روانی میں اور بھی اضافہ ہو گیا جب ''لال کوٹھی'' کے سب منظر نگاہوں کے سامنے آ گئے۔ دل
بے قرار کرنے لگے۔ جس سے لپٹ کر وہ ہمیشہ پرسکون ہو جایا کرتی تھی۔ اب نہ جانے کب
ہو؟'' وہ سسکی۔

''گڑیا! یہاں تو تم وہاں سے زیادہ آرام میں ہو۔ یہاں کے چھوٹے صاحب تو تم پر نثار
رہتے ہیں۔ جیسے سپنے تمہاری آنکھوں میں تھے، جو ادھوری خواہشات تمہارے دل میں تھیں وہ
ہو رہی ہیں۔'' ذہن سے سوال نکلا اور وہ کچھ پریشان سی ہو گئی۔ اچھے کپڑے، اچھے ماحول کے
بھی وہ خوشی تو نہیں ملی تھی، جو اس کا ارمان تھی، وہ تو صرف یہ سوچتی تھی کہ وہ اس کی زندگی کا حصہ
نہیں، جو چھوٹے صاحب جیسے لوگوں کا حصہ ہے۔ اس کے ابا، اسلم ایک جیسے کیوں ہیں، چھوٹے
صاحب اور شہریار خان ایک جیسے کیوں ہیں۔ ''خان پیلس'' اور ''لال کوٹھی'' ایک جیسی کیوں ہیں
سوالوں کے جواب اسے اب تک نہیں ملے تھے۔ مراعات ملنے کے باوجود وہ اندر سے اسی ا
محرومی کا شکار تھی کہ کاش وہ بھی ایسے لوگوں جیسی ہوتی۔ سوچتے سوچتے اس کا ذہن تھک گیا
خواہشات بھی کچھ دیر کو رک گئیں لیکن اپنے اس احساس پر وہ مکمل قابو نہ پا سکی کہ اسلم کا چہرہ
لگتا ہے۔ بے رونق کیوں لگتا ہے اور چھوٹے صاحب شوخ رنگوں کا مجسمہ کیوں نظر آتے ہیں
احساس کی کشمکش میں گرفتار وہ سو گئی۔ شدید نیند سے چونک چونک کر کئی بار اس نے اسلم کی راہ
وہ نہیں آیا۔ صبح چھے بجے اٹھ کر اس نے پھر اسلم کا پلنگ دیکھا، وہ خالی تھا، اسلم نہیں آیا تھا۔
بال سنوار کر وہ کوٹھی میں جانے والی تھی کہ اسلم آ گیا۔ اس کی آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں
بہکے بہکے تھے، وہ لڑکھڑا کر پلنگ پر گر گیا۔ وہ حیرت سے اسے دیکھتی رہی۔ اسے اندازہ ہو گیا
نے نشہ کیا ہوا ہے اور رات سے وہ کہاں تھا، پھر بنا کچھ کہنے وہ نفرت بھری ایک نگاہ اس پر ڈال
نکل گئی۔

اسلم نے بوجھل پلکوں سے اسے جاتا دیکھا مگر کچھ نہ بول سکا۔ غریب کے پاس دولت
اس کے قدموں کا مضبوطی سے جمے رہنا مشکل ہو جاتا ہے۔ شہریار خان کے نوٹوں کا وزن اس
لئے سہارنا مشکل ہو گیا تھا اسی لئے اس نے جیب کے وزن کے ساتھ ساتھ جسم و جان کا بوجھ
کا راستہ تلاش کر لیا تھا۔ طبیعت میں ایک ذرا سی جھجک غربت کی وجہ سے ہو رہی تھی۔ سو وہ بھی
ورنہ ہر طرح کا کمینہ پن اس میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ ساری دنیا سے غافل وہ گہری نیند
شہریار خان کی خاص نظر کرم اس پر بھی تھی۔ کام کاج کی فکر سے تقریباً فارغ ہی ہو گیا تھا۔ بس
نام ہی کوٹھی میں کام رہ گیا تھا۔ دولت سے حاصل کیا ہوا نشہ ویسے بھی ہر طرح کے خوف اور
سے بیگانہ کر دیتا ہے۔ اسی لئے شاید وہ بھی اس احساس سے بیگانہ ہو گیا تھا کہ اس کی کم سن

بیوی کس حصار میں پھنستی جا رہی ہے اور نوٹوں کے کتنے بوجھ تلے اس کی پاکیزہ روح دفن ہوتی جا رہی ہے۔ اس کا خیال اب اسے چھو نہیں سکتا تھا۔

○❖○

شہریار خان نے اخبار ایک طرف رکھ کے غور سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا، وہ ناشتے کے برتن اٹھا کر باہر نکل گئی۔ پہلی بار ایک گہری اداسی اور حزن تھا اس کے چہرے پر، جونہی وہ دوبارہ کمرے میں آئی تو انہوں نے پوچھا۔

''گڑیا.....!''

''جی چھوٹے صاحب!'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''کیا بات ہے کچھ اداس ہو؟''

''نہیں تو جی ایسی کوئی بات نہیں۔'' وہ ٹال گئی۔

''کچھ تو ہے؟'' انہوں نے اصرار کیا۔

''وہ اسلم بہت خراب ہے۔ آج وہ اور بدبودار ہو کر آیا ہے۔'' وہ انتہائی سادگی سے کہہ کر رنجیدہ ہو گئی۔ شہریار خان کا فلک شگاف قہقہہ فضا میں پھیل گیا۔

''آپ ہنس رہے ہیں۔''

''بھئی بدبودار کیسے ہو کر آیا ہے؟'' انہوں نے الٹا ہنستے ہنستے سوال کیا۔

''وہ رات گھر نہیں آیا۔ نشہ کر کے صبح آیا ہے۔''

''او..... ٹھیک..... اس میں فکر والی کون سی بات ہے۔'' انہوں نے غور سے اس کے صبیح رخسار دیکھے۔

''وہ میرا گھر والا ہے جی۔ زندگی اس کے ساتھ گزارنی ہے۔'' وہ گہرے دکھ سے بولی۔

''ارے پگلی! وہ تو بس ایسے ہی تمہارے ساتھ لگا دیا گیا ورنہ تمہارے قابل کہاں، تمہیں تو کسی شہزادے کے ہاں ہونا چاہیے تھا۔'' بولتے بولتے وہ جذبات کی دنیا میں دور نکل گئے..... اتنی دور یہاں اس کا بہکا بہکا احساس گڑیا کو دبوچے ہوئے تھا۔ خیالات کی دنیا میں تو وہ ان کی مضبوط گرفت میں تھی۔ وہ دل کھول کر اس کے پھول ایسے سراپا پر فدا ہو رہے تھے۔ شوخیاں کر رہے تھے۔

''چھوٹے صاحب!''

''آں، ہاں.....'' اس کے پکارنے پر واپس لوٹے۔

''چھوٹے صاحب! آپ اسلم کو سمجھائیں۔''

''نہیں، اس سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا وہ تو ہمیشہ کا ایسا ہے۔''

''آپ نے اسے ملازم کیوں رکھا ہوا ہے؟''

''بس ویسے ہی، نشہ کرے یا جوا کھیلے، میرا کیا لیتا ہے؟'' وہ بے پروائی سے بولے۔

"مگر بغیر پیسوں کے تو یہ نہیں ہوتا۔" تجربہ اچھے اچھوں کو سمجھ دار بنا دیتا ہے۔ آج وہ بھی کافی دار معلوم ہو رہی تھی۔

"بے غیرت مرد ہے۔ تمہاری کمائی اڑا رہا ہے۔ روز نت نئی فرمائش لے کر آتا ہے۔ دو مرتبہ دے چکا ہوں۔ کہتا ہے ایک ہی دفعہ اس کے پیسے دے دو اور اسے ہمیشہ کے لئے رکھ لو۔" وہ غصے سے بولے۔ گڑیا کے کان جھنجنا اٹھے۔

"کیا اسلم ایسا بھی کر سکتا ہے؟" وہ درد سے چیخی۔

"ارے، ارے، چپ۔ چھوڑو ایک بے شرم کی بات۔ تم دل میلا نہ کرو، خوش رہو۔ میں ہی تمہارے ساتھ، تم پر سے بے شمار پیسہ وار کے اس بے غیرت کو دے سکتا ہوں۔" انہوں نے اپنی محبت سے کہہ کر اپنے خلوص کا اظہار کیا۔ وہ روتے روتے چپ ہو گئی۔

"چھوٹے صاحب! مجھے میرے گھر بھجوا دیں۔" وہ منت آمیز لہجے میں بولی۔

"ہاں، ہاں کیوں نہیں۔ ایسا ہے کہ کل تو ہم شکار کے لئے جائیں گے۔ واپسی پر آتے ہی تمہیں بھجوا دیں گے۔"

"سچ....." وہ خوش سے اچھل پڑی۔

"بالکل سچ..... تم ہماری اور اپنی تیاری مکمل کر لینا۔ کل صبح سویرے نکلیں گے۔"

"میں جی؟"

"کیوں تمہارا گھومنے پھرنے کو دل نہیں چاہتا کیا؟"

"لیکن اسلم....." وہ خوفزدہ سی ہو گئی۔

"چھوڑو اسلم کو اسے میں خود سمجھا لوں گا۔" انہوں نے ڈپٹ کر کہا اور وہ کھوئی کھوئی سی کمرے سے باہر نکل آئی۔

دوپہر ڈھلے جب اسلم شہریار کے پاس پہنچا تو کچھ پریشان تھا۔

"کیا بات ہے؟" شہریار خان نے پوچھا۔

"ہمیں چند دن کی چھٹی چاہیے۔" اسلم نے کہا۔

"چھٹی..... کیوں؟" وہ چونکے۔

"یہ..... یہ گڑیا کے گھر سے خط آیا ہے۔ اس کے ابا کا انتقال ہو گیا ہے۔" اسلم نے جیب سے نکال کر ان کی طرف بڑھایا۔

"ہش، چپ۔" انہوں نے اسے منہ پر انگلی رکھ کے چپ ہونے کا اشارہ کیا اور خط بنا پڑھے پرزے پرزے کر دیا۔

"یہ کیا؟"

"کچھ نہیں ہوا، تمہیں کوئی خط نہیں ملا۔ لو جو مل رہا ہے اس سے زندگی کا مزا لو۔" شہریار خان

بیڈ کی سائیڈ ٹیبل کی دراز سے پھر کچھ نوٹ نکالے اور اس کی طرف بڑھا دیئے۔

"سنو، کل گڑیا ہمارے ساتھ شکار پر جا رہی ہے گھبرانا نہیں۔" انہوں نے اسے مزید حکمیہ انداز میں کہا۔

"شکار پر؟" اسلم کو حیرت ہوئی۔

"ہاں..... ہمارے دوست کا گھر ہے، وہاں قیام کریں گے۔ دراصل کام کے لئے اپنا ملازم ہی اچھا ہوتا ہے۔"

"چھوٹے موٹے کام تو میں بھی کر سکتا ہوں۔" اسلم آہستہ سے بولا۔

"تم اپنے کچھ کام کرو، دو تین دن بعد آ جائیں گے۔"

"چھوٹے صاحب! اس کے باپ کے مرنے پر ہمارا جانا ضروری ہے۔"

"کوئی ضروری نہیں ہے تم نے اسے بڑا سکھ دیا ہے۔ ہو سکتا ہے وہاں سے واپس آنے سے انکار کر دے پھر کیا کرو گے؟" وہ کمال ہوشیاری سے بولے اور اسلم سوچ میں پڑ گیا۔

"یہ تو ٹھیک ہے مگر جب اسے پتا چلے گا تو ناراض ہو گی۔"

"پتا کیسے چلے گا۔ بیوی کو اتنی اہمیت کیوں دے رہے ہو؟" انہوں نے ابرو چڑھائے۔

اسلم آہستہ سے گردن ہلا کر چل دیا۔ اس کے اندر کے بدفطرت انسان نے لمحاتی کشمکش میں گرفتار اچھے انسان کو پھر سلا دیا۔ پیسے سے وہ پھر اپنی طمانیت کا سامان خریدنے نکل گیا۔

○❖○

کپڑوں کی پوٹلی سی بنا کر اس نے اپنی تیاری مکمل کر لی۔ صبح سویرے جو جانا تھا اس لئے چھوٹے صاحب نے سرِشام ہی اسے چھٹی دے دی تھی۔ کبھی سفر پر جانے کی خوشی ہو رہی تھی اور کبھی افسردگی۔ وہ اسلم سے پوچھنا بھی چاہتی تھی اور نہیں بھی۔ پہلی بات تو یہ کہ وہ گھر پر تھا ہی نہیں، دوسری بات یہ کہ اس سے بات کرنے کو دل تیار نہیں ہوتا تھا۔ اری گڑیا! تو نے دیکھا ہی کیا ہے۔ اسلم تو تجھے کچھ دکھانے سے رہا۔ چل اس شکار کے بہانے ہی کچھ دنیا دیکھ لے۔ دل نے چٹکی لی اور وہ خود بخود مسکرا دی۔ گیٹ سے دروازہ کھلا اور اسلم پان چباتے ہوئے لڑکھڑاتا ہوا اندر آ گیا۔ اس نے دانستہ آنکھیں بند کر لیں۔

"جب دیکھو آرام کر رہی ہے اٹھ۔" وہ نشے سے چور انداز میں چلایا۔ پلنگ پر الٹے سیدھے ہاتھ مارے، کچھ ڈر کر وہ اٹھ بیٹھی۔

"یہاں تیرے اس باوا کے بنگلے میں جھولے لگ رہے ہیں جس میں، میں آرام کرتی ہوں۔ سارا دن تیرے جسم کا دوزخ بھرنے کے لئے مالکوں کی خدمت کرتی ہوں۔" وہ بھی غصے میں آ گئی۔

"میرے جسم کا یا اپنا؟" وہ لڑکھڑا کر اس کی طرف غصے میں بڑھا۔

"بکواس بند کر اسلم۔ میں بے حیا نہیں ہوں۔ تو بے غیرت ہے۔ پہلے دن سے مجھے کام پر لگا

دیا۔'' وہ بھی آپے سے باہر ہوگئی۔

''منحوس، آوارہ، کوٹھیوں کے خواب دیکھنے والی۔ میرے اندر سے بدبو آتی ہے اور صاحب میں سے خوشبو..... اپنے جسکے پورے کرنے کے لئے رات دن کوٹھی میں تو پڑی رہتی ہے بول۔'' بولتا ہوا وہ اُسے بے تحاشا مارنے لگا۔

''چھوڑ مجھے خبیث، گھٹیا انسان! تو میرے بارے میں یہ سوچتا ہے۔'' وہ پٹتے پٹتے نڈھال روتے روتے بے حال ہوگئی۔ وہ بھی آڑا ترچھا بستر پر پڑ گیا اور بے سدھ ہوگیا۔ جب کہ کلے تلے وہ چیخ چیخ کر روئی۔ اللہ سے فریاد کی۔ اماں ابا کو پکارا مگر کچھ بھی اختیار میں نہ تھا سوائے اس کہ رو رو کر صبح کر دی۔

فجر کی اذان کے وقت چھوٹے صاحب کے ڈرائیور عبدل نے جلدی آنے کو کہا اور دروازہ کھٹا کر چلا گیا۔ پھوڑے کی طرح جسم میں درد ہو رہا تھا۔ آہستہ سے اٹھ کر نہائی اور بال بنا کر اٹھا کر اسلم پر ایک نفرت آمیز نظر ڈال کر باہر آ گئی۔

''گڑیا! میز پر ناشتا ہے۔ جلدی جلدی کر لو۔'' اسے دیکھ کر پورچ میں گاڑی میں سامان رکھتے ہوئے شہریار خان بولے۔

''س سامان رکھ دیا ہے صاحب جی!'' عبدل نے ڈگی بند کرتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے گاڑی کی چابی مجھے دو۔'' انہوں نے۔ عبدال نے چابی انہیں پکڑا دی۔

''چاؤ، گڑیا کو جلدی بھیجو۔'' وہ گاڑی کا اگلا دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئے۔ عبدل کو بلانے چلا گیا۔ کچھ ہی دیر میں وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی آئی اور اشارہ کرنے پر گاڑی پچھلا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی۔ شہریار خان نے مسکرا کر اپنی گھنی سنہری مونچھوں پر ہاتھ پھیرا اور اسٹارٹ کر دی۔ وہ پہلی مرتبہ گاڑی میں بیٹھی تھی اس لئے بہت عجیب و غریب کیفیت سے دوچار اس کی کیفیت بھانپتے ہوئے شہریار خان بولے۔

''گاڑی میں بیٹھنا کیسا لگ رہا ہے؟''

''جی اچھا..... بہت اچھا۔''

''ہنہ۔''

''چھوٹے صاحب! ہم کہاں جا رہے ہیں؟''

''شہر سے تقریباً تین گھنٹے کا سفر کرنے کے بعد ہم جنگل میں پہنچیں گے۔''

''جنگل میں.....'' وہ حیرانی سے بولی۔

''ہاں..... جنگل میں میرے جگری دوست کی سرکاری رہائش گاہ ہے۔ ہم اکثر تھکن مٹانے لئے آتے ہیں۔'' انہوں نے پلٹ کر جواب دیا۔ وہ مزید بغیر کچھ پوچھے چپ ہو کر باہر کے دوڑتے مناظر میں کھو گئی۔

مناظر کے تعاقب میں اس کی آنکھیں تھک گئیں۔ نہ جانے سفر ابھی کتنا باقی تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ رات کی ٹوٹ پھوٹ، جسم کا درد سخت بے آرام کر رہا تھا۔ پتا ہی نہ چلا کہ کتنی گہری نیند سو گئی۔ طویل مسافت ایک دم طے ہوگئی۔ شہریار خان نے شانہ ہلا کر جگایا تو ساتھ ہی پیٹ کی بھوک بھی شدت سے جاگ اٹھی۔ چاروں طرف نظر دوڑائی تو گھنے جنگل سے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک خوب صورت چھوٹے سے بنگلے کے سامنے وہ کھڑے تھے۔ گاڑی سے اتر کر اس نے چاروں طرف پھیلے قدرت کے حسن کو دیکھا۔ ہرا بھرا جنگل، پرندوں کی آوازیں، سبک خرامی میں چلتی ہوئی ہوا جس میں جنگلی پھولوں کی مہک بھی شامل تھی۔ اس نے پہلی مرتبہ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ان جلووں کو دیکھا تھا۔ اس لئے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جسم و جان کی ساری تھکن، کلفتیں سب اتر گئیں۔

''او، میرا یار خان آیا۔'' اسی اثنا میں بنگلے کے اندرونی حصے سے ایک خوش شکل نوجوان گرم جوشی سے بانہیں کھولے بھاگتا ہوا شہریار خان کی طرف بڑھا۔

''او، میری جان کیسا ہے تو؟'' شہریار خان اس کے گلے سے لگے بولا۔

''بھرپور تو انا زندگی سے لطف اٹھا رہے ہیں۔'' وہ بہت بے باک قہقہہ لگا کر بولا۔

''یہ کون؟'' گڑیا پر نظر پڑی تو وہ بغور جائزہ لیتے ہوئے بولا۔

''یہ، یہ حسن کا شاہکار ہے بہت، بہت کچھ ہے ہمارے لئے۔'' شہریار خان نے ذومعنی بات کی۔

''او..... اچھا.....'' وہ اپنی دانست میں سمجھتے ہوئے بولا۔

''حیات علی! سمجھ دار تو تم ہمیشہ سے ہو۔'' شہریار خان آنکھ دبا کر بولے۔

''چلو..... اندر چلو، ملازم سامان نکال لے گا۔'' حیات علی نے کہا اور دونوں آگے آگے چل دیے۔ وہ چند لمحے وہیں کھڑی رہی۔ اسے ایک انجانا سا خوف محسوس ہونے لگا۔ حسین و دلکش بنگلہ ایک دم وحشت ناک دکھائی دینے لگا۔

''گڑیا! آؤ..... وہاں کیوں کھڑی ہو؟'' شہریار خان نے پلٹ کر اسے کہا تو وہ جلدی جلدی چلنے لگی۔

''کریم داد.....'' حیات علی نے آواز دی۔

''جی صاحب!'' ایک خوبرو خوش شکل نوجوان خدمت میں حاضر ہوگیا۔

''شہریار خان صاحب کا کمرا کھول کر صاف کرو۔ انہیں بھی وہیں ٹھہراؤ۔'' حیات علی نے احکامات جاری کیے۔

''جی بس کمرا کھول دیں صفائی میں خود کر لوں گی۔'' گڑیا سادگی سے بولی۔

''ارے نہیں نہیں، گڑیا رانی! یہاں تم ملازم تھوڑی ہو۔'' شہریار خان نے شوخی سے کہا۔

''پھر آپ مجھے کیوں لائے ہیں؟''

''اپنا خیال رکھنے کے لئے، حیات علی کا خیال رکھنے کے لئے۔'' وہ حیات علی کے کندھے کو

دباتے ہوئے بولے تو وہ مخمور سا مسکرا دیا۔

"کرم داد! تم جاؤ منہ کیا دیکھ رہے ہو۔" حیران پریشان کھڑے کرم داد کو حیات علی نے ٹوکا کہا تو وہ فوراً کمرے سے باہر چلا گیا۔

"شہریار! تم فی الحال میرے ہی کمرے میں نہا دھو کر فریش ہو جاؤ۔ میں کھانے کا بندوبست ہوں۔" حیات علی نے کہا۔

"ویسے یار تھکن بہت ہوگئی ہے۔" شہریار خان نے انگڑائی لی۔

"ہاں..... سفر کافی لمبا ہے۔ ویسے بھی اس بار بہت عرصے بعد تھکن اتارنے آئے ہو۔" حیات علی مکاری سے مسکرانے لگا۔ "کہاں سے آئی ہے۔؟"

"بتاؤں گا۔ فی الحال بھوک شدت سے لگی ہے کھانا لگاؤ۔" شہریار خان کہتے ہوئے باتھ روم میں گھس گئے۔ مزید کسی کام کا پوچھنے کے لئے کمرے میں داخل ہوتے کرم داد نے آخری دو جملے سنے اور الٹے قدموں سے کمرے سے نکل گیا۔

○❖○

ایسی بے شمار باتیں پہلے بھی کرم داد نے سنی تھیں، ایسے بے شمار مناظر بھی اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے جس پر بطور کرم داد کا خون کھولتا تھا مگر بطور حیات علی کے ملازم کے خاموشی کی مہر لبوں پر لگا لیتا۔ کام خوش اسلوبی سے انجام دیتا تھا۔ ظاہر ہے زندگی کی بنیادی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے کم ایسے ماحول میں بھی زندہ رہنا پڑتا ہے۔ وہ اس بات پر مطمئن تھا کہ یار کی یاری سے غرض چاہیے۔ اس لئے شاید چار سال کی ملازمت میں اس نے کان اور آنکھیں کھلی رکھیں مگر زبان بند کیونکہ ملازم کو ملازم کی جگہ پر ہی رہنا چاہیے۔ ہر موقع پر اپنے جوش مارتے خون کو ٹھنڈا کرنے لئے وہ جنگل کے دوسری طرف جھیل کے کنارے جا بیٹھتا تھا۔

مگر آج کچھ عجیب سی کیفیت تھی۔ کمرے کی صفائی کے دوران بار بار اس معصوم لڑکی پر اس پڑی جو نیند کی وجہ سے اونگھ رہی تھی۔ وہ حلیے سے ہی معصوم اور بھولی نظر آ رہی تھی۔ اس کا دل پوچھنے کو چاہا بھی مگر پھر یہ اصول درمیان میں آ گیا کہ "مجھے کیا؟" مگر دل کو قرار نہیں آیا خانساماں کی مدد سے کھانا میز پر لگواتے ہوئے بھی وہ شہریار خان اور حیات علی کے مکروہ چہرے نفرت آمیز نظر ڈالتا رہا۔ دونوں کے درمیان آہستہ آہستہ لقمے توڑتی ہوئی وہ اسے کسی طرح بھی نہیں لگ رہی تھی۔ کچن میں گھس کر بھی وہ الجھا رہا۔ پہلی بار اندر کا انسان زیادہ جوش اور توانائی بیدار ہو رہا تھا لیکن وہ کیا کر سکتا تھا۔ اس کی تو مجبوری کوئی نہیں تھی۔ بے شمار آئیں اور گئیں۔ "کیوں سوچوں، میرا اس سے کیا واسطہ؟" اس نے دل کو سمجھایا اور قہوہ بنانے لگا۔

شہریار خان اور حیات علی کو قہوہ دے کر وہ اس کے لئے قہوہ لے کر کمرے میں داخل ہوا قالین پر سکڑی ہوئی لیٹی تھی۔

"آپ قالین پر کیوں لیٹی ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"چھوٹے صاحب کے بستر پر تو نہیں لیٹ سکتی۔ تم مجھے کوارٹر میں بستر لگا دو۔" وہ بولی۔

"کوارٹر میں..... پر کیوں؟" اسے تعجب ہوا۔

"چھوٹے صاحب مالک ہیں۔ ان کی برابری کرتے اچھا نہیں لگتا۔"

"تم شہریار خان کی ملازمہ ہو؟" اس نے آہستہ سے پوچھا۔

"ہاں!"

"تمہیں شہریار خان یہاں کیوں لائے ہیں؟"

"کام وام کے لئے۔"

"ٹھیک ہے۔" باہر قدموں کی آہٹ پر وہ کہہ کر تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ شہریار خان سے دروازے پر اس کا ٹکراؤ ہوا۔ ایک گہری نظر ان پر ڈال کر وہ کچن کی طرف مڑ گیا۔

"کیا بات ہے کرم داد! کچھ پریشان ہو؟" خانساماں رحیم نے کہا۔

"ہاں، رحیم بابا! کچھ عجیب سی پریشانی ہے۔"

"اس سے پہلے تو کبھی تم شہریار خان صاحب کے آنے پر پریشان نہیں ہوئے؟" رحیم بابا کی گہری بات پر وہ چونکا۔

"رحیم بابا! یہ کیسے جانا تم نے کہ میں شہریار خان کے آنے پر پریشان ہوں؟"

"میرا تجربہ ہے۔ تم جیسا اپنے آپ میں گم، کم بولنے والا۔ آج سے پہلے کبھی پریشان جو نہیں ہوا۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو رحیم بابا، مگر....."

"اگر مگر کی گنجائش نہیں کرم داد! ہمیشہ کی طرح اپنے اندر ہی سمائے رہو۔ اسی میں عافیت ہے۔" رحیم بابا نے ایک دم سنجیدہ لہجہ اختیار کر لیا۔

"بابا! میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ پہلے بھی اپنے کام سے کام رکھا مگر آج نہ جانے کیوں طبیعت عجیب سی ہو رہی ہے۔" وہ صفائی سے بولا۔

"کچھ نہ سوچ، چل کھانا کھا اور جا کر آرام کر۔" رحیم بابا نے اس کے لئے کھانا نکالا مگر چند لقموں کے سوا اس سے کچھ کھایا نہ گیا۔ بوجھل قدموں سے اپنے کوارٹر کی طرف چلا گیا۔ وہاں بھی سکون نہ ملا تو رات کے بڑھتے سایوں کے ساتھ چلتا ہوا جھیل کے کنارے جا بیٹھا۔ چاند کی روشنی میں جھیل کا شفاف پانی آئینے کی طرح چمک رہا تھا۔ چھوٹی چھوٹی کنکریاں پانی میں پھینکتے ہوئے بھی ذہن اس کے بارے میں ہی سوچتا رہا۔ "ملازم ہوں۔" اس کی آواز قریب سے آئی تو سختی سے ہونٹ کاٹ ڈالا۔ ایسا لگا جیسے اس کے منہ پر کسی نے طمانچہ مارا ہو۔ "ہم ملازم اتنے حقیر نہیں۔" وہ چیخ اٹھا۔ "اور تمہاری حیثیت کیا ہے؟" اپنی ہی آواز گونجی۔ "خاموش رہو کرم داد! حیات علی تمہارا محسن بھی ہے اور

مالک بھی۔ تم بے گناہ ہوتے ہوئے بھی دوست کے قتل میں ملوث کر دیے گئے تھے۔ پولیس بھاگتے بھاگتے تم یہاں حیات کے پاس پہنچ گئے۔ اس نے تمہیں ہر آفت سے بچالیا۔ تمہارا کون حیات علی کے ساتھ رہتے رہتے اس کے ماحول کا حصہ بن چکے ہو۔ لہٰذا چپ چاپ گزارو۔'' رات کے سناٹے میں چاروں طرف یہی جملے گونجنے لگے اور وہ پرسکون ہو کر بیٹھ گیا۔

○❖○

تھکے قدموں سے جب کافی رات گزرنے کے بعد واپسی کا سفر شروع کیا تو اس وقت ہر طرف گویا نیند کا خلبہ طاری تھا۔ ہر چیز سوئی سوئی محسوس ہو رہی تھی۔ جھیل کے کنارے کنارے چلتا ہوا جنگل کے قریب پہنچا تو خشک پتوں پر قدموں کی آواز سے کچھ ہوشیار ہو کر چاروں طرف دیکھا۔ واضح دکھائی نہ دے رہا تھا۔ درختوں کے جھنڈ کی طرف آہٹ زیادہ محسوس ہو رہی تھی۔ کرم داد جنگلی جانور کا خیال آیا مگر درختوں سے چھن کر چاند کی روشنی میں ہلکا سا انسانی احساس اسے دکھائی

''کون ہو..... کون ہو تم؟'' جھاڑیوں کو چیرتے پھلانگتے وہ اسی کے پیچھے چلتے ہوئے چلا دیا۔

''میں..... میں..... بے بس..... بے سہارا ہوں..... مدد کرو.....'' مانوس نسوانی آواز خوف سے تھرا رہی تھی۔ کرم داد سوچنے لگا کہ یہ آواز کہاں سے سنی ہے؟''

''خدا کے واسطے مجھے جنگلی درندوں کے حوالے کر دو..... مگر انسانی بھیڑیوں سے بچالو۔'' زار و قطار رونے لگی۔ کرم داد کے ذہن میں بجلی سی کوندی۔ اسے پہچان کر جلدی سے بولا۔

''تم شہریار خان کی ملازمہ ہو؟''

''مت نام لو اس کمینے کا..... مجھے بچالو وہ دونوں مجھے تلاش کر رہے ہوں گے..... میں بڑی مشکل سے جان بچا کر آئی ہوں..... تم ان کے ملازم ہو مگر.....'' اس نے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔

''بے فکر رہو..... چلو کسی محفوظ جگہ پر چل کر بات کریں گے۔'' کرم داد نے اس کا ہاتھ پکڑ کر آگے چلنے کا راستہ بتایا۔ وہ تو رات دن ان راستوں پر چلتا تھا۔ اس لئے بخوبی جانتا تھا کہ محفوظ راستہ کون سا ہے اور کہاں تک جاتا ہے۔ وہ تو اس کے ساتھ تقریباً دوڑ رہی تھی۔

''ویسے بے فکر رہو، حیات علی تمہارا پیچھا نہیں کرے گا۔ میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔'' دور کھلی جگہ پہنچ کر اس کا ہاتھ چھوڑ کر وہ کھڑا ہو کر لمبے لمبے سانس لینے کے درمیان بولا۔

''اور وہ چھوٹے صاحب!'' وہ سہمی نظروں سے جنگل میں چاروں طرف دیکھنے لگی۔

''اخ تھو..... تم اب بھی اس درندے کے لئے چھوٹے صاحب کا لفظ استعمال کر رہی ہو۔'' نے نفرت اور غصے سے زمین پر تھوکا۔

''میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ چھوٹے صاحب ایسے ہوں گے۔''

''میرے خیال میں تم بھی ٹھیک نہیں ہو ورنہ.....'' وہ طنزیہ بولا۔

''کیا مطلب؟'' وہ بولی۔

''ملازمہ کا مالک کے ساتھ اس طرح سفر پر نکل پڑنا۔'' وہ رعونت سے بولا۔

''چھوٹے صاحب کہتے تھے کہ کام کے لئے ساتھ جانا ضروری ہے۔'' وہ رو دی۔

''چھوٹے صاحب کے گھر میرا گھر والا اسلم بھی کام کرتا تھا اور لاہور میں میرے ابا، اماں اور دو بہنیں ہیں۔'' وہ ایک سانس میں بولتی چلی گئی۔

''تمہارا شوہر شہریار خان کا ملازم ہے تو پھر خود کیوں نہیں آیا؟'' وہ حیرت سے بولا۔

''وہ بہت خراب ہے..... چھوٹے صاحب کی ہمدردی کی وجہ سے تو اس کے ساتھ رہ رہی تھی مگر میرے دل پر چھریاں چل رہی ہیں کہ چھوٹے صاحب ایسے تھے۔''

''ایک تھپڑ تمہارے منہ پر دوں گا۔ اس کمینے کو چھوٹے صاحب، چھوٹے صاحب نہ کہو۔'' کرم داد طیش میں آکر آگے آگے چل دیا۔ وہ سہم کر پھر پیچھے پیچھے چل دی۔ ایک طویل سفر کے بعد کسی گاؤں کی آبادی سی دکھائی دی۔ کرم داد کی جان میں جان آئی مگر پھر سوچ میں پڑ گیا کہ کس کے پاس جائے، کیا بتائے، کوئی پہچان نہیں۔

گاؤں میں جانے والی کچی سڑپ پر چھوٹا سا تندور تھا۔ جس میں ایک مائی روٹیاں لگا رہی تھی، دو تین بچے، دو چار مرد اور ایک دو عورتیں موجود تھیں جو اپنی اپنی روٹیاں لگنے کے انتظار میں تھیں۔ کرم داد اسے لئے چند قدم پیچھے ہی کھڑا رہا۔ سب نے ان کی طرف دیکھا مگر جونہی سب گئے اس نے آگے بڑھ کر مائی سے پوچھا۔

''اماں! یہاں کہیں رات گزرانے کی جگہ مل جائے گی؟'' اس نے ماتھے سے پسینہ صاف کر کے دونوں کو غور سے دیکھا۔

''یہ گاؤں ہے..... یہاں ہوٹل تو نہیں ہے۔''

''ہوٹل نہ سہی، کوئی سرائے ہو۔'' کرم داد نے کہا۔

''ارے بیٹا! یہ اماں کا تندور حاضر ہے۔ یہ ساتھ ہی میرا رہنے کا ایک کمرا ہے۔ چاہو تو تم دونوں رات یہاں رہ لو۔ میں تو باہر کھاٹ ڈال کر سوتی ہوں۔'' مائی نے تندور کی آگ بجھاتے ہوئے کہا۔

کرم داد کی جان میں جان آئی۔ جھٹ بیٹھ گیا اور اسے بھی بیٹھنے کو کہا۔

''ٹھیک ہے، تم دونوں اندر سو جاؤ میں باہر سو جاؤں گا۔''

''چلو ایسے کر لو۔ ویسے تم اتنی رات گئے کہاں سے آرہے ہو، جانا کہاں ہے؟'' مائی نے پوچھا۔

''لمبا سفر کر کے آئے ہیں۔ لاہور جانا ہے.....'' کرم داد نے بتایا۔

''نہیں گوجرانوالہ جانا ہے۔ اسلم کے پاس۔'' گڑیا جلدی سے بولی۔ کرم داد خاموش ہو گیا۔

''تم دونوں نے روٹی کھائی ہے یا نہیں؟''

''ہاں اماں کھالی ہے۔'' کرم داد نے کہا۔

"کہاں کھائی ہے۔ میرے تو پیٹ میں بھوک سے درد ہو رہا ہے۔" وہ پھر بات کاٹ کر سے بولی۔

"بہت عجیب لڑکی ہو۔" کرم داد رشتی سے بولا۔

"دیکھو! مجھے ڈانٹو نہیں، مجھے پہلے ہی چھوٹے صاحب سے صدمہ پہنچا ہے۔" پھر جیسے ر بٹن کسی نے دبا دیا۔

"پھر چھوٹے صاحب، لگتا ہے اس لفظ کا وظیفہ پڑھتی ہو۔" کرم داد آگ بگولہ ہو گیا۔

"ارے بیٹا! ایسے نہیں لڑتے۔ لو ہاتھ منہ دھو لو اور میرے ساتھ روٹی کھاؤ۔" اماں نے بات دفع کرائی۔

"مجھے روٹی نہیں کھانی..... بس سونا چاہتا ہوں۔" وہ سونے کے لئے اٹھا اور پلنگ پر لیٹ گیا

"سنو! صبح جلدی اٹھنا۔" اس نے کرم داد سے کہا۔

"ٹھیک ہے مگر رات بیچ میں ہے اچھی طرح سوچ لو کہ تمہیں کہاں جانا ہے؟" وہ اکڑ کر کہتا ہوا کروٹ لے کر لیٹ گیا۔

"کہہ دیا ہے کہ اسلم کے پاس جانا ہے۔" اس نے کہا۔

○❖○

صبح پرندوں کے جاگنے سے بھی پہلے بیدار ہو گیا۔ آواز دے کر اسے جگایا اور منہ پر پانی کے مار کر چلنے کو بالکل تیار ہو گیا۔

اماں سے اجازت چاہی اور دونوں چل دیئے۔

"ویسے ایک بات ذہن نشین کر لو کہ شہریار خان واپس جا چکا ہو گا اور تمہارے میاں کو مکار کہانی سنا چکا ہو گا۔ ہو سکتا ہے، تمہارا شوہر تمہارے خلاف ہو گیا ہو؟" کرم داد نے چلتے چلتے آہستہ کہا۔ وہ کچھ دیر سوچتی رہی پھر بولی۔

"کچھ بھی ہو۔ اس سے دو ٹوک فیصلہ کر کے ہی میں اپنے گھر جاؤں گی۔" اس کی ضد دیکھ داد خاموش ہو گیا۔ کافی دیر پیدل چلنے کے بعد وہ دونوں پکی سڑک پر پہنچے، بس کا انتظار کرنے یونہی بے دھیانی میں کرم داد کی نظر اس پر پڑی تو نظروں کو خیانت کرنے سے روک نہ سکا۔ اس نے سحر توڑا تو وہ چونکا۔

"اے کاش! شہریار خان ہمارے چھوٹے صاحب جیسے ہوتے۔"

"او، ہنہ۔ پھر چھوٹے صاحب۔ دھوکہ کھا کر بھی تم اس سحر سے باہر کیوں نہیں نکلتی۔ سب جیسے ہوتے ہیں۔" وہ چڑ گیا۔

اس سے پہلے کہ وہ بگڑ کر کچھ کہتی بس آ گئی۔ دونوں جلدی سے سوار ہو گئے۔ بھری ہوئی بس بمشکل ایک صاحب نے لڑکی کا لحاظ کرتے ہوئے اپنی عورت کے ساتھ والی سیٹ اس کے لئے

دی۔ کرم داد نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ خود سارے سفر میں کھڑا اس کی نگہبانی کرتا رہا۔ اسے بے خودی کی ایسی نیند آئی کہ سفر ختم ہوا تو اس کے جھنجھوڑنے پر وہ جاگی۔ بس سے اتر کر اس نے پتا پوچھا اور رکشا روک کر بیٹھنے کو کہا۔ رکشا ڈرائیور کو اچھی طرح پتا سمجھا کر وہ جب اس کے قریب بیٹھا تو گڑیا نے اس کے مضبوط جسم کو نرم نظروں سے دیکھا۔ وہ خود میں گم قوی اعصاب کا مالک تھا۔ پہلی بار بغور اس نے دیکھا۔ رکشا جھٹکے سے رکا تو اس نے فوراً باہر دیکھا۔ وہ شہریار خان کی کوٹھی کے باہر کھڑے تھے۔ ایک دم ہی ڈھیر ساری نفرت اس کے اندر جاگ اٹھی۔

"کرم داد! چوکیدار سے کہو کہ اسلم کو بلائے۔" اس نے کرم داد سے کہا۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ چوکیدار کچھ دیر کے لئے اندر گیا اور پھر واپس آ گیا۔

"اسلم ابھی آتا ہے تم اندر جاؤ۔" چوکیدار نے کہا۔

"اندر چلو..... باہر اچھا نہیں لگتا۔" کرم داد نے کہا تو گیٹ سے اندر داخل ہو کر وہ وہیں ٹھہر گئی۔

"تم..... تم یہاں کیا لینے آئی ہو؟" اسلم آ کر غصے سے بولا۔

"طلاق کا کاغذ لینے آئی ہے..... دے کر فارغ کر دو۔" ایک دم ہی شہریار خان مسکراتے ہوئے باہر نکلے اور بولے۔

"چھوٹے صاحب! کچھ تو خوف خدا کرو۔" وہ چلائی۔

"مت چلاؤ بے حیا لڑکی..... شریفوں کے گھر میں داخل ہونے کی جرأت کیسے کی؟" شہریار خان شدید غصے سے چلائے۔

"اسلم..... اسلم! تمہیں معلوم ہے، چھوٹے صاحب کیا ہیں..... انہوں نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا؟" وہ اسلم کے قریب جا کر بولی۔

"مت بکواس کرو..... میں تمہارے لچھن اچھی طرح جانتا ہوں..... اس گھٹیا ملازم کے ساتھ گلچھرے اڑا کر آ گئی ہو۔" اسلم نے زور سے دھکا دیا۔ کرم داد نے خونخوار نظروں سے اسلم کو گھورا۔

"دیکھو گھٹیا انسان! میرا نام اس طرح شامل نہ کرو..... ورنہ....." کرم داد نے دانت بھینچ کر اسلم کو للکارا۔

"اسلم!" شہریار خان نے پکارا۔

"جی..... جی چھوٹے صاحب!" اسلم دم ہلاتا ہوا ان کے قریب چلا گیا۔

"اس لڑکی کو فوراً فارغ کرو۔ یہ اب تمہارے قابل نہیں..... طلاق دو اسے....." شہریار خان نے بے رحمی سے گڑیا کی طرف دیکھا۔

"چھوٹے صاحب! کچھ تو خدا کا خوف کرو..... میں کیا سمجھتی تھی اور آپ کیا نکلے؟" وہ رو دی۔

"ہنہ، نالی میں رہنے والے خواب محلوں کے دیکھے۔ میں تمہاری اصلیت خوب جانتا ہوں۔" وہ سفاکی سے بولے۔

"اسلم...... چلو اندر سے کاغذ قلم لاؤ...... وقت نہیں ہے ہمارے پاس......" شہریار خان بڑ سے بولے۔

اسلم فوراً کاغذ قلم لینے چل دیا۔ گڑیا پر جیسے سکتہ طاری ہو گیا۔ کرم داد کو اس پر رحم اور شہریار شدید غصہ آ رہا تھا مگر وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ غصے کو انتہائی ضبط کے ساتھ پی رہا تھا۔ کچھ کر بھی سکتا تھا۔ اسلم کاغذ اور قلم لے آیا۔

"لاؤ...... ہم اس آوارہ لڑکی سے تمہیں نجات دلائیں۔" شہریار خان نے کاغذ سنبھالتے ہو مسکرا کر کہا۔

گڑیا نے دیکھا کہ انسان ایسے بھی بدلتا ہے، خوشبو ہی خوشبو پھیلانے والا مجسم نفرت کی علا بن گیا تھا۔ ان کے سنورے بال برے دکھائی دے رہے تھے، ان کے حسین چہرے میں سے شیـ جھانک رہا تھا۔ اس نے جس حسین احساس کو چھوٹے صاحب کا نام دیا تھا، وہ اتنا بڑا دھوکہ ہو ہوس پرست اور مکار ہو گا۔ نفرت سے اس نے زمین پر تھوکا اور نصیب کا لکھا برداشت کرنے کے منہ موڑ کر کھڑی ہو گئی۔

"اسلم...... اسلم یار! میری بات سنو...... تمہاری بیوی اپنی عزت بچا کر بھاگی تھی اور میں حفاظت سے اسے تم تک لایا ہوں۔" کرم داد نے اسلم کو سمجھانا چاہا کہ کسی طرح اس کا جلتا ہوا گھر جائے۔ مگر اسلم تو جیسے چابی کا کھلونا بن چکا تھا۔ جو شہریار خان کہہ رہے تھے وہی وہ کرتا چلا جا رہا بہت بھاری بوجھ تلے دبایا گیا تھا اسی لئے وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں پا رہا تھا۔ شہریار خان نے دستخط کرنے کے لئے قلم پکڑایا اور بلا کسی تامل کے اس نے اس کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔ شہریار مسکرائے اور وہ کاغذ اس کی طرف اچھال کر بولے۔

"فوراً یہاں سے چلی جاؤ۔" گڑیا نے وہ کاغذ ایک ہمدرد کے طور پر کرم داد کے آگے کر دیا نے پڑھا اور آہستہ سے کہا۔

"چلو...... آؤ......"

"او...... کرم داد یہ مت بھولنا کہ تم قاتل ہو۔" شہریار خان نے زور سے کہا۔ گڑیا نے چونک خوفزدہ نظروں سے کرم داد کو دیکھا۔

"چلو......" کرم داد لمبے ڈگ بھر کے آگے چل دیا۔ پیچھے پیچھے وہ بھی شکستہ قدموں سے چل د شہریار خان کی کوٹھی سے چند قدم آگے نکلتے ہی وہ بری طرح چکرا کر گر گئی۔ کرم داد نے پلٹ دیکھا اور دوڑ کر اسے بازوؤں میں اٹھا لیا۔ وہ انگارے کی طرح دہک رہی تھی۔ صدمے اور بخا شدت سے وہ بے ہوش ہو گئی تھی۔ کرم داد نے ہاتھ کے اشارے سے ایک ٹیکسی روکی اور اسے قریبی ڈاکٹر کے کلینک چلنے کو کہا۔ اپنی گود میں اس کا سر رکھ کے ہولے ہولے اس کا سر دبانے لگا۔ بالکل غافل تھی ہر احساس اور جذبے سے غافل۔ کرم داد کو اس پر سخت ترس آ رہا تھا۔ میں بھولی

تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتا، بالکل خالی ہاتھ اور بے سروسامانی کے عالم میں ہوں۔" ٹیکسی جھٹکے سے رکی تو اس نے کھڑکی سے باہر دیکھا۔

"اترو...... یہ شہر کے بڑے اور اچھے ڈاکٹر کا کلینک ہے۔" ٹیکسی ڈرائیور نے دروازہ کھول کر کرم داد کی مدد کی۔ کرم داد نے گڑیا کو واقعی گڑیا کی طرح اٹھا لیا اور ٹیکسی ڈرائیور کو کرایہ دے کر کلینک کی طرف دیکھا۔

"ڈاکٹر سلمان موجود ہیں؟" کرم داد نے کلینک کا دروازہ کھول کر پوچھا۔

"یس۔" ڈاکٹر سلمان نے جواب دیا۔

"وہ جی انہیں دیکھیں، تیز بخار ہے۔" کرم داد جواب پا کر فوراً اندر داخل ہو گیا۔ گڑیا کو بنچ پر لٹا کر اس نے لمبی سانس بھری۔ ڈاکٹر سلمان فوراً اسٹیتھی سکوپ لے کر اسے چیک کرنے لگے۔

"او ویری اسٹرینج، ٹمپریچر ایک سو چار ہے اور بی پی بہت زیادہ کم ہو گیا ہے۔ لگتا ہے مریضہ کو شدید ذہنی صدمہ پہنچا ہے۔" ڈاکٹر سلمان نے تشویش ناک لہجے میں کہا۔

"جی آپ درست کہہ رہے ہیں۔" کرم داد نے جواب دیا۔

"شکر ہے۔ بروقت آ گئے ہو ورنہ اتنے شدید بخار میں ذہنی دباؤ کے سبب بہت کچھ ہو سکتا ہے۔" ڈاکٹر سلمان نے تیزی سے نسخہ لکھتے ہوئے کہا۔

"جی یہ ٹھیک کتنی دیر میں ہو جائیں گی؟" کرم داد نے پوچھا۔

"بالکل ٹھیک تو فوراً نہیں ہوں گی البتہ خطرے سے باہر ضرور ہو جائیں گی۔" ڈاکٹر نے نسخہ ڈسپنسر کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں فی الحال آپ پیچھے بیڈ پر لٹائیں اور بازار سے دوائیاں لے آئیں۔" ڈاکٹر نے دوسری پرچی پر لکھتے ہوئے کہا۔ کرم داد نے ایک مرتبہ پھر اسے اٹھایا اور ڈسپنسر کے بتائے ہوئے بستر پر لٹا دیا۔

"یہ لیں، جلدی سے یہ چیزیں لے آئیں۔" ڈاکٹر سلمان نے کرم داد کی طرف چٹ بڑھائی۔

کرم داد نے ایک مٹھی میں چٹ دبائی اور دوسری مٹھی میں خالی جیب کو دبا کر بے بسی سے ڈاکٹر کی طرف دیکھا۔

"یہ...... سب چیزیں کتنے میں آ جائیں گی۔" کرم داد نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"تقریباً پانچ سو روپے میں۔" ڈاکٹر، گڑیا کو انجکشن لگاتے ہوئے بولا۔

"جی......" کرم داد کے حلق میں جیسے پھندا سا لگ گیا۔

"آپ کے پاس...... میرا مطلب ہے......" ڈاکٹر نے اب کی بار سنجیدگی سے کرم داد کا جائزہ لیا۔

"جی ڈاکٹر صاحب! یہ ایک انگوٹھی ہے بس...... میں مجبوری کی حالت میں گھر سے نکلا تھا۔ کچھ خاص رقم نہیں تھی میرے پاس۔ حالات کچھ سے کچھ ہو گئے۔" کرم داد دھیرے سے بولا۔

''مریضہ سے آپ کا تعلق.....؟'' ڈاکٹر سلمان بولا۔

''انسانیت کا، ہمدردی کا ہے بس.....''

''تمہارا مطلب ہے کہ مریضہ تمہاری کچھ نہیں لگتی؟'' ڈاکٹر سلمان کو اب کچھ تشویش ہوئی۔

''انسانیت کا تعلق تو سب سے زیادہ مضبوط ہے، آپ دیکھ نہیں رہے کہ میں اسے آپ تک
ہوں۔'' کرم داد نے نہایت رسان سے کہا۔

''کہیں یہ کوئی مسئلے والی بات تو نہیں؟'' ڈاکٹر کے چہرے پر ڈر تھا۔

''نہیں..... اس کا نام گڑیا ہے، اس کے شوہر نے آج اسے طلاق دے دی۔ میں اسے اس
ماں باپ کے پاس چھوڑنے جا رہا تھا کہ راستے میں یہ بے ہوش ہوگئی۔ ہوش میں آئے تو آپ
سکتے ہیں۔'' کرم داد کی سادگی اور بے باکی سے متاثر ہو کر ڈاکٹر کو اس سے ہمدردی ہوئی۔

''ٹھیک ہے، تم بیٹھو۔ میں سب چیزیں منگواتا ہوں۔'' ڈاکٹر اسے کہہ کر اپنی کرسی کی طرف چل
اور وہ وہیں گڑیا کے قریب کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

○❖○

دنیا کا دستور ہے کہ کوئی زخم لگاتا ہے اور کوئی مرہم رکھتا ہے۔ اسلم اور شہریار خان نے جو اس کی وفا
پر چوٹ لگائی تھی۔ جس برے طریقے سے اس کی معصومیت کو زخمی کیا تھا اس پر بے لوث احساس اور
توجہ کا مرہم کرم داد نے رکھا تھا۔ بھرپور توجہ اور دیکھ بھال کے ساتھ ساتھ موثر دوائی کی وجہ سے چند
لمحے پہلے ہی اسے کچھ ہوش آیا تھا۔ بخار اور اعصابی کمزوری بدستور قائم تھی۔ بس تھوڑی سی آنکھیں کھلی
تھیں۔ سب سے پہلے اس نے کرم داد کو دیکھا وہ کچھ ہی دور بنچ پر متفکر سا بیٹھا تھا۔ دائیں بازو پر ڈرپ
لگی ہوئی تھی۔ سامنے دیوار پر لگی گھڑی شام کے سات بجا رہی تھی۔ شدید دکھ اس کے اندر انگڑائی
لے کر بیدار ہوگیا۔ چند ہی دنوں میں زندگی کیسے بدل گئی۔ ''ابا، اماں، صفیہ باجی اور ثریا باجی کیسے
میری طلاق کا صدمہ برداشت کریں گے۔ وہ تو مجھی کو قصوروار کہیں گے، نہیں، نہیں جب تک چھوٹے
صاحب نہیں آجائیں گے میں وہاں نہیں جاؤں گی، نہیں جاؤں گی۔'' وہ ہذیانی انداز میں چیخ اٹھی۔
کرم داد چونک کر اس کی طرف بھاگا۔

''کیا ہوا؟''

''میں لاہور نہیں جاؤں گی۔'' وہ رو دی۔

''او، چپ کرو طبیعت خراب ہے۔'' کرم داد نے اپنے ہاتھ کی مضبوطی سے اس کے ڈرپ والے
بازو کو دبا کر رکھا۔

''بس چھوٹے صاحب آجائیں تو مجھے چھوڑ آنا۔'' اس نے بچوں کی طرح منت کی۔

''مت نام لو کسی چھوٹے صاحب کا، بہت عجیب ہو تم..... کسی صورت نفرت نہیں ہوئی تمہیں۔''
کرم داد خنجر آر نگاہوں سے گھورتے ہوئے چیخا۔ وہ سہم گئی۔

''تم مجھے میرے گھر نہ لے جانا۔'' وہ پھر رونے لگی۔

''کیوں..... کہاں رہو گی..... کوئی اور ٹھکانہ ہے بولو..... میں تو خود بے آسرا ہو گیا ہوں۔'' کرم
داد کچھ نرم پڑ گیا۔

''بے شک کہیں بھی چھوڑ آؤ..... چاہو تو دریا میں دھکا دے دو مگر.....''

''ہش..... ایسے نہیں کہتے، میں سوچتا ہوں فی الحال آرام کرو۔ ابھی تو ہفتہ بھر ڈاکٹر صاحب
اجازت نہیں دیں گے اور ہاں آئندہ میرے سامنے چھوٹے صاحب مت کہنا۔'' بات کرتے کرتے
آخری لفظ پر اسے غصہ آگیا۔ وہ بے اختیار اس کرخت انسان کے آگے گردن اثبات میں ہلا کر رہ گئی۔

وہ پھر واپس اپنی جگہ پر جا بیٹھا۔ کچھ ہی دیر میں ڈاکٹر صاحب آ گئے۔ مریضوں کا رش بڑھتا ہی جا
کہنے کو تو ڈاکٹر سلمان کا یہ کلینک تھا مگر چوبیس گھنٹے کی سروس اور ایک ہی وقت میں چار مریض
داخل کرنے کی وجہ سے چھوٹے اسپتال کا احساس ہوتا تھا۔ صبح اور شام دو وقت مریضوں کا رش
تھا۔ ڈاکٹر سلمان کے اچھے اخلاق کی وجہ سے شاید لوگ بہت متاثر تھے۔ کرم داد یہی بات
نوٹ کر رہا تھا کہ اہلیت اور قابلیت کے باوجود وہ کس قدر سادہ اور پرخلوص تھے۔ بغیر روپوں کی
وہ گڑیا کا تندہی سے علاج کر رہے تھے۔ ایسے مسیحا اگر نہ ہوں تو انسانیت ختم ہو جائے۔ وہ سوچ
کہ آخری مریض کو دیکھنے کے بعد انہوں نے کرم داد کو پکارا۔

''کرم داد! یہاں آؤ۔''

''جی ڈاکٹر صاحب!'' وہ ہڑبڑا کر ان کے پاس پہنچا۔

''بیٹھو.....'' ڈاکٹر سلمان کے کہنے پر وہ بیٹھ گیا۔

''حنیف!'' انہوں نے ڈسپنسر کو آواز دی۔

''جی!''

''بھئی ڈرائیور سے کہو کہ گھر سے میرا کھانا لائے۔ صرف میرا ہی نہیں کرم داد بھی ہیں۔ اسے
دو آدمیوں کا کھانا لائے۔'' ڈاکٹر سلمان نے ہدایت کی۔

''جی بہتر۔''

''ڈاکٹر صاحب! تکلف نہ کریں۔''

''بھئی تکلف تو تم کر رہے ہو۔ مجھے تو صبح سے فرصت نہیں ملی۔ اب تم سے تفصیلی باتیں ہوں
ڈاکٹر سلمان مسکرائے۔

''بہت مہربان ہیں آپ۔'' کرم داد نے کہا۔

''میں ڈاکٹر ہوں۔ مہربان تو ہونا چاہیے۔'' ڈاکٹر سلمان نے مسکرا کر کہا۔

''ہماری خوش بختی ہے کہ آپ اتنے برے حالات میں ہمدرد بن کر ملے۔'' کرم داد افسردگی سے بولا۔

''چھوڑو کرم داد! یہ بتاؤ کہ اصل قصہ کیا ہے؟''

''میں نے بتایا تو ہے۔'' کرم داد بولا۔

''وہ تو طلاق کی بات تھی۔ کیوں ہوئی..... کون ہے یہ لڑکی اور تم اسے کیوں چھوڑنے جا
ہو؟'' ایک ہی سانس میں ڈاکٹر سلمان نے کئی سوالات کر ڈالے۔

''میں اس لڑکی گڑیا کے بارے میں زیادہ کچھ نہیں جانتا، انتہائی برے حالات میں یہ میرے
اپنے مالک کے چنگل سے عزت بچا کر مجھ تک پہنچی۔ میں اسے یہاں اس کے شوہر کے پاس چھوڑنے
آیا تو وہ بدل چکا تھا۔ بیوی کی بات پر یقین کرنے کے بجائے اس نے مکار گھٹیا مالک کی بات
اس بے چاری کو طلاق دے دی۔ بس اتنا ہی اس کے بارے میں، میں جانتا ہوں۔'' کرم داد

مختصراً گڑیا کی بابت بتایا۔

''اوہ، ویری سیڈ اور تم؟'' ڈاکٹر سلمان تاسف سے بولے۔ کرم داد نے اپنے بارے میں بھی سچ
سچ سب کچھ انہیں بتا دیا۔

''اب کیا ارادے ہیں؟''

''بس جی یہ ٹھیک ہو جائے۔ اسے اس کے گھر چھوڑ کر میں بھی کسی طرف نکل جاؤں گا۔'' کرم داد بولا۔

''اچھا یہ بتاؤ تعلیم کچھ حاصل کی ہے؟''

''بس جی میٹرک ہی کر سکا۔'' وہ متانت سے بولا۔

''اوہ، اگر میرے کلینک پر کام کرو تو مجھے خوشی ہوگی۔''

''میں جی، پر.....'' وہ چونکا۔

''تم بہتر کام سیکھ جاؤ گے۔''

''اور گڑیا؟''

''گڑیا ہمارے گھر رہے گی۔ ہماری بیگم کا ہاتھ بٹائے گی۔ تم چاہو تو کوارٹر تمہارے لئے خالی کرا
سکتا ہوں۔ ورنہ کلینک کے اوپر جو کمرا ہے وہ اپنے لئے صاف کر لو۔ باقاعدہ ایک دو آدمیوں کی
رہائش کی گنجائش ہے۔''

''میں سوچ کر، گڑیا سے مشورہ کر کے جواب دوں گا۔'' کرم داد آہستہ سے بولا۔

''ٹھیک ہے۔'' ڈاکٹر سلمان نے کہا۔

○❖○

ڈاکٹر سلمان کی بھرپور توجہ اور کرم داد کی بے انتہا محبت کے سبب وہ بہت تیزی سے ٹھیک ہو رہی
تھی۔ بخار بھی اتر چکا تھا۔ کافی دیر سے وہ خالی خالی نظروں سے چھت کو گھور رہی تھی۔ اس کے لبوں پر
گہری خاموشی تھی۔ زرد چہرہ اسے صدیوں کا بیمار ظاہر کر رہا تھا۔ اس کی روح بین کر رہی تھی۔ کم عمری
میں کیا کیا رنگ دنیا کے دیکھ لئے تھے۔ کھلی آنکھوں سے خوشی کے رنگ دیکھنے والی گڑیا یوں ہر خوشی
سے محروم ہو جائے گی یہ اس نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ اس کی تو فقط اتنی سی خواہش تھی کہ وہ بھی ''لال
کوٹھی'' جیسی زندگی پائے مگر تقدیر نے اسے ایسا چرکہ لگایا تھا کہ وہ اندر ہی اندر کبھی ابا میاں سے گلہ
کرنے لگتی اور کبھی خود سے شکایت کرنے لگتی۔ کرم داد اس کے چہرے پر پھیلی اس کی کربناک کیفیت کو
بخوبی پڑھ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں جونہی چھلکیں تو وہ بول پڑا۔

''کس بات پر رو رہی ہو؟''

''اپنے آپ پر.....'' اس نے آہستہ سے جواب دیا۔

''کیوں، اس میں تمہارا کیا قصور ہے؟''

''سب قصور میرا ہی ہے، میرے نصیب کا ہے۔''

''سچ پوچھوں تو مجھے تمہاری کہانی اب تک سمجھ میں نہیں آئی۔'' کرم داد نے کہا۔

''بات اتنی سی ہے کہ میں جس چھوٹے صاحب کے خیال میں شہریار خان کو چھوٹے صاحب بیٹھی وہ کچھ اور ہی نکلے۔''

''او، ہو پھر چھوٹے صاحب، تم اسلم کی بیوی تھیں پھر چھوٹے صاحب کا ذکر کیا ہے؟'' پھر تاؤ کھا گیا۔

''میں کب اسلم سے شادی کرنا چاہتی تھی۔ میں نے اسلم کو کبھی پسند نہیں کیا، وہ تھا ہی بھوکا، کمینی فطرت کا، میں نے چھوٹے صاحب جیسے شخص کو کھلی اور جاگتی آنکھوں سے دیکھا بچپن جس کو دیکھ کر گزرے اس سے دور ہو کر کیسے اسلم جیسے شخص کو میں پسند کر سکتی تھی۔''

وہ سادگی سے بولتی چلی گئی۔

''اس کا مطلب ہے کہ تم چھوٹے صاحب سے محبت کرتی تھیں؟'' کرم داد نے طنزیہ پوچھا

''یہ تو میں نہیں کہہ سکتی بس.....'' وہ سسکی۔

''اس کا یہی مطلب ہے۔'' کرم داد وثوق سے بولا۔

''بس میں اس بات پر حیران ہوں کہ اللہ نے سب لوگ ایک جیسے کیوں نہیں بنائے۔ کاش بھی ان جیسا ہوتا۔'' وہ بالکل پہلے والی گڑیا بن کر بولی۔

''تم جیسی سادہ، کم عقل لڑکیوں کا یہی انجام ہوتا ہے۔ جو اپنی مرضی سے آسمان کو زمین پر چاہتی ہیں یا پھر خود اڑ کر آسمان چھونا چاہتی ہیں۔ مجھے اب کچھ زیادہ افسوس نہیں۔ کیونکہ اس تمہارا ابھی بہت ہاتھ ہے۔'' کرم داد کھری باتیں کرتا چلا گیا اور گڑیا کو بالکل اسی طرح شدید جیسے صفیہ باجی، ثریا باجی، یا اماں کے سمجھانے پر آتا تھا۔

''تم، اسلم جیسے لوگوں کی برادری سے ہو ایسی ہی جلی کٹی سناؤ گے۔ تم جیسے لوگ اپنی مرضی ایسے رہنا چاہتے ہیں۔ تم کیا جانو ''لال کوٹھی'' کی بہار۔''

''تم بے وقوف ہو اور احمق ہو، فرق ہر انسان میں ہوتا ہے۔ تم نے جھٹ اسلم سے مجھے جب کہ اسلم اور میرے فرق کو چاہو تو اس کاغذ کے ذریعے سمجھ سکتی ہو'' کرم داد نے جیب سے وہ کاغذ اس کے منہ پر دے مارا۔

''ہاں..... خود ہی بولو کیا فرق ہے تم میں اور اسلم میں اور کیا تم چھوٹے صاحب جیسے ہو؟'' سے بولی۔

''بدھو لڑکی! اسلم نے شوہر ہو کر تمہاری قیمت وصول کی۔ میں تمہارا کچھ بھی نہیں پھر بھی تم اور کیا دولت سے ہی انسانوں کا فرق ناپتی ہو۔ دو درجے بنا رکھے ہیں تم نے۔ ایک اسلم اور چھوٹے صاحب، ہنہ بہت کم سن ہو۔'' کرم داد آگ بگولہ ہو گیا۔

''اچھا اچھا اکڑنے کی ضرورت نہیں، اتار دوں گی میں یہ احسان، چھوٹے صاحب کے

سے کوئی بات کرنے کی ضرورت نہیں۔'' وہ تڑ کی بہ تڑ کی بولی۔

''دیکھو مجھے غصہ نہ دلاؤ ورنہ.....'' کرم داد کی مٹھیاں بھنچ گئیں۔

''السلام علیکم!'' ایک دم ہی ڈاکٹر سلمان آ گئے۔ کرم داد غصہ ضبط کر کے دیوار پر لگی گھڑی دیکھنے لگا۔ صبح کے آٹھ بج رہے تھے۔ پتا ہی نہ چلا وقت تیزی سے گزر گیا۔ کلینک کی صفائی ہو چکی تھی۔ سب ملازم آ چکے تھے۔ ایک دو مریض بھی بیٹھے تھے۔

''کس بات پر ناراض ہو؟'' ڈاکٹر سلمان نے گڑیا کی نبض پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

''ڈاکٹر صاحب! انہیں اور کتنے دن آپ یہاں رکھیں گے۔'' کرم داد سختی سے بولا۔

''یہ اب بالکل ٹھیک ہیں۔ جیسے میں نے کہا ہے ان سے مشورہ کر لو اور مجھے بتاؤ۔'' ڈاکٹر سلمان کہتے ہوئے اپنی کرسی کی طرف چلے گئے۔ ان کے جاتے ہی گڑیا نے لمبا سانس کھینچا اور بھولپن سے بولی۔

''کتنی اچھی خوشبو تھی۔ ڈاکٹر صاحب بھی.....''

''چھوٹے صاحب جیسی خوشبو استعمال کرتے ہیں۔ یہی کہنا تھا تم نے۔'' کرم داد نے چڑ کر اس کا جملہ مکمل کر دیا۔

''بالکل اسلم کی طرح ہو..... اسلم جیسے لوگ چھوٹے صاحب سے جلتے ہیں اسی لئے۔'' وہ بڑی رکھائی سے بولی۔

''مت نام لو اسلم کا..... مجھے کسی سے جلنے کی ضرورت نہیں..... میں کیوں جلوں..... کون لگتی ہو تم میری..... تمہیں چھوٹے صاحب مبارک سمجھی تم۔'' کرم داد رعونت سے بولا۔

وہ کچھ سوچ کر چپ ہو گئی۔

''تم ٹھیک ہو گئی ہو۔ ڈاکٹر صاحب کا کہنا ہے کہ تم جب تک چاہو ان کے گھر رہ سکتی ہو۔'' وہ رخ موڑ کر بولا۔

''ہیں..... اچھا۔'' وہ خوشی سے بولی۔

''ہاں.....'' کرم داد نے کہا۔

''اور تم؟'' اسے ایک دم اس کا خیال آیا۔

''تمہیں اس سے کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیے۔'' وہ انتہائی بے رخی سے بولا۔

''مگر.....'' وہ منمنائی۔

''میں حیران ہوں کہ تم اپنے گھر جانے کی بجائے ادھر اُدھر رہنا چاہتی ہو، جو ہونا تھا ہو گیا۔ اب تمہیں ماں باپ کے پاس جانا چاہیے۔'' کرم داد نے کہا۔

''میرے ابا اور اماں یہ صدمہ برداشت نہیں کر سکیں گے۔'' وہ دکھی ہو گئی۔

''کر لیں گے، بڑے بڑے صدمے برداشت کر لیتا ہے انسان۔'' کرم داد نے اس کی طرف

دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں، میں صرف چھوٹے صاحب کے آنے پر جاؤں گی۔'' وہ دوٹوک فیصلہ کرتے ہو بولی۔

''تمہیں الہام ہوگا کہ چھوٹے صاحب آگئے ہیں یا نہیں۔ اور وہ آکر کیا کرلیں گے؟'' کرم پھر اشتعال آگیا۔

''تم انہیں نہیں جانتے وہ تو امید کی کرن ہیں۔'' روتے روتے اس کی آنکھیں خوشی سے مسکرا لگیں۔ کرم داد صرف ہونٹ چبا کر رہ گیا۔

''ٹھیک ہے جیسی تمہاری مرضی۔ میں اس کے بعد تمہارا ذمے دار نہیں۔'' کرم داد نے بھی صاف کہہ دیا۔

''نہیں..... تم بھی میرے ساتھ رہو گے۔'' وہ ضدی لہجے میں بولی۔

''یہ کیا ضد ہے؟ تم جس دنیا میں رہنا چاہتی ہو وہ ڈاکٹر صاحب کے ہاں مل جائے گی پھر میری کیا ضرورت ہے؟'' کرم داد نے طنزیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''دیکھو کرم داد! ایسے مت کرو تم مجھے چھوڑ کر نہیں جاؤ۔'' وہ بچوں کی طرح معصوم چہرہ بنا کر اس طرف دیکھنے لگی۔ وہ سوچ میں پڑ گیا۔

''تم چھوٹے صاحب کے آتے ہی مجھے میرے گھر چھوڑ کر چلے جانا۔'' کرم داد نے دکھ سے اس کو دیکھا اور دل میں سوچا کہ کتنی خودغرض ہے یہ لڑکی۔ پاس دیکھنے کے بجائے دور دیکھتی ہے۔ اس نے کچھ نہیں، چپ چاپ خود کو برا بھلا کہنے لگا۔

''بولو رہو گے میرے ساتھ؟''

''ہنہ، ہاں..... میں ڈاکٹر صاحب کے کہنے کے مطابق کلینک کے اوپر کمرے میں رہوں گا۔'' کرم داد نے بتایا۔

''میرے ساتھ کیوں نہیں؟''

''جیسا ڈاکٹر صاحب نے کہا ہے، وہ بتا رہا ہوں۔''

''تم ڈاکٹر صاحب سے کہو کہ تم میرے ساتھ رہو گے۔'' وہ روانی میں کہہ گئی۔ کرم داد آہستہ اس بھولی لڑکی کی ادا پر مسکرا دیا۔

○❖○

سرسبز وادی کا گماں دینے والا ''سلمان ولا'' اسے ایک بار پھر حیرت میں ڈال گیا۔ خوب صورت پتھروں سے بنی کوٹھی میں داخل ہوتے ہوئے اس نے خوشی سے قریب بیٹھے کرم داد کو دیکھا۔ گاڑی کی پچھلی سیٹ پر وہ دونوں تھے اور آگے ڈاکٹر سلمان اور ان کا ڈرائیور، گاڑی کے رکتے ہی ڈرائیور سب کو اترنے کے لئے گاڑی کے دروازے کھولے۔ گڑیا نے گاڑی سے اتر کر حیران نظروں

چاروں طرف دیکھا۔ وسیع و عریض لان میں ہر رنگ کا پھول مسکرا رہا تھا۔ گڑیا کے چہرے پر خوشی رقصاں تھی۔ کرم داد اس کی شخصیت کا جائزہ لے رہا تھا۔ اب تک وہ اسے سمجھ نہیں پایا تھا۔ ایک دم رونے دھونے والی مظلوم لڑکی اور دوسرے ہی لمحے خوشی سے مسکرانے والی لڑکی یہ کیسا فرق تھا دونوں میں۔ ڈاکٹر سلمان نے چلنے کا اشارہ کیا تو وہ سر جھٹک کر ان کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ گڑیا بھی چمکیلے ریشمی فرش پر سنبھل سنبھل کر چلنے لگی۔

ٹی وی لاؤنج میں قدم رکھا تو وہ بھی اتنا ہی دلکش اور حسین تھا۔ نفیس سے صوفے پر اخبار پڑھنے میں مصروف خوش شکل درمیانی عمر کی عورت نے چونک کر اخبار ایک طرف رکھا اور حیرت سے ڈاکٹر سلمان کو دیکھنے لگی اور کبھی ان دونوں کو۔

''آؤ بھئی ادھر آؤ۔ یہ ہماری بیگم ہیں۔ شائستہ بیگم اور بیگم صاحبہ یہ گڑیا ہے اور یہ کرم داد۔'' ڈاکٹر سلمان نے تعارف ایک سانس میں ہی مکمل کر دیا۔

''وہی ہیں جن کے بارے میں آپ نے بتایا تھا؟'' شائستہ بیگم نے شوہر سے پوچھا۔

''جی ہاں..... اب یہ گڑیا آپ کے پاس رہے گی۔ آپ کا ہاتھ بٹائے گی اور کرم داد دن میں کلینک پر کام کرے گا۔ رات کو یہاں آجایا کرے گا۔ آپ ان دونوں کے لئے رہنے کا بندوبست کر دیں۔''

''یہ دونوں میاں بیوی ہیں یا بہن بھائی۔'' بیگم شائستہ نے گہری نظروں سے دونوں کا جائزہ لیا۔

''ارے نہیں..... بس ایک دوسرے کے ساتھ ہیں۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔'' ڈاکٹر سلمان نے ہنس کر بیوی سے کہا۔ کرم داد نے ہونٹ چباتے ہوئے گڑیا کی طرف دیکھا وہ بھی کچھ شرمندہ سی ہوگئی تھی۔ بیگم شائستہ کی اس بات پر۔

''یہ دونوں اکٹھے تو نہیں رہ سکتے۔'' بیگم شائستہ نے کہا۔

''ایسا کرو، کوارٹر کرم داد کو دے دو اور گڑیا کو اسٹور کے ساتھ والا کمرا دے دو۔''

بیگم شائستہ کو سلمان صاحب کی بات پسند نہیں آئی۔ گڑیا کے معاملے میں وہ محسوس کر رہی تھیں کہ وہ بہت گرم جوشی کا اظہار کر رہے ہیں، گڑیا کچی کلی جیسا دلفریب حسن لئے ہوئے تھی۔ پینتیس سالہ بیگم شائستہ اپنے چالیس سالہ شوہر کے آگے حفاظتی بند باندھنے کا سوچ رہی تھیں۔

''بیگم کیا سوچنے لگیں؟''

''وہ جی ہم اکٹھے رہ لیں گے۔'' بیگم شائستہ کے بولنے سے پہلے ہی گڑیا بول پڑی۔

''ٹھیک ہے..... باہر بیٹھو میں ابھی آتی ہوں۔'' بیگم شائستہ نے ان سے کہا۔ وہ دونوں آہستہ آہستہ چلتے ہوئے ٹی وی لاؤنج سے باہر آگئے۔ برآمدے میں پڑی کرسی پر وہ جلدی سے بیٹھ گئی جب کہ کرم داد کسی سوچ میں کھویا برآمدے کے ستون سے لگ گیا۔

''کرم داد کتنا خوب صورت لان ہے۔'' وہ خوشی سے بولی۔

"ہنہ۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"کیا بات ہے؟" اسے چپ پا کر وہ کرسی سے اتر کر اس کے قریب آ گئی۔

"ہمیں یہاں نہیں رہنا چاہیے۔" وہ بولا۔

"کیوں؟" وہ تیزی سے بولی۔

"بس اچھا نہیں لگ رہا۔" کرم داد بیزاری سے بولا۔

"مجھے تو بہت اچھا لگ رہا ہے۔" وہ اٹھلائی۔ کرم داد نے گھور کر اسے دیکھا۔

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تم کس فطرت کی لڑکی ہو۔ بہرحال میری غیرت یہ گوارہ نہیں کرتی میں یہاں رہوں۔ تم رہو، میں جاتا ہوں۔" وہ اکھڑا اکھڑا سا بولا۔

"تم نے مجھے میرے گھر پہنچانے کا وعدہ کیا تھا اور....."

"ہاں، مگر ان حالات میں نہیں۔ تم یہاں خوش رہ سکتی ہو، میں نہیں۔" کرم داد نے اس کی اچانک مکمل کیا۔

"پر تمہیں کیا ہے؟ آج تو پہلا دن ہے۔"

"سمجھنے کے لئے تو پہلا دن ہی کافی ہوتا ہے۔ کاش تم شائستہ بیگم کے چہرے پر پھیلے ہوئے اندیشے دیکھ سکتیں۔ کاش ڈاکٹر سلمان کے حد سے زیادہ تبسم پر سوچ سکتیں۔" کرم داد نے اس کی صورت بڑی آنکھوں میں لمحہ بھر کو رک کر جھانکا اور بولتا چلا گیا۔

"نہ جانے آتے ہی تمہیں کس خوف نے گھیر لیا ہے؟"

"تمہیں یہاں کیا اچھا لگ رہا ہے؟" کرم داد نے الٹا اس سے پوچھا۔

"سب کچھ، دیکھو تو کیسا شیش محل ہے۔" وہ خوشی میں ایڑیوں کے بل گھوم گئی۔

"شیش محل تو شہریار خان کا بھی تھا۔" کرم داد نے چوٹ کی۔

"پرانی باتیں کر کے تم مجھے یہاں سے جانے پر مجبور نہیں کر سکتے۔" وہ تند لہجے میں بولی۔

"میری مانو تو اپنے گھر چلو۔" کرم داد نے آخری کوشش کی۔

"میں ضرور جاؤں گی لیکن چھوٹے صاحب کے آنے پر۔"

بہت ضدی ہو۔" کرم داد نے ہتھیار پھینکتے ہوئے کہا۔

○❖○

کرم داد نے کمرے سے چارپائی نکالی، دری بچھائی اور لیٹ گیا۔ گڑیا نے تعجب سے اسے دیکھا۔ وہ آسمان کی وسعتوں میں کچھ تلاش کر رہا تھا۔ باہر کافی ٹھنڈک تھی۔ کھلے آسمان تلے رات گزاری جا سکتی تھی۔

"سنو....." اس نے اس کے پیر کا انگوٹھا زور سے ہلایا تو تیزی سے ایک بجلی سی اس کے دماغ تک جھنجھنا گئی۔ وہ ہڑبڑا کر ہلکی ہلکی روشنی میں مسکرانے والے اس کے دودھیا نکھار کو دیکھنے

"دکھائی نہیں دے رہا کیا؟" اس کی کھلی ساکت نگاہوں کے آگے اس نے ہاتھ نچایا۔

"دکھائی ہی تو دینے لگا ہے۔" وہ نظریں چرا گیا۔ وہ کچھ نہ سمجھی۔

"تو باہر کیوں آ گیا ہے؟" وہ بولی۔

"میرا باہر آنا ہی بہتر ہے۔"

"کیوں، اتنی سردی میں مرنا ہے؟"

"اور اندر گرمی میں مر گیا تو؟" کرم داد کے لہجے کی حدت اس کے انگ انگ کو چھو کر گزر گئی۔ مگر وہ ہمیشہ کی طرح بے اثر ہی رہی۔ اسے یہ احساس ہوتا ہی نہیں تھا کہ دل اور حسیات اسلم اور کرم داد جیسے لوگوں میں بھی ہوتی ہیں۔ وہ تو جذبوں کا مرکز بھی بڑے محلوں میں بسنے والے بڑے لوگوں کو سمجھتی تھی۔

"تو جا کر سو جا..... میں نہیں مرتا..... کیونکہ اب میں زندہ رہنا چاہتا ہوں۔" کرم داد نے کہا۔

"لیکن....."

"دیکھو، رشتے کی نزاکت کو سمجھو۔ میں اور تو اس طرح نہیں رہ سکتے۔" کرم داد نے کہا۔

"کیوں، کیوں نہیں رہ سکتے؟" وہ تکرار پر اتر آئی۔ اس سے پہلے کہ کرم داد اسے کچھ اور کہتا، کوٹھی کے اندر سے ڈاکٹر صاحب کے ملازم نے آ کر اس کو خاموش کر دیا۔

"کیا بات ہے؟" کرم داد نے شکور نامی ملازم سے پوچھا۔

"صاحب جی، گڑیا کو بلا رہے ہیں۔"

"مگر بیگم صاحبہ تو کھانے پر گئی ہیں۔" کرم داد نے کہا۔

"ہاں..... ڈاکٹر صاحب گھر پر ہیں۔" وہ کہہ کر چلا گیا۔ گڑیا جلدی سے اس کے پیچھے ہی جانے والی تھی کہ کرم داد نے کہا۔

"رات کے دس بجے ڈاکٹر صاحب کو کیا کام پڑ گیا ہے؟"

"کوئی کام تو ہو گا۔ شاید چائے پینی ہو اور ہاں آج ٹی وی پر فلم بھی لگے گی۔" وہ ایک ہی سانس میں بولتی چلی گئی۔

"گڑیا میری بات مان..... یہاں سے چل..... اب سنبھل جا۔" کرم داد متفکر سا ہو گیا۔

"او، یہ دیکھ کرم داد تو میرا چوکیدار نہ بن۔ جانا ہے تو جا، میں خود چلی جاؤں گی۔" وہ آپے سے باہر ہو گئی۔ اس کے آگے غصے میں ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہو گئی۔

"ٹھیک ہے، میں چلا جاؤں گا اور وہ تیرا چھوٹا صاحب، کیا وہ بھی؟"

"دیکھ میرے چھوٹے صاحب کے لئے ایک لفظ نہ بول۔ میں تو ان سے ملنے کے لئے بے چین ہوں۔" اس کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو آ گئے۔

"گڑیا! تیری عمر کی لڑکیاں صرف گڑیوں سے کھیلتی ہیں۔ خود گڑیا نہیں بن جاتیں۔" کرم داد نے

بہت افسردگی سے کہا۔

''اب میں اتنی چھوٹی بھی نہیں ہوں کہ.....''

''کہ..... کہ یہ گڑیا صرف گڑیا ہی ہے اور تیرے جیسی گڑیا کا اللہ حافظ ہے۔''

کرم داد اکھڑے اکھڑے لہجے میں کہہ رہا تھا اور چپل پاؤں میں ڈال کر چلنے لگا۔ وہ پریشان ہوگئی اور زور زور سے رونے لگی۔

''اب کیا ہے؟''

''مجھے اکیلا چھوڑ کر جا رہا ہے۔''

''اس شیش محل میں تو اکیلی نہیں ہے۔'' وہ طنزیہ بولا۔

''تم نے وعدہ کیا تھا۔''

''ہاں کیا تھا..... تمہیں بحفاظت گھر پہنچانے کا..... راہ میں برباد کرنے کا نہیں..... تمہارے راستے میں کوئی شیش محل نہیں ہے۔ اس لئے چھوڑنے چلا تھا۔ اگر شیش محل ہی درکار تھا تو خان کی کوٹھی کیا بری تھی بولو؟ بولو، مجھے کیا سمجھ رکھا ہے..... میں کھلی آنکھوں سے پھر نیا منظر دیکھوں میرے وعدے کے پیروں میں حرص و ہوس کی زنجیریں کیوں پہناتی ہو کہ میں قدم نہ اٹھا سکوں تمہاری حرص، نادانی بن جائے اور تم ایک بار پھر ننگے پاؤں بھاگ پڑو۔ یہ سب میں نہیں دیکھ سکتا تمہیں اچھے خواب نظر آتے ہیں۔ تم نے پیدا ہوتے ہی محل دیکھا ہے۔ محل میں بسنے والے لوگ دیکھا ہے۔ تم یہاں رہ سکتی ہو مگر میں نہیں۔'' کرم داد آتش فشاں کی طرح پھٹ گیا۔

''میں لالچی نہیں ہوں۔ مجھے کسی کی دولت نہیں چاہیے۔'' وہ چیخی۔

''تو اور کیا ہو؟''

''مجھے تو یہ سب دیکھنا اچھا لگتا ہے..... محسوس کرنا اچھا لگتا ہے..... سوچنا اچھا لگتا ہے۔'' معصومیت سے بولی۔

''یہی تو تمہاری عقل میں بات نہیں آئی کہ تمہیں یہ سب باتیں سوچنے کا بھی حق نہیں ہے۔''

''کیوں نہیں ہے، تم سب لوگ یہ کیوں کہتے ہو؟''

''گڑیا! کیا بات ہے؟'' ڈاکٹر سلمان کی بھاری آواز پر وہ دونوں چپ ہوگئے۔

''جی..... جی۔''

''میں نے تمہیں بلایا تھا۔'' انہوں نے کچھ سختی سے کہا۔

''جی وہ.....'' وہ ہکلائی۔ اسی اثناء میں گیٹ پر گاڑی کے ہارن سے چونک کر وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے اندر چلے گئے اور وہ دونوں تھک ہار کر صلح جو نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

○❖○

ڈاکٹر سلمان اور کرم داد کلینک جا چکے تھے۔ وہ بیگم شائستہ کے کہنے کے مطابق دوسری ملازمہ

ساتھ مل کر اسٹور سے گرم کپڑے نکلوانے لگی۔ موسم بڑی تیزی سے تبدیل ہو رہا تھا۔ ٹھنڈک محسوس ہونے لگی تھی۔ جونہی بیگم شائستہ نے کہا کہ سردی شروع ہے تو اسے فوراً کرم داد کا خیال آیا جو رات بھر کھلے آسمان تلے سویا رہا۔ صبح اس نے اس کی سکڑی ہوئی ٹانگیں دیکھ کر یہ اندازہ بالکل نہیں کیا کہ اسے سردی لگ رہی ہوگی۔

سارے گرم کپڑے نکال کر دھوپ میں پھیلا دئے اور اسٹور کی اچھی طرح صفائی کر کے بند کر دیا۔ اسی وقت بیگم شائستہ نے اسے اپنے پاس ٹی وی لاؤنج میں بلا لیا۔

''گڑیا!''

''جی بیگم صاحبہ!'' وہ فرماں برداری سے بولی۔

''اوپر والا بیڈ روم کھولو، اچھی طرح صاف کرو، بیڈ شیٹ، پردے وغیرہ سب بدل دو، ایک گھنٹے میں سب چمکا دو۔'' بیگم شائستہ نے ہدایت کی۔

''کون آ رہا ہے جی؟'' دوسری ملازمہ شمو نے پوچھا۔

''حوریہ آ رہی ہے۔ شام چھے بجے کی فلائٹ ہے۔'' بیگم شائستہ نے خوش ہوتے ہوئے بتایا۔

''اچھا جی! یہ تو بہت خوشی کی بات ہے۔'' شمو نے بھی بھرپور خوشی کا اظہار کیا۔ گڑیا چپ چاپ ان دونوں کا منہ دیکھ رہی تھی۔

''تم دونوں جلدی جلدی کمرا صاف کرو۔ میں شکور کے ہمراہ بازار جا رہی ہوں کچھ ضروری چیزیں لینی ہیں اور پھر رات کے کھانے کا بھی اعلیٰ انتظام کرنا ہے۔'' بیگم شائستہ کہتی ہوئیں پرس اٹھا کر باہر نکل گئیں اور وہ دونوں اوپر سیڑھیاں چڑھ کر کمرا صاف کرنے آ گئیں۔

''حوریہ کون ہے؟'' اس نے شمو سے پوچھا۔

''بیگم صاحبہ کی بھتیجی ہے۔ پچھلے سال بیگم صاحبہ کے بھائی بھابی کا لندن میں ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ وہ دونوں بے چارے مارے گئے۔ کلی حوریہ بی بی رہ گئیں۔ بیگم صاحبہ لندن گئی تھیں۔ اس وقت حوریہ بی بی کی تعلیم رہتی تھی۔ اب شاید پڑھ کے آ رہی ہیں۔'' شمو کی زبان کسی کمپیوٹر کی طرح چلتی چلی گئی۔

''اس کا کوئی اور بہن بھائی نہیں ہے؟'' وہ بہت افسردگی سے بولی۔

''نہیں کوئی نہیں ہے اور تو اور بیگم صاحبہ کا بھی کلا وہ بھائی ہی تھا اب کوئی نہیں اور دو گھروں میں صرف حوریہ بی بی ہی ہیں۔'' شمو نے طویل دکھ بھری آہ کھینچی۔

''دو گھروں میں؟'' اس نے حیرت سے دیکھا۔

''ہاں..... اس گھر میں بھی کوئی بچہ نہیں ہوا۔ اسی لئے تو حوریہ بی بی سے ڈاکٹر صاحب اور بیگم صاحبہ بہت محبت کرتے ہیں۔'' شمو نے کہا۔

''ہائے بے چارے ڈاکٹر صاحب۔'' گڑیا دکھ سے بولی۔

''اے، چل جلدی جلدی کام ختم کر ورنہ بیگم صاحبہ کا غصہ بھی بہت برا ہے۔'' شمو نے جلدی سے

زبان روک کر تیزی سے ہاتھ چلائے۔

کچھ دیر کے بعد کمر اشیشے کی طرح چمک اٹھا، گڑیا کی آنکھیں مسکرانے لگیں۔ ایک سے بڑھ کر ایک آرائشی اشیاء پکار پکار کر دعوت نظارہ دے رہی تھیں۔ وہ ہمیشہ کی طرح کھو گئی۔

''گڑیا! کیا ہوا؟'' شمو نے ٹہوکا دیا۔ وہ چونکی۔

''کچھ نہیں بس میں دیکھ رہی تھی کہ کتنی خوب صورت چیزیں ہیں۔''

''ہاں بہت مہنگی ہیں۔'' شمو نے اپنی دانست میں اسے بتایا۔

''شاید انسانوں سے بھی زیادہ مہنگی۔'' اس کی پلکیں بھیگ گئیں۔ شمو تعجب سے اسے دیکھنے لگی۔

''تجھے کیا ہوا ہے؟''

''شمو! تُو اور میں ایسے کمروں میں کیوں رہتے ہیں؟'' وہ بھولپن سے بولی۔

''ارے، توبہ کر، ہم گریب تو ان کمروں کو چمکانے کے واسطے پیدا ہوئے ہیں۔'' شمو نے کام ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔

''تو بھی..... تو بھی غریبوں جیسی باتیں کرتی ہے۔'' گڑیا نے بڑی افسردگی سے اس کی طرف دیکھا۔

''تو کیا بیگم صاحبہ جیسی باتیں کروں..... حوریہ بی بی جیسی باتیں کروں جو میری اوخات ہے تو بولوں گی۔'' شمو کو ہنسی آ گئی۔

''اچھا، چل کام تو ختم ہو گیا نیچے چلیں۔'' گڑیا بے دلی سے بولی اور دونوں کمرا بند کر کے چلی گئیں۔

○❖○

''گڑیا! یہ کپڑے تمہارے لئے ہیں۔ حوریہ کو صاف ستھرے ملازم اچھے لگتے ہیں۔ اپنی صفائی کپڑوں کی صفائی کا بہت خیال رکھنا، جاؤ جا کر جلدی سے نہا دھو کر یہ کپڑے تبدیل کرو۔'' بیگم شائستہ نے کپڑوں کا بڑا سا تھیلا اسے پکڑا دیا۔

''یہ سارے کپڑے میرے ہیں؟'' وہ حیرت سے بولی۔

''ہاں، جاؤ اب زیادہ وقت نہیں ہے چار تو بج رہے ہیں۔'' بیگم شائستہ نے جواب دیا۔ وہ جانے کو پلٹی ہی تھیں کہ انہوں نے فوراً آواز دی۔

''ہاں سنو، حوریہ کو ہر کام وقت پر کروانے کی عادت ہے۔ باہر پلی بڑھی ہے لہٰذا اس لئے کچھ وقت کے حساب سے پسند کرتی ہے۔''

''جی بہتر، آپ فکر ہی نہ کریں۔''

''ہاں، شمو کو میرے پاس بھیجو۔ خانساماں کو بھیجو۔'' انہوں نے کہا اور وہ پہلے کچن کی طرف خانساماں کو بیگم شائستہ کا پیغام دیا۔ شمو کو پیغام دیا اور خود کوارٹر میں آ گئی۔ جلدی سے کپڑوں کا تھیلا

دل لگایا تھا دل لگی کے لئے
بن گیا روگ زندگی کے لئے

وہ اس گیت کے سوز میں اپنے درد کا گیت گنگنانے لگا۔ اندر کی آوازیں سرگوشی کرنے لگیں۔

غم ہے یا خوشی ہے تُو، میری زندگی ہے تُو

وہ مدہوش اپنے احساسات کی لذت میں کھویا رہا..... کھویا رہا کہ سفر ختم ہو گیا۔ بس کے جھٹکے سے رکنے پر وہ چونکا سب سواریوں کے ہمراہ اترا اور رکشے کو ڈاکٹر سلمان کا پتا بتا کر رکشے میں بیٹھ گیا۔

○❖○

سردی کی شدت سے ہر چیز برف کی طرح یخ ہو چکی تھی۔ آسمان سے زمین تک دھند ہی دھند تھی۔ رکشے سے اتر کر گیٹ پر لگی گھنٹی کا بٹن دبایا تو کچھ دیر بعد چوکیدار نے سوال جواب کرنے کے بعد گیٹ کھولا۔ وہ کانپتا ہوا سیدھا اپنے کوارٹر کی طرف لپکا۔ دروازہ کھولا لائٹ آن کی تو کوارٹر کا نقشہ ہی بدلا ہوا تھا۔ حیرت سے آنکھیں مل کر غور سے دیکھا..... واقعی کوارٹر کمرے کی شکل میں تھا۔ پلنگ کی جگہ سنگل بیڈ، خوب صورت کرسی، میز، آرائشی ساز و سامان، کپڑوں کی الماری، وہ حیران تھا کہ شاید کسی اور کے کمرے میں آ گیا ہے یا پھر یہ کوارٹر اب کسی اور کو دے دیا گیا ہے۔ باہر نکل آیا۔ رات کا ایک بج رہا تھا سب سو چکے تھے کس سے پوچھتا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟

پھر اس کے ذہن میں آیا کہ پورچ میں رات بسر کر لی جائے۔ یہ سوچ کر چادر لی، تکیہ اٹھایا اور پورچ میں آ گیا۔ سردی سے دانت بج رہے تھے۔ ٹھنڈے فرش پر ٹانگیں سکیڑ کر بھی سردی میں کمی نہیں ہو رہی تھی۔ آنکھیں موند کر زبردستی سونے کی کوشش کر دی مگر دانت بے اختیار بج رہے تھے۔ اپنی بے بسی اور بے چارگی پر دل ہی دل میں افسوس ہو رہا تھا۔ جسم پوری شدت سے کانپ رہا تھا۔ ایک دم جیسے پورا وجود ساکت ہو گیا۔ سرد جسم میں برقی رو دوڑ گئی۔ اچھل کر اندھیرے میں پشت سے لگی دیوار سے ٹکرایا اور کسی نرم سے احساس نے گویا حصار میں لے لیا۔ وہ بری طرح بوکھلا کر آزاد ہوا اور پھر اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔

''شی..... شور نہ مچانا میں ہوں، حوریہ۔'' اندھیرے میں ہی کسی نے اس کے لبوں پر انگلی رکھی اور پیار سے شانہ دبایا۔ اس نے بے زاری سے جھٹکا۔

''حوریہ بی بی! آپ کو یہاں اور اس طرح دیکھ کر حیرت ہو رہی ہے۔'' وہ کہہ کر تیزی سے پورچ سے باہر نکل کر چل دیا۔

''کیوں..... کیوں میں نے ایسا کیا خاص کیا ہے؟'' وہ بھی گاؤن میں تقریباً بھاگتی ہوئی اس کے پیچھے پیچھے چل کر کوارٹر تک پہنچ گئی۔

''میرے لئے بہت خاص ہے جی یہ حرکت۔'' وہ تیکھے انداز میں کوارٹر سے باہر رک کر بولا۔

''تو اچھی بات ہے۔ تمہیں خاص آدمی سمجھ کر خاص حرکت کی ہے۔'' اس نے گہری بڑی بڑی

آنکھوں سے خمار چھلکایا۔

''حوریہ بی بی! آپ نہ جانے کیا کر رہی ہیں۔ بہرحال میرا کوارٹر کون سا ہے؟'' کرم دا
بات نظر انداز کی۔

''یہی، یہی ہے جس کے باہر تم کھڑے ہو۔'' وہ مسکرائی۔

''مگر یہ اس میں یہ سب کچھ کس لئے؟'' وہ حیرت سے بولا۔

''یہ سب ہمارے لئے ہے۔ ہماری پسند سے ہے۔'' وہ شان بے نیازی سے اندر داخل ہو

''حوریہ بی بی! میں چلتا ہوں آپ شاید......''

''ارے نہیں بابا۔ میرا مطلب ہے یہ تمہارے لئے سجایا گیا ہے۔ آؤ۔'' اس نے بڑی بے
سے اس کا ہاتھ پکڑا اور اندر کھینچا۔

''مہربانی اب۔'' کرم داد نے مجبوری کے عالم میں کہا اور نظریں چرانے لگا۔

''اوکے تم آرام کرو۔ صبح ملیں گے۔'' وہ پلٹی۔

''حوریہ بی بی! اپنے اور میرے مقام کے بارے میں ضرور سوچئے گا۔'' کرم داد نے طنزیہ کہا

''میں تمہاری واپسی کی منتظر تھی۔ تھینک گاڈ تم آ گئے۔'' وہ پھر بے باکی سے بولی۔ کرم داد کو غصہ آ

''حوریہ بی بی! میں آپ کا نوکر ہوں۔ مطلب سمجھتی ہیں آپ؟''

''خدا حافظ۔'' وہ بغیر برا مانے کہہ کر باہر نکل گئی۔ کرم داد کو یہ بات کسی ذہنی صدمے سے کم
رہی تھی۔ ورطہ حیرت میں ڈوبے ڈوبے دروازہ بند کیا اور بتی بجھا کر لیٹ گیا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ
کہ ابھی چند لمحے پہلے کیا تھا، اور اس سے کچھ وقت پہلے کیا تھا، اس واقعے سے تو زندگی بھر کی
مل سکتی تھی۔ کس جرأت اور بے باکی سے اس لڑکی نے کچھ نہ کہتے ہوئے بھی بہت کچھ کہہ ڈالا۔
میرے خدایا...... یہ حوریہ...... حوریہ بی بی......'' وہ لمبی سانس بھر کے بڑبڑایا۔

پھر ساری رات وہ جاگتی سوتی آنکھوں سے اس پریشان کیفیت کے خوفناک منظر کو دیکھتا رہا۔

''ڈاکٹر صاحب! آپ وقت بے وقت ٹیلی فون پر مصروف نہ رہا کریں۔'' بیگم شائستہ نے
سے کہا۔ دراصل پچھلے آدھے گھنٹے سے وہ فون پر دوست سے باتوں میں مصروف تھے۔

''اچھا، پھر آج رات کا کھانا ہمارے ساتھ ہے۔ برخوردار رضا علی کو ضرور ساتھ لانا۔'' ڈاکٹر سلمان
نے فون پر اپنے عزیز دوست گلریز خان سے کہا۔

''توبہ ہے۔'' بیگم شائستہ نے آگ بگولہ ہو کر اپنے لئے چائے بنائی۔

''بھئی یہ حوریہ ناشتے کے لئے نہیں آئی۔'' ڈاکٹر سلمان نے پوچھا۔

''ایک تو نئی نسل کا یہ المیہ سب سے بڑا ہے کہ جسے مذہب اور سائنس دونوں درست بتائیں
لوگ کبھی اس پر عمل نہیں کرتے۔'' ڈاکٹر سلمان نے سلائس پر جام لگاتے ہوئے کہا۔

''یہاں یہ دونوں باتیں کہاں سے آ گئیں۔''

''بیگم صاحبہ! کاش آپ کچھ پڑھ بھی لیتیں۔'' ڈاکٹر سلمان شرارت سے بولے۔

''میری پڑھائی سے آپ کو کیا فرق پڑتا ہے؟'' وہ جھلا گئیں۔

''آہستہ آہستہ بیگم سلمان، فرق پڑتا ہے۔ اب دیکھو نا کہ میں نے حوریہ بیٹی کے دیر تک سونے کی
بات کی ہے۔ یہ عادت بہت منفی اثرات رکھتی ہے۔''

''چلیں چھوڑیں اس قصے کو۔''

''یہ آپ کس کو کھانے پر بلا رہے تھے؟''

''اپنے جگری دوست گلریز خان کو۔''

''کس خوشی میں؟'' بیگم شائستہ کی پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئیں۔

''حوریہ کے لئے۔''

''کیا...... کیا مطلب؟''

''بھئی وہ اپنے بیٹے رضا علی کے لئے رشتے کی تلاش کا کہہ رہا تھا۔ میرے ذہن میں فوراً حوریہ کا
خیال آیا۔ اب گلریز کی دولت اور جائداد کا تو تمہیں اندازہ ہے ہی پھر رضا علی بھی خوبصورت قابل
پڑھا لکھا نوجوان ہے۔ باہر سے پڑھ کر آیا ہے۔'' ڈاکٹر سلمان نے بتایا۔

''واہ...... کبھی کبھی تو آپ عقل مندی کا ثبوت دیتے ہیں۔'' بیگم شائستہ کی باچھیں کھل اٹھیں۔

''جناب! ہم تو ہمیشہ ہی عقل مندی کی باتیں کرتے ہیں آپ کو کم سمجھ آتا ہے۔'' ڈاکٹر سلمان نے
شوخی سے کہا۔

''ہاں...... بہت زبردست۔'' ڈاکٹر سلمان نے ناشتا ختم کیا۔

''مگر حوریہ پسند کرے گی؟'' بیگم شائستہ سوچ میں پڑ گئیں۔

''بھئی اوپن چوائس ہے۔ کرے یا نہ کرے۔ ایک دفعہ ملنے تو دو۔'' ڈاکٹر سلمان نے جواب دیا۔

''اسے تو آج آپ کے ساتھ کلینک بھی جانا تھا۔'' بیگم شائستہ بولیں۔

''نہیں اس نے پروگرام مجھے دے دیا ہے۔'' ڈاکٹر سلمان اٹھتے ہوئے بولے۔

''کیسا پروگرام؟''

''یہی کہ وہ کرم داد کے ہمراہ بعد میں آیا کرے گی۔'' ڈاکٹر سلمان بتا کر اپنے کمرے کی طرف
چلے گئے اور بیگم شائستہ نے اسی لمحے ٹی وی لاؤنج میں داخل ہوتے کرم داد سے کہا۔

''کرم داد! حوریہ بی بی کو جگاؤ اور کہو کہ اٹھے، بہت دیر ہو گئی ہے۔''

''ہاں...... جلدی کرو۔'' بیگم شائستہ کے تو ابھی سے ہاتھ پاؤں پھولے ہوئے تھے۔ کرم داد
تذبذب کے عالم میں سیڑھیاں چڑھ کر اس کے کمرے کے باہر پہنچا۔ دل نہیں چاہ رہا تھا کہ دستک
دے۔ کیونکہ رات کے آخری پہر کا قصہ ابھی تازہ تھا۔ اس نے فیصلہ کیا تھا کہ ہر ممکن دور رہے گا اگر
حوریہ بی بی کی بے باکی نے لگام نہ پکڑی تو نوکری چھوڑ دے گا۔ ویسے بھی اب یہاں رہا ہی کیا تھا۔

جس کی سنگت میں یہاں آیا تھا۔ جس کے لئے یہ زندگی قبول کی تھی وہ تو دور ہو گئی تھی۔ دل اح
احساس پر صرف دھڑکتا تھا...... تڑپتا تھا۔

''ارے کرم داد! آؤ، باہر کیوں کھڑے ہو؟'' وہ اپنی دنیا میں مگن تھا کہ کھٹ سے دروازہ کھ
اسی سونے والے لباس میں وہ اس کے روبرو تھی۔ باریک فرل کے نیچے جھانکتے ہوئے مرمری
کی جھلک اٹھلا کر دکھاتے ہوئے ادا سے بولی۔ کافی لمبے اور نمایاں گلے سے بہت کچھ نظروں کو
میں جانے پر مجبور کر رہا تھا۔

''کم آن، کرم داد! اندر تو آؤ۔'' وہ پھر اسی جرأت سے ہاتھ پکڑ کر کمرے میں لے گئی۔ اس
بڑی سختی سے ہاتھ چھڑایا۔

''حوریہ بی بی! مجھے آپ کی یہ بے تکلفی پسند نہیں۔'' وہ برہمی سے بولا۔

''مگر مجھے تو تمہاری یہ مردانہ ادا پسند ہے۔'' اس نے تراشیدہ بالوں میں انگلیاں پھیریں۔

''آپ جلدی تیار ہو کر آجائیں۔'' وہ بے زاری سے کہہ کر پلٹنے کو تھا کہ وہ بولی۔

''اوں ہنہ، تم میری تیاری میں مدد کرو۔''

''کیا...... میں، کیسی مدد......؟'' وہ حیرت زدہ سا بولا۔

''بھئی اتنی سادگی بھی ٹھیک نہیں۔''

''آپ مجھے غلط سمجھ رہی ہیں۔ میں ایسی حرکتیں پسند نہیں کرتا۔ زیادہ ہی ہے تو ڈاکٹر صاحب
حساب کر لیتا ہوں۔'' وہ سختی سے بولا۔

''ارے کیسی باتیں کرتے ہو۔ انہیں معلوم ہے کہ تم اب صرف میرے ملازم ہو۔''

''مجھے ملازمت کی ضرورت نہیں۔ جس کے لئے کی تھی وہ جا چکی ہے۔''

''کون...... وہ گڑیا...... وہ کون تھی تمہاری؟'' اس نے خاصا بگڑ کر پوچھا۔

''وہی تو تھی سب کچھ۔ اب یہاں کیا ہے؟'' کرم داد کا لہجہ ایک دم غمگین ہو گیا۔

''بہت غم ہو رہا ہے تمہیں اس کے جانے کا۔''

''آپ اس بحث میں کیوں پڑ رہی ہیں؟'' اس نے ناگواری سے کہا اور کمرے سے باہر نکل

''ہاں کیا کہا حوریہ نے؟'' تیار ہو کر گاڑی کی چابی اٹھاتے ہوئے ڈاکٹر سلمان کی اس پر نظر
تو پوچھا۔

''اچھا...... تم آج سے ان کے ساتھ رہو گے۔ بیگم صاحبہ والی گاڑی استعمال کرنی ہے۔'' انہ
نے احکامات دیئے۔ اس کا کوئی بھی جواب سنے بغیر وہ باہر نکل گئے اور وہ شدید پریشانی کے
میں ٹی وی لاؤنج کی چھت گھورنے لگا۔

○❖○

جینز اور جیکٹ میں آنکھوں پر سیاہ چشمہ لگائے، معطر خوشبو میں نہائے وہ جونہی اس کے ساتھ گاڑی کی اگلی سیٹ پر بیٹھی تو اسے پھر شدید حیرت ہوئی، حیرت اس لباس اور ادا پر نہیں تھی، یہ تو وہ بھی جانتا تھا کہ مغرب کی پروردہ ایسے ہی لباس زیب تن کر سکتی ہے۔ اداؤں کی بے باکی اور دلفریبی ظاہر کرتی تھی کہ وہ بڑے آزاد گھرانے سے تعلق رکھتی ہے۔ اسے تو حیرت اپنے ہمراہ اگلی سیٹ پر بیٹھنے پر تھی، اسے اس طرح تعجب سے دیکھتا پا کر اس نے عینک آنکھوں سے ذرا نیچے ناک پر اتاری اور دلکشی سے مسکرائی۔

''کیوں ہو گئے نہ دیوانے؟''

''جی......'' حیرت سے وہ جی کو لمبا کھینچ گیا۔

''کرم داد! میرا حسن دیکھ کر تو گورے پاگل ہو جاتے تھے۔ تم تو پھر ان سے کم ہو۔'' اس نے شان تفاخر سے کہا۔

''معاف کرنا جی! میں ایسا کیوں سوچوں گا۔ آپ کو کوئی بڑی غلط فہمی ہوئی ہے۔'' اس نے طنزیہ نگاہ ڈالی۔

''کرم داد! گورے، کالے سب وہیں رہ گئے، جو یہاں بات ہے وہ محسوس کر کے تو میں پاگل ہو گئی ہوں۔'' اس نے اپنی بات اسی ترنگ میں جاری رکھی، کرم داد نے جواب دینا مناسب نہیں سمجھا۔ خوشی سے گاڑی اسٹارٹ کی اور اس کی ہر بات سے لاتعلق ہو گیا...... اسے گڑیا کا وہ جملہ یاد آ گیا، جب اس نے کالے کرتے سے جھانکتے سفید اجالوں کو دیوانگی سے گھورا تھا تو وہ بے پروائی سے اپنے بال سنوارنے میں مصروف رہی، اس کے چہرے پر معصومیت کا روپ تھا، جب اس پر نظر پڑی تو حیرت سے بولی تھی۔

''تجھے کیا ہوا؟''

''دیوانہ ہو گیا ہوں۔'' اس نے کھوئے کھوئے بتایا۔

''اچھا، ہا، ہا، پھر تو تجھے پاگل خانے بھجوانا ہو گا۔'' وہ خوب ہنسی۔

''ٹھیک ہے، شرط یہ ہے کہ تو بھی میرے ساتھ رہے گی۔''

''ارے واہ! میں اتنی بھی پاگل نہیں، تیرے سنگ رہ کر مرنا ہے کیا؟'' وہ اترا کر بھولپن سے بولی۔

''کیوں کیا کمی ہے مجھ میں......؟''

''سیدھی سی بات ہے مجھے تیرے جیسے غریب لوگ اچھے نہیں لگتے۔'' وہ صاف گوئی سے
دوپٹہ سنبھالتی ہوئی کوارٹر سے باہر نکل گئی۔

''تجھ میں اور ان میں بھی بڑا فرق ہے۔ تیری نظر میں تو اس غربت کی کوئی عزت ہی نہیں
جانے کیوں جوتوں کی خاک سر پر اٹھانا چاہتی ہے۔'' وہ بڑبڑایا۔

''ارے کرم داد! کہاں جارہے ہو؟'' حوریہ نے زور سے کہا تو وہ چونکا۔ واقعی کلینک سے
دور نکل آئے تھے۔

اس نے واپس گاڑی موڑی اور پھر بڑی احتیاط سے کلینک کے سامنے گاڑی روک کر اسے
کا اشارہ کیا۔ وہ اتر کر کلینک کے اندر داخل ہوگئی اور وہ پھر اپنی الجھن اور پریشانی میں کھو گیا۔
منزلوں کا پتہ معلوم نہ ہو، راستے انجانے ہوں تو آدمی کیسے خوش اور مطمئن رہ سکتا ہے، وہ تو
محروم اور تنہا تھا۔ کوئی منزل تھی نہ مستقبل، زندگی کے جتنے موڑ بھی سامنے آئے، ایک نیا راستہ ہی
ملا۔ بھری دنیا میں کوئی بھی ایسا نہیں تھا جس کو وہ اپنا کہتا۔ ایک گڑیا ہی اپنی اپنی دکھائی دی تھی مگر
پرائی ہوگئی۔ یہ اس نے کبھی نہیں سوچا تھا..... دروازے تک جانا تو یاد تھا باقی کچھ یاد رکھنا وہ نہیں
تھا۔ اس پذیرائی کے بعد وہ خود کو بہلانا چاہتا تھا، اسے بھولنا چاہتا تھا۔ اسی لئے الٹے قدموں لو
تھا تاکہ گزرے ہوئے لمحوں کا عذاب کم سے کم سہنا پڑے۔ مگر نجانے کیوں کل سے اب تک وہ
یاد کر رہا تھا، بلکہ حوریہ کی ہر حرکت کے بعد وہ اپنے سادہ سے جلووں سمیت اس کی نظروں کے سا
کھڑی ہو رہی تھی..... حالانکہ ابھی کل ہی کی تو بات تھی..... وہ کچھ دیر اور اس کے سپنوں میں کھو
اگر ڈسپنسر اسے دواؤں کی ایک لسٹ اور پیسے تھما کر مارکیٹ جانے کو نہ کہتا۔ وہ خاموشی سے گاڑی
بیٹھ گیا۔

سارا دن اسی طرح کے کاموں میں بسر ہوگیا۔ شام کو جب وہ حوریہ کو لئے کوٹھی پر پہنچا تو
موڈ سخت خراب تھا، وہ پاؤں پٹختی ہوئی گاڑی سے اتر کر اندر چل دی۔ اس نے کوئی پراہ نہیں کی
شائستہ کو مہمانوں کے ڈنر کی فکر تھی، انہوں نے سامان کی لسٹ تھما دی اور فوراً سب کچھ لانے کو کہا
مارکیٹ سے واپسی پر اسے کچھ دیر ہوگئی۔ سامان کچن میں رکھا ہی تھا کہ شہ نے آکر کہا، حوریہ
ناراض ہو رہی ہیں، تمہیں فوراً کمرے میں بلایا..... اسے سن کر غصہ تو بہت آیا مگر بیگم شائستہ کی وجہ
خاموش ہو کر اس کے کمرے کی طرف چل دیا..... دروازے پر دستک دی۔

''کرم داد! آجاؤ.....'' آواز آئی۔ وہ کمرے میں داخل ہوگیا۔ وہ ہیٹر کے قریب بیٹھی
فروٹ کھا رہی تھی۔

''اتنی دیر کہاں لگائی، جانتے ہو کہ تم صرف میرے ملازم ہو۔'' انتہائی کھردرے انداز میں
سے کہا تو وہ بھی بپھر گیا۔

''میم صاحب! میں کسی کی جاگیر نہیں، ملازم ہوں ڈاکٹر سلمان کا، کسی کا نہیں۔''

''بہت خوب! ہمیں یہ ہی انداز تو تمہارا اچھا لگتا ہے۔'' وہ ادائے دلربائی سے بولی۔

''آئندہ آپ میرے لئے یہ الفاظ استعمال نہ کرنا۔''

''لیکن تم اس بات کا خیال ضرور رکھنا کہ ہمارے ساتھ ساتھ رہو۔'' وہ مسکرائی۔

''کیسے ممکن ہے..... آپ کیسی باتیں کرتی ہیں؟'' وہ جھنجلا کر بولا۔

''ممکن ہے کرم داد! دیکھو آج رات کے ڈنر پر تم ہماری پسند کا لباس پہننا۔''

یہ اٹھ کر بالکل اس کے قریب آتے ہوئے بولی، سانسوں کی گرمی اچھی طرح کرم داد کے چہرے
کو چھو رہی تھی، وہ دو قدم پیچھے ہوگیا۔

''آپ میرے لئے تو یہ تکلف نہ کریں۔ میں آدمی ہوں الٹے دماغ کا۔'' وہ کرختگی سے بولا۔ اس
کے چہرے کا رنگ ایک دم کچھ بدلا مگر فوراً مسکرا کر ٹال گئی۔

''اچھا میرے لباس کا انتخاب تو کرو گے۔''

''او، حوریہ بی بی! آپ کا دماغ چل گیا ہے کیا؟'' اس نے بے بسی سے سر پیٹ لیا۔

''ایسا ہی سمجھ لو۔'' اس نے کہا۔

''کوئی کام ہے تو بولیں ورنہ میں چلتا ہوں۔''

''کیا تم میرے پاس بیٹھ کر باتیں بھی نہیں کر سکتے؟''

''دیکھیں حوریہ بی بی! ملازم، ملازم کے مقام پر ہی اچھا لگتا ہے، میں بھلا آپ سے کیا بات
کروں؟'' اس نے بڑی نرمی سے سمجھایا۔

''اچھی اور سادی باتیں، یہ بتاؤ گڑیا میں کیا خوبی تھی؟'' اس نے اسے ہاتھ پکڑ کر فرش پر ہیٹر کے
قریب بٹھا لیا اور کہا۔

''اب کیا بتاؤں آپ کو، اس میں کون کون سی خوبی تھی، سوائے ایک کے خوبیاں ہی خوبیاں
تھیں۔'' اس نے افسردگی سے جواب دیا۔

''کیا تم اس سے محبت کرتے ہو؟'' اس نے کریدا۔

''پتہ نہیں.....''

''کہانی کیا تھی.....؟''

''خواب دیکھتی ہے صرف خواب۔'' اس نے دھیرے سے جواب دیا۔

''کیسے خواب؟''

''آپ کی دنیا کے خواب۔''

''خوبیاں کون سی تھیں؟''

''آپ کو اس کی خوبیوں کی سمجھ نہیں آئے گی۔'' اس نے لمبی سانس بھری۔

''حوریہ..... حوریہ! ابھی تم تیار نہیں ہوئی۔ دیکھو سات بج رہے ہیں۔'' بیگم شائستہ آندھی طوفان

کی طرح کمرے میں داخل ہوئیں۔

"او، ابھی بیس منٹ میں تیار ہوتی ہوں۔" وہ جلدی سے کھڑی ہوگئی۔

"بس جلدی کرو۔" وہ کہہ کر چلی گئیں۔

"کرم داد! جانا نہیں ہے میں نہا کر ابھی آتی ہوں۔" وہ بھی اسے حکم دے کر غسل خانے میں گھس گئی.....اور کرم داد اپنے دل و دماغ میں گڑیا کی خوبیاں اکٹھی کرنے لگا۔

○❖○

گلریز! ہماری بیٹی حوریہ سے ملو اور پھر سوچو کہ تمہاری قریب کی نظر ٹھیک ہے یا خراب۔"

ڈاکٹر سلمان نے گلریز صاحب اور ان کے جوان خوبرو بیٹے کی توجہ کمرے میں داخل ہوتی حوریہ کی طرف کرائی۔ وہ ہوشربا، نازک، اداواقعی ان باپ بیٹے کو ٹھٹکا گئی.....اسکرٹ پر ٹائٹ کے ساتھ فرل کا اسکارف لہراتی ہوئی وہ ان کے قریب پہنچ کر مسکرائی۔

"ہیلو انکل!"

"ہیلو بیٹا!" گلریز صاحب حسب پسند لڑکی کو قریب سے دیکھ کر نہال ہو رہے تھے۔

"ہائے۔" اس نے رضا علی کی آنکھوں کا طلسم توڑا.....وہ اس کے دلفریب حسن کے طلسم میں تھا۔ نہ پکارتی تو جانے کتنی دیر اسی طرح نظریں جمائے کھڑا رہتا۔

"آپ بیٹھئے۔" وہ کمال ہوشیاری سے بولی اور ڈاکٹر سلمان کے دائیں طرف بیٹھ گئی۔

"یار سلمان! تو نے تو میری مشکل حل کر دی، رضا علی آج سے تمہارا....." گلریز صاحب نے سے کہا۔

"او، یار ایسی بھی کیا جلدی ہے؟" ڈاکٹر سلمان نے دانستہ کہا۔

"دیکھ نہیں رہے ہمارا بیٹا پیدل ہو گیا ہے۔ پہلی نظر کا جادو چڑھ گیا ہے۔" گلریز صاحب کے بزلہ سنج تھے، ہنس کر بولے۔ ڈاکٹر سلمان کا قہقہہ بھی ان کے ساتھ شامل ہو گیا۔ جب کہ حوریہ بات کچھ پسند نہیں آئی۔

"ایکسیوز می۔ میری طبیعت خراب ہو رہی ہے۔" اس نے معذرت کی۔ سب حیرت چونکے۔

"ہیں.....کیا ہوا؟" بیگم شائستہ بولیں۔

"ارے بیٹا! ابھی تو کوئی گپ شپ ہی نہیں ہوئی۔" گلریز صاحب بولے۔

"جی پھر کبھی سہی۔" اس نے رضا علی کو گھورتے ہوئے کہا۔

"اور کھانا بھی....."

"انکل کہانا کہ طبیعت خراب ہے۔" وہ بیزار ہو گئی۔

"تو کوئی دوا....."

"جی میں لے لوں گی۔" اس نے کہا اور سب کو حیران و پریشان چھوڑ کر کھٹ کھٹ کرتی سیڑھیاں طے کر کے اپنے کمرے میں پہنچ گئی۔

"ہنہ، سارا موڈ غارت کر دیا۔" جھنجلا کر اسکارف بستر پر پھینکا اور پھر شمو کو آواز دے کر کہا کہ کرم داد کو بھیجو۔ کرم داد کے آنے کے احساس سے ہی وہ موم کی طرح پگھلنے لگی۔ پورے وجود کا اعصابی نظام اپنی اپنی جگہ پر آ گیا۔ چند لمحوں کا تناؤ اور بیزاری غائب ہو گئی.....وہ جس سحر سے کسی کو آزاد کر کے آئی تھی، اب خود اس سحر میں گرفتار تھی۔ نجانے کیا کچھ نظر آتا تھا کرم داد میں، جب کہ علی رضا سے کرم داد کا کوئی مقابلہ نہیں۔" وہ تو بنا پوچھے مجھ میں سما گیا ہے۔" وہ تصور میں لجا کر بولی۔

"ٹک، ٹک۔" دروازے پر دستک پر وہ کھل اٹھی۔

"آؤ، کرم داد! انتظار نہ کرایا کرو۔"

"جی آپ نے....."

"کرم داد! ہمارا بس چلے تو تمہیں کہیں جانے ہی نہ دیں۔" وہ محبت سے چور لہجے میں بولی۔

"میں چلتا ہوں۔" کرم داد نے اسی میں عافیت سمجھی۔

"میری بات سنے بغیر۔" وہ غصے میں آ گئی۔

"آپ کی باتیں میرے لئے مشکل ہیں۔"

"میں آسان بنا دیتی ہوں۔"

"حوریہ بی بی! میں غریب ہوں، نادان نہیں۔"

"اچھا چھوڑو، بیٹھو۔" وہ پھر بات ٹال گئی۔

"آپ کام بتائیں۔" کرم داد پر اس کے سامنے ایک ایک لمحہ بھاری ہوتا تھا۔

"کچھ بتاؤ اپنے بارے میں، کچھ پوچھو میرے بارے میں۔" وہ کھوئی کھوئی سی بولی۔

"آپ کے اور میرے بیچ اس بے تکلفی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" وہ کرختگی سے بولا۔

"اور گڑیا کے تمہارے بیچ کیا ہے؟" وہ طنزیہ بولی۔

"آگ اور پانی کا کھیل۔"

"کیا اس سے.....؟"

"ٹھک، ٹھک....." دروازے کی دستک نے اس کا سوال ادھورا چھڑوا دیا۔

"کون؟"

"رضا علی۔" آواز آئی۔

"کم ان۔" کہتے ہی وہ بجلی کی سی پھرتی کے ساتھ کرم داد کے بازوؤں میں جھول گئی۔ کرم داد کے دروازے سے اندر داخل ہونے والے رضا علی کو دیکھ کر اوسان خطا ہو گئے۔ کرم داد کے اندر کا بانمیر انسان جیسے پسلیوں کے بیچ پھڑ پھڑانے لگا۔ پوری قوت سے اسے پرے دھکیل کر وہ ندامت

سے لمبے لمبے سانس لینے لگا اور علی رضا ڈر کر گری ہوئی حوریہ کے قریب پہنچا۔

"او، ڈارلنگ طبیعت زیادہ خراب ہے کیا؟" وہ اس کے چہرے پر بکھرے بال سنوارنے لگا۔

"ہاں....." وہ مکاری سے مسکرائی۔ کرم داد پھنکارتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

"یہ کون ہے حوریہ جی....."

"یہ میری شکست ہے۔" وہ ایک جھٹکے سے اٹھی۔

"میں دراصل سمجھا....." رضا علی نے صفائی دینی چاہی۔

"آپ کچھ بھی نہیں سمجھے۔ خیر میں آرام کرنا چاہتی ہوں۔" وہ پوری طرح آنکھوں میں لاتے ہوئے بولی۔

"او کے، مگر ایک شرط پر۔"

"وہ کیا؟"

"دوستی پکی.....؟"

"میں اتنی جلدی دوستی نہیں کرتی۔" وہ سادگی سے کہہ کر باتھ روم میں گھس گئی اور رضا علی اس قزح جیسی لڑکی کی اس ادا پر بھی دل جان سے فدا ہو گیا..... پھر مسکرا کر کمرے سے باہر آ گیا۔

○❖○

کرم داد یہ تیرے جیسے کھرے انسان کے لئے بہت بڑا گناہ ہے۔ مالکان کی عزت تو تجھے سے زیادہ پیاری ہوتی ہے، تو نے ہر پل، ہر لمحہ دیانت داری کے ساتھ اپنے مالکوں کی خدمت کی، یہ اس گھر کی بے وقوف لڑکی تو تجھے کسی بڑی مصیبت میں مبتلا کر دے گی۔ کتنی بے باک اور بے لڑکی ہے، اس طرح بغیر کسی تعلق اور رشتے کے کتنی آسانی کے ساتھ ان بازوؤں میں سما گئی..... کرم نے غصے سے بڑبڑاتے ہوئے اپنے بازوؤں کی طرف دیکھا۔ پچھلے گھنٹے بھر سے وہ اس کرب فضا میں بے چینی سے ٹہل رہا تھا، سر سے پاؤں تک پسینہ ہی پسینہ تھا، یہ وہ مقام تھا جب مرد ہو کر وہی شرمندہ ہو رہا تھا اور وہ لڑکی ہو کر بھی اتنی نڈر اور بے اثر تھی..... یہ وہ معاشرتی فرق تھا جو کرم سمجھ سے باہر تھا، نہ اس نے اپنے معاشرے سے ہٹ کر کوئی معاشرہ دیکھا تھا اور نہ اپنی تہذیب سے نظر چرا کر غیروں کی تہذیب کی نقالی کی تھی، وہ تو سیدھا سادا کھرا انسان تھا۔ اسے کیا معلوم حوریہ جیسی لڑکیوں کا کیا المیہ ہوتا ہے۔ وہ بنیادی طور پر چاہے اس مٹی سے وابستہ تھی مگر شعور غیروں میں آنکھ کھولی تھی، اس آنکھ نے کھلتے ہی بے وقوف منظر دیکھے تھے، ناکام رشتے دیکھے رنگین سراب دیکھے تھے، یہ الگ بات تھی کہ کسی بھی قسم کے سنجیدہ حادثے سے پہلے وہ پاکستان آ ورنہ وہ ایسے گہرے نہ مندمل ہونے والے زخم بھی ضرور دیکھتی جو جرأت اور بے باکی سے جسم و میں ترازو ہوتے ہیں اور پھر ساری عمر مسلسل سنائی دینے والی اندر کی چیخوں کا سامنا کرنا پڑتا..... سے پہلے ہی وہ رنگوں کا فرق جان کر تہذیب کے نام پر بدتہذیبی دیکھ کر پاکستان آ گئی اور اب

اس بے چارے بے آسرا، کرم داد کے لئے اگر یہ محبت تھی تو انتہائی عریاں۔ وہ ایسی محبت کیا جانے؟ اسے تو یہ محبت اور بدگمان کر رہی تھی۔ آج کے انتہائی قدم نے تو اسے سخت پریشان کر دیا، یہاں تک کہ اس نے بوریا بستر باندھ لیا۔ چاہتا تھا کہ ڈاکٹر صاحب کو بتا کر جائے مگر پھر قدم رکے کہ نہیں، ہو سکتا ہے وہ روک لیں لہٰذا خاموشی سے نکلا جائے، یہی سوچ کر وہ خاموشی سے چھوٹی سی اپنی دو تین جوڑوں کی پوٹلی اٹھا کر چل دیا۔

"کرم داد!" پیچھے سے آنے والی حوریہ کی آواز پر ٹھٹکا۔

"کرم داد! میری بات سن کر جاؤ۔" دوبارہ پکارنے پر وہ چند لمحے رکا اور پھر پلٹا، وہ کوارٹر کے دروازے پر کھڑی تھی۔

"اندر آؤ" اس نے کہا۔

"کرم داد! تمہیں میری حرکت پر ندامت ہے یا دکھ۔"

"ندامت آپ کے لئے اور دکھ میرے لئے بہت چھوٹے لفظ ہیں۔" وہ سختی سے بولا۔

"کیوں.....؟" انتہائی سادگی سے پوچھا۔

"کیوں..... ارے میم صاحب! تمہاری آج کی اس حرکت نے میرے رونگٹے کھڑے کر دیئے ہیں اور تم کہتی ہو کہ کیوں؟" وہ چلا اٹھا۔

"آخر کیوں..... میری چاہت اور محبت تمہارے لئے حیران کن کیوں ہے؟"

"دیکھو حوریہ بی بی! اس رنگین جال میں تو میں پھنسنے والا نہیں..... اپنے اندر کی بے حیائی کو تم جو بھی نام دو مجھے اس سے کچھ لینا دینا نہیں..... میں نوکر ہوں، مگر غیرت مند، بے حیائی کی کوئی بھی شکل ہو مجھے منظور نہیں۔" وہ بری طرح ہتھے سے اکھڑ گیا۔ وہ مطمئن سی اس کی باتیں سنتی رہی۔

"جسے چاہا جائے اس کے لئے سب جائز ہے..... تم کس دور کی باتیں کرتے ہو..... میں جہاں سے آئی ہوں، وہاں مالک اور نوکر کا کوئی فرق نہیں، جسے چاہو پسند کر لو۔" اس نے تسلی سے جواب دیا۔

"پہلی بات تو یہ کہ آپ کے اور میرے درمیان ایسا کوئی رشتہ نہیں، دوسری بات یہ ہے کہ آپ واپس چلی جائیں کیونکہ یہاں ابھی رشتوں کی پہچان باقی ہے۔" وہ گرجا۔

"کرم داد! محبت ایک بار ہوتی ہے، میں نے تمہارے لئے پہلی بار یہ بات محسوس کی ہے، تمہیں خوش ہونا چاہیے۔" وہ مسکرائی۔

"آہستہ بولیں میم صاحب! آپ کو عزت کا پاس ہونا چاہیے۔ میری خوشی کی کیا بات کرتی ہیں، آپ، آپ کی دولت، حسن، کوٹھی، بنگلوں کی وجہ سے خوشی محسوس کروں یا آپ کے اس احسان پر سر جھکاؤں کہ آپ نے نوکر کے لئے محبت محسوس کی۔" وہ تلخ سے تلخ ہوتا گیا۔

"ہاں تو میری محبت تمہارے لئے ہے اور میرا سب کچھ بھی تمہارے لئے ہے۔"

"میں نے کہا کہ چپ ہو جائیں، اپنے ساتھ لائی ہوئی آزادی سے میری غیرت کا
کریں۔"

"جاننا چاہوں گی کہ کیا تم کسی سے محبت کرتے ہو؟"

"اس سے آپ کو کیا فائدہ ہوگا؟"

"ہو بھی سکتا ہے۔" اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

"مگر میرا اور آپ کا ایسا کوئی تعلق نہیں ہے کہ......؟"

"غور سے سن لو کرم داد! تعلق میں بنا چکی ہوں، تم کیا سمجھتے ہو، یہ جو ہم اتنی دیر سے باتیں کر
ہیں، یہ بغیر تعلق کے کس اجنبی سے ہو سکتی ہیں۔" وہ ہلکے سے غصے سے بولی۔

"مگر میرا آپ سے ایسا کوئی تعلق اور رشتہ نہیں، آپ اپنا مقام پہچانیں۔" وہ بھی زیادہ سنجیدگی
بولا۔

"تمہیں چاہنا ہماری مجبوری، ہم دل کے ہاتھوں مجبور ہیں۔" وہ ان گنت جذبے نگاہوں
بسائے مخموری اسے دیکھنے لگی۔

"یوں سمجھ لیں کہ میری بھی ایسی ہی کوئی مجبوری ہے۔" وہ رخ موڑ کر نظروں کی زد سے نکل
"تو ٹھیک ہے میں وعدہ کرتی ہوں کہ ہم دونوں میں سے جس کی مجبوری جیت گئی وہ آزادانہ
خوشی پوری کرے۔"

"آپ...... آپ کیوں مجھ سے فضول قسم کی باتیں کر کے اپنے مرتبے سے نیچے گر رہی ہیں
گرجا۔

"کرم داد! میری محبت ہو چکے ہو تم، میری نفرت نہ بنو۔" وہ بہت سنجیدگی سے بولی۔

"آپ جانتی ہیں کہ اس طرح غلام تو رکھے جاتے ہیں، مگر محبت نہیں کی جاتی، محبت تو کچھ اور
ہے، کبھی احساس اس وقت ہوتا ہے جب عمر گزر جائے کہ محبت تھی، اور کبھی اس کے اظہار کی
لاکھ بار کوشش کریں پھر بھی اظہار نہیں ہوتا۔" وہ دھیمے دھیمے سے بولتا چلا گیا۔

"کرم داد! میں نے اظہار کر دیا ہے۔" وہ بے قراری سے بولی۔

"بی بی جی! میں جانا چاہتا ہوں۔" وہ طنزیہ کہہ کر چلنے کو مڑا۔

"سنو، نہ جاؤ، میری زبان کے اظہار کے بعد تمہیں تمہاری محبت کی طرح بدلی ہوئی حور یہ نظر آئے
گی اور میں انتظار کروں گی کہ تم جیت جاتے ہو یا میں۔" وہ سامنے آ کر بولی۔

"مگر یہ پھر بھی مناسب نہیں۔"

"یہ مناسب ہے، میں وعدہ کرتی ہوں کہ اب ایسی کوئی حرکت نہیں کروں گی۔" وہ محبت بھرے
انداز میں بولی۔ کرم داد عجیب الجھاوے کا شکار ہو گیا۔

"کیا محبت اتنا کمزور کر دیتی ہے؟" اس نے دل میں سوچا اور کپڑوں کی گٹھری کی گرہ کھول لی۔

O❖O

"لال کوٹھی" کے در و بام پر سورج کی سنہری کرنیں بکھری تھیں۔ سرسبز لان میں خوشنما پھولوں کو
دیکھتے ہوئے وہ خوشی سے مسکرائی، دھوپ کی حدت سے سردی کی شدت میں کمی کا احساس ہو رہا تھا۔
اس نے ہاتھ بڑھا کر نرم و نازک گلاب کی کلی توڑ لی، کتنی مدت کے بعد وہ اپنی اپنی سی فضا میں تھی، وہی
موسم کا رنگ روپ تھا اور وہی پھولوں سے بھرے لان کا جوبن تھا...... اسے بیتے دن شدت سے یاد
آنے لگے...... کتنا بدل گیا تھا...... گڑیا! تو نے کیا پایا؟ کچھ بھی نہیں صرف کھویا ہی کھویا ہے، تجھے کیا
پانے کی تلاش تھی اور کیا ملا؟ اس نے کرب سے سوچا......

"گڑیا! یہاں کیوں چلی آئی......؟" ثریا نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"اس لئے باجی کہ اب صبر نہیں ہو رہا تھا۔" اس نے جواب دیا۔

"کس بات کا......؟" ثریا نے لان میں چاروں طرف نظر دوڑائی۔

"یہ لال کوٹھی جو ہے نا بہت بڑی جادوگر ہے۔ ایسا منتر پھونکا ہے کہ مجھے اسیر بنا لیا ہے۔ اس سے
دور رہنے کا تو میں تصور بھی نہیں کر سکتی۔" وہ کھوئی کھوئی سی بولی۔

"شاید تم بچپن سے اب تک یہ بھولے ہوئے ہو کہ لال کوٹھی کے سرونٹ کوارٹر میں رہتی ہو۔" ثریا
نے سنجیدگی سے احساس دلایا۔

"باجی! کیا یہ ضروری ہے کہ انسان اپنا آپ ہی دیکھتا رہے؟"

"ہاں، اپنا آپ دیکھنا ضروری ہوتا ہے، یہ لال کوٹھی چاہے اس وقت بند ہے، خالی ہے، مگر میں
جانتی ہوں کہ اس کے مالک گئے ہوئے ہیں، یہ میری ملکیت نہیں۔"

"مگر بن تو سکتی ہے۔"

"یہ دیوانے کی بڑ ہے اور کچھ نہیں۔ تم اب ایک ٹھوکر کھا چکی ہو۔ تھوڑی بہت سمجھ بھی آ گئی ہو گی۔
اس لئے یہ خیال دل سے نکال دو۔" ثریا نے پیار سے اس کو دیکھا۔

"مگر باجی! آخر ہم بھی تو یہ سب پسند کر سکتے ہیں۔" اس نے جرح کی۔

"پہلے تو تم یہ بتاؤ کہ آج تک تم "لال کوٹھی" کی کسی چیز کو پسند کرتی ہو، کیا ہے تمہاری پسند، جسے تم
پسند کہتی ہوں، کہیں وہ محبت تو نہیں۔" ثریا نے اسے بری طرح الجھا دیا۔

"یہ تو میں نہیں جانتی۔" وہ سادگی سے بولی۔

"نہیں، تم جانتی ہو، تمہاری "لال کوٹھی" سے انسیت ویسے ہی نہیں، کوئی گہرا رشتہ تم نے قائم کیا ہوا
ہے؟" ثریا نے پہلی بار آج اس سے اس طرح کی بات کی تھی۔

"رشتہ تو مجھے معلوم نہیں لیکن مجھے "لال کوٹھی" کے بعد کچھ نظر نہیں آتا، چھوٹے صاحب کے بعد
کچھ دکھائی نہیں دیتا، میں اپنے جیسے لوگ نجانے کیوں دیکھنا نہیں چاہتی۔"

"گڑیا! ایک بات کہوں۔" ثریا نے ترحم سے کہا۔

"ہاں۔"

"تم چھوٹے صاحب کو چاہتی ہو شاید۔"

"تم میری بات نہیں سمجھ رہیں، میں یہ نہیں کہہ سکتی۔" وہ عالم تذبذب میں ہاتھ ملنے لگی۔

"کوئی بلاوجہ تو اچھا نہیں لگتا۔"

"شاید...... لیکن باجی! میں نے ہمیشہ چھوٹے صاحب کو ابا نے اسلم کے مقابلے میں دیکھا، سے وہ بہتر لگے ہیں، اس فرق کو میں کوئی نام نہیں دے سکتی۔"

"گڑیا! فرق تو فرق ہے اس فرق کو تم کوئی نام دے بھی نہیں سکی اس لئے کہ تمہاری سوچ ہے، یہ محل بہت بڑا ہے اس سے تمہارا کوئی رشتہ نہیں ہے۔"

"یہی...... یہی وہ بات ہے جسے تم لوگ نہیں سمجھتے، میں چھوٹی کیوں ہوں...... میں کس ہوں؟" وہ ایک دم غصے میں آگئی۔

"گڑیا...... گڑیا! اس کوٹھی کے سحر سے باہر نکلو، بیگم صاحبہ تمہارے خلاف نجانے کیا کیا کہتی ان کا بس چلے تو اس چار دیواری سے نکال باہر کریں ہمیں...... اور تم ان کے خواب دیکھتی ہو۔" تاؤ آگیا۔

"میں اسلم کے بارے میں بتاؤں گی انہیں۔"

"ہونہہ بے وقوف ہو تم...... تم اور اسلم ایک ہی جگہ پر ہو، ملازم، ملازم کے بارے میں گا۔" ثریا نے جل کر کہا اور اٹھ کر چلی گئی۔

"اچھا یہ بتاؤ کہ صاحب اور بیگم صاحبہ کب آئیں گے۔"

"میں ان کی مالک نہیں ہوں اور وہ ہمارے مالک ہیں۔" ثریا نے سخت جواب دیا۔

"باجی! مالک تو صرف اوپر والا ہے۔" وہ سادگی سے بولی۔

"ہاں لیکن اوپر والے کے بعد بھی کچھ لوگ مالک ہوتے ہیں۔" ثریا نے دھیرے سے کہا۔

"بس یہی تو وہ بات ہے جو میں سوچتی ہوں کہ ہم بھی تو ان کی طرح مالک ہو سکتے ہیں۔" جلدی سے کھڑی ہو کر ثریا کے سامنے آگئی۔

"تمہارے ذہن کی تبدیلی ممکن نہیں۔ چلو اماں ناراض ہوں گی۔" ثریا نے کہا اور آگے آ دی۔ وہ بھی برا سا منہ بنا کر اس کے پیچھے پیچھے ہولی۔

○❖○

"یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے شائستہ بیگم!" ڈاکٹر سلمان شدید غصے سے بولے۔

بڑی دیر سے دونوں کی بحث چل رہی تھی۔ ناشتے کے بعد سے مسلسل ڈاکٹر سلمان مشتعل کلینک بھی حوریہ اور کرم داد کو بھیج دیا تھا۔ سیدھے منہ بات نہیں کر رہے تھے۔ شائستہ بیگم نے بات شروع کی تو وہ پھٹ پڑے۔

"میں کون سا کہہ رہی ہوں کہ اچھی بات ہے مگر۔"

"مگر، اگر لگانے کی ضرورت نہیں، یہ روایتی عورتوں کی طرح بہانے نہ بناؤ۔" انہوں نے درمیان سے جملہ اچک کر کہا۔

"اوہو بات بھی سنیں گے میری کہ نہیں۔" وہ بھی گرم ہوگئیں۔

"ہاں، ہاں سنائیں۔"

"باہر کی دنیا سے آئی ہے۔ تھوڑی بہت آزادی تو مجبوری ہے۔" شائستہ بیگم نے کچھ پینترا بدلنے کی کوشش کی۔

"تھوڑی بہت...... ارے یہ بہت زیادہ ہے...... غضب خدا کا ایک معمولی سا ملازم اور کہاں وہ ایسی بے ہودہ بکواس...... میں برداشت نہیں کر سکتا۔"

"میں کون سا خوش ہوں...... سمجھا دوں گی بھلا ملازم کی یہ جرأت۔" وہ بولیں۔

"اس میں ملازم سے زیادہ حوریہ کا قصور ہے...... اسے سمجھاؤ میں نے سیٹھ گلریز جیسے امیر کبیر کا گھر اس کے لئے ڈھونڈا ہے۔" ڈاکٹر سلمان نے پھنکارتے ہوئے کہا۔

"اور ماشاء اللہ لڑکا بھی کتنا خوب صورت ہے۔" بیگم شائستہ بولیں۔

"میں حیران ہوں کہ رات گئے ایک ملازم کے کوارٹر میں اتنی بے باکی سے محو گفتگو۔"

"آنے دیں میں سختی سے پوچھوں گی...... آپ نے مجھے رات کو ہی کیوں نہیں بتایا؟" وہ بھی شدید غصے میں آگئیں۔

"اس لئے کہ تماشا تو ہم ہی بنتے۔" ڈاکٹر سلمان نے کہا۔

"اچھا آپ آرام سے کلینک جائیں، میں سب ٹھیک کرلوں گی۔"

"اسے سمجھا دیں کہ ہماری شہر میں بہت عزت ہے۔" ڈاکٹر سلمان کہتے ہوئے باہر نکل گئے اور بیگم شائستہ شش و پنج میں پڑ گئیں، انہیں سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ حوریہ اس قدر گھٹیا حرکت بھی کر سکتی ہے، ایک ڈاکٹر، باہر سے آنے والی خوب صورت دولت مند لڑکی ایک معمولی ملازم سے محبت کا دعویٰ کیسے کر سکتی ہے؟ وہ بری طرح الجھ گئیں۔ سوچتے سوچتے ان کا اپنا ذہن ماؤف ہو گیا، دن گزارنا کتنا مشکل ہو گیا تھا...... دوپہر میں جونہی وہ کرم داد کے ہمراہ گھر پہنچی تو انہوں نے تیکھی نظروں سے کرم داد کو گھورا اور اسے اپنے کوارٹر میں جانے کو کہا...... حوریہ اپنے کمرے کی طرف جانے ہی والی تھی کہ انہوں نے روکا۔

"حوریہ!"

"جی......"

"مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔" ان کا لہجہ سخت تھا۔

"او کے پر کچھ دیر بعد......" وہ کہہ کر جواب کے لئے رکی مگر شائستہ بیگم پھر کچھ سوچ کر خاموش ہو

گئیں۔

"ٹھیک ہے تم فریش ہو کر آؤ، میں کھانا لگواتی ہوں پھر بات کریں گے۔" انہوں نے کہا۔

"رائٹ۔" وہ کہتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف آ گئی، کمرے میں قدم رکھا ہی تھا کہ ٹیلی فون شور مچا دیا۔

"ہیلو۔"

"ہیلو حوریہ....."

"کون.....؟" اس نے تعجب سے پوچھا۔

"میں رضا علی۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"او..... جی، بولیں۔" وہ سخت ناگوار موڈ میں بولی۔

"شام کو میں آپ کی طرف آ رہا ہوں آپ تیار رہیے گا۔"

"وہ کس خوشی میں.....؟" بیزاری سے پوچھا۔

"بھئی گھومیں پھریں گے۔"

"مگر میں مصروف ہوں۔" اس نے کہہ کر فون بند کر دیا اور ہیٹر آن کر کے کپڑے چینج کرنے روم میں گھس گئی۔ ٹیلی فون کی چیخ و پکار سن کر شائستہ بیگم نے نیچے سے فون اٹھایا اور رضا علی کے پر آنے کی اجازت دے دی اور وعدہ کر لیا کہ حوریہ کو اس کے ساتھ بھیجیں گی۔ وہ کسی قیمت پر جیسا لڑکا کھونا نہیں چاہتی تھیں اور اب تو سنگین فکر انہیں لاحق تھیں، شکی نظروں سے ہر ملازمہ تھیں..... کسی کم عمر ملازمہ کو کبھی نہیں رکھتی تھیں۔ کچھ کچھ واقف تھیں شوہر کی دل پھینک عادت اس حد تک تو کبھی انہوں نے شوہر کو گرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا بھتیجی نے تو شرمندہ کرا دیا تھا..... بھی دل میں تہیہ کئے ہوئے تھیں کہ حوریہ کو اس احمقانہ حرکت سے شرم دلا کے رہیں گی۔

○❖○

گاڑی کے مسلسل ہارن پر شائستہ بیگم نے حوریہ کو بلانے کے لئے شمو کو بھیجا، انہیں اندازہ رضا علی آ چکا ہے، حوریہ سے اب تک وہ کوئی بات نہیں کر پائی تھیں، وہ بھی دانستہ اپنے کمرے نہیں نکلی تھی، بہت کچھ سمجھ چکی تھی شاید۔

"وہ کہہ رہی ہیں کہ سر میں درد ہے۔" شمو نے آ کر اطلاع دی تو وہ چونکیں۔

"کوئی سر میں درد نہیں ہے، میں خود دیکھتی ہوں۔" وہ غصے میں خود اس کے کمرے میں پہنچ کمبل میں منہ چھپائے وہ لیٹی تھی۔

"حوریہ..... حوریہ! یہ کیا بدتمیزی ہے؟" وہ بولیں۔

"میرا انکار یا سر کا درد۔" کمبل سے منہ نکالتے ہوئے وہ بولی۔

"رضا علی آ چکا ہے برا لگتا ہے۔" وہ کچھ تحمل سے بولیں۔

"میں نے نہیں بلوایا۔"

"میں نے بلایا ہے۔" وہ سختی سے بولیں۔

"کیوں.....؟"

"تاکہ تم ایک ساتھ گھومو، پھرو۔" وہ نرمی سے بولیں۔

"اس سے کیا ہوگا.....؟" وہ پھر اسی طرح نحوست سے بولی۔

"ایک دوسرے کو سمجھ جاؤ گے اور شادی کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے۔" وہ غصہ ضبط کرتے ہوئے بولیں۔

"آنٹی! مجھے رضا علی سے شادی نہیں کرنی۔" وہ تکیہ سیدھا کر کے بیٹھتے ہوئے بولی۔

"اچھا تو کس سے کرنی ہے شادی..... دو ٹکے نوکر سے۔" وہ طنزیہ بولیں۔

"فار گاڈ سیک آنٹی آپ تو ایسی باتیں نہ کریں۔" وہ جھلا گئی۔

"کیوں نہ کروں عزت ہے کچھ ہماری۔"

"کرم داد میری مجبوری ہے۔" وہ آہستہ سے بولی تو وہ حیرت سے دیکھتی رہ گئیں۔

"کیسی مجبوری ہے، ارے چند دنوں میں کون سی مجبوری کھڑی ہو گئی۔" شائستہ بیگم آگ بگولہ ہو گئیں۔

"وقت آنے پر بتا دوں گی، فی الحال اتنا سن لیں کہ مجھے رضا علی سے شادی نہیں کرنی۔"

"کیوں احمقوں جیسی باتیں کرتی ہو، ڈاکٹر صاحب سنیں گے تو کتنا ناراض ہوں گے..... تم رضا علی سے مل کر تو دیکھو۔"

"ملنے سے غلط فہمی پیدا ہو گی۔"

"نہیں ہوتی..... ہو سکتا ہے تم اسے پسند کرنے لگو۔"

"شاید، مگر کیا فائدہ.....؟"

"رضا علی نہیں تو کرم داد کا نام بھی آئندہ مت لینا۔" شائستہ بیگم نے اٹل فیصلہ سنایا۔

"آنٹی..... آنٹی! میری بات سمجھنے کی کوشش کریں پلیز۔" وہ منت آمیز لہجے میں بولی۔

"حوریہ! خدا کے واسطے ڈاکٹر صاحب کے سامنے میری کچھ عزت رہنے دو..... رضا علی کا انتخاب انہوں نے کیا ہے۔ کرم داد کے ساتھ تمہاری ساری باتیں انہوں نے خود سنی ہیں..... وہ بہت ناراض ہیں۔ کرم داد کو تو کھڑے کھڑے نکال دیں گے۔" شائستہ بیگم سخت پریشانی کے عالم میں بولیں۔

"آنٹی پلیز آپ سارا مسئلہ سلجھائیں..... کرم داد چلا گیا تو کچھ نہیں ہو سکے گا۔" وہ تقریباً رو دی۔

"مگر پتہ بھی تو چلے کہ کرم داد میں ایسی کیا بات ہے؟"

"کچھ تو ہے آنٹی! اس میں یا مجھ میں، جو میں ابھی آپ کو بتا نہیں سکتی۔" انہیں نرم دیکھ کر وہ سینے سے لگ گئی۔ پھوپھی کی محبت جوش مارنے لگی۔

"مگر ڈاکٹر صاحب کو کیسے سمجھاؤں گی۔"

"کچھ بھی کریں، کرم داد کے لئے نرم گوشہ پیدا کریں۔"

"فی الحال تو یہ ممکن نہیں۔ تم کچھ دن ہی سہی رضا علی سے میل جول رکھو پھر کچھ سوچیں" شائستہ بیگم نے دھیرے سے مشورہ دیا۔

"پھر انکل نہ مانے تو۔"

"میں کوشش کروں گی...... تم بس کچھ عرصہ رضا علی سے اچھے انداز میں ملو پھر دیکھا جا..." شائستہ بیگم نے بگڑی ہوئی بات کو سنوارنے کے لئے پہلی کوشش کی۔ تیر ٹھیک نشانے پر لگا... سے رضامند ہوگئی۔

"چلو اب فٹافٹ اٹھو اور رضا علی کے ساتھ جاؤ وہ باہر انتظار کر رہا ہے۔"

"او، آنٹی جس کا کوئی فائدہ نہیں۔" وہ ناگواری سے اٹھتے ہوئے بولی۔

"ہش چپ اب جیسا میں کہتی ہوں ویسا کرو، تمہارے انکل کو ذرا بھی شبہ نہ ہونے پائے۔"

"او کے، مگر ایک وعدہ کریں......"

"وہ کیا؟"

"آپ کرم داد پر ناراض نہیں ہوں گی۔"

"ہاں نہیں، بس اب تم جلدی نیچے آؤ۔" وہ کہتی ہوئی باہر نکل گئیں اور چند لمحے بعد وہ ا... ہوگئی۔ پلکوں میں آئی نمی کا جل کی لکیر کے پیچھے چھپا کر مسکرا دی۔

○❖○

جائنیز ہوٹل کے خوابناک ماحول میں عجیب سا سرور اور نشہ پھیلا ہوا تھا۔ ہلکے سروں میں میوزک دلفریب ماحول پیدا کر رہا تھا۔ رضا علی کی خمار آلود نگاہوں میں ان گنت خواب ... تھے۔ اس کی نگاہوں کا مرکز وہ تھی...... وہ مگر دور کہیں کھوئی ہوئی تھی، گہری آنکھوں کے پیچھے گہرائی تھی، یہ رضا علی نہیں جانتا تھا۔ ڈارک میک اپ کے باوجود اس کے چہرے پر کوئی شو... ترنگ نہیں تھی، وہ رضا علی کی آنکھوں سے کسی قسم کا پیغام وصول نہیں کر رہی تھی، سامنے ٹیبل پر سوپ ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ وہ از راہ تکلف چمچے سے کھیل رہی تھی۔

"حوریہ! اتنی چپ کیوں ہو......؟" رضا علی نے خاموشی توڑی۔

"کیا بولوں......؟" عجیب روکھے لہجے میں جواب دیا۔

"کچھ تو بولو...... آخر ہم تنہائی میں کیا کر رہے ہیں؟"

"ایک دوسرے کو دھوکہ دے رہے ہیں۔" وہ بے ساختہ بولی۔

"کیا مطلب......؟" وہ چونکا۔

"آپ میرے بارے میں غلط سوچ رہے ہیں۔"

"میں یا ہمارے گھر والے۔"

"دونوں۔"

"دیکھو، میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں۔"

"پلیز رضا علی! آپ ایسی باتیں مت کریں۔ یہ ہماری پہلی ملاقات ہے، ایسی باتوں کے لئے مدتیں درکار ہوتی ہیں۔" وہ تلخ ہوگئی۔

"جو میں آج کہہ رہا ہوں، وہی صدیوں بعد بھی کہوں گا۔"

"غلط...... جھوٹ...... بالکل جھوٹ...... میں ان باتوں پر یقین نہیں کرتی، ویسے بھی میرے پاس اس طرح کی باتیں سننے کا وقت نہیں، چلیں مجھے دیر ہو رہی ہے۔" وہ کرسی کھینچ کر اٹھی۔

"پلیز بیٹھو...... چند منٹ...... بیٹھو...... میری بات سنو۔" وہ اصرار کرنے لگا تو وہ مجبوراً بیٹھ گئی۔

"بولو......"

"تمہارے حسن نے مجھے دیوانہ بنا دیا ہے۔"

"فار گاڈ سیک، کچھ نہیں ہے میرا حسن، مجھ سے زیادہ حسین لوگ ہیں، تمہاری نظروں کے سامنے سے ابھی گزرے نہیں...... جس دن مجھ سے زیادہ حسین لڑکی دیکھو گے تو تمہارا خیال بدل جائے گا۔" اس نے دھیمے مگر غصیلے لہجے میں کہا۔

"اچھا چلو فی الحال کسی اور ٹاپک پر بات کرتے ہیں، شادی کے بعد دیکھا جائے گا۔"

"مسٹر رضا علی! آپ پلیز اس طرح نہ سوچیں، میں آپ کی اس خواہش کا احترام نہیں کر سکتی۔"

"چلیں، آپ انکار کرتی رہیں اور میں اقرار کچھ تو نتیجہ نکلے گا۔" وہ مسکرا کر کھڑا ہو گیا۔ وہ خاموش رہی اور آگے آگے چل دی۔

سارے راستے وہ چپ رہی، کئی بار رضا علی نے بات کرنے کی کوشش کی مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا...... وہ اگلے دن آنے کا کہہ کر گیٹ پر سے ہی واپس لوٹ گیا، وہ تیز قدموں سے اندر آ گئی۔ کرم داد کے کوارٹر کے قریب سے گزرتے ہوئے اس نے اندر جھانکا وہ بستر پر پاؤں لٹکائے کسی گہری سوچ میں غرق تھا۔ وہ کمرے میں داخل ہو گئی۔ اس کو دیکھ کر وہ ایک دم کھڑا ہو گیا۔

"آپ...... آپ کیوں آئی ہیں اس کوارٹر میں......"

"کرم داد! مجھے افسوس ہے۔"

"صرف افسوس حوریہ بی بی! میری عزت کی نیلامی ہوگئی اور آپ کو افسوس ہوا۔" وہ غصے سے بولا۔

"دیکھو، سب ٹھیک ہو جائے گا انکل اور آنٹی کو وقتی غصہ ہے۔"

"ہنہ، غصہ ہو یا نہیں میں تو بے عزت ہو کر جا رہا ہوں۔"

"کہاں؟"

"کہیں بھی۔"

"نہیں..... تم مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔" وہ غصے سے بولی۔

"میں آپ کا زر خرید نہیں ہوں میم صاحب۔" وہ چلایا۔

"میں تم سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔" اس نے ایک بم اس کے سر پر جیسے پھوڑ دیا۔

"کیا آپ پاگل تو نہیں ہیں.....؟"

"ہاں، میں پاگل ہوں، تمہیں کرنی پڑے گی۔" وہ واقعی پاگلوں کی طرح چلائی۔

"ہرگز نہیں، میں جسے چاہتا ہوں اس سے محبت کرتا ہوں، اسی سے شادی بھی ہوگی۔"

"شادی تو تمہاری میرے ساتھ ہوگی، کیونکہ میں تمہیں زیادہ چاہتی ہوں۔"

"میرا پیچھا چھوڑ دیں، میں یہاں اب کبھی نہیں آؤں گا۔" وہ بولا۔

"میں قبر تک تمہارا پیچھا کروں گی۔" اس نے سخت لہجے میں کہا۔

"محبت کے رشتے طاقت یا پیسے سے نہیں خریدے جاتے میم صاحب۔"

"چلو تم جسے چاہتے ہو اسے سے پوچھ لو اگر وہ خود رضامندی دے دے تو پھر....."

"یہ کیسے ہو سکتا ہے.....؟"

"ہونے کو سب کچھ ہو سکتا ہے، تم جسے اپنی محبت کہتے ہو اس سے پوچھ لو۔"

"ایسا کچھ نہیں ہو سکتا..... آپ کے پاگل پن کا کوئی علاج نہیں۔"

"علاج ہی تو کروانا چاہتی ہوں۔"

"خدا کے واسطے میرا پیچھا چھوڑ دیں۔" وہ ہاتھ جوڑ کر بولا اور اپنے کپڑوں کی پوٹلی اٹھا کر باہر نکلا۔

"کرم داد..... کرم داد! میری بات سنو....." وہ چیختی چلاتی باہر تک آئی مگر اس نے پلٹ کر نہ دیکھا، لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا اس کی نظروں سے دور ہو گیا۔

"کرم داد! تمہیں لوٹنا پڑے گا..... میں تمہاری سادگی سے محبت کرتی ہوں....." وہ رو دی۔

"حوریہ! کیا بچکانہ حرکت ہے۔ جانے دو اسے وہ تمہارے لائق نہیں ہے۔" شائستہ بیگم کندھوں سے پکڑ کر اسے سنبھالتے ہوئے کہا۔

"کون کس کے لائق ہے یہ آپ کو نہیں پتا....." وہ سسکیاں لینے لگی۔

شائستہ بیگم کے اندر دکھ کی ایک لہر اٹھی، دراصل انہوں نے اپنی لائق بھتیجی کا مستقبل سنوارنے کے لئے کرم داد کو برا بھلا کہہ کر جانے کو کہا تھا۔

"آنٹی! روک لیں کرم داد کو ورنہ میں ساری زندگی شادی نہ کر سکوں گی۔" اس نے منت کی۔

"ارے حوریہ کیوں ہلکان ہوتی ہے دو ٹکے کے ملازم کے لئے۔"

"چھوڑ دیں مجھے....." وہ سختی سے خود کو چھڑاتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف دوڑ گئی۔

شائستہ بیگم الجھن کا شکار ہو گئیں۔

○❖○

"گڑیا!"

"کیا ہے اماں؟"

"جا، جا کر بہنوں سے مل آ۔" زینب نے کہا۔

"ہنہ، مجھے نہیں جانا اس گندے سے گھر میں۔" اس نے برا سا منہ بنایا۔ زینب کو تاؤ آ گیا۔

"ہیں..... ہیں کیا بکواس کر رہی ہے تو بہنوں کے گھر کے بارے میں۔"

"اماں! اسے گھر کہتے ہیں، ڈربہ ہے مرغیوں کا، پورے بیس آدمی رہتے ہیں اس میں۔" وہ ناک چڑھا کر بولی۔

"اے بدبخت شکر کیا کر اللہ نے انہیں آباد تو کیا۔ بھلا ہوا اماں بختاں کا جس نے رشتہ کرا دیا۔" زینب نے کہا۔

"اماں! تو کیسی باتیں کرتی ہے۔ تو اسے رشتے کرانا کہتی ہے..... ارے دونوں بوڑھے کھڑوس ہیں بھائی۔ پہلے سے دونوں شادی شدہ، درجن بھر بچے چھوڑ کر مری ہیں بیویاں..... تُو نے ثریا باجی اور صفیہ باجی کو راتوں رات بیواؤں کی طرح ان سے بیاہ دیا۔" وہ ہاتھ مٹکا کر طعنے دینے لگی۔

"تو کیا کرتی..... دہلیز پر بٹھائے بٹھائے بوڑھا کر دیتی۔ تُو تو ابھی میرے کلیجے پر مونگ دلنے کو بیٹھی ہے۔ دیکھوں گی کون شہزادہ آئے گا؟" زینب نے جلی کٹی سنائیں۔

"ایسے رشتے سے بہتر ہے آدمی بیٹھا رہے۔"

"ہاں تیرے باوا کے محل کھڑے ہیں..... منحوس ماری، جب چاہیں مالکان ہمیں نکال باہر کریں گے..... ان کے آنے کی دیر ہے۔"

"تُو دعا کر اماں، چھوٹے صاحب جلدی آ جائیں۔" وہ خوشی سے بولی۔ اسی اثنا میں زور زور سے دروازہ بجا، وہ چونک کر اٹھی۔

"جا، جا کر دیکھ کون آیا ہے۔" زینب نے کہا تو وہ ننگے پاؤں دروازے پر پہنچ گئی۔ جھٹ سے دروازہ کھول دیا۔ دروازے کے عین درمیان میں کرم داد کھڑا تھا۔

"کرم داد! تم....." وہ خوش ہو کر بولی۔

کرم داد کو اس کی خوشی سے سکون مل گیا۔ ورنہ سارے راستے وہ یہی سوچتا ہوا آیا تھا کہ نجانے گڑیا ملے گی بھی یا نہیں..... اگر مل گئی تو خوش ہوگی یا ناراض..... مگر اس کے چہرے پر آنے والی خوشی کی لہر نے اسے مطمئن کر دیا۔

"آ، آ، اندر آ جا۔" گڑیا نے اسے اندر آنے کے لئے راستہ دیا اور وہ دھیرے دھیرے اس کے ساتھ اندر آ گیا۔

"گڑیا..... کون ہے؟" زینب نے پوچھا۔
"ماں! دیکھ کون آیا ہے۔" اس نے زینب سے کہا۔
"کون ہے؟" زینب بمشکل تکیے کے سہارے بیٹھتے ہوئے بولی۔
"سلام خالہ!" کرم داد نے ادب سے سلام کیا۔
"جیتے رہو بیٹا!" زینب نے بغیر پہچانے ہی جواب دیا۔
"ماں تو نے پہچانا ہے اسے۔" گڑیا، ماں کی سادگی پر مسکرائی۔
"نہیں....."
"یہ کرم داد ہے۔ یاد آیا کچھ۔"
"او، اچھا..... بیٹھ بیٹا! اس دن تو تُو دروازے سے ہی باہر ہو کر چلا گیا۔" زینب کو بھی دلی مسرت ہوئی اسے دیکھ کر۔
"بس جی اس نے مجھے اندر آنے کو کہا ہی نہیں۔" کرم داد نے بتایا۔
"یہ تو پاگل ہے۔" زینب نے ہلکے سے غصے سے کہا۔
"کرم داد! تو بتا کیسے آیا ہے۔ خیر، خیریت تو ہے۔" وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔
"ارے بے وقوف باتیں بعد میں کرنا پہلے اس کے لئے روٹی پانی کا انتظام کر۔" زینب نے کہا
اور وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ کرم داد کچھ دیر زینب سے باتیں کرتا رہا، اسے اپنے بارے میں بتایا، گڑ
کے شوہر اسلم کے بارے میں بتایا۔ زینب نے بھی ثریا، صفیہ کی شادی کا ذکر اس سے کیا۔ باتیں کرتے
کرتے زینب کو نیندسی آ گئی۔ بیمار تھی، کمزور تھی، ذرا دیر کو بولتی تو نقاہت طاری ہو جاتی۔ کرم داد اٹھ
باہر آ گیا۔
وہ اس کے لئے روٹی پکانے کی کوشش میں لگی ہوئی تھی، وہ اس کے قریب چوکی پر بیٹھ گیا۔ ا
نے شرارت سے مسکرا کر پوچھا۔
"تُو آیا کس مقصد سے ہے؟"
"بہت بڑا اور اہم مقصد ہے۔" اس نے اس کی شریر آنکھوں میں جھانکا۔
"اچھا، چل پھر جلدی بتا۔"
"بتا دوں گا، پہلے یہ بتا کہ تجھے میرے آنے کی خوشی ہوئی ہے۔"
"بہت..... پتہ کیا، کبھی کبھی تو مجھے یاد آتا ہے۔" اس نے روٹی توے پر ڈالتے ہوئے معصومیت سے کہا۔
"کبھی کبھی کیوں..... میں تو تجھے روز یاد کرتا تھا بلکہ ہر پل، ہر گھڑی یاد کرتا تھا۔" کرم داد نے محبت کے نشے سے چور لہجے میں کہا۔
"چل پاگل..... تجھے ہر گھڑی یاد کرنے کی بیماری ہو گئی ہے۔" وہ ہنسی۔

"تُو ٹھیک کہتی ہے، تیری یاد میری مستقل بیماری بن چکی ہے۔" اس نے بے اختیار اس کے دوپٹے کا پلو تھام کر کہا۔
"لیکن کیوں؟" وہ حیران تھی۔
"گڑیا! کسی کی یاد کیوں آتی ہے؟"
"مجھے نہیں پتا۔"
"کوئی اچھا لگتا ہے تو اس کی یاد آتی ہے۔"
"ہاں، یہ ٹھیک ہے اس لئے کہ چھوٹے صاحب مجھے بہت یاد آتے ہیں۔" وہ سادگی سے بولی اور دوسری طرف کرم داد کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرا گیا۔ وہ ضبط کر کے بولا۔
"کیسے ہیں تیرے چھوٹے صاحب؟"
"پتہ نہیں، ابھی تک ان سے ملی نہیں ہوں، وہ آنے والے ہیں۔" وہ کھانا اس کے آگے رکھتے ہوئے بولی۔
"اور..... اور تجھے ان کا انتظار ہے۔" اس نے آہستہ سے پوچھا۔
"اور نہیں تو کیا..... تو دیکھ رہا ہے لال کوٹھی اداس ہے۔ تو کھانا کھا لے میں تجھے لال کوٹھی کھانے چلتی ہوں۔" وہ جذباتی انداز میں بولتی چلی گئی۔
"جو تجھے یاد کرتا ہے تُو اسے یاد نہیں کرتی اور جو تجھ سے انجان ہے اس کی یاد سینے سے لگا کر رکھی ہے۔" وہ خود سے بڑبڑایا۔ وہ کچھ سمجھ نہ سکی۔
"اچھا چھوڑ، یہ بتا کہ ڈاکٹر صاحب، بیگم صاحب اور حوریہ بی بی کیسے ہیں؟" حوریہ کے نام پر اسے یاد آیا کہ وہ اس کے پاس کیوں آیا ہے۔
"ہاں..... وہ..... وہ سب تو ٹھیک ہی ہیں۔" وہ کھویا کھویا سا بولا۔
"اس کا مطلب ہے کچھ گڑبڑ ہے۔" گڑیا اس کے سامنے ہاتھ نچا کر بولی۔
"نہیں..... نہیں..... میں ہر گڑبڑ سے نکل کر آ گیا ہوں۔" وہ ایک دم خوش ہو کر بولا اور تیزی سے کھانا کھانے لگا۔
"کرم داد! کیا مطلب ہے تیرا؟" گڑیا سنجیدگی سے بولی۔
"تجھے بتاؤں گا، بلکہ صرف تجھے ہی بتانے کی بات ہے۔" وہ پانی پی کر مسکراتے ہوئے بولا۔
"ایسی کوئی بات ہے؟"
"گڑیا! ایسی ہی کوئی بات ہے جو میں تجھے بتانے آیا ہوں۔"
"چل بتا، پھر بول....." وہ بے تاب ہو گئی۔
"بتا دوں گا ابھی اتنی جلدی کیا ہے؟"
"نہیں تو جلدی بتا، مجھے پریشانی ہو رہی ہے۔"

”حوریہ بی بی ہیں ناں۔“

”ہاں......“

”وہ پاگل ہوگئی ہیں۔“

”کیا مطلب......؟“ وہ حیرت زدہ ہوگئی۔

”مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہیں...... پاگل ہی ہیں جو ایسا سوچ رہی ہیں۔“ وہ طنزیہ بولا۔

”ہیں...... سچ حوریہ بی بی تجھ سے شادی کرنا چاہتی ہیں۔“ وہ خلاف توقع خوشی سے چلائی ا[illegible] داد کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرا گیا۔

”تجھے خوشی ہوئی ہے یہ سن کر۔“

”ارے کرم داد! تیری تو لاٹری نکل آئی ہے...... حوریہ بی بی اور تجھ سے کتنی اچھی ہیں۔“ گڑ[illegible] ہی ترنگ میں بولتی چلی گئی اور کرم داد یک ٹک اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔

”گڑیا! تجھے خوشی ہوئی ہے یہ سب سن کر۔“ اس نے حوصلے سے پھر سوال دہرایا۔

”کرم داد! تُو تو چھوٹا صاحب بن جائے گا...... دیر نہ کر، فوراً شادی کر لے۔“ اپنی ناسمجھی کا[illegible] دیتے ہوئے ایک خنجر سا اس کے سینے میں اتار دیا۔ اس کی محبت نے ایک ہچکی لی اور وہ دل مو[illegible] کے دوسری طرف دیکھنے لگا۔

”کیا سوچنے لگا ہے تو......؟“

”کچھ نہیں...... تو بتا کہ تیری باجیاں نظر نہیں آ رہیں۔“ وہ یکسر بات ٹال گیا۔

”ہنہ، وہ جہنم میں جھونک دی گئیں۔“ اس نے برا سا منہ بنایا۔

”کیا......؟“

”اماں نے غربت سے تنگ آ کر غربت کی قبر میں اتار دیا ان دونوں کو۔“ وہ تلخی سے بولی۔

”گڑیا! تیرے اندر محبت کی بجائے تلخ زہر کیوں بھر جاتا ہے...... تو جن کے لئے شبنم بن[illegible] ہے وہ تو تیری سوچ سے بھی دور ہیں۔ کیوں محبت کی یہ شبنم کسی اور کے لئے نہیں...... کیوں تجھے [illegible] کی چیزیں نظر نہیں آتیں؟“ وہ ڈھیرے سے کچھ اپنے دل کا بوجھ نکالنے میں کامیاب ہوگیا۔

”تیری یہ باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔“ وہ پریشانی سے بولی۔

”میری آسان باتیں تجھے سمجھ میں نہیں آتیں اور مشکل لوگوں کی باتیں بغیر کہے سنے بھی تو [illegible] ہے۔“ وہ کچھ غصے سے بولا۔

”تو کہنا کیا چاہتا ہے؟“

”کچھ نہیں...... اب کچھ نہیں...... تُو نے تو بات ہی ختم کر دی...... تیرے لئے اتنا ہی کافی [illegible] میں بھی چھوٹا صاحب بن جاؤں اور پھر تو مجھے بھی دیکھے گی، سوچے گی، چاہے گی۔“ وہ لہجے کی[illegible] سے اس کو چونکا گیا۔

”تجھے صاحب بننے سے انکار ہے؟“ اس نے حیرت سے پوچھا۔

”نہیں...... پہلے تھا اب نہیں...... تجھے اچھے لگتے ہیں ناں چھوٹے صاحب...... تیری پسند تو میری پسند ہے۔“ وہ طنزیہ بولا اور جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

”تو ناراض کیوں ہے مجھ سے؟“ وہ بھی اٹھ کر کھڑی ہوئی اور سر کھجاتے ہوئے بولی۔

”میں تجھ سے ناراض بھلا کیوں؟“ اس نے گھورا۔

”پھر خوش ہو جا...... تیری تو موج ہوگئی۔ دیکھ میں بھی تیری شادی میں آؤں گی۔“ وہ خوشی سے بولی۔

”ہاں...... ضرور آنا، مگر ایک بات یاد رکھنا......“ وہ کہتے کہتے رک گیا۔

”وہ کیا......؟“

”تجھے وہاں کرم داد نہیں چھوٹا صاحب ملے گا۔“ اس نے جبر کے ساتھ جملہ مکمل کیا۔

”یہ ہوئی ناں بات۔“ وہ تالی بجا کر اچھلی۔

”تُو خوش ہے، میری دنیا میں آگ لگا کر بھی۔“ وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔

”چل اماں کو یہ خبر سنائیں۔“ وہ بولی۔

”نہیں...... میں جا رہا ہوں...... تُو دروازہ بند کر لے۔“ وہ اداسی سے بولا۔

”اتنی جلدی، کل چلا جانا۔“

”اب کیا رک کر کرنا ہے۔“

”اچھا...... شادی پر مجھے اطلاع دینا۔ بلکہ مجھے لینے آنا۔“ وہ بولی۔

”اچھا...... لیکن......“

”گڑیا...... گڑیا! تم دونوں اندر آ جاؤ۔“ زینب کی نقاہت بھری آواز آئی۔

”اچھا اماں!“ اس نے جواب دیا اور کرم داد کو اشارہ کر کے کمرے میں داخل ہوگئی۔

”کیا باتیں ہو رہی تھیں!“ زینب نے پوچھا۔

”اماں! بس کچھ نہ پوچھ...... حوریہ بی بی کی کرم داد کے ساتھ شادی ہو رہی ہے۔“

”ہیں......“ زینب نے آنکھیں حیرت اور افسوس کے ساتھ پھیل گئیں۔

”گڑیا کی یہی مرضی ہے۔“ کرم داد نے زینب کے چہرے پر پھیلی افسردگی پڑھ لی تھی۔

”گڑیا کی مرضی...... اس کی کرموں ماری کی مرضی۔ یہی تو بدبخت ہے...... یہی تو نصیبوں جلی ہے۔“ زینب بین کرنے لگی۔

”اماں...... اماں! مجھے کیوں کوس رہی ہے، تجھے خوشی نہیں ہوئی۔“ وہ بھولپن سے ماں کو دیکھتے ہوئے بولی۔

”بہت خوشی کا فیصلہ کیا ہے تُو نے...... کرم داد کو بھی رخصت کر دیا تو نے۔“ زینب کی پلکیں بھیک

گئیں۔

''اس کی سوچ میں اور میری سوچ میں بہت فرق ہے اماں..... اس لئے مجھے جانا ہی ہے۔'' کرم داد نے زینب کو اشاروں سے سمجھانے کی کوشش کی۔

''ادھر آ..... تُو میرے پاس بیٹھ۔'' زینب نے کرم داد کو کہا اور وہ جلدی سے تکیے کے سہارے اٹھتے ہوئے بیٹھ گی۔

''ہاں..... اب بول۔'' اس کے قریب بیٹھنے پر زینب بولی۔

''میں کیا بولوں..... بولنے کو تو گڑیا نے منع کر دیا ہے۔'' کرم داد نے گڑیا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''گڑیا..... گڑیا! تو کبھی بڑی نہیں ہو گی..... کبھی اسے عقل نہیں آئے گی۔'' زینب نے سر پیٹ لیا۔

''اری بد بخت! اس ہیرے جیسے آدمی کو کھونا چاہتی ہے۔'' زینب چلائی۔

''کیا مطلب ہے تیرا؟'' وہ کچھ نہ سمجھی۔

''تُو بول بیٹا..... کیا تو گڑیا سے بیاہ کرے گا۔'' زینب بے قراری سے کرم داد کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے بولی۔

''ہیں..... اماں! تجھے کیا ہو گیا ہے؟'' وہ حیرت سے بولی۔

''تُو چپ رہ.....''

''اماں! یہ فیصلہ جذباتی نہیں ہو سکتا..... گڑیا کی مرضی کے بغیر تو میں بھی نہیں چاہتا۔'' کرم داد نے آہستہ سے کہا۔

''اس کی اب کوئی مرضی ورضی نہیں چلے گی۔ غضب خدا کا یہ لڑکی تو بالکل ہی اندھی اور بے وقوف ہے۔'' زینب غصے میں بولی۔

''اماں! تجھے میری شادی کا کیوں خیال آ گیا..... اور پہلے کون سا تُو نے اور ابا نے مجھ سے پوچھا تھا..... اسلم بھی تمہیں بہت اچھا لگا تھا۔'' گڑیا ہاتھ نچاتے ہوئے بولی۔

''چپ بیٹھی رہ..... اب تیری ایک نہیں چلے گی..... کرم داد بہت اچھا ہے..... یہ جانتا ہے کہ میری زندگی ہوا میں رکھے ہوئے اس چراغ کی سی ہے جو کسی بھی وقت بجھ سکتا ہے۔'' زینب دکھی ہو گئی۔

''اماں! ایسی باتیں نہ کر..... مجھے کسی بھوکے ننگے سے شادی نہیں کرنی..... اب تو میری تقدیر کا فیصلہ صرف اور صرف چھوٹے صاحب کریں گے۔'' وہ تن کر بولی۔

''مت نام لے اس چھوٹے صاحب کا جو صرف تیرے دماغ میں پکتا ہے..... باقی اس کی کوئی حقیقت ہی نہیں ہے۔'' کرم داد گرجا۔

''تجھے میرے غم میں دبلا ہونے کی کوئی ضرورت ہی نہیں..... تجھ جیسے شخص سے میں شادی کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی۔'' وہ لال پیلی ہوتے ہوئے بولی۔

''اچھا بس بس، ایک وقت آئے گا جب تجھے میری محبت یاد آئے گی..... تو پکارے گی مگر کچھ نہیں ہو سکے گا اس وقت۔'' کرم داد بھی گرم ہو گیا۔

''تُو چپ نہیں کرے گی کرموں ماری..... کیوں میری زندگی کے پیچھے پڑی ہے۔'' زینب غم و غصے سے نڈھال ہو کر لمبے لمبے سانس لینے لگی۔ اس کی طبیعت خراب ہونی شروع ہو گئی۔ گڑیا کے اوسان خطا ہو گئے۔ بیماری، تنگ دستی نے اسے توڑ ڈالا تھا۔

''اماں..... اماں! لے پانی پی لے۔'' اس نے پانی کا گلاس زینب کے منہ سے لگایا۔

''نہیں..... نہیں پینا مجھے پانی۔'' زینب پوری قوت سے چلائی اور ہاتھ سے گلاس دور پھینک دیا۔

''اب خوش ہو جا میری ماں کو بہکا کر۔'' گڑیا نے سارا غصہ کرم داد پر نکالا۔

''مجھے افسوس ہے کہ تُو مجھے ہی غلط سمجھتی ہے۔'' کرم داد دکھ سے بولا اور جانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔

''کرم داد بیٹا! بیٹھ جا..... اگر ایک بار تو چلا گیا تو پھر کوئی نہیں آئے گا..... کوئی نہیں آئے گا۔'' زینب شدید کرب سے بولی۔

''نہیں اماں! یہ فیصلہ دل سے اگر نہیں ہوا تو کمزور ہو گا..... میری محبت کی طاقت سے بھی کمزور اور لاچار ہے گا۔'' وہ براہ راست احمق کی آنکھوں میں محبت کی کوئی کرن تلاش کرتے ہوئے بولا۔

''گڑیا..... گڑیا! مت وہ خواب بن جن کی کوئی تعبیر نہیں..... تو کرم داد کو روک لے میری بچی۔'' زینب نے گڑیا کو ہی پیار سے سمجھانے کی کوشش کی۔

''اماں تو کیوں نہیں سمجھتی.....؟'' وہ بے بسی سے بولی۔

''اری کم عقل کیا سمجھوں اور کیا نہیں؟'' زینب کی سانس الجھ گئی..... کھانسی کا شدید دورہ پڑا۔

کرم داد نے ایک محبت سے چور نظر اس پر اور ہمدردی سے بھرپور نظر زینب پر ڈالی اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ پھر باہر کے دروازے کے کھلنے کی آواز آئی اور وہ جان گئی کہ وہ چلا گیا ہے۔ اس نے سکون کا لمبا سانس لیا۔ کرم داد کے بارے میں تو اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا اور سوچ بھی کیسے سکتی تھی۔ اس کی سوچ تو بچپن سے چھوٹے صاحب کی طلسماتی شخصیت کے سحر میں جکڑ بند تھی۔ اب بھی وہ بیچ منجدھار میں کھڑی صرف اس ایک ساحل پر پہنچنے کی لگن میں ہاتھ پاؤں مار رہی تھی، زینب شکست خوردہ سی آنکھیں موندے غنودگی میں چلی گئی۔

○❖○

آسمان پر دور تک سرمئی بادلوں کا قبضہ قائم ہو چکا تھا۔ سورج اپنی کرنوں سمیت خلوت گاہ کا رخ کر چکا تھا۔ اس نے کھڑکی کا پردہ سرکا کر دیکھا اور موسم کی دلکشی میں کھو گئی، ذہن کو تسکین ملی۔

اپنی ضد اور خاموشی کے ہتھیاروں سے لیس کمرے میں بند جنگ کر رہی تھی۔ رضا علی کمرے میں داخل ہوا اور اس کے قریب ہی آ کھڑا ہوا۔

''اکیلے اکیلے موسم کا لطف اٹھایا جا رہا ہے۔'' رضا علی نے کہا۔

''وقت گزارنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا اور کھڑکی سے صوفے پر بیٹھ گئی۔ اسے اس طرح کمرے میں اس کا آنا اچھا نہیں لگا تھا۔

''کچھ وقت ہمارے لئے بھی نکال لیا کریں..... ہم بھی آپ کے چاہنے والے ہیں۔'' رضا نے بے باکی سے کہا۔

''شٹ اپ۔'' وہ چلائی۔

''کمال ہے حوریہ جی! آپ مغرب سے آئی ہیں۔'' وہ ڈھٹائی سے بولا اور شانے اچکا صوفے پر بیٹھ گیا۔

''مغرب کے فریب میں آنے کی ضرورت نہیں۔'' اس نے رخ موڑ کر کہا۔

''آپ اس قدر خفا کیوں ہیں..... آنٹی بتا رہی تھیں کہ آپ مستقل کمرے میں بند ہیں..... غم منا رہی ہیں..... آپ ڈاکٹر ہیں، مریضوں کا ہی کچھ خیال کریں۔''

''اگر کسی چیز میں بھی دلچسپی کا سامان باقی نہ رہے تو پھر؟'' اس نے دھیرے سے کہا اور پھر سے جا لگی۔

''حوریہ! مجھ سے شادی کر لیں..... میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔'' وہ پھر اٹھ کر اس کے قریب گیا۔

''مسٹر رضا علی صاحب! آپ کی مجھ سے اتنی بے تکلفی نہیں ہے۔'' وہ غصہ دبا کر بولی۔

''لیکن ایک ادنیٰ سے ملازم سے تو خاصی.....'' اس نے چبا کر جملہ نامکمل چھوڑ دیا۔

''تو پھر..... بولیں، بکواس جاری رکھیں اور کچھ۔'' وہ غصے میں آپے سے باہر ہو گئی، وہ پریشان ہو گیا۔

''مس حوریہ! میری بات غلط نہ سمجھیں، میرا طلب تھا کہ.....''

''پلیز یو کین گو۔'' وہ بولی۔

''آپ..... آپ میری.....''

''آئی سیڈ یو کین گو، پلیز لیو می الون۔'' وہ چلائی۔ رضا علی پریشان ہو کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ وہ بستر پر گر کر سسکیاں بھرنے لگی۔ دل شدت جذبات سے پھٹا جا رہا تھا۔ دماغ میں ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ سب کے درمیان غرور و تمکنت سے اکڑ کر چلنے والی خوب صورت اور خوش لباس، مغرب سے لوٹ کر آنے والی یہ حوریہ تنہائی میں کس قدر مختلف اور بے بس دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے بارے میں کوئی شخص یہ تسلیم کر نہیں سکتا تھا کہ کمرے میں بند ہو کر آنسو بھی بہا سکتی ہے۔ اس کا یہ قدم

گھر کے ملازم سے شادی کرنی ہے، سب کے لئے حیران کن بھی تھا اور تعجب خیز بھی۔ اس معمے کا حل کیا تھا، یہ ابھی نہ ڈاکٹر صاحب کو سمجھ آیا تھا اور نہ شائستہ بیگم کو..... وہ دونوں چپ چپ، ہزار سوال ذہن میں رکھنے کے باوجود خاموش تھے۔ اس کی یہ ضد اور حرکت بہت عجیب سے شکوک کو جنم دے رہی تھی کیونکہ کسی بھی حالت میں یہ سوچنا کہ ایک حوریہ جیس لڑکی شریک سفر کے لیے رضا علی کو چھوڑ کر کرم داد کو چنے گی، دیوانے کی بڑ معلوم ہوتی تھی۔ یہ وہ پریشانی تھی جس کا کوئی حل ڈاکٹر صاحب اور شائستہ بیگم کے پاس بھی نہیں تھا۔ وہ دونوں الجھے ہوئے تھے..... رہ رہ کر شائستہ بیگم کو اس کی دیوانگی پر افسوس ہو رہا تھا۔ کرم داد کو تو وہ نکال چکی تھیں اور حوریہ کا کمرے میں بند رہنا ان کے لئے مسئلہ بن گیا تھا۔ رضا علی کو منہ لٹکائے جاتا دیکھ کر وہ سمجھ گئیں کہ حوریہ نے اپنی ضد قائم رکھی ہے۔ ''مگر کیوں؟'' انہوں نے بڑبڑا کر کہا اور خود اس کے کمرے میں پہنچ گئیں۔

''حوریہ! یہ سب کب تک چلے گا؟'' انہوں نے غصے سے کہا۔

''جب تک آپ میرے درد کو سمجھنے کی کوشش نہیں کریں گی۔''

'دا پنا درد بتاؤ..... کیوں پل صراط پر خود بھی چل رہی ہو اور ہمیں بھی چلا رہی ہو۔'' وہ بولیں۔

''بغیر بتائے بھی تو آپ میری مجبوری سمجھ سکتی ہیں۔ یہ سوچ سکتی ہیں کہ ایک خوب صورت، پڑھی لکھی، امیر لڑکی غریب لڑکے سے شادی کا فیصلہ کیوں کر رہی ہے؟''

''تمہاری عمر کی اکثر لڑکیوں کو عشق کا دورہ پڑ جاتا ہے۔'' شائستہ بیگم چڑ کر بولیں۔

''نہیں..... میں خواب کی دنیا میں نہیں رہتی، حقیقت پسند لڑکی بن چکی ہوں۔ کرم داد میری مجبوری کی ضرورت کے سوا کچھ نہیں..... آپ اگر میری حقیقت سنیں گی تو آپ کو کرم داد مجھ سے زیادہ امیر اور عزت دار لگے گا اور میں پستی کے جس گڑھے میں گر کر نکلی ہوں، وہاں کوئی باعزت امیر کبیر رضا علی میرا ہاتھ نہیں تھام سکتا۔ انجانے میں تھام بھی بیٹھا تو کچھ دور چل کر مجھے دھتکار دے گا..... میرے بچاؤ اور حفاظت کا انتظام نہ میری دولت میں ہے اور نہ اونچے اسٹیٹس میں۔'' وہ رنجیدہ سی شائستہ بیگم کے سینے سے لگ کر بولتی چلی گئی۔

شائستہ بیگم بھائک کی طرح بیٹھ گئیں۔ بیڈ پر بیٹھ کر اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔ انہیں حوریہ کے دکھ کے پیچھے بہت کچھ محسوس ہو گیا۔

''مجھے سب کچھ بتاؤ..... کچھ نہ چھپاؤ میری جان۔'' انگلی کی پور سے اس کی بھیگی پلکیں صاف کرتے ہوئے انہوں نے کہا۔ چند ثانیے چپ رہی۔

''حوریہ، میری چندا! میں تیرے سارے دکھ دور کر دوں گی، مجھے حقیقت بتا ڈالو۔'' انہوں نے دوبارہ اصرار کیا تو اس نے پلکیں موند کر بتانا شروع کیا۔

○❖○

تکیے سے ٹیک لگائے وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں، حوریہ کی کہانی سن کر تو ان کے

قدموں تلے سے زمین نکل گئی تھی، کیسا تڑپا دینے والا غم تھا حوریہ کی نا سمجھی نے، وہ رات بھر میں گھل رہی تھیں۔ نہ رات کا کھانا کھایا اور نہ رات سو سکیں..... کوئی چیز اندر ہی اندر انہیں کھا رہی تھی۔ ڈاکٹر سلمان نے پہلی مرتبہ بیوی کو بے چین اور پریشان دیکھا تھا۔ وہ تو بڑی طرحدار والی خاتون تھیں پھر رات سے کیا الجھاؤ ہے جو وہ بستر سے لگی ہیں۔ زبان بند ہے، ناشتے کے کہنے آئی تو ڈاکٹر صاحب نے بال سنواتے ہوئے ڈریسنگ ٹیبل سے کہا۔

"بیگم! اٹھیئے ناشتہ نہیں کرنا کیا.....؟"

"دل نہیں چاہ رہا..... آپ جا کر کرلیں۔" وہ آہستہ سے بولیں۔

"طبیعت دشمناں تو ٹھیک ہے۔" انہوں نے قریب آ کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"جی بالکل ٹھیک ہے۔"

"کچھ تو ہے بیگم صاحبہ! جو آپ اس طرح پریشان ہیں۔" وہ کرسی پر بیٹھ گئے۔

"کچھ نہیں ہے بس حوریہ کی طرف سے فکرمند ہوں۔"

"ہم زندہ ہیں بیگم صاحبہ! آپ کیوں فکر میں دبلی ہو رہی ہیں۔ حوریہ ہماری بیٹی ہے۔" پرخلوص لہجے میں بولے تو شائستہ بیگم نظریں چرا سی گئیں۔

"میں نے اس دن نجانے جذباتی ہو کر کیا کہہ ڈالا۔ اب سوچتا ہوں کہ بچے تو کوتاہیاں ہیں۔" انہوں نے ان کی خاموشی کو ناراضگی سمجھ کر کہا۔

"آپ نے جو بھی کیا وہ غلط نہیں ہے۔ بچے جو نادانیاں کر بیٹھتے ہیں انہیں نہیں معلوم بڑوں کی عزت کس طرح خاک میں مل جائے گی۔" وہ سنجیدگی سے بولیں۔

"اب ایسا بھی کچھ نہیں کیا حوریہ بیٹی نے کہ ہماری عزت کو خطرہ لاحق ہو جائے۔" وہ بولے۔

شائستہ بیگم شرمساری سے ہونٹ چبانے لگیں۔

"چلیئے اٹھیئے۔" وہ بولے۔

"آپ مجبور نہ کریں، میرا دل نہیں چاہ رہا۔ آپ حوریہ کے ساتھ ناشتہ کرلیں۔" بیگم کے وہ اٹھ کر باہر چلے گئے اور وہ پھر لمبی آہ بھر کے سوچ میں ڈوب گئیں۔ کچھ لمحے پہلے وہ شوہر کے خود کو بہت پست اور گرا ہوا محسوس کر رہی تھیں۔ اگر خاموشی سے زہر نہ پیتیں تو کسی سے سامنا کے قابل بھی نہیں تھیں۔ "اب کیا کرنا چاہیے شائستہ بیگم، کیا کرم داد ہی اس درد کی دوا ہے۔" نے کروٹ بدل کر خود سے سوال کیا۔ "مگر وہ کہاں ملے گا، اس کا تو کوئی ٹھکانہ ہمیں معلوم نہیں لمحے شمو ان کے لئے چائے کا کپ لئے چلی آئی تو ان کے ذہن میں ایک بات آئی۔

"شمو! کرم داد کا کوئی اتا پتا معلوم ہے تجھے۔"

"کرم داد کا اس شہر میں تو کسی سے کوئی رشتہ ناطہ نہیں۔ البتہ گڑیا کے گھر کا پتہ معلوم ہے۔"

وقت بتا گئی تھی۔" شمو نے کہا۔

"کیا کرم داد وہاں جا سکتا ہے؟" انہوں نے بے یقینی کے عالم میں پوچھا۔

"جا سکتا ہے۔ ویسے ایک بات اور بھی ہے اپنا مالی ہے ناں....."

"ہاں، ہاں۔"

"جانے سے ایک دن پہلے وہ مالی سے کہہ رہا تھا کہ اگر کہیں ٹھکانہ نہ ملا تو وہ اس کے پائے آ جائے گا۔"

"اچھا، مگر مالی کے پاس کیوں.....؟"

"وہ جی کرم داد اچھی عادت کا مالک ہے۔ مالی جب بھی بیمار شیمار ہوتا ہے تو کرم داد اس کا کام کرتا تھا۔ مالی اسے نہ جانے کے لئے مجبور کر رہا تھا۔ اس لئے وہ وعدہ کر کے گیا تھا۔"

"تو جا جلدی سے مالی کو بلا لا۔"

"وہ..... وہ تو آج نہیں آیا۔" اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے جواب دیا۔

"کیوں..... کیوں نہیں آیا.....؟"

"وہ جی بیمار رہتا ہے۔ اس لئے نہیں آیا ہوگا۔" شمو نے جواب دیا۔

"تو ایسا کر ڈرائیور کو ہمارے پاس بھیج۔" شائستہ بیگم نے کہا۔

کچھ دیر میں ڈرائیور شجاع آ گیا۔ انہوں نے اسے مالی کے گھر جانے کو کہا۔ ڈاکٹر سلمان ناشتے سے فارغ ہو کر اندر آ رہے تھے اور ڈرائیور جا رہا تھا۔

"یہ شجاع کو کہاں بھیج دیا ہے.....؟"

"مالی کی طرف بھیجا ہے۔ اس ہڈحرام مالی سے میں تنگ آ چکی ہوں۔ آج پھر چھٹی کر لی۔" شائستہ بیگم نے تنک کر کہا۔

"آج اکیلے ہی ناشتہ کیا ہے۔ آپ کی لاڈلی بیٹی نے بھی معذرت کر لی اور اب یقیناً وہ کلینک بھی نہیں جا رہی ہوں گی۔" ڈاکٹر صاحب نے بریف کیس اٹھاتے ہوئے کہا۔

"طبیعت ٹھیک نہ ہو۔" شائستہ بیگم نے ٹالتے ہوئے کہا۔

"اچھا، میں چلتا ہوں۔ اللہ حافظ۔" وہ کہہ کر چلے گئے۔

شائستہ بیگم نے کچھ ہمت پکڑی اور اٹھ کر خود بھی کمرے سے باہر آ گئیں۔ انہیں کچھ تسلی سی ہو گئی تھی، کرم داد تک رسائی ممکن ہے۔ کیا عجب اتفاق تھا کہ ایک ادنیٰ سے ملازم کی اس طرح اہمیت بڑھ جائے۔ خود ہی ملازمت سے نکالا جائے اور خود ہی اس کو تلاش کیا جائے۔ اپنی بے بسی پر وہ بہت رنجیدہ تھیں۔ بااختیار ہوتے ہوئے بھی بے اختیار تھیں۔ شوہر کے سامنے بھی حقیر اور کم تر ہو چکی تھیں۔ انہیں اس بات کا شدت سے احساس تھا کہ اگر حوریہ کی حقیقت ڈاکٹر صاحب کو پتا چل جائے تو کیا عزت رہ جائے گی ہم دونوں کی ان کی نظر میں۔ یہ سوچ کر ہی انہوں نے حوریہ کو بھی ہمیشہ کے لئے

زبان بند رکھنے کو کہا تھا۔ وہ ہر قیمت پر اپنی عزت اور آن بان برقرار رکھنا چاہتی تھی۔ اس کے لئے
داد جیسا دو ٹکے کا ملازم بھی داماد کے طور پر قبول تھا۔

ڈاکٹر صاحب سے کرم داد کی حمایت حاصل کرنی تھی سو وہ بھی کرلیں گی۔ یہ مشکل مرحلہ ضرور
مگر ناممکن نہیں...... سوچتے سوچتے وہ اپنے فیصلے پر سختی سے قائم ہو چکی تھیں۔ اہم مسئلہ کرم داد کا
خدا کرے وہ مل جائے۔ اگر وہ نہ ملا تو کوئی دوسرا شخص تلاش کیا جاسکتا ہے۔ یہ بات جب حور
انہوں نے کہی تو اس نے فوراً انکار کردیا۔

''کیا یہ اچھا نہیں کہ کرم داد جیسا خوب صورت وجیہہ بات کا کھرا اور مضبوط اعصاب والا
اس جگہ پر ہو۔ اتنی ساری خوبیاں ایک جگہ ممکن نہیں۔ دولت سے وہ دلکش نکل آئے گا۔'' اس نے
کی بات کا جواب دیا۔

''مگر بعد میں وہ بات کا کھرا تمہاری معذوری نہ سمجھ سکا تو۔'' انہوں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا
مسکرادی۔

''نوکر سے شوہر بنانا اس کی سب سے بڑی معذوری ہوگی۔''

ان سب باتوں کے بعد ہی شائستہ بیگم مطمئن ہوئی تھیں۔

○❖○

''ٹھک، ٹھک'' دروازے پر زور زور سے دستک ہوئی تو اللہ بخش نے کھانستے ہوئے مشکل
جواب دیا۔

''ارے دروا جا کھلا ہے...... کون ہے بھئی آجا؟''

کچھ دیر میں دروازہ کھول کر کرم داد اللہ بخش کے سامنے کھڑا تھا۔

''سلام چاچا۔''

''ارے وعلیکم سلام، کرم داد تُو...... تُو کب آیا؟'' وہ لمبے لمبے سانس لیتے ہوئے اٹھ بیٹھا۔

''لیٹا رہ چاچا۔ میں ابھی آیا ہوں اور سیدھا تیرے پاس آیا ہوں۔'' اس نے اللہ بخش کو
سیدھا لٹاتے ہوئے کہا۔

''کہاں سے......؟''

''یہ نہ پوچھ چاچا...... بڑی دور سے...... لمبا سفر طے کر کے آیا ہوں۔'' اس نے اللہ بخش کے
قریب بیٹھ کر دکھ سے سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔

''تُو تو خوشی خوشی گیا تھا۔'' اللہ بخش نے پوچھا۔

''ہاں!...... مگر چاچا! کرم داد بڑا بدنصیب ہے۔ دنیا میں اکیلا اور بے آسرا...... کوئی اس کا نہیں

''ارے گم (غم) کیوں کرے ہے تیرا یہ چاچا جو ہے۔'' اللہ بخش نے سینے پر ہاتھ مار کر
ہمت بندھائی۔

''نہیں چاچا! آج کے بعد تُو ایک نیا کرم داد دیکھے گا۔ اب کوئی غم میرے قریب نہیں آئے گا......
کرم داد بہت خوش ہے...... خوش رہنے کا منتر سیکھ لیا ہے میں نے۔'' وہ ٹھوس لہجے میں بولتا چلا گیا۔ اللہ
بخش نے ہنس کر اس کو شاباش دی۔

''یہ ہوئی نا بات، تُو دکھی کیوں رہے۔''

''اچھا چاچا تو یہ بتا کہ بیمار کب سے ہے؟''

''ارے بیٹا! بوڑھا پا تو کھود ایک بیماری ہے۔ رات سے بخار، کھانسی نے گھیر رکھا ہے۔ اسی لئے
کام پر بھی نہیں جاسکا۔ ابھی کچھ دیر پہلے ڈرائیور شجاع آیا تھا۔ بیگم صاحبہ ناراض ہورہی ہیں کہ کام پر
کیوں نہیں آیا۔ میں نے ماجرت کرلی۔ ہاں وہ تیرے بارے میں پوچھ رہا تھا۔''

''میرے بارے میں کیا؟''

''یہی کہ کرم داد کہاں ہے تیرے پاس آیا ہے کیا۔''

''شجاع کو مجھ سے کیا کام؟''

''ارے بیگم صاحبہ کی طرف سے پوچھ رہا تھا۔ تاکید کر کے گیا ہے کہ جیسے ہی کرم داد آئے تو فوراً
بیگم صاحبہ کے پاس بھیجو۔''

''ان بڑے لوگوں کی بھی عجیب باتیں ہوتی ہیں۔'' وہ تمسخرانہ انداز میں بولا۔

''ہاں...... میں تو کھود یہ سوچ رہا تھا کہ بیگم صاحبہ نے کرم داد کو نکالا بھی کھود تھا اور اب......؟''

''چھوڑ چاچا! تو یہ بتا دوائی وغیرہ بھی کھائی ہے یا نہیں اور کچھ کھایا پیا بھی ہے کہ نہیں؟''

''میں نے تو سیرے چا کے ساتھ پاپے کھا لئے تھے۔ تو کھانے کے واسطے کچھ لے آ۔'' اللہ بخش
نے کہا۔

''میں نے تو راستے میں کھانا کھا لیا تھا۔'' اس نے بتایا۔

''چل پھر چا ہی بنا لے۔''

''چاچا! میں تیرے پاس ہی رہوں گا۔''

''ارے بیٹا! بتانے کی ضرورت ہے کیا...... پر کام کیا؟''

''بیگم صاحبہ سے بات چیت کرنے کے بعد فیصلہ کروں گا۔ ان کی بھی تو سن لوں کہ وہ کیوں
پریشان ہیں میرے لئے۔'' وہ بولا اور اٹھ کر چائے بنانے لگا۔

''کرم داد! تو لاہور گیا تھا...... اس چھوکری کے گھر گیا وہ گھر نہیں ملی؟'' اللہ بخش نے ذہن میں
کلبلاتے ہوئے سوال کو نکال باہر کیا۔

''وہ...... وہ چاچا! ملی تھی اور مل کر دور ہوگئی۔'' پتی پانی میں ڈال کر وہ لمبی آہ بھرتے ہوئے بولا۔

''کیا مطلب؟''

''رہنے دے چاچا وہ میں بھول کر کسی کے گھر چلا گیا تھا۔'' اس نے پیالی میں چائے ڈال کر اللہ

بخش کے آگے کر دی۔

''وہ چھوکری گڑیا تو تیری.....''

''آگے کچھ نہ کہہ چاچا، اس کا نام بھی زبان پر لانے کی تیری اور میری اوقات نہیں..... میں غلطی پر تھا۔ غریب پھاکڑ لڑکی کے بارے میں سوچنے سے بہتر ہے بندہ زہر کھالے۔'' وہ ہنس کر اپنا ہی مذاق اڑانے لگا۔

اللہ بخش اس کی بات سن کر چپ رہا اور آہستہ آہستہ چائے کی چسکیاں لینے لگا۔

○❖○

نہا کر کپڑے چینج کر کے جیسے ہی ڈاکٹر صاحب ڈائننگ ٹیبل پر پہنچے تو حیرت زدہ سے مسکرا اٹھے۔ انواع واقسام کے کھانے میز پر چنے تھے۔ شائستہ بیگم بڑی گرمجوشی سے ان کا کھانے پر انتظار کر رہی تھیں۔ صبح جب وہ گئے تھے تو وہ بیمار اور پریشان سی بستر پر تھیں اور اس وقت انتہائی پرمسرت و مطمئن نظر آ رہی تھیں۔

''اوں، ہنہ، حیرت ہے اتنا اہتمام کس کے لئے کیا گیا ہے؟'' وہ کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے بولے۔

''آپ کے لئے..... اور کس کے لئے؟''

''زہے نصیب..... مگر یہ خوشامد ہے کس لئے؟''

''کیا..... یہ خوشامد ہے؟'' وہ ناراضگی سے بولیں۔

''ہے سو فی صد ہے اور آپ کو پتا ہے خوشامد کرنا بری بات ہے۔'' وہ نظریں چراتے ہوئے بولے۔

''آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں جیسے کبھی میں نے آپ کے لئے ایسے اہتمام کیا ہی نہ ہو؟'' وہ رو پڑیں گئیں۔

''اچھا..... اچھا غلطی معاف۔ یہ بتائیں حوریہ بیٹی کھانے پر نظر نہیں آ رہی؟''

''میں تو اس لڑکی کی ضد کے ہاتھوں عاجز آ چکی ہوں۔ کمرے میں بند احتجاج کر رہی ہے۔'' سرپیٹ کر بولیں۔

''پیار سے سمجھانا تھا۔''

''خاک پیار سے سمجھاؤں..... کہتی ہے میں بدنصیب ہوں۔ میرے ممی پاپا مر گئے ورنہ وہ میری خوشی فوراً پوری کر دیتے۔'' انہوں نے چبا چبا کر کہا۔ وہ ہنس پڑے۔

''عجیب لڑکی ہے بھئی ایک ملازم کے لئے اتنا ہنگامہ..... واہ میاں کرم داد! تمہارا تو نصیب چمک رہا ہے۔''

''میری تو حالت انتہائی بے چارگی کی ہے۔'' وہ تقریباً رو دیں۔

''او..... بیگم صاحبہ! کھانا کھائیں، تسلی سے بعد میں بات کریں گے۔'' انہوں نے کہا تو شائستہ بیگم ایک دم پرسکون ہو گئیں۔

کھانے سے فارغ ہوتے ہی شائستہ بیگم نے ملازم کو برتن سمیٹنے کے لئے کہا۔ ڈاکٹر صاحب اندر جانے والے ہی تھے کہ شمو نے آ کر رضا علی کے آنے کی اطلاع دی۔ ڈاکٹر صاحب کے کچھ کہنے سے پہلے ہی شائستہ بیگم کھردرے انداز میں بولیں۔

''انہیں کہو کہ حوریہ بی بی باہر گئی ہوئی ہیں۔''

''آنے دو بیگم! ہم سے مل لے گا۔'' ڈاکٹر صاحب بولے۔

''ہم سے کیا مل کر کرے گا۔ ہم اس وقت مصروف ہیں۔'' شائستہ بیگم تنک مزاجی سے بولیں۔

ڈاکٹر صاحب حیرت سے ان کا منہ دیکھتے رہ گئے۔ شمو چلی گئی تو انہوں نے پوچھا۔

''بیگم! یہ کیا طرز عمل ہے؟''

''دیکھیں! اگر حوریہ اسے پسند نہیں کرتی تو ہم کیوں اس پر مسلط کریں۔'' انہوں نے جواب دیا۔

''یہ تو ٹھیک ہے مگر اخلاق بھی کوئی چیز ہے۔ آپ نے پہلی مرتبہ بداخلاقی کا مظاہرہ کیا ہے۔'' ڈاکٹر صاحب بولے۔

''آپ چھوڑیں اخلاق وخلاق کو، بیٹھیں۔'' انہوں نے ٹالتے ہوئے کہا۔

ڈاکٹر صاحب خاموشی سے صوفے پر بیٹھ گئے۔ وہ بھی سنبھل کر ان کے قریب ہی بیٹھ گئیں۔

''ہاں، بولیں کھانے پکانے کی اصل وجہ کیا ہے؟''

''پھر وہی کھانے کو درمیان میں کیوں لا رہے ہیں؟'' وہ چڑ گئیں۔

''اچھا بابا، بولیں۔'' وہ ہنس دیئے۔

''اب حوریہ کا کیا کرنا ہے؟''

''کیا کرنا ہے.....؟'' انہوں نے الٹا سوال کیا۔

''آپ سے پوچھ تو رہی ہوں۔ مجھ سے تو اس کی یہ حالت دیکھی نہیں جاتی۔'' وہ انتہائی بے بسی سے بولیں۔

''آپ فرمائیں، میں اس سلسلے میں کیا کروں؟'' وہ ان سے بھی زیادہ بے چارگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولے۔

''آپ میری بات سمجھیں گے تو کچھ کریں گے۔'' وہ جل کر بولیں۔

''بیگم! آپ صاف صاف بات کریں..... ہم کیا کریں؟''

''حوریہ کے لئے کچھ کریں تاکہ اس کی اداسی کم ہو۔'' وہ مطلب پر آ گئیں۔

''یعنی کہ ہم ایک ادنیٰ سے ملازم کو تلاش کریں اور پھر اسے اپنے برابر بٹھائیں۔'' وہ دھیرے دھیرے بولے۔

شائستہ بیگم کو ایسا لگا جیسے وہ سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی بڑی دیر سے ان کو بے وقوف بنا رہے تھے۔

''مجبوری ہے..... اس یتیم بچی کو سہارا ابھی تو دینا ہے۔'' لوہا گرم دیکھ کر انہوں نے چوٹ لگائی۔

''مگر میں یہ سب نہیں کر سکتا۔ زمانہ کیا کہے گا؟'' وہ سنجیدگی سے بولے۔

''زمانے کی فکر چھوڑیں..... خاموشی سے ہم اس ادنیٰ سے ملازم کو بھی اعلیٰ بنا لیں گے..... کیا پتا کہ وہ ملازم ہے یا کسی رئیس کا صاحبزادہ۔'' شائستہ بیگم نے جھٹ ان کو لاجواب کرنے کی کوشش کی۔

''بیگم! لگتا ہے آپ نے تازہ تازہ کوئی ناول پڑھا ہے۔ یہ سب اتنا آسان نہیں ہے جتنا آپ سمجھ رہی ہیں۔''

''کچھ مشکل نہیں ہے کرم داد کو میں تلاش کرا لوں گی۔ باقی آپ سنبھال لیں۔''

''آپ اچھی طرح سوچ لیں، حوریہ کو سمجھائیں کہ شکل وصورت ہی سب کچھ نہیں ہوتی۔ اصل کرم داد کے پاس نہیں۔'' انہوں نے کہا۔

''میں نے اسے بہت سمجھایا ہے، آپ بس پلیز میرا ساتھ دیں۔''

''یوں تو ہوش مند دیوانوں کے قصے بہت سنے تھے مگر اب دیکھ بھی لیا۔ اگر حوریہ نے پرنس ہونے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے تو کون بچا سکتا ہے؟'' وہ بولے تو شائستہ بیگم مطمئن ہو گئیں۔

ڈاکٹر صاحب نے چور نظروں سے بیگم کے چہرے کے اطمینان کو دیکھا اور آنکھیں موند لیں۔

○❖○

سائیں سائیں کرتی ''لال کوٹھی'' کی اداسی اور سناٹا اس کے اندر اتر گیا تھا۔ سوکھی گھاس پر پتوں پر پاؤں رکھتی تو چراہٹ کی آواز سے یوں محسوس ہوتا جیسے اس کے وجود میں خواہش اور آرزو دم توڑ رہی ہوں۔ چاروں طرف اجنبی سا احساس محسوس ہو رہا تھا۔ پلکیں بھیگ بھیگ جا رہی تھیں۔ روح فرسا لمحہ تھا دو گھنٹے پہلے، جب چھوٹے صاحب کے مینیجر نے آ کر کوٹھی کی نیلامی کی خبر سنائی۔ خوشخبری بھی سنائی کہ اپنی شادی کی خوشی میں ملازمین کے لئے انعامات بھیجے ہیں، تحائف بھیجے ہیں۔ ایک ماہ کے اندر اندر ملازمین کو سرونٹ کوارٹر خالی کرنے ہوں گے۔ سب ملازمین خوش ہو کر بیگم صاحبہ اور چھوٹے صاحب کو دعائیں دے رہے تھے۔ بغیر دیکھے اور بغیر لئے ہی تحفوں کی قدر و قیمت کا اندازہ لگا رہے تھے مگر اس پر..... اس پر تو جیسے بجلی گر گئی۔ یہ سن کر ہی کہ چھوٹے صاحب ہمیشہ کے لئے منتقل ہو گئے ہیں۔ علیزہ بی بی سے شادی کر کے انگلینڈ کی سکونت اختیار کر لی ہے۔ اس کے اندر کی چھناکے سے ٹوٹ کر کرچی کرچی ہو گئی۔ سب جا چکے تھے مگر وہ اب تک غیر یقینی فضا میں شکست خوردگی سے چل رہی تھی۔ غور سے دیکھنے پر آج پہلی مرتبہ ''لال کوٹھی'' کے در و بام برے لگ رہے تھے۔ اب تک جو منظر سہانا لگتا تھا آج وہ بھیانک بن گیا تھا۔ چھوٹے صاحب سے اس سرد مہری کی توقع

نہیں تھی۔ پلکوں سے اشکوں کا سیلاب امنڈ آیا۔ کافی دیر رونے کے بعد کوارٹر لوٹ کر آئی تو اماں کی گود میں منہ چھپا کر سسکیوں سے رونے لگی۔

''اب کیوں روتی ہے پگلی۔'' اماں نے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔

''اماں..... اماں! چھوٹے صاحب نے ایسا کیوں کیا؟''

''اس لئے کہ وہ چھوٹے صاحب ہیں..... تو نے عارضی سائے کو مستقل پناہ سمجھ لیا تھا۔ یہی بات تو تجھے ہم سمجھاتے تھے مگر تجھے کبھی سمجھ نہیں آیا۔'' زینب، بیٹی سے زیادہ دکھی ہو رہی تھی۔

''اماں! کم از کم آتے تو سہی..... میں تو صرف انہیں سب سے اچھا سمجھتی تھی۔'' وہ روتے روتے گلہ کرنے لگی۔

''کیوں آتے وہ..... ہمارے متاج ہیں کیا اور پھر وہ غلط بھی نہیں ہیں۔ انہوں نے کب یہ کہا تھا کہ گڑیا بی بی تم اپنی اوقات بھول جاؤ..... مجھے تو فکر سر چھپانے کی ہے اچھا بھلا آسرا بنا تھا تُو نے اسے بھی دھکے دے دئے۔'' زینب خود بھی رو دی۔

''ویسے میرا دل کہتا ہے کہ چھوٹے صاحب آئیں گے ضرور۔'' اس نے پھر سہانے خواب کا سہارا لیا۔

''دیکھو گڑیا! یہ باتیں اب ذہن سے نکال دے۔ آگے کی فکر کر، وہ آئیں تو کچھ نہیں، نہ آئیں تو کچھ حاصل نہیں..... ہمیں ایک مہینے کے اندر اندر یہ کوارٹر خالی کرنا ہے۔''

''اماں! مجھے یقین ہے چھوٹے صاحب ضرور آئیں گے۔'' وہ پھر ایک بھرپور یقین کے ساتھ بولی۔

''تیرا تو دماغ خراب ہے..... میرے پاس تیرے دماغ کا علاج نہیں۔'' زینب..... بولی۔

''ویسے ہم اب کہاں جائیں گے؟'' اس نے پوچھا۔

''فی الحال صفیہ، ثریا کے پاس رہیں گے پھر دیکھی جائے گی۔'' زینب نے کہا تو وہ ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اس..... اس مچھلی بازار میں..... اس مرغی کے ڈربے میں..... میں ہرگز نہیں جاؤں گی۔''

''میرے بادانے جو محل چھوڑا ہے اس میں چلی جا۔'' زینب نے دو ٹوک جواب دے دیئے۔

''تجھے معلوم بھی ہے وہاں کیا حالت ہے؟''

''سب معلوم ہے۔ فی الحال سر چھپانا ہے۔ آگے کی بعد میں سوچیں گے۔'' زینب نے کہا اور دکھ سے برا سا منہ بنا کر اپنی بدبختی پر کڑھنے لگی۔

زینب نے دکھ بھری نظروں سے بیٹی کو دیکھا اور پھر لمبی سانس بھر کے رہ گئی۔ اس کے علاوہ وہ کر بھی کیا سکتی تھی۔

''گڑیا..... گڑیا!'' اماں نے پکارا۔

"کیا ہے اما؟"

"کرم داد لوٹ کر آ سکتا ہے کیا؟" زینب کی آنکھوں میں موہوم سی امید جگمگا رہی تھی۔

"اس کے آنے سے کیا ہوگا؟" وہ تڑخ کر بولی۔

"آسرا بن جائے گا۔"

"وہ تو خود دوسروں کے آسرے پر ہے۔" وہ طنزیہ بولی۔

"اگر تو چاہے تو وہ آسرا بن سکتا ہے۔"

"اماں..... اماں! وہ میرے لئے اسلم کی طرح ہے۔"

"اے ہے تو اسلم میں کون سے کیڑے پڑے تھے۔ تو نے تو غریب ہونے کو کوئی موذی مرض بنا دیا تھا۔ چھوٹے صاحب کے نشے کی پٹی اتار کر دیکھتی تو وہی اچھا ہوتا اور یہ کرم داد یہ ہر لحاظ سے تھا۔ تیری زبان درازی اور کم عقلی نے اسے ہات سے نکال دیا۔" اماں غصے سے بولتی چلی گئی۔ نے کندھے اچکا کر ماں کو دیکھا۔

"تو کہے تو ہم اس کے پاس چلیں؟"

"چلن کو تو چلیں۔ مگر یاد رکھ اماں! کرم داد کو میں پسند نہیں کر سکتی۔ ویسے بھی اس کی حوریہ بی بی سے ہونی ہے۔" تڑک کر بولی۔

"تیرے لئے تو فرشتے آئیں گے..... آسمان سے شہزادہ اترے گا۔" زینب چلائی۔

"اماں..... اماں! وہ میرے ذہن میں نہیں سماتا۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس جیسے لوگ مجھے اچھے لگتے۔"

"کیوں..... کیوں اچھے نہیں لگتے..... تو ایک دن پچھتائے گی..... سر ٹکرائے گی دیواروں پر مگر وقت ہاتھ سے نکل چکا ہوگا۔" زینب کہتی ہوئی اٹھ کر کمرے میں چلی گئی اور وہ اپنی بے روکنے لگی۔

○❖○

ڈاکٹر صاحب کے لینک جانے کے بعد شائستہ بیگم تسلی سے اخبار کا مطالعہ کرنے لگیں۔ فارغ ہو کر آئی تو انہوں نے خوش ہو کر اس تبدیلی پر شاباش دی۔

"یہ ہوئی اچھی بات..... تم کلینک جاؤ، خوش رہو، سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"او کے سی یو، بائے۔" وہ بھی کئی دنوں بعد مسکرائی تھی۔ اس کو گئے زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ کرم داد اور مالی بابا کے آنے کی اطلاع دی۔ وہ اخبار پڑھتے پڑھتے چونک اٹھیں۔

"اچھا..... مالی بابا سے کہو وہ اپنا کام کریں۔ کرم داد کو میرے پاس بھیج دو۔" انہوں نے اخبار تہہ کر کے رکھتے ہوئے وہ الفاظ اکٹھے کرنے لگیں۔ جن کا استعمال ضروری ہو گیا تھا۔ دروازہ بان اور اکڑ کے ساتھ آ گیا۔

"آؤ، کرم داد۔"

"جی، آ تو میں گیا ہوں۔ آگے بولیں۔"

"ہاں..... ہاں، پر بیٹھو تو سہی۔" وہ نرمی سے بولیں۔

"آپ کام کی بات کریں۔"

"مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے..... تسلی سے بیٹھو تو کریں۔" انہوں نے جواب دیا۔

"بیگم صاحبہ! میں کھڑے کھڑے بھی آپ کی بات سن سکتا ہوں۔" وہ تیکھے انداز میں بولا۔

"اچھا، ٹھیک ہے بات ذرا عجیب سی ہے۔ کہتے ہوئے بھی میری زبان ہچکچا رہی ہے۔" انہوں نے کہا۔

"ایسی ہی کوئی شرم ناک بات ہے تو بے شک آپ نہ کریں۔" وہ طنزیہ بولا۔

"نہیں..... نہیں ایسی کوئی بات نہیں..... بات وہی حوریہ والی ہے۔" انہوں نے کچھ ندامت سے اس کی طرف دیکھا۔

"جی..... اس سلسلے میں، میں کیا کر سکتا ہوں؟" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"حوریہ تمہاری چاہت میں دیوانی ہو گئی ہے..... اب سب کچھ تمہیں ہی کرنا ہے۔" انہوں نے کہا۔

"بیگم صاحبہ! حوریہ بی بی کو میری چاہت نہیں ہو سکتی..... آپ اصل بات کریں بس۔" اس نے دو ٹوک لہجے میں کہا۔

"صاف لفظوں میں یہ کہنا ہے کہ تم ہمارے بیٹے بن جاؤ..... حوریہ سے شادی کر لو۔" انہوں نے ایک ہی سانس میں جملہ مکمل کر دیا۔

"یہ حکم ہے یا گزارش؟"

"نہ حکم ہے اور نہ گزارش..... حوریہ کی دیوانگی نے ہمیں ایسا کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ بدلے میں حوریہ کا جو کچھ ہے، ہمارا جو کچھ ہے۔ سب تمہارے استعمال میں ہوگا۔" انہیں کرم داد کی بات بری محسوس ہوئی تو تڑخ کر بولیں۔

"آپ مجبور ایسا نہ کریں کیونکہ میں بکاؤ مال نہیں۔"

"دیکھو کرم داد! ہمیں حوریہ کی ہر خواہش محترم ہے۔ اس کی خوشی کے لئے تو ہم تمہارے قدموں پر سر رکھ سکتے ہیں۔ ہماری بات مان لو۔" وہ ایک دم نرم پڑ گئیں۔

"لیکن کیوں..... میں حوریہ بی بی سے محبت نہیں کرتا؟" وہ چڑ کر بولا۔

"محبت خود بخود ہو جائے گی۔" وہ بولیں۔

"حیران ہوں ایک امیر کبیر لڑکی ایک معمولی سے ملازم سے محبت کرنے لگے۔" وہ ہنسا۔

"محبت اسی پاگل پن کا نام ہے۔ تم نے کیونکہ محبت کی نہیں اس لئے نہیں جانتے۔" شائستہ بیگم

نے اس کے دکھی دل کو بری طرح مسل ڈالا۔ وہ درد سے ہونٹ چبا کر رہ گیا۔

"آپ کو کیا پتا کہ میں نے کتنی شدتوں سے محبت کی ہے اور کرتا رہوں گا۔"

"کیا کہا...... سنائی نہیں دیا۔" اس کی بڑبڑاہٹ پر شائستہ بیگم نے کہا تو وہ ٹال گیا۔

"کچھ نہیں۔"

"پھر بولو...... ہماری بات قبول ہے؟"

"مجھے کیا کرنا ہوگا؟"

"بس کچھ نہیں...... آج سے ابھی سے اس گھر میں رہنا ہوگا۔ آج کل میں ہم نکاح کرا دیں گے اور بس۔" شائستہ بیگم تیزی سے بولیں۔

"اتنی جلدی اور اس طرح۔" وہ حیرت سے ان کا منہ دیکھنے لگا۔

"بھئی جلدی ہمیں ہے...... شادی حور یہ کی مرضی سے ہوگی۔"

"اس سارے قصے میں میری مرضی کہاں ہے؟" وہ اکھڑ لہجے میں بولا۔

"او، ہو میرا مطلب ہے، سادگی سے شادی کی تقریب ہوگی اور سب تمہاری مرضی ہی سے ہوگا۔" انہوں نے نہ چاہتے ہوئے بھی نرمی سے کہا۔

"اچھا، ٹھیک ہے میں سوچ کر جواب دوں گا۔"

"کرم داد! سوچنے کی کیا ضرورت ہے۔ اپنی خوش بختی پر تمہیں فخر ہونا چاہیے۔" شائستہ بیگم نے کہا تو وہ ان کے جملے کے آخری حصے پر چونکا۔

"دولت، امارت، فخر کے قابل ہوتی ہے۔ اس سے انسان چھوٹا، بڑا صاحب بن جاتا ہے۔ مجھے بھی بن جانا چاہیے۔" اس نے فوری طور پر خود سے سوال کیا اور فوراً مثبت جواب پا کر شائستہ بیگم کو بے نیازی سے انداز میں رضامندی دے دی۔ شائستہ بیگم بجھے ہوئے دل سے پرسکون ہو گئیں۔

"میں شام تک اس بڑے گھر میں آ جاؤں گا۔" اس نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے شان بے نیازی سے کہا اور تیز قدموں سے باہر نکل گیا۔

شائستہ بیگم نے سر صوفے کی پشت سے ٹکا لیا اور گہری سوچ میں پڑ گئیں۔ یہ سب خلاف معمول کرنے کے بعد وہ خود کو دنیا کا انتہائی بے بس انسان تصور کر رہی تھیں۔ خود کو ڈاکٹر صاحب کا مجرم سمجھ رہی تھیں۔ ایک باوقار، عزت، آن والے شخص کو سب ملنے جلنے والوں میں کمتر بنا رہی تھیں۔ یہ رشتہ قائم کر رہی تھیں جو ان کے اسٹیٹس کے خلاف تھا۔ ان کے طبقے میں اس طرح کے بے جوڑ رشتے نہیں ہوتے تھے۔ جس مشکل کام کی ابتدا وہ کر بیٹھی تھیں اس کی تو بہت کٹھن منزلیں ابھی باقی تھیں۔ عزیز و اقارب کے سوالات کے جوابات، طنزیہ کٹیلی نظروں کے جواب اور پھر ایک بے جوڑ انسان کو ایڈجسٹ کر کے اپنے برابر رکھنا، یہ سب مشکلات ابھی درپیش آنی ہیں۔ انہوں نے خود کو سہارا دیا اور کچھ بے فکر ہو گئیں۔

○❖○

"تو تو کیا میم صاحب سے شادی کرے گا؟" مالی چاچا نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں چاچا!"

"تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ یہ امیر لوگ ایک منٹ میں انسان کو زمین سے اٹھاتے ہیں۔ اپنا فائدہ اٹھا کر دوسرے ہی منٹ پیروں تلے کچل دیتے ہیں۔" اللہ بخش کو کرم داد پر تعجب ہو رہا تھا۔

"چاچا! جانتا ہوں پر دو چار دن تو عیش کرنے کا ہمارا بھی حق ہے۔ غربت سے ملا ہی کیا ہے؟ کچھ نہیں۔ غریب کو تو غریب پسند نہیں کرتے۔ اب تو یہ فیصلہ میں کر چکا ہوں۔" کرم داد نے دوٹوک لہجے میں کہا۔

"سوچ لے بیٹا! یہ رشتہ انوکھا ہی ہے اور حیرت ناک بھی۔ یہ بیگم صاحبہ جیسے لوگوں کو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ یہ لوگ کسی کو بغیر مطلب کے قریب نہیں آنے دیتے۔ تو اچھی طرح سوچ سمجھ لے۔" اللہ بخش نے مشورہ دیا۔

وہ سن کر خاموشی سے فرش سے گھاس نوچتا رہا۔ اس کے چہرے پر پھیلی سوچ کی لکیریں مالی چاچا نے نہیں دیکھیں، انہیں کام کرتا چھوڑ کر وہ بوجھل قدموں سے باہر نکلا اور دور تک چلتا ہوا ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گیا۔

"واہ کرم داد! تُو بھی عجیب بے آسرا انسان ہے۔ نہ منزل ہے، نہ ٹھکانہ، کسی کو تجھ سے محبت ہے نہ ہمدردی...... تُو کسی کی غرض کے ہاتھوں بک رہا ہے، نیلام ہو رہا ہے، یہ سب تیری خواہش ہے اور نہ مجبوری پھر...... پھر کیوں تو خود کو نیلام کر رہا ہے؟"

"اس لئے...... اس لئے کہ میں چھوٹا صاحب بننا چاہتا ہوں...... میں محبت بننا چاہتا ہوں...... میں کسی کی آنکھ بننا چاہتا ہوں...... کسی کے دل کی معصوم خواہش بننا چاہتا ہوں...... میں اپنی محبت کا مقام چاہتا ہوں...... میں اعلیٰ کپڑے اور عمدہ خوشبوئیں استعمال کرنا چاہتا ہوں...... میں اس ظالم کی خواہش کا احترام کرنا چاہتا ہوں۔" اپنے ذہن کے سوال پر وہ ہذیانی انداز میں چلا کر جواب دینے لگا۔

"لیکن کرم داد! اس طرح تمہاری محبت تو پھر بھی تمہاری نہیں ہو سکے گی۔ تم ایسا حمیت پسند انسان، دولت اور آسائشات کے لئے یہ سب نہیں کر سکتا۔ یہ تو خود غرضی ہے۔ ذہن نے ایک اور سوال کر دیا تو وہ تلملا کر بولا۔

"میں شادی اپنی محبت کے کہنے پر کر رہا ہوں...... یہ خود غرضی اسی معصوم نے مجھے سکھائی ہے...... میں تو سادہ لوح مخلص انسان تھا...... اس نے جس طرح میری محبت کا بت پاش پاش کیا، وہ میں ہی جانتا ہوں...... اس نے مجھ جیسے انتہا پسند اور مضبوط ارادے والے شخص کو الٹ پلٹ کر رکھ دیا...... اس کی بے پروائی، اس کی عدم دلچسپی، میری محبت کی ضد بنتی گئی اور اب میں اس کو محبت کی حرارت سے

جیتنا چاہتا ہوں..... اس کو بتانا چاہتا ہوں کہ محبت میں کوئی بڑا یا چھوٹا صاحب نہیں ہوتا..... ضرورت میں کہیں اعلیٰ لباس اور عمدہ خوشبوؤں کی ضرورت نہیں پڑتی..... اسے میں دکھانا چاہتا کہ کرم داد ''چھوٹے صاحب'' بن کر کس طرح بدل گیا۔'' اس نے غصے میں سارا زہر نکالا اور اس کے اضطراب میں کمی آتی گئی۔ بے قراری گھٹتی گئی، قرار آتا گیا اور اس نے آنکھیں موند بہت سا وقت دھیرے سے گزر گیا۔

○❖○

سرمئی بادلوں نے آسمان کو گھیرے میں لے رکھا تھا۔ سورج وقت سے پہلے ہی بادلوں کے پیچھے چھپ گیا تھا۔ ٹھنڈی بھیگی بھیگی ہوا کے ساتھ چہل قدمی کرتے ہوئے حوریہ کو کافی سرور مل رہا تھا۔ کئی دنوں کی تھکن اور درماندگی کا اثر ختم ہو گیا تھا۔ دوپہر کو شائستہ بیگم نے کرم داد کے آنے اور معاملہ طے ہونے کی اطلاع دی تو وہ ہلکی پھلکی ہو گئی۔ بہت خوشی کا اظہار نہ کر سکی کیونکہ اس کی خوشی اور محبت کا بھرم شائستہ بیگم پر کھل چکا تھا۔ اب تو صرف اطمینان اور بہلاوے کی بات تھی۔

گیٹ سے کرم داد کو داخل ہوتا دیکھ کر وہ مسکرانے لگی اور ہاتھ ہلا کر اسے اپنی طرف آنے کو کہا۔ اس نے ابرو چڑھا کر اس کی طرف دیکھا۔ چند ثانیے رکا اور پھر کچھ سوچ کر اس کی طرف آ گیا۔

''خوش آمدید مائی ڈیئر!'' اس نے انتہائی خوشی کا مظاہرہ کیا۔

اس نے چبھتی ہوئی نظروں سے اس کا جائزہ لیا اور خاموش رہا۔

''بیٹھو۔'' وہ گھاس پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی۔ اسے بھی ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔ وہ بیٹھ گیا۔

''اب بولو..... ہماری محبت پر یقین آیا کہ نہیں؟'' وہ تفخر سے بولی۔

''آپ کی مجبوری اور ضرورت کا یقین آ گیا۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''کک..... کونسی مجبوری؟'' وہ چونکی۔

''گھبرائیے نہیں، ابھی میں مجبوری جان نہیں پایا لیکن ایک روز جان لوں گا۔'' وہ بولا۔

''میری محبت کو تم میری مجبوری کہہ سکتے ہو کیونکہ تمہیں نہیں معلوم کہ حوریہ نے تمہیں کس قدر ٹوٹ کر چاہا ہے۔'' وہ رومانٹک ہو کر اس کی طرف بڑھی تو وہ دور ہو کر بولا۔

''حوریہ بی بی! محبت، محبت کہہ کر محبت کی تذلیل نہ کریں۔ مطلب کی بات کریں۔''

''کرم داد ڈارلنگ! اب صرف حوریہ کہا کرو۔'' وہ بات یکسر بدل گئی۔

''جب صرف حوریہ کہنے کا وقت آئے گا تو ضرور سوچوں گا۔'' یہ کہہ کر وہ اٹھا۔

''کم آن، کہاں جا رہے ہو؟'' اس نے پھر دوسری مرتبہ ہاتھ پکڑا اور زبردستی بٹھا لیا۔

''مجھے شائستہ بیگم سے ضروری بات طے کرنی ہے۔'' اس نے کہا۔

''ہماری شادی کی تاریخ طے کرنی ہے۔'' وہ مسکرائی۔

''اس سے متعلق ہی سمجھیں۔'' اس نے جواب دیا۔

''چلو پھر دونوں ساتھ چلتے ہیں۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھی۔

اس نے ناگواری سے دیکھا اور سختی سے ہاتھ کھینچ کر کھڑا ہو گیا۔ تیز قدموں سے آگے چل... وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے چلتی ہوئی ٹی وی لاؤنج میں پہنچ گئی مگر شائستہ بیگم وہاں نہیں تھیں۔ شاید کہ وہ غسل کر رہی ہیں۔

"چلو ڈارلنگ! کمرے میں چل کر بیٹھتے ہیں۔" حوریہ نے اس کے بازوؤں میں اپنی بانہیں ڈال کر کہا۔

کرم داد نے آہستگی سے خود کو آزاد کرایا۔

"ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔" اس نے سختی سے کہا۔

"کبھی کبھی تو میں حیران رہ جاتی ہوں یہ دیکھ کر کہ تم کوئی فلاسفر ہو یا اسکالر یا پھر......"

"ادنیٰ سا ملازم۔" کرم داد نے اس کا جملہ مکمل کر دیا۔

"میرا مطلب ہے......" وہ بوکھلا سی گئی۔

"آپ کا وہی مطلب ہے جو میں نے سمجھا ہے، خیر آپ پریشان نہ ہوں۔" اس نے کہا۔

"اچھا کہیں باہر چلتے ہیں، میں ابھی کپڑے چینج کر کے آتی ہوں۔" وہ بولی۔

"میم صاحبہ! کہا نا کہ ابھی وقت نہیں آیا۔" اس نے سنجیدگی سے کہا اور باہر نکل گیا۔

وہ ہونق سی کھڑی رہ گئی۔ شائستہ بیگم نے اسے جاتا دیکھ لیا تھا۔

"پریشانی کی ضرورت نہیں ہے۔ ٹھیک ہو جائے گا۔" انہوں نے کہا تو وہ شانے اچکا کر صو... بیٹھ گئی۔

"ویسے کم بخت ہے بہت حسین و جمیل۔" حوریہ نے رشک سے کہا۔

"ہاں اسی لئے تو اتنا نخرا کرتا ہے ورنہ اتنی بڑی لاٹری نکلنے پر ہمارے پیر چاٹ رہا ہوتا۔" شائستہ بیگم نے منہ بگاڑ کر کہا۔

"آنٹی! ویسے یہ شخص بہت خوفناک باتیں کرتا ہے۔ مجھے ڈر محسوس ہوتا ہے۔" حوریہ نے کہا۔

"ارے نہیں نہیں، یہ بالکل بدل جائے گا۔ ڈرنے ورنے کی ضرورت نہیں۔ ہمارے ٹکڑوں پل کر یہ بھونکنا بھول جائے گا۔" شائستہ بیگم تمسخرانہ انداز میں مسکرا کر بولیں۔

"اور اگر اس نے کوئی ضد قائم کر لی؟" حوریہ کے چہرے پر خوف کانپنے لگا۔

"تو اداسے ٹال دینا، عورت کے لئے بھلا کوئی کام مشکل ہے کیا؟" شائستہ بیگم نے شاطرانہ پیچ بتایا۔

"کبھی کبھی مجھے سچ مچ اسے پیار ہونے لگتا ہے۔"

"تو اچھی بات ہے۔ اب کرنا تو پڑے گا۔ ورنہ کام نہیں چلے گا۔" شائستہ بیگم نے جواب دیا۔

"ارے بھئی کون سا کام نہیں چلے گا؟" ٹی وی لاؤنج میں ڈاکٹر صاحب نے داخل ہوتے... بیگم کی بات پر پوچھا۔

"کچھ نہیں، میں حوریہ کو سمجھا رہی تھی۔" بیگم شائستہ نے فوراً بات بنائی۔

"اب کیا سمجھانا؟" ڈاکٹر صاحب ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے طنزیہ بولے۔

"حوریہ! تم اپنے کمرے میں جاؤ۔" شائستہ بیگم نے حوریہ سے کہا، تو وہ فوراً اٹھ کر چلی گئی۔

"کرم داد کے کپڑوں کا ناپ اپنے ٹیلر کو دلوانا ہے۔"

"ہاں، ہر جگہ میری ہی ناک کٹنی چاہیے۔" وہ بولے۔

"توبہ ہے اس میں ناک کٹنے والی کون سی بات ہے؟" آپ سب کو یہی بتائیں کہ کرم داد آپ کا دور کا رشتے میں بھانجا ہے۔ آسٹریلیا سے آیا ہے۔"

"او، ہو، آپ کا بھی جواب نہیں۔" ڈاکٹر صاحب کو ہنسی کا دورہ پڑ گیا۔

"اے ہے خوامخواہ ہنستے جا رہے ہیں۔" شائستہ بیگم چڑ گئیں۔

"نام کرم داد، حلیے سے نچلے درجے کا انسان دکھائی دیتا ہے۔ ٹوٹی پھوٹی اردو کے علاوہ کوئی زبان نہ جانتا ہو۔ اسے میں سب کو دکھا کر یہ کہوں کہ یہ آسٹریلیا سے آیا ہے۔ بہت خوب، ابھی لوگوں نے گھاس کھانی شروع نہیں کی، بھتیجی کی محبت میں تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" وہ بیوی کی سوچ پر پریشانی سے سر پیٹ کر بولے۔

"ارے تو آسٹریلیا کے لوگوں کے سر پر سینگ ہوتے ہیں۔ انگریزی لباس پہنے گا تو انگریزوں کو شرمائے گا۔ رہا نام تو آپ نام بدل دیں، کوئی اچھا سا نیا نام رکھ لیں۔" شائستہ بیگم بھی تنک کر بولیں۔

"بیگم صاحبہ...... بیگم صاحبہ! اسے ویسے ہی رہنے دیں۔ اپنے کسی بڑے شہر سے بلا لیں۔ مثلاً لاہور، کراچی وغیرہ سے تاکہ اس کا نام بھی چل جائے اور شخصیت بھی، وہ وجہ حیرت نہ بنے۔" ڈاکٹر صاحب بولے۔

"اچھا، بابا جو جی میں آئے کریں۔ مجھے تو کرم داد کے کپڑے، جوتے اور دوسری ضروری چیزیں فوراً چاہئیں۔" شائستہ بیگم جھلا کر بولیں۔

"اتنی جلدی بھی کیا ہے؟"

"ارے ... کیا لوگوں کو سب کچھ بتا کر، جتا کر کرنا ہے۔ جتنی جلدی ہو چپ چاپ نکاح ہو جانا چاہیے اور اس کرم داد کو تو میں آج سے بلکہ ابھی سے کمرے میں بند کرتی ہوں تاکہ ایک ہی دفعہ وہ پکڑا جائے۔" شائستہ بیگم یہ کہتی ہوئی کرم داد کو بلوانے کی غرض سے باہر چلی گئیں اور ڈاکٹر صاحب نے سکھ کا سانس لیا۔

○❖○

بڑی دیر سے "لال کوٹھی" کے لان سے مختلف آوازیں آ رہی تھی۔ جن میں منیجر صاحب کی آواز نمایاں تھی۔ سب ملازم وہاں جمع تھے۔ اسے بھی کئی بار بلایا گیا مگر وہ تو پتھر کی موت بنی دیوار سے لگی کھڑی تھی۔ سب کچھ سن رہی تھی مگر بات کرنے کا حوصلہ نہیں تھا یا شاید وہ اپنے حوالے سے جو سننا

چاہتی تھی اس کی منتظر تھی۔

''تم میں سے گڑیا، گڑیا کون ہے؟'' منیجر صاحب کی آواز پر اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ خوشی سے سرپٹ دوڑی اور ان کے درمیان پہنچ کر زور سے چلائی۔

''مم..... میں، میں گڑیا ہوں۔'' ناہموار سانسوں کے درمیان وہ بولی۔

سب اس کی طرف دیکھنے لگے۔ منیجر صاحب نے اس کی طرف دیکھا اور ہاتھ میں پکڑا ہوا پیکٹ اس کی طرف بڑھایا۔

''یہ چھوٹے صاحب کی طرف سے تمہارے لئے ہے۔'' منیجر نے کہا۔

''ک..... ک..... کیا ہے اس میں؟'' وہ بوکھلا کر بولی۔ وہ تو صرف یہ سننا چاہتی تھی کہ چھوٹے صاحب نے گڑیا کے لئے کیا پیغام دیا ہے۔

''مجھے نہیں معلوم، کھول کر دیکھ لیں۔'' منیجر صاحب نے کہا اور پھر آخر میں انہوں نے کیا کہا کیں اس نے نہیں سنیں۔ دھڑکتے دل کے ساتھ، لرزتے قدموں کے ساتھ واپس آ گئی۔ کوارٹر کے قدم رکھ کر کانپتے ہاتھوں سے ڈبہ کھولا تو ایک خوب صورت سنہری بالوں والی گڑیا نے پٹ سے آنکھیں کھول کر اس کی طرف دیکھا۔

''گڑیا..... گڑیا!'' زینب نے پکارا تو وہ گڑیا ہاتھ میں لئے اندر کمرے میں آ گئی۔

''کہاں تھی تو؟'' زینب نے بخار کی نقاہت میں پوچھا۔

''یہ..... یہ لینے گئی تھی اماں!'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''یہ کیا؟''

''لے دیکھ لے، یہ گڑیا بھیجی ہے چھوٹے صاحب نے میرے لئے۔'' اس نے شکستگی سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''گڑیا بھیجی ہے..... بس۔'' زینب تعجب سے بولی۔

''گڑیا کو گڑیا سے ہی بہلنا چاہیے۔'' وہ دھیرے سے بولی۔

''ہاں..... گڑیا کی اوقات تھی ہی یہی، انہوں نے بالکل مناسب چیز بھیجی ہے۔'' زینب نے

''اماں! بس، بس۔'' وہ چھوٹی سی بچی کی طرح زینب کی گود میں سر رکھ کے رو دی۔

''ہاں بس..... اب اٹھ سامان باندھ ہمیں آج ہی جانا ہے۔''

''انہوں نے مجھے کھلونا جان کر کھلونا بھیج دیا۔'' وہ رقت بھرے لہجے میں بولی۔

''کم عقلی تو تیری تھی، انہوں نے تو غلطی نہیں کی۔ وہ گڑیا کے لئے گڑیا بھیج کر بھی بھول گئے۔ اب تجھے بھی سب کچھ بھولنا ہے۔ اس بے جان گڑیا کو دیکھ کر جان لے کہ تیری حقیقت کیا ہے۔ گڑیا کی زندگی صرف بہلانا ہی تو ہے۔'' زینب کی پلکیں بیٹی کے کرب پر بھیگ گئیں۔

''تو نے کیوں میرا نام گڑیا رکھا..... میں صرف گڑیا ہی رہ گئی۔'' وہ شدت غم سے چلائی۔

''میری بٹی ہے ہی گڑیا جیسی۔'' زینب نے پیار سے کہا۔

''ہاں اسی لئے بازار سے خریدی جا سکتی ہیں۔ میں بازار میں بکنے والی گڑیا سے بھی کم تر ہوں۔'' وہ روتی چلی۔

''گڑیا، میری چاند! ایسی باتیں نہ کر تیری ماں میں اب دکھ سہارنے کا حوصلہ نہیں۔'' زینب رو دی۔

''اماں! چپ ہو جا۔'' اپنا رونا بھول کر اس نے زینب کی پلکیں صاف کیں تو چونکی۔

''اماں! تجھے تو تیز بخار ہے۔''

''کچھ نہیں ہے تو بس جلدی کر سامان باندھ۔'' اس نے کہا۔

''تیری طبیعت ٹھیک ہو جائے گی تو پھر ہم جائیں گے۔''

''نہیں، تو میری طبیعت کی فکر نہ کر، میں جلد سے جلد ''لال کوٹھی'' کے طلسم سے نکلنا چاہتی ہوں۔''

''اماں! طلسم ٹوٹ گیا۔ تو فکر نہ کر اب گڑیا خود کو بھی بہلائے گی۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔ زینب، بیٹی کے دکھی دل پر کٹ کر رہ گئی۔

''لیکن پھر بھی جانا تو ہے۔'' زینب نے کہا۔

''ہاں..... جانا تو پڑے گا۔'' وہ بولی۔

''تو اٹھ، سامان باندھ لے۔'' زینب نے کہا۔

مجبوراً اسے اٹھنا پڑا مگر اٹھتے ہوئے اس گڑیا پر نظر پڑی تو وہ بھی اٹھا لی اور اٹھا کر شدت جذبات میں باہر آئی اور دیوار سے اس پار ''لال کوٹھی'' میں پھینک دی۔

''چھوٹے صاحب! آپ نے میری قدر و قیمت اس گڑیا جتنی لگائی۔ یہ اچھا نہیں کیا۔ مجھے آج پتا چلا کہ چھوٹے صاحب کیا ہوتے ہیں؟'' اس نے دکھی دل سے سوچا اور واپس اندر چلی آئی۔

زینب کو کھانسی کا دورہ پڑا تھا۔ وہ لپک کر اس کے پاس پہنچی مگر کھانسی بند ہو چکی تھی۔ وہ حیران پریشان سی اس پر جھک گئی۔

○❖○

''لال کوٹھی'' کی وحشت سے وہ اکیلی سسکیاں بھرتی ہوئی صفیہ، ثریا کے ساتھ نکلی، تڑپ تڑپ کر پلٹ پلٹ کر پیچھے دیکھا۔ مگر اس کی پیاری ماں ساتھ نہیں تھی۔ وہ تو ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئی تھی۔ اس کی آنکھوں سے سیلاب جاری تھا۔ اب کوئی اس کا پرسان حال نہیں تھا۔ ثریا، صفیہ نے اس کو سہارا دے رکھا تھا۔ مگر وہ سمجھ سکتی تھی کہ وہ دونوں اب پرائی ہیں۔ گھر گرہستی والی ہیں۔ زیادہ دن سہارا نہیں دے سکیں گی۔ معصوم شوخ سی گڑیا نے ماں کے جاتے ہی زمانے کے گرم اور سرد کا اندازہ لگا لیا۔ شور اور ہنگاموں سے بھرپور بچوں سے بھرے گھر میں قدم رکھا تو چند گھڑی دھیان بٹ گیا۔ ثریا

اور صفیہ بہن کی دلجوئی میں لگ گئیں۔ مگر اسے پھر بھی پل بھر کا سکون نہیں تھا۔ تھکن سے جسم چور تھا۔

"ثریا! اس بے چاری کو سونے دو۔ یہ تھکی ہوئی ہے۔" ثریا باجی کے شوہر غفور نے کہا تو ثریا فوراً کمرے سے سب بچوں کو باہر نکال کر اسے اکلوتے پلنگ پر سونے کے لئے کہا۔ وہ بے دلی سے لیٹ گئی۔ ثریا باہر چلی گئی۔ کمرے سے باہر ایک شور برپا تھا۔ نیند تو ویسے بھی اس سے کوسوں دور تھی اس کے اندر تو خود ایک شور قیامت برپا تھا۔ وہ اس بے بسی اور بے چارگی میں محسوس کر رہی تھی کہ ہمدرد اور مہربان اسے اس بے چارگی سے نکالے۔ مگر اب تو اس کے پاس کوئی شفیق، مہربان اور غم خوار نہیں بچا تھا۔ زندگی کے اس موڑ پر وہ بالکل تنہا رہ گئی تھی۔

"نہیں، نہیں میں تنہا نہیں۔" وہ اس زور سے چلا کر اٹھ بیٹھی کہ صفیہ اور ثریا دونوں گھبرا کر اس کے پاس پہنچ گئیں۔

"گڑیا..... گڑیا! کیا ہوا میری جان!" صفیہ باجی نے اسے سینے سے لگایا۔

"صفیہ باجی! مجھے جانا ہے..... مجھے جانا ہے۔" وہ بولی۔

"کہاں..... کہاں چندا؟" ثریا باجی نے پیار سے پوچھا۔

"کرم داد کے پاس..... ورنہ میں تنہا رہ جاؤں گی۔" وہ سسکیوں کے ساتھ رو دی۔

"کرم داد کے پاس..... مگر....."

"صفیہ باجی! اگر میں نے دیر کر دی تو یہ سہارا بھی چھن جائے گا۔ مجھے وہاں جانے دیں۔" روتے روتے بولی۔

"اچھا..... اچھا پر اتنی جلدی بھی کیا ہے؟" ثریا نے کہا۔

"پھر دیر ہو جائے گی وہ غصے میں لوٹا ہے وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔" وہ بولی۔

"مگر تو جائے گی کیسے؟" صفیہ باجی سوچنے لگیں۔

"مجھے گوجرانوالہ کی بس میں بٹھا دیں، میں راستہ جانتی ہوں۔" اس نے کہا۔

"اکیلے....."

"ہاں..... فکر کی بات نہیں۔ میں پہنچ کر خیریت کا خط بھیجوں گی۔" وہ خوش دلی سے بولی۔ دونوں چپ ہو گئیں۔

"ثریا باجی! غفور بھائی سے کہیں کہ مجھے بس میں بٹھا آئیں۔" وہ تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ثریا کچھ سوچتی ہوئی باہر گئی اور پھر تھوڑی ہی دیر میں غفور کے ساتھ اندر آ گئی۔

"تو ہاتھ منہ دھو لے، روٹی کھا لے میں بٹھا آؤں گا۔" غفور بھائی نے کہا تو وہ خوش ہو گئی۔

"میں تیرے کپڑے باندھ دوں۔" صفیہ باجی نے کہا۔

"ہاں....." اس نے کہا۔

صفیہ باجی نے ساتھ لائے ہوئے مختصر سے سامان میں سے صندوق نکالا اور اس کے کپڑے ایک پوٹلی کی شکل میں باندھ دیے۔ ثریا اس کے لئے روٹی لینے چل دی۔ روٹی بھی آ گئی مگر وہ جانے کی خوشی میں روٹی کی بھوک سے کوسوں دور تھی۔ وہ تو پنچھی بن کر اڑنا چاہتی تھی۔ پلک جھپکنے میں کرم داد تک پہنچنا چاہتی تھی۔ اس نے کچھ کھایا پیا نہیں۔

"لے یہ کچھ پیسے رکھ لے..... تیرے کام آئیں گے۔" صفیہ باجی نے کچھ میلے کچیلے مڑے تڑے روپے اس کی مٹھی میں دبا دیے۔

"نہ جانے کرم داد تجھے ملتا بھی ہے کہ نہیں۔" ثریا خدشات کا شکار تھی۔

"ملے گا کیوں نہیں..... وہ وہیں ہو گا۔ وہ تو مجھے ملنے آیا تھا۔ ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"تو پھر تو کیوں نہیں گئی؟" صفیہ باجی نے کہا۔

"بس یوں سمجھ لیں اس وقت میں گڑیا ہی تھی۔" اس نے دھیرے سے کہا۔

"ہنہ پاگل، تو اب کیا فرق پڑ گیا ہے؟" ثریا ہنس کر بولی۔

"اب..... خواب و خیال کی دنیا میں بسنے والی گڑیا، حقیقت میں آ گئی ہے۔" اس نے جواب دیا۔

ثریا اور صفیہ حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

"گڑیا! آج تو تمہارا جانا مشکل ہے کیونکہ بسوں کی ہڑتال ہے۔" غفور بھائی نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"کیا..... یہ تو بہت برا ہوا۔" وہ مایوسی سے بولی۔

"صبح تک دیکھ لو، شاید ہڑتال ختم ہو جائے۔" صفیہ باجی نے کہا۔

"ہاں..... مگر ایک طریقہ اور بھی ہو سکتا ہے۔" وہ بولی۔

"میرے پاس کوٹھی کے پتے کے ساتھ ساتھ فون نمبر بھی ہے۔ غفور بھائی! آپ فون کر دیں، کرم داد مجھے آ کر لے جائے گا۔ ڈاکٹر صاحب گاڑی بھیج دیں گے۔"

"جلد بازی کر لیتے ہیں۔ اس طرح تمہارے اکیلے جانے کی فکر بھی ختم ہو جائے گی۔ تم نمبر مجھے دے دو۔ میں اپنے دوست کے ہاں جاتا ہوں اور فون کر دیتا ہوں۔" غفور نے کہا تو وہ چھلاوے کی مانند اٹھی اور سامان سے وہ بوسیدہ سی کتاب ڈھونڈنے لگی جس میں چھوٹی سی تہہ والا کاغذ اس نے رکھا تھا۔ کچھ ہی دیر کی محنت کے بعد اسے وہ کتاب بھی مل گئی اور پتہ بھی، اس نے جلدی سے غفور کے ہاتھ میں تھما دیا۔

○❖○

سرخ اور سنہری کنٹراس کی بنارسی ساڑھی وہ بمشکل سنبھال پا رہی تھی۔ خوب صورت بھاری زیور نے تقریباً تھکا دیا تھا۔ نکاح کے بعد گردن سیدھی کر کے اس نے سکون کی سانس لی۔ قریب بیٹھے کرم

داد نے ترچھی نظر سے اس کا جائزہ لیا۔ وہ اس وقت بہت حسین دکھائی دے رہی تھی۔ لگ تو وہ بھی کسی پرستان کا شہزادہ رہا تھا۔ بلیک سوٹ میں نئی طرز کے بال سیٹ کروا کے نفاست سے شیو کئے حد وجیہہ اور ہینڈسم۔ اسی لئے تو گواہ کے طور پر موجود ڈاکٹر سلمان کے وکیل دوست احمد نے ستائشی انداز میں اس کی تعریف کی اور دونوں کو حسین وجمیل کپل کا نام دیا۔ حوریہ اس بات پر کے ہنس پڑی جب کہ وہ پیشانی پر ہزار سلوٹیں سجائے بیٹھا رہا۔ سادہ سی تقریب میں صرف چار مدعو تھے۔ وہ بھی گواہان کی ضرورت کے تحت۔ ورنہ کسی کو بھی شریک نہ کیا جاتا؟"

شائستہ بیگم نے پرتکلف ڈنر کا اہتمام کیا تھا۔ انہوں نے سب سے کھانے کی میز پر چلنے کو کہا معذرت کر کے باہر لان میں آگیا۔

حوریہ نے بھی بیزاری سے ڈریس چینج کرنے کی خواہش ظاہر کی اور اپنے کمرے میں آگئی۔ اس کا کمرا بالکل تبدیل ہو گیا تھا۔ اب اس میں کرم داد کی گنجائش بھی پیدا ہو گئی تھی۔ اس نے سے زیور اتار کر ڈریسنگ ٹیبل پر پٹخے، ہلکا پھلکا سادہ سوٹ نکالا اور باتھ روم میں گھس گئی۔

دوسری طرف کرم داد خود کو دھواں دھواں محسوس کر رہا تھا۔ اس کے جسم سے جیسے جان نکل چکی اسے بار بار اپنی بے بسی پر افسوس ہو رہا تھا۔ اس نے خالی خالی نظروں سے آسمان کی طرف چاند مسکرا رہا تھا، ستارے مسکرا رہے تھے۔ ایک وہی اداس تھا۔ اداس تھا اور خاموش تھا۔ محبت کا روح کا عذاب بن گیا تھا۔ قیمتی لباس پر ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ طنزیہ مسکرانے لگا۔

"ہنہ، یہ دولت بھی کیا چیز ہے...... اچھے بھلے کرم داد کو بدل کر رکھ دیا۔"

"ڈارلنگ! یہاں کیوں آگئے؟" پیچھے سے حوریہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا

"طبیعت گھبرا رہی تھی۔" اس نے کندھے پر رکھے ہاتھ کو ہٹاتے ہوئے کہا۔

"آج میں بہت خوش ہوں، میں نے جو چاہا، وہ پالیا۔" وہ اٹھلا کر بولی۔ وہ چپ رہا۔

"چپ کیوں ہو؟"

"کیا بولوں؟"

"کچھ بھی، آخر ہم ایک ہوئے ہیں۔ ہم نے ایک دوسرے کو پالیا ہے۔"

"یہ کس کو معلوم ہے میم صاحبہ! کہ کس نے کس کو پایا، کس کو کھویا؟" وہ بیزار سا بولا۔

"یہ میم صاحبہ کہنے کی کیا تک ہے۔ لوگ کیا کہیں گے؟"

"لوگ کیا کہیں گے...... ملازم سر کا تاج بن گیا آخر کیوں؟" اس نے گھور کر دیکھنے کی کوشش چاند کی روشنی میں وہ کم ہی دیکھ سکی۔

"خیر مجھے اب لوگوں کی پرواہ نہیں۔ میں تھک گئی ہوں سونے کے لئے جا رہی ہوں۔" وہ اسی ہی لہجہ بدل کر بولی اور بال جھٹک کر چلی گئی۔

کرم داد کو کوئی حیرت نہیں ہوئی کیونکہ وہ بخوبی جانتا تھا کہ امیر زادی کا موڈ اسی طرح کا

اسے کون سا اس کے موڈ سے مطلب تھا۔ تیز قدموں سے کمرے میں گیا۔ وہ لائٹ آف کر کے بستر پر سو چکی تھی۔ اس نے ناگواری سے اپنے کپڑے لئے اور باتھ روم میں گھس گیا۔ کپڑے تبدیل کئے اور کمرے سے باہر نکل آیا۔ شائستہ بیگم، ڈاکٹر صاحب مہمانوں کے ہمراہ ابھی ڈرائنگ روم میں تھے وہ بنا کچھ کہے کوٹھی سے باہر نکل آیا۔ سڑکوں پر دیر تک آوارہ گردی کے بعد وہ مالی بابا کے گھر پہنچ گیا۔ دروازے پر دستک دی۔

"آیا بھئی کون ہے؟" مالی بابا کی آواز آئی۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا تو وہ سلام کر کے اندر داخل ہو گیا۔

"ارے تو، کرم داد!"

"ہاں چاچا!" وہ نڈھال سا پلنگ پر گر سا گیا۔

"تو اتنی رات گئے کیوں آگیا۔ آج تو تیری شادی ہوئی ہے۔" اللہ بخش نے یاد کرایا۔

"شادی تو ہو گئی مگر رات کو باہر نکلنے کی پابندی تو نہیں لگی۔"

"اوہ پاگل میرا مطلب تھا کہ دلہن کو اکیلا چھوڑ کر تو کیوں آگیا۔ صاحب اور بیگم صاحبہ ناراض ہوں گے۔"

"کوئی ناراض نہیں ہوتا...... تیرا وہم ہے۔"

"بیٹا! تو جا، شاباش ایسے نہیں کرتے۔" اللہ بخش نے سمجھایا۔

"تو پتا نہیں کیا سمجھ رہا ہے اس شادی کو؟" وہ طنزیہ مسکرایا۔

"شادی، شادی ہوتی ہے۔ تو جا...... چل اٹھ۔" اللہ بخش نے اتنا اصرار کیا کہ اسے اٹھنا ہی پڑا۔ بوجھل قدموں سے ٹہلتا ہوا جب وہ واپس پہنچا تو تقریباً آدھے سے زیادہ لائٹس بند ہو چکی تھیں۔ اس نے اندر قدم رکھا تو صرف شائستہ بیگم کچھ چیزیں اٹھائے اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھیں۔ اس کو آتا دیکھ کر وہ رکیں۔

"کرم داد! کہاں گئے تھے؟"

"جی، باہر گیا تھا۔" اس نے جواب دیا۔

"اچھا، اب تم اپنے کمرے میں جا کر سو جاؤ۔" انہوں نے کہا۔ اسی اثنا میں ٹیلی فون بج اٹھا۔

"اس وقت کس کا فون آگیا؟" وہ بڑبڑائیں اور ریسیور اٹھایا۔

"کرم داد کو بلا دیں۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"کرم داد صاحب کہو...... کون بول رہے ہو؟" شائستہ بیگم نے رعونت سے کہا۔ جاتے ہوئے کرم داد کے قدم رک گئے۔

"کرم داد! تمہارا فون ہے۔" شائستہ بیگم نے کہا تو وہ حیران سا فون کے پاس گیا۔

"ہیلو!"

"ہیلو! کون بول رہا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"کرم داد سے....."

"سنا نہیں کہ کرم داد صاحب کہہ کر بولو۔" اس نے چبا چبا کر کہا۔

"جی کرم داد صاحب! دراصل گڑیا آپ کے پاس آنا چاہتی ہے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"کون..... کون گڑیا..... اوا چھا، وہ ملازمہ۔"

"جی، گڑیا! جو آپ کے ساتھ کام کرتی تھی۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"تو، پھر کیا مسئلہ ہے؟" وہ غصے میں آ گیا۔

"وہ پریشان ہے آپ کے پاس آنا چاہتی ہے۔" دوسری طرف سے کچھ سہمی سہمی آواز آئی۔

گیا۔

"ٹھیک ہے، ملازمہ کی ہمیں ضرورت ہے، کیوں آنٹی۔" اس نے فون پر بات کرتے کر شائستہ بیگم کی طرف دیکھا۔ انہوں نے گردن ہلا کر رضامندی دے دی۔

"پھر بھیج دیں.....؟" پوچھا گیا۔

"میں گاڑی بھیج دیتا ہوں، اسے بھیج دیں۔" یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا اور اسی وقت ڈرائیور شجاع کے کوارٹر میں جا کر اسے سفر پر جانے کے لئے ہدایت کی اور اندر آ گیا۔

دل عجیب سے انداز میں کروٹیں لے رہا تھا۔ اس وقت اس کا نام ایک درد بن کر پورے وجود میں اتر گیا تھا۔ اس کی موہنی صورت نظروں میں پھیل گئی مگر کتنا کچھ بدل گیا تھا۔ اپنے ہاتھوں سے ہی اس کا گلا گھونٹ دیا تھا۔ کتنی بے بسی اور خاموشی سے وہ اسے چھوڑ آیا تھا۔ کتنی توہین کی تھی اس کی اس نے ایک دم ہی اس کی پیشانی پر ہزار سلوٹیں نمودار ہو گئیں۔

"گڑیا صاحبہ! اب آؤ اور دیکھو کہ تو، تم سے مخاطب کرنے والا کرم داد، کیسے تمہیں کچوکے لگا ہے۔ کیسے چھوٹے صاحب کے روپ میں شخصیت بدلتا ہے۔" اس نے غصے سے سوچا اور بھاری قد اٹھا کر اندر آ گیا۔

کمرے میں حوریہ سو چکی تھی۔ مدھم روشنی میں گلابی نائٹی میں مکمل گلابی گلابی سراپا لئے تھی۔ وہ چند لمحے بھینچے ہونٹ لئے اس کے مدہوش کر دینے والے جسم کے نشیب و فراز میں الجھا اگلے ہی لمحے گردن جھٹک کر لائٹ بند کی اور بیڈ کے ایک طرف سمٹ کر لیٹ گیا۔ ویسے بھی اس گڑیا اپنی تمام تر دلکشی اور معصومیت لئے اس کے حواسوں پر چھائی ہوئی تھی۔ ہزار ابھرنے والی لہروں میں بھی اس سے شدید محبت کا شعلہ تیز سے تیز تر ہوتا جا رہا تھا۔ حوریہ نے ریشمی بازو سے چھوا تو وہ چونکا۔ وہ کھسک کر قریب آ گئی اور بانہیں اس کے گلے میں ڈال کر سر سینے پر رکھ دیا جھٹکے سے خود کو آزاد کرا کے آہستہ سے بولا۔

"اس احساس کے میرے اندر پیدا ہونے میں زمانے بھی لگ سکتے ہیں۔" حوریہ کی کھنکتی ہ

ہنسی تاریک کمرے میں گونجی۔

"تمہیں جتنا ہی میرے ہر احساس کی تکمیل ہے جان من۔" یہ کہہ کر وہ اپنی بانہیں سمیٹ کر سو گئی اور وہ، وہ پھر سلگتے جذبوں کی دنیا میں سلگنے لگا۔

"کاش اس وقت گڑیا میرے پہلو میں ہوتی تو کتنا سہانا منظر ہوتا۔ اس کا معصوم دلفریب شباب میرے بازوؤں میں پگھلتا وہ قطرہ قطرہ میری روح کی پیاس بجھاتی اور میں اس کی خوب صورت زلفوں میں منہ چھپا کر سوچتا مگر میری محبت کو اس نے نہیں سمجھا، اسے کیا معلوم کہ محبت کی نرم و نازک کونپل کب من میں پھوٹتی ہے اور کب تناور درخت بن جاتی ہے پھر درخت کاٹ بھی دیا جائے تو کچھ حاصل نہیں ہوتا۔" اس نے بوجھل آنکھیں موند لیں مگر پھر بھی اس کے ساتھ گزرے پل نگاہوں کے سامنے گھومنے لگے۔

○❖○

اس کی تبدیل شدہ زندگی کی نئی صبح طلوع ہو چکی تھی۔ پھول، پتے، درخت، گھاس سب کچھ ویسا کا ویسا ہی تھا۔ صرف ایک ہی بدلا تھا اور بدلنے کی بھی کیا عجیب صورت حال تھی، ظاہر ہی بدلا تھا۔ اندر تو شاید وہی راگنی تھی۔ وہی دل کے تاروں پر ساز بج رہا تھا۔ اندر تو وہی پرانا منظر تھا۔ وہی پرانا موسم تھا۔ زندگی میں ایسا مقام بھی آتا ہے کہ جب سب کچھ بدلنے کے باوجود کچھ نہیں بدلتا۔ ارد گرد نئی دنیا، نیا جہان آباد ہونے کے باوجود اندر کی دنیا ملبے کا ڈھیر، پرانی عمارت کا نقشہ پیش کرتی ہے۔

یہی حال اس وقت کرم داد کا تھا۔ نیا آدمی بننے کے باوجود اجنبی، اجنبی خود کو محسوس کر رہا تھا۔ اس کی سوچ میں پرواز بہت دور تک تھی۔

"اوں، ہنہ، بہت خراب ہو، مجھے سوتا چھوڑ کر خود باہر آ گئے۔" حوریہ نے مخمور نگاہوں سے خمار چھلکاتے ہوئے کہا۔ وہ گہری سوچ سے باہر آیا۔

"میں کمرے میں موجودگی کے دوران بھی شاید کہیں باہر ہی تھا۔"

"یہ کیا بات ہوئی..... اب تم میرے ہو، میرے بارے میں سوچو۔" اس نے شرارت سے انگلی اس کے لبوں پر پھیری۔

"حوریہ بی بی! کون کس کا ہے یہ آخری وقت تک ہم نہیں جان پاتے۔"

"تم کچھ بھی ہو..... میں نے تمہیں پا لیا ہے۔" وہ اٹھلائی۔

"کاغذوں پر دستخط کرنے سے کسی کو پاتے ہیں تو آپ سچ کہہ رہی ہیں۔"

"اوں، کیسی باتیں کرتے ہو۔ آج موسم بہت اچھا ہے۔ اچھی اچھی باتیں کرو۔"

"کون سی اچھی باتیں؟" وہ دھیرے سے بولا۔

"اچھا سنو! آج سے کلینک جانا ہے۔ تم میرے ساتھ جایا کرنا۔ رات ہم انکل کی طرف سے دیئے جانے والے ڈنر میں شرکت کریں گے۔" اس نے غور سے حوریہ کی بات سنی اور بنا کسی جواب

کے اندر کی طرف چلا گیا۔ اس نے ناگواری سے کندھے اچکائے اور خود بھی اندر آ گئی۔ راستے میں شمو نے انہیں روک کر کہا۔

''چھوٹے صاحب اور بی بی جی! ناشتا تیار ہے۔''

''اچھا ہم آتے ہیں۔'' حوریہ نے کہا۔ مگر اس کے قدم جیسے ساکت ہو گئے۔ اسے بڑا عجیب شمو کا چھوٹے صاحب کہنا۔ بالکل ایسے لگا جیسے وہ شمو کو جانتا ہی نہ ہو۔ میلوں کے فاصلے پر سے اس بات سنی۔

''کیا ہوا ڈیئر؟'' حوریہ نے حیرت سے پوچھا۔

''کچھ نہیں۔'' ہلکے سے جواب دے کر وہ آگے بڑھ گیا۔ اس کے کمرے میں جانے کے شائستہ بیگم نے جاتی ہوئی حوریہ کو آواز دی۔

''جی انٹی!'' وہ جواباً بولی۔

''میں پوچھ رہی تھی جاناں کہ وہ کرم داد ٹھیک ٹھاک تو ہے ناں؟'' رومال سے ہاتھ پونچھتی ہوئی وہ وہیں ٹی وی لاؤنج میں آ گئیں۔

''پتا نہیں آنٹی! فی الحال تو وہ ماش کے آٹے کی طرح اینٹھا ہوا ہے۔'' حوریہ نے کہا۔

''اے بچی! تو اینٹھنے دو، اندھا کیا چاہے دو آنکھیں.....'' شائستہ بیگم جلدی سے بولیں۔

''ہاں اسی لئے تو مجھے بھی کوئی پرواہ نہیں۔ اتنی عزت بھی اسے کسی وجہ سے دی ہے۔ اب میں کے طور اطوار میں شامل ہو گئی ہوں۔ رہی بات اس کے اکڑنے کی تو اکڑا رہے۔ مجھے کچھ لینا دینا ہے۔'' حوریہ شان بے نیازی سے بال جھٹک کر بولی۔ شائستہ بیگم مسکرانے لگیں۔

''ذرا دن بھر میں اسے اٹھنے بیٹھنے کے طور طریقے سمجھا دینا۔ رات ڈنر پر کبھی پھر چھوڑ کر باہر جائے۔''

''آنٹی جی! وہ ہر بات اچھی طرح جانتا ہے۔ ویسے بھی اس کو سمجھانا بہت مشکل کام ہے۔'' حوریہ نے کہا۔

''تم ایسا انداز اختیار کرو کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔'' انہوں نے رازدارانہ کہا۔

''بالکل یہی کوشش کر رہی ہوں۔ آپ فکر نہ کریں۔''

''دراصل بیٹا اب جو بھی کر لیا ہے اسے عزت دار لوگوں کی طرح نبھانا ہے کیونکہ ڈاکٹر صاحب کسی دوسری کوتاہی کو برداشت نہیں کریں گے۔ یوں سمجھ لو کہ کرم داد اب زندگی بھر کا ساتھی ہے۔ کیسا بھی ہے کیسے بھی حالات ہوں تمہیں اپنا اور میرا بھرم رکھنا ہے۔'' شائستہ بیگم نے سنجیدگی دھیرے دھیرے سمجھایا۔

''آنٹی! آپ فکر نہ کریں اس جاہل کو زندگی بھر برداشت کر لوں گی۔'' حوریہ آنکھ دبا کر بولی۔

مسکرا دیں اور وہ خود ہنس کر اپنے کمرے کی سیڑھیاں چڑھ گئی۔ شائستہ بیگم پھر ڈائننگ ٹیبل کی طرف چلی گئیں کیونکہ ڈاکٹر صاحب ناشتے کے لئے ٹیبل پر پہنچ چکے تھے اور بیگم صاحبہ کے منتظر تھے۔

○❖○

گاڑی فراٹے بھرتی ہوئی آگے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ سڑک کے دونوں طرف کے سارے منظر پیچھے رہتے جا رہے تھے۔ ہر منظر آنکھ سے اوجھل ہو رہا تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں سے بال بار بار اس کے چہرے پر پھیل جاتے جنہیں وہ ہاتھوں سے سمیٹ کر پھر باہر کے بھاگتے دوڑتے مناظر میں کھو جاتی۔ گاڑی چلاتے ہوئے شجاع کے چہرے پر گہری سنجیدگی اور خاموشی تھی۔

''شجاع چاچا! کرم داد کوٹھی میں کام کر رہا ہے یا کلینک پر؟'' اس نے خاموشی توڑی۔

''توبہ کرو بیٹی۔ وہ اب کرم داد نہیں ہے، کرم داد صاحب ہے۔'' شجاع نے ایک دم گھبرا کر کہا۔

''اچھا تو وہ صاحب بن گیا ہے۔'' وہ ہنستے ہوئے بولی۔

''ہاں، اب وہ چھوٹے صاحب بن کر حکمرانی کرتے ہیں۔'' شجاع بولا۔

''چھوٹے صاحب..... کیا..... کیا مطلب؟''

''تم کو نہیں معلوم کیا؟'' شجاع نے گردن گھما کر پوچھا۔

''نہیں.....'' وہ گومگو کی کیفیت میں بولی۔

''حوریہ بی بی سے ان کی شادی جو ہو گئی ہے تو وہ چھوٹے صاحب ہی بن گئے ہیں۔'' شجاع نے تفصیل دی اور اسے ایسا لگا جیسے گاڑی پوری سڑک پر چکر کھا رہی ہو۔ چاروں طرف گھوم رہی ہو اور تمام منظر بھی اس کے چاروں طرف ہی بھاگ دوڑ رہے ہوں۔ سر بری طرح چکرانے لگا، آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ بے اختیار ہی آج کلیجہ پھٹ سا گیا۔ پہلی بار دکھ نے شدت سے دل میں کروٹیں لیں۔ آنسو رخسار سے صاف کئے اور دم سادھ کر قسمت پر بھروسا کر لیا۔ وہ یہ ظاہر نہیں کر سکتی تھی کہ کرم داد کے لئے اس کے سینے میں محبت کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا ہے۔ اس کو ٹھکرا کر وہ اسی کے لئے بے چین ہو ہو کر آئی ہے۔

''بیٹی! کام تو لاہور میں زیادہ ملتا ہے تم گوجرانوالہ کیوں جا رہی ہو؟'' شجاع نے پوچھا۔

''بس خیال نہیں رہا چاچا!'' وہ رندھے ہوئے گلے سے بولی۔

''قسمت جب پلٹتی ہے تو انسان حیران رہ جاتا ہے۔ کرم داد کل ہی کی بات ہے تمہارے ساتھ ملازمت کرتا تھا اور اب وہ اس گھر کا داماد ہے۔ ہم میں اور اس میں اب زمین آسمان کا فاصلہ ہے۔'' شجاع بول رہا تھا اور اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے اماں، صفیہ باجی اور ثریا باجی بول رہی ہوں اور خود کرم داد چھوٹے صاحب کی تعریف کر رہا ہو۔

وہ پہلی بار زندگی کی اس حقیقت سے اس وقت آشنا ہوئی تھی جب گتے کے ڈبے سے نیلی آنکھوں اور سنہری بالوں والی لڑیا نکالی تھی اور چھوٹے صاحب کی حقیقت معلوم ہو گئی تھی اور آج کرم داد کے

چھوٹے صاحب بننے پر دوسری حقیقت کا فریب باقی تھا۔ اسے موہوم سی امید تھی کہ وہ کرم داد... ملے گی چھوٹے صاحب سے نہیں۔

وہ خود کو مطمئن کر کے امید کی کرن دل میں لئے بیٹھی رہی۔ سفر گزرتا رہا۔ منزل بھی آ گئی... نے خوشی کے بجائے وسوسوں میں ڈوبے دل کو مضبوط کرتے ہوئے دھیرے دھیرے قدم رکھے... میں داخل ہوتے ہوئے اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے سارے منظر ہی بدل گئے۔

لان کے دائیں طرف سو گز کے فاصلے پر بنے سرونٹ کوارٹر دیکھتے ہوئے اسے کرم داد کے... گزرا ہوا ایک ایک پل یاد آ گیا۔ مگر اب کوارٹر میں کرم داد نہیں ہوگا دل نے کہا تو وہ اندر ہی اندر... تھام کے رہ گئی۔

"جلدی جلدی قدم اٹھاؤ بیگم صاحبہ اندر ہوں گی۔" شجاع نے اس کے سہمے سہمے قدموں کو... ہوئے کہا تو وہ تیزی سے چلنے لگی۔

شائستہ بیگم ٹی وی لاؤنج میں کسی سے فون پر بات کر رہی تھیں۔ کچھ دیر بعد جونہی انہوں نے... بند کیا تو اس نے ہاتھ اٹھا کر سلام کیا۔

"وعلیکم السلام! کیا حال ہے تیرا؟" شائستہ بیگم نے پوچھا۔

"بس جی حال تو بے حال ہی ہے۔ آپ سنائیں، سب ٹھیک ہے؟" وہ دکھ کے گہرے سمندر... اترتے ہوئے بولی۔

"سب ٹھیک ہیں، تمہاری اماں کا کیا حال ہے؟" شائستہ بیگم بولیں۔

"وہ بھی بے حال ہو کر چلی گئی ہے بیگم صاحبہ!" اس کی پلکیں بھیگ گئیں۔

"اوہ، بہت افسوس ہوا۔ خیر تم اطمینان سے یہاں رہو۔" شائستہ بیگم رحم کھاتے ہوئے بولیں۔

"شکریہ بیگم صاحبہ!"

"شجاع! اب تم گاڑی کلینک لے جاؤ۔" شائستہ بیگم نے شجاع سے کہا۔ وہ فوراً باہر نکل گیا۔

"گڑیا! ادھر آ، میرے پاس بیٹھ۔" شائستہ بیگم نے شجاع کے جانے کے بعد کہا۔

"بیگم صاحبہ! کرم داد تو ٹھیک ہے ناں؟" وہ ان کے قریب قالین پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"گڑیا! ایک بات غور سے سنو...... اب اس کوٹھی میں وہ کرم داد نہیں رہتا جو کچھ عرصہ... تمہارے ساتھ آیا تھا اور ہماری ملازمت کرتا تھا۔ لہٰذا اب کبھی بھول کر بھی اس طرح بے تکلفی سے... کا نام نہیں لینا۔" شائستہ بیگم نے ذرا سے سخت لہجے میں تاکید کی۔ اس کے مسکراتے لب آپس میں... چپک گئے۔

"بہت بہتر بیگم صاحبہ! میں جانتی ہوں کہ سرونٹ کوارٹر سے حوریہ بی بی کے کمرے کے درمیان... بہت فاصلہ ہے۔" وہ کھوئی کھوئی سی بولی۔

"ٹھیک ہے اب تم شمو کے ساتھ مل کر کام سنبھالو۔ وہی پرانا کوارٹر تمہارے پاس رہے...

شائستہ بیگم کہتی ہوئی دوپہر کے کھانے کا جائزہ لینے کے لئے کچن کی طرف چلی گئیں اور وہ بھربھری مٹی کے ڈھیروں کی طرح وہیں ڈھیری سی ہوگئی۔ دو موتی ٹوٹے اور آنچل میں جذب ہوگئے۔

"واہ، اللہ میاں خوب نقشہ بدلا ہے مگر اس میں تیرا کیا دوش اسے چھوٹے صاحب بننے کے لئے میں نے ہی مجبور کیا تھا۔ کاش اپنے ہاتھوں سے اپنی تقدیر پر لکیر نہ پھیری ہوتی۔"

وہ کچھ دیر اور خود کو لعنت ملامت بھیجتی اگر گاڑی کھڑی ہونے اور کھٹاک، کھٹاک دروازہ بند ہونے کی آواز نہ آتی۔ ذرا سنبھل سی گئی۔ پہلے حوریہ اندر آئی اس پر نظریں پڑیں تو اس نے سلام کیا۔ وہ مسکرائی۔

"کیسی ہو بیوٹی فل؟" وہ خوش دلی سے یہ کہتی ہوئی اور کچھ بات کہے بغیر اپنے کمرے کی سیڑھیاں چڑھ گئی۔ اگلے ہی لمحے سفید کڑکڑاتے خوبصورت شلوار سوٹ میں نفاست سے بال بنائے، معطر خوشبو کا احساس لئے وہ اندر داخل ہوا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتی ہوئی کھڑی ہوگئی۔ اسے ایسا لگا جیسے اس کے سامنے چھوٹے صاحب ہی کھڑے ہیں۔ "کیا امارت کے فریم میں لگتے ہی ہر تصویر ایسے ہی ایک ہو جاتی ہے؟" اس نے سوچا۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" اس نے سکوت توڑا۔

"کرم داد....." اس سے آگے زبان تھرا گئی۔

"اے..... چھوٹے صاحب کہو اور آئندہ بھی خیال رکھنا اس بات کا۔" وہ کہتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔ وہ بھونچکا سی کھڑی رہ گئی۔ پھر وہ آدھی سیڑھیوں پر پہنچنے کے بعد بولا۔

"ہاں سنو، تم صرف ہمارا اور حوریہ بیگم کا کام کیا کرو گی۔" وہ زہر میں بجھے تیر چلا کر بھاری قدموں سے سیڑھیاں عبور کر گیا اور وہ اس ذلت پر دیر تک کھڑی آنسو بہاتی رہی۔ شمو نے آ کر اس کی پلکیں صاف کیں۔

"چل، تو پہلے اپنے کوارٹر میں جا، ہاتھ منہ دھو، کچھ دیر آرام کر، میں تیرے لئے کھانا لاتی ہوں۔" شمو نے ہمدردی سے کہا اور وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی اپنے کوارٹر کی طرف چل دی۔

○❖○

"ارے، او، کیا گھوڑے بیچ کر سو گئی ہے۔" شمو نے اسے جھنجھوڑا تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

"کیا ہوا؟" وہ بوکھلا کر بولی۔

"چھوٹے صاحب ناراض ہو رہے ہیں، چل جلدی سے جا۔" شمو نے کہا۔ وہ دکھی سی ہو کر اٹھی۔ دراصل بری طرح تھکی ہوئی تھی، جسم کی تھکن کے ساتھ ساتھ روح بھی تھکن کا شکار تھی۔ چاروں طرف سے کرم داد کی یادوں کی زد میں تھی، ستانے کو لیٹی تھی کہ نیند نے آلیا۔

"دراصل آج رات ڈنر ہے۔ بڑے صاحب کے دوست اور ان کی بیگمات آ رہی ہیں۔ بہت کام ہے بیٹا۔" شمو نے بتایا۔ وہ دھیرے سے گردن ہلا کر حوریہ اور کرم داد کے کمرے کی طرف چلی آئی۔

پردہ سرکا کر جونہی سہمے سہمے قدموں سے وہ اندر داخل ہوئی تو ایک لمحے کو نظریں اٹھا کر اس کے کملائے ہوئے چہرے کو دیکھا پھر گردن اکڑا کر بولا۔

''شام کے پانچ بج رہے ہیں، تمہیں نہیں معلوم کہ چائے کتنے بجے لانی تھی؟''

''دیکھو دھیان سے کام کیا کرو۔ چلو جاؤ جلدی سے چائے لاؤ۔'' حوریہ نے ناخن تراشتے سرسری انداز میں کہا۔

''جی بہتر.....'' وہ نم آلود نظریں جھکا کر باہر نکل گئی۔

''ڈیئر! یہ لڑکی ہے بڑی ظالم چیز، میں تو پوری طرح اس کی طرف دیکھتی بھی نہیں، لڑکی ہو کر میرا دل مچلنے لگتا ہے۔'' حوریہ اس کی گردن میں بانہیں ڈال کر بولی۔ اس نے بڑی سختی سے اس کی بانہوں کو جھٹکا۔

''ظالم ہے اور ظالم بناتی ہے۔'' وہ آہستہ سے بولا۔

''کیا مطلب؟''

''کچھ نہیں.....'' وہ کہہ کر بالکنی میں جا کھڑا ہوا۔ دل پر اس وقت آرے چل رہے تھے۔ بار بار پلکیں دل کو کاٹ رہی تھیں۔ چہرے پر غم و غصے کی سلوٹیں نمودار ہو گئیں۔ برتنوں کی ہلکی سی آواز پر چونکا۔ وہ چائے رکھ کر جا چکی تھی۔

''تم آرام سے چائے پیو۔ مجھے آنٹی سے کچھ کام ہے۔'' حوریہ یہ کہہ کر چلی گئی۔ وہ چائے برتنوں کے قریب آیا تو ہر چیز میں اس کی معصوم صورت جھلکنے لگی۔ وہ مضطرب سا ہو کر ہاتھ مسلنے لگا۔

''تمہیں تڑپانے کے لئے سب کیا ہے اور تڑپ خود بھی رہا ہوں..... کیوں..... کیوں؟'' وہ چلایا۔ لمحے وہ پکوڑوں کی پلیٹ لئے اندر آ گئی۔ چند لمحے پلیٹ پکڑے وہ اسے دیکھتی رہی، وہ بھی کبھی اس پر نظر ڈالتا اور کبھی چرا لیتا۔ کمرے میں دونوں کے دل کی دھڑکنوں کا شور تھا۔

''یہ..... یہ بیگم صاحبہ نے بھیجے ہیں۔'' وہی سکوت توڑتے ہوئے بولی۔ پلیٹ میز پر رکھ کر وہ پلٹنا ہی چاہتی تھی کہ وہ بولا۔

''تم..... تم.....'' الفاظ حلق میں ہی دم توڑ گئے۔

''چھوٹے صاحب! آپ میری فکر نہ کریں۔'' یہ کہہ کر وہ تیزی سے باہر نکل گئی اور وہ دل تھام کر صوفے پر گر سا گیا۔ یہ ضرب کافی کاری تھی۔ اس کی ہستی میں شدید ٹوٹ پھوٹ ہوئی۔ حوریہ واپس آئی تو وہ اسی طرح اُداس سا بیٹھا تھا۔ چائے بھی جوں کی توں پڑی تھی۔ وہ بے باکی سے اس کے قریب بیٹھ کر اس کے شانے پر سر رکھ کر بولی۔

''کیا بات ہے؟''

''کچھ نہیں۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

''اچھا پھر ایک کام تو کر دو۔'' وہ مخمور لہجے میں بولی۔

''کیا؟'' اس نے سوالیہ نظریں اٹھائیں۔

''میری کمر میں دیکھو شاید کسی چیونٹی نے کاٹا ہے۔'' اس نے بڑی ادا اور پھرتی سے ٹی شرٹ کمر سے اٹھا کر سر اس کی گود میں رکھ دیا۔ سفید سنگ مرمر سا بدن اس کی گود میں روشنی بکھیر رہا تھا۔ مگر وہ لمحہ بھر سے زیادہ نظر نہیں ڈال سکا۔ حالانکہ وہ مچل رہی تھی، کسمسا رہی تھی، بے چین کرنے کے لئے بل کھا رہی تھی۔ مگر اس نے بے دردی سے اسے دور پٹخ کر سکون کا سانس لیا۔

''یار یہ کیا بدتمیزی ہے۔ تمہارے پیار کے لئے میرا انگ انگ بے قرار ہے اور تمہیں پروا ہی نہیں۔'' وہ برا مانتے ہوئے بولی۔

''پیار کس شے کا نام ہے وہ آپ نہیں جانتیں۔''

''شوہر ہو تم میرے۔''

''بس..... بس، اس کے علاوہ کچھ نہیں۔'' وہ چلایا۔

''تو یہ ہونا کیا کم ہے، شوہر ہی تو سب کچھ ہوتا ہے یہاں۔'' وہ بولی۔

''ہاں اگر شوہر ہو تو.....'' اس نے تیکھی نظروں سے دیکھا اور کڑک کر کہا۔

''گویا کہ تمہیں مجھ سے محبت نہیں؟''

''نہیں..... محبت میم صاحبہ اس طرح نہیں ملتی۔ اس کی آگ میں جل جل کر کندن بنا جاتا ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

''تو کیا تمہاری وہ محبت برقرار ہے؟''

''وہ قائم ہی کب ہوئی تھی۔'' وہ کہتا ہوا کمرے سے نکل گیا تو وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

''کرم داد! کسی نشے میں مت رہنا کہ میں واقعی تمہارے لئے بے قرار ہوں، یہ سب تو تمہیں دور رکھنے کے طریقے ہیں، ورنہ تم میں میرے لئے کوئی دلچسپی نہیں۔'' اس نے سوچا اور اپنے لئے چائے بنانے لگی۔ ''مگر حوریہ بیگم! اگر تمہیں اس کی ضرورت نہیں تھی تو کیوں یہ بے جان رشتہ جوڑا؟ تمہارے ایجوکیشن کی لڑکی کو ایک ملازم کو شوہر بنانے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟'' ایک دم ہی اندر سے کسی نے چیخ کر پوچھا تو وہ تلملا کر رہ گئی۔ ''کوئی ضرورت؟ اس معاشرے کی ضرورت؟'' غصے میں چلائی اور چائے کا کپ غصے میں پرے مارا۔ شائستہ بیگم پریشان ہو کر اس کے کمرے میں آ گئیں۔

''کیا ہوا میری جان؟''

''آنٹی! کیا میں نامکمل ہی رہوں گی؟'' وہ ان سے لپٹ کر رو دی۔

''کیا ہوا ہے، بولو۔'' وہ چمکارتے ہوئے بولیں۔

''آنٹی! شادی کیوں کی جاتی ہے؟ ایک کمرے میں رہنے کے لئے یا پھر طمانیت اور محبت کے لئے؟''

''تمہیں یہ سب پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟'' انہوں نے تڑپ کر اس کی پلکیں صاف کیں۔

"آنٹی! میں بھی انسان ہوں، جیتی جاگتی لڑکی ہوں، شوہر کا پیار اور محبت چاہتی ہوں" وہ گڑگڑانے لگی۔

"ایسا سوچنے سے کیا حاصل؟ اب اپنے لئے اور میرے لئے نئی آزمائش مت کھڑی کرو۔ مکمل محسوس کرو، لوگوں کے سامنے، معاشرے کے سامنے۔ نامکمل ظاہر کرو گی تو پاؤں رہ محسوس ہوں گے۔" انہوں نے پیار سے تسلی دی۔

"مگر آنٹی یہ فریب ہے، اپنے ساتھ، اس معاشرے کے ساتھ۔ یہ کیسا معاشرہ ہے جو دے کر رہا جاسکتا ہے؟"

"یہ اس معاشرے سے بہت بہتر ہے حور یہ۔ جس معاشرے سے تم فریب کھا کر آئی ہو فریب برداشت تو کر لیتا ہے، اس کے دامن میں تمہیں لمحاتی ہی سہی، قرار تو مل گیا ہے، ورنہ وہاں سب ناپید ہے، اگر وہاں قرار ہوتا، پناہ ہوتی تو شاید تم واپس نہ آتیں، جو ماضی کی گرد میں دب اسے دبا رہنے دو، کرم داد کے مضبوط حصار میں خود کو چھپا کر زندگی کا لطف اٹھاؤ۔ بہت کچھ تمہارے پاس، کچھ نہ ہونے کے باوجود۔" شائستہ بیگم دھیرے دھیرے اسے سمجھاتی رہیں اور ا پلکوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر موتی ان کی ساڑھی میں جذب ہوتے رہے۔

"کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ کسی لڑکی کا سنگین نقصان ہو جائے اور وہ زندہ رہے۔" وہ سسکی۔

"یہ زندگی ایسی ہی ہے، تمہیں اب یقین آجانا چاہئے کہ تمہاری زندگی ایسے ہی گزرے گی۔"

"کرم داد کو فریب دینا کبھی کبھی برا لگتا ہے۔" وہ ندامت سے بولی۔

"گو کہ یہ ہمارے معاشرے کی رسم نہیں، مگر کیا کریں۔ غیر اخلاقی معاشروں سے اُڑ کر آنے تند و تیز آندھیاں سب کچھ اُڑا کر لے جاتی ہیں۔ کرم داد جیسے شخص کے لئے زندگی کا یہ رخ بھی غنیمت ہے۔ ساری زندگی یہ جن آسائشوں کے لئے ترستے ہیں وہ اس طرح مل جائیں تو چاہئے؟" شائستہ بیگم دولت کے زعم میں گردن اکڑا کر بولیں۔

"مگر وہ بہت مختلف انسان ہے۔"

"تو اچھی بات ہے، مگر مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ اس سارے قصے میں میری رسوائی ہو گی کچھ ہوا سو ہوا۔ اب تو اعتماد سے سب کچھ سنبھالو۔"

"میں کوشش کروں گی۔"

"کوشش ہی نہیں، یہ ارادہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ کرم داد چاہے کسی بھی کلاس کا ہے، ہے تو مرد کی روایتی مردانگی کسی بھی وقت جاگ سکتی ہے۔ اسے شک بھی نہیں ہونا چاہئے کسی بات کا بیگم رازداری سے بولیں۔

"او کے۔"

"بیٹا اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے، برائے نام مجبوراً یہ رشتہ رہنے دو، باقی زندگی کے

تمہارے لئے کھلے ہیں۔ انجوائے کرو، گھومو، پھرو، فرینڈز بناؤ، شوہر والے فریم میں کوئی اور تصویر اب کبھی فٹ نہیں آئے گی یہ تم جانتی ہو۔ لہٰذا اس حقیقت کو قبول کرو۔"

"میرا ضمیر......"

"بس، کوئی ضمیر و میر نہ کرو...... ہونٹ سی لو۔"

"میں سوچتی ہوں کہ شادی نہ بھی کرتی تو کیا فرق ہوتا۔"

"فی الحال نہ پڑتا، مگر ایک وقت ایسا آتا کہ فرق پڑتا اور اس وقت کرم داد جیسا نایاب ہیرا ہاتھ سے نکل چکا ہوتا۔" شائستہ بیگم نے مسکرا کر کہا اور وہ کچھ مطمئن ہو کر خود بھی مسکرا دی۔

"چلو اب اٹھو، تیاری پکڑو۔ کچھ ہی دیر میں مہمان آنا شروع ہو جائیں گے۔" شائستہ بیگم نے کہا۔ "اوہ آنٹی، ایک تو یہ پینڈو شہر بہت بور کرتا ہے۔ آپ لوگ لاہور چھوڑ کر یہاں پڑے ہیں۔ نہ کوئی فائیو اسٹار ہوٹل، نہ کلب، نہ اچھا ٹیلر اور نہ ہی کوئی بیوٹی پارلر، کوئی بھی تو ایکٹی وٹی نہیں ہے یہاں، ہر کام کے لئے لاہور جاؤ اور بس۔" وہ منہ بگاڑ کر بولی۔

"بات تو صحیح ہے۔ مگر تمہارے انکل اپنا یہ آبائی شہر چھوڑنے کو تیار نہیں۔" شائستہ بیگم بولیں۔

"مگر میں اس بور شہر میں بور ہو گئی ہوں۔"

"تم کچھ دن لاہور رہ آیا کرو، کوٹھی خالی پڑی ہے، نوکر مفت کی تنخواہ لے رہے ہیں۔" شائستہ بیگم نے کہا۔

"یہ ٹھیک ہے۔ میں اور کرم داد لاہور شفٹ کر جاتے ہیں۔ میں وہاں ذاتی ہسپتال بنوانا چاہتی ہوں۔" وہ بولی۔

"چلو ایسا کر لو۔ اس طرح تمہارا دھیان بھی بٹا رہے گا۔" شائستہ بیگم راضی ہو گئیں۔

"او، آنٹی تھینک یو۔" وہ ان کے گال چومتے ہوئے خوشی سے بولی۔

○❖○

گوجرانوالہ کی چند امیر کبیر صنعتی اور تجارتی شخصیات مع بیگمات کے ڈنر پر مدعو تھیں۔ سب اپنی اپنی [illegible] تھے۔ چھوٹے شہر میں صنعت کے فروغ سے صنعتکاروں کے پیسے میں تیزی سے اضافہ ہوا تھا۔ گو کہ دولت کے استعمال سے یہ لوگ بخوبی واقف تھے مگر تعلیم اور شعور نام کی کوئی چیز ان کے پاس ابھی نہیں پہنچی تھی۔ بھاری بھدے جسم، بلند و بانگ قہقہوں کے ساتھ ہلاتے ہوئے وہ یہ قطعاً بھول جاتے کہ کسی تقریب میں مدعو ہیں۔ یہی حال ان کی بیگمات کا تھا۔ تقریب سے غیر مناسب بھاری بھرکم زرق برق لباس اور اس پر خالص سونے سے گھڑے وزنی زیورات، آنکھوں کو مشتعل کر دینے والا میک اپ، بن بن کر، ٹھہر ٹھہر کر بولنے کی محتاط کوشش، بڑے شہروں کی پڑھی لکھی امیر کبیر خواتین کی طرح تھی۔ ان سب میں صرف ڈاکٹر صاحب اور شائستہ بیگم ہی سلجھے ہوئے تہذیب یافتہ نظر آ رہے تھے یا پھر ڈاکٹر صاحب کے دوست سیٹھ گلزار صاحب اور ان کی فیملی پڑھی لکھی تھی۔ مگر

آج وہ ڈنر پر نہیں آئے تھے کیونکہ اپنی نئی فیکٹری کے لئے مشینری کی خریداری کے لئے روانہ ہوئے تھے۔ رضا علی بھی ان کے ہمراہ تھا۔ بیوی اور بیٹی کراچی گئے ہوئے تھے۔

شائستہ بیگم نے مہمانوں کو مدنظر رکھتے ہوئے تمام کھانے ترتیب دیئے تھے۔ زیادہ تر مسالے والے کھانوں کا انتخاب کیا تھا جن کی خوشبو اشتہا انگیز تھی۔ کھانا میز پر لگوانے کے بعد نے ڈرائنگ روم میں دیکھا، حوریہ اور کرم داد تیار ہو کر ابھی تک مہمانوں کے درمیان نہیں آئے انہیں حیرت ہوئی۔ گڑیا کو بلا کر کہا۔

"جاؤ جا کر حوریہ بی بی اور چھوٹے صاحب کو بلاؤ۔ سب مہمان آ چکے ہیں۔ جن کے لئے ہے وہ غائب ہیں۔"

وہ ان کے کمرے میں پہنچی تو یکلخت پلکیں جھپکنا بھول گئی۔ وہ گرے کلر کے کلف دار شلوار کرتے میں، مغل شہزادے کی طرح کھڑا تھا۔ پیروں میں ملتانی کھسہ پہنے، خوشبو کے حصار میں قید۔ اس کے لبوں پر ایک دم مسکان آئی، اسے قریب آنے کا اشارہ کیا، وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے اس کی طرف بڑھی۔ دونوں بازو کھول کر وہ اسے گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"قریب آؤ، محسوس کرو کیسی دلفریب خوشبو ہے۔" وہ آہستہ سے بولا۔ اس نے آنکھیں بند کر کے بالکل اس طرح محسوس کیا، سونگھا جیسے وہ چھوٹے صاحب کے لئے سوچا کرتی تھی۔ اسی لمحے کمرے کا دروازہ کھلا اور حوریہ باہر نکلی۔ وہ ٹھٹک کر پرے ہو گئی۔

"کیا..... کیا کام ہے تمہیں؟" اس نے اس سے پوچھا۔

"ڈارلنگ، اسے انگریزی خوشبو بہت پسند ہے۔ اپنی پسند سے ایک شیشی اسے دے دو۔" کرم داد نے پگھلا ہوا سیسہ اس کی سماعت پر انڈیل دیا۔ توہین کے احساس سے وہ آنکھیں پھاڑے دیکھتی رہ گئی اور وہ سفاک بنا مسکراتا رہا۔ حوریہ نے اثبات میں گردن ہلائی اور حاتم طائی کی قبر پر لات مارتے ہوئے ایک تقریباً خالی پرفیوم کی بوتل اس کی طرف بڑھائی۔

"شکریہ حوریہ بی بی! مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔" آنکھوں میں آنسو پیتے ہوئے اس نے کہا۔

"حوریہ! حوریہ!" شائستہ بیگم کی آواز آئی تو وہ ساڑھی کا پلو سنبھالتی ہوئی باہر بھاگی، اسے جلدی آنے کو کہا۔

"رکھ لو گڑیا بیگم! تمہیں تو چھوٹے صاحب کی ہستی ہی خوشبو لگتی تھی۔ غور سے دیکھو اور بتاؤ کیا میں سچ مچ چھوٹے صاحب لگ رہا ہوں یا نہیں؟" وہ گھورتے ہوئے بے رحمی سے اسے شانوں سے جھنجھوڑتے ہوئے بولا۔ وہ معصومیت سے آنسوؤں کے بیچ اس ظالم شخص کو دیکھتی رہی۔ کیونکہ چرکہ تھا جو اس نے دل پر لگایا تھا۔ اس نے کتنا چھوٹا اور سستا بنا دیا تھا۔

"یہ کپڑے بھی دیکھو، بالکل ویسے ہی ہیں نا جو چھوٹے صاحب لوگ پہنتے ہیں۔" وہ چاروں طرف گھوم گھوم کر کپڑے دکھانے لگا۔

"آپ چھوٹے صاحب ہی ہیں۔" وہ روتی ہوئی کہہ کر کمرے سے نکل گئی اور وہ بے قرار دل کو سنبھالتے ہوئے بھاری قدموں سے خود بھی نیچے مہمانوں کے درمیان آ گیا۔

کھانے کی میز پر بھی وہ بجھا بجھا سا تھا۔ بہت جلد میز سے اٹھ کر باہر آ گیا۔ شائستہ بیگم نے حوریہ کو اشارہ کیا مگر وہ شانے اچکا کر بیٹھی رہی۔ کیونکہ اتنا تو وہ سمجھتی تھی کہ کرم داد کے مزاج کو بدلنا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے۔ سو اس کی ذات سے اس قدر وابستگی رکھنے کی ضرورت نہیں تھی۔

وہ دانستہ ٹہلتا ہوا لان کے اس حصے میں آ گیا جہاں گھٹنوں میں منہ چھپائے وہ بیٹھی تھی۔ اسے پہچان کر وہ اس کے قریب چلا گیا۔ چاند کی روشنی میں وہ اس کے وجود کے ہچکولے بخوبی محسوس کر سکتا تھا۔ قدموں کے نیچے خشک پتوں کی چرچراہٹ سن کر اس نے گردن اٹھا کر دیکھا۔

"کیا بات ہے..... تمہارا کام کاج میں دل نہیں لگتا؟" اس نے پوچھا۔

"مجھ سے کوئی بھول ہو گئی کیا چھوٹے صاحب؟" وہ آہستہ سے بولی۔

"رو کیوں رہی ہو؟"

"رونے کے لئے تو میرے پاس بہت سی باتیں ہیں۔"

"میں چاہتا ہوں کہ تم جس طرح چھوٹے صاحب کا دل بہلاتی تھیں ویسے ہی میرا....."

"چپ ہو جائیں چھوٹے صاحب! میری پاکیزگی پر تہمت مت لگائیں۔ ویسے بھی آپ میں اور ان میں فرق تھا۔" وہ چلا اٹھی۔

"کیا فرق تھا؟" وہ جرح پر اتر آیا۔

"بس خدا کے واسطے آپ جائیں۔ کسی کو شک ہو جائے گا۔" وہ ہاتھ جوڑ کر بولی اور بھاگ کر اندر کی طرف چلی گئی۔ وہ بے چین روح کی مانند ٹہلنے لگا مگر چین نہیں مل رہا تھا۔ کیسے قفس میں خود کو قید کر لیا تھا کہ دل و دماغ آزادی کے باوجود پنجرے میں بے بسی محسوس کر رہے تھے۔ اس کے معصوم چہرے پر نظر پڑتے ہی سارا ارادہ ڈگمگانے لگتا تھا۔ منصوبے خاک میں مل جاتے تھے، دل مچلنے لگتا تھا کہ اسے دل میں چھپا کر کہیں دور نکل جاؤں، جہاں کوئی نہ ہو۔ مگر فی الحال اس وقت تک یہ ممکن نہیں تھا جب تک وہ پتھر کو جونک نہ لگا لیتا۔ شعلہ عشق بھڑکتا ہوا نہ محسوس کر لیتا۔ محبت کی یہ فتح ہی تو اب اس کی منزل تھی۔ جونک لگی تو تھی مگر ابھی کچھ وقت درکار تھا۔ وہ جی بھر کے محبت کے صدمے اسے دینا چاہتا تھا۔ اسے جیتنا چاہتا تھا۔ محبت میں جلتے، سلگتے جذبوں کی لذت ہی کچھ اور ہوتی ہے۔

"میں گڑیا تمہیں اس لذت سے آشنا ضرور کراؤں گا۔" تاروں کو گواہ بناتے ہوئے اس نے پکا ارادہ کیا اور اندر کے لئے قدم اٹھائے۔

○❖○

بڑی دیر لان میں خوش رنگ اور خوش نما پھولوں سے لطف اندوز ہونے کے بعد وہ کمرے میں پہنچا

تو حوریہ نے بدمست شرابی کی طرح خمار آلود لہجے میں اسے اپنے پاس بلایا۔
"کریم ڈیئر میرے پاس آجاؤ۔" وہ سنی ان سنی کرتا ہوا صوفے پر بیٹھ گیا۔
"کرم! فار گاڈ سیک، کبھی تو قریب آجایا کرو۔" دوسری بار اس نے بھرپور انگڑائی لیتے ہو
سے کہا، ہلکے گلابی رنگ کی مہین سی نائٹی سے چاند کی کرنیں ابھریں اور اس کی سرسری سی نظر
بھٹک سی گئی۔
"ہمارے درمیان ایسا کوئی رابطہ اور تعلق کبھی پیدا نہیں ہوسکتا۔" وہ صوفے کی پشت سے
ہوئے دھیرے سے بولا۔
"لیکن پیار کسی تعلق کا محتاج نہیں۔" وہ چھلاوے کی مانند بیڈ سے اتری اور صوفے پر اس
بازوؤں میں جھول گئی۔ وہ سختی سے اسے دور کرنے کی کوشش کرنا ہی چاہتا تھا کہ دروازے پر
دستک ابھری اور وہ یہ کہتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔
"چائے لائی ہوں جی!" کرم داد نے تیزی سے حوریہ کو بانہوں میں سختی سے جکڑ لیا۔ وہ یہ
دیکھ کر چائے کی ٹرے لئے واپس پلٹی۔ دل بیٹھ رہا تھا، اشک بہنے لگے۔ ایسا لگا کہ کرم داد نے
تلے کچل ڈالا۔
"گڑیا! چائے رکھ دو۔" وہ بدستور حوریہ کو بانہوں میں لئے بولا۔
"جی بہتر۔" وہ نظریں جھکائے جھکائے صوفے کے قریب پڑی ٹیبل پر ٹرے رکھ کر برق
سے مڑی۔
"چائے بنا کر دو۔" وہ مزید سفاکی سے بولا تو اس نے ملتجی نظروں سے دیکھا۔ وہ صاف
گیا۔
"نہیں نہیں گڑیا! تم جاؤ، ہم خود بنالیں گے۔" حوریہ کو شاید اس کا مخل ہونا پسند نہیں آیا تھا۔
اس برے وقت میں حوریہ ہی محسنہ لگی، جو محسن تھا وہ تو جلاد بن چکا تھا۔ وہ لوٹ گئی۔ اس کے جا
اس کے چہرے پر تناؤ سا آگیا۔ جھٹک کر اسے دور کیا اور کھڑا ہوگیا۔ حوریہ کو سخت غصہ آیا۔
"کبھی کبھی تم پکے گنوار لگتے ہو۔"
"لگتا نہیں، میں ہوں گنوار۔" وہ جبڑے بھینچ کر بولا۔
"ہنہ، میں جانے کیا سوچ کر تم ایسے شخص سے شادی کر بیٹھی۔" وہ فرش سے بپھری ہوئی اٹھی۔
"تو جب چاہو یہ شادی ختم ہوسکتی ہے، خود ہی کرلو یہ فیصلہ۔ ورنہ جس دن بھی اصل سوچ
لگ گئی، انجام یہی ہونا ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔
"کیسی سوچ؟"
"جو ہماری شادی کی وجہ ہے۔" اس نے گھورا۔
"میں تمہیں چاہتی ہوں اس لئے شادی کی ہے۔ مگر تم غور کرو ابھی تھوڑی دیر پہلے تم

"کیا؟" وہ ایک دم نرم پڑ گئی۔
"اس سے ذرا پہلے جو میں نے کیا وہ بھی دانستہ کیا، ورنہ اس کی کبھی ضرورت نہیں پڑ سکتی۔" وہ
مسکراتا ہوا بولا اور نہانے کے لئے باتھ روم میں گھس گیا۔ حوریہ کو اس مشکل مزاج انسان کی بات
طنزیہ پریشان کر گئی۔ گویا وہ فریب تھا۔
"او، مائی گاڈ۔ کیسا بے رحم انسان ہے، بڑے بڑے سورما جن لمحات میں پانی کی طرح بہہ جاتے
یہ شخص ان لمحات میں بھی چٹان بنا رہتا ہے۔" اس نے سوچا۔
"ٹھیک ہی کرتا ہے حوریہ بیگم، ورنہ تمہاری اصلیت کا پردہ چاک ہو جائے، ایک لمحے میں تمہاری
جوانی، دلکشی کا بھید کھل جائے۔" اندر سے آواز آئی تو وہ فوراً سب کچھ بھول کر چائے بنانے لگی۔
دراصل اندر کی عورت مرد کے پیار اور لمس کے لئے بیقرار تو رہتی ہے۔ یہ علیحدہ بات تھی کہ اسے
جھوٹے اور کھوکھلے معاشرے کے مرد کا بھی پیار نہیں مل سکتا تھا۔ وہ تہی دامن تھی۔
اسے ایک دم ہی کرم داد پر پیار آنے لگا۔

○❖○

دوپہر کے بعد وہ کام سے فارغ ہو کر بوجھل دل لئے کوارٹر میں آگئی۔ تنہائی پاتے ہی سارا صبح کا
غبار بہہ نکلا۔ تکیے پر سر رکھ کر وہ سسکیوں سے رونے لگی۔ کرم داد کی سفاکی پر دل خون کے آنسو رو رہا
تھا۔ یہ درست تھا کہ اس نے پہلے کبھی کرم داد کے لئے نہ سوچا تھا اور نہ محسوس کیا تھا۔ مگر جب سے سوچا
تھا، محسوس کیا تھا خود کو پورا پورا اس کی محبت میں ڈوبا پایا تھا۔ یہی محبت تھی، جو اچانک بیدار ہو کر اسے
زہر بن رہی تھی۔ مگر وہ بے خبر تھا۔ وہ جو محبت کا دعویدار بن کر اس کے اور اماں کے سامنے گڑگڑا رہا تھا آج
حیثیت بدلنے پر اجنبی بن گیا تھا۔ کیا اسے محبت کہتے ہیں؟ کس جنم کا بدلہ وہ لے رہا تھا۔ اس کے ننھے
معصوم دل کی پرواہ کئے بغیر، اس کے گداز احساس کا خیال کئے بغیر۔ وہ تو اتنی دور آئی صرف اس کے
لئے تھی، مگر یہاں تو دنیا ہی بدل گئی تھی۔ اب یہاں رہنے کا مقصد تو کوئی نہیں تھا۔ مگر اس کے لئے کوئی
اور پناہ گاہ بھی تو نہیں تھی۔ زندگی کے کڑوے پہلوؤں پر تو اس نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔ اپنی بے بسی
اور بیچارگی دیکھ کر اپنے سب چاہنے والوں کی باتیں یاد آرہی تھیں۔ جب ان کی باتیں جھٹلا کر بڑے
لوگوں اور بڑے گھروں کی باتیں کرنا اچھا لگتا تھا۔ چھوٹے صاحب کا دم بھرنے والی پر چھوٹے
صاحب کی شفقتوں اور محبتوں کا بھید کھلا تو فقط اتنا کہ ایک گڑیا کو گڑیا خرید کر دے دی بس اور ایک سادہ
لوح آدمی کو چھوٹے صاحب کی کھال پہننے کا مشورہ دے کر اسے کرم داد سے نفرت کرنے والا بنا
دیا۔ اپنی بیوقوفی اور حماقت پر رونے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔
"کس کے غم میں آنسو بہا رہی ہو؟" کوارٹر میں داخل ہو کر وہ بے رحمی سے بولا۔ وہ شاید ابھی
حوریہ کے ہمراہ کلینک سے لوٹا تھا۔ وہ ایک دم سیدھی ہو کر آنکھیں صاف کرنے لگی۔
"اپنی قسمت پر آنسو بہا رہی ہوں۔"

"قسمت کو کیا ہوا، تم تو چھوٹے صاحب کی منتظر تھیں پھر یہاں....."

"خدا کے واسطے مجھے میرے حال پر چھوڑ دو، آپ خوش ہیں بس یہی کافی ہے۔" اس کا ہا کر وہ بولی۔

"مگر ایسا لگتا ہے کہ مجھے خوش دیکھ کر تمہیں دُکھ ہوا ہے۔"

"اگر تم سچ مچ میں خوش ہو گے تو مجھے دکھ نہیں ہو سکتا۔" اس نے اس طرح دیکھتے ہوئے کی کہ وہ نظریں چرا گیا۔

"تمہارے مشورے پر عمل کیا ہے، بقول تمہارے اس طرح ہی انسان خوش رہتا ہے۔"

"اچھا ہی مشورہ دیا تھا۔ میں تو خوش ہوں۔" وہ دھیرے سے بولی۔

"ابھی تو تمہیں اتنی خوشیاں ملیں گی کہ تم چیخ چیخ کر چلاؤ گی۔" وہ سخت لہجے میں بولا۔

"میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟ تم خوش آباد رہو۔"

"ہاں..... میں بہت خوش ہوں۔ یہ..... یہ قیمتی لباس، یہ عمدہ خوشبوئیں، خوبصورت خوبصورت بیوی میری خوشی کے لئے کافی ہیں۔" وہ دیوانوں کی طرح چلانے لگا۔

"پھر مجھ سے، مجھ سے کیا چاہتے ہیں آپ؟" وہ روہانسی ہو گئی۔

"تمہیں روتا، تڑپتا، فریاد کرتا دیکھنا چاہتا ہوں، تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ ماحول کے فرز انسان جب بدلتا ہے تو اسی ماحول میں قید ہو جاتا ہے۔"

"مجھے یہ سب کیوں سنا رہے ہو، میرا تم سے کوئی رشتہ تو نہیں۔"

"ہنہ..... رشتہ جو تھا وہ محسوس نہ کر سکیں، لیکن رشتہ تو ہے ایک نوکر کا اپنے مالک سے۔" جلے حصہ آہستہ سے بڑبڑا کر دوسرے حصے کو زور سے کہا۔ وہ کانپ سی گئی۔

"میں نبھانے کی کوشش کر رہی ہوں۔" وہ رونے لگی۔

"تمہیں ایسا ہی کرنا چاہئے۔ چلو جلدی سے میز پر کھانا لگاؤ۔" وہ تحکم سے کہتا ہوا آگے آ دیا اور سینے پر صبر کی سل رکھ کے وہ پیچھے پیچھے ہو لی۔ ایک ایک لفظ اس کے دل کو چیر رہا تھا، آ سرخ دیکھ کر، حوریہ نے کھانا کھاتے ہوئے پوچھا

"کیا بات ہے گڑیا، تمہاری آنکھیں کیوں سرخ ہیں؟"

"لگتا ہے آج کل تم روتی رہتی ہو۔" حوریہ کی بات پر اس کے جواب سے پہلے کرم داد بولا۔

"ہیں، کیوں؟" حوریہ حیرت سے بولی۔

"بیچاری اکیلی جو رہ گئی۔" کرم داد نے افسوس کا اظہار کیا۔

"اوور پری سیڈ، پھر اب؟" حوریہ دکھ سے بولی۔

"کچھ نہیں، انکل سے کہتے ہیں کہ کسی دوست سے کہیں ان کا کوئی ملازم شادی کرنا چاہے تو وہ بے رحمی سے جملہ چبا چبا کر بولا۔ گڑیا کے دل پر بجلی سی گری، پانی کا گلاس ہاتھ سے چھوٹا اور

گر چکی ہو گیا۔ دل چاہا کہ اس کا منہ نوچ لے۔ کسی نشے میں مست ہو کر وہ اس کی حمیت کا مذاق اُڑا رہا تھا۔

مگر چاہنے کے باوجود وہ ایک لفظ نہ کہہ سکی، خاموشی سے کرچیاں سمیٹنے لگی۔ ایک تیز نوکیلا کانچ اس کی انگلی چیر گیا۔ سی کی ہلکی سی آواز منہ سے نکلی مگر سہہ گئی۔

"اوہ، یہ کیا، کیا ہاتھ گھائل کر لیا۔" حوریہ بے ساختہ اٹھ کر اس کا ہاتھ دیکھتے ہوئے بولی۔

"کوئی فرق نہیں پڑتا بی بی جی، پورا وجود ہی گھائل ہے۔" وہ کرب سے بولی اور ہاتھ چھڑا کر وہاں سے چلی گئی۔ کرم داد کے حلق میں نوالہ پھنس سا گیا۔ شدید بھوک کے باوجود وہ ایک لقمہ نہ کھا سکا۔ حوریہ نے اصرار بھی کیا مگر وہ طبیعت کی ناسازی کا بہانہ کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔

"تم آرام کرو، مجھے واپس کلینک پہنچنا ہے۔ ایک مریض کی حالت خراب ہے۔" حوریہ نے رومال سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے کہا اور گاڑی کی چابی اٹھا کر نکل گئی۔

○❖○

ڈرائنگ روم میں شمو اور وہ صفائی کر رہی تھیں۔ شائستہ بیگم ابھی ہدایت دے کر گئی تھیں کہ اچھی طرح صفائی کرو۔ وہ خاموش تھی مگر شمو مسلسل باتیں کئے جا رہی تھیں۔ لیکن اس کے پاس شمو کی کسی بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔ بس ایک چپ سی لگی تھی۔ کام ختم کر کے باہر نکلی تو شائستہ بیگم نے حکم صادر کر دیا کہ حوریہ بی بی کو بلا کر لاؤ۔ وہ اس کمرے میں جانے سے کتراتی تھی مگر مالکوں کا حکم ماننا بھی فرض تھا۔ بے دلی سے اس کے قدم اٹھے۔

ہلکے سُروں میں میوزک بج رہا تھا۔ حوریہ کوئی رسالہ پڑھ رہی تھی۔ باتھ روم سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ کرم داد باتھ روم میں تھا۔ وہ اس کی غیر موجودگی میں جلدی سے پیغام دے کر پلٹنا چاہتی تھی کہ حوریہ نے آ کے حکم دے دیا۔

"گڑیا! میری وارڈ روب ٹھیک کرو، بڑے دنوں سے اس کی صفائی نہیں ہوئی۔" وہ یہ کام دے کر شائستہ بیگم کی بات سننے چلی گئی اور وہ مجبوراً وارڈ روب کھول کر صفائی میں لگ گئی۔ ایک جھٹکے سے واش روم کا دروازہ کھلا اور بال تولیے سے رگڑتے ہوئے وہ اس کے سامنے آ گیا۔ سفید کُرتے میں گلے کے بٹن کھلے تھے، چوڑے چکلے سینے سے جھانکتے کالے بال اس کی مردانہ وجاہت کا عملی نمونہ پیش کر رہے تھے۔ بے اختیار ہی وہ اس کو دیکھتی چلی گئی۔ وہ بھی گہری نظروں سے گھورتا ہوا اس کے اتنے قریب آ گیا کہ گیلے بدن کی مہک اس کی سانسوں میں اتر گئی اور نگاہوں کا تصادم ہوا تو دل دھڑکنے لگا۔ اپنی انگلی سے اس کی ٹھوڑی اوپر اٹھاتے ہوئے وہ بولا۔

"ایسے میری طرف کیا دیکھتی ہو؟"

"جی کچھ نہیں....." وہ ہکلائی۔ اصل دنیا میں واپس لوٹ آئی۔

"دیکھنا تھا تو مجھے اس چھوٹے کوارٹر میں دیکھا ہوتا۔ گڑیا! میں ایسا ہی تھا۔ بس ایک فرق تھا کہ

تب میرے بدن سے مصنوعی خوشبوؤں کی مہک نہیں آتی تھی جیسی اب آتی ہے۔ سونگھو، دیکھو، بر
اپنی سانسوں میں، اپنی مصنوعی دھڑکنوں میں۔" اس نے اپنے مضبوط بازوؤں کے حصار میں اسے
کر بری طرح بھینچ ڈالا۔ اس کے سینے سے اس کا چہرہ رگڑیں کھانے لگا۔ سانس گویا حلق میں
گئی۔ شدید مزاحمت کے بعد وہ اس سے علیحدہ ہونے میں کامیاب ہوئی۔ مگر دل کی رفتار اتنی زیادہ
کہ وہ چکرا کر وارڈ روب کے ایک پٹ سے جھول گئی۔ فرش پر گرنے سے پہلے اس نے اسے تھام
وہ مچلی۔

"آپ کو اپنے اور میرے درمیان کے فرق کو یاد رکھنا چاہیے۔"

"اچھا، لیکن تم نے تو کبھی یہ فرق یاد نہیں رکھا۔ جب میں تمہاری کلاس کا تھا تو ہمیشہ تمہیں اپنا
کے طلسم میں سحر زدہ سا پایا۔"

"چھوٹے صاحب! خدا کے واسطے مجھے زندہ رہنے دیں، اس طرح برا لگتا ہے۔" وہ منت بھرے
لہجے میں ڈبڈبائی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے بولی۔ وہ رخ موڑ کر اپنے آزردہ دل کو تسکین دینے لگا۔

"اتنی آسانی سے گڑیا بیگم!" رخ موڑے موڑے وہ بولا۔

"میں نے کیا، کیا ہے؟" وہ منمنائی۔

"کیا...... کیا، کیا ہے؟" وہ پھر کر مڑا۔

"ہاں بولیں۔ میری خطا کیا ہے؟"

"تمہاری خطا اتنی بڑی ہے کہ تم نے ایک انسان بدل ڈالا۔" وہ طنزیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے
اس کی طرف بڑھا مگر عین اسی لمحے حوریہ آ گئی۔

"کرم ڈیئر! میں ذرا آنٹی کے ساتھ مارکیٹ جا رہی ہوں۔ تم چلنا چاہو تو چلو۔" وہ اپنی ترنگ میں
بولتی چلی گئی۔ وہ غیر محسوس طریقے سے اس سے دور ہو گیا۔ وہ بھی جلدی جلدی وارڈ روب کی صفائی
کرنے لگی۔

"میں...... میں کیا کروں گا ڈارلنگ!" وہ بنا اس کی پروا کیے حوریہ کی کمر میں بازو ڈالتے ہوئے
بولا۔

"اوکے، پھر آپ گھر پر آرام کریں۔ واپسی پر بات ہو گی۔" وہ مسکرا کر بیڈ کی سائیڈ ٹیبل سے
پرس اٹھا کر بولی۔

"بی بی جی! الماری صاف ہو گئی ہے۔" حوریہ کے جانے سے پہلے وہ جلدی سے بولی، تاکہ
کی موجودگی میں کمرے سے نکل سکے مگر وہ اس سے بھی پہلے بولا۔

"یہ کمرے میں پھیلے اخبار، رسالے اٹھا کر ترتیب سے رکھو۔"

"جی...... بہتر۔" وہ نظریں جھکائے جھکائے قالین پر جھک کر اخبار اٹھانے لگی، خوبصورت
آنکھوں پر جھکی پلکوں کی جھالریں صبیح رخساروں پر کانپ رہی تھیں۔

"جان! بہت اچھی لگ رہی ہو۔" وہ کن آنکھیوں سے دیکھتے ہوئے ذومعنی انداز میں بولا۔ حوریہ
کھلکھلا کے ہنستی ہوئی باہر نکل گئی اور وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے اُس کے اس جملے پر دل ہی دل میں رو دی۔

"یہ کام کرنے کے بعد میرا سر تو دبا دو۔"

"جی......" وہ حیرت سے بولی۔

"میرا سر دبا دو۔" وہ ٹھہر ٹھہر کر بولا اور صوفے کی پشت سے سر ٹکا کر بیٹھ گیا۔ آنکھیں موند لیں۔
وہ سوچ میں پڑ گئی۔

"ایک دفعہ کی بات سنائی نہیں دیتی کیا؟" وہ گرجا تو اس نے جلدی سے اپنے کانپتے لرزتے ہاتھ
اس کے سر پر رکھ دیئے اور دبانا شروع کر دیا۔ توہین اور ذلت کے ملے جلے احساس سے اس کی
آنکھیں پھر بھر آئیں۔ پلکوں سے کئی ستارے ٹوٹے، اس کے بالوں میں جذب ہو گئے۔ ایک قطرہ
پیشانی پر گرا تو نیم وا آنکھ سے اس نے اوپر کی طرف دیکھا، وہ رو رہی تھی۔ وہ انجان بن گیا۔ جھوٹی انا
کی تسکین کی خاطر کئی گھنٹے وہ اسے یہ سزا دیتا رہا۔ اس کے ہاتھ تھک گئے، پیر من من کے ہو گئے، مگر وہ
آنکھیں موندے بیٹھا رہا اور وہ بے بسی سے سر دباتی رہی۔

O❖O

"اوہو، بیگم صاحبہ! یہ لاہور جانے کا بھوت کیوں اس کے دماغ میں سمایا ہے، یہاں کس چیز کی کمی
ہے؟ بڑے بڑے صنعت کار یہاں رہتے ہیں، کیا وہ پاگل ہیں؟" شائستہ بیگم کے یہ کہنے پر کہ "حوریہ
لاہور شفٹ ہونا چاہتی ہے۔" ڈاکٹر صاحب نے گرج دار آواز میں تقریر کر ڈالی۔

"ہاں، وہ پاگل ہی ہیں۔" وہ تنک کر بولیں۔

"کوئی پاگل واگل نہیں وہ۔ پاگل تو آپ کی بھتیجی ہے۔ پہلے دماغ میں خلل واقع ہوا تو، اُوٹ
پٹانگ فیصلہ کر لیا۔ اب نیا عارضہ لاحق ہو گیا ہے لاہور شفٹ ہونے کا۔" ڈاکٹر سلمان کو اچھا خاصا
غصہ آ گیا تھا۔

"مگر آپ کو کس بات کا اعتراض ہے۔ وہ وہاں کوئی چھوٹا سا ہسپتال بنانا چاہتی ہے، اس کی
دولت نیک کاموں میں صرف ہونے دیں۔" شائستہ بیگم بھی ہار ماننے والی نہیں تھی۔

"آخر لاہور میں ہی کیوں؟"

"بھئی لاہور، لاہور ہے۔ اب یہاں تو ساری زندگی میں نے بھی خراب کی ہے۔" شائستہ بیگم
بولیں۔

"جی ہاں، جو آسمان آپ کو لاہور میں اپنے سر پر اٹھانا تھا میں جانتا ہوں، کوئی شہر چھوٹا بڑا نہیں
ہوتا۔"

"میری سمجھ میں یہ نہیں آ رہا سلمان صاحب! کہ ہم بحث کیوں کر رہے ہیں۔ وہ جانا چاہتی ہے تو
میں اعتراض کیوں؟" شائستہ بیگم بھڑک اٹھیں تو ڈاکٹر صاحب نے ہار مان لی۔

"جو جی میں آئے کرو۔"

"بس اتنی سی بات تھی۔" وہ فتح یاب ہونے پر پُرسکون ہوگئیں۔

"اب تو آپ خوش ہیں؟" وہ طنزیہ بولے۔

"بچوں کی خوشی میں خوش ہونا چاہئے۔" وہ مسکرائیں۔

بچوں کا ہمیں کوئی تجربہ ہوا ہی نہیں، اس لئے یہ نہیں جانتے۔" ڈاکٹر صاحب نے دانستہ زور دے کر کہا۔ شائستہ بیگم کے چہرے پر ایک ملال سا چھا گیا۔ افسردہ سی ہو کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ایسا بارہا ہوتا تھا کہ کبھی کبھی ڈاکٹر صاحب مذاق میں اولاد جیسی نعمت نہ ہونے کی بات کرتے تھے مگر آج ان کے لہجے میں طنز تھا جسے انہوں نے واضح طور پر محسوس کیا۔ ڈاکٹر صاحب کہہ تو بیٹھے مگر بعد میں افسوس ہوا کہ بھلا اس میں شائستہ کا کیا قصور؟ اسی وقت حوریہ اور کرم داد وہاں آ گئے تو انہیں بات بدلنے کا موقع مل گیا۔

"بیگم جی! اب یہ دونوں ہمیں نئے مہمان کی خوش خبری کب سنا رہے ہیں؟" حوریہ صوفے پر بیٹھتے بیٹھتے چونکی جبکہ کرم داد کا چہرہ سپاٹ ہی رہا۔ شائستہ بیگم بھی کچھ جزبز سی ہو کر دوبارہ صوفے پر بیٹھ گئیں۔

"اور ہاں، یہ بھی حوریہ بیٹی، کان کھول کر سن لو کہ آدھی درجن بچے تو ضرور ہونے چاہئیں، اس گھر کا سناٹا دور ہوگا۔" ڈاکٹر صاحب چہکے۔

"پاگل ہو گئے ہیں کیا۔ دنیا بھر میں منصوبہ بندی کی پکار ہے اور آپ ڈاکٹر ہو کر بھی ایسی باتیں کر رہے ہیں۔" شائستہ بیگم نے خوشگوار طریقے سے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

"بھئی یہ مسئلہ تو ہر شخص کی حیثیت، وسائل اور ضرورت کا ہے۔" ڈاکٹر صاحب بولے۔

"حوریہ جاناں! لاہور جانے کی تیاری کرو۔" شائستہ بیگم، ڈاکٹر صاحب سے زچ آ کر دوبارہ مخاطب ہوئیں۔

"سچ؟"

"ہاں بیٹا جی! ہماری ڈیڑھ کنال کی کوٹھی ویران بیابان پڑی ہے۔ آباد کرو۔" ڈاکٹر صاحب بولے۔

"انکل! میں ہسپتال بنانا چاہتی ہوں۔" حوریہ نے کہا۔

"ہاں تو بیٹا بناؤ۔ کوٹھی کے ساتھ والا دس مرلے کا پلاٹ بھی ہمارا ہے۔ ضرورت کے مطابق پر کنسٹرکشن کرائی جا سکتی ہے اور اس سے بہتر جگہ کا انتخاب لاہور میں مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے۔" ڈاکٹر صاحب بولے۔

"لیکن اس پراجیکٹ پر کافی دن لگ جائیں گے۔"

"اے ہے، تو تمہیں فکر کی کیا ضرورت ہے؟ کرم داد کو کام کی نگرانی سونپ دینا۔ ماشاءاللہ

جوان ہے۔ خوب نگرانی کر سکتا ہے۔" شائستہ بیگم بولیں۔

"ہاں۔ لیکن جب تک ہسپتال مکمل ہوگا میں کچھ دن کسی اچھے ہسپتال میں جاب کرنا چاہتی ہوں، اعزازی، بغیر تنخواہ کے۔" وہ بولی۔

"یہ بھی اچھا فیصلہ ہے۔ اس سلسلے میں فکر کی ضرورت نہیں۔ وہاں کے ایک ہسپتال کا میڈیکل سپرنٹنڈنٹ اپنا یار ہے۔ اس سے کہا جا سکتا ہے۔" ڈاکٹر صاحب بولے۔

"اچھا ہسپتال ہے؟" اس نے پوچھا۔

"ہر ہسپتال کو ہونا تو اچھا ہی چاہئے مگر ایسا ہوتا نہیں۔" ڈاکٹر صاحب بولے۔

"چلو، تمہیں کام سے مطلب ہے۔" شائستہ بیگم نے کہا۔

"اِٹس او کے۔" وہ بولی۔

"کرم داد بیٹا! آپ بہت خاموش ہیں۔" ڈاکٹر صاحب نے پوچھا۔

"میں آپ کی باتیں غور سے سن رہا تھا۔"

"شاباش! وہ پہلے والی بات ذرا دھیان میں ضرور رکھنا۔" ڈاکٹر صاحب ہنستے ہوئے دائیں آنکھ دبا کر بولے۔ وہ طنزیہ مسکرا دیا۔ جبکہ شائستہ بیگم اور حوریہ ایک دوسرے کا منہ تکنے لگیں۔

"ویسے انکل سب کچھ وہ نہیں ہوتا جو نظر آ رہا ہوتا ہے۔" اس نے طنزیہ نظروں سے حوریہ کو دیکھا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ مجھے دلچسپی نہیں ہے۔" وہ بولا۔

"ارے نہ میاں، یہ تو ہمارے گھر کی رونق کی بات ہے۔" ڈاکٹر صاحب جلدی سے بولے۔

"چلیں پھر غور کریں گے۔" کرم داد، حوریہ کے چہرے پر آتے جاتے رنگ محسوس کرتے ہوئے بولا۔ محض اس کا چہرہ پڑھنے کے لئے۔

"کرم! ڈیئر چلیں؟" وہ ایک دم بولی۔

"کہاں؟"

"باہر کچھ دیر کے لئے۔" وہ بولی۔

"نہیں، میں تھک چکا ہوں، آرام کروں گا۔" وہ شانِ بے نیازی سے کہتا ہوا کمرے کی سیڑھیاں چڑھ گیا اور وہ تینوں تعجب سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ شاید یہ سوچ رہے تھے کہ کس قدر خود سر اور بدمزاج آدمی ہے۔

O❖O

دن جب برے آتے ہیں تو تن کا کپڑا بھی دشمن ہو جاتا ہے۔ یہی حال اس کا تھا۔ ساری دنیا میں اب اس کا کوئی پرسانِ حال نہیں تھا، جس پر تکیہ کر کے یہاں آئی تھی وہ بھی دشمن بن چکا تھا اور اسے ماں کی کہی یہ باتیں یاد آ رہی تھیں کہ پیسہ اچھے اچھوں کو بدل ڈالتا ہے۔ یہ سچ ہی نکلا تھا کہ کرم داد

جیسا پُر خلوص محبت سے پیش آنے والا شخص انجان بن چکا تھا۔ اپنی بے بسی پر صبر آ گیا۔ جانے
سفاکیوں کا سلسلہ شروع نہ کرتا۔ مگر لگتا ہے وہ ظلم کر کے خوش ہوتا ہے۔

بڑی دیر سے وہ کچن میں برتن دھونے کے درمیان یہ سوچ رہی تھی۔ برتنوں کا ڈھیر اس کا
رہا تھا۔ ”کتنی بدنصیب ہوں میں۔ ابا، اماں نے جسے نزاکتوں کی وجہ سے ”گڑیا“ نام دیا وہ آج
قدم قدم پر دکھ جھیل رہی ہے۔“ رخسار سے پھسلتے آنسو اس نے صابن لگے ہاتھ سے بے دردی
صاف کر لیے۔ خوبصورت ناک رونے سے سرخ ہو رہی تھی۔ اس لمحے وہ بے رحم آ پہنچا۔ اس نے
پلکیں اٹھائیں تو کچھ لمحے صرف خاموشی کی نذر ہو گئے۔ کیسا سحر تھا ان گلابی آنکھوں میں؟ کیا
تھا؟ وہ ڈوب ڈوب گیا۔ پھر سنبھلا۔

”میرے کپڑے استری کیوں نہیں کیے؟“ وہ قدرے لہجہ بدلتے ہوئے بولا۔

”جی......“ وہ آہستہ سے کہہ کر ہاتھ دھونے لگی۔

”جی کیا......تم کیسی ملازمہ ہو جسے بار بار بتانا پڑتا ہے۔“ وہ غصیلی نظروں سے دیکھتے ہوئے

”صاحب جی! میں بہت بری ملازمہ ہوں، جسے ملازمت کرنی ہی نہیں آئی۔“ ذرا دیر کو رکی
پھر بولی۔ ”کیونکہ ملازم اور مالک کے فرق کو گڑیا کبھی جان نہیں پائی تھی۔“

وہ تیزی سے وہاں سے چلی گئی جبکہ کرم داد اس کے لہجے کے کرب پر بھی مسکرانے لگتا اور کبھی
سے ہونٹ کاٹنے لگتا۔ ڈھیر سارے برتنوں کو گھورتے ہوئے اسے خود پر غصہ آنے لگا۔ یہ کیا تھا
جو انتقام کی آگ میں اندھا ہو کر چل رہا تھا۔ محبت کی شبنم کی جگہ جو اپنی پہلی اور آخری محبت پر
رہا تھا۔ کس جذبے کی تسکین کے لیے؟ کس احساس کی طمانیت کے لیے؟ وہ آج بھی اسی
معصوم اور بے ضرر تھی، بھولی بھالی تھی، سچ مچ گڑیا کی طرح...... پھر...... پھر کرم داد تم اس پر
کیوں کر رہے ہو؟ ضمیر کی ملامت پر وہ بھڑک اٹھا۔ اس نے بھی تو مجھ پر ظلم کیا ہے، اس نے
وجود کو منتشر کر دیا، میری محبت کو پامال کر دیا۔ وہ معصوم نہیں ہے، لالچی ہے، حریص ہے، میں
تڑپ کر اسے تڑپاؤں گا۔“ غصے نے ایسا مضطرب کیا کہ کانچ کے نازک برتن کرچی کرچی کر ڈالے

برتنوں کے چھناکے سے شور دور دور تک گیا۔ وہ تو نہ جانے کہاں نکل گیا اور وہ ہاتھ میں
کپڑے پکڑے دوڑ کر کچن کے دروازے تک پہنچی تو شائستہ بیگم وہاں اس سے پہلے موجود
خونخوار نظروں سے اپنی طرف دیکھتا پا کر وہ لب ہلانا چاہتی تھی مگر انہوں نے بڑھ کر اس کے بال
میں جکڑ کر زور سے جھٹکا دیتے ہوئے کہا۔

”منحوس! کس خیال میں رہتی ہے، اتنے قیمتی برتن توڑ ڈالے۔“

تکلیف پر اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

”ارے آنٹی چھوڑیں، یہ غریب غربا جاگتے میں بھی خواب دیکھتے ہیں۔“ اس کی تکلیف پر
وہ سامنے آ کر بولا۔ شدتِ غم سے وہ سسک اٹھی۔

”توبہ ہے“ یہ اس طبقے کی لڑکیاں ہر وقت فلمی ہیروئنوں کی طرح کھوئی کھوئی رہتی ہیں۔ ستیاناس
کر دیا دو ڈنر سیٹوں کا۔“ شائستہ بیگم رعونت سے کہتی ہوئیں اس کی گردن جھٹک کر اندر چلی گئیں اور وہ
سینے پر ہاتھ باندھ کر سامنے کھڑا مسکراتا رہا۔ ڈھیر سارا نمکین پانی اس کی آنکھوں سے دوپٹے کے پلو
میں جذب ہو گیا۔

”گڑیا! دیکھ لیا کہ بیگم صاحبہ اور چھوٹے صاحب چھوٹے سے نقصان پر کس طرح ناراض ہوتے
ہیں۔“ وہ طنزیہ بولا۔

”میں نے......“ وہ صفائی میں کچھ کہنا چاہتی تھی مگر اس بے رحم نے بولنے ہی نہیں دیا۔

”چھوٹے صاحب فرشتہ ہوتے ہیں، آسمان سے اترتے ہیں۔ وہ تو صرف دیکھے جانے کے قابل
ہوتے ہیں، ہیں نا...... ہاہاہا......“ وہ انگلی سے اس کی ٹھوڑی اوپر اٹھا کر بولا اور پھر دور تک اس کے
قہقہے سنائی دیتے رہے۔ وہ اس کی سفاکی اور بے رحمی پر جی بھر کے روئی۔

O❖O

سیاہ جارجٹ کی ساڑھی پر نیٹ کا سلیولیس انتہائی مختصر بلاؤز زیب تن کیے وہ جونہی واش روم سے
باہر نکلی تو رضا علی کو اپنا منتظر پایا۔ وہ خلافِ توقع چہکی اور بے تکلفی سے اپنا سفید ہاتھ ہیلو کہتے ہوئے
اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس کی آنکھوں میں بھی قاتل نظارہ دیکھ کر جگنو اتر آئے تھے۔ بے تکلفی سے
اس کا ہاتھ تھام کر بالکل اس کے قریب کھڑا ہو گیا۔ اس نے ادا سے تراشیدہ بال جھٹک کر گردن کی
طرف کیے اور بل کھا کر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ بڑے نمایاں گلے سے چاندنی ایسا
بدن قیامت مچانے لگا۔ اس کا گھورنا حوریہ کو قطعاً برا نہیں لگا۔ وہ ادا سے ٹھنکی۔

”اوں، رضا ڈارلنگ میں اب شادی شدہ ہوں۔“

”تو کیا ہوا، ہم تو حُسن کے مداح ہیں، دوستوں کے دوست ہیں۔“ وہ اسے بازوؤں میں لیتے
ہوئے مخمور لہجے میں بولا۔

”واقعی......“ وہ قاتلانہ انداز میں دیکھتے ہوئے مسکرائی۔

”ہوں......اس طرح دوستی رہے تو اور کیا چاہیے؟“ وہ سرگوشی کے انداز میں بولا۔

”رضا! تمہیں ذرا غصہ نہیں آیا میری شادی کا سن کر؟“ وہ حیران تھی کہ شادی کا خواہش مند کس
طرح مسرور اور شادمان ہے۔

”کم آن ڈارلنگ، جاہل مردوں کی طرح میں غصہ کیوں کرتا۔ حسین دلربا سے دوستی ہی رہے تو
کافی ہے۔“ اسے آہستہ سے آزاد کرتے ہوئے وہ بولا۔ اس نے لمبی سانس لی۔ اتنی دیر سے اس کی
بانہوں میں قید تھی۔

”اب ہماری دوستی پکی ہے رضا ڈارلنگ!“ وہ بالوں میں برش کرتے ہوئے بولی۔

”یس، آف کورس۔“ رضا آنکھ دبا کر مسکرایا۔

"کہیں جانے کی تیاری ہے؟"

"اوں، یہاں اس شہر میں کہیں آنے جانے کی جگہ ہی کہاں ہے۔ آنٹی کے ساتھ ان کی فرینڈ ہاں جارہی ہوں۔" اس نے بتایا۔ اسی لمحے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور گڑیا اس کے سیاہ لئے کمرے میں آگئی۔

"آؤ، یہاں میرے پاس لاؤ۔" حوریہ نے اسے کہا اور ساڑھی ذرا سی اونچی کر کے پاؤں دیئے تاکہ وہ سینڈل پہنائے۔ وہ سہمی سہمی اس کے پیروں پر جھک گئی۔ خوبصورت گھنے بال قید سے آزاد ہو کر پشت پر پھیل گئے۔ رضا علی کی آنکھوں میں چمک آگئی۔

"یہ تو بہت ریشمی چیز ہے۔" وہ حوریہ سے بولا جبکہ نگاہیں اس پر جمی تھیں۔

"ہاں..... یہ تو ہے۔" حوریہ نے بھی اس کے معصوم حُسن کی داد دی۔

"ذرا دیکھیں تو۔" رضا علی نے اسے بازو سے پکڑ کر کھڑا کیا اور بغور اس کے سراپا پر نظر ڈالتے ہوئے بولا۔

"جی..... جی چھوڑیں مجھے۔" گڑیا کو رضا علی کی حرکت بہت بری لگی۔ خود کو آزاد کرانے کی کوشش کرتے ہوئے وہ کانپ رہی تھی۔ اسی لمحے کرم داد کمرے میں داخل ہوا۔ اس کی نگاہوں سے چنگاریاں نکلنے لگیں۔ آؤ دیکھا نہ تاؤ، ایک زناٹے دار تھپڑ رضا علی کے منہ پر جڑ دیا۔ وہ بدحواس صوفے پر گر گیا۔ حوریہ نے اس کے غصے کی پروا کئے بغیر اٹھ کر جواباً کرم داد کے منہ پر تھپڑ مارنا چاہا اس نے اس کی کلائی پکڑ لی اور زور سے دھکا دے کر بیڈ پر گرا دیا۔ وہ جو مسلسل کانپ رہی تھی وہ الٹی طرف بڑھا اور ایک تھپڑ بنا کچھ پوچھے اس کے رخسار پر رسید کر کے کہا۔

"تم یہاں کیا کرنے آئی تھیں..... دفع ہو جاؤ۔" تھپڑ پڑتے ہی اس کا نازک سا بدن لرز اٹھا۔ اسے خونخوار نظروں سے بھڑکتا دیکھ کر وہ روتی کانپتی باہر کو بھاگی۔ حوریہ بل کھاتی ہوئی ناگن کی طرح اٹھی اور گرجی۔

"کرم داد! تم نے ملازمہ کے سامنے ہماری توہین کی ہے۔"

"اے مسٹر! آئندہ ایسی نیچ حرکت نہیں کرنا۔" وہ اس کی بات نظر انداز کر کے گال سہلاتے رضا علی کو گھورتے ہوئے بولا۔

"یہ میرے دوست ہیں..... یہ یہاں جو چاہیں گے کریں گے۔" حوریہ غصے سے بولی۔

"یہ تمہارے ساتھ جو چاہیں کریں مگر اب کبھی....." اسے شانوں سے پکڑ کر تحقیر آمیز لہجے میں آدھا فقرہ کہہ کر وہ باہر نکل گیا۔ اس عجیب صورتِ حال پر وہ دونوں خاموش تھے، ایک دوسرے کی نظریں چرا رہے تھے۔ اپنی اپنی جگہ پر حیران تھے کہ ملازمہ کے لئے کرم داد کا رویہ ایسا کیوں تھا؟

○❖○

اس واقعہ کے بعد اس نے تو قسمت کا لکھا سمجھ کر صبر کر لیا۔ رو دھو کر چپ ہو جانے میں ہی اس کی عافیت تھی۔ سو اس نے ایسا ہی کیا۔ کرم داد سے کسی ہمدردی اور محبت کی توقع ہی نہیں رہی تھی اور کون اس کا یہاں ہمدرد تھا جسے دل چیر کر دکھاتی۔ لب سی لئے، نظریں جھکا لیں۔ کرم داد سے اب تک آمنا سامنا نہیں ہوا تھا۔ حوریہ سے ٹکراؤ ہوا تھا۔ وہ زہر بھری نگاہیں ڈال کر گزر جاتی تھی۔ شاید وہ گھر کی ملازمہ سے دوبارہ بحث کر کے اپنی توہین نہیں کرانا چاہتی تھی۔ گڑیا سے تو کوئی بات کرنی بھی فضول تھی۔ البتہ کرم داد اور اس کے درمیان جو رسمی سی برائے نام بات چیت ہوتی تھی دو روز سے وہ بھی بند تھی۔ وہ کھنچا کھنچا سا تھا۔ ابرو چڑھائے، پیشانی پر ہزاروں سلوٹیں ڈالے قریب سے گزر جاتا۔ حوریہ دل ہی دل میں کڑھ رہی تھی۔ اس کو چپ چپ دیکھ کر جونہی وہ شام کو کلینک سے واپس آئی تو تنہا تھی اور بیزار بیزار سی تھی۔

"حوریہ! میرے ساتھ کمرے میں آؤ۔" شائستہ بیگم نے آواز دے کر اسے اپنے ساتھ کمرے میں چلنے کو کہا۔ وہ ان کے پیچھے پیچھے ان کے کمرے میں آگئی۔ شمو الماری کی صفائی کر رہی تھی۔ اسے انہوں نے چائے لانے کے لئے کہہ کر وہاں سے بھیج دیا۔

"کیا بات ہے؟ میں دیکھ رہی ہوں کہ تم دونوں کے درمیان تناؤ بہت زیادہ بڑھ گیا ہے۔" وہ بولیں۔

"شاید....." اس نے مختصر جواب دیا۔

"کیا وجہ ہے؟" انہوں نے فکرانگیز لہجے میں پوچھا۔

"کرم داد کی وجہ سے۔" اس نے جواب دیا۔

"کیا کیا ہے کرم داد نے؟" ان کے پوچھنے پر اس نے سارا قصہ سنا دیا۔

"ہنہہ....." فکر ان کے چہرے سے نمایاں ہو گئی۔

"کرم داد نے ایسا کیوں کیا؟"

"رضا علی نے ایسا کیوں کیا؟" انہوں نے الٹا سوال کر دیا۔

"سو وہاٹ..... ایک ملازمہ ہی تو ہے۔" وہ شانے اچکا کر بولی۔

"ہاں، مگر عزت دار گھرانوں میں ملازمین کی بھی عزت کی جاتی ہے۔ رضا علی نے عامیانہ حرکت کی ہے۔" کچھ بھی تھا، شائستہ بیگم باشعور اور سمجھدار خاتون تھیں۔ انہیں رضا علی کی برائی کو برائی کہنے میں کوئی عار محسوس نہیں ہوئی تھی۔

''چلیں ٹھیک ہے۔ مگر کرم داد کو گڑیا سے کیا دلچسپی ہے جو اس طرح؟''

''اس طرح کیا؟'' انہوں نے حیرت سے دیکھا اور بولیں۔ ''اگر گڑیا میں اس کی دلچسپی ہوتی تم سے شادی کبھی نہیں کرتا۔''

''ہنہ، دولت میں بڑی کشش ہوتی ہے۔''

''وہم ہے تمہارا، اسے میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ وہ ضدی اور خود پسند انسان ہے۔ دولت کی کمزوری نہیں۔'' شائستہ بیگم نے اس کی بات مسترد کر دی۔

''پھر؟''

''پھر کچھ نہیں، جذباتی انسان ہے۔ اسے رضا علی کی حرکت اچھی نہیں لگی سو ایسا کر بیٹھا۔ اس زیادہ کچھ نہیں، وہم نہ کرو۔'' شائستہ بیگم بولیں۔

''مجھے تو گڑیا سے نفرت ہو رہی تھی۔''

''نہیں، وہ بیچاری بے ضرر سی معصوم لڑکی ہے۔ میں نے کوئی ایسی حرکت نہیں دیکھی جو کرم سے اس کا تعلق ظاہر کرتی ہو۔'' شائستہ بیگم نے اس کا ذہن صاف کرنے کے لئے فوراً ہی ٹوٹنے والا قصہ اور کرم داد کی طنزیہ باتیں سب سنا ڈالیں تو حوریہ کے دل میں اطمینان اتر گیا۔ کرم سے دلچسپی نہ ہونے کے باوجود وہ فکرمند تھی۔

○❖○

''جب تقدیر ہی میں انسان کے دکھ لکھے ہوں، تو انسان بھاگ کر کہاں جائے؟ زندگی گزارنی ہی پڑتی ہے.....'' گلاب کے پھولوں کے کنج کے قریب بیٹھتے ہوئے وہ دکھ سے بولے۔ بابا سے باتیں کرتے ہوئے دل کا بوجھ کافی کم ہو گیا تھا۔

''بیٹا! جو سہتے ہیں اس کا اظہار نہیں کرتے۔ تو جھیل جا بس میری بچی.....'' کیاریوں سے گھاس پھونس نکالتے ہوئے مالی بابا نے کہا۔

''مالی بابا..... جھیل تو رہی ہوں۔'' اس کی پلکیں بھیگ گئیں۔

''کرم داد تجھ سے ایسے بدلے گا یہ تو مجھے یقین نہیں آتا، پر بیٹی دنیا بہت جالم ہے۔''

''اس میں کرم داد کا بھی کوئی قصور نہیں ہے بابا، میری تقدیر ہی ایسی ہے۔''

''اس سادی پر وہ بہت خوش نہیں تھا، پتہ نہیں کیوں اس نے ایسا کیا۔'' مالی بابا نے سوچتے کہا اور وہ دکھ سے سوچنے لگی کہ یقیناً اس نے یہ میرے کہنے پر کیا ہے، میں نے ہی اسے بدلہ تھا۔

''زیادہ نہ سوچا کر، جا اندر جا کے کام دیکھ لے، ورنہ بڑی بیگم صاحبہ طوفان مچا دیں گی۔'' کے پاس اس کے لئے تسلی اور دلاسوں کے سوا تھا ہی کیا۔

''بے کار روٹیاں توڑنے سے فرصت ملے گی تو کام کاج دیکھے گی نا۔'' کرم داد کی کرخت

سے وہ دونوں دہل سے گئے۔ وہ اچانک وہاں آ گیا تھا۔ وہ سہم کر کھڑی ہو گئی۔ ملگجے سے کپڑوں میں روئی روئی سی بھی وہ حد درجہ حسین لگ رہی تھی..... کرم داد نے نظریں جماتے ہوئے کہا۔

''اندر چلو، بیگم صاحبہ سے پرانے کپڑے دلواتا ہوں، کتنے میلے کپڑے پہن رکھے ہیں۔'' وہ جی ان سے سلگ گیا، وہ اتنی ذلت پر سسکیاں بھرتی ہوئی اندر بھاگ گئی۔

''چھوٹے صاحب! اتنا جلم نہ کرو کہ وہ جیتے جی مر جائے۔'' مالی بابا نے طنزیہ اسے چھوٹے صاحب کہہ کر مخاطب کیا۔

''چاچا! یہ چھوٹے صاحب کیوں کہا ہے؟'' وہ بگڑ کر بولا۔

''اللہ نے تمہیں چھوٹے صاحب بنایا ہے تو پھر یہی کہنا چاہئے۔'' وہ بولے۔

''او چاچا، یہ کرم داد چھوٹے صاحب صرف گڑیا کے لئے ہیں، اس کے کہنے پر بنے ہیں۔'' اس کا لہجہ تلخ ہو گیا۔

''ہم سب آپ کے نوکر ہیں۔'' مالی بابا نے طنزیہ نظروں سے سفید کلف سے اکڑے سوٹ میں کڑے کرم داد کو دیکھا۔

''چاچا! تجھے کرم داد نے چاچا کہا ہے۔ تجھے مجھ سے بدظن ہونے کی ضرورت نہیں۔'' کرم داد نے سنجیدگی سے کہا اور ان کے قریب بیٹھ گیا۔

''ارے بیٹا! ہماری کیا اوقات، ہم چھوٹے لوگ ہیں۔'' مالی بابا کے لہجے میں یاسیت ہی یاسیت تھی۔

''چاچا! ایسا مت کہہ، کرم داد تیرے لئے وہی کرم داد ہے۔ میری طرف غور سے دیکھ، کیا میں بدلا ہوں؟'' اس نے اپنے پرانے لب و لہجے میں کہا۔ مالی بابا کو واقعی پرانا کرم داد دیکھنے کو ملا۔ مگر پھر انہوں نے دکھ سے نظریں جھکا لیں۔

''اب بھی یقین نہیں چاچا؟''

''اگر تو وہی کرم داد ہے تو پھر اس کرماں ماری گڑیا سے کس جنم کا بدلہ لے رہا ہے، وہ سرسوں کا پھول ہے۔ اس کا رنگ روپ سب ختم ہو گیا، وہ تیرے واسطے غیر ہو گئی؟''

''کن، میں اس سے کیا بدلہ لوں گا۔ اور اس کا روپ سروپ نہ میرے لئے تھا اور نہ میں نے لیا ہے، وہ تیری میری دنیا کی لڑکی نہیں ہے چاچا!'' وہ تحقیر آمیز لہجے میں بولا۔

''نہ بیٹا، اس کے لئے اتنا کڑوا نہ بول۔ کیسی معصوم اور بھولی ہے وہ، اپنی دنیا لٹ گئی اور وہ پھر بھی خاموشی سے خدمت کر رہی ہے۔'' مالی بابا نے جلدی سے اس کی بات کی تردید کی۔

''کوئی دنیا نہیں لٹی۔ وہ کیا جانے چاچا دل کی دنیا کیا ہوتی ہے۔ وہ کرم داد سے محبت نہیں کرتی، محبت نہیں چاہتی، کرم نوازش اور عنایت چاہتی ہے۔ اسے چھوٹے صاحب سے مہربانیاں چاہئیں۔ محبت اس کو معصومیت سے ملا۔ وہ معصوم ہو ہی نہیں سکتی۔ دنیا کس کی لٹی ہے، یہ تم نہیں جانتے۔ برباد

کون ہوا ہے یہ چاچا کوئی نہیں جانتا۔“ وہ بولتے بولتے کرب سے ہونٹ کاٹنے لگا۔

”کیا گڑیا کا قصور ہے؟“

”ہاں اس کا قصور ہے، اسی کا قصور ہے۔ میں اس کو اس قصور کی بہت سزا دوں گا، اسے تڑپاؤں گا۔“ وہ ہذیانی انداز میں چلایا۔

”کرم داد! اگر وہ قصور وار ہے تو کون سی خوش حال ہے۔ ارے اس کے چہرے کو دیکھ کر آہیں اور سسکیاں پھیلی ہوئی ہیں، برباد کو برباد اور کیا کرنا۔“ مالی بابا نے ہلکے سے غصے سے کہا۔

”چھوڑ چاچا! اس قصے کو۔ کوئی اور بات کر، اس راکھ میں پھونک مارنے سے چنگاریاں ہیں۔“ وہ فرش سے گھاس نوچنے لگا۔ اس کے چہرے کی سلوٹیں بتا رہی تھیں کہ وہ اس وقت بے مضطرب ہے، سختی سے گھاس نوچتے ہوئے بھی وہ دلی غصے اور نفرت کا اظہار کر رہا تھا۔ مالی بابا نے چپ سادھ لی۔ کیونکہ کرم داد کی دلی کیفیت سے وہ بھی بخوبی واقف تھے۔

○❖○

”اوہ کم آن رضا ڈارلنگ! اب ایسی بھی کیا دوری ہے، لاہور کون سا بہت دور ہے۔“ حوریہ ادا سے فون پر ہی علی رضا کے دل پر وار کیا۔ وہ مسلسل پندرہ منٹ سے اس سے اسی طرح کی گفتگو میں مصروف تھی۔ گڑیا، سامان پیک کر رہی تھی اور کرم داد غصے سے گڑیا کو گھور رہا تھا، وہ اس کی نظروں کی حدت سے پگھلی جا رہی تھی...... مگر کر کچھ نہیں سکتی تھی۔ کرم داد کے چہرے کی سلوٹوں میں اضافہ ہو رہا تھا، جوں جوں حوریہ کی باتیں سماعت کو پگھلا رہی تھیں، وہ کھا جانے والی نظروں سے گڑیا کو گھور رہا تھا۔

”اوہ! نہیں بابا، تم لاہور آؤ گے تو صرف میرے پاس ٹھہرو گے۔ کرم داد، اوں ہوں، وہ کھلا مائنڈ کریں گے؟“ حوریہ نے بے پروائی سے کہا۔ پھر کسی بات پر وہ کھل کھلا کر ہنس پڑی۔

”اوکے جان، خدا حافظ۔“ وہ محبت سے چور لہجے میں بولی اور فون بند کر کے پلٹی۔

”بی بی جی! میں نے سامان پیک کر دیا ہے۔“ گڑیا نے جلدی سے کہا۔

”اوکے، اب تم جاؤ۔“ حوریہ بولی۔

”میرا ایک سوٹ نکال کر استری کر دو۔“ کرم داد نے تحکم سے کہا۔

”کیا غصے میں ہو؟“ حوریہ نے سرسری لہجے میں پوچھا۔

”مجھے آپ سے غصہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“

”رضا ایکچو لی مجھ سے بہت لو کرتا ہے اور یو نو، محبت میں انسان اندھا ہو جاتا ہے۔“ حوریہ بناوٹ سے مسکرائی۔ کرم داد نے فوراً کپڑے لے کر جاتی ہوئی گڑیا کو دیکھا اور خوامخواہ آگ بگولا ہو گیا۔

”یہ...... یہ کپڑے میرے پہننے کے لائق ہیں؟ کتنے پرانے ہیں۔“ وہ اس کے مقابل کھڑا ہو کر غصے سے پھنکارا۔ وہ خلاف توقع اس عمل پر بوکھلا گئی۔

”جی چھوٹے صاحب یہ پرانے نہیں ہیں۔“

”زبان چلاتی ہو...... زبان چلاتی ہو، میں جھوٹا ہوں...... چھوٹے صاحب بکواس کرتے ہیں؟“ وہ تقریباً پاگل ہو گیا۔ اسے کندھوں سے پکڑ کر بری طرح جھنجھوڑ ڈالا۔ حوریہ نے جلدی سے اسے کھینچ کر آزاد کرایا تو وہ بری طرح سسکیاں لینے لگی۔

”کرم داد! یہ سب کیا ہے، کیا ہو جاتا ہے تمہیں، کون سا کومپلیکس ہے تمہیں...... کیا جنون ہے؟“ حوریہ چلائی۔

”انسان جب اندھا ہوتا ہے تو ایسا ہی ہوتا ہے۔“ وہ بڑبڑایا۔

”کیا مطلب ہے تمہارا؟“

”کچھ نہیں...... تم کون ہوتی ہو سب پوچھنے والی؟“ وہ چلایا اور دروازے کو زور سے کھول کر باہر نکل گیا۔ حوریہ حیران پریشان سی رہ گئی۔ کانپتی، لرزتی گڑیا کو تسلی دے کر کوارٹر میں جا کر آرام کرنے کے لئے کہا۔ کیونکہ ویسے بھی صبح لاہور کے لئے سفر کرنا تھا۔ وہ سسکیاں لیتی ہوئی اپنے کوارٹر کی طرف چل دی۔ پلنگ پر گرتے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔ اپنی بے بسی اور بے چارگی پر رونے کے سوا کر بھی کیا سکتی تھی؟ کوئی پرسان حال نہیں تھا۔ پورا جسم رونے سے لرز رہا تھا۔ دروازہ زور سے کھلا تو روتے روتے وہ چونک کر دیکھنے لگی۔ سینے پر ہاتھ باندھے وہ گھور رہا تھا۔ وہ ڈر کر فوراً کھڑی ہو گئی۔ وہ چلتا ہوا قریب آ گیا...... بالکل اس کے قریب۔ اس کا دل بری طرح دھڑکنے لگا۔ ہولے سے پلکیں اٹھائیں تو اس کے دل پر گویا بجلی سی گر گئی۔ وہ دور ہونا چاہتی تھی کہ وہ خود کچھ پرے ہو گیا۔

”گڑیا! چھوٹے صاحب تو پہلے بھی ایسا ہی کرتے ہوں گے، کیا تم پہلے بھی روتی تھیں؟“ اس کے انتہائی تحقیر آمیز سوال پر وہ صرف اس سفاک کو دیکھتی ہی رہ گئی۔

”ایسے دیکھو نہیں، جواب دو، بولو۔“ اس نے اصرار کیا۔

”چھوٹے صاحب کی باتوں پر تو اب بھی نہیں روتی۔“ اس نے جواب دیا اور ٹپ ٹپ چند قطرے آنکھوں سے نکل کر رخساروں پر پھسلنے لگے۔

”اب پھر کس کے لئے روتی ہو؟“

”بتا نہیں سکتی، کس کے لئے روتی ہوں......“ رحم طلب نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ اس کا دل یکبارگی دھڑکا۔

”کیوں؟“

”معلوم نہیں......“

”لیکن مجھے معلوم ہے۔ تمہیں اپنے لال کوٹھی والے چھوٹے صاحب یاد آتے ہیں......“ اس نے تلخی اور طنز سے مسکرا کر کہا۔

”چھوٹے صاحب!“ وہ زور سے پکار کر رکی اور پھر بولی۔ ”تہمت تو مت لگائیں، آپ جب

جانتے ہی نہیں کہ میں کس کے لئے روتی ہوں تو الزام مت لگائیں۔"

"اوہ! یہ الزام ہے، چھوٹے صاحب، چھوٹے صاحب کا ورد ہوتا تھا، مالا جپی جاتی تھی، ورنہ تھے تمہارے۔" وہ ہنسا۔

"کون کس کا خدا ہے؟ خدا تو آسمان پر ہے، البتہ زمین پر بسنے والے بھی خدا بن جاتے ہیں دلوں کے بھید سے غافل رہتے ہیں۔"

"ہونہہ، میں خوب سمجھتا ہوں......" یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔

"نہیں جانتے کرم داد کہ میں کس کے کھونے پر روتی ہوں۔ تمہارا ظلم تو ہنس کر برداشت کر اگر تمہیں کھویا نہ ہوتا، تمہیں پانے کا یقین ہوتا، روتی تو صرف تمہاری جدائی میں ہوں۔ تم کتنے ظالم کچھ نہیں سنتے، کچھ نہیں سمجھتے، کس قدر مجھے ذلیل کرتے ہو، کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے حالانکہ تم تو بہت رحم دل تھے، مخلص تھے، چھوٹے صاحب کیا بنے کہ میرے لئے جلاد بن گئے جانے تم مجھے کس جرم کی سزا دے رہے ہو۔ جبکہ میں نے خود کو بہت بڑی سزا پہلے ہی دے رکھی ہے اپنے غصے اور نفرت کا اصل حق دار مجھے سمجھتے ہو، اسی لئے میرے ساتھ ایسا سلوک کرتے ہو......" دیر وہ کھڑی یہی سوچتی رہی۔

○❖○

"کافی بے چین دکھائی دے رہے ہو۔" اسے مضطرب انداز میں انگلیاں مروڑتے ہوئے دیکھنے پر حوریہ نے پوچھا...... وہ خاموش ہی رہا...... اس کی کسی بات کا جواب دینا وہ ضروری نہیں تھا...... اس بات کی پروا تو اسے بھی نہیں تھی لیکن کبھی کبھی اس کی مردانہ وجاہت اس کے من گدگدی کرنے لگتی تھی، اس میں تو کوئی شک نہیں تھا کہ وہ حسین، بانکا سجیلا نوجوان تھا، کسی بھی لڑکی آئیڈیل ہو سکتا تھا، اس کے مضبوط سجیلے جسم پر جب بھی اس کی نظر پڑتی تو ایک ہلکی سی بے چینی ملال چہرے پر پھیل جاتا...... اس وقت بھی سفید کرتے کے کھلے بٹنوں سے اس کا کشادہ سینہ نظر تھا۔ جسمانی طور پر وہ چاہے جانے کے قابل تھا وہ کھسک کر اس کے قریب ہو گئی، مگر وہ اٹھ کر میں جا کھڑا ہوا۔

"کرم داد! مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ تم کسی بے بسی کے عالم میں ہو۔" وہ اپنے بالوں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولی۔

"بے بسی سے بڑا اگر کوئی لفظ ہے تو وہ استعمال کرو۔" اس نے جواب دیا۔

"یعنی مجھ سے شادی کرنے کے باوجود بے بسی میں ہو۔"

"بعد کی بے بسی کا ہی تو ذکر ہے......"

"لیکن کیوں، میں تم سے......"

"حوریہ بی بی! یہ، یہ میرے ہاتھ جڑے ہوئے ہیں یہ مت کہنا کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو

جواب میں اگر میں نے کچھ کہا تو برداشت نہیں کر سکو گی۔ کسی وجہ سے زبان بند رکھے ہوئے ہوں...."

وہ تو برس پڑا۔ حوریہ ہونق سی اس کا سرخ چہرہ دیکھتی رہ گئی۔ زبان خشک ہو گئی۔

"تم مجھے جھوٹا سمجھتے ہو......؟"

"ہاں! اور یہ شادی وادی میرے پیروں کی زنجیر نہیں ہے، میرے قدم جس احساس نے باندھ رکھے ہیں وہ جس دن فتح یاب ہو گیا، میں آزاد ہوں گا، ابھی تو مجھے خود نہیں معلوم کہ میں بے بسی میں کیوں ہوں......؟" وہ طنزیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"تم میری توہین کر رہے ہو، میں بیوی ہوں تمہاری۔" وہ ہمت کر کے بولی۔

"جانتا ہوں، لیکن یہ بھی تو سچ ہے کہ یہ جھوٹا رشتہ ہے......" وہ ہنستے ہوئے بولا۔

"کیسا جھوٹ......؟" اس کی آواز کپکپائی...... اس سے مہین سی نائٹی سے جھانکتے سفید نازک سے جسم پر نگاہ ڈالتے ہوئے اسے شانوں سے پکڑ کر بالکل چہرے کے قریب کرتے ہوئے بولا، بلکہ چنگھاڑا۔

"جیسے یہ رنگ و روپ، حُسن، جوانی جھوٹ ہے، فریب ہے، بالکل ایسا جھوٹ۔" اس کو زور سے بیڈ پر پٹخا تو وہ اس کے چہرے کی سختی سے کچھ ڈر گئی۔ بیڈ کے بالکل ایک طرف سمٹ کر بیٹھ گئی۔

"ڈرو نہیں...... تمہارے وجود میں میرے لئے کوئی سچ نہیں۔" وہ طنزیہ مسکرا کر بولا...... حوریہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

"کرم داد! اپنی حیثیت میں رہو۔ نہ جانے تمہارا احساسِ کمتری کب ختم ہو گا......"

"شکر کرو حوریہ بی بی کہ تمہارے احساسِ برتری کا سورج ابھی غروب نہیں ہوا، کیونکہ ابھی میں ایسا چاہتا نہیں، میرے آسمان کا سورج جس روز طلوع ہو گا اسی روز سب ماند پڑ جائے گا۔"

پیشانی پر بے شمار سلوٹیں ڈالتے ہوئے بولا...... حوریہ کا انگ انگ سلگ اٹھا، مگر لب سی لئے۔ کیونکہ اس سے بحث کرنے کا مطلب تھا کہ اپنے آپ کو بے عزت کرنا، اس کی ہر بات دل کے آر پار ہو جاتی تھی...... پھنکارتی ہوئی اٹھی اور واش روم میں گھس کر منہ پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارنے لگی...... وہ لمبی لمبی سانسیں بھر کے خود کو مطمئن کرنے لگا...... زندگی تو اس کو اس مقام پر لے آئی تھی کہ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کرے؟ جو کچھ کیا تھا، یا کر رہا تھا وہ سب کیا تھا؟ آگے کیا ہو گا؟ یہی وہ سمجھنے سے خود کو کبھی کبھی بے بس محسوس کرتا تھا...... زندگی میں صرف من چاہی محبت کی تمنا میں، حرص و ہوس کے دشت ناپنے پڑ گئے تھے، جھوٹ اور فریب کی دنیا میں جی رہا تھا۔ صرف ایک ہی محرک تھا، دل کی گہرائیوں سے اٹھنے والی محبت کی طلب اور اسی میں وہ ناکام رہا تھا...... اور نجانے کیا سے کیا کئے جا رہا تھا۔ کبھی محبت جنون بن جاتی اور کبھی نفرت، کبھی ہمدردی بن جاتی اور کبھی انتقام۔ وہ تو محبت کے مختلف حصوں میں بٹ گیا تھا......

"ٹرن، ٹرن......" ٹیلی فون کی آواز پر وہ چونکا...... کچھ وقت وہ تیوری چڑھائے فون کو گھورتا

رہا..... حوریہ واش روم سے باہر نکلی اور فون اٹھایا..... وہ اٹھ کر پھر بالکونی سے باہر جھانکنے لگی۔ موسم ایک دم ہی بدل گیا تھا، سیاہ بادل آسمان کو نرغے میں لئے ہوئے تھے، چاند تاروں کا دور پتہ نہیں تھا..... بادلوں کی گڑگڑاہٹ سے، بجلی کی چمک سے محسوس ہو رہا تھا کہ بارش زوردار ہوگی۔ موسم تیزی سے بدل رہا تھا، اچھی خاصی ٹھنڈک محسوس ہو رہی تھی..... تیز ہوا کے جھونکوں سے جھرجھری سی آ رہی تھی..... بارش شروع ہوگئی تھی..... کافی تیز تھی..... اچانک بجلی کی چمک میں برآمدے سے لان میں نیچے اترنے والی سیڑھی پر گڑیا کو بیٹھے دیکھا۔ وہ انجان بنی بھیگ رہی تھی..... وہ بجلی کی تیزی سے کمرے سے باہر نکلا اور اس کے سر پر پہنچ گیا..... آسمانی بارش کے ساتھ ساتھ اس کی آنکھیں بھی برس رہی تھیں..... اس کی سسکیاں صاف محسوس ہو رہی تھیں۔

''کیا بیمار پڑنے کا ارادہ ہے.....؟'' وہ سختی سے بولا۔

''آپ..... آپ چھوٹے صاحب یہاں کیوں آئے ہیں.....؟'' وہ گھبرا کر کھڑی ہوگئی۔

''میں نے جو پوچھا ہے اس کا جواب دو.....''

''میں..... میں چلتی ہوں.....'' وہ بوکھلا کر پلٹی، مگر اس نے بھیگا پلو تھام لیا۔

''میرے پاس چھوٹے صاحب نہ کوئی سوال ہے اور نہ جواب۔''

''ایسا کیسے ہوسکتا ہے، تم تو چھوٹے صاحب کے لئے خود ہی سوال کرتی تھیں اور خود ہی جواب دیتی تھیں۔'' وہ طنزیہ بولا..... گڑیا نے دکھ سے اس کی طرف دیکھا، اندھیرے میں صاف تو آنکھوں میں کچھ نہ دیکھ سکی، مگر اس کے بھیگنے پر بولی۔

''چھوٹے صاحب! آپ اندر جائیں، بھیگ رہے ہیں۔''

''بات ٹالنے کی ضرورت نہیں، اور میرے بھیگنے کی فکر مت کرو.....''

''کیوں فکر نہ ہو۔ آخر صبح سفر کرنا ہے کرم داد صاحب.....'' حوریہ نے اچانک آ کر طنزیہ کہا۔ گڑیا گھبرا کر چلی گئی۔

''ضروری نہیں ہے حوریہ بیگم کہ میں آپ کے ساتھ سفر پر جاؤں.....''

''اندازہ ہے مجھے، ملازمہ کے ساتھ بھیگتے ہوئے صاحب کو دیکھ کر کوئی بھی یہ بخوبی سمجھ سکتا ہے۔'' وہ ایک ایک لفظ چبا کر بولی۔

''اگر میں یہ کہوں کہ ایسی کسی بھی بات سے آپ کے اور میرے درمیان کچھ فرق نہیں پڑتا تو.....؟'' وہ بھی اسی لہجے میں بولا۔

''مائی فٹ، تم اور وہ ملازمہ دونوں میرے لئے غیر ضروری ہو.....'' وہ تڑپ کر بولی۔

''تو کیوں وہم کرتی ہو؟''

''میں نے کہا کہ تم میرے لئے غیر اہم ہو.....'' وہ کندھے اچکا کر بولی۔

''چلو محبت کا بھرم تو کھل گیا، جاؤ اندر، کیوں بھیگ رہی ہو.....؟''

''کرم داد! میں تمہارے لئے نہیں بھیگ رہی، میں رضا علی کا انتظار کر رہی ہوں.....'' وہ جھٹکے سے بولی اور اوپر برآمدے کے اندر کھڑی ہوگئی..... وہ چاہتے ہوئے بھی بنا جواب دیئے اندر آ گیا..... کپڑے نکال کر واش روم میں گھس گیا..... مکمل بھیگ چکا تھا، فوری طور پر کپڑے تبدیل کرنے ضروری تھے۔

○❖○

''بھئی شائستہ بیگم! میری سمجھ میں یہ نہیں آ رہا کہ آپ کی بھتیجی اس قدر ضدی کیوں ہے.....؟''

ڈاکٹر صاحب جھنجلا کر ناشتہ چھوڑ کر کھڑے ہوئے۔

''اوہو، آپ تو ناشتہ کریں.....'' شائستہ بیگم نے کہا۔

''کیا خاک ناشتہ کریں۔ عقل کی بات نہ آپ کی سمجھ میں آتی ہے اور نہ آپ کی لاڈلی کے۔ غضب خدا کا کرم داد بخار میں پھنک رہا ہے، بجائے اس کے کہ وہ اس کی تیمارداری کرے، دیکھ بھال کرے، لاہور جانے پر بضد ہے۔ بھئی کل بھی جایا جاسکتا ہے، کون سی قیامت کی گھڑی ہے۔'' ڈاکٹر صاحب تقریر کرتے چلے گئے۔

''انکل میں نے اسے نہیں کہا تھا کہ رات بارش میں بھیگے۔ میری طرف سے پھنکتا رہے، میں رضا علی سے پروگرام طے کر چکی ہوں.....'' حوریہ آتے ہوئے بولی۔

''شاباش! یہ شوہر کے لئے فرما رہی ہیں۔'' ڈاکٹر صاحب طنزیہ بولے۔

''حوریہ! تم چپ رہو، کبھی بڑوں کی بات بھی مان لیا کرو.....'' شائستہ بیگم ڈپٹ کر بولیں۔

''آنٹی! میں آج کسی قیمت پر نہیں رکوں گی۔ کرم داد کا بخار اُتر جائے تو لاہور آ جائے۔'' وہ دو ٹوک لہجے میں بولی۔

''بھاڑ میں جاؤ، ہماری بلا سے.....'' ڈاکٹر صاحب کہہ کر ڈائننگ روم سے باہر نکل گئے۔ ان کے جاتے ہی شائستہ بیگم ہاتھ جھاڑ کر اس کے پیچھے پڑ گئیں۔

''کیسی پاگل لڑکی ہو تم، جانتی ہو کہ تمہارے انکل کس قدر تم سے پیار کرتے ہیں، ان کا کہنا صحیح ہے کرم داد نوکر کو شوہر ہے تمہارا۔'' وہ شائستہ بیگم کو گھورنے لگی۔

''آپ کرم داد کی اصلیت جانتی ہیں.....؟'' اس کے سوالیہ انداز کو وہ ٹال گئیں۔

''چھوڑو اصلیت وصلیت، اب ان باتوں سے کیا حاصل۔ دنیا دکھاوا تو کرنا ہے، پھر تمہارے انکل تو ہر بات سے ناواقف ہیں، وہ تو سچ مچ کرم داد کو تمہاری پسند سمجھتے ہیں.....'' شائستہ بیگم بولیں۔

''سو واٹ، مجھے اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔'' وہ بگڑی۔

''مجھے پڑتا ہے ان کے سوالیہ جملوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، کرم داد کے لئے دن میں سو بار بات کرتے ہیں، تمہیں کیا معلوم کس کس طرح میں انہیں مطمئن کرتی ہوں۔'' شائستہ بیگم نے کچھ سختی سے کہا۔

"میں کرم داد سے عاجز آ چکی ہوں۔"

"ہوش کے ناخن لو، کیا کہہ رہی ہو؟ کاغذ سے بندھا شوہر بھی تم پر بھاری ہے کیا؟ سوچو، کیا کیا ہے اس نے تم سے، خاموشی سے بھرم رہ گیا ہے، شکر کرو۔ اور اب اگر بگاڑ پیدا کیا تو تم عزت رہے گی اور نہ میری....." شائستہ بیگم بری طرح برس پڑیں۔

"اچھا فی الحال میں لاہور جا رہی ہوں، آپ اس کا بخار اتر جائے تو بھیج دیجئے گا۔" وہ نیم لہجے میں بولی۔ شائستہ بیگم کو اس کی ضد کے سامنے خاموش ہونا پڑا۔

اس کا مختصر سا سامان گاڑی میں رکھا جا چکا تھا۔ وہ پرس جھلاتی ہوئی شائستہ بیگم کو خدا حافظ نکل گئی۔ راستے میں سے رضا علی کو بھی اس نے لینا تھا..... شائستہ بیگم نے فوراً گڑیا کو تاکید کی کہ داد کے لئے چائے اور ناشتہ لے کر جاؤ، میں ڈاکٹر صاحب کو لے کر آتی ہوں۔ وہ اسے چیک کر دوا دیں گے..... ڈرتے ڈرتے انہوں نے شوہر کو راضی کیا اور ان کو لے کر کرم داد کے پاس گئیں..... وہ مدہوش پڑا تھا۔

"اُف بری طرح جل رہا ہے....." شائستہ بیگم نے پیشانی چھو کر کہا۔

"موسم بدلا ہے، اس میں احتیاط کرنی چاہئے، خیر بخار تھوڑی دیر میں اتر جائے گا۔" ڈاکٹر صاحب نے اپنی میڈیکل کٹ سے اسٹیتھو اسکوپ نکال کر چیک کرتے ہوئے کہا۔ کچھ دیر غور کرنے کے بعد بیگ سے ہی دوا نکال کر شائستہ بیگم کی طرف بڑھائی۔ "یہ ہر تین گھنٹے کے بعد سیرپ دینا اور اب دوا دینے کے بعد، دوپہر اور پھر شام میں دینی ہے۔"

"ہاں، اسے گڑیا کو سمجھا دیں۔ میں تو بیگم عنایت کے ہاں شادی پر جا رہی ہوں، رات گئے واپسی ہوگی۔ انہوں نے بہت اصرار کیا تھا، میں انکار نہ کر سکی۔" شائستہ بیگم نے مکمل تفصیل دی۔

"اچھا ٹھیک ہے، یہ لو گڑیا! دوا سنبھال لو....." ڈاکٹر صاحب نے قریب کھڑی گڑیا کے ہاتھ میں ساری دوائیں تھما دیں اور اسے اچھی طرح سمجھا کر خیال رکھنے کی تاکید کر کے چلے گئے۔

"دیکھو تم یہیں چھوٹے صاحب کے پاس رہنا، اور دوپہر میں یخنی بنا کر دینا....." شائستہ بیگم اسے تاکید کر کے چلی گئیں..... بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر دوائیں رکھ کر وہ اس کے سرخ انگارہ چہرے کو دیکھتے ہوئے سوچنے لگی کہ کیسے جگائے، ناشتہ کرائے، پھر دوا دینی ہے۔ اگر جگایا تو غصہ جھیلنا پڑے گا اور اگر انتظار کیا خود جاگنے کا تو ناشتہ ٹھنڈا ہو جائے گا اور پھر دوا دینے کا وقت بھی نکلا جا رہا تھا..... بالآخر ہمت کر کے وہ غصہ برداشت کرنے کے لئے تیار ہو کر اس کا شانہ ہلانے لگی.....

"اوں، مت مجھے ہاتھ لگاؤ..... میں تمہارے لئے..... نہیں..... ہوں....." غنودگی میں بڑبڑاتے ہوئے وہ ایک دم چیخا..... وہ کانپ کر پرے ہو گئی..... وہ بخار کی شدت میں مسلسل بڑبڑاتا رہا۔

"میں تمہارا نہیں..... کیوں، کیوں ہاتھ..... لگا.....؟" غور سے سمجھنے کے بعد وہ دکھی ہو گئی۔

"تم واقعی میرے نہیں ہو....."

"کیا.....؟" اس کی ہلکی سی لبوں کی جنبش پر بمشکل نیم وا آنکھوں سے دیکھتے ہوئے بولا..... گویا اس نے کچھ سنا تھا۔

"چھوٹے صاحب! حوریہ بی بی چلی گئی ہیں اس لئے میں آپ کو جگا رہی تھی....." ذلت پر برسنے والے آنسوؤں کو ضبط کرتے ہوئے وہ بولی۔

"ہیں، تم..... تم..... میں....." وہ کچھ چونکا۔

"یہ ناشتہ کر لیں، پھر دوا کھا لیں۔ بڑے صاحب دے گئے ہیں۔" وہ دھیرے سے بتانے لگی۔

"مجھے دوا نہیں چاہئے....." اس نے آہستہ سے آنکھیں کھولتے ہوئے کہا۔

"بڑے صاحب ناراض ہوں گے۔ انہیں آپ کی بہت فکر تھی....."

"بند کرو بکواس، بڑے صاحب فکر مند ہیں، ناراض ہوں گے، ان کے کہنے سے یہاں بیٹھی ہوں....." وہ تقریباً آپے سے باہر ہو گیا، چلانے لگا۔ وہ خوفزدہ ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگی۔

"اگر بڑے صاحب کے کہنے پر دوا لائی ہو تو نکل جاؤ کمرے سے....."

"چھوٹے صاحب! آپ کیوں ناراض رہتے ہیں.....؟" معصومیت سے کہتی ہوئی زار و قطار رونے لگی۔ وہ کچھ پسیج گیا..... نرمی سے بولا۔

"لاؤ، صرف چائے دو....." اس کے کہنے پر اس نے لرزتے ہاتھوں سے چائے اٹھائی..... اتنی دیر میں وہ تکیے کے سہارے بیٹھ چکا تھا..... بخار کی شدت سے کانپ رہا تھا..... اس نے کپ پکڑنا چاہا مگر اس کے کانپتے ہاتھ دیکھ کر خود ایک کپ اس کے ہونٹوں سے لگایا، اس نے کوئی مزاحمت نہیں کی..... چائے پینے لگا..... مگر بوجھل آنکھوں سے اس کے روئے روئے چہرے پر نظر ڈال لیتا..... وہ اس وقت بہت معصوم لگ رہی تھی..... گو کہ اس کا چہرہ اداسیوں کا مسکن بنا ہوا تھا مگر پھر بھی سوگوار سا حسن بہت اچھا لگ رہا تھا..... وہ بے دھیانی میں چائے بھی پی گیا، دوا بھی کھا لی اور سیرپ بھی پی لیا..... کچھ دیر کے بعد دوائی کے اثر سے آنکھیں بھاری ہونے لگیں تو لیٹ گیا..... وہ کچھ پُرسکون ہو کے تکیے پر بیٹھ گئی..... اس کے چہرے پر نظریں جمائے، چند لمحے پہلے کی اس کی سخت باتوں پر کڑھنے لگی..... ابھی کچھ ہی دیر پہلے تو وہ اسے دھتکار رہا تھا، اسے خود کو ہاتھ لگانے سے منع کر رہا تھا..... کچی بات تو کاری ضرب کی طرح دل پر لگی تھی..... بامشکل ضبط کیا ہوا تھا ورنہ ننھا سا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔

"کرم داد! تم میرے تو نہیں ہو یہ مجھے پتہ ہے۔ مگر میرے دل میں تمہارے لئے جو محبت ہے اس کا میں کیا علاج کروں، کیسے بھول جاؤں، وقت اور حالات نے مجھے تمہارے لئے سوچنے پر مجبور کر دیا ہے، میں کیا کروں؟ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ اب تم پرائے ہو، چھوٹے صاحب ہو، مگر کرم داد اللہ جانتا ہے کہ میں اب جو جذبات تمہارے لئے دل میں رکھتی ہوں وہ چھوٹے صاحب کے لئے نہیں، اب تم نہیں جانتے کہ گڑیا کی زندگی میں کوئی چھوٹا صاحب نہیں آئے گا۔ اب میں کرم داد کو تم میں ڈھونڈتی

ہوں، مگر تم نے اسے کہاں چھپا دیا ہے؟ ایک بار تو اس سے مجھے ملنے دو۔ مجھے اعتراف کرنے
مجھے کرم داد، کرم داد میں چاہئے، چھوٹے صاحب میں نہیں......'' وہ بے اختیار ہی سسکیاں بھرنے
لگی...... نہ جانے کتنی دیر سے اپنے خیالات میں کھوئی رو رہی تھی...... کرم داد نے ہلکا سا محسوس کر
موندی موندی ایک آنکھ سے اس کی طرف دیکھا تو فوراً ہی دونوں آنکھیں کھل گئیں...... اس
رونے پر وہ بے کل سا ہو گیا۔

''کک...... کیوں رو رہی ہو......؟''

وہ ہڑبڑا کر جلدی سے پلو سے آنکھیں صاف کرتے ہوئے بولی۔ ''کچھ نہیں چھوٹے صاحب، آنکھ
میں کچھ پڑ گیا تھا......''

''آنکھ میں تو شروع سے ہی تمہارے کچھ پڑ گیا تھا، جس کی وجہ سے رو رہی ہو......'' دوا کے
سے بخار میں کچھ کمی آ گئی تھی، اس لئے وہ پوری طرح بیدار ہو کر بولا۔

''کیا مطلب چھوٹے صاحب......؟''

''کچھ نہیں، کوئی مطلب نہیں ہے چھوٹے صاحب کا......'' وہ ایک دم ہتھے سے اکھڑ گیا، چیخ کر
بولا۔

''جی، آپ......''

''جاؤ، مجھے تنہا چھوڑ دو...... چھوٹے صاحب کو تنہا چھوڑ دو......'' وہ عجیب بیزاری سے بولا۔

''وہ بیگم صاحبہ اور بڑے صاحب کہہ رہے تھے کہ آپ کے پاس رہوں......'' اس نے بتایا۔

''یہ چھوٹے صاحب کہہ رہے ہیں کہ کمرے سے نکل جاؤ......'' اس نے طنزیہ جملہ مکمل کیا۔
پریشان نظروں سے اٹھ کر اسے دیکھنے لگی۔

''جاؤ، یہ چھوٹے صاحب کا حکم ہے......'' وہ مزید سیخ پا ہو گیا...... اور وہ فوراً کمرے سے باہر
گئی۔

''ہونہہ...... چھوٹے صاحب، چھوٹے صاحب، برباد کر دیا اس لفظ نے مجھے۔ میں بھی
برباد کروں گا......'' غصے سے سوچا اور ایک لمبی سانس بھر کے سر تکیے پر سیدھا کرتے ہوئے چھت
گھورنے لگا...... غصے سے اس وقت اس کا ذہن چٹخنے لگتا تھا جب وہ اسے چھوٹے صاحب
مخاطب کرتی تھی...... یہ لفظ تو بلکہ شروع سے ہی اس کے منہ سے نکلنے پر وہ چڑتا تھا، مگر اس نے
قدم رکھ کر اس نے خود ہی اپنے لئے انتقاماً یہ لفظ بولنے کو کہا، اندر کے انسان کی آگ ٹھنڈی کرنے
لئے، اس سے انتقام لینے کے لئے کرم داد سے چھوٹے صاحب بن گیا، مگر اب اکثر وہ اس پر
اٹھتا تھا، پتہ نہیں وہ اس سے کیا سننا چاہتا تھا، شاید یہ کہ وہ اسے کرم داد پکارے، چیخ چیخ کر کرم
داد! اور اس طرح اسے اپنے جذبوں کی سچائی پر یقین آ جائے۔ مگر وہ تو بالکل خاموش تھی، ڈری ڈری
سی، کانپتی روتی ہوئی۔ اس کے صبر کا امتحان لے رہی تھی...... اگر آج وہ اسے جھنجھوڑ دے، بے

دے تو وہ اس قفس سے آزاد ہو جائے۔ یہ سونے کا پنجرہ اب اس کے لئے تنگ و تاریک غار بن گیا تھا
جس میں وہ لمحہ لمحہ گھٹ رہا تھا، تڑپ رہا تھا، اسے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اس نے غلط فیصلہ کیا، غلط قدم
اٹھایا، محبت کی محرومی ہی کافی تھی، نیا روگ کیوں لگایا، جب کہ نہ دولت کی حرص تھی اور نہ حوریہ کے
حسین سراپا کی کشش۔ صرف نادان لڑکی کے کہنے پر، اس کے اکسانے پر یا اس سے انتقام لینے کے
لئے...... اب وہ ان سوالوں کی زد میں تھا، مگر نہ کوئی جواب ہی مل رہا تھا نہ ہی نجات حاصل ہو رہی
تھی۔ ایک بے کار اور بے بس انسان کی زندگی وہ جی رہا تھا، اپنے اس جینے پر وہ سخت شرمندہ تھا، شاید
اسی لئے وہ اسے چھوٹے صاحب کہہ کر پکارتی تو وہ آپے سے باہر ہو جاتا اور اس معصوم کو بے رحم
جملوں سے چرکے لگاتا۔

○❖○

''یار! انکل سلمان نے زبردست کوٹھی بنوائی ہے......'' رضا علی نے سرسبز وسیع ترین لان میں
چاروں طرف نظریں دوڑاتے ہوئے کہا۔

''ہاں یہ تو ہے، لیکن ان سے زیادہ ان کے ملازمین کا کمال ہے کہ ان کی غیر موجودگی میں بھی کس
طریقے سے کوٹھی کی حفاظت کرتے ہیں، صفائی کا خیال رکھتے ہیں۔ دیکھو تو کیسا سرسبز لان ہے، کتنے
خوب صورت پھول لگے ہوئے ہیں۔ اکثر کوٹھیوں میں تو مالکان موجود ہوتے ہیں پھر بھی ان کے لان
اتنے خوبصورت نہیں ہوتے، اور یہ محسوس کیا تم نے کہ ہم کسی خالی کوٹھی میں آئے ہیں۔ اندر ہر طرف
صفائی ستھرائی تھی، منٹوں میں گرما گرم چائے، ساتھ میں لذیذ کباب ہمارے سامنے آ گئے۔ اور دوپہر
کا کھانا، لگتا نہیں تھا کہ صرف ملازمین کی مرضی سے بنا ہے، حالانکہ صرف یہ تین ملازمین ہی مستقل
رہتے ہیں، چوکیدار، مالی بابا اور دوسرے کاموں کے لئے ملازم حمید، شاید کھانا بھی اسی نے بنایا
ہو......'' حوریہ بات کرتی رہی...... جب لان میں پڑی خوب صورت کین کی کرسیوں کے قریب پہنچے تو
رضا علی نے بیٹھنے کا اشارہ کیا...... حوریہ بھی خود بیٹھ گئی...... اسی اثنا میں حمید چائے کی ٹرے لئے وہیں آ
گیا۔

''بی بی جی! چائے آپ یقیناً یہیں پئیں گے اس لئے میں لے آیا......'' حمید نے ٹرے سنٹر ٹیبل
پر رکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں، اچھا کیا۔ یہ بتاؤ کہ کھانا کس نے بنایا تھا؟ اور سب کچھ اتنی جلدی تیار کیسے ہوا......؟''
حوریہ نے پوچھا۔

''وہ جی، بڑی بیگم صاحبہ نے آپ کے آنے کی اطلاع کر دی تھی۔ ویسے تقریباً سب کچھ اسی
طرح گھر میں موجود ہوتا ہے۔ روز میں صرف اپنا اور چوکیدار، مالی کا کھانا بناتا ہوں اور آج آپ
لوگوں کے لئے بنایا ہے، میں کھانا بنا لیتا ہوں، پتہ نہیں آپ کو پسند آیا یا نہیں......'' حمید نے جواب
دیا۔

"کھانا اچھا تھا، ویسے اب تمہاری اس کام سے جان چھوٹ جائے گی۔" حوریہ نے چائے [illegible] ہوئے کہا۔

"کیا مطلب جی......؟" حمید پریشان ہو گیا۔

"میرا مطلب ہے کہ ایک دو روز میں ملازمہ آجائے گی۔ پھر کھانا وہ پکایا کرے گی، تم اوپر [illegible] دیکھا کرنا......" حوریہ نے ہنس کر حمید کی پریشانی دور کی۔

"شکریہ بی بی جی......" حمید یہ کہتا ہوا چلا گیا۔ کچھ دور جا کر واپس آیا۔

"جی معافی چاہتا ہوں، یہ پوچھنا تو بھول گیا کہ رات کے کھانے میں آپ کیا کھائیں گے [illegible]

"رات کے کھانے میں......"

"حوریہ ڈارلنگ، رات کا کھانا باہر کھائیں گے۔" حوریہ کی بات کاٹ کر رضا علی نے بات کی۔

"ہاں ٹھیک ہے، رات ہم باہر کھانا کھائیں گے......" حوریہ نے ہاں میں ہاں ملائی۔ حمید چلا [illegible]

"یہ تو آل راؤنڈر لگتا ہے۔ کافی سمجھدار بھی ہے۔" رضا علی چائے کی چسکی لیتے ہوئے بولا۔

"ہاں، یہ کارآمد رہے گا میرے ہسپتال والے پراجیکٹ کے لئے۔ گڑیا آجائے گی تو کھا[illegible] تو اس کی چھٹی ہو جائے گی......" حوریہ بولی۔

"گڑیا! وہ گوجرانوالہ سے یہاں آجائے گی......؟" رضا علی نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں، اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟"

"اور آپ کے شوہر موصوف......؟" رضا علی نے طنزیہ نظروں سے دیکھا۔

"وہ بھی آجائیں گے......" اس نے سرسری انداز میں کہا۔

"ویسے یار ہے بہت اکھڑ تمہارا وہ شوہر......" رضا علی بولا۔

"کم آن رضا، کیا قصہ لے بیٹھے ہو۔" وہ بیزار سی بولی۔

"آل رائٹ، تو ایسا کرو جلدی سے تیار ہو جاؤ، دیکھو کتنی اچھی شام ہے، باہر نکلتے ہیں......" [illegible] علی شوخ نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"او کے ڈیئر......" وہ کپ خالی کر کے رکھتے ہوئے بولی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ایسی تیاری کرنا کہ شام پھیکی پڑ جائے، میری نظروں میں نشہ اتر جائے......" رضا علی آنکھ[illegible] مخمور لہجے میں بولا۔ وہ ہونٹ بھینچ کر مسکرائی اور اپنی نگاہوں کی مستی سے بہت کچھ سمجھا کر اندر [illegible] بڑھ گئی......"

"یارو! میری سمجھ میں یہ نہیں آرہا کہ یہ بی بی جی کے ساتھ کون ہے......؟" حمید سر کھجاتے ہو[illegible] بولا اور مالی، چوکیدار دونوں اس کا منہ تکنے لگے...... کافی دیر سے وہ یہی سوال و جواب کر رہے تھے

"اس میں نہ سمجھنے والی کیا بات ہے......" مالی گلاب دین بولا۔

"بڑے صاحب اور بیگم صاحبہ نے کہا تھا کہ حوریہ بی بی اور ان کے شوہر آرہے ہیں، مگر......" حمید نے بات نامکمل چھوڑ دی۔

"او خانہ خراب کا بچہ، مگر کیا......؟" چوکیدار گلباز خان جھلا کر بولا۔

"مگر لگتا ہے یہ حوریہ بی بی کا شوہر نہیں ہے......"

"او پاگل تجھے کیوں یہ لگتا ہے؟" گلاب دین بولا۔

"بس خیال ہے میرا......"

"او ئے، مجھے تو شوہر ہی لگتا ہے، ورنہ وہ اس طرح کیوں حوریہ بی بی کے ساتھ آتا......" گلاب دین نے کہا۔

"او یار یہ بات بھلی کہی تم نے، یہ بڑے لوگ اسی لئے تو بڑے ہوتے ہیں کہ یہ ایسا کرتے ہیں پر بھی اچھے لگتے ہیں......"

"او چل، ہمیں کیا، جو بھی ہے، ہمیں تو خدمت کرنی ہے......" گلاب دین نے سمجھایا۔

"ہاں، ہمیں کیا۔ میں تو ویسے ہی کہہ رہا تھا......" حمید نے رومال جھاڑ کر کندھے پر رکھا۔ اسی لمحے ٹیلی فون کی آواز پر حمید جلدی سے اندر ٹی وی لاؤنج میں بھاگا......

"ہیلو......"

"ہیلو حمید حوریہ بی بی سے بات کراؤ......" دوسری طرف سے ڈاکٹر سلمان کی آواز آئی۔

"بڑے صاحب، وہ تو گھر پر نہیں ہیں......" حمید نے بتایا۔

"اس وقت رات کے گیارہ بج رہے ہیں، کہاں چلی گئی؟ شہر بھی نیا ہے اس کے لئے۔" ڈاکٹر سلمان کی آواز میں حیرت اور پریشانی شامل تھی۔

"جی کہہ کر گئے تھے کہ رات کا کھانا باہر کھائیں گے۔" حمید نے مزید بتایا۔

"کھائیں گے، کیا مطلب اور بھی کوئی تھا ان کے ساتھ؟" حیرت مزید بڑھ گئی۔

"جی رضا صاحب ساتھ آئے ہیں، وہی ساتھ گئے ہیں۔" حمید بوکھلا کر بولا۔

"اچھا، جب آجائیں تو بتا دینا۔" یہ کہہ کر فون رکھ دیا...... حمید چند لمحے ریسیور کو منہ بنا کر دیکھتا رہا، پھر کندھے اچکا کر کریڈل پر رکھا اور واپس اپنے دونوں ساتھیوں کے پاس آکر باتوں میں مصروف ہو گیا...... دراصل وہ تینوں ہی جاگ کر ایک دوسرے کا ساتھ دے رہے تھے، حوریہ بی بی کا انتظار کر رہے تھے...... گلباز خان کے کہنے پر وہ دونوں وہیں برآمدے میں اس کے ساتھ بیٹھ گئے تھے۔ سردی اچھی خاصی بڑھ گئی تھی اس لئے حمید جلدی سے کچن میں جا کر تین پیالی چائے بنا لایا...... وہ تینوں چائے پی رہے تھے، گپیں لڑا رہے تھے کہ گاڑی کے ہارن پر گلباز خان، پیالی رکھ کے گیٹ کی طرف بھاگا...... حمید نے خالی پیالیاں اٹھائیں، کچن میں رکھیں۔ جونہی وہ دونوں اندر آئے تو اس نے ڈاکٹر صاحب کے فون کے بارے میں بتایا......

''اچھا ٹھیک ہے، تم جاؤ......'' حوریہ نے کہا۔ حمید الٹے قدموں سے واپس لوٹ گیا۔

''انکل نے فون کیا......؟'' وہ سوچنے لگی۔

''بڑا خیال کرتے ہیں انکل تمہارا......'' رضا علی بولا۔

''مگر کیوں کیا......؟''

''خیال جو رکھتے ہیں تمہارا۔ خیریت معلوم کرنا چاہ رہے ہوں گے۔'' رضا علی نے کہا۔

''خیر اب اس وقت تو فون کرنا مناسب نہیں، کیونکہ انکل دس گیارہ بجے سو جاتے ہیں اور وقت سوا بارہ ہو رہے ہیں......'' حوریہ نے وال کلاک پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا اور مطمئن ہو گئی۔

''میں صبح ناشتے کے بعد اپنی آنٹی کی طرف چلا جاؤں گا......''

''کیا، ہرگز نہیں...... تمہیں کہیں نہیں جانا وانا، میں بور ہو جاؤں گی۔'' حوریہ نے فوراً اس کی رد کر دی۔

''مگر میں یہاں زیادہ دن نہیں رہ سکتا۔ میری آنٹی کو پاپا فون کر چکے ہوں گے۔ اور پھر تمہارے وہ شوہر صاحب کسی بھی وقت یہاں آسکتے ہیں......'' رضا علی نے صاف انکار کر دیا۔

''تو آنے دو، اس کا تمہارا کیا مقابلہ؟ میں تمہیں ہرگز نہیں جانے دوں گی۔ ویسے تم نے پر پراجیکٹ پر کام بھی شروع کرانا ہے......''

''مائی ڈیئر تمہارے لئے جان بھی حاضر ہے، میں آ جاؤں گا......'' وہ سینے پر ہاتھ باندھ فرمانبرداری سے جھکتے ہوئے بولا۔ وہ پھر بھی مصر رہی۔

''اچھا ٹھیک ہے لیکن ایک دو روز کے بعد جانا......''

''او کے سویٹ ہارٹ......'' وہ مسکرایا۔

○❖○

''خدا کے واسطے سو جائیں، ذرا گھڑی پر نظر ڈالیں کیا وقت ہو رہا ہے؟'' شائستہ بیگم ہاتھ جوڑ کر بولیں...... مسلسل گھنٹے سے وہ ڈاکٹر صاحب کی غصے بھری باتوں کی زد میں تھیں...... سمجھا سمجھا کر تھک گئی تھیں، مگر وہ سخت غصے میں تھے۔

''بیگم صاحبہ! سونا سلانا چھوڑیں، جاگیں۔ ورنہ بہت دیر ہو جائے گی......'' وہ طنزیہ بولے۔

''کچھ نہیں ہو رہا۔ آپ تو بلاوجہ پریشان ہو جاتے ہیں۔ شادی شدہ ہے، ڈاکٹر ہے، وہ بچی نہیں ہے جو رضا علی نقصان پہنچائے گا......'' شائستہ بیگم تنگ کر بولیں۔

''جی ہاں، شادی شدہ ہونے کی بھی آپ نے خوب کہی، آپ کی لاڈلی نے تو شادی کو بھی کھیل سمجھ رکھا ہے، کاغذ کا پرزہ حاصل کر کے، خود مختار اور بے باک ہو گئیں، برائے نام ایک شوہر باندھ رکھا ہے۔ یہی تو مجھے پریشانی ہے کہ وہ شریف آدمی بھڑک نہ اٹھے، بہت عزت ہو گی ہماری میں......'' ڈاکٹر سلمان بھی شدید کرخت لہجے میں بولے۔

''آپ کیسی دقیانوسی باتیں کرتے ہیں۔ حوریہ مغرب سے آئی ہے، اسے روایتی لڑکی کے روپ میں آپ دیکھ رہے ہیں تو غلطی پر ہیں۔'' شائستہ بیگم نے وضاحت کی۔

''بہت خوب! گویا مغرب سے آنے والوں کے لئے معاشرے کے اصول وضوابط ختم ہو جاتے ہیں، ہر روایت دم توڑ جاتی ہے، حیا اور تہذیب کے معنی بدل جاتے ہیں، یہی المیہ ہے شائستہ بیگم! ہمارے لوگوں کا کہ غلط کو صحیح کہے چلے جا رہے ہیں، شوہر بخار میں پھنک رہا تھا، بیوی نامحرم کے ساتھ سیر پر چلی گئی۔ یہ سب اچھی قدریں ہیں، ہیں نا......'' انہوں نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔

''رضا علی اب اتنا بھی نامحرم نہیں ہے۔ آپ تو اس کو پسند کرتے تھے، حوریہ کی شادی اس سے کرنا چاہتے تھے۔ اب اگر وہ لاہور میں اس کے ساتھ ہے تو آپ نے طوفان اٹھا رکھا ہے......''

''میں نے پسند کیا تھا، تو آپ کی لاڈلی نے ہزار کیڑے نکالے تھے اس میں۔ اب وہ اتنا اچھا کیوں لگنے لگا ہے؟'' انہوں نے سوالیہ نظروں سے بیوی کو گھورا۔

''اچھا مجھے نہیں معلوم۔ آپ میرا دماغ تو خراب نہ کریں۔ حوریہ سے اتنے ہی بیزار اور بدگمان ہیں تو میں اسے کہے دیتی ہوں کہ ہم سے لاتعلق ہو جائے۔''

''شاباش! بہت اچھا فیصلہ کیا ہے آپ نے۔ بڑی سمجھدار ہیں آپ۔ اسی طرح بیٹیوں کی تربیت کی جاتی ہے، ارے اپنے وقار کا نہیں تو کم از کم اس شریف آدمی کا تو خیال کرو جو شوہر ہے اس کا۔ میں ڈرتا ہوں اس دن سے، جب وہ ہمارے سامنے کھڑا ہو کر ہمیں بے عزت کرے گا۔'' وہ نڈھال سے ہو کر بولے۔

''کہا تو ہے کہ میں اسے سمجھاؤں گی۔''

''سمجھائیں، تاکید کریں کہ بیٹیاں باوقار ہی اچھی لگتی ہیں......''

''کرم داد کا بخار تو کم ہو گیا ہے مگر کمزوری اور نقاہت کی وجہ سے غنودگی میں تھا......''

''ہاں! لیکن صبح تک انشاء اللہ ٹھیک ہو جائے گا، مکمل ٹھیک ہونے میں پھر بھی دو تین دن لگیں گے......'' انہوں نے کہا۔

''ٹھیک ہو جائے تو لاہور جائے۔''

''نہیں، سفر اس کے لئے مناسب نہیں۔ دو تین دن کے بعد جا سکے گا۔''

''اب آپ آرام کریں، بلکہ فوراً سو جائیں۔ خوامخواہ خیریت پوچھتے پوچھتے غصے میں آ گئے۔''

''مجھے اچھا نہیں لگتا، بیٹیاں خود آباد رہیں تو اچھی لگتی ہیں۔ کرم داد اس کی پسند تھا، جیسا بھی ہے اب اسے نبھانا چاہئے، شادی کوئی کھیل نہیں ہے۔'' وہ نرمی سے کہتے ہوئے بیڈ پر لیٹ گئے۔

شائستہ بیگم نے لائٹ آف کر دی...... مگر بستر پر لیٹنے کی بجائے ایزی چیئر پر بیٹھ کر سوچنے لگیں...... ڈاکٹر صاحب تو فوراً ہی خراٹے لینے لگے...... مگر ان کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی...... ڈاکٹر صاحب کی باتیں تو ساری کی ساری صحیح تھیں، ان کی ناراضگی بجا تھی، حوریہ کی یہ حرکتیں وہ جس اعلیٰ

ظرفی سے سہہ رہے تھے یہ بڑے حوصلے کی بات تھی، حوریہ کی جگہ ان کی اپنی بیٹی بھی ہوتی
سے سختی سے پیش آتے۔ مگر اس کا بہت خیال رکھتے تھے...... انہیں اس بات کا احساس تھا
صاحب حوریہ سے بہت محبت کرتے تھے، مگر وہ بہت بے بس تھیں۔ حوریہ کی وجہ سے پریشان
تھیں...... انہیں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ کسی طویل دورانیے کے ڈرامے میں اداکاری کر رہی
کا نمایاں کردار حوریہ ادا کر رہی ہے۔ ڈرامے کے انجام سے بے خبر وہ اسے آگے سے آگے
ہیں، جب کہ سارا ڈراما ہی جھوٹ اور فریب پر مبنی ہے۔ ''اُف میرے خدا! اس کا انجام کیا
نادانی کیا رنگ لائے گی......'' وہ سر تھام کر سوچ رہی تھیں...... مگر ان کے پاس اپنی سوچوں کا
حل نہیں تھا...... حوریہ کی بات مان کر وہ پریشانیوں میں گھر گئی تھیں...... ''کاش! میں نے حوریہ
کہا نہ مانا ہوتا۔ جو ہو چکا تھا، اس پر تمہیں پابند کیا ہوتا......'' وہ بڑبڑائیں۔ مگر اب وقت ان کی
میں نہیں تھا۔

○❖○

آج دوسرے دن وہ خود کو بہتر محسوس کر رہا تھا...... ناشتے کے بعد کمرے میں ٹہلنے لگا کہ وہ
میں آ گئی۔ سادہ سے شلوار کرتے میں، بکھرے بکھرے بالوں کے ساتھ پلکیں جھپکتی کرم داد
میں اتر گئی۔

''آپ آرام کریں......''

''کیوں؟ کیا ہے اب مجھے......'' اس نے الٹا سوال کیا۔

''آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

''میری طبیعت تو نجانے کب سے خراب ہے......؟'' وہ دھیرے سے بولا، وہ کچھ نہ سمجھی۔

''تو آپ بڑے صاحب کو بتائیں۔''

''کیا بتاؤں کہ مجھے کیا تکلیف ہے؟'' وہ بالکل اس کے قریب آ کر بولا...... وہ سہمی ہوئی
مانند خود میں سمٹ گئی...... اس نے دونوں ہاتھوں سے اس کے نازک شانوں کو جکڑ لیا......

''تکلیف نہیں پوچھو گی اپنے چھوٹے صاحب کی......؟'' وہ عجیب سے لہجے میں
ہوئے بولا۔

''جی، میں......'' وہ تھر تھر کانپنے لگی۔

''ہاں! تم، ہم چھوٹے صاحب ہیں۔ کیا پہلے بھی تم اپنے چھوٹے صاحب سے گھبراتی تھیں
اس نے اس کے لرزتے وجود اور کانپتے لب دیکھ کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''وہ......'' وہ تھوک نگلنے لگی۔

''پریشان کیوں ہو رہی ہو، دیکھو ہم چھوٹے صاحب ہیں۔ ہمارے پاس سب کچھ ہے
ہے نا یہ سب تمہیں......'' اس نے پوچھا...... وہ شرمندہ سی رو پڑی۔

''چھوٹے صاحب مجھے جانے دیں......'' وہ سسکیاں بھرنے لگی۔

''کیوں...... کیوں جانا چاہتی ہو؟ تم تو چھوٹے صاحب کے ساتھ رہنا چاہتی تھیں۔ اب رہو
ے ساتھ اس کمرے میں......'' اس نے طنزیہ نظروں سے گھورا......

''مجھے جانے دیں چھوٹے صاحب......'' وہ روتے روتے بولی۔

''چھوٹے صاحب تو مالک ہوتے ہیں، ان کی تو ہر بات اچھی ہوتی ہے۔'' وہ ہنسنے لگا۔

''مجھے اب ایسا نہ سمجھیں، جانے دیں......'' اس نے ہاتھ جوڑ دیئے۔

''پہلے تو تم روتی بھی نہیں تھیں......'' وہ ہنسا۔

''اب تو زندگی بھر رونا ہے چھوٹے صاحب......'' وہ اور زور سے ہچکیاں لینے لگی...... اسے رحم آ
راستہ چھوڑ دیا اور منہ موڑ کر کھڑا ہو گیا......

''جاؤ اور اپنے کمرے میں جا کر آنسو بہاؤ۔'' اس نے جیسے ہی کہا وہ تیزی سے کمرے سے باہر
گئی...... اسی لمحے شائستہ بیگم کچھ الجھی الجھی سی کمرے میں داخل ہوئیں۔

''یہ یہاں کیا کر رہی تھی......؟'' انہوں نے عجیب سے لہجے میں پوچھا۔

''ملازمہ کیا کرتی ہے......؟'' اس نے الٹا سوال کیا۔

''ملازمہ کو ملازمہ کے مقام پر رکھنا چاہیے۔'' وہ تڑخ کر بولیں۔

''شاید اسی لئے یہ ملازم ابھی تک اپنا مقام نہیں بھولا۔'' وہ طنزیہ ہنسا۔

''تمہیں جو عزت ہم نے اپنی بچی کی ضد کی وجہ سے دی ہے وہ تمہیں یاد رہنی چاہیے......'' انہوں
کر کہا۔

''قیمتی لباس اگر میلا ہو تو اسے دھونے کے لئے بھی بڑی دکانوں پر بھیجا جاتا ہے، آپ نے بھی
کیا ہے۔ احسان کی بات نہیں......'' وہ لفظ چبا چبا کر بولا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا......؟'' وہ چڑ کر بولیں۔

''کوئی مطلب جو آپ سمجھ رہی ہیں......''

''میں تو صرف یہ کہنا چاہتی تھی کہ حوریہ تم سے بہت محبت کرتی ہے، عورت کبھی دوسری عورت کو
برداشت نہیں کرتی۔ جب دوسری عورت بہت حسین اور جوان ہو تو شک پیدا ہوتا ہے۔ حوریہ کو اس کا
ہو سکتا ہے، آخر وہ تمہاری......''

''ہاں ہاں! وہ میری بیوی ہے، ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔ بھلا کوئی بیوی کیسے یہ برداشت کر سکتی
کہ اس کا شوہر کسی دوسری عورت سے ملے......'' وہ ان کی بات کاٹ کر درمیان میں ٹھہر ٹھہر کر بولا۔

''بالکل......'' انہوں نے سر ہلایا۔

''بیگم صاحبہ، بیوی ہونا تو شرط ہے۔ حوریہ میری بیوی ہے بھی یا کوئی مجبوری ہے، اس پر غور
کیجئے۔'' اس نے ذومعنی انداز میں کہا۔

"کرم داد! تمہارے ذہن کی پستی کا کوئی علاج نہیں ہے ہمارے پاس......" وہ پھر بھڑک گئیں۔

"پستی میں کون ہے؟ یہ بتاؤں گا ایک دن......" وہ مسکرایا۔

"اچھا تم تیاری کرواور اپنی بیوی کے پاس جاؤ۔" شائستہ بیگم نے بات بدلی۔

"گڑیا کو بھیجیں میرا سامان پیک کرے۔" یہ کہہ کر وہ باہر نکل گیا۔ شائستہ بیگم کچھ لمحے اس کی جلی کٹی باتوں پر غور کرتی رہیں، اور پھر خود بھی کمرے سے باہر آ گئیں...... باہر برآمدے میں ساتھ سبزی بناتے ہوئے گڑیا نظر آئی تو انہوں نے تحکم سے اسے کہا۔

"جلدی کرو، چھوٹے صاحب کا سامان پیک کرو۔ انہیں لاہور جانا ہے۔"

گڑیا فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ہاں سنو! اپنا سامان بھی پیک کرو۔ وہاں ملازمہ کی سخت ضرورت ہے......" انہوں نے سخت لہجے میں طنز کیا...... وہ معصومیت سے گردن ہلاتی ہوئی کرم داد کا سامان پیک کرنے چلی۔ دل گھبرانے لگا، کرم داد کے ساتھ جانے کے خیال سے ہی گھبراہٹ ہو رہی تھی...... "کتنا ظالم ہے یہ شخص......؟" اس نے دل میں سوچا اور تیزی سے کام کرنے لگی...... وارڈ روب سے کپڑے نکالے، دوسرا ضروری سامان نکالا...... اور سب سوٹ کیس میں رکھ دیا...... کسی خیال میں گم کوٹ تھامے کھڑی تھی کہ وہ ایک دم اندر آ گیا...... اس کے ہاتھ سے کوٹ فرش پر گر گیا...... وہ طنز کر بولا۔

"لاہور کی تیاری کے ساتھ ہی یقیناً تمہیں "لال کوٹھی" اور چھوٹے صاحب یاد آ گئے ہوں گے"

"جی وہ تو......"

"وہ تو چلے گئے، اسی لئے تو تم اتنی اجڑی اجڑی سی ہو......" اس نے اس کا جملہ اچک کر لہجے میں زخمی کر ڈالا۔ وہ سہمی نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"ویسے گڑیا! وہ چھوٹے صاحب بہت ظالم تھے۔ انہوں نے تمہاری قدر ہی نہ کی۔ کیا جاتا اگر وہ تمہیں لال کوٹھی میں جگہ دے دیتے......" وہ پھر گھائل کرنے پر آمادہ ہو گیا۔

"چھوٹے صاحب! مجھے بخش دیں، مجھے بخش دیں......" وہ منت پر اتر آئی۔

"نہیں، چھوٹے صاحب بخشش دیتے ہیں۔ صرف بخشش......" وہ اس زور سے چلایا کہ وہ دور ہو گئی۔ اس کے چہرے پر ایک دم ہی ڈھیر سارا غصہ آ گیا، آنکھیں سرخ ہو گئیں اور گئے...... مٹھیاں بھینچتا ہوا خود ہی باتھ روم میں گھس گیا اور وہ پھر اپنی جان بچانے میں کامیاب ہو گئی۔

"کرم داد تو تمہیں معاف کر سکتا ہے مگر چھوٹے صاحب نہیں۔ جب تک تم چھوٹے صاحب پکارتی رہو گی، کرم داد تڑپتا رہے گا، مگر خود تمہیں آواز نہیں دے گا۔ ہو سکے تو چھوٹے صاحب کرم داد کو تلاش کرو......" واش روم میں آئینے کو گھورتے ہوئے وہ غصے سے بڑبڑایا اور منہ پر پانی مارنے لگا تاکہ غصہ کچھ کم ہو سکے۔

○❖○

رات کے آٹھ بج رہے تھے...... لاہور کا سرد ترین دن ڈھل چکا تھا، شام کہر میں ڈوبی رات کے دامن میں چھپ چکی تھی...... اور سرد ترین رات کا آغاز ہو چکا تھا...... سارے شہر پر دھند اور بادل چھائے ہوئے تھے...... بارش کے آثار نمایاں تھے...... سڑکوں پر رونق ختم ہو چکی تھی۔ ایسے میں "سلمان ولا" کی رونق پورے جوبن پر تھی...... بلند و بانگ قہقہے ڈرائنگ روم کے گرم ماحول سے باہر تک گونج رہے تھے، جواں دھڑکنوں کا شور تھا، بے شمار موضوعات پر گفت و شنید جاری تھی...... ملی جلی پرفیوم کی مہک میں مسحور احساسات کا اظہار، کسی رومانوی فلم کا رنگین منظر پیش کر رہا تھا...... نوجوانوں کی بے باک آنکھوں کی مستیاں اور دلرباؤں کی عریاں شوخیاں پورے عروج پر تھیں...... حوریہ کی کمر میں بازو حمائل کئے رضا علی زندگی کا لطف لے رہا تھا۔ نیٹ کی سرخ ساڑی میں انتہائی مختصر بلاؤز کے ساتھ کسی لچکتی شاخ کی مانند وہ بل کھا جاتی...... سب اس کے حُسن کو رشک بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

"لاہور کی رونقوں میں آپ حسین اضافہ ہیں مس حوریہ۔" ڈاکٹر وجاہت نے مسکرا کر کہا۔

"او تھینک یو ڈاکٹر وجاہت......" وہ اٹھلائی۔

"مگر...... ایک وضاحت کر دو حوریہ ڈاکٹر وجاہت کو کہ تم مس نہیں مسز ہو......" ڈاکٹر شینا بولیں۔

"اوہ! واقعی......؟" ڈاکٹر وجاہت کے منہ کا ذائقہ جیسے کڑوا ہو گیا۔

"اس میں اس قدر افسوس کی کیا بات ہے؟" ڈاکٹر شینا نے طنز کیا۔

"کون ہے وہ خوش نصیب......؟" ڈاکٹر عمران نے رال ٹپکائی۔

"میں ایک بہت ہی خوش نصیب......" رضا علی نے طنزیہ جملہ کھینچ کر کہا۔

"او کم آن رضا ڈارلنگ، اتنا منہ بگاڑتے کیوں ہو اس بے چارے کے ذکر پر......" حوریہ نے ادا سے بازو لہرا کر کہا۔

"تم نے زیادتی کی ہے میرے ساتھ اس لئے......" رضا علی نے معصوم سا چہرہ بنایا۔ سب کے سب ہنس پڑے۔

"ارے واقعی ڈاکٹر حوریہ، رضا علی جیسے نوجوان کے ہوتے آپ نے دوسرے کا انتخاب کیا، آخر کیوں......؟" ڈاکٹر شہاب نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

"پلیز یہ بورنگ ٹاپک چھوڑیں......" حوریہ نے برا سا منہ بنایا۔

"کتنا عرصہ ہوا شادی کو......؟" ڈاکٹر شیما نے کولڈ ڈرنک ختم کرتے ہوئے پوچھا۔

"بس کچھ وقت ہو ہی گیا......" وہ بولی۔

"تو کوئی پراگریس، آئی مین کوئی خیر خبر......" ڈاکٹر شینا نے آہستہ سے کہا۔ اسے برا لگا۔

"کیا یہ مصیبت ضروری ہوتی ہے......؟" وہ چڑ کر بولی۔

"سوری ڈاکٹر شینا! دراصل ان کے شوہر میں ہی یہ صلاحیت نہیں ہے......" رضا علی تمسخر... ہوئے بولا...... سب کے لبوں پر چپ کی مہر لگ گئی...... سب کی نظریں دروازے پر جم گئیں... مسکراتے ہوئے حوریہ نے دروازے کی جانب دیکھا تو خاصی جز بز ہوئی...... کرم داد پیشانی پر سلوٹیں ڈالے، سخت غصیلے انداز میں کھڑا تھا...... اس کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ کچھ نہ کچھ کر... ہے...... رنگ و بو کی محفل پر گہرا سناٹا چھا گیا۔ وہ ہونٹ کاٹنے لگی...... رضا علی بھی کچھ پریشان... گیا...... وہ بھاری قدموں سے اندر آ گیا...... ان دونوں کے بالکل قریب آ کر اس نے ایک ہاتھ... رضا علی کا گریبان پکڑا اور دوسرے ہاتھ سے حوریہ کی کلائی جکڑ کر کھینچتا ہوا باہر لے آیا۔

"کرم داد...... کرم داد...... چھوڑو مجھے۔" حوریہ چلائی۔

"کرم داد...... یہ بدتمیزی بہت مہنگی پڑے گی تمہیں......" رضا علی چنگھاڑنے لگا۔

"تمہارا تو میں اسی وقت خون پی سکتا ہوں، مگر مجھے گندے خون سے ہاتھ رنگنے کا کوئی شوق... میری نظروں سے دور ہو جاؤ۔" وہ زور سے چیخا اور اس کو جھٹکا دے کر چھوڑ دیا۔ رضا علی اپنا گر... ٹھیک کرتا ہوا اپنے کمرے کی طرف مڑ گیا...... جب کہ حوریہ کو وہ جکڑے جکڑے گھسیٹتا ہوا چل... کئی کمروں کے دروازے کھول کھول کر دیکھے اور پھر ایک کمرے کا دروازہ کھول کر وہ جان گیا... حوریہ کا بیڈ روم ہے، اسے زور سے کمرے میں داخل ہو کر بیڈ پر پٹخا اور دروازے کی چٹخنی چڑھا... وہ حواس باختہ ہو کر بیڈ سے بھاگی اور ایک طرف کھڑی تھر تھر کانپنے لگی...... وہ خونخوار نظروں سے... ہوا اس کی طرف بڑھا، وہ پیچھے بھاگی...... مگر اس کے مضبوط بازوؤں کی گرفت سے بچ نہ سکی... سختی سے بھینچتے بھینچتے اس قدر قریب کر لیا کہ اس کا سانس لینا محال ہو گیا......

"کرم داد، چھوڑ دو مجھے پلیز......"

"کیوں، دیکھنا نہیں چاہتیں کہ مجھ میں مردانہ صلاحیت ہے یا نہیں......" وہ گرج کر بولا۔

"یہ میں نے نہیں کہا، پلیز چھوڑ دو مجھے......" وہ تقریباً رو دی۔

"اپنے بدنما وجود پر گھمنڈ کرتے ہوئے شرم نہیں آتی، میری صلاحیت پر شک ہے۔ اپنی کیچڑ... لت پت ہستی پر ناز ہے......" وہ اور زیادہ غصیلا ہو کر بولا۔

"دیکھو مجھے چھوڑ دو، وہ سب میرا انتظار کر رہے ہیں...... وہ میرے ہسپتال کی ٹیم ہے، کیا... گے میرے بارے میں......" وہ رحم طلب نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"چھوڑ دوں، رضا علی جیسے گھٹیا انسان کو یقین کیسے آئے گا؟" وہ ہنس کر طنزیہ بولا۔

"پلیز کرم داد! سوری، میں شرمندہ ہوں......" وہ ندامت سے بولی...... اس کی گرفت کچھ... پڑی تو لمبے لمبے سانس لینے لگی۔

"ایک بات کان کھول کر سن لو حوریہ بیگم، کرم داد جو آج یا اس سے پہلے تمہارے قریب نہ...

اس کو میری کمزوری نہ سمجھنا۔ بلکہ میری غیرت اور وقار سمجھنا۔ کیونکہ تمہارے پاس میرے لئے کچھ نہیں ہے، میرے پاس تمہارے لئے کچھ نہیں ہے۔ کرم داد ایک ہی آسمان کا سورج ہے اور ایک ہی آسمان کا چاند......" اس نے دانت بھینچ کر کرخت لہجے میں کہا اور زور سے جھٹکا دے کر پرے دھکیلا۔ وہ لڑکھڑا کر دوبارہ بیڈ پر جا گری...... وہ گھورتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا...... اور وہ زرد چہرے پر ہاتھ پھیرنے لگی...... حواس بحال کرنے لگی...... ندامت کے احساس سے، چہرے پر پسینہ آ گیا۔

ہسپتال کے کام کا آغاز ہو چکا تھا، اس سلسلے میں بڑے بڑے ہسپتال میں کام کرنے والے میل اور فی میل ڈاکٹرز اس نے اپنے ہسپتال کے لئے ہائر کئے تھے۔ چند دنوں میں ہی وہ لاہور کے ڈاکٹرز کے بڑے حلقے میں مشہور ہو گئی تھی...... تعمیرات کا کام بھی آج سے شروع ہو گیا تھا، اس لئے پارٹی چھوٹے پیمانے پر رکھی گئی تھی۔ کرم داد کی آمد کے بارے میں اس کو کوئی اطلاع نہیں ملی تھی ورنہ شاید پارٹی کسی ہوٹل میں رکھی جاتی۔ اب سب اس کے بارے میں کیا سوچیں گے، یہ بات اسے شرمسار کر رہی تھی...... جونہی حمید کی باہر آواز آئی تو اس نے زور سے اسے پکارا۔

"حمید......! حمید......!"

"جی بی بی جی......" حمید جھٹ اندر آ گیا۔

"مہمان چلے گئے یا موجود ہیں......؟" اس نے پوچھا۔

"جی تقریباً سب چلے گئے ہیں، صرف دو ڈاکٹر بیبیاں بیٹھی ہیں، ان کی گاڑیاں نہیں آئیں۔" حمید نے بتایا۔

"اکیلی بیٹھی ہیں......؟"

"نہیں جی، وہ کوئی ملازمہ کرم داد صاحب کے ساتھ آئی ہے، وہ ان کے پاس بیٹھی باتیں کر رہی ہے۔" حمید نے کہا۔

"واٹ...... وہ گڑیا ہو گی...... وہ ان کے پاس بیٹھی باتیں کر رہی ہے۔" وہ غصے میں لال پیلی ہو کر اٹھی...... مگر اگلے ہی لمحے پھر بیٹھ گئی۔

"اچھا، سنو، انہیں جا کر میری طرف سے معذرت کرو کہ میری طبیعت خراب ہے، اگر ہماری گاڑی پر جانا چاہیں تو عبدل سے کہو کہ انہیں چھوڑ آئے......" اس نے ہدایت دی...... حمید فوراً باہر نکل گیا اور وہ چند منٹ پہلے پیش آنے والے اس واقعے کو یاد کر کے خوف زدہ ہو گئی۔

○✤○

ناشتے سے فارغ ہو کر اخبار لئے وہ ٹی وی لاؤنج میں آ گئی...... کرم داد وہاں پہلے سے موجود کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا بیٹھا تھا...... حوریہ نے ایک بیزار سی نظر اس پر ڈالی اور کچھ فاصلے پر بیٹھ گئی۔ اس کے بیٹھتے ہی وہ اٹھ کر جانے لگا تو وہ بولی۔

"ہم اتنے برے نہیں ہیں کہ آپ دو چار گھڑی بھی ہمارے ساتھ نہ بیٹھ سکیں......" اس سے پہلے

کہ وہ کوئی جواب دیتا گڑیا آ گئی۔

"حوریہ بی بی، کپڑے استری کر دیئے ہیں....."

"ٹھیک ہے، چھوٹے صاحب کے بھی کر دو اور رضا صاحب کے بھی کر دو....." اس نے کہا۔

"جی بہتر....." وہ کہہ کر جانے لگی تو اس نے پھر کہا۔

"اور ہاں، میری الماری میں چند پرانے جوڑے رکھے ہیں، وہ تم لے لو۔ یہ بڑا شہر ہے، یہاں ذرا ڈھنگ کے کپڑے پہنا کرو....." اس نے اس کی بات سن کر فوراً کرم داد کی طرف دیکھا جس کی آنکھوں میں عجیب سی بات تھی، جس کے آپس میں جڑے ہوئے ہونٹوں پر عجیب سی خاموشی تھی۔ نظریں جھکا کر بولی۔

"بی بی جی، میرے پاس کپڑے ہیں....."

"ایسے کپڑے نہیں ہیں جیسے حوریہ بی بی دے رہی ہیں، لے لو۔ تمہیں تو ایسے کپڑے بہت پسند ہیں، بڑی بیگمات والے....." کرم داد نے فوراً اس پر چوٹ کی..... اس کا ننھا سا دل تحقیر کے احساس سے اندر ہی اندر رو دیا..... وہ ذلت کا احساس دلانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا، جو اس کی طرف سے پیدا ہونے والی نفرت کا انتقام وہ گڑیا سے ہی لیتا تھا۔ اس وقت بھی وہ غصے سے اٹھ کر جا رہا تھا کہ بیچ میں وہ آ گئی اور اس نے وہ سارے کا سارا غصہ اس معصوم پر نکال دیا.....

"چھوٹے صاحب، میں ملازم ہوں، میرے لئے یہ کپڑے ہی ٹھیک ہیں....." اس نے نم آ نظروں سے دیکھا۔

"ارے نہیں گڑیا، مجھے تمہارے یہ کپڑے پسند نہیں، تم وہ لے لو....." حوریہ نے کہا۔ کرم داد سوچ کر اپنے کمرے کی طرف چلا گیا..... حوریہ کے کہنے پر بھی اس نے اس کے کمرے میں رہنے سے انکار کر دیا تھا اور علیحدہ کمرے میں اپنا سامان رکھوایا تھا..... اس کے پیچھے ہی گڑیا کپڑے استری کے لئے لینے آئی تو وہ صوفے پر آڑا لیٹا دروازے کی طرف ہی دیکھ رہا تھا..... جونہی اس نے کمرے میں قدم رکھے وہیں ٹھٹک گئی.....

"آؤ، ملازمہ....." وہ تمسخرانہ انداز میں مخاطب ہوا..... وہ آہستہ سے اندر آ گئی۔

"حیرت ہو رہی ہے ملازمہ کہ تم نے حوریہ بیگم کے کپڑے لینے سے انکار کر دیا، ورنہ تم تو کہا کرتی تھیں کہ ان کپڑوں میں جو بات ہوتی ہے وہ کسی غریب لڑکی کے کپڑوں میں کہاں، خوب صورت کپڑوں سے ہی تو انسان خوب صورت نظر آتا ہے، سوچو۔ "لال کوٹھی" کی بیگم صاحبہ کے کپڑے حسرت سے دیکھتی ہو گی..... ہیں نا....." وہ سفاکی سے بولتا چلا گیا اور وہ صرف بھیگی پلکوں کو جھکائے فرش گھورتی رہی..... اس کے پاس اس کی ان باتوں کا جواب نہیں تھا..... سوائے خاموشی کے۔

"بولو گڑیا، بولتی کیوں نہیں....." وہ اٹھ کر اس کے قریب کھڑا ہو گیا۔

"چھوٹے صاحب! میری خواب جیسی خواہشات دفن ہو چکی ہیں، میں نے ان کی بہت بڑی

ہے چھوٹے صاحب! میں آپ سے گزارش کرتی ہوں کہ مجھے بخش دیں..... مجھے معاف کر دیں..... ایک ملازمہ کو جینے دیں....." وہ دھیرے سے بولی۔

"بخش دوں، جینے دوں تمہیں، میں یعنی چھوٹے صاحب..... تم ہماری ملازم ہو، ہم جیسے چاہیں ویسے رہنا ہو گا..... تمہیں حوریہ بیگم کے کپڑے لینے ہوں گے، ہمارا حکم ہے....." وہ سخت سفاکی سے اس کے کان میں بولا۔

"جی....." وہ کانپ سی گئی۔

"جی، فوراً وہ کپڑے لو۔ انہیں پہنو، اتراؤ....." وہ چلایا۔

"وہ..... چھوٹے صاحب....." وہ خوف زدہ سی ہونٹ چبانے لگی۔

"جو کہا ہے وہی کرو، ہماری بیگم کا لباس تمہیں سجے گا۔" وہ تیکھے تیور بدل کر ایک دم مسکرانے لگا..... وہ آہستہ سے اثبات میں گردن ہلا کر واپس چلی گئی..... اور وہ اپنا غصہ نکالنے کے لئے دیوار پر زور زور سے مکے برسانے لگا..... اندر کا کرم داد بے قرار سا مچلنے لگا، اس کے روتے پھول سے چہرے پر پیار آنے لگا، مگر کتنا ظالم ہو جاتا تھا، چھوٹے صاحب کے روپ میں..... ہر طرح کی اذیت دیتا تھا، مگر وہ بھی ہر اذیت جھیل رہی تھی، لبوں پر شکوہ نہیں لا رہی تھی..... جس پکار کی اسے تلاش تھی وہ اب تک اس کے دل سے نہیں نکلی تھی..... زندگی ایسے بھی بے رحم جہنم میں جل رہی تھی، جس میں طمانیت کا احساس صرف وہی دلا سکتی تھی، مگر وہ شاید انجان ہے، میرے دل کے مرد کو نہیں سمجھ سکتی، مجھے اس عذاب سے نجات نہیں دلا سکتی....." وہ مٹھیوں سے بال نوچتے ہوئے بڑبڑایا۔

"کرم داد! کتنے شرم کی بات ہے کہ ایک معصوم لڑکی پر اتنا ظلم کر رہے ہو، اسے اگر نہیں معلوم تو تم اسے بتا دو، جگا دو، اسے بتاؤ کہ تم اس کی محبت کے اقرار کے منتظر ہو۔ یہ جہنم جیسی زندگی اس کی محبت پانے کے لئے اختیار کر رکھی ہے، کیوں اسے بڑھ کر تھام نہیں لیتے....." ذہن نے جھنجھوڑا تو وہ چلا اٹھا۔ "نہیں..... اسے خود مجھے اور میری محبت کو تلاش کرنا ہو گا۔ اس نے ہی مجھے کھویا ہے، وہی مجھے تلاش کرے گی۔ میرے اندر کا غیرت مند انسان اس کی محبت کی بھیک نہیں چاہتا۔ سچی، بے لوث محبت پانا چاہتا ہے..... وہ جو کرم داد سے کرے، صرف کرم داد سے..... کرم داد کے بے قرار دل کو قرار آ جائے..... میں اسے دل میں چھپا کر دور لے جاؤں۔ اس کی محبت سے اپنی زندگی کے گوشے جگمگا دوں۔" بے بسی سے اس کا لہجہ گلوگیر ہو گیا۔ نڈھال سا بستر پر گر گیا۔ جسے وہ جی جان سے چاہتا تھا، جس کے لئے حوریہ کے ساتھ تلخ زندگی گزار رہا تھا، اسی کو رُلا کر، تڑپا کر، خود تڑپتا تھا۔ وقت اور حالات نے کس دوراہے پر لا کھڑا کر دیا تھا کہ جیا جا رہا تھا اور نہ مرا..... اسے حوریہ سے یا اس کے روپے پیسے سے کوئی دلچسپی تھی ہی نہیں، جو غصے میں کام کیا وہ جان کا عذاب بن گیا تھا..... اس عذاب سے اسے گڑیا ہی نکال سکتی تھی، وہی اس کو سمیٹ سکتی تھی مگر اس کی معصوم فطرت بالکل انجان تھی..... وہ اب تک اسے تلاش نہیں کر پائی تھی، اپنے لب سی کر، معصوم خواہشات کو دل میں دفن کر کے وقت

کے سامنے سر جھکا کر جئے جا رہی تھی۔ اس کے دل میں نہ اب وہ سراب ایسی تمنائیں تھیں اور نہ معصوم بچوں جیسی حسرتیں۔ اس کے اندر کی معصوم گڑیا کہیں کھو گئی تھی۔ اب تو ایک بے جان مُردہ گڑیا چلتی پھرتی، مالکان کی خدمت پر مامور تھی۔ وہ بھی قطعاً انجان تھی۔ کرم داد کی شدید محبت کے جذبوں سے اور اس احساس سے کہ وہ اس کے ساتھ ایسا کیوں کر رہا ہے؟ اس نے اپنے ننھے سے ذہن سے یہ بات قبول کر لی تھی کہ کرم داد اب پرایا ہے، اس کی حوریہ بی بی کا شوہر کرم داد نہیں بلکہ چھوٹے صاحب، لہٰذا اب صرف ان کی خدمت کرنی ہے...... اسی لئے وہ شاید کرم داد کو پہچان نہیں رہی تھی کہ اس نے تو یہ روگ صرف پال ہی اسی کے لئے رکھا ہے، اگر ایک بار اسے پکارے تو وہ محبت سے اسے سمیٹ لے، مگر دونوں کے درمیان یہ دھند چھٹنے کو نہیں آ رہی تھی۔ دونوں ہی ایک دوسرے کے لئے بدگمان اور بے قرار تھے۔

○❖○

حوریہ کے معمولات میں بہت زیادہ تبدیلی آئی تھی۔ رات دن وہ ہسپتال کی تعمیر کے سلسلے میں مصروف تھی۔ کبھی رضا علی کو ساتھ لے کر مارکیٹ نکل جاتی اور کبھی کرم داد کے ساتھ تعمیر کا جائزہ لے رہی ہوتی۔ کرم داد واجبی سے تعلق کی بنا پر ساتھ جاتا تھا باقی اس کی نہ کوئی اہمیت تھی اور نہ غرض۔ وہ صرف ایک مشن پر کام کر رہا تھا۔ گڑیا کے حصول کا مشن...... جواب بگڑ کر انا اور وقار کا مسئلہ بن گیا تھا۔ جس کے لئے اس نے اپنی زندگی جوئے پر لگا دی تھی۔ حوریہ سے رشتہ جوڑنا ایک انتقامی کارروائی کے سوا کچھ نہ تھا۔ اسی لئے وہ اس کو جھنجھوڑنے کے لئے یہ رشتہ چلا رہا تھا۔ حوریہ کے اصرار پر آرکیٹکٹ کے ہاں چلنے پر راضی ہو گیا۔ حوریہ گاڑی کی چابی اٹھا کر آگے آگے چل دی اور وہ پیچھے پیچھے۔ باہر نکل کر حوریہ کو یاد آیا کہ ٹیلر کے پاس بھی جانا ہے، کیوں نہ گڑیا کو ساتھ لے لیا جائے۔ کرم داد کو آرکیٹکٹ کے ہاں چھوڑ کر کچھ دیر کے لئے ٹیلر کے پاس چلی جاؤں...... یہی سوچ کر اس نے گڑیا کو بلایا۔ وہ کچن میں کام کر رہی تھی، فوراً ہاتھ دھو کر آ گئی۔

''جی بی بی جی......''

''گڑیا! تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔'' اس نے کہا تو کرم داد نے اس کو گردن ہلاتا دیکھ کر غصہ دبا ہوئے بناوٹ سے مسکرا کر کہا۔

''حوریہ، میں اس وقت تنہا تمہارے ساتھ جانا چاہتا ہوں۔''

''واقعی، ڈارلنگ تم کتنے اچھے ہو۔'' حوریہ نے اس سے بڑھ کر اداکاری کا مظاہرہ کیا۔ گڑیا کا دل دکھی ہو گیا، چہرہ جھکا کر ضبط کا مظاہرہ کیا۔

''گڑیا تم کام کرو، ہم چلے جاتے ہیں۔'' حوریہ نے کہا۔ پھر وہ اثبات میں گردن ہلا کر مڑی تو وہ قریب آ کر آہستہ سے بولا۔

''گاڑی میں بیٹھنے کا شوق پھر پورا کر لینا۔'' یہ جملہ اس کے دل کو چھلنی کر گیا۔ ان کے جانے کے بعد وہ اداس سی کچن میں چلی گئی جبکہ کرم داد کے دل کو اسے پریشان کر کے قرار آ گیا تھا شاید...... جتنا وہ اسے تنگ کر رہا تھا اتنا ہی خود بھی تنگ ہو رہا تھا۔ گاڑی چلانے کے دوران حوریہ نے ایک دو بار اس پر نظر ڈالی مگر اسے کسی گہری سوچ میں ڈوبے پایا۔ کنپٹیوں کی رگیں تنی ہوئی تھیں۔ جبڑے کھنچے کھنچے سے تھے۔

''کیا بات ہے ڈارلنگ......؟'' حوریہ نے بازو سے پکڑ کر ہلایا۔

''کچھ نہیں......'' اس نے سختی سے جواب دیا۔

''موڈ کیوں خراب ہو گیا ہے، ابھی کچھ دیر پہلے تو بہت خوشگوار موڈ میں تھے۔'' حوریہ نے گود میں رکھے اس کے ہاتھوں پر اپنا نازک ہاتھ رکھا۔

''وہ بھی خواب تھا اور یہ بھی خواب ہے۔'' ناگواری سے اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے بولا۔

''کیا مطلب......؟'' وہ حیرت سے دیکھنے لگی۔

''اب آپ تو یہ نہ کہیں کہ جیسے کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ جو میں نے کہا ہے وہ آپ جیسی کو فوراً سمجھ آ جاتا ہے۔'' وہ طنزیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''کیا ممکن نہیں کہ ہمارے تعلقات بہتر رہیں؟'' حوریہ نے اٹھلا کر پوچھا۔

''تعلقات...... کون سے تعلقات؟ معاف کیجئے گا، میرے اور آپ کے درمیان ایسے کوئی تعلق نہیں جو بہتر رکھے جائیں۔'' وہ کھردرے انداز میں بولا۔

''ایک دم ہی آپ جناب پر اتر آتے ہو۔'' وہ بناوٹ سے مسکرائی۔

''اپنے اور آپ کے مقام سے واقف ہوں۔''

''تو پھر وہ کیا تھا پارٹی والی رات کو......؟'' حوریہ ہوشیاری سے بولی۔

''وہ...... میری غیرت اور وقار کا مسئلہ تھا اور کچھ نہیں۔'' اس نے مختصراً جواب دیا۔

''میں تمہیں سمجھ نہیں سکی۔'' اس نے اعتراف کیا تو وہ ہلکے سے مسکرا دیا۔

''میں آپ کی سمجھ سے بالاتر ہوں، یہ کوشش نہ کیا کریں، ویسے بھی اس سے آپ کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔''

اس کی بات سن کر وہ لمحہ بھر اس کی طرف دیکھتی رہی، پھر بولی۔ ''کرم، تم بہت دلکش ہو۔ کاش تم میرے ہو سکتے۔'' اس کا حسرت و یاس سے بھرا لہجہ محسوس کر کے اس نے بغور اس کی طرف دیکھا، جیسے کچھ جاننا چاہتا ہو۔

''حوریہ بیگم! آپ کی حسرت سن کر تعجب ہوا ہے۔''

''کاش تمہیں دکھ ہوتا!'' ایک لمحے کو اس کی آنکھوں میں پانی تیر گیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ ضبط سے مسکرانے لگی۔

''مجھے دکھ ہے حوریہ بی بی آپ کی طرح، جیسے اب آپ بے بس ہیں، ویسے ہی میں بھی بے بس

ہوں اور ایک بے بسی کا رشتہ آپ نے مجھ سے باندھا تھا۔" وہ سادگی سے کہہ کر گاڑی کے باہر دیکھنے لگا۔ حوریہ کے چہرے پر تاریک سا سایہ لہرا گیا۔ ایک لمبی آہ لبوں پر آ کر دم توڑ گئی۔

"کاش! میں اس طرح بے بس نہ ہوئی ہوتی۔ کاش میری روح اتنی خالی نہ ہوتی۔" اس نے میں سوچا اور گاڑی کی رفتار مزید تیز کر دی۔

دوسری طرف کرم داد صرف گڑیا کے بارے میں ہی سوچے جا رہا تھا۔ کچھ ہی عرصے میں کی کلی سرسوں کے پھول میں بدل گئی تھی، آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے نمایاں ہو چکے تھے۔ اس کا روپ گہنا گیا تھا، اُداس چہرہ اسے بھی اُداس کر گیا کس قدر دکھ جھلکتا ہے اس کی آنکھوں میں بھولی حسین صورت اداسیوں کا مسکن بن چکی ہے۔ یہ سب تمہاری وجہ سے ہے کرم داد! تم ظ ہو...... ایک چھوٹی سی بھول کی اس کو اتنی بڑی سزا دے رہے ہو، وہ تو معصوم ہے، بھولی ہے، کم نادان ہے، دہکتے انگاروں کو سونا اور جھاگ کو دودھ سمجھتی ہے...... اسے مٹا کر کیا کرو گے؟ ا خیالات نے ہلچل مچائی تو وہ بڑبڑانے لگا۔ "میں نے اسے یہ دکھ نہیں دیئے ہیں بلکہ اس نے محبت کا مذاق اڑایا تھا...... میرے جذبوں کو پامال کیا تھا۔ مجھے برباد کرنے میں اس کا ہاتھ ہے۔ اونچے محلوں کے خواب ذہن میں نہ رکھتی تو میری محبت کو اپنی زندگی بنا لیتی، مگر میری غربت تو ا لئے نفرت کا باعث تھی...... وہ میرے پُرخلوص جذبوں کی اسی لئے قدر نہ کر سکی کیونکہ وہ دن میں جانے والے خوابوں کی تعبیر چاہتی تھی۔ اس نے میرے بڑھتے ہوئے قدموں کو لوٹ جانے کیا۔ کرم داد کو چھوٹے صاحب بننے پر مجبور کیا۔ میں اس کے دیئے ہوئے زخموں کو چاٹ رہا میں اس کی یہ دن میں خواب دیکھنے کی عادت بدل کر رہوں گا......" اس کی بڑبڑاہٹ حوریہ سن کر پر تعجب سے شانے اچکا کر گاڑی پارکنگ کے لئے مناسب جگہ دیکھنے لگی۔

○❖○

دوسری گاڑی پورچ میں نہیں تھی۔ گاڑی لاک کر کے وہ باہر نکلی اور چوکیدار سے پوچھا۔

"رضا صاحب گاڑی لے گئے ہیں کیا؟"

"جی، رضا صاحب اور گڑیا دونوں باہر گیا ہے۔" گلباز خان نے بتایا...... حوریہ سن کر سے آگے بڑھ گئی جب کہ کرم داد کی پیشانی پر ڈھیر ساری سلوٹیں نمودار ہو گئیں۔ سارا خون چ سمت آیا، آنکھیں انگارہ ہو گئیں۔ غصے سے پھنکارتا ہوا باہر لان میں ٹہلنے لگا۔

شام ڈھل رہی تھی جب گاڑی گیٹ کے اندر داخل ہوئی۔ وہ اگلی سیٹ پر بیٹھی تھی۔ رضا کرم داد کو دیکھ کر دانستہ ہنسنے کی کوشش کی اور اس طرح ظاہر کیا کہ گویا دونوں کسی بات پر خو جھٹکے سے دروازہ کھول کر وہ باہر نکلا اور دو ڈبے نکال کر اندر چلا گیا۔ وہ ایک بڑا سا پیکٹ اٹھا کی طرف بڑھی تو وہ آندھی اور طوفان کی مانند سامنے آ گیا۔ اس طرح خونخوار نظروں سے گھو وہ خوفزدہ ہو گئی۔

"گاڑی میں بیٹھنے کا شوق پورا کر لیا...... رضا صاحب کے ساتھ سیر کرنا کیسا لگا؟" وہ شدید مگر دبے ہوئے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ وہ کوئی جواب نہ دے پائی، بس پلکیں جھپکنے لگی تو اسے مزید تاؤ آ گیا۔

"کیا شاپنگ کرائی ہے رضا صاحب نے......؟"

وہ پھر بھی ایک لفظ نہیں بولی۔

"یہ چیزیں تو تمہاری کمزوری شروع سے ہیں۔ ہم بھی چھوٹے صاحب ہیں، ہم سے بھی کوئی فرمائش کرو۔" اس نے لفظوں کی کٹاری سے اس کا دل کاٹ ڈالا۔ تاسف سے وہ صرف ایک نگاہ ڈال کر رہ گئی۔

"کتنی بھولی ہو شکل سے، مگر صاحب لوگوں کو بے وقوف بنانا خوب جانتی ہو۔" اس نے اور زیادہ سفاکانہ رویے کا مظاہرہ کیا تو وہ ہمیشہ کی طرح سسک اٹھی۔ وہ مزید کچھ اور کہتا کہ حمید نے آ کر کہا۔

"رضا صاحب کا پیکٹ دے دو......" اور اس نے شکایتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے ہاتھ میں پکڑا پیکٹ اسے تھما دیا۔ حمید پیکٹ لئے اندر چلا گیا...... کرم داد کچھ شرمندہ سا ہو گیا۔ اس نے تو ابھی لمحہ بھر پہلے شاپنگ کا الزام لگایا تھا مگر یہ دکھ اور غصہ تو اپنی جگہ قائم تھا کہ وہ رضا علی جیسے اوباش انسان کے ساتھ اکیلی باہر گئی تھی۔ کچھ بھی حادثہ پیش آ سکتا تھا۔ اس کی بدفطرت کو وہ اچھی طرح پہچانتا تھا۔ اس کے لئے فکرمند تھا۔ ٹہل ٹہل کر وقت گزار رہا تھا۔ وہ بھی نادان تھی، یہ سمجھ نہیں سکی کہ وہ آخر کیوں ڈانٹ رہا ہے۔ بس آنسو بہاتی ہوئی اندر چلی گئی اور وہ ملول سا پھر آہستہ آہستہ ٹہلنے لگا۔ اس کی جھیل سی آنکھیں جو آنسوؤں سے بھری تھیں، من میں دکھ بھر گئیں۔ اس پر ظلم کرنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ ہر بار اسے خاموشی سے آنسو بہا کر ظالم قرار دے جاتی تھی۔ اس کی خاموشی ہی اس کے ذہن کا بوجھ بن چکی تھی۔

"گڑیا! میں تمہیں کیسے سمجھاؤں کہ تم میرے لئے کیا ہو؟ کبھی تو یہ جاننے کی کوشش کرو، تم معصوم ہو، رضا علی جیسے شیطان کی فطرت سے ناواقف، میں تمہیں ہر بری نظر سے محفوظ رکھنا چاہتا ہوں۔ یہ میری محبت کا تقاضا ہے۔" وہ خود سے باتیں کر رہا تھا۔ اسی لمحے حوریہ اور رضا علی کے زوردار قہقہے نے اسے چونکا دیا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا اندر آ گیا۔ کچن کی کھڑکی سے اس کی پشت پر دیکھتے ہوئے گڑیا نے دوپٹے سے رگڑ کر آنکھیں صاف کیں۔ خوامخواہ ہی اذیت جھیلنی پڑی تھی۔

"میں خود نہیں گئی تھی، مجھے رضا علی مجبور کر کے لے گئے تھے...... وہ مالک بن کر اس گھر میں رہتے ہیں، ان کی بات ماننا میری مجبوری تھی۔" وہ آہستہ سے سرگوشی اپنے آپ سے کر کے رو دی......

حمید بڑی دیر سے اس کی حرکات و سکنات کا جائزہ لے رہا تھا۔ جب اس نازک سی لڑکی کا اداس چہرہ دیکھا نہ گیا تو اس کے قریب آ گیا۔

"گڑیا! کیوں روتی ہو؟ کیا دکھ ہے؟" وہ ہمدردی سے بولا تو بے اختیار ہی آنسو شدت سے امڈ آئے۔

"کچھ نہیں، بس ویسے ہی اماں ابا یاد آ گئے تھے۔" اس نے ہچکی لیتے ہوئے بہانہ بنایا۔

"تو کیا اماں ابا ڈاکٹر صاحب کے پاس ہیں؟" حمید نے دریافت کیا۔

"نہیں، وہ تو مجھے تنہا چھوڑ گئے۔" وہ سچ مچ انہیں یاد کر کے رو دی۔

"اوہ...... اور بہن بھائی کوئی نہیں ہے کیا؟" حمید افسوس سے بولا۔

"دو بہنیں ہیں۔"

"تو کہاں ہیں وہ؟"

"پتہ نہیں، وہ کہاں رہ گئیں۔" وہ کھو سی گئی۔

"کیا مطلب؟"

"وہ اپنی دنیا میں رہ گئیں اور میں دوسروں کی دنیا میں آ گئی۔" اس نے سسکی لیتے ہوئے رگڑیں۔ حمید کو اس دکھی لڑکی پر بہت ترس آیا۔ وہ اس کے آنسو دیکھ کر بے کل سا ہو گیا۔ وہ تو خود اکیلا اور دکھی سمجھتا تھا۔ یہ تو اپنے سے زیادہ دکھی اور پریشان دکھائی دی۔

"اچھا تُو رو نہیں۔ اللہ سب ٹھیک کر دے گا۔" اس نے حوصلہ دینے کی کوشش کی۔

"میں رو نہیں رہی، افسوس کر رہی ہوں کہ میں نے ایسا کیوں کیا؟ کیوں میں تنہا رہ گئی۔" ہوئی آواز میں بولی۔

حمید کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔

"میں تیرے کسی کام آ سکتا ہوں تو بتا۔"

"مجھے کوئی کام ہی نہیں ہے، کچھ نہیں چاہئے۔" آہستہ سے ناک صاف کرتے ہوئے کے کھانے کے لئے لہسن چھیلنے لگی۔ حمید دل ہی دل میں اس کمزور سی لڑکی کے لئے اللہ سے دعا لگا۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اس کو غمگین، پریشان دیکھ کر خود بھی دکھی اور پریشان ہو گیا ہے۔ روز سے وہ اس کھوئی کھوئی سی لڑکی کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ زیادہ حیرت اس بات پر تھی کہ جب اسے روتا دیکھا چھوٹے صاحب کے پاس سے آتے، یا ان کے ساتھ کھڑے دیکھا۔ چھوٹے ایسا سلوک کیوں کرتے ہیں؟ یہ سوال اس کے ذہن میں اسی طرح کلبلا رہا تھا جس طرح یہ سوال رہا تھا کہ کرم داد، حوریہ بی بی کے شوہر ہیں تو وہ علیحدہ کمرے میں کیوں رہ رہے ہیں۔ رضا علی کیوں رہ رہے ہیں؟ دونوں میں میاں بیوی والا رشتہ نظر کیوں نہیں آتا؟ یہ سب باتیں اس سمیت نوکروں میں بحث کا موضوع تھیں۔ ظاہر ہے نوکر بھی گھر کا حصہ ہوتے ہیں اور خاندان کے ہر فرد اس کے مزاج اور عادت سے واقف ہوتے ہیں۔ اس لئے یہاں بھی معاملہ کچھ ایسا ہی تھا......

○❖○

ہسپتال کا کام تیزی سے مکمل ہو رہا تھا۔ کچھ سریے اور سیمنٹ کی ضرورت تھی۔ حوریہ نے کے کرم داد کو خریداری کے لئے بھیجا تھا۔ خود وہ ابھی سو کر اٹھی تھی۔ کسلمندی سے بستر پر پڑی فون بجنے لگا۔

"ہیلو......"

"حد ہو گئی حوریہ، تم تو خیریت دینے سے بھی گئیں۔" شائستہ بیگم کی تنک سی آواز آئی۔

"آنٹی، السلام علیکم!" وہ ہنس کر بولی۔

"وعلیکم السلام، ایسی بھی کیا مصروفیت ہے کہ ٹیلی فون بھی نہیں کر سکتیں۔" شائستہ بیگم بگڑ کر بولیں۔

"سوری آنٹی، ہسپتال کی مصروفیت بہت زیادہ ہے۔ ایک منٹ کی بھی فرصت نہیں۔"

"کتنا کام ہو گیا ہے؟"

"کافی...... کافی حد تک۔ کچھ باقی ہے۔"

"اور سب ٹھیک ہے...... کرم داد ٹھیک ہے؟"

"ہاں، اسے کیا ہونا ہے۔ مجھے ہی اس سے خوف آنے لگا ہے۔" وہ بولی۔

"کیا مطلب......؟"

"وہ بہت اگریسیو ہے آنٹی...... ایک رات تو میرا بھرم ہی کھلنے لگا تھا۔"

"کیا...... کیا کہہ رہی ہو...... پھر کیسے قابو پایا......؟" شائستہ بیگم متفکر سی بولیں۔

"بس کچھ منت کی۔ ویسے اسے خود انٹرسٹ کوئی نہیں ہے، بس غصے میں آ گیا تھا۔"

"خیال رکھا کرو۔ خدانخواستہ اسے کمزوری مل گئی تو ہمیں رسوا کر سکتا ہے۔" شائستہ بیگم نے سمجھایا۔

"کوشش تو کرتی ہوں کہ وہ دور دور لاتعلق سا رہے اور اپنے کام سے کام رکھے۔ میں رضا علی کے ساتھ انجوائے بھی اسی لئے کرتی ہوں تا کہ وہ چڑ کر دور رہے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ تم اسے چڑانا کیوں چاہتی ہو؟ جب اس کو شوہر کا مقام دیا ہے تو تسلیم بھی کرو، رضا علی کے تم قابل ہوتیں تو پہلے اسے اپنایا جا سکتا تھا۔ اب تمہارا اس سے میل جول سچ پوچھو تو مجھے بھی پریشان کرتا ہے۔ اسے قریب رکھنا ٹھیک نہیں...... تمہارے انکل دن رات مجھے برا بھلا کہتے ہیں۔" شائستہ بیگم نے تنبیہہ والے انداز میں کہا۔

"تو آپ کا کیا خیال ہے کہ میں جیتے جی مر جاؤں، لائف انجوائے کرنا چھوڑ دوں، صرف کرم داد کا ہو کر بیٹھی رہوں؟" وہ بیزاری سے بولی۔

"لائف انجوائے تو کرنے کا اب سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، جو اس کی گنجائش ہوتی تو میرا خیال ہے تم کرم داد کو ملازم سے اٹھا کر شوہر نہ بناتیں۔ اب انجوائے کرنے کو باقی کیا بچا ہے؟" شائستہ بیگم نے تنکی سے جواب دیا۔

"آنٹی! آپ بھی طنز کر رہی ہیں، میں اپنے نقصان پر کیا خود خوش ہوں؟ کیا پشیمان نہیں ہوں؟" وہ روہانسا ہوتے ہوئے بولی۔

"میرا یہ مطلب نہیں ہے حوریہ، سمجھا کرو۔ میں دشمن نہیں ہوں تمہاری۔ رضا علی کے قدم زیادہ

بڑھ گئے تو واپس لوٹنے مشکل ہو جائیں گے۔ ایسے میں کوئی بھی سانحہ پیش آ سکتا ہے۔ کرم مخلص ہے۔'' شائستہ بیگم نے کچھ نرمی سے کہا۔

''کرم داد کو مجھ سے کوئی غرض نہیں، وہ تو الگ کمرے میں رہ رہا ہے۔ پھر میں کیوں کروں، لوگوں کے لئے رشتہ بنایا تھا، لوگوں کے لئے ہے۔'' وہ بولی۔

''دیکھو حوریہ! یہ تمہاری سوچ مناسب نہیں، تم فوری طور پر رضا علی کو واپس بھیجو، اس کے کئی بار منہ بنا کر گلہ کر چکے ہیں کہ آپ کی بھتیجی نے ہمارے بیٹے کو روک رکھا ہے۔ وہ غیر ذمہ ہے، کام کاج سے دور ہو گیا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ تم اسے روانہ کرو۔'' شائستہ بیگم نے کہا۔

''ٹھیک ہے...... میں اسے کہہ دوں گی۔ آگے آنا نہ آنا اس کی مرضی پر ہے۔''

''حوریہ میری جان! رشتے بنانا آسان ہوتا ہے، نبھانا مشکل۔ اور رشتوں کی نزاکت کا کرنا سیکھو، میرے لئے اور اپنے لئے کوئی نئی مشکل کھڑی نہ کرو۔''

''آپ کچھ بھی کہیں، کرم داد سے میرا رشتہ چاہوں بھی تو کچھ اور نہیں قائم ہو سکتا۔''

''جانتی ہوں، مگر یہ برائے نام رشتہ دنیا دکھاوے کے لئے اب قائم رکھنا ضروری ہے۔ با ہی تم شادی نہ کرتیں، اس وقت تم نے من مانی کی، اب معاشرے میں ہماری کچھ عزت ہے، کہیں گے۔'' شائستہ بیگم نے دھیرے دھیرے سمجھایا۔

''اچھا ٹھیک ہے، خیال رکھوں گی۔ آپ چکر لگائیں لاہور کا۔''

''تمہارے انکل کو فرصت ملی تو چکر لگائیں گے۔'' انہوں نے کہا۔

''او کے، اللہ حافظ۔'' اس نے کہا۔

''اللہ حافظ۔'' شائستہ بیگم نے کہا اور فون رکھ دیا۔ وہ فون بند کر کے مڑی تو ٹھٹکی۔ کرم داد جیبوں میں ہاتھ ڈالے عجیب طنزیہ نظروں سے مسکرا کر دیکھ رہا تھا۔

''کب آئے ڈارلنگ؟'' وہ ایک دم بوکھلاہٹ دور کرنے کی خاطر ادا سے مسکرا کر بولی۔

''فکر نہ کرو حوریہ بیگم! کچھ ہی دیر پہلے آیا ہوں۔'' وہ بولا اور اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ چرانے لگی۔

''پتہ ہی نہیں چلا۔''

''مجھے بہت کچھ پہلے سے پتہ ہے، آج کا غم نہ کرو۔'' وہ سریے اور سیمنٹ کا بل اس کے اچھالتے ہوئے باہر نکل گیا اور وہ تاسف سے ہونٹ چبانے لگی۔ دل پریشان ہو گیا کہ نہ کب سے کمرے میں موجود تھا، اور کیا کیا سنا ہے اس نے۔ مگر اس پریشانی کا جواب کوئی نہیں کے پاس۔

○✣○

''حوریہ ڈیئر! مجھے جانے دو، میں پھر آ جاؤں گا۔'' رضا علی نے کہا۔

''ٹھیک ہے، مگر جلد واپس آنا۔'' حوریہ ناخنوں پر کیوٹکس لگاتے ہوئے بولی۔

''آل رائٹ، تو پھر آج شام کو میں نکل جاؤں۔''

''ٹھیک ہے بابا جاؤ، میں تو فی الحال ڈاکٹر شینا کی طرف جا رہی ہوں، لنچ ہے وہاں۔ دیر ہو جائے تو بے شک چلے جانا۔'' وہ ادا سے بل کھا کر اٹھی، ساڑھی کا پلو ٹھیک کیا تو رضا علی لمبی سانس بھر کے رہ گیا۔ وہ مخمور نگاہ ڈالتی ہوئی پرس اور گاڑی کی چابی اٹھا کر باہر نکل گئی۔ رضا علی نے کچھ فاصلے پر کھڑی صفائی کرتی گڑیا کو آواز دی۔

''گڑیا...... گڑیا......!''

''جی صاحب جی۔'' وہ فوراً ڈسٹر رکھ کر آ گئی۔

''ایک تو تمہارا نام بڑا ڈیلیکیٹ ہے۔'' وہ بولا۔

''جی کیا ہے صاحب جی؟'' وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے پلکوں کی جھالریں اٹھا کر بولی۔

''میرا مطلب ہے کہ تمہارا نام بڑا عمدہ ہے بلکہ تم خود بھی غضب کی چیز ہو۔ کسی شیشے کے بکس میں محفوظ رکھنے کی چیز۔'' رضا علی اس کے حسین سراپا پر نظر ڈالتے ہوئے بولا۔

''صاحب جی! نام میں کیا رکھا ہے، ماں باپ نہ جانے کیا سوچ کر یہ نام رکھ دیا۔ قسمت میں تو دھکے لکھے تھے۔'' وہ آہستہ سے بھولپن سے بولی۔

''ارے نہیں نہیں...... تم خوامخواہ پریشان رہتی ہو...... میرا بس چلے تو تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں۔'' وہ کیف و مستی لٹاتے ہوئے بولا۔

''آپ بتائیں، کیا کام تھا؟''

''میرا سامان پیک کر دو اور ذرا آیوڈیکس لیتی آنا، رات سے گردن میں کھنچاؤ سا ہے۔'' اس نے کہا تو وہ گردن ہلا کر پہلے آیوڈیکس لینے چلی گئی۔ جونہی وہ واپس آئی تو اس نے شرٹ کے پہلے تین بٹن کھول کر شرٹ کندھوں سے نیچے کر لی اور کرسی کی پشت سے لگا کر اسے آیوڈیکس لگانے کو کہا۔ وہ خاموشی سے کرسی کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔ آیوڈیکس اس کی گردن پر لگا کر نرم و نازک انگلیوں سے مالش کی کرنے لگی۔ اس کی انگلیوں کے لمس سے اس کی روح تک جھنجنا اٹھی۔ پورے وجود میں سرور سا پھیل گیا۔ نیم وا آنکھ سے اسے دیکھا۔ الجھے الجھے بے ترتیب بال چہرے پر بکھرے ہوئے تھے۔ بنا کاجل کے اداس آنکھیں، بغیر کسی غازے اور لپ اسٹک کے انتہائی معصوم اور سادہ حسن کا شاہکار دکھائی دے رہی تھی۔ وہ خاموشی سے اپنے کام میں مصروف تھی۔ رضا علی نے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے پر بکھرے بال ہٹائے تو وہ چونکی۔

''ہماری طرف دیکھو گڑیا۔'' وہ ہونٹ کاٹتے ہوئے بولا۔

''جی آپ بہت اچھے ہیں۔'' وہ بے اختیار ہی جلدی سے یہ کہہ گئی۔

''اچھی تو تم ہو، سب سے اچھی۔''

اسی سے کرم داد آ گیا۔ اسے اس طرح کھڑا دیکھ کر رضا کے پھیلے ہوئے ہاتھ کو دیکھ کر وہ روم سلگ اٹھا۔ آنکھیں چنگاریاں برسانے لگیں۔ گڑیا نے جانے کے لئے قدم بڑھائے تو وہ

"گڑیا! ہمارے جوتے اتارو۔" اس نے تحکم سے کہہ کر صوفے پر بیٹھ کر پاؤں پھیلا دیئے۔ وہ مردہ قدموں سے چل کر فرش پر بیٹھ گئی اور جوتے کے تسمے کھولنے لگی۔ رضا علی غصہ دبا کر اٹھ کر چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی اس نے زور سے ٹھوکر ماری، وہ دور فرش پر جا گری۔

"کیا رضا صاحب کے سحر میں گرفتار ہو، تسمے نہیں کھل رہے؟" وہ گرج کر بولا۔

"چھوٹے صاحب تسمے تو کھل چکے ہیں۔" وہ ڈری ڈری سی بولی۔ اس نے جوتوں کو دیکھا۔ واقعی جوتے کھلے ہوئے تھے۔ مگر اس نے تو جان بوجھ کر لات ماری تھی۔ رضا علی کو دیکھ کر تو تن بدن میں آگ لگ گئی تھی۔

"رضا صاحب کے ساتھ تمہارا وقت بہت اچھا گزرتا ہے۔" اس نے دھیرے سے کہا۔

"چھوٹے صاحب وہ تو اچھے ہیں۔" اس کے منہ سے جملہ پھسلتے ہی وہ شیر کی طرح بپھر گیا۔

"ہاں، وہ بہت اچھے ہیں...... ہر امیر دولت مند تمہیں اچھا لگتا ہے۔ صاحب لوگ کز... تمہاری۔" وہ بڑبڑایا...... وہ ویران نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"منہ کیا دیکھ رہی ہو، جوتے اتارو۔" وہ اکڑ کر بولا...... تو وہ جلدی سے پھر جوتے لگی...... جوتے اتار کر سوالیہ نظریں اس کی طرف اٹھائیں تو وہ ایک ٹک اسی کو دیکھ رہا تھا۔ نظر تصادم پر بوکھلا گیا۔

"جرابیں بھی اتارو اور ٹب لے کر آؤ، نیم گرم پانی لاؤ۔ ہمارے پاؤں دھلواؤ۔" وہ بے نیازی سے بولا۔ وہ چپ چاپ اٹھ کر چلی گئی۔ اس نے غصے سے مکا میز پر مارا۔ "کس قدر صبر کا مادہ ہے اس بے وقوف میں...... غصہ کیوں نہیں آتا؟...... شکوہ لبوں پر کیوں نہیں آتا؟" کے انداز میں وہ بول رہا تھا۔

"چھوٹے صاحب......" وہ تھوڑی ہی دیر میں ٹب، گرم پانی اور تولیہ لے کر آ گئی۔ اس ٹب میں رکھ کر پانی ڈالا اور اپنے سفید نازک ہاتھوں سے مسلنے لگی۔ کرم داد کی دل کی برداشت ہو رہی تھی۔ بہت سا پیار اس کی معصومیت پر آنے لگا۔ کتنا ضبط اور صبر تھا اس میں شکوہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھتی تھی۔ بہت کوشش سے وہ ضبط کر کے رہ گیا۔ آنکھیں جب وہ تولیے سے پیر خشک کر رہی تھی تو اس نے ندامت سے پیر کھینچ لئے۔ اپنے اس سلوک پر ہونے لگا۔ وہ تو نئے حکم کی منتظر دو زانو بیٹھی تھی۔

"جاؤ، چلی جاؤ یہاں سے......" وہ ایک دم چلایا۔ وہ گئی اور پھر سلیپر لا کر اس کے پیروں کے رکھ دیئے۔ یہ دوسرا انتہائی بھرپور وار تھا اس کے دل پر...... وہ آنکھیں بند کر کے خود کو ملامت لگا۔ وہ سب چیزیں اٹھا کر واپس چلی گئی۔ اسے پھر ایک نئی اذیت دے گئی۔ وہ تو اسے غصہ دلا لئے یہ سب کر رہا تھا۔ مگر ہر بار اس کی خاموشی اور چپ اسے مات دے دیتی۔ اس طرح یہ سلسلہ وبال ہوتا جا رہا تھا۔ ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا تھا...... وہ جلد سے جلد اس قید سے رہائی چاہتا تھا مگر وہ انجان بنی اس کے ہر احساس سے عاری تھی۔ جو کچھ ہو رہا تھا اس پر نہ کوئی گلہ کرتی اور نہ شکایت۔

○❖○

"کھانا بہت مزیدار تھا۔" کھانے سے فارغ ہو کر ڈرائنگ روم سے باہر آتے ہوئے حوریہ نے ڈاکٹر شینا سے کہا۔

"تھینک یو۔" ڈاکٹر شینا نے مسکرا کر کہا۔

"ویسے میرا خیال تھا کہ آپ نے کچھ اور مہمان بھی انوائیٹ کئے ہوں گے۔" ڈرائنگ روم میں پڑے صوفے پر بیٹھتے ہوئے وہ بولی۔

"نہیں، یہ کھانا اسپیشلی آپ کے لئے تھا۔" ڈاکٹر شینا نے کہا اور اس کے قریب ہی صوفے پر بیٹھ گئی۔

"تھینک یو سو مچ، مگر میرے لئے خاص کیوں......؟"

"صاف طور پر کہوں کہ جھوٹ بولوں......؟" ڈاکٹر شینا نے پوچھا۔

"شینا! میرا خیال ہے سچ بولو۔"

"بس ایک خاص کام ہے تم سے، اس لئے مناسب سمجھا کہ کھانے پر بلاؤں۔" شینا نے کہا۔

"کام...... خیر تو ہے شینا جی؟" حوریہ نے ہنس کر کہا۔

"پہلے میں چائے کا کہہ کر آتی ہوں۔" شینا نے کہا تو اس نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

شینا کے جانے کے بعد وہ تنقیدی نظروں سے ڈرائنگ روم کا جائزہ لینے لگی۔ انتہائی عالیشان طریقے سے ڈرائنگ روم کو آراستہ کیا گیا تھا۔ ہر چیز قیمتی اور دیدہ زیب تھی۔ وہ گھر کے مکینوں کے ذوق کی دل ہی دل میں داد دینے لگی۔ اسی اثنا میں شینا واپس آ گئی۔

"اب بولو، کیا کام ہے؟"

"حوریہ! میرا ایک بھائی ہے، مجھ سے چھوٹا۔ ہم دو بہن بھائی ہی ہیں۔ میں بڑی اور عمیر چھوٹا۔ عمیر مجھ سے عمر میں تو چھوٹا تھا ہی مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے ذہن کو بھی چھوٹا رکھا۔ اس کی جسمانی نشوونما تو ہوئی مگر ذہنی سطح بچوں کی سی ہی رہی۔ حسین و جمیل نوجوان دیکھنے والوں کو ایک ٹک دیکھنے پر مجبور کر دیتا ہے لیکن اس کی معصوم چھوٹے بچوں جیسی باتیں اس کی شخصیت کا سارا بھید کھول دیتی ہیں۔ پاپا نے اس کا بہت علاج کرایا، ملک میں بھی، بیرون ملک بھی۔ پاپا، مما، میں اسے ہر جگہ لے گئے مگر معمولی کی بحالی کے سوا کوئی بہتر نتیجہ نہ نکل سکا۔ عمیر کو مستقل ایک ساتھی کی، مددگار کی ضرورت ہوتی ہے جو اس کی بات سمجھ سکے، اس کے ساتھ کھا سکے، بول سکے، کھیل سکے...... مما، پاپا کی حادثاتی موت کے بعد میرے لئے اس کی دیکھ بھال بہت مشکل ہو گئی ہے۔ مجھے کسی نے مشورہ دیا ہے کہ عمیر کی

شادی کر دو۔ اس سلسلے میں، میں نے بہت سے لوگوں سے کہا مگر بے سود۔ ظاہر ہے کوئی لڑکی نہیں دے سکتی۔ تمہاری نوکرانی، بہت کیوٹ ہے، بھولی سی ہے، بڑی پیاری پیاری باتیں کرتی۔ پارٹی والی رات کو اس سے مل کر مجھے ایسا لگا کہ وہ عمیر کے ساتھ رہ سکتی ہے، اسے خوش رکھ سکتی۔ اس کی باتیں بھی معصومیت سے بھرپور تھیں......اس لئے......"

"مگر شینا، یہ تو سراسر زیادتی ہے۔ وہ معصوم ضرور ہے، مگر معذور نہیں۔" حوریہ نے سنجیدگی سے اس کی بات کاٹی۔

"زیادتی کیسی؟ اتنے بڑے گھر کی بہو بننے کا تو اس نے تصور بھی نہیں کیا ہوگا؟"

"شینا! تم ایک ڈاکٹر ہو۔ میری طرح سوچو کہ کیا عمیر کے ساتھ کوئی لڑکی رہ سکتی ہے؟ یہ تو شرعاً، اخلاقاً ہر لحاظ سے زیادتی ہے۔" حوریہ نے کہا۔

"اوہو، ایک ملازمہ سے اتنی ہمدردی......!" شینا نے طنز کیا۔

"بات ہمدردی کی نہیں ہے۔ وہ بے چاری معصوم سی ہے۔" حوریہ ہمدردی سے بولی۔

"دیکھو اس میں برائی کوئی نہیں ہے۔ اتنے بڑے گھر کی عزت بن کر رہے گی۔"

"اور تمہاری عزت پر کوئی حرف نہیں آئے گا کیا؟ لوگ کہیں گے کہ ایک نوکرانی کو بہو بنالیا۔"

"ہم بتائیں گے ہی نہیں، ویسے بھی اس کی شکل اتنی اچھی ہے کہ اچھے لباس سے وہ ہمارے اسٹیٹس کی لگے گی۔" شینا نے منصوبہ بندی بھی کرلی۔

"اچھا، کروں گی آنٹی سے بات......گڑیا سے بات۔"

"وعدہ کرو، یہ کام کراؤ گی۔" شینا نے اصرار کیا۔

"نہیں وعدہ نہیں، کوشش ضرور کروں گی۔ اگر ایسا نہ ہو سکے تو ناراض مت ہونا۔" وہ صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"چلو ٹھیک ہے، اب کوشش ضرور کرنا۔" شینا بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"او کے بائے۔" حوریہ یہ کہہ کر باہر نکل آئی۔ گاڑی گیٹ سے باہر نکالتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی کہ ایسا کیسے ممکن ہے۔ ایک معذور شخص کے ساتھ نامکمل، ادھورے شخص کے ساتھ ایک مکمل صحت مند لڑکی زندگی گزارے۔ نرم گرم جذبوں کو ابدی نیند سلا کر، مٹی کی مورت بن جائے۔

"نہیں حوریہ! تم یہ تکلیف محسوس کر سکتی ہو، تم ادھوری ہو، اس کے باوجود تمہارے اندر سرکش جذبے سر اٹھاتے ہیں۔ ان کا دبانا یا سلانا مشکل ہوتا ہے۔ پھر بھلا تم کیسے ایک معصوم سی لڑکی کو زندہ درگور کرنے کی حماقت کر سکتی ہو؟ نہیں، یہ ظلم ہے۔" اس نے اسی لمحے فیصلہ کیا اور گاڑی کی رفتار تیز کر دی۔

O✣O

رضا علی کے جانے کے بعد کرم داد نے سکون کا سانس لیا تھا۔ اب وہ بے فکر ہو کر دورہ کرنے چلا جاتا۔ تعمیر کا جائزہ لے لیتا۔ مارکیٹ کے معاملات دیکھ لیتا۔ کیونکہ وقت بھی تو گزر...

...مطلوبہ مقصد پورا نہیں ہوتا اسے حوریہ کے ساتھ رہنا تھا۔ یہ کاغذی رشتہ نبھانا تھا۔ حوریہ خود بھی آنٹی کے کہنے کے مطابق کچھ نرمی سے پیش آرہی تھی۔ رضا علی کی موجودگی میں زیادہ اکڑ اور رعب کا مظاہرہ کرتی تھی۔ اب جبکہ وہ جا چکا تھا تو نارمل انداز میں رہتی تھی۔ مصروفیت زیادہ تھی۔ کئی روز سے کرم داد سے کچھ کہنا چاہ رہی تھی مگر وہ ہر بار اتنی تیزی سے کھسک جاتا کہ بات وہیں کی وہیں رہ جاتی۔

آج اسے کہیں باہر نہیں جانا تھا، ناشتے سے فارغ ہو کر وہ لان میں چلی گئی۔ سنہری دھوپ چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ سردی کی شدت میں کافی کمی لگ رہی تھی۔ اس نے شانوں سے چادر بھی اتار کر کرسی پر ڈال دی اور بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے دھوپ کا لطف اٹھانے لگی۔ اسی وقت کرم داد کہیں جانے کے لئے باہر نکلا تو اس نے آواز دے کر بلا لیا۔ وہ چند لمحے کھڑا سوچتا رہا پھر مردہ قدموں سے چل کر اس کے قریب آگیا۔

"جی فرمائیے......؟"

"اوہو! کبھی تو خوشگوار موڈ میں بات کرلیا کرو۔" وہ پیار سے بولی۔

"میرا موڈ خوشگوار ہی ہے۔ اصل بات کریں۔" وہ اُکھڑا اُکھڑا سا بولا۔

"پہلے بیٹھو تو سہی، پلیز بیٹھو۔" اس نے کہا ہی اتنے اصرار سے کہ وہ بیزار سا کرسی پر ٹِک گیا۔

"کرم داد! شاید تم اب تک خفا ہو مجھ سے۔"

"اب تک سے کیا مراد ہے حوریہ بی بی...... یہ سلسلہ تو مستقل ہے۔ جب تک بھی قائم رہا اسی طرح رہے گا۔" وہ صاف دوٹوک لہجے میں بولا۔

"تو گویا تم یہ رشتہ ختم کرنا چاہتے ہو۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"چاہتے کیا ہو؟ کیا مطلب ہے حوریہ بی بی، یہ رشتہ تھا ہی کب۔ یہ تو سمجھوتا ہے۔" وہ تمسخرانہ انداز میں ہنستے ہوئے بولا۔

"تم نے سمجھوتا کیا تھا کیا؟" وہ نظریں چراتے ہوئے بولی۔

"صرف میں نے ہی نہیں، تم نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔" وہ نظریں ملاتے ہوئے بولا۔

"میری محبت سمجھوتا نہیں ہے کرم داد!" وہ معصوم بن کر بولی۔

"اوہ! اب سمجھا، جھوٹ اور بناوٹ سے کب تک کام چل سکتا ہے؟" وہ ہنسا۔

"یہ جھوٹ نہیں ہے، میں واقعی تم سے محبت کرتی ہوں۔"

"بس بس حوریہ بی بی! بس کریں، یہ لفظ میرے لئے استعمال نہ کریں۔" وہ اکتا کر بولا۔

"کیوں نہ کروں؟"

"اس لئے کہ یہ...... یہ میں بھی آپ کے لئے استعمال نہیں کرتا۔" وہ جھنجھلا کر کہہ گیا۔

"میں پھر بھی یہ لفظ تمہارے لئے استعمال کرنا چاہتی ہوں۔"

"یہ آپ کا مسئلہ ہے، میرا نہیں۔"

"اچھا پلیز، اب میری بات مان لو۔ حمید سے کہہ کر سامان میرے کمرے میں رکھواؤ۔" وہ اصرار کرنے لگی۔ وہ منہ موڑ کر کچھ سوچنے لگا۔ اس وقت گڑیا موبائل فون لئے اسی طرف آتی دکھائی دی، وہ کچھ سوچ کر واپس حوریہ کی طرف متوجہ ہوا۔ گڑیا نے فون حوریہ کو پکڑایا تو وہ فوراً بولا۔

"گڑیا! میرا سامان فوراً بیگم صاحبہ کے کمرے میں رکھ دو، ہماری بیگم کی بات تو ہم ٹال نہیں سکتے۔" اسے جلانے کے لئے وہ خاص مرچ مسالا لگا کر بولا تھا جس کا اثر گڑیا کے دل پر تو پڑا مگر چہرے پر وہی خاموشی اور لاتعلقی چھائی ہوئی تھی۔

"کیا آواز نہیں نکل رہی حلق سے؟" حوریہ کو فون پر مصروف پا کر وہ ذرا زور سے بولا۔ اس کی خاموشی پر جو آگ دل میں لگی تھی اس کا اظہار بھی بہت ضروری تھا۔

"چھوٹے صاحب! میں جا کر ابھی سامان اٹھا کر بی جی کے کمرے میں رکھ دیتی ہوں۔" وہ جلدی سے بولی۔

"کیا چھوٹے صاحب، چھوٹے صاحب کی تکرار کرتی ہو، دفع ہو جاؤ، جا کر کام کرو۔" چھوٹے صاحب سنتے ہی وہ آگ بگولا ہو گیا۔ حوریہ نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر اس کی طرف دیکھا اور خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ گڑیا تو اندر چلی گئی اور وہ پاؤں پٹختا ہوا باہر جانے کے لئے پورچ کی طرف بڑھ گیا۔ اسے نہیں اندازہ تھا کہ معصوم سی گڑیا اس کے کمرے میں پہنچ کر زار و قطار روئے گی۔ سامان سمیٹتے ہوئے ایک ایک چیز چوم چوم کر روئے گی۔ اپنی بے بسی اور بیچارگی کے اظہار کا اس سے بہتر طریقہ کوئی تھا ہی نہیں۔ اپنے اندر کا دکھ باہر نکال کر ہی کچھ طبیعت بحال ہوتی تھی۔ پلکوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر موتی اس کے کپڑوں میں جذب ہو رہے تھے کہ وہ واپس کچھ کمرے سے لینے کے لئے آ گیا۔ اسے اس طرح سسکتا دیکھ کر ٹھٹک سا گیا۔ دل میں ایک قرار سا اتر گیا کہ وہ بے وجہ اس کے کپڑے سینے سے لگائے نہیں کھڑی تھی۔ مگر پھر بھی اسے مزید ستانے کے لئے وہ آگے بڑھا اور لہجے سے اس کا جگر چیر ڈالا۔

"یہ کپڑے پسند آ گئے ہیں تو لے لو، میرے پاس تو بے شمار کپڑے ہیں۔" چوری پکڑی گئی تو حیران پریشان کھڑی رہ گئی۔

"مم...... میں...... وہ......"

"معلوم ہے، تمہیں ایسے کپڑے اچھے لگتے ہیں، لے لو۔" وہ اس کی پریشانی سے لطف لیتے ہوئے بولا۔ "سفید کرتے شلوار میں بڑا سا سیاہ دوپٹہ اوڑھے روئی روئی سی، بھیگی آنکھوں کے ساتھ بے تحاشا حسین لگ رہی تھی۔ سیدھی دل میں اتر جانے کے قابل۔ وہ ڈول سا گیا مگر پھر ضبط کر کے وہ واپس چلا گیا اور ایک بار پھر وہ اپنی بے بسی پر رو پڑی۔

○❖○

ایک روح تک اتر جانے والا سناٹا...... دل چیر ڈالنے والا لمحہ اس کی رگ و پے میں سرایت کر گیا۔ اسٹیئرنگ پر ہاتھ جمائے، ہونٹ چباتے ہوئے وہ اسی جاں گسل لمحے کی گرفت میں تھا۔ دل میں طمانیت بھرا سکون بھی پیدا ہوا تھا۔ مگر ساتھ میں بے کل کر دینے والا کرب بھی شریانوں میں دوڑنے لگا تھا۔ کس قدر ستم ڈھاتا تھا، سلگتا ہوا دل اس معصوم سی لڑکی پر۔ کتنی ندامت ہو رہی تھی یہ جان کر کہ وہ تنہائی میں لباس سے لپٹ کر اپنے جذبوں کو بیان کرتی ہے، اس کے دل کے نہاں خانوں میں اس کا احساس موجود تھا......

"اُف میرے خدا! یہ کیسی آگ ہے جس میں ہم دونوں جل رہے ہیں...... کوئی بجھانے والا نہیں۔ وہ بھی جل رہی ہے، دبی دبی آگ میں، میرا سرمایہ حیات سلگ رہا ہے۔" اس نے زور سے اسٹیئرنگ پر مکا مارا اور لمبی سی آہ لبوں پر آ کر دم توڑ گئی۔

"گڑیا! کاش تم مجھ سے محبت کا اظہار کر سکتیں۔ تم نے مجھے بہت ستایا ہے، اجنبی جزیرے پر اتارا ہے مجھے۔ تمہیں نہیں معلوم کہ تمہاری حقیقت کیا تھی اور کیا ہے؟ دنیا کے رنگوں میں تم نے میری محبت کے رنگ مٹا ڈالے، اے کاش! تمہاری معصوم سوچ کا میں حصہ ہوتا، میرے جذبوں کا تم نے تمسخر نہ اڑایا ہوتا۔ میں تمہیں سمیٹ لینا چاہتا تھا، تمہیں تمہاری سوچ سے بھی زیادہ پیار دیتا، مگر تمہاری سادگی نے پیار کی چاہ نہ کی۔ میرے سب خواب ملیامیٹ کر دیئے، رنگ و بو کی دنیا میں رہنے کی خواہش میری بیماری بن گئی۔ مجھے تم نے برباد کیا ہے، مجھے سخت قدم اٹھانے پر مجبور کیا ہے...... اب کیوں روتی ہو؟" ایک دم ہی اس کے دماغ کی رگیں تن سی گئیں۔ غصہ چہرے پر اتر آیا۔

محبت کے درد سے تڑپنے والا کرم داد، صرف اور صرف انا پرستی کا شکار ہو چکا تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو گڑیا کو اپنے کپڑوں سے لپٹ کر روتا دیکھتے ہی اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیتا۔ محبت کے اعتراف کے لئے تو اتنا بھی کافی تھا۔ مگر وہ تو اس کو قدموں پر جھکانا چاہتا تھا، اس سے کھلم کھلا اقرار چاہتا تھا۔ وہ ڈری ڈری، سہمی سہمی سی لڑکی کر نہیں پا رہی تھی۔ یہ دکھ، کرم داد کو ستاتا تھا، وہ اس کو بے حس اور لاتعلق سمجھتا تھا، رات دن کچوکے لگاتا تھا مگر وہ پتھر کی سل بنی ہر بات سہے جا رہی تھی۔ آج پہلی بار...... پہلی بار وہ چونکا تھا۔ کئی گھنٹے گزر گئے تھے سڑکوں پر مارا ماری کرتے ہوئے۔ بے وجہ ہی وہ چونک رہا تھا۔ سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا تھا؟ وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ کل کی گڑیا اور آج کی گڑیا میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ جو سبق اس کو اس کے والدین نہ پڑھا سکے وہ وقت

نے بڑھا ڈالا تھا۔ اب وہ کچی عمر میں مچلنے والے جذبوں اور کھلبلی پیدا کرنے والی خواہشات سے نکل گئی تھی۔ بہت بڑی سزا پائی تھی اس نے معصوم خواہشات کی وجہ سے۔ سب کچھ گنوا دیا تھا تھوڑا پانے کی آرزو میں۔ اس کا معصوم ذہن مفلوج ہو چکا تھا، آنکھوں میں خاموشیاں اتر چکی تھیں، لبوں پر سسکیوں نے ڈیرے جما لئے تھے، ہر دم اٹھلانے والی گڑیا کب کی بکھر چکی تھی۔ عجیب بات یہ تھی کہ اسے خود بھی پتہ نہ چلا کہ کب وہ کرم داد کو سوچنے لگی؟ جب سوچا تو بہت سا فاصلہ درمیان آ چکا تھا۔ فاصلہ عبور کرنا بس میں نہیں تھا اس لئے لب سی لئے۔ کرم داد کو گلہ تھا کہ وہ خود غرض ہے، زر پرست ہے، دولت کے پیچھے بھاگنے والی پاگل لڑکی، جو چکا چوند کو زندگی سمجھتی ہے، جو انسانوں کو ایک ہی زاویے سے دیکھتی ہے۔ جس کے ذہن میں، دل میں محبت کی میٹھی میٹھی مہک کی جگہ چھوٹے صاحب کے لباس کی مہک رچی بسی ہے، جس کی آنکھوں میں شوخ اشاروں کی جگہ چھوٹے صاحب کے دلکش سراپا کے عکس جھلملاتے ہیں۔ وہ سحر زدہ لڑکی ہے۔ صرف امارت کے سحر میں گرفتار۔ وہ خیالی میں پاگلوں کی طرح چلایا...... یہ تو ٹریفک کا شور شرابہ تھا جو کسی نے اس کی آواز نہیں سنی۔

اس نے غور سے چاروں طرف دیکھا۔ کشادہ سڑک پر خواہ مخواہ ہی گاڑی دوڑا رہا تھا۔ دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے کیسٹ پلیئر کا بٹن دبا دیا۔ نصرت فتح علی خان کی مسحور کن آواز کے زیر و بم میں کھو گیا۔ گاڑی کی رفتار آہستہ کرتے ہوئے وہ بغور سن رہا تھا۔ ناصر کاظمی کے احساسات اس کے احساسات کی عکاسی کر رہے تھے۔

غم ہے یا خوشی ہے تُو
میری زندگی ہے تُو
میری رات کا چراغ
میری نیند بھی ہے تُو، میری زندگی ہے تُو
میری ساری عمر میں
ایک ہی کمی ہے تُو، میری زندگی ہے تُو
میں تو وہ نہیں رہا، ہاں مگر وہی ہے تُو
میری زندگی ہے تُو
غم ہے یا خوشی ہے تُو میری زندگی ہے تُو

''خوشی ہے تُو، میری پہلی اور آخری خوشی۔'' وہ بڑبڑایا۔ اس کے اندر دور تک سرور سا چھا گیا۔ دل نے اٹھلا کر شکایت کی۔

''اپنی خوشی کے ساتھ ایسا سلوک کیوں ہے؟''

''محبت کے اعتراف کے لئے، ایک اس کے اظہارِ وفا کے لئے ہی تو بھٹک رہا ہوں۔ پہلے اس کی تلاش تھی، جستجو تھی۔ اب اسے تلاش کرنا ہوگا، مجھے پکارنا ہوگا۔ میرے پورے وجود نے تو

اختیار کرلی ہے۔ ہر لمحہ، ہر آہٹ پر اس کا گمان ہوتا ہے، اسے سچ مچ آنا ہوگا۔'' اس نے سرگوشی میں اسے جواب دیا تو چاروں طرف اس کا چہرہ دکھائی دینے لگا۔

''کرم داد! میں آ گئی ہوں...... اپنے بازو کھولو...... کھولو......'' اس کے پکارنے پر اس نے اسٹیئرنگ چھوڑ کر بازو پھیلا دیئے۔ بے خیالی میں وہ بازو پھیلائے اسے دیکھ رہا تھا۔ خوش بختی تھی کہ سڑک سنسان تھی، شہر سے کافی باہر نکلنے کی وجہ سے کسی حادثے کا شکار نہیں ہوا۔ کچھ دیر بعد قریب سے گزرنے والی ایک گاڑی سے ایک صاحب چلا کر بولے۔

''میاں! سڑک پر کرتب دکھانے نکلے ہو یا زندگی سے بیزار ہو؟''

''اوہ!'' وہ چونکا۔ اس کا خیال جھٹک کر گاڑی کو سنبھالا۔ اگر وہ صاحب اسے نہ کہتے تو یقیناً اگلے ہی لمحے سنگین حادثہ پیش آ جاتا۔ اسے ایک دم ہی جھرجھری سی آ گئی۔ واپسی کے لئے گاڑی موڑی اور ساری توجہ ڈرائیونگ کی طرف کرلی۔

○❖○

شام کے سائے گہرے ہو چلے تھے۔ فضا میں خنکی بھی بڑھ چکی تھی۔ کوارٹر میں کافی گہرا اندھیرا محسوس ہو رہا تھا۔ باہر ابھی اتنی زیادہ تاریکی نہیں پھیلی تھی۔ ملازمین کے کوارٹر تو ویسے بھی تنگ اور تاریک ہوتے ہیں۔ ان کے نصیب کی تاریکی کی طرح۔

فرش پر گھٹنوں میں سر دیئے وہ مغموم سی بیٹھی تھی، اردگرد سے بے نیاز۔ نہ ٹھنڈک کا احساس تھا اور نہ اندھیرے کا۔ اس کے چاروں طرف تو زندگی کے گزرے لمحے مرغولوں کی شکل میں اُڑ رہے تھے۔ زندگی کہاں سے کہاں لے آئی تھی؟ اماں، ابا کی گڑیا ماہ و سال میں کتنی دھندلا گئی تھی۔ ایک سوال کی تکرار نے کہ ''سب لوگ ایک جیسے کیوں نہیں ہیں؟'' اس کی پوری ہستی کو سوال بنا ڈالا تھا۔ نہ اب زبان گلہ کرتی تھی نہ ذہن تکرار کرتا تھا، نہ دل کسی خواہش پر مچلتا تھا، نہ رشک سے آنکھیں اٹھتی تھیں۔ وہ گڑیا جو زمانے کی ناہمواریوں پر، امتیاز پر معصومیت سے غصہ کرتی تھی، وہ تو کہیں پیچھے رہ گئی تھی۔ زندگی کے مختصر سے سفر میں ہر صفحے پر نئی کہانی رقم تھی۔ کبھی جگنوؤں کے پیچھے بھاگی اور کبھی تتلیوں کے۔ ہاتھ کچھ نہیں آیا۔ دونوں ہاتھ خالی تھے۔ سب چھن گیا تھا۔ رشتے ناتے سب گنوا دیئے تھے۔ کوئی دیکھتا تو حیران رہ جاتا کہ کیا یہ وہی گڑیا ہے؟ جو اپنے ذہن کی تخلیق کردہ دنیا میں بسا کرتی تھی۔ آج اس کی کوئی دنیا نہیں تھی۔ وہ یہاں کیوں ہے؟ کس کے لئے ہے؟ یہ تو اس کی سمجھ بھی نہیں آیا تھا۔

''ابا! تم سچ کہتے تھے کہ غریبوں کی دنیا اور ہوتی ہے، سب چھوٹے صاحب نہیں بن سکتے، جو بنتا ہے وہ بدل جاتا ہے۔ کرم داد پہلے تمہاری طرح تھا، بالکل تمہاری طرح، جب سے چھوٹے صاحب بنا ہے میں اسے ایک نظر ٹھیک سے دیکھ بھی نہیں سکی۔ کیونکہ ابا! وہ اب ہماری دنیا نہیں رہا۔ ابا! تمہاری گڑیا بالکل اکیلی ہے، کوئی نہیں ہے میرے پاس، ابا! مجھے بھی اپنے پاس بلا لو۔'' وہ سسکیاں لینے لگی۔ اس کی معصوم فریاد کوارٹر میں پھیل گئی۔

''اگر چاہو تو میں تمہیں تمہاری لال کوٹھی میں چھوٹے صاحب کے پاس چھوڑ کر آ سکتا ہوں''

کرم داد جانے کب سے کھڑا اس کے آنسوؤں کی نمی اپنے دل میں اتار رہا تھا۔ ایک دم چونک کر کھڑی ہوگئی۔ اندھیرے کی وجہ سے سیدھی اس کے ساتھ ٹکرائی۔ وہ اپنی جگہ سے ہلا نہیں اس کے ہلنے کی بھی گنجائش ختم کر دی۔ تنگ سے کوارٹر میں ایک پلنگ کے بعد دو آدمیوں کے کھڑے ہونے کی جگہ ہی کہاں رہتی تھی۔ وہ چٹان کی طرح ڈٹا کھڑا تھا۔ وہ پریشانی سے کسمسا کر نکلنے کی کوشش کرنے لگی۔ اس کے بدن سے اٹھتی دلفریب مہک سانسوں میں اتر گئی۔ دھڑکنوں کا شور بھی سنائی دے رہا تھا۔ اس کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑنے لگے، زبان گنگ تھی۔ وہ جان بوجھ کر خاموش اس کی مچلتی سانسوں کو محسوس کرتا رہا پھر اپنے مخصوص سفاکانہ لہجے میں بولا۔

''بولو گڑیا! چھوٹے صاحب یاد آرہے ہیں تو ابھی چھوڑ آؤں؟''

''چھوٹے صاحب! یادوں میں تو بہت کچھ چھوڑا ہے۔ ہو سکے تو میرے ابا، اماں کے پاس آئیں۔'' اس نے سسکاری لی۔

''ہیں...... مگر وہ تو غریب تھے، اسلم کی طرح، کرم داد کی طرح۔ کوارٹر میں رینگنے والے۔ اور وہ تو دنیا سے رخصت بھی ہو چکے ہیں۔ چھوٹے صاحب موجود ہوں گے۔ ان کے بارے میں بات کرو۔'' وہ چرکا لگانے سے باز نہیں آیا۔

''چھوٹے صاحب! مجھے بجلی جلانے دیں۔ میرا دم گھٹ رہا ہے۔''

''جانتا ہوں...... تمہیں تو روشنیاں اچھی لگتی ہیں، خوشبوئیں اچھی لگتی ہیں۔ دیکھو...... یہ دیکھو ہمارے لباس کی خوشبو محسوس کرو، ہم تو چھوٹے صاحب ہیں...... آؤ، لپٹ جاؤ اس خوشبو سے۔'' پر جیسے دیوانگی طاری ہوگئی۔ اپنے سخت ہاتھوں سے اس کے نازک شانے پکڑ کر جنونی انداز میں طرف کھینچا اور وہ کسی کمزور چڑیا کی مانند اس کے مضبوط بازوؤں میں پھڑپھڑانے لگی۔

''چھوٹے صاحب! یہ کیا...... کیا کر رہے ہیں آپ...... چھوڑیں۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''کیوں، اچھا نہیں لگ رہا ہے سب؟ پہلے بھی تو ہزار بار ایسا ہوا ہوگا۔ چھوٹے صاحب تو بہت قریب آتے ہیں، ایسا تو انہیں ہی اچھا لگتا ہے۔ تم پسند کرتی ہو چھوٹے صاحب کو۔ اب یہ بار بار کیوں؟ کیوں کترا رہی ہو......؟'' وہ جنون کی حدوں پر پہنچ چکا تھا۔ گرفت اتنی سخت تھی کہ اس کی سانس گھٹنے لگی۔

''مت پکارو چھوٹے صاحب کو...... میری نفرت کو اور زیادہ مت جگاؤ، اب ایک لفظ مت کہنا ورنہ وہ ہو جائے گا جو تم سوچ بھی نہیں سکتیں...... سوچ بھی نہیں سکتیں۔ نفرت ہے مجھے تمہارے اس نام سے۔'' وہ دانت کچکچا کر اس کے کان میں چلایا اور جھٹکے سے اسے فرش پر گرا کر تیز قدموں سے باہر گیا۔ وہ زخمی چڑیا کی مانند فرش پر ڈھیر کی شکل میں گر کر سسکیاں لینے لگی۔ خوف سے دل کانپ رہا تھا حیران تو اس بات پر تھی کہ کرم داد چھوٹے صاحب بن کر آخر یہ سلوک کیوں کر رہا ہے؟ ابھی وہ

پریشانی دور بھی نہیں ہوئی تھی کہ کسی نے کوارٹر کی لائٹ جلا دی۔ بھیگی بھیگی، چندھیائی آنکھوں سے اس نے چونک کر دیکھا تو جلدی سے اٹھ بیٹھی۔ ہاتھ بڑھا کر پلنگ سے دوپٹہ اٹھایا اور آنکھیں رگڑ ڈالیں۔ حمید تجسس نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا اور لمبی لمبی سانس بھر کے نہ جانے کیا محسوس کرنا چاہ رہا تھا۔ وہ عجیب سی نظروں سے کبھی اسے دیکھتا اور کبھی کوارٹر میں چاروں طرف۔

''کیا دیکھ رہے ہو؟'' وہ بھولپن سے بولی۔

''ابھی کیا ہوا ہے یہاں، تیرے کوارٹر میں؟'' حمید تیکھے لہجے میں بولا۔

''چھوٹے صاحب آئے تھے، انہوں نے غصے میں برا بھلا کہا بس۔'' وہ سادگی سے بولی۔

''کیوں...... کیا، کیا ہے تُو نے؟''

''پتہ نہیں...... وہ مجھ سے خفا رہتے ہیں۔'' اس نے گردن جھکا لی۔

''لیکن کیوں......؟'' حمید کو تعجب ہو رہا تھا۔ پہلے بھی کئی بار اس نے دیکھا تھا کہ چھوٹے صاحب، گڑیا کے ساتھ برا سلوک کرتے ہیں۔ جب سے اسے گڑیا سے اپنائیت محسوس ہوئی تھی۔ تب سے وہ گڑیا کے ذرا سے رونے پر پریشان ہو جاتا تھا۔ ملازمین تو دوسرے بھی تھے مگر گڑیا کے ساتھ جو سلوک چھوٹے صاحب کا تھا وہ سب سے الگ تھا۔

''حمید بھائی! تم کس کام سے آئے تھے؟'' وہ انجانے میں پوچھ بیٹھی۔ حمید کو جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا۔

''اوں ہنہ، تُو مجھے صرف حمید کہا کر۔''

''کیوں حمید بھائی؟'' اس نے بڑی بڑی آنکھوں سے دیکھا تو وہ ڈول سا گیا۔

''اچھا، چل کچن میں۔ رات کے کھانے میں میرا ہاتھ بٹا۔'' وہ یکسر بات ٹال گیا۔

''حمید بھائی، تم شروع سے یہی کام کر رہے ہو؟''

''اوہو! ہا! تجھے کب عقل آئے گی، حمید بھائی، حمید بھائی لگا رکھی ہے۔'' حمید جھلا کر پاؤں پٹختا ہوا باہر نکل گیا اور وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے خود بھی اس کے پیچھے چل دی۔ کچھ دیر پہلے کی ہر بات وہ یکسر بھول بھال کر کام نمٹانے چل دی تھی۔ اس کی خاموشی ہی کرم داد کی بے چینی تھی۔ اس کے احتجاج کا منتظر اس کی خاموشی پر ہی تو غصہ کھاتا تھا۔ اگر وہ چلا کر، چیخ کر صرف ایک بار اس سے محبت کی التجا کرے تو وہ ہر دیوار گرا کر اس کے قرب کے دائرے میں سمٹ آئے۔ مگر دائرہ پھیلتا ہی جا رہا تھا، وقتی اور عارضی کارروائی سمجھ کر جو قدم اٹھایا تھا وہ سخت تکلیف دہ روگ بن کر رہ گیا تھا۔ نہ غصے میں آ کر ضرور کو اپناتا اور نہ اسے چڑانے کے لئے یہ روپ اختیار کرتا۔ ایسا تو صرف اسے ہی ستانے کے لئے کیا تھا۔ یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ بے وقوف لڑکی ہار کر بھی لبوں پر صبر کی چپ سادھ لے گی، اس کا تو خیال تھا کہ پہلی ہی ضرب پر وہ پھوٹ پھوٹ کر روئے گی۔ اسے کرم داد کہہ کر لپٹ جائے گی، اپنی محبت کا اعتراف کرے گی اور وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اسے بانہوں میں بھر کر کہیں دور لے جائے گا۔ مگر یہ تو

صرف اس کے ذہن کا خیال تھا اور دل کی آرزو۔ ہوا تو اس کے برعکس تھا۔ وہ لوٹ کر آئی ضرو نہ کوئی اظہار کیا تھا اور نہ اقرار۔ ایک بے بسی کی زندگی شروع کر دی تھی جیسے حالات کے سامنے پھینک دیئے ہوں۔ اس نے اسے اس نئے رشتے سے ہی قبول کر لیا تھا۔ اس کو سوچ جان کر تھا۔ جبکہ وہ اور زیادہ متنفر ہو گیا تھا کہ اس کے نزدیک تو چھوٹے صاحب ہی سب کچھ ہیں پس پردہ چلا گیا اور اس نے کوئی گلہ بھی نہیں کیا۔ اس وقت سے اب تک وہ کرم داد کی تلاش چاہ

O❖O

''کرم داد! میں تم سے کچھ کہہ رہی ہوں؟'' کافی دیر سے اس سے بات کرنے کے بعد حور دم چلائی۔ وہ بھی لاتعلق بنا چائے پیتا رہا...... حوریہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

''تم سنتے نہیں ہو کیا؟''

''میم صاحبہ! ہمارے رشتے میں یہ حق ہم دونوں میں سے کسی کو حاصل نہیں ہے۔'' وہ انتہا پروائی سے بولا۔

''وہاٹ! تم ہر وقت رشتہ رشتہ کیا لگائے رکھتے ہو، اپنی حیثیت جانتے ہو؟'' وہ آپے سے گئی۔

''اے میم صاحبہ! سنبھل کر۔ میں تمہاری طرح کا انسان نہیں ہوں، سمجھیں۔'' وہ بھی مشتعل گیا۔

''کیا...... کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''جو آپ سن نہیں سکیں گی۔''

''تمہیں غلط فہمی ہے یا خوش فہمی۔ اور کچھ نہیں۔''

''کچھ بھی کہہ لو، مگر مجھے آپ سے کیوں کہ کوئی دلچسپی نہیں ہے اس لئے کچھ کہنا نہیں چاہتا۔''

''تم...... ہر وقت یہی تکرار کرتے ہو، مفاد پرست انسان ہو، گھٹیا ہو، آخر کو ایک ملازم لئے......'' وہ پھنکاری۔ مگر اگلے ہی لمحے اس کا سخت ہاتھ چہرے پر نشان چھوڑ گیا۔

''میں جو کچھ بھی تھا اور ہوں، تمہارے بساند زدہ وجود سے بہتر ہوں۔ مفاد پرست تم جیسے ہوتے ہیں، مفاد تم نے حاصل کیا ہے۔ سمجھیں تم۔'' وہ زور سے کرسی پرے دھکیل کر ڈائننگ روم نکلا۔ غصے میں پھنکارتا۔ بدقسمتی سے ٹی وی لاؤنج میں ہی گڑیا صفائی کرتی مل گئی۔ آؤ دیکھا نہ زوردار چانٹا اس کے رخسار پر جڑ دیا اور آنکھوں سے شعلے برساتا باہر نکل گیا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں دیکھتی رہ گئی۔ ہاتھ رخسار پر رکھے آنسو بہاتی رہی۔ کس جرم کی سزا ملی تھی یہ معلوم نہیں تھا...... تھی کہ جب وہ حوریہ سے الجھتا تھا تو انتقام صرف اس سے لیتا تھا۔ اس سے غصہ کرتا تو انتقام کی بھڑ بھڑ اس کے لئے جل اٹھتی۔ اندر کا لاوا اس پر نکلتا۔ شاید اسے اس فساد کی وجہ سمجھتا تھا۔ ہوتے ہوئے بھی وہ قصوروار تھی، اس کی تند و تیز نفرت کا سامنا کرتی تھی۔ پلکیں صاف کرتے

میں گم ہو گئی۔ رخسار کی جلن بھی بھول گئی جبکہ حوریہ تو تھپڑ کھانے کے بعد سخت ڈپریشن میں آ گئی۔ اس کی توقع کے خلاف یہ ہوا تھا۔ ذہن جیسے مفلوج ہو گیا، کمرے میں بستر پر گر کر پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔ اس نے خیال میں بھی کبھی نہیں سوچا تھا کہ کرم داد اس طرح بھی کر سکتا ہے۔ احساسِ ندامت سے رو رو کر برا حال کر لیا۔ آنکھیں اور ناک صاف کر کے ٹشو پیپر کا ڈھیر لگا دیا۔ پہلی بار اپنی ذلت پر جی بھر کے روئی۔ اس نے بڑی ذلت کا سامنا کیا تھا مگر یہ چوٹ تو اسے لہو رنگ رُلا گئی۔ اپنے فیصلے پر غصہ آ رہا تھا، اپنے آپ پر غصہ آ رہا تھا۔ جی چاہ رہا تھا کہ ساری دنیا کو آگ لگا دے۔ خود کو ختم کر ڈالے۔ اتنا زیادہ صدمہ کیا کہ طبیعت بھر گئی۔ حمید کسی کام سے کمرے میں آیا تو اس کی حالت دیکھ کر پریشان ہو گیا۔ جلدی سے پانی گلاس میں ڈال کر اس کی طرف بڑھایا۔ اس نے بڑی مشکل سے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل کی دراز کھول کر سکون کی گولی نکالی اور پانی سے نگل گئی۔

''کمرے میں کوئی نہ آئے، میں آرام کرنا چاہتی ہوں۔'' اس نے حمید کو تائید کی اور آنکھیں موند لیں۔ وہ خاموشی سے باہر آ گیا۔ ملازم تھا، نہ کچھ پوچھ سکتا تھا اور نہ کچھ کہہ سکتا تھا۔ حالانکہ آج وہ کئی دن کی سوچ بچار کے بعد اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ گڑیا کے لئے حوریہ بی بی سے بات کرے۔ بڑی منصوبہ بندی کے ساتھ وہ کمرے میں آیا تھا مگر کچھ پوچھنے کا موقع ہی نہ ملا۔ آئندہ پر بات اٹھا کر باہر نکل گیا۔ فون کی گھنٹی کی آواز پر ریسیور اٹھایا، دوسری طرف شائستہ بیگم تھیں۔

''سلام بیگم صاحبہ!''

''وعلیکم السلام! بی بی سے بات کراؤ۔'' شائستہ بیگم نے کہا تو وہ اس سوچ میں پڑ گیا کہ وہ بی بی کی طبیعت کی خرابی کا بتائے یا نہیں۔

''ارے کیا سانپ سونگھ گیا؟'' شائستہ بیگم نے غصے میں کہا۔

''جی وہ......'' تھوک نگلتے ہوئے جلدی سے بولا۔ ''بی بی جی کی طبیعت خراب ہے۔''

''اللہ خیر، کیا ہوا؟ کب سے خراب ہے؟'' شائستہ بیگم بوکھلا گئیں۔

''جی صبح سے۔''

''توبہ ہے بھئی اس لاپرواہ لڑکی نے خوب ستانے پر کمر باندھ رکھی ہے۔ ارے ہزار دفعہ سمجھایا ہے کہ دفع کرو یہ ہسپتال وسپتال بنانے کا جھنجٹ، کس چیز کی کمی ہے، مزے کرو، آرام کرو۔ مگر بھوت سوار جو ہو جائے سر پر اسے کون اتارے؟'' وہ اپنے ہی دھیان میں بولتی چلی گئیں اور حمید خوامخواہ ہی سر ہلا ہلا کر فون پر ہی ہاں میں ہاں ملا رہا تھا جیسے وہ دیکھ سکتی ہوں۔

''میرے لئے کیا حکم ہے بیگم صاحب؟'' جسارت کر کے پوچھا۔

''کیا حکم دوں...... بس بی بی کا خیال رکھو۔ میں آ رہی ہوں۔ شام تک پہنچ جاؤں گی۔'' انہوں نے جواباً کہا اور فون بند کر دیا۔ وہ فوراً گڑیا کو ہدایت دینے کے لئے کچن کی طرف آ گیا کہ بیگم صاحبہ کا کمرہ صاف کر دو اور بیڈ شیٹ وغیرہ بھی بدل دو۔ جونہی گڑیا نے بڑی بیگم صاحبہ کے آنے کا سنا تو خوشی

سی محسوس ہوئی۔ یہ سوچ کر کہ بیگم صاحبہ سے اجازت لے کر صفیہ باجی اور ثریا باجی کے ہاں جائے گی۔ یہاں اب رہ کر کرنا بھی کیا تھا۔ اس طرح کرم داد کے عتاب سے بھی بچ جائے گی۔ خوشی خوشی بڑی بیگم صاحبہ کے لئے جو کمرا حمید نے کھول کر دیا وہ ڈسٹر اٹھا کر اندر گھس گئی۔ کمرے میں گرد وغبار بہت زیادہ تھا، ہر چیز پر مٹی کی تہہ چڑھی ہوئی تھی۔ چیزیں سب قرینے سے رکھی ہوئی تھیں۔ صرف اچھے طریقے سے صفائی کی ضرورت تھی۔ اس نے جلدی جلدی ہاتھ چلائے کچھ ہی دیر میں ہر چیز چمک رہی تھی۔ بیڈ کی چادر بدل کر پلٹی تو سینے پر ہاتھ باندھے بختی سے اسے کھڑا پا کر ٹھٹک گئی۔

"کون آ رہا ہے؟"

"جی بڑی بیگم صاحبہ!" اس نے خوش ہو کر جواب دیا۔

"اوں......" وہ منہ سکوڑ کر اس کی طرف جھکا اور بولا۔ "تو تم اس قدر خوش کیوں ہو؟"

"چھوٹے صاحب، بڑی بیگم صاحبہ سے اجازت لے کر میں چلی جاؤں گی۔" وہ سادگی سے بولی۔

"کہاں......؟" وہ بگڑا اور گھورنے لگا۔ "کہاں، کسی کوٹھی میں؟ کسی چھوٹے صاحب کی خدمت......؟"

"وہ...... میں...... میں......" وہ تھر تھر کانپنے لگی۔

اس کی نگاہوں سے شعلے نکلنے لگے، چہرے پر وحشت سمٹ آئی۔ اس کی ٹھوڑی انگلی سے اٹھا کر کھا جانے والے انداز میں بولا۔

"کیا میں، میں...... ٹھیک سے بولو کہ اب کس چھوٹے صاحب کے خوابوں میں کھونا ہے بدن کی مہک سانسوں میں اتارنی ہے...... کس کی اترنی پہننی ہے؟"

"میں...... میں اپنی صفیہ باجی کے پاس جانا چاہتی ہوں۔" وہ ایک سانس میں بولی تو اس کے اندر ڈھیر سارا سکون اتر گیا۔ مگر ساتھ ندامت بھی ہوئی کہ خواہ مخواہ اتنا کڑوا بولنے کی کیا ضرورت نظریں چرالیں۔

"صفیہ باجی کے پاس۔ مگر وہاں تو بساندزدہ چھوٹا سا ڈربہ نما گھر ہوگا، بڑے لوگوں کا آرام اسلم جیسے بہنوئی صاحب ہوں گے، وہاں تم کیسے رہ سکو گی؟" اس نے فوراً دوسری طرف ہر ممکن اسے ستانا مقصود تھا۔ وہ چپ سی ہو گئی، بڑی بڑی حیران نگاہوں سے صرف قالین کو گھورنے لگی۔ وہ خوامخواہ ہی قہقہہ لگا کر باہر نکل گیا۔

○❖○

شام کے پانچ بج رہے تھے۔

کمرے میں اندھیرا سا پھیل رہا تھا۔ وہ چپ چاپ بیڈ پر چت لیٹی چھت کو گھور رہی تھی۔ جھکڑ چل رہے تھے۔ زندگی کا ایک ایک لمحہ بے چین کر رہا تھا۔ ماڈرن، بے باک سی، شوخ وچنچل سی حور یہ تنہائی میں کس قدر مضطرب اور بے چین تھی یہ کوئی سوچ نہیں سکتا تھا۔ ادائے دلبری سے دلوں پر بجلی بن کر گرنے والی لڑکی اندر سے کتنی کھوکھلی تھی، بالکل بھربھری مٹی بنی ہوئی۔ دیوار کی طرح۔ کرم داد کے ایک تھپڑ نے ریزہ ریزہ کر دیا تھا۔ دل چاہتا تھا کہ یہ بے کار زندگی ختم کر ڈالے۔ کتنا کڑوا سچ ہوتا ہے وہ کہ اس کا کلیجہ کٹ جاتا ہے۔ احساسِ ذلت پلکوں کے رستے پھر بہہ نکلا۔ سسکیاں پھر بیدار ہو گئیں۔ صبح سے یہی صورتحال تھی۔ نہ کچھ کھایا تھا اور نہ پیا تھا۔ جب حمید یا گڑیا دروازے پر دستک دیتے وہ بختی سے واپس جانے کو کہہ دیتی۔ دل بری طرح ملول تھا۔ اپنے آپ سے نفرت ہو رہی تھی۔

جونہی ایک بار پھر دروازے پر دستک ہوئی تو وہ روتے روتے بغیر کچھ بولے دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔ شائستہ بیگم کمرے میں دستک کے ساتھ ہی اندر داخل ہو گئی تھیں۔ لائٹ آن کی اور لپک کر اس کے پاس بیڈ پر آ گئیں۔ وہ چھوٹے سے بچے کی طرح ان کے سینے سے لگ گئی۔ وہ تڑپ اٹھیں۔

"ارے کیا حال بنا رکھا ہے، کیا ہو گیا ہے میری چندا کو؟" وہ اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر چومنے لگیں۔

"آنٹی...... آنٹی...... مجھے زہر لا دیں، مجھے مار ڈالیں۔" وہ سسکیاں لینے لگی۔

شائستہ بیگم کانپ اٹھیں۔ "ارے مریں تمہارے دشمن، میری چاند پر سے دنیا قربان۔ کیا ایسا ہو گیا؟"

"بس مجھے زندگی نہیں چاہئے...... اپنی زندگی سے گھن آتی ہے۔" وہ بولی۔

"کیا اول فول بک رہی ہو حوریہ...... کس چیز کی کمی ہے تمہارے پاس۔ تمہارے جیسی زندگی کی لڑکیاں تمنا کرتی ہیں۔" انہوں نے بال سنوارتے ہوئے چکارا۔

"کوئی دشمن بھی میرے جیسی زندگی نہ پائے۔ کیا ہے میرے پاس...... ایک ادھورا وجود، بے کار جسم...... ایک ملازم جو شوہر بنا لیا، وہ مجھ پر تھوکتا ہے...... مجھ سے تکرار کرتا ہے، نفرت کرتا ہے مجھ سے۔ میں ایک ایسے شخص کی بھی منظورِ نظر نہیں...... میری بیڈ لک دیکھئے کہ میں کرم داد کی توجہ کے قابل نہیں......" وہ بولتے بولتے نڈھال سی ہو کر ان کے بازوؤں میں جھول گئی۔

"یہ کیسی باتیں کر رہی ہو، تمہارے جیسی بولڈ، بااعتماد لڑکی اتنی کمزور کب سے ہو گئی۔ رہی بات کرم داد کی تو اس کا مزاج ہی اکھڑ ہے۔ یہ تم پہلے سے جانتی تھیں۔ ملازم وہ ضرور تھا ہمارا، مگر زرخرید نہیں۔ تم ہی مشکلوں سے رشتے پر راضی ہوا تھا۔ تم بضد نہ ہوتیں تو کون کرتا یہ رشتہ۔ اب وجہ میری سمجھ میں نہیں آ رہی کہ کیا مسئلہ کھڑا ہو گیا ہے؟" شائستہ بیگم نے دھیرے دھیرے سے کہا۔

"کاش میں مجبور نہ ہوتی...... کاش......" وہ سسکی۔

"تمہاری مجبوری کوئی چھوٹی مجبوری نہیں تھی۔ جو نقصان تمہارا ہو چکا، اس کے بعد جینے کا کوئی تصور ہی نہیں رہتا کسی لڑکی کے لئے۔ تم خود ایک ڈاکٹر ہو، بولو، کسی لڑکی کے وجود سے نسل انسانی کی

بقا اور ارتقا کرنے والا حصہ ہی کاٹ کر نکال دیا جائے تو کیا رہ گیا اس وجود میں...... اس سے زیادہ ضروری کوئی کشش اور دلکشی ہے ہی نہیں۔ روزِ اول سے عورت کی تخلیق، مرد کی تسکین اور تکمیل کے لئے کی گئی۔ ایک خالی ڈبے کو کون خریدتا ہے؟ تم نے جو درد اب محسوس کیا ہے کاش اس کا احساس اس مغرب زدہ ماحول میں کر لیتیں۔ اب میں کیا کروں میری جان؟'' شائستہ بیگم خود بھی اس پر آنسو بہانے لگیں۔

''اسی لئے تو کہہ رہی ہوں کہ مجھے زہر دے دیں، میں مزید چھپ چھپ کر نہیں رو سکتی۔ والے سمجھتے ہیں کہ میں کتنی ہنسنے مسکرانے والی ہوں، میرے اندر کوئی جھانک کر دیکھے تو پتہ چلے۔''

''کوئی کسی کو پتہ نہیں چلتا...... کسی کو کسی کی پرواہ نہیں ہوتی۔ جو وقت گزر گیا اسے بھول جاؤ۔ کرم داد تمہارے لئے آہنی دیوار ہے...... اس کے سائے میں خاموشی سے بیٹھی رہو۔ اپنے کسی رویے سے اس پر کچھ ظاہر مت ہونے دو، جس درد کا علاج ممکن نہیں اس درد پر خاموشی اختیار کرو۔''

''آنٹی! محسوس ہوتا ہے کہ جیسے وہ میرے بارے میں سب کچھ جانتا ہے، مجھے برا بھلا کہتا ہے۔'' حوریہ نے خدشہ ظاہر کیا۔

''وہ بھلا کیسے جان سکتا ہے، میرے علاوہ تم نے اور کسی پر تو اپنا راز نہیں کھولا۔''

''نہیں، بس آپ کو ہی بتایا تھا، شاید اس نے سن لیا ہو۔''

''اب کیا ہو سکتا ہے، سن لیا تو سن لیا، تم پہلے کی طرح موج مستی میں رہو۔ اسے نظر انداز کر کے بس کسی بھی طریقے سے یہ بھرم قائم رکھو، ورنہ حوریہ! میں تو جیتے جی مر جاؤں گی۔'' شائستہ بیگم خوفزدہ ہو گئیں۔

''کوشش تو کرتی ہوں آنٹی! وہ ہی کڑوا ہو جاتا ہے۔ میں صبح اس کو بینک بھیجنا چاہتی تھی، کئی بار پکارنے پر بھی وہ نہیں بولا۔ جب بولا تو سخت غصے میں۔ میرے منہ پر تھپڑ مارا۔ اب آپ بتائیے بھرم قائم رکھوں۔''

''کہا تو اس کو بہت کچھ جا سکتا ہے، دھکے دے کر نکالا جا سکتا ہے۔ مگر کاش تم نے اس مرد کے ہاتھوں اپنی زندگی برباد نہ کی ہوتی۔ اب اسے برداشت کرنے کے سوا کوئی حل نہیں۔ تم ذہن سے جھٹک دو، اپنا دل مت جلاؤ۔ جو کرتا ہے کرنے دو۔ تم اپنے آپ کو مصروف رکھو۔ لوگوں کے لئے شوہر ہے، رہنے دو۔'' شائستہ بیگم نے پٹی پڑھائی۔ اسی لمحے جھٹکے سے دروازہ کھلا اور وہ اندر داخل ہو گیا۔ شائستہ بیگم کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ حوریہ بھی پریشان ہو گئی۔ یقیناً اس نے سب کچھ سن لیا ہوگا۔

''تم کب آئے؟'' شائستہ بیگم نے تھوک نگلتے ہوئے پوچھا۔

''گھبرائیں نہیں بیگم صاحبہ! آج سے پہلے بھی کچھ سن رکھا تھا۔ اس لئے کوئی نئی بات نہیں۔ دلچسپی کا سامان نہ پہلے تھا اور نہ اب ہے۔'' وہ تمسخرانہ انداز میں

''تم جانتے ہو؟'' ڈرتے ڈرتے لب ہلائے۔

''جی ہاں...... سمجھوتہ ہے...... اس لئے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مطمئن رہیں، ذاتی دلچسپی والا کوئی نقش ہے نہیں۔ کاروبار میں سب جائز ہے، آپ بے فکر رہیں۔'' وہ طنزیہ ہنس کر واپس چلا گیا اور وہ دونوں ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگیں۔

○❖○

رات تو گزر گئی، جیسے تیسے، کروٹیں بدلتے۔ کیونکہ انہیں حوریہ کی طرف سے اب اور زیادہ پریشانی ہو رہی تھی۔ کرم داد کے علم میں آنے کے بعد معاملہ بہت نزاکت اختیار کر گیا تھا۔ دل ہی دل میں اس سے وہ شرمساری محسوس کر رہی تھیں۔ جسے صرف ملازم ہی تصور کرتی تھیں، اس کے سامنے خاندان کی آبرو خاک میں مل چکی تھی۔ نظر ملانے کے قابل نہیں رہی تھی۔ زندگی کس دوراہے پر آ کر ٹھہری تھی۔

''حوریہ بیٹا! تم نے بہت برا کیا۔ میلے جسموں کی دوستی میں اُجلے بدن بھی میلے ہو جاتے ہیں۔ تمہیں ڈیوڈ کی دوستی کی کتنی بڑی قیمت ادا کرنی پڑی ہے۔ ہمیشہ کے لئے اپنا وجود تقسیم کر ڈالا...... اے اللہ، تُو دیارِ غیر میں میری بچی کو بچا لیتا، اسے محفوظ رکھتا...... اللہ میاں! میری بچی بے قصور ہے۔ یہ تو نادان والدین کا قصور ہے جو بہت کچھ ہوتے ہوئے بھی حرص و ہوس میں مبتلا رہتے ہیں۔ اپنے وطن کی آدھی ٹھکرا کر غیروں کی سالم کھانے کے لئے اپنا وطن چھوڑ دیتے ہیں۔ بھیا کے پاس کس چیز کی کمی تھی، لاکھ بلانے پر بھی جیتے جی واپس نہ آئے۔ بچی کو غیروں کے رحم و کرم پر ساری زندگی رکھا، مرنے کے بعد بھی وہ غیروں کے ہاتھوں ہی کھلونا بن گئی۔'' بغیر سسکیوں کے وہ مسلسل رو رہی تھیں۔ تکیے میں ڈھیر سارا پانی جذب ہو چکا تھا۔ حوریہ چائے کا کپ لئے کمرے میں آ گئی تو انہوں نے جلدی سے آنکھیں صاف کر لیں۔

''چندا! کیسی طبیعت ہے؟''

''اچھی ہے، آپ آ گئیں، میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' وہ مسکرا کر چائے کا کپ ان کے ہاتھ میں تھما کر خود بھی قریب بیٹھ گئی۔

''آرام [illegible] کر لینا تھا۔''

''نہیں۔ کل سے بستر پر لیٹے لیٹے تھک گئی ہوں، آج بہت سے ضروری کام نمٹانے ہیں۔''

''ہاں، ہسپتال کا کتنا کام باقی ہے؟''

''بہت سا...... ہسپتال کوئی چھوٹا سا پراجیکٹ نہیں ہے، ابھی تو کئی مہینے لگ جائیں گے۔''

''تمہارے انکل بھی چند روز تک آئیں گے۔ کہہ رہے تھے کام کا جائزہ لوں گا۔''

''اچھی بات ہے۔ چند ضروری کاموں کے سلسلے میں ان کی مدد چاہئے۔''

''کرم داد کہاں ہے؟''

''معلوم نہیں...... میں نے آپ کے کہنے کے مطابق غور کرنا ہی چھوڑ دیا ہے۔'' وہ شانے جھٹک

کر بولی۔

"یہی بہتر ہے۔ اپنے کام سے کام رکھو۔ وہ تمہارے لئے ایک سفید ہاتھی سے زیادہ ہے۔ اور کوئی بات ہے تو کرو۔"

"دوپہر کو کھانے کی میز پر باتیں ہوں گی، فی الحال تو بینک جانا ہے۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

"چلو جاؤ۔ شاباش، لیکن ذرا گڑیا کو میرے پاس بھیجو، ساڑھی استری کرانی ہے۔" شائستہ بیگم نے کہا تو وہ گردن ہلا کر چلی گئی۔ کچھ ہی دیر میں گڑیا اجازت لے کر کمرے میں آ گئی۔

"گڑیا!"

"جی بیگم صاحبہ!" وہ فرماں برداری سے بولی۔

"بیٹھو۔ یہ بتاؤ کہ یہاں دل لگ گیا تمہارا؟" انہوں نے پوچھا۔ وہ قالین پر بیٹھ گئی۔

"بیگم صاحبہ جی! دل تو لگ گیا، مگر میں آپ کی اجازت سے جانا چاہتی ہوں۔" وہ دھیرے سے بولی۔

شائستہ بیگم نے سوالیہ نظروں سے دیکھا اور بولیں۔ "کہاں؟"

"اپنی بہنوں کے پاس۔"

"وہ تو شاید اسی شہر میں رہتی ہیں۔ بتایا تھا تم نے۔"

"جی...... جی بیگم صاحبہ۔"

"تو جا کر ان سے مل آیا کرو...... مستقل جانے کی کیا ضرورت ہے؟"

"بس ویسے ہی۔"

"ایسا کرو گی تو غریب بہنوں پر بوجھ بن جاؤ گی۔ ان کے بچوں والے گھر میں تیری گنجائش ہو گی؟" شائستہ بیگم نے تو سمجھانے کے انداز میں کہا۔ اسے سچ مچ یاد آ گیا کہ کس طرح اس وقت ان کے ہاں گزارا تھا۔ غریب بہنوں پر بوجھ نہیں بننا چاہئے۔ لیکن اس کے علاوہ بھی تو کوئی بندوبست نہیں، زندگی کس طرح گزرے گی؟"

اسے سوچتا دیکھ کر شائستہ بیگم نے پوچھا۔ "کیا سوچ رہی ہو؟"

"میں...... میں کیا سوچ سکتی ہوں بیگم صاحبہ! بس اپنی زندگی کی فکر ہو رہی ہے۔ جو باتیں میں اڑائی تھیں وہ یاد آ رہی ہیں۔" وہ رنجیدہ سی بولی۔

"تجھے یہاں کوئی پریشانی ہے تو بتا؟" انہوں نے اس کو چپ چپ دیکھ کر سنجیدگی سے پوچھا۔

"کہیں بھی کوئی پریشانی نہیں ہے۔" وہ ٹال گئی۔

"پریشانی تو ہے بیگم صاحبہ جی! سارا وقت اُداس اور غمگین رہتی ہے۔ چھپ چھپ کر روتی ہے۔" حمید نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے آخری جملہ سن کر تیزی سے ہانک لگائی۔

"حمید بھائی! مجھے ابا، اماں یاد آتے ہیں۔" اس کی آنکھیں پھر ڈبڈبا گئیں۔

"او، پھر وہی حمید بھائی، حمید بھائی۔ ایک تو تیری اس بے تکی راگنی سے میرا جی جلتا ہے۔" حمید جل کر بولا۔ شائستہ بیگم نے عینک ناک سے ذرا نیچے سرکا کر اس کی طرف بغور دیکھا۔ وہ ٹپٹا سا گیا۔

"گڑیا! میری ساڑھی الماری سے نکال اور استری کر لا۔" گڑیا نے حکم کی تعمیل کی۔ اس کے جانے کے بعد حمید بھی اخبار رکھ کر کھسکنے والا تھا کہ انہوں نے ڈپٹ کر روکا۔

"یہ اس کی حمید بھائی والی راگنی سے تیری کیوں جان جلتی ہے؟"

وہ بے حد پریشان ہو کر دائیں بائیں دیکھنے لگا۔

"ہاں بول حمید، اس کے چھپ چھپ کر رونے کی خبر تُو کیوں رکھتا ہے؟" مسکراہٹ دبا کر وہ مصنوعی گرج کے ساتھ بولیں۔

"بس ویسے ہی جی۔ انسانی ہمدردی کی وجہ سے یہ بہت دکھیا لگتی ہے۔ نا سمجھ سی ہے۔" وہ جلدی سے بولا۔

"اچھا وہ نا سمجھ ہے، تُو بہت سمجھدار ہے۔ ٹھیک سے بات بھی نہیں کر سکتا۔"

"وہ جی بس سوچ رہا تھا کہ آپ سے بات کروں۔" اس کی کچھ ہمت سی بندھ گئی تو مدعا بیان کر دیا۔ وہ جہاں دیدہ خاتون تھیں، فوراً اصل بات سمجھ گئیں۔ کچھ دیر پہلے گڑیا جس مسئلے کی وجہ سے پریشان تھی وہ حل ہو گیا تھا۔ وہ مسکرا کر اخبار پڑھنے لگیں۔ حمید کو مطمئن کرنے کے لئے انہوں نے ہلکے سے گردن کو اثبات میں ہلا دیا تھا۔ وہ تو خوشی سے ناچ اٹھا۔ دیوانہ وار باہر کو بھاگا۔ حالانکہ ابھی صرف شائستہ بیگم نے اپنی طرف سے رضامندی دی تھی۔ ابھی گڑیا کی مرضی اور کرم داد کی مرضی معلوم کرنی تھی۔ حوریہ سے مشورہ کرنا ضروری تھا اور انہوں نے دل میں ان سب سے بات کرنے کے لئے کسی وقت مناسب سوچ کر اخبار کی طرف توجہ کر لی۔

○❖○

"گڑیا!" حمید نے شوخی سے پکارا۔

"کیا بات ہے حمید بھائی؟" سنک میں برتن دھوتے ہوئے اس نے جواب دیا تو حمید نے بھنا کر اپنے بال نوچ ڈالے۔

"دل چاہتا ہے اپنے سر پر یہ ڈرم دے ماروں۔" اس نے آٹے کے ڈرم کی طرف اشارہ کیا۔

"کیوں...... کیا ہوا؟" اس نے معصومیت سے کہا۔

"کیا تُو مجھے بھائی کہنا نہیں چھوڑ سکتی؟"

"نہیں......" اس نے بے پروائی سے کہا۔

"نہیں...... پر کیوں؟"

"میرا کوئی بھائی نہیں ہے اس لئے۔"

"لعنت تیرے کی۔" اس نے برا سا منہ بنایا۔

"تُو کیوں ناراض ہوتا ہے بھائی کہنے پر؟"

"دیکھ گڑیا! میں نے بڑی بیگم صاحبہ سے اشاروں اشاروں میں اصل بات کہہ دی ہے۔ ایسے میں تُو مجھے بھائی کہے گی تو سب ہنسیں گے۔" حمید کندھے پر پڑے ڈسٹر کا کونہ منہ میں دبا کر شرماتے ہوئے بولا۔ وہ چابی والی گڑیا کی مانند پلکیں جھپک جھپک کر اسے حیرت اور معصومیت کے ساتھ دیکھنے لگی۔

"کون سی اصل بات؟"

"وہی، اپنی اور تیری بات۔"

"اپنی اور تیری بات...... کون سی؟" اس نے اصرار کیا۔

"اچھا اسے تو چھوڑ، بیگم صاحبہ خود بتا دیں گی۔ تُو یہ بتا کہ تجھے کپڑے کیسے پسند ہیں؟"

"مجھے...... دُلہن بیگم جیسے۔" اس کے پوچھنے پر وہ بے دھڑک خیالوں میں کھو کر بول گئی۔

"ہیں...... کس کے جیسے؟" حمید نے دوبارہ پوچھا۔

"دُلہن بیگم جیسے...... جیسے وہ پہنتی تھیں۔"

"خیر...... خیر نہ جانے کس کی بات کر رہی ہے تُو۔ میں تو تیرے لئے لال رنگ کا ستارے والا جوڑا لاؤں گا۔ تھوڑے سے پیسے جمع کر رکھے ہیں میں نے۔" حمید نے خوش ہو کر بتیسی کی نمائش کی۔

"تُو کیوں لائے گا میرے لئے کپڑے؟" اس نے پوچھا۔

"اور کون لائے گا؟" وہ شرمایا۔

"حمید بھائی! میرے پاس بہت کپڑے ہیں۔ مجھے نہیں چاہئیں تیرے کپڑے وپڑے۔" وہ نفی میں گردن ہلا کر بولی۔

"اری پگلی! تُو میری بات سمجھتی نہیں ہے۔"

"دیکھو حمید بھائی، تم مجھے آرام سے برتن دھونے دو۔ ورنہ میں بیگم صاحبہ سے شکایت لگا دوں گی۔ کام رہ جائے گا تو ڈانٹ تو مجھے ہی پڑے گی۔"

"اچھا اچھا، کرلے کام...... تجھ سے تو بیگم صاحبہ ہی بات کریں گی۔ اللہ اتنا پاگل بھی کسی کو نہ بنائے۔" حمید جھنجلا کر باہر نکل گیا۔

اس کے اردگرد ایک مرتبہ پھر لال کوٹھی کا سحر طاری ہو گیا۔ وہ پھر لال کوٹھی کے مکینوں کے سحر کا شکار ہو گئی۔ خراماں خراماں چلتی ہوئی دُلہن بیگم خیالوں میں مسکرانے لگیں۔ جنہیں ٹکٹکی باندھ کر دیکھتی تھی۔ ان کے حسین سراپا پر نظریں جمائے جمائے گھنٹوں گزر جاتے تھے۔ اتنے خوبصورت کپڑے پہنتی تھیں کہ وہ رشک بھرے انداز میں دل ہی دل میں داد دیتی تھی۔ صفیہ باجی اور ثریا باجی کو ٹکا کر بتاتی تو وہ کبھی آہستہ سے سمجھا دیتیں اور کبھی جھڑک دیتیں۔ مگر اس پر نہ کسی ڈانٹ کا اثر ہوتا اور نہ سمجھانے کا۔ بچپن کی ہر یاد ذہن پر نقش ہو کر رہ گئی تھی۔ سب کچھ دھندلا گیا تھا۔ لیکن خواہشات اسی طرح جیتی جاگتی اس کے پاس آجاتی تھیں۔ جب کبھی سکون اور فرصت کے لمحات میسر آجاتے تو جھم سے دماغ کی باڑھ پھلانگ یہ رنگین عکس اس کے پاس چلے آتے۔ وہ کچھ دیر ان کے ساتھ گزار کر پُرسکون سی ہو جاتی تھی۔ اب اظہار تو کسی سے کر نہیں پاتی تھی۔ کیونکہ کوئی ایسا قریب نہیں تھا جس کو بتائے۔ یہی ایک تبدیلی اہم تھی کہ کوئی اس کے اندر اب جھانک نہیں سکتا تھا۔ کرم داد بھی نہیں۔ حالانکہ کرم داد اس کی فطرت اور مزاج سے بخوبی واقف تھا۔ پھر بھی اس سے صرف ناروا سلوک ہی کر رہا تھا۔ وجہ کبھی وہ محسوس کر بھی لیتی تھی اور کبھی نہیں بھی محسوس کرتی تھی۔ بس زندگی کی گاڑی سست رفتاری سے رینگ رہی تھی۔ کون کس کا دوست ہے اور کون کس کا دشمن یہ کسی کو خبر نہیں تھی۔ کرم داد کا اس پر الزام تھا اور اس کا تو اس پر الزام تھا نہ گلہ۔ وہ تو اپنی نادانی اور بدبختی کو موردِ الزام ٹھہراتی تھی۔

○❖○

رات کے کھانے کے بعد شائستہ بیگم، حوریہ کے ساتھ ہی اس کے کمرے میں آگئیں۔ حوریہ نے ٹی وی آن کیا تو انہوں نے آواز کم رکھنے کو کہا۔

"کرم داد صبح سے غائب ہے۔ کہاں چلا گیا ہے؟" وہ پُرتشویش لہجے میں بولیں۔

"سڑکوں پر آوارہ گردی کر رہا ہوگا۔ آپ کیوں فکر کرتی ہیں؟" حوریہ بیڈ پر ان کے قریب بیٹھ گئی۔

"مجبوری ہے، اس کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔" وہ جانتی تھیں کہ ہر صورت کرم داد ہی وزن رکھتا ہے۔ اس سے صلح پسندانہ رویہ رکھنا ان کی مجبوری تھی۔

"آپ پریشان نہ ہوں۔ آجائے گا۔" اس نے محبت سے بانہیں ان کی گردن میں حمائل کیں اور سینے پر رکھتے ہوئے کہا۔

"حوریہ! ایک مشورہ کرنا تھا۔" انہوں نے انگلیاں اس کے ریشمی بالوں میں پھیرتے ہوئے کہا۔

"کیا مشورہ؟" اس نے سر اٹھایا۔

"حمید اور گڑیا کے متعلق۔"

"کیا!" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"حمید کا خیال ہے کہ ہم گڑیا سے اس کی شادی کر دیں۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

"گڑیا کی شادی حمید سے، نہ یہ کیسے ممکن ہے آنٹی۔ گڑیا چھوٹی ہے، بہت کم سن حمید کے مقابلے میں۔ کیا ہوا جو اتنے عرصے اس نے شادی نہیں کی، عمر تو زیادہ ہے اس کی۔" حوریہ نے پُرزور طریقے سے رد کر دیا۔

"ٹھنڈے دل دماغ سے بعض باتوں پر غور کیا کرو۔ حمید میں بظاہر کوئی خرابی نہیں۔ ہمارے تو ملازم ہیں۔ اچھی بات ہے بیچاری گڑیا بھی آباد ہو جائے گی۔ عمر سے کیا فرق پڑتا ہے۔ بہت

زیادہ بڑی عمر کا نہیں ہے حمید۔ یہی کوئی دس پندرہ سال بڑا ہوگا۔"

"یہ تو ٹھیک ہے مگر حمید سے تو کہیں بہتر ہے ڈاکٹر شینا کا بھائی، ہر لحاظ سے لاجواب۔ ذہنی طور پر بچہ ہے۔ گڑیا عالی شان گھر کی بہو کہلائے گی۔ ڈاکٹر شینا نے بہت مجبور کیا ہے۔" حوریہ نے بتایا تو وہ نفی میں گردن ہلانے لگیں۔

"نہ..... نہیں حوریہ میری جان! یہ ظلم ہے۔ جس نوجوان کی ذہنی سطح بچے جیسی ہو وہ صحت نہیں۔ ایک معذور، بیمار شخص سے گڑیا ایسی معصوم بھولی بھالی لڑکی کا رشتہ کرنا زیادتی ہے۔ تم انکار کردو۔ البتہ حمید کے بارے میں غور کرو۔"

"ٹھیک ہے، میں انکار کردوں گی۔ حمید کے لئے گڑیا سے پوچھ لیں اور کرم داد سے پوچھنا ضروری ہے کیونکہ اس کا وہ خود کو مختار کل سمجھتا ہے۔" حوریہ نے طنزیہ ہنس کر کہا۔

"تو چلو پوچھ لیں گے۔ ابھی ہوتا تو ابھی پوچھ لیتے۔ گڑیا کو بلاؤ، اس سے تو پوچھ لیں۔" شائستہ بیگم نے کہا تو اس نے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھی بیل کا بٹن دبا دیا۔ چند لمحوں میں گڑیا خود ہی آگئی۔

"جی بیگم صاحبہ!"

"آؤ گڑیا، بیٹھو۔ تم سے ضروری بات کرنی ہے۔" شائستہ بیگم نے کہا تو وہ قالین پر بیٹھ کر ان کی طرف دیکھنے لگی۔

"گڑیا! حمید کیسا انسان ہے؟"

"جی اچھے ہیں حمید بھائی۔ کیوں، کیا ہوا؟"

"اگر تمہاری شادی حمید سے کردی جائے تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں؟"

"جی میری شادی..... مگر میرا تو کوئی نہیں ہے۔" وہ پریشانی سے بے تکی سی بات کر گئی۔

"ہم جو ہیں تیرے، تم بس ہاں یا ناں میں جواب دو۔ میرا خیال ہے کہ حمید بہت اچھا انسان ہے۔ تمہیں خوش رکھے گا۔ تمہاری حیثیت کا ہے، دیکھا بھالا ہے۔ کہاں زندگی کے دھکے کھاؤ گی۔"

"میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا۔"

"اس میں سمجھنے کی کون سی بات ہے۔ اس طرح کے کسی بھی شخص کے ساتھ ہی زندگی بسر کرو گی حسب معمول۔" حوریہ نے گفتگو میں حصہ لیا۔ وہ سوچ میں پڑ گئی۔ "واقعی زندگی تو گزارے گی، کیونکہ میں برکت علی کی گڑیا ہوں۔ اصل میں حمید جیسے لوگ ہی ہم ایسوں کے ہم سفر ہیں اور کوئی سبب بھی تو نہیں ہے۔ کرم داد سے گلہ بھی نہیں رہے گا۔ اپنی ہی کشتی بھنک رہی ہے ٹھکانے لگالوں تو شاید زندگی پُرسکون ہو جائے۔"

"کیا سوچنے لگیں؟"

"کیا سوچنا ہے بیگم صاحبہ! جو آپ مناسب سمجھیں۔" وہ رنجیدہ سی اٹھ کھڑی ہوئی۔ شائستہ نے مسکرا کر جانے کا اشارہ کیا اور وہ باہر نکل آئی۔ چہرے پر سوگواری پر چھائیاں تھیں۔ کرم

داخل ہوتے کرم داد نے بغور اس کو دیکھا اور پھر کمرے میں داخل ہوگیا۔ حوریہ نے اپنی توجہ ٹی وی کی طرف ظاہر کی جبکہ شائستہ بیگم نے مروتاً مسکرا کر بات شروع کی۔

"کہاں تھے بیٹا؟"

"کام کی بات کریں۔" وہ ان کی بات ٹال گیا۔

"ادھر میرے پاس بیٹھو۔ کیوں ناراض ہو؟" شائستہ بیگم نے برا نہیں منایا تھا، بڑی خوش دلی کا مظاہرہ کر رہی تھیں۔

"کوئی ناراضگی نہیں ہے۔ آپ صرف مطلب کی بات کریں۔"

"بات تو عام سی ہے۔ تم ہمارے پاس بیٹھو تو بات کرتے ہیں۔" شائستہ بیگم نے شائستگی کا رویہ برقرار رکھا۔

وہ حیرت سے دیکھتا ہوا بیٹھ گیا۔ "فرمایئے، کون سی عام بات کرنی ہے؟"

"کرم داد! حمید، گڑیا سے شادی کرنا چاہتا ہے۔"

"کیا.....؟ حمید کی یہ مجال..... اور..... اور یہ عام سی بات ہے آپ کے نزدیک؟" وہ مشتعل ہو کر اٹھا۔

"اس میں اتنا شور مچانے کی کیا ضرورت ہے؟ شادی ہی تو کرنا چاہتا ہے۔ اس کمزور سی لڑکی کو بھی سہارا مل جائے گا اور پھر اسے خود کوئی اعتراض نہیں ہے۔" شائستہ بیگم ذرا تنک مزاجی سے بولیں۔

"وہ کون ہوتی ہے اوٹ پٹانگ فیصلے کرنے والی۔" وہ بپھر گیا۔

"آپ ایک ملازمہ کے لئے اتنا پریشان کیوں ہو رہے ہیں؟" شائستہ بیگم نے طنزیہ نظروں سے دیکھا۔

"ملازم تو میں بھی ہوں، اس ملازم سے تعلق ہے میرا، اس کے لئے اچھا برا سوچنا فرض ہے میرا۔" وہ بھی آگ بگولہ ہوگیا۔

"آہستہ بولو، تم اب ہمارے داماد ہو۔ ملازم سنیں گے تو کیا کہیں گے؟"

"یہ شادی نہیں ہو سکتی۔" وہ نگاہوں سے شعلے برساتا ہوا اٹھا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

"آپ مانیں یا نہ مانیں اس کا گڑیا سے تعلق ضرور ہے۔" حوریہ نے شک ظاہر کیا۔

"ہے یا نہیں، ہمیں اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اگر گڑیا سختی سے فیصلہ کرے تو پھر یہ کیا اعتراض کرسکتا ہے؟"

"گڑیا معصوم سی لڑکی ہے۔ وہ تو دن بھر میں ایک آدھ جملہ بولتی ہے..... وہ کیا سختی سے فیصلہ کرسکتی ہے؟" حوریہ نے بے پروائی سے کہا۔

"چلو رفع کرو، ہم کون سا زبردستی شادی کرانا چاہتے ہیں۔ حمید کو منع کردیں گے۔" شائستہ بیگم نے خیال ذہن سے جھٹک کر اس کی بات کا جواب دیا۔

○❖○

کچن کی صفائی کے بعد اس نے ایک تنقیدی نظر ڈالی اور مطمئن ہو کر لائٹ آف کی اور دو کر کے اپنے کوارٹر کی طرف قدم بڑھائے ہی تھے کہ وہ آندھی اور طوفان کی طرح سامنے آ سے اس کی نازک سی کلائی دبوچی اور دوبارہ کچن کا دروازہ کھول کر اندر دھکیلا، لائٹ آن کی اور اندر سے بند کرلیا۔ چہرے پر غصے اور نفرت سے عجیب وحشیانہ اثرات جھلک رہے تھے، آنکھیں برسا رہی تھیں، اس کے بگڑے تیور بتا رہے تھے کہ کوئی سنگین بات ہے جس کے بعد اس قدر بر آثار نمایاں ہیں۔ بنا کاجل کے اُداس نظروں سے، کپکپاتے لبوں کے ساتھ بہت معصوم او دکھائی دے رہی تھی۔ وہ چہرے پر نگاہ ڈال کر غرایا۔

''ہنہ...... چہرے سے کس قدر بھولی نظر آتی ہو اور اندر سے کتنی ہوشیار۔''

وہ کچھ نہ سمجھ سکی۔ صرف پلکیں اٹھا کر دیکھا اور پھر نگاہیں جھکالیں۔ اس کی خاموشی پر وہ اٹھا۔

''بولو...... بولتی کیوں نہیں؟''

''چھوٹے صاحب، کیا بولوں؟'' وہ سہم کر پوچھنے لگی۔

''وہی جو بیگم صاحبہ سے اقرار میں بولا۔ جس بے حیائی سے شادی کی حامی بھری ہے، وہ سامنے بولتے ہوئے شرم آرہی ہے؟'' کندھوں پر دونوں ہاتھوں کا دباؤ ڈالتے ہوئے وہ چلایا

''جی...... وہ تو......''

''کیا وہ تو......؟'' وہ چیخا۔ ''حمید سے شادی کرنا چاہتی ہو؟ وہ کس ملک کا شہزادہ ہے؟ کس کا مالک ہے؟ کس ملک کی پرفیومز استعمال کرتا ہے؟ کس ملک سے اس کا لباس آتا ہے؟ بولو کے لئے تم نے...... تم ایسی حریص لڑکی نے ہاں کی۔''

وہ اس کے اشتعال کے سامنے تھر تھر کانپ رہی تھی۔

''چھوٹے صاحب! اب ان باتوں کی مجھے ضرورت نہیں ہے۔''

''کیوں...... اب کیوں نہیں ہے؟ پہلے کیوں تھی؟ معلوم ہے تم نے کس کس کو اپنی خواہشوں کی بھینٹ چڑھایا ہے اور اب حمید پر یہ کرم کیوں فرمایا ہے؟'' وہ غصے میں آئے شیر کی دھاڑا تو وہ ڈر کر رونے لگی۔

''بیگم صاحبہ کہتی ہیں کہ حمید یہ چاہتا ہے، میں تو کچھ نہیں چاہتی۔ میرے پاس اب چاہنے کو نہیں ہے چھوٹے صاحب!'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

وہ چند لمحے اس کو دیکھتا رہا پھر فیصلہ کن لہجے میں بولا۔

''تم حمید سے شادی نہیں کرسکتیں، حمید سے پہلے اسلم کو تم نے اپنا کر چھوڑا ہے۔ میں یہ ذلت ہونے دوں گا۔ تمہیں یاد نہیں، اسلم کے بدن سے تمہیں بساند آتی تھی۔ اس کے گندے دانتوں

نفرت تھی۔ اس کی غربت سے چڑ تھی۔ حمید بھی بالکل اس جیسا ہے۔

''اب ویسے جینے کی تمنا نہیں ہے چھوٹے صاحب۔''

''لیکن اب دوسروں کو برباد کرنے کے بعد تمہیں کیسی بھی زندگی جینے کا حق نہیں دیا جاسکتا۔ تم ایک غریب شخص کی زندگی حرام نہیں کرسکتیں۔'' وہ خونخوار نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''چھوٹے صاحب! بڑی بیگم صاحبہ سے......''

''یہ چھوٹے صاحب کا حکم ہے۔ آخری فیصلہ ہے۔'' وہ دہاڑا۔ وہ خاموش ہوگئی۔ خواہش تو اس کو بھی نہیں تھی۔ جسے کھودیا تھا اس کے پانے کی امید نہیں رہی تھی۔ اس لئے بیکار وجود کو ایک ٹھکانے لگانے کی خاطر ہاں کردی تھی۔

''تم زندگی کو کھیل سمجھتی ہو...... انسانوں سے کھیلتی ہو، معصومیت سے برباد کرتی ہو۔'' اس کے کندھوں پر سے ہاتھ اٹھا کر وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔

''چھوٹے صاحب! آپ جیسا چاہتے ہیں ویسا ہی ہوگا۔'' وہ دھیرے سے بولی۔

''کاش! میں جو چاہتا تھا تم پہلے مان لیتیں اور جواب آگ سینے میں جل رہی ہے اس پر نگاہ کر لیتیں۔ تمہاری طبیعت کی بے پروائی یا سادگی کہ اب تک تم کچھ نہ سمجھ سکیں۔'' وہ شکست خوردہ سا کہتا ہوا تیزی سے باہر نکلا مگر دروازے پر حمید سے ٹکرا گیا۔ حمید حیران سا اندر آیا تو اسے بھیگی پلکوں کے ساتھ دیکھ کر کافی کچھ سمجھ گیا۔

''کیا ہوا گڑیا؟''

''تجھے اس سے کیا مطلب ہے؟'' وہ روتے روتے بگڑ کر بولی۔

''مطلب ہے ناں۔''

''کیوں...... کیوں ہے؟''

''تو میری گھر والی بننے والی ہے۔ تیری ہر بات سے میرا مطلب ہے۔'' وہ حق جتاتے ہوئے سینہ ٹھونک کر بولا۔

''حمید بھائی! تو بہت پاگل ہے۔'' وہ روتے روتے ہنسنے لگی۔

''یہ...... یہ پھر تجھے دورہ پڑ گیا بھائی والا۔''

''جیسا تو چاہتا ہے وہ نہیں ہوسکتا۔'' وہ لہرا کر بولی۔

''ک...... کیوں...... کیوں نہیں ہوسکتا؟''

''چھوٹے صاحب نے منع کردیا ہے۔'' اس نے اطلاع فراہم کی۔

''چھوٹے صاحب نے...... مگر کیوں؟''

''وہ ہمارے چھوٹے صاحب ہیں۔ بس منع کردیا۔'' وہ سادگی سے بولی۔

''مگر ہم ملازموں پر ان کا یہ دھونس جمانے والا حق نہیں ہے۔'' وہ غصے سے بولا۔

''کیوں نہیں ہے؟''
''بس نہیں ہے...... ہماری شادی ہو گی۔''
''وہ ہمارے چھوٹے صاحب ہیں۔ جیسا کہیں گے ویسا کروں گی۔'' وہ دوٹوک لہجے میں بولی۔
''میں بیگم صاحبہ سے بات کرتا ہوں۔''
''تُو جس سے مرضی بات کر، میں شادی نہیں کرنے والی۔'' وہ کہتی ہوئی باہر نکلی۔
''ایک بار اور سوچ لے گڑیا!'' حمید نے آخری کوشش کی۔
''کچھ نہیں سوچنا۔''
''مجھے شک ہے کچھ کچھ۔'' حمید نے مشکوک انداز میں دوسرا حربہ استعمال کیا۔
''کیسا شک؟'' وہ بولی۔
''تیرا چھوٹے صاحب سے کوئی رشتہ ضرور ہے۔''
''ہاں ہے۔'' وہ بولی۔
''کیا...... کیا لگتے ہیں وہ تیرے؟ کیوں تیرے پاس علیحدگی میں آتے ہیں؟''
''وہ چھوٹے صاحب ہیں اس لئے کہیں بھی آ سکتے ہیں۔'' وہ بے نیازی سے کہہ کر آگے بڑھ گئی۔
حمید غصے سے بل کھاتا رہ گیا۔

O❖O

ڈرائیور نے گاڑی نکال کر شائستہ بیگم کو اطلاع دی۔ شائستہ بیگم نے گلے سے لگی حوریہ کو آہستہ آہستہ بہت سی نصیحتیں کیں، خوب پیار کیا اور گوجرانوالہ ایک دو دن کے لئے آنے کو کہا۔ اس نے [illegible] ختم ہونے پر آنے کی حامی بھر لی۔ شائستہ بیگم مطمئن ہو کر چاروں طرف کرم داد کو دیکھنے لگیں مگر وہ شاید کہیں باہر گیا ہوا تھا۔ پھر وہ چپ ہو کر گاڑی میں بیٹھ گئیں۔ حوریہ نے مسکرا کر ہاتھ لہرایا تو جواباً وہ بھی مسکرا دیں۔ عبدل نے گیٹ سے گاڑی باہر نکالی۔ جونہی گاڑی گیٹ سے باہر نکلی، ڈاکٹر شینا کی گاڑی اندر داخل ہو گئی۔ حوریہ نے اسے بھی مسکرا کر خوش آمدید کہا۔
''ہیلو، ہاؤ آر یو؟''
''آئی ایم فائن۔'' حوریہ نے کہا۔
''ایک ہفتے سے شکل نہیں دکھائی۔ کہاں تھیں؟'' شینا نے ڈرائنگ روم کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے۔
''آنٹی کے ساتھ مصروف تھی۔''
''کیا آنٹی آئی ہوئی تھیں ایک ہفتے سے اور تم نے مجھے اطلاع نہیں دی؟''
''ایک ہفتے سے نہیں، دو روز سے یہاں ضرور تھیں، اس سے پہلے ہسپتال کی مصروفیت تھی۔''
''مجھے تو اطلاع دے دیتیں۔ میں آنٹی سے بات کر لیتی۔'' صوفے پر بیٹھتے ہوئے شینا بولی۔
''کون سی بات؟'' حوریہ کچھ سمجھ نہ سکی۔

''بھول بھی گئیں؟'' شینا نے شکایتی انداز میں دیکھا۔
''کون سی بات، میں واقعی بھول گئی۔'' حوریہ ذہن پر زور ڈالنے کی کوشش میں مصروف ہو گئی۔
''بھئی اپنے بھائی والی بات جو میں نے گڑیا کے لئے کی تھی۔'' شینا نے کہا تو وہ خفت سے مسکرا دی۔
''ویسے اس کا فائدہ کچھ نہ ہوتا۔ میں نے آنٹی سے بات کی تھی۔''
''پھر کیا کہا انہوں نے؟'' وہ جلدی سے بولی۔
''ہنہ اوں ہنہ، انکار کر دیا انہوں نے۔''
''مگر کیوں؟''
''ان کا خیال ہے کہ یہ زیادتی ہے۔ گڑیا معصوم سی لڑکی ضرور ہے مگر نامکمل نہیں۔ اس کو اس طرح اندھے کنوئیں میں تو نہیں دھکیلا جا سکتا۔''
''حوریہ! کم آن، یہ کیا بات کی اندھا کنواں، ہمارا گھر اندھا کنواں ہے کیا؟'' شینا برا مان گئی۔
''نہیں...... نہیں ڈیئر...... بات گھر کی نہیں ہے، تمہارے بھائی کی ہے۔ اس کی ذہنی حالت بہتر نہیں۔ یہ میں نہیں تم کہتی ہو۔ تمہارے ڈاکٹرز کہتے ہیں۔ ایک ڈاکٹر بن کر سوچو، اس کی کیا کیفیت ہے؟ ایک معصوم، بے ضرر سی لڑکی کو ہم صرف خود غرضی کی بھینٹ چڑھا دیں یہ تو مناسب نہیں۔'' حوریہ نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں دبا کر نرمی سے سمجھایا۔
''میرے بھائی کو کسی چیز کی کمی نہیں، وہ ساری زندگی بیٹھ کر کھا سکتا ہے اور کھلا سکتا ہے۔ گڑیا کو صرف میں اس لئے اس لائق سمجھتی ہوں کہ وہ بھولی بھالی، معصوم باتیں کر کے میرے بھائی کا دل بہلا سکتی ہے۔'' ڈاکٹر شینا، بھائی کا احساس کر کے اُداس سی ہو گئی۔
''بات روپے پیسے کی نہیں ہے شینا! تمہارا بھائی اسے یا کسی بھی لڑکی کو وہ خوشی نہیں دے سکتا جو کسی لڑکی کا بنیادی حق ہوتا ہے۔ بلکہ وہ تو خود خوشیوں کا متمنی ہے، اسے اس عذاب میں مبتلا نہ کرو۔ میں بھی ایک ڈاکٹر ہوں، جانتی ہوں کہ تمہارے بھائی کی ذہنی حالت کیا ہے؟ اسے نرس کی یا ایک مستقل [illegible] کی ضرورت ہے۔''
''مگر ڈاکٹرز کا خیال ہے کہ اگر......''
''آئی نو...... آئی نو میری جان، مگر یہ کسی نارمل لڑکی کے ساتھ ظلم ہے۔ جانے کب وہ ٹھیک ہو، یا [illegible] چانس پر زندگی نہیں گزاری جا سکتی۔''
''اس کا مطلب ہے صاف انکار ہے تمہارا؟'' شینا مایوسی سے بولی۔
''ہاں...... معذرت کے ساتھ۔''
''میں پھر بھی گزارش کروں گی کہ تم گڑیا سے پوچھ لو۔'' شینا نے آخری کوشش کی۔
''چلو یہ بھی کر لیتی ہوں۔ ویسے وہ بیچاری تو ہر فیصلے پر ہماری طرف ہی دیکھتی ہے۔''

"میں پھر چلتی ہوں، کل فون پر جواب معلوم کرلوں گی۔" شینا اٹھتے ہوئے بولی۔

"بیٹھو، ابھی چائے آرہی ہے۔" حوریہ نے اصرار کر کے بٹھانا چاہا مگر وہ پھر بھی معذرت
اٹھ کھڑی ہوئی۔

ڈاکٹر شینا کے جانے کے بعد وہ سوچنے لگی کہ کیا ڈاکٹر شینا کی بات مانی جائے یا نہیں۔ اگر جائے تو کیا مناسب ہوگا؟ اگر نہ مانی جائے تو کیا فرق پڑے گا؟ ایک طرف گڑیا اور اس کی مح ہے اور دوسری طرف ڈاکٹر شینا کے ساتھ دوستانہ تعلقات۔ کبھی ڈاکٹر شینا کے دلائل موثر لگتے اپنی دلیل پُر اثر دکھائی دیتی۔ اس کی سوچ کا سلسلہ گڑیا کی آمد سے ٹوٹ گیا۔ اس نے اسے کر بات کرنے کی ٹھان لی۔

"گڑیا! حمید کے لئے انکار تم نے کیا ہے یا چھوٹے صاحب نے؟"

"جی......" وہ پریشان ہوگئی کہ کیا جواب دے۔

"خیر چھوڑو، یہ بتاؤ کہ حمید سے بہتر رشتہ اور کوئی ہو تو شادی کرلوگی؟" حوریہ نے اس کی بھانپ کر خود ہی بات کا رخ بدل دیا۔

"کون سا رشتہ حوریہ بی بی؟"

"ڈاکٹر شینا سے تم مل چکی ہو۔"

"جی حوریہ بی بی! بہت اچھی ہیں ڈاکٹر شینا۔" وہ مسکرائی۔

"ان کے بھائی کا رشتہ ہے...... چھوٹے بھائی کا۔"

"ڈاکٹر شینا کے بھائی اور میرا......" وہ ورطۂ حیرت میں غوطے لگانے لگی۔

"ہاں، اس لئے کہ تم بہت اچھی ہو، خوبصورت ہو۔ اتنے بڑے گھر کی بہو بننا تمہارا حق" حوریہ نے رشک بھرے انداز میں کہا۔

"لیکن میں تو غریب ہوں۔ آپ کی ملازم ہوں۔"

"قسمت بدلتے دیر تھوڑی لگتی ہے۔" حوریہ بولی۔

"واقعی، سب انسان ایک جیسے ہوسکتے ہیں۔ میں صفیہ باجی کو، شیبا باجی کو کہا کرتی تھی کہ دلہن بیگم کی جگہ ہوسکتی ہیں۔ مگر وہ جانتی نہیں تھیں، کہتی تھیں کہ امیر لوگ غریبوں سے دوستی نہیں کر دلہن بیگم اور صفیہ میں فرق ہے۔ یہ ہمیشہ رہے گا۔"

"کہتی وہ ٹھیک تھیں نادان لڑکی۔ کیونکہ آگے جو میں بتاؤں گی وہ سننے کے بعد تمہیں یہ جائے گا۔" حوریہ ایک دم ہی سنجیدہ سی ہوگئی۔

"کون سی بات؟" اس نے پلکیں جھپکائیں۔

"ڈاکٹر شینا کا بھائی بیمار ہے۔"

"بیمار نہیں بلکہ معذور ہے ڈاکٹر شینا کا بھائی۔" ایک ایک لفظ چباتے ہوئے کرم داد ڈرائنگ

داخل ہوگیا۔ حوریہ کا ماتھا ٹھنکا۔

"کرم داد فار گاڈ سیک، تم اپنے کام سے کام رکھو۔" وہ چڑ کر بولی۔

"تاکہ آپ حوریہ بی بی! فریب دے سکیں، جھوٹ بول سکیں۔" وہ آرام دہ انداز میں ٹانگیں پھیلا کر صوفے پر بیٹھ گیا۔

"اس کا علاج ہو رہا ہے۔ شادی کے بعد ٹھیک ہو جائے گا۔" حوریہ نے اسے نظرانداز کرتے ہوئے گڑیا کو سمجھانے کی کوشش کی۔

"حوریہ میم صاحبہ! انسانی زندگی جوا نہیں ہے کہ آپ کھیل جائیں۔ ڈاکٹر شینا سے صرف مراسم رکھنے کے لئے آپ نے خدا ترسی بھی چھوڑ دی۔" کرم داد غصہ دباتے ہوئے بولا۔

"کرم داد! میں صرف گڑیا سے بات کر رہی ہوں۔ اقرار، انکار کرنا اس کا حق ہے۔" حوریہ جھنجلا گئی۔ کرم داد نے تیکھی نظروں سے گھٹنوں میں سر دیئے خاموش بیٹھی گڑیا کی طرف دیکھا پھر جیسے اس کے اندر انگارے دہک اٹھے۔

"ہاں ہاں...... جانتا ہوں۔ مجھے بھی کوئی دلچسپی نہیں ہے ایک ملازمہ کے لئے۔ میری بلا سے جہنم میں جائے۔ ویسے بھی ایک ملازمہ کی تو اوقات سے بڑھ کر ہے یہ سب کچھ۔ روپیہ پیسہ، کوٹھی کار اور پھر...... چھوٹے صاحب...... اور کیا چاہئے، ضرور اس کی خاموشی سے فائدہ اٹھاؤ۔ اس کی زندگی کی بڑی آرزو پوری کرو۔ مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔ کوئی دلچسپی نہیں۔" وہ چیختا ہوا پاؤں پٹختا ہوا باہر نکل گیا۔ وہ اسی طرح گھٹنوں میں دیئے بیٹھی تھی۔ حوریہ نے ہلکے سے سر پر ہاتھ رکھا تو اس نے سر اٹھایا۔ حوریہ نے دیکھا کہ نمکین پانیوں سے بھری جھیلیں کناروں سے بہہ نکلی تھیں۔ چہرے پر دکھ کے موسم تھے اور لب ساکت تھے۔

"گڑیا! تم چھوٹے صاحب کی باتوں کا برا مت مانو، کوئی جبر نہیں ہے تم پر۔ سوچ سمجھ کر فیصلہ کرو۔ ایک دن، دو دن، ہفتہ جتنے دن چاہو سوچو، پھر مجھے بتاؤ۔ میں مجبور نہیں کروں گی۔" حوریہ نے دھیرے دھیرے کہا تو وہ سسکیاں لیتی ہوئی باہر کو بھاگی۔

○✧○

لان میں کھلے مسکراتے پھول اس کی بھیگی پلکیں دیکھ رہے تھے۔ وہ پھولوں کے کنج کے قریب زمین پر بیٹھ کر شاید انہیں اپنا دکھ سنانا چاہتی تھی۔ کوئی پرسانِ حال نہیں تھا۔ کس کو بتاتی کہ کس قدر تنہا ہوں، سب منزلیں کھو گئیں، سب راستے مٹ گئے۔ قدموں کے نیچے کی زمین بھی اپنی نہیں۔ قرار ہے ہیں۔ جسم ہچکولے کھا رہا ہے۔ سہارا کون دے؟ کوئی ہے ہی نہیں، بیکار زندگی کی کسی کو زمین آسمان بدل گئے، رات دن بدل گئے۔ سپنوں سے بھری آنکھیں اب ہر سپنے سے دور

"گڑیا! تجھے یہاں سے چلے جانا چاہئے، یہاں تیرے رہنے کا کوئی نہ مقصد ہے اور نہ ضرورت۔

جس کرم داد کے ساتھ تُو یہاں تک آئی تھی وہ تو تیرے ہی کہنے سے آگے نکل گیا۔ اس تک اب آواز نہیں جا سکتی۔ یہاں تیرے لئے کون سا رشتہ باقی ہے؟ نئے رشتوں اور نئے لوگوں کی چاہئے۔ تیری وجہ سے یہاں ایک دھند ہے۔ وہ چھٹ جائے گی، چھوٹے صاحب اور حور پری بیچ کا پردہ گر جائے گا۔ وہ ایک دوسرے کو دیکھ سکیں گے۔" اس نے خود سے کہا۔ مگر بڑبڑاہٹ دین نے سن لی۔ وہ کیاریوں کی تراش خراش چھوڑ کر اس کے قریب آ گیا۔

"گڑیا! کیا ہوا ہے؟" گلاب دین نے شفقت سے سر پر ہاتھ رکھا۔

"ک..... کچھ نہیں گلاب دین بابا....." وہ پلکیں صاف کرتے ہوئے بولی۔

"تجھے جب بھی دیکھا روتے ہوئے دیکھا۔"

"بابا، میں پہلے ہر وقت ہنستی رہتی تھی۔"

"اب تجھے کیا غم ہے بیٹی؟"

"بابا، میں تو بہت خوش ہوں اس اتنی بڑی کوٹھی میں..... بہت خوش ہوں۔" وہ اُداسی سے بولی۔

"بیٹی! تُو کب سے بیگم صاحبہ کے پاس ہے؟ ماں باپ کہاں ہیں؟" گلاب دین بابا نے اس کے اداس چہرے پر نظر ڈالتے ہوئے پوچھا۔

وہ دور کہیں کھو گئی۔ "بابا! اب میرا کوئی نہیں ہے۔ پہلے سب تھے۔ میرے ابا تھے جو اس طرح بڑی سی کوٹھی میں چوکیدار تھے۔ ان کو مجھ سے بہت پیار تھا، میری اماں تھیں جو مجھے مار کر خود تھیں۔ جتنا مجھے پیٹتی تھیں، بخار اتنا ہی تیز ان کو چڑھتا تھا۔ مجھے سینے سے لگا کر پیار سے سمجھاتی اور میری صفیہ باجی، وہ تو اماں ابا سے بچانے کے لئے میری ڈھال بن جاتی تھیں۔ مجھے ہر طرح سمجھاتی تھیں۔ ثریا باجی میری باتیں سن کر ناراض بھی ہوتی تھیں اور اداس بھی ہوتی تھیں۔" وہ بولتے چپ ہوئی تو گلاب دین بابا نے پوچھا۔

"یہ سب کہاں ہیں؟"

"اماں اور ابا تو دنیا چھوڑ گئے۔ صفیہ باجی اور ثریا باجی یہیں اسی شہر میں زندگی کے دن پورے کر رہی ہیں۔" اس نے بتایا۔

"تُو ان کے پاس کبھی بھی نہیں جاتی اور وہ بھی تجھے ملنے نہیں آتیں؟"

"بابا! میں ان سے رشتے توڑ کر نکلی تھی۔"

"ہیں..... یہ کیا کہہ رہی ہے؟"

"بابا! سوچ، ایک لڑکی اپنے گھر، ماں باپ، بہن بھائی اس طرح نہ دیکھے جس طرح سب ہیں بلکہ اس طرح دیکھے جیسے کوئی نہیں دیکھتا۔ انہیں اپنی پسند کے بتوں میں ڈھلانا چاہتا ہے تو رشتے اپنے رہ سکتے ہیں؟"

"تُو کیسی دیوانوں جیسی باتیں کر رہی ہے؟"

"بابا! میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ میں اپنے ابا کو پھٹے پرانے کپڑوں میں دیکھتی تھی تو کہتی تھی کہ ابا بھی تو انسان ہیں۔ کوٹھی کے مالک چھوٹے صاحب بھی انسان ہیں۔ پھر ابا ایسے کپڑے کیوں نہیں پہنتے۔ مجھے ابا اچھے نہیں لگتے تھے۔ چھوٹے صاحب اچھے لگتے تھے۔ صفیہ باجی اور ثریا باجی سے بساند آتی تھی۔ مجھے دلہن بیگم اچھی لگتی تھیں۔ میں کھلی آنکھوں سے کوارٹر کو کوٹھی سے ملا ہوا دیکھتی تھی۔ وہ سب سے ناراض ہوتے تھے۔ مجھے سمجھاتے تھے۔ مگر مجھے اپنی غربت اچھی نہیں لگتی تھی۔ میں ابا اور اماں سے اپنے ہر سوال پر گالیاں کھاتی تھی۔"

"یہ تو بڑی عجیب بات بتائی تُو نے۔" گلاب دین کو حیرت اور تعجب ہو رہا تھا۔

"بابا! تم بھی ان باتوں کو عجیب ہی کہتے ہو۔"

"بیٹی! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم مالکوں کی برابری کریں۔ تیرے اماں بابا ہماری طرح کے انسان تھے۔ ان کا اپنے مالکوں سے مقابلہ نہیں ہو سکتا تھا۔ تُو تو بالکل پاگل نکلی۔ اتنی سی بات پر انہیں چھوڑ دیا۔ یہ بھی نہ سوچا کہ اللہ کے کاموں میں زور نہیں چلتا۔ اب تجھے بنایا ہی خدمت کے لئے ہے تو تُو بھلا کیسے رانی بن جاتی۔ پاگل بیٹی کوئی خدمت کرتا ہے کوئی کراتا ہے۔ یہ دنیا ہے، یہاں سب اوپر والے کی مرضی سے ہوتا ہے۔"

"اب تو یہ بات میری سمجھ میں آئے یا نہیں، میں نے خاموش رہنا سیکھ لیا ہے۔"

"یہ تُو نے بہت اچھا کیا۔ کیونکہ بیٹی اسی میں ہم غریبوں کی بھلائی ہے۔ تُو دل چھوٹا نہ کیا کر ہم سب تیرے ہیں۔ خوش رہا کر۔"

"بابا! کوشش تو کرتی ہوں۔ مگر کچھ نہ کچھ ہو جاتا ہے" وہ کچھ یہ پہلے کا واقعہ سوچ کر پھر دل گرفتہ سی ہو گئی۔ گلاب دین بابا چند منٹ بیٹھے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے رہے اور پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ وہ انہیں کیا بتاتی کہ خوشیاں اس سے روٹھ چکی ہیں۔ اس نے خود خوشیوں کو پرے دھکیلا ہے۔ ماں کے لاکھ سمجھانے کے باوجود اس نے کرم داد کو دھتکارا تھا اور اس دن سے وہ خوشیوں کے تعاقب میں بھٹک رہی ہے۔ یہ یقین کر چکی ہے کہ اب کچھ ممکن نہیں۔ یہاں سے چلے جانا ہی چاہئے۔ چھوٹے صاحب بھی خفا خفا ہیں۔ سب کے درمیان اختلاف کی وجہ میں ہوں، مجھے چلے جانا چاہئے۔ کسی کے کام آ جانا چاہئے۔ ٹھیک کہتے ہیں مالی بابا کہ ہمیں تو پیدا ہی خدمت کے لئے کیا گیا ہے۔ چھوٹے صاحب نے جو کچھ کہا ہے اس کے بعد گڑیا تجھے یہاں نہیں رہنا چاہئے۔ آخر تُو ملازم ہی ہے اپنی اوقات پہچان۔ یہاں رہ یا وہاں ایک ہی بات ہے۔

ٹکڑے ٹکڑے دل کو یکجا کر کے اس نے ایک فیصلہ کر لیا اور پلو سے اچھی طرح آنکھیں صاف کر کے فیصلے کے ساتھ قدم اندر کے لئے اٹھائے اور اذیت سے کسی حد تک نجات مل گئی۔

○❖○

"مجھ سے بلاوجہ الجھنے کی بجائے اس سے پوچھو، میں نے اس پر کوئی جبر نہیں کیا ہے۔ اس کو

سوچنے سمجھنے کا موقع دیا ہے۔"

"تم نے سوچنے سمجھنے کا موقع نہیں اسے سبز باغ دکھائے ہیں، رنگین سپنے دکھائے ہیں۔" ہ
کے جھنجلا کر جواب دینے پر وہ غصے سے بے قابو ہو گیا۔

"کیسے خواب؟" اس نے حیرت سے دیکھا۔

"اونچے گھر اور مرتبے کے، اپنی طرح کے جھوٹے رشتے کے۔" وہ طنزیہ بولا۔

"او، اب سمجھی، یہ خواب ہیں تمہارے نزدیک۔ ارے یہ تو وہ سچ ہے جو تم نے اور اس گ
سوچا بھی نہیں ہوگا۔ وہ اتنی بچی بھی نہیں ہے کہ بہکاوے میں آ جائے۔" حوریہ آگ بگولہ ہوگئی۔

"بچی نہ سہی، مگر معصوم ضرور ہے۔ تمہاری طرح اور اس طرح تمہاری ڈاکٹر شینا کی طرح چا
اور مکار نہیں ہے۔" وہ غرا کر بولا تو حوریہ کو پتنگے لگ گئے۔

"ایک تم معصوم ہو اور دوسری وہ۔ کیوں اس معصوم کو اپنے عتاب کا نشانہ بناتے ہو۔ یوں
نہیں کہتے کہ وہ تمہاری غلیظ نظروں کی ہوس پوری کرتی ہے۔ تمہارے اندر کے انسان کی حسر
شکار ہے وہ معصوم۔"

"اپنی بکواس بند کرو۔" غصے سے ہاتھ بلند کر کے وہ اس کی طرف بڑھا مگر ہمت اور ضبط
روک لیا۔

"مارو...... تم ایسے بزدل انسان سے یہ توقع ہونی چاہئے، اپنی وجہ سے اس معصوم کا گم
ہوئے تم نہیں دیکھ سکتے۔"

"حوریہ بیگم! تم اسے گھر بسانا کہتی ہو۔ کیا وہ نامکمل انسان شادی کے قابل ہے؟ گڑیا کی
تباہ کرنے کو تم اس کا گھر بسانا کہہ رہی ہو۔"

"نامکمل تو ہم سب ہیں...... کیا میں اور تم زندگی نہیں گزار رہے؟" وہ شانے اچکا کر بولی۔

"تمہاری، میری زندگی کا مقابلہ اس سے نہیں۔ ہم سمجھوتہ نبھا رہے ہیں۔ شادی کے کتنے
اپنے اندر کے خالی وجود اور اس گھر کے سناٹے سے پوچھو۔" وہ بھی بے پروائی کا مظاہرہ کرتے
بولی۔

وہ بل کھا کر پھنکاری۔ "اس میں کس کا قصور ہے، میری زندگی کے سب سناٹے تمہاری
ہیں۔ میرا جرم یہ ہے کہ تم سے محبت کی۔ سزا یہ ہے کہ میرے اندر باہر سناٹے ہیں۔"

"کیا...... کیا...... پھر سے کہنا؟" اسے اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا۔ تن بدن میں
اٹھے۔ اپنی کھوکھلی ہستی کا قصوروار اسی کو ٹھہرا رہی تھی۔ یہ جانتے بوجھتے کہ وہ ہر، ہر بات سے
ہے۔ سب کچھ سن چکا ہے۔ پھر کس قدر بے باکی اور دھاندلی سے سب الزام اس پر لگا رہی
آپے سے باہر ہو گیا۔

"بار بار کہنے کی مجھے عادت نہیں۔ اگر تمہارے نزدیک تم میرے مجرم نہیں ہو تو اپنی

سرٹیفکیٹ پیش کرو۔ کسی ڈاکٹر کا، مستند ڈاکٹر کا، پھر میرے پاس آنا، سمجھے۔" وہ سچ مچ پاگل سی ہوگئی
تھی۔ اس کی انا، مردانگی اور غیرت پر طمانچہ مار کر متکبرانہ چال چلتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی اور
وہ تو دہک کر انگارہ بن گیا۔ کیا سے کیا کہہ کر وہ چلی گئی۔ اس کا روم روم سلگ اٹھا۔ اس ذلت پر
کمرے کی ایک ایک چیز فرش پر پٹخ دی۔ کمرے میں چیزوں کی ٹوٹ پھوٹ کا تو سن کر پہلے حمید دوڑا
مگر اس کے جھڑکنے پر الٹے قدموں باہر نکل گیا۔ اس کے بعد جب وہ ٹوٹی پھوٹی اشیاء کو پیروں
تلے روند کر اپنے اندر کے انسان کو اطمینان دلا رہا تھا کہ گڑیا آ گئی۔

"چھوٹے صاحب! کیا ہوا؟"

"دیکھ نہیں سکتی...... تُو...... تُو ہی اس حالت کی ذمے دار ہے۔ تیری وجہ سے مجھ پر...... میری
مردانگی پر الزام لگا ہے۔ میں تیری ہی نفرتوں کا شکار ہوا ہوں...... میرے اندر کے ٹھنڈے میٹھے چشمے تُو
نے...... تُو نے زہر سے بھر دیئے۔ اس طرح مجھے مٹایا ہے کہ سنبھلنا بھی چاہوں تو ممکن نہیں۔ تیری بے
رخی کی سزا ملی ہے مجھے...... میں تجھے معاف نہیں کر سکتا...... نہیں کر سکتا...... میری وفا کا سرٹیفکیٹ تُو
بن سکتی ہے۔" اس نے بجلی کی سی پھرتی سے دروازے کی چٹخنی چڑھا کر اسے مضبوط بازوؤں میں
جکڑ لیا۔ اس کے بازوؤں میں کمزور سی گڑیا کی ہڈیاں چٹخنے لگیں۔ وہ رونے لگی۔ منت کرنے لگی۔
چیخنے لگی۔ جواب میں وہ خود وحشت زدہ سا چلا رہا تھا۔ اس کی کچھ نہیں سن رہا تھا۔ اس سے...... اس
کی وحشت سے لڑتے لڑتے وہ بے ہوش ہو گئی۔ آخری ٹوٹے پھوٹے جملے اس کی سماعت سے
ٹکرائے۔

"میری محبت ٹھکرا کر تم نے مجھے اس گھٹیا عورت سے ذلیل کرایا ہے...... تم نے...... تم نے کرم داد
کے اندر کے انسان کو مارا ہے، قتل کیا ہے۔ میری محبت نہ سمجھنے والی...... اب میرے غصے کو جھیلو۔ تم......
ہوگی میرے وجود کا اظہار۔" غصے میں وہ بالکل ہوش و حواس سے بیگانہ ہو چکا تھا۔

ہوش آیا تو اس کی محبت، اس کی اپنی محبت گڑیا اس کے غصے کا شکار ہو چکی تھی۔ احساسِ ندامت
سے سر کے بال نوچ ڈالے۔ فرشتوں کی سی معصومیت لئے وہ بستر پر پڑی تھی۔ وہ دیوانوں کی طرح
اس کے ہاتھ چومنے لگا۔ اسے اپنے آپ سے گھن آ رہی تھی۔ وہ بے بسی سے اپنے آپ کو لعنت
ملامت کر رہا تھا۔

"اے کاش! تم اس وقت کمرے میں نہ آتیں...... یا اللہ میں اپنی محبت کے جتنا قریب جانا چاہتا
ہوں اتنا دور کیوں ہو جاتا ہوں؟" وہ سسک اٹھا...... پیشانی عرق آلود ہو چکی تھی۔ اب کوئی حل نہیں
تھا۔ گزرے لمحات واپس نہیں آ سکتے تھے۔ میز سے پانی کا جگ اٹھا کر اس کے چہرے پر چھینٹے
دیئے۔ اس کے چہرے کو تھپتھپایا تو کچھ دیر بعد وہ کراہ کر سسکاریاں بھرنے لگی۔ آنکھیں برسنے
لگیں۔ اس کی طرف دیکھ کر خود کو سمیٹنے کی کوشش کرنے لگی۔ کرچی کرچی وجود تو بکھر چکا تھا۔ سمیٹنے میں
زمانے لگنے تھے۔ اس نے چہرہ موڑ لیا تو وہ بستر کی شکنیں ہاتھوں سے برابر کرتے ہوئے رحم طلب

نظروں سے دیکھ کر یہ کہہ سکی۔

''چھوٹے صاحب......'' اس ایک پکار میں درد ہی درد تھا، شکوہ ہی شکوہ تھا۔

''گڑیا! قتل کر دو چھوٹے صاحب کو...... مار ڈالو...... سنگسار کر دو......'' چہرہ موڑے تاسف سے بولا تو وہ بنا کچھ بولے ہی ہچکیاں بھرتی ہوئی دروازہ کھول کر باہر نکل گئی اور وہ کسی عمارت کی طرح ڈھیر ہو گیا۔

○✻○

تاریک کمرے میں بیڈ پر چت لیٹے وہ اس کی سسکیاں محسوس کر رہا تھا۔ مکمل تاریکی اور سناٹے میں صرف دیوار گیر گھڑی کی ٹک ٹک سنائی دے رہی تھی۔ اندر اتنا شور تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دے رہی تھی۔ ایسا بین تھا دھڑکنوں کا کہ اس کی پلکوں سے چشمے ابل رہے تھے۔ کیا جان لیوا ہو گیا تھا زندگی میں کہ اپنی ہی شناخت ختم ہو گئی۔ سچ مچ کرم داد آج مر گیا تھا۔ یہ احساس ہی اک چٹان ایسی ہستی کو ریزہ ریزہ کر رہا تھا۔ کیا باقی بچا تھا۔ صرف ندامت اور احساس جرم...... کس کی کی سزا کس کو مل گئی۔ نہ اس کے پاس اس سوال کا جواب ہے اور نہ اس کے پاس کسی بات کی وضاحت رہی تھی۔ آن کی آن میں کیا سے کیا ہو گیا...... غصے اور نفرت کی آگ میں جھلس کر سب کچھ راکھ ہو گیا، راکھ میں ساری آرزوئیں اور تمنائیں بھی جل گئیں۔

محبت بھی کبھی کبھی ایسا کڑا امتحان بن جاتی ہے کہ انسان محبت کرتا کرتا نفرت پسند بن جاتا ہے۔ محبت کا چہرہ بگڑ کر نفرت کی تصویر بن جاتا ہے۔ اس کے ساتھ بھی یہی ہو رہا تھا۔ بھاگ بھاگ کر پاؤں سوج گئے تھے مگر مسافت ختم ہونے کو نہیں آ رہی تھی۔ دور سے مدھم سا سایہ اس کا دکھائی دیتا، بھاگ کر جب بھی قریب پہنچتا سب نقش مٹ جاتے، سائے معدوم ہو جاتے۔ وہ پھر کوسوں دور ہو جاتی۔

''کرم داد! تم نے یہ کیا کر ڈالا۔ محبت کرتے کرتے، اپنا چاند ہی دھندلا دیا۔ جسے پہلے تم پر محبت کا یقین نہ آیا اب کیسے تمہارے محبت کے بہلاوے میں آئے گی۔ پاس لاتے لاتے تم نے اسے ہمیشہ کے لئے دور کر دیا۔ تم نے خود پسندی کی وجہ سے اس نادان لڑکی کے اعتماد کا خون کر دیا...... وہ تمہیں معاف نہیں کرے گی۔ معاف نہیں کرے گی۔'' سر بیڈ کے سرہانے سے ٹکرا ٹکرا کر وہ بڑبڑانے لگا۔

''اسے معاف کرنا بھی نہیں چاہئے۔ میں معافی کے قابل نہیں۔ ایک ضدی، انا پرست ہوں، چھوٹی سی ضد اور نادانی کی پہلے سزا دی اور پھر اب اس سے بڑی سزا دے کر اسے پانے کے بجائے کھو دیا۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے...... اتنا بڑا جرم تو نہیں تھا اس کا جتنی بڑی سزا دی ہے اسے۔ محبت کا تقاضا کر کے اس کو زرخرید کیوں سمجھ لیا تھا۔ اس نے انکار ہی تو کیا تھا، اتنا کیوں انا کا مسئلہ بنا لیا...... یہی اس کی خطا تھی کہ اس نے تمہیں اور تمہاری محبت کو نہیں سمجھا اور حوریہ سے شادی کا مشورہ دیا۔ تم نے...... تم نے اس کی زندگی کی ہر مسکراہٹ پر نفرت اور انتقام کے پہرے بٹھا دیئے۔ نہ مرنے دیا اور نہ جینے دیا۔ وہ چپ چاپ تمہارا ہر ظلم سہتی رہی۔ مگر یہ ظلم تو وہ برداشت نہیں کر پائے گی۔ خود کو اس کی تکلیف سے نجات دلائے گی۔ وہ ہمیشہ کے لئے پُرسکون ہو سکتی ہے۔ نہیں...... نہیں...... نہیں ہو سکتا۔ ضمیر کی آواز پر وہ چلا کر اٹھ بیٹھا۔ اسی لمحے دروازہ جھٹکے سے کھلا تو حمید بوکھلایا ہوا اندر آیا۔

''صاحب...... چھوٹے صاحب...... وہ گڑیا......''

''کیا ہوا گڑیا کو؟'' وہ بے تابی سے بولا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

''وہ گھر چھوڑ کر جا رہی ہے۔ میں نے بہت سمجھایا مگر مانتی نہیں۔''

''کیا...... کیا کہتی ہے؟'' وہ لڑکھڑا کر بولا۔

''کچھ نہیں بول رہی، ہمیشہ کی طرح آنسو برسا رہی ہے بس۔'' حمید دکھ سے بولا۔

''چلو میں دیکھتا ہوں۔'' گھبرا کر وہ باہر کو بھاگا۔ پیچھے ہی حمید بھی آیا۔

''تم جا کر اپنا کام کرو۔ سمجھے۔'' پلٹ کر غصے سے کہا۔ حمید نے کچن کا رخ کیا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا اس کے کوارٹر کی طرف بڑھا۔ دروازے پر قدم ایک ایک من کے ہو گئے۔ اندر جانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی کس منہ سے اس کا سامنا کرتا۔ وہ تو اس سے نظر ملانے کے قابل بھی نہیں رہا تھا۔ کیا کہوں اس سے کہ میں نے ایسا کیوں کیا؟ میرے دل میں تمہارا کیا مقام تھا؟ کس کا دعویٰ کرتا تھا کیا یہی وہ محبت تھی؟ نہیں...... نہیں...... میں تمہارا سامنا نہیں کر سکتا۔ تمہاری نگاہوں کے کسی سوال کا میرے پاس جواب نہیں۔ تمہارے کسی شکوے کا میرے پاس جواب نہیں۔ مجھے خود اپنے آپ سے گھن آ رہی ہے۔ اپنے اندر کے کرم داد سے نظریں چرا رہا ہوں۔ کرم داد ایسا نہیں ہے۔ یہ تو اس پر چڑھے ہوئے چھوٹے صاحب کے خول کا کمال ہے جو اپنے اور حوریہ کے رشتے میں الجھ کر تم پر ظلم کرتا رہا۔ یہ بھی تو ایسے ہی کمزور لمحے کی بھول ہے۔ مگر میں اب تمہیں یہ سب نہیں سمجھا سکتا۔ کیونکہ میں تو اپنی محبت کے سمجھانے میں بھی۔ اب تم میری بات نہیں سمجھ سکتیں۔ میں شاید ہار گیا ہوں...... اپنے دام میں پھنس گیا ہوں۔ میں تمہارا سامنا نہیں کر سکتا۔ کافی دیر ذہنی الجھن میں گرفتار رہنے کے بعد واپس جانے کے لئے مڑا۔ قدموں کی آہٹ پر گردن موڑی تو وہ ایک چھوٹی سی کپڑوں کی گٹھڑی اٹھائے گیٹ کی طرف جا رہی تھی۔ وہ پھر بے قرار ہوا۔ ہاتھ کا اشارہ بھی کیا اور قدم بھی اٹھائے مگر ہمت نے ساتھ نہ دیا۔ وہ وہیں کا وہیں کھڑا رہ گیا۔ احساسِ ندامت نے قدم جکڑ لئے۔ صرف نظر اسے دیکھتی رہی۔

اس کے گیٹ سے قدم باہر نکلے ہی تھے کہ حوریہ نے گاڑی کو اس کے قریب بریک لگائی۔ بغل میں گٹھڑی دبی دیکھ کر اس وقت جاتا دیکھ کر وہ بھی پریشان ہو گئی۔ دروازہ کھول کر باہر نکلی۔

''گڑیا اس وقت کہاں جا رہی ہو؟''

''ماں کے گھر۔'' وہ دھیرے سے بولی۔

"کیا مطلب؟"

"بس میں جانا چاہتی ہوں۔"

"مگر کہاں؟"

"حوریہ بی بی! یہ مجھے پتہ نہیں کہ کہاں جانا چاہتی ہوں؟" اس نے آہستہ سے کہا اور اس (دیکھا جس طرف کرم داد کھڑا تھا۔ وہ اسی وقت اندر کی طرف بڑھ گیا۔

"مگر ہوا کیا ہے؟ کچھ دیر پہلے تو میں تمہیں ٹھیک ٹھاک کام میں مصروف چھوڑ کر گئی ہوں۔ کر کچھ کہا ہے تمہیں؟ چھوٹے صاحب نے ڈانٹا ہے؟" حوریہ نے پوچھا۔

"حوریہ بی بی! طوفان دل میں اٹھا ہے کہ اب یہاں نہیں رہنا۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز کہا اور اداس سی نظر کوٹھی کے چاروں طرف ڈالی۔

"اچھا فی الحال اندر چلو۔ میں سوچتی ہوں کہ تمہیں کہاں جانا چاہئے۔" چلو شاباش، اس مناسب نہیں ہے کہ تم اکیلی جاؤ۔" حوریہ نے نرمی سے سمجھایا۔ مجبوراً اسے اندر واپس آنا پڑا۔ کوا طرف بڑھ گئی۔ حوریہ نے پورچ میں گاڑی کھڑی کی اور اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

○❖○

پلنگ پر لیٹی وہ مسلسل چھت کو گھور رہی تھی۔ دماغ میں دھواں سا اٹھ رہا تھا۔ کچھ ہی دیر میں طوفان آیا تھا۔ سب کچھ تنکوں کی مانند بہہ گیا تھا۔ اب نہ ہستی ہی رہی تھی اور نہ اس کی اہمیت۔ چھوٹے صاحب کا خیال پاس تھا تو کرم داد کھو دیا تھا۔ جب کرم داد کو پایا تو چھوٹے صاحب کو کھو پھر یوں بھی ہوا کہ کرم داد کو گنوایا تو چھوٹے صاحب کو پا لیا اور اب نہ چھوٹے صاحب ہی رہے اور نہ کرم داد ہی۔ گڑیا کی طرح صرف کھلونا ہی بن کے رہ گئی۔ کس منہ سے زبان پر گلہ لائے آنسوؤں سے یہ داغ مٹائے۔ کون سا سچ بولے کہ سب کو یقین آ جائے۔ کون سا بہانہ بنائے کہ بھرم رہ جائے۔ ٹپاٹپ آنسو ٹپکے اور بان میں جذب ہو گئے۔

یہ سب وہ معصوم تو شاید نہیں سمجھتی تھی مگر کرم داد بخوبی جانتا تھا۔ اسی لئے وہ بے کل تھا اور بکھرے بکھرے وجود کو سمیٹنے کی کوشش میں لگی ہوئی تھی۔ آنے والے دن کے خوف سے دل تھا۔ اس کے وجود کی حقیقت ہی کیا تھی؟ ملازمہ..... صرف ملازمہ۔ کون اعتبار کرے گا گناہ ہی کا۔ میرے بے قصور ہونے کا۔ کرم داد! تمہیں میرا ذرا سا بھی خیال نہیں آیا۔ تمہیں تمہارے احساس سے سکون پاتی تھی۔ تم نے میرا احساس نہیں کیا۔ کرتے بھی کیوں؟ اب چھوٹے صاحب ہو۔ حوریہ بی بی کے شوہر ہو۔ میں یہ حقیقت تسلیم کرتی ہوں۔ اسی لئے تو یہاں جانا چاہتی تھی۔ حوریہ بی بی کے فیصلے پر سر جھکایا تھا۔ مگر تم نے..... تم نے میری ہی اوقات یاد مجھے کہیں کا نہ چھوڑا۔ وہ سسکیاں بھرنے لگی۔ جانے کتنی دیر اور وہ خود سے لپٹ لپٹ کر پوری قوت سے دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔ وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔ الجھے ہوئے بالوں میں، سر

آنکھوں کے ساتھ وہ اس کا کلیجہ کاٹ گئی۔ دکھ سے چہرہ موڑ لیا۔

"گڑیا..... گڑیا! میں بہت شرمندہ ہوں۔" وہ بمشکل کہہ سکا۔

"چھوٹے صاحب تو شرمندہ نہیں ہوتے۔ آپ بھی شرمندہ نہ ہوں۔" وہ رقت بھرے لہجے میں بولی۔

"خدا کے واسطے، چھوٹے صاحب مت کہو۔ مجھے شرمسار کرو۔ لعنت ملامت کرو۔" وہ دُکھ سے بے چین ہو کر بولا۔

"چھوٹے صاحب! آپ یہاں سے چلے جائیں۔ مجھے کسی سے کوئی گلہ نہیں۔" وہ ہاتھوں میں منہ چھپا کر رو دی۔ اس سے اس کا دل چاہا کہ اسے بانہوں میں بھر کر سب قرض اتار دے۔ سارے گلے شکوے دور کر دے اور یہاں سے بہت دور لے جائے۔ مگر یہ سب اس کے اختیار میں کہاں تھا؟ وہ تو ایک الجھاوا سلجھاتے سلجھاتے بے شمار مسائل میں گھرتا جا رہا تھا۔ ایک ضد اور خودسری نے کتنے زاویوں سے دوچار کر دیا تھا۔

"گڑیا! یہ سب انتہائی غصے میں ہوا۔ میں بھول گیا کہ میں کیا کرنے جا رہا ہوں۔ تم مجھے جو چاہے سزا دے ڈالو۔" وہ گڑگڑانے لگا۔

"چھوٹے صاحب! آپ نے ٹھیک ہی کیا۔ ہم جیسی ملازمائیں بستر کی شکن سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتیں۔" حالات نے اسے کس قدر سمجھدار بنا دیا تھا۔ کرم داد نے دکھ سے سوچا۔

"مجھے میرے جرم کی سزا دو۔"

"چھوٹے صاحب! آپ جائیں۔ ورنہ میرے لئے کوئی مصیبت آ جائے گی۔"

"اور تمہارے لئے؟"

"کوئی نئی مصیبت نہیں آئے گی۔ مجھے چلے جانا ہے۔" اس نے جواب دیا اور خاموشی سے ایک طرف منہ موڑ کر کھڑی ہو گئی۔ چند لمحے وہ اس کی طرف دیکھتا رہا پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا چلا گیا۔ دروازہ کھلا تو اس نے پلٹ کر دیکھا، حمید ہمیشہ کی طرح کھڑا غور سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"کیا بات ہے حمید بھائی؟"

"کچھ نہیں، بات تو تمہاری ہے..... تمہیں ہی معلوم ہو گی۔" وہ طنزیہ بولا۔

"میں سمجھی نہیں۔"

"سب سمجھ جاؤ گی۔ فی الحال آ کر روٹی کھا لے۔" وہ خاصے تند لہجے میں کہہ کر گیا تو اسے حیرت ہوئی۔ اس سے پہلے تو وہ اس طرح نہیں بولتا تھا۔ مگر اس وقت وہ کچھ اور سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ ذہن کام نہیں کر رہا تھا۔ پھر تھکے ہوئے جسم کو کھردرے پلنگ پر گرا کر آنکھیں موند لیں۔ آنکھیں موندتے ہی اس کے سب اپنے چہرے آنکھوں کے سامنے آ گئے۔ جن چہروں کو وہ دوسروں کے چہروں سے بدل کر دیکھتی تھی آج وہ چہرے سب سے زیادہ حسین لگ رہے تھے۔ کیونکہ وہ اس کے اپنے

تھے۔ جو سب کھو گئے تھے۔ کتنا سمجھایا تھا اماں نے اسے کہ کرم داد کو سہارا بنا لو مگر اس نے ایک
جس دن چھوٹے صاحب کا بھیجا گتے کا ڈبہ کھولا اس دن کرم داد شدت سے یاد آیا تھا۔ مگر بہت
چکی تھی۔ اے کاش میں نے ہوش سنبھالتے ہی اپنوں کی بات مان لی ہوتی۔ اپنے ماحول کو پہچ
ہوتا۔ یہ سوچتے سوچتے دور نکل گئی۔

''یہ آج صاحب اور بیگم صاحبہ نے کھانا کیوں نہیں کھایا؟'' گلاب دین نے روٹی کھا کر
اور منہ صاف کرتے ہوئے بولا۔

''اوئے گلاب دین! ان کے کھانوں کے واسطے اور گم (غم) بہت ہیں۔'' گلباز خان نے حسر
انداز میں مالی بابا کی بات کا جواب دیا۔

''بالکل ٹھیک کہا لالہ گلباز خان تم نے۔'' حمید نے برتن سمیٹتے ہوئے کہا۔

''یہ روٹی کا غم تو صرف ہم غریبوں کو ہوتا ہے۔'' گلاب دین بابا نے بھی تائید کی۔

''کوئی نئی کہانی، نیا افسانہ روز کھڑا کر لیتے ہیں۔ پھر اس پر کڑھتے رہتے ہیں۔'' حمید بولا۔

''او یار! ہمارے یہ چھوٹے صاحب اور حور یہ بی بی تو کبھی آپس میں ہنستے بولتے بھی نہیں ہ
ہمیں معلوم کیسی زندگی گزار رہے ہیں؟'' گلباز خان بولا۔

''گلباز بھائی! بڑے مزے کی زندگی ہوتی ہے ان صاحب لوگوں کی۔'' حمید نے آہستہ
بڑی ترنگ میں کہا۔

''کیا مطلب؟''

''مطلب کیا ہونا ہے مالی بابا۔ جس کو جو مزا چاہئے وہ مل جاتا ہے۔ نہ کوئی روک ہے نہ
ٹوک۔'' حمید چائے کی چسکی لیتے ہوئے بولا۔ روز رات کے کھانے کے بعد وہ چائے کے
ڈھیروں باتیں کیا کرتے۔

''مزا کیسا حمید بھائی۔ ادھر تو سب چپ شاہ کا روزہ رکھے ہوئے ہیں۔ کبھی کبھار گرمی سردی
دیتی ہے یا پھر رضا علی صاب آجائے تو اس کی آواز آجاتی ہے۔'' گلباز خان نے کہا۔

''تم نہیں سمجھ سکتے گلباز خان کیا ہو رہا ہے؟ میں دیکھتا ہوں، سنتا ہوں۔'' حمید راز داری سے
''اوئے کیا ہو رہا ہے..... ادھر کچھ ام کو بھی تو بتاؤ۔'' گلباز خان پریشانی سے بولا۔

''گلباز خان! ہم نوکر ہیں۔ ہمیں زبان کھولنے کا حق نہیں ہے۔'' حمید نے بتانے سے انکار
''یہ تو ٹھیک کہا تم نے، ہمیں اس سے کیا۔ مالک کچھ بھی کریں، ہم بولنے والے کون
ہیں؟'' گلاب دین نے کہا۔

''کچھ بھی کہہ لو مالی بابا! مگر ہمارے بھی باپ دادا نے مالکوں کا زمانہ دیکھا ہے۔ وہ جو کہتے
اس سارے قصے میں ایسی باتیں نہیں تھیں جو آج نئی سوسائٹی میں ہو رہا ہے۔ اب جو کوٹھیوں
ناتے رہ گئے ہیں وہ تو سن کر حیا آتی ہے۔'' حمید نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

''او حمید میاں! وہ زمانہ اور تھا اور یہ زمانہ اور ہے۔ اب تو پھیشن (فیشن) ہے یہ سب۔'' مالی بابا
نے جواب دیا۔

''جو بھی دل میں آئے کہو۔ مگر اپنا تو خون کھول جاتا ہے ایسی ویسی بات دیکھ کر۔'' حمید ذرا تڑک
کر بولا۔

''ایسی کیا بات ہوگئی ہے..... تُو کچھ چھپا رہا ہے؟''

''مالی بابا! جب سے یہ لوگ لاہور سے آئے ہیں میں تو اس دن سے ہی کچھ نہ کچھ دیکھ رہا
ہوں..... اور تو اور وہ ہے نا گڑیا، بڑی بھولی اور معصوم سمجھتا تھا میں اسے۔ پر قیامت ہے وہ بھی۔'' حمید
بولا۔

''ہیں..... یہ گڑیا کہاں سے بیچ میں آگئی؟'' مالی بابا نے جھلا کر کہا۔

''بیچ میں ہے، چھوٹے صاحب اور بی بی صاحبہ کے بیچ میں وہ ہے ضرور۔'' حمید نے آہستہ سے
کہا۔

''کیا مطلب؟'' مالی بابا نے تعجب سے دیکھا۔

''بس مالی بابا یہ بھی جلدی پتہ چل جائے گا کہ چھوٹے صاحب اور حور یہ بی بی کے بیچ میں گڑیا کیا
کردار ادا کر رہی ہے۔ وہ صرف نوکرانی نہیں ہے۔ ایسے ہی تو چھوٹے صاحب اس کے کوارٹر کے چکر
نہیں لگاتے۔'' حمید آنکھ دبا کر بولا۔

''او حمید..... چھوڑ، پاگل نہ بن۔ وہ بیچاری دُکھیا ہے۔ اور چھوٹے صاحب ایسے آدمی نہیں ہیں۔
بلکہ میں تو اس رضا علی سے نفرت کرتا ہوں۔ اس کا حور یہ بی بی سے میل جول اچھا نہیں ہے۔'' مالی بابا
نے کہا۔

''ہاں..... ان کا بھی کوئی چکر ضرور ہے۔ مگر ان سب کے بیچ میں کچھ نہ کچھ ہے۔'' حمید نے ہاں
میں ہاں ملائی۔

''اوئے مالی بابا اور حمید بھائی! تم چھوڑو اس بات کو۔ تمہیں اس سے کیا۔ یہ مالک لوگوں کا مسئلہ
ہے۔ تم اور ہم نہ مانیں گے نہیں تو ہم کیوں سوچیں۔ تم سو چو ہی نہیں۔'' گلباز خان اٹھتے ہوئے بولا۔

''ویسے خوبصورت اور جوان چھوکریاں ملازم نہیں رکھنی چاہئیں۔ مگر ان صاحب لوگوں کی بیگموں
کو ذرا بھی پریشانی نہیں ہوتی۔ آنکھیں بند رکھتی ہیں۔'' حمید بولا۔

''وہ بھی اپنی مرضی سے جیتی ہیں، اپنی مرضی سے رشتے جوڑتی ہیں۔ پریشان کیوں ہوں..... یہ
سب اپنی مرضی سے جیتے ہیں۔ جب انہیں کوئی اعتراض نہیں تو ہم کیوں بولیں؟'' مالی بابا نے بھی
بات مکمل کی اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

ان دونوں کے جانے کے بعد حمید نے سارے برتن اکٹھے کئے۔ وہ روٹی کھانے بھی نہیں آئی
تھی۔ پہلے تو انسانی ہمدردی کے تحت اس نے اس کے لئے سالن پلیٹ میں ڈالا، مگر پھر واپس دیگچی

میں ڈال کر پلیٹ سنک میں رکھ دی۔ اسے شک نہیں یقین ہو چلا تھا کہ گڑیا اور چھوٹے صاحب
درمیان کوئی ایسا تعلق ہے جو بہت گہرا ہے (یہ بات اس کے لئے بہت تکلیف دہ تھی۔ کیونکہ
پہلی اور آخری مرتبہ جس کو بیوی بنانے کا سوچا وہ گڑیا تھی۔ مگر چھوٹے صاحب نے اس سے
دیا۔ اس دن سے گھر بسانے کا خیال اس نے دل سے نکال دیا تھا۔ اس میں ایسی ہی خاص بات
وہ اس کے بارے میں سوچنے لگا تھا یا شاید وہ تھی ہی سوچے جانے کے قابل۔ اگر چھوٹے صاحب
کے پاس جاتے ہیں یا اسے بلاتے ہیں تو کچھ غلط نہیں کرتے۔ اس کا روپ سروپ بالکل
طرح ہے جس میں داخل ہو کر آگے جانے کا راستہ نہیں ملتا۔ قدرت نے کمال کی فیاضی سے کام
اس کے ایک ایک انگ کو بنانے میں۔

سب کچھ تھی مگر قسمت کی ٹھوکروں کی زد میں تھی۔

○❖○

"حوریہ بی بی! آپ ہی اسے بلائیں۔ میرے بلانے پر تو وہ ٹس سے مس نہیں ہوئی۔" حمید نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"کیا ہو گیا ہے اسے؟" حوریہ نے بال برش کرتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

"آپ لوگ ہی جانتے ہوں گے کہ کیا ہو گیا ہے اسے، نہ کھاتی ہے نہ پیتی ہے اور نہ بولتی ہے۔" حمید نے بات کرتے کرتے ترچھی نظروں سے صوفے پر بیٹھے کرم داد کی طرف دیکھا۔ وہ پہلو بدل کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"یہی تو میں بھی سوچ رہی ہوں کہ اسے کیا ہو گیا ہے؟" حوریہ نہ سمجھتے ہوئے بولی۔

"ٹھیک ہے، تم جاؤ، میں دیکھتا ہوں۔" کرم داد نے کہا۔

"حمید! تم جا کر رضا صاحب کا کمرہ ٹھیک کراؤ......" حوریہ نے جاتے ہوئے حمید سے کہا۔ وہ اثبات میں سر ہلا کر چلا گیا۔

"میرا خیال ہے کہ ہمیں گڑیا کی جلد شادی کر دینی چاہئے۔" حوریہ نے ذرا سنبھل کر پھر وہی ذکر چھیڑ دیا جس پر کرم داد ہمیشہ بھڑک اٹھتا تھا۔

"یہ ناممکن ہے......" سختی سے جواب دیا۔

"کیوں...... کیوں ناممکن ہے؟ مجھے اور ڈاکٹر شینا کو ہسپتال کے لئے بہت سی مشینری خریدنی ہے۔ ہمیں امریکا جانا ہے......" حوریہ نے اطلاع فراہم کی۔

"تو آپ جائیں، گڑیا آپ کی بیٹی یا بہن نہیں جس کے فرض سے سبکدوش ہونا ضروری ہے۔" وہ شدید...... بھڑک اٹھی۔

"کرم داد! ڈونٹ انسلٹ می...... وہ میری صرف ملازمہ ہے۔"

"یہی تو میں بھی کہہ رہا ہوں کہ وہ صرف ملازمہ ہے، اس کا غم نہ کرو۔"

"تو اس کو اس حالت میں چھوڑ کر چلی جاؤں۔ کیا ہوا ہے اسے......؟" وہ چلائی۔

"یہ بھی تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔" وہ تیزی سے بولا۔

"یہ تمہارا مسئلہ ہے کیا......؟"

"ہاں، شاید......" وہ اس سوال پہ کچھ بوکھلا سا گیا۔

"تو بھاڑ میں جاؤ تم اور وہ...... مجھے کیا لینا دینا ہے؟" وہ غصے میں پرس اٹھاتے ہوئے بولی۔

"یہ تم نے ٹھیک فیصلہ کیا ہے۔"

"مگر ایک بات یاد رکھو کہ اسے ملازمہ بن کر یہاں رہنا ہے اور جو کچھ بھی اس کا مسئلہ ہے اُ... کرو۔ مجھے روتے، منہ بسورتے چہرے اچھے نہیں لگتے۔" وہ تلخی سے بولی۔

"اپنے دل پر گرنے والے آنسو بھی گنے ہیں تم نے حوریہ بیگم؟" وہ روبرو کھڑے ہو کر بولا۔

"ان کے ذمہ دار بھی تم ہو......" وہ غصے سے بولی۔

"آہستہ بولو حوریہ بیگم، ڈیوڈ کا نام ابھی گھر کے نوکروں کو نہیں معلوم......" وہ طنزیہ بولا۔

"شٹ اپ کرم داد......تم ایک نوکر کی حیثیت سے کبھی آگے نہیں بڑھ سکتے، میں لاکھ تمہیں اپ... اسٹیٹس کا ظاہر کرنا چاہوں مگر تمہاری کلاس ہی تھرڈ کلاس ہے۔"

"بکو مت...... یہ خوش فہمی ہے تمہاری کہ تمہارے اسٹیٹس سے مجھے کوئی غرض ہے، میں تھوکتا ہو... تمہارے اسٹیٹس پر......" وہ زہر خند لہجے میں دھاڑا۔

"تم میرے قد کا اندازہ لگا ہی نہیں سکتے، چھوٹے قد کے انسان ہو......"

"یہ درست ہے کہ میں ڈیوڈ نہ بن سکا۔ ورنہ میرا قد تم سے اونچا ہوتا......"

"یہ کیا ڈیوڈ، ڈیوڈ لگا رکھا ہے تم نے۔ تم مجھے بلیک میل نہیں کر سکتے......" وہ چلائی۔

"میں تمہاری طرح گھٹیا انسان نہیں ہوں اور پھر جو پہلے سے بلیک میل ہوا سے میں کیا بلیک م... کروں گا......" وہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا تو وہ جواب نہ دے پائی۔ صرف پاؤں پٹختی ہو... کمرے سے باہر نکل گئی۔

اس کے جانے کے بعد وہ ایک لمبی سانس بھر کے دوبارہ صوفے پر گر سا گیا۔ اس سے پہلے ا... بے بسی کبھی نہیں آئی تھی۔ کیسے قفس میں تھا کہ کھڑکی کھلی تھی اور وہ اُڑ نہیں سکتا تھا...... پَر کھلے تھے... پرواز نہیں کر سکتا تھا......واہ کرم داد! کیسے مرد ہو؟ محبت کے اظہار کو انا کا مسئلہ بنا کر خود بھی سلگ رہے ہو اور اسے بھی سلگا رہے ہو۔ اس معصوم کو تمہارے سامنے محبت کے اظہار کا طریقہ نہیں آیا تو تم آگے بڑھ کر اسے سمیٹ لو۔ کیسے تنکوں کی مانند بکھر گئی ہے وہ پاگل لڑکی۔ اپنی ضد اور انا کی بھینٹ مت چڑھاؤ اسے۔ وہ تمہاری محبت ہے...... کیسے مرد ہو کہ خوامخواہ کی ضد کے ہاتھوں خود بھی کھلونا بنے... ہو، اسے بھی کھلونا بنا دیا ہے......ایک تمہارے آگے بڑھنے سے ہر فاصلہ سمٹ جائے گا...... یہ... زنجیریں ٹوٹ جائیں گی، اس کے دامن پر لگے داغ کو بدنمائی بننے سے پہلے دھو ڈالو......اسے انا... بھینٹ مت چڑھاؤ...... مگر وہ...... وہ تو میری محبت سے لاتعلق ہے، میں کرم داد اس کی محبت نہیں... تو مجھے رد کر چکی ہے......اسی نے تو یہ الاؤ میرے لئے دہکایا تھا...... میں جس میں جل جل کر راکھ... رہا ہوں......محبت کے لئے دوسرا قدم اسے ہی بڑھانا ہوگا، مجھ سے کہنا ہوگا کہ وہ مجھ سے محبت کر... ہے، کرم داد سے محبت کرتی ہے......اسی لمحے کرم داد اسے دل میں چھپا کر، پلکوں پر بٹھا کر لے جا... گا۔ ہر زنجیر توڑ ڈالے گا...... ہر رشتہ توڑ ڈالے گا......"ایسا کب ہوگا گڑیا...... ایسا کب ہوگا...

...ب تمہیں میرے جذبے سمجھ آئیں گے؟"

"آپ کے جذبے اب سمجھنے کو کب رہ گئے ہیں......؟" گڑیا کی مری مری سی آواز پر وہ تڑپ کر ...چونکا......وہ اداس اداس سی دروازے سے چند قدم پر کھڑی تھی۔

"گڑیا! ادھر آؤ...... میری بات سنو......" وہ بے قرار ہو کر آگے بڑھا۔

"چھوٹے صاحب! اب سننے کو کچھ نہیں ہے...... کچھ نہیں ہے......تو ٹھیک ہے نہ سنو، مجھے بھی کچھ پرواہ نہیں......اونہہ......کیا سمجھتی ہے خود کو...... میں بھی کچھ سنانا نہیں چاہتا......" وہ بپھرے ہوئے ...شیر کی طرح گرج رہا تھا...... کمرے کے در و دیوار لرز رہے تھے...... پوری فضا کانپ رہی تھی......اندر کے غصے کو نکال کر گاڑی کی چابی اٹھائی اور باہر نکل گیا......

○❖○

"بہت عجیب ہوتے ہیں یہ مرد حضرات بھی۔ ہر بات کو ضد بنا لیتے ہیں۔" صوفے پر پرس پھینک کر وہ غصے سے بولی۔ شینا نے مسکرا کر کڑے تیوروں کا جائزہ لیا۔

"خیریت تو ہے...... کس سے الجھ کر آئی ہو؟"

"کس سے الجھ کر آؤں گی۔ ایک ہی تو میرے گھر میں زندگی اجیرن کرنے کو ہے۔"

"یعنی کرم داد بھائی کی بات ہو رہی ہے......" شینا نے شرارت سے کہا۔

"سچ پوچھو تو میں اس پتھر دل انسان سے تنگ آ چکی ہوں، اس کے سینے میں تو دل ہی نہیں ہے......" وہ جھوٹ موٹ سے منہ بسورنے لگی۔

"لگتا تو یہ ہے کہ وہ بہت رومینٹک ہوں گے، ایسے سخت مزاج آدمی اندر سے بہت رومینٹک ہوتے ہیں۔" شینا آنکھ دبا کر بولی۔

"خاک ہوتے ہیں، نہ اسے مجھ سے دلچسپی ہے اور نہ بچے کی ضرورت۔ دیکھ نہیں رہیں اب تک میری گود خالی ہے......" وہ تقریباً رو دی۔

"یہ تو بڑا ظلم ہے، اتنے سفاک ہیں......" شینا بھی رحم بھری آواز میں بولی۔

"میں نے تو الجھنا ہی چھوڑ دیا ہے، جو بات کرو الٹا جواب ملتا ہے......"

"آج کیا ہو گیا ہے......؟" شینا نے پوچھا۔

"گڑیا کی شادی کو اپنی ضد بنا لیا ہے، جب بات کرو بھڑک اٹھتا ہے......"

"کیا وہ نہیں چاہتے کہ اس کی شادی ہو......؟"

"کیا معلوم کیا چاہتے ہیں؟ مگر شینا پلیز تم اس قصے کو ختم سمجھو۔ میں اس شخص سے الجھنا نہیں چاہتی، امریکہ سے واپسی پر خود کوئی اور لڑکی تلاش کروں گی۔"

"گڑیا، ہیں...... تمہارے شوہر کا گڑیا سے کیا تعلق ہے......؟"

"تعلق......کوئی نہیں......" وہ گڑبڑا گئی۔

"پھر خیر تو ہے، ملازمہ میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہے ہیں......؟" شینا تشویش سے بولی۔

"مجھے نہیں معلوم......" وہ بے زاری سے بولی۔

"تو معلوم کرو، ملازمہ جوان اور حسین ہو تو خطرہ تو ہوتا ہے۔"

"مجھے کچھ فرق نہیں پڑتا۔"

"تم بھی احمق ہو۔ اتنا ڈشنگ ہزبینڈ ہے، اسے سنبھال کر رکھنا نہیں آتا۔"

"تم چھوڑو اس قصے کو...... یہ بتاؤ کہ سب تیاری مکمل ہے کہ نہیں......"

"اوری تھنگ از اوکے......"

"سیٹیں کب کی کنفرم ہیں......؟"

"پرسوں صبح نو بجے کی فلائٹ ہے۔"

"ٹھیک ہے، مجھے بھی ساری پیکنگ کرنی ہے، کچھ بلوں کی پے منٹ کے سلسلے میں چیک کا[ٹنے] ہیں۔"

"پیچھے سے ہسپتال کا کام ٹھیک چلے گا؟"

"آف کورس، میں نے رضا علی کو بلایا ہے آج وہ پہنچ رہا ہے۔ سب کام اسے سونپ کر جاؤں گی۔"

"اور آپ کے شوہر نامدار......؟"

"وہ کسی کی مرضی پر نہیں چلتے۔ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا ہے......"

"لیکن مائی ڈیئر انہیں میرے مسئلے پر راضی کرو۔" شینا نے منت کی۔

"کوئی فائدہ نہیں۔ وہ انتہائی ضدی اور اکھڑ آدمی ہے...... جو کہتا ہے وہی کرتا ہے۔"

"کمال ہے، تم نے ایسے آدمی سے شادی کیسے کی......؟" شینا نے تعجب سے کہا۔

"بس بیڈ لک تھی میری...... انکل آنٹی نے موصوف کو پسند کر رکھا تھا میرے لئے۔ میں نے بھی ہامی بھرلی، پرسنالٹی دیکھ کر......" وہ برا سا منہ بنا کر بولی۔

"پرسنالٹی تو غضب کی ہے۔"

"چائے وائے بھی ملے گی یا نہیں......" اس نے دانستہ موضوع بدلا۔

"اوہ، ہاں ابھی منگواتی ہوں۔" شینا نے جلدی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"حوریہ! تم نے کتنی بے باکی سے جھوٹ بول دیا کہ انکل آنٹی نے کرم داد کو پسند کیا تھا، حالانکہ تم نے، تمہاری مجبوری نے کرم داد کو مجبور کیا...... آج شینا کو پتہ چل جائے تو کتنا تمسخر اڑائے کہ گھر کے ملازم سے شادی کی تو کوئی خاص مجبوری ہی ہوگی...... میرے جیسی لڑکی کی زندگی کس ہستی کا حصہ ہے یہ شینا نہیں جانتی...... وہ کیا جانے کہ اولاد کے لئے میری گود سے چیخیں بلند ہوتی ہیں...... کرم داد پر تہمت سراسر ظلم ہے۔ یہ خوش بختی تو مجھ سے کب کی چھن چکی...... اب تو ساری زندگی اس ادھور[ی]

سے گزرنا ہے۔" ڈھیر سارا نمکین پانی صوفے کی پشت میں جذب ہو گیا۔

[...] تکلیف سے [...]

"ارے کیا ہوا......؟" شینا جونہی واپس آئی تو اس کی بھیگی پلکیں دیکھ کر پریشان ہو گئی۔

"کچھ نہیں، بس ایسے ہی آنکھیں بھر آئیں۔"

"مجھے تم پر بہت ترس آ رہا ہے، بے مثال نظر آنے والا انسان تمہارے ساتھ تو کتنا برا سلوک کرتا ہے...... اور تم میں ایسی کون سی کمی ہے جو وہ تم سے دور ہے۔" شینا بولی۔

"یہی تو مجھے نہیں معلوم......" وہ ادا سے بولی۔

"کتنا سفاک ہے۔ اتنی حسین بیوی پا کر اچھے اچھوں کا ایمان ڈگمگا جائے۔" شینا کرم داد کو برا [بھلا] کہہ کر اسے خوش کرنا چاہتی تھی......

"ویسے معلوم نہیں کہ اس میں کوئی کمی تو نہیں......"

"ممکن ہے۔ اپنے کمپلیکس کو چھپانے کے لئے مرد ایسا کرتے ہیں۔"

"اب تو مجھے یقین ہو چلا ہے۔" حوریہ نے وثوق سے کہا۔

"اگر ایسا ہے بھی تو بتا دینا چاہئے......"

"چھوڑو ڈیئر! لوگ اتنے اعلیٰ ظرف نہیں ہوتے......" حوریہ نے اپنی اعلیٰ ظرفی ظاہر کی...... [...]ے آ گئی تھی۔ اس لئے اس نے گفتگو کا رخ موڑ دیا۔

○❖○

"گڑیا! تو کتنی بدنصیب ہے......"

برتنوں کو خشک کپڑے سے صاف کرتے ہوئے اس نے سوچا...... یہ سچ بھی تھا، اس کے دونوں [ہاتھ] خالی تھے۔ معصوم ارمانوں بھرا دل بھی کسی خالی ویران گھر کی طرح سائیں سائیں کر رہا تھا...... سب کچھ چھن چکا...... ایک الوہی سا جذبہ پاس تھا، سو وہ بھی چھن گیا...... اپنے آپ سے گھن آ رہی [تھی]...... خود کو صاحب لوگوں کا اترا ہوا میلا لباس محسوس کر رہی تھی...... جس کرم داد کے نقش و نگار دل و [نگاہ] پر تھے وہاں صرف اب چھوٹے صاحب کا ہیولا دکھائی دیتا تھا...... اپنے ہی مقام سے گر کر سب [کی] نظر [میں] [گرتی] جا رہی تھی...... کیا حقیقت رہ گئی تھی اس کی۔ کس رشتے اور تعلق کی اہمیت باقی رہ گئی [تھی]...... [ک]ون اس کی بات پر یقین کرے گا...... سب اسی کو مجرم سمجھیں گے......" ایسے میں تیرا کیا انجام [ہو گا]؟ اگر تو چھوٹے صاحب کے غصے کا اشتہار بن گئی تو سب تجھ پر تھوکیں گے...... تیری معصومیت اور [سچائی] کا کوئی یقین نہیں کرے گا...... پھر تو کیا کرے گی...... بول کیا کرے گی......؟" وہ سسکیاں [لیتے ہوئے بولی]...... "یہ تم نے اچھا نہیں کیا...... میں ایسا نہیں سمجھتی تھی...... مجھے تم سے...... تم سے......" چاہنے [کے با]وجود اس سے آگے ایک لفظ نہ نکال سکی...... حالانکہ کہہ سکتی تھی کہ مجھے تم سے نفرت ہے مگر زبان [کو جیسے] تالو سے نیچے کسی نے کھینچ لی...... یا شاید وہ اس سے شدید محبت کرنے لگی تھی۔ جس نے نفرت کا [حق بھی] چھین لیا تھا...... اسے اپنی بربادی کا ماتم ضرور تھا مگر اس سے نفرت نہیں ہوئی تھی...... گلہ ضرور

تھا مگر احتجاج نہیں کرنا چاہتی تھی...... ایک عجیب سی بے نام کیفیت تھی، جس کا کوئی نام اور کوئی
ٹھیک سے واضح نہیں ہو رہا تھا۔ بس ٹپ ٹپ کبھی آنسو گرنے لگتے اور کبھی لب آپس میں
خاموش سرگوشیاں کرنے لگتے۔ بھوک پیاس سب ختم ہو گئی تھی۔ اردگرد سے بالکل بیگانی سی ہو گئی

"مہارانی صاحبہ! خیالوں کی دنیا سے باہر آ جائیں۔ رضا صاحب کے لئے چائے بنا کر
جاؤ......" حمید نے اس کے کان کے قریب چلا کر کہا تو وہ بوکھلا کر ہوش کی دنیا میں واپس آ گئی۔

"رضا صاحب کب آئے......؟"

"تمہیں خواب دیکھنے سے فرصت ملے تو پتہ چلے کہ کون کب آیا اور کب گیا؟" حمید تنک کر

"تم جنہیں خواب کہہ رہے ہو وہ تو پتھر کے ہیں، جن سے کانچ کی آنکھیں زخمی ہو گئیں
آہستہ سے بولی۔

"ہر وقت انوکھی باتیں کرتی ہے۔ جلدی کر، رضا صاحب غصے ہوں گے۔" حمید بڑبڑا کر بولا۔

"صرف چائے بناؤں......؟" اس نے پوچھا۔

"مجھے تو صرف چائے کے لئے کہا ہے۔"

"چائے کے ساتھ کچھ کھانے کو تو نہیں مانگا......؟" وہ بے دھیانی میں چائے کی کیتلی چولہے پر
چڑھاتے ہوئے بولی۔

"تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے، میں تجھے کون سی انگریجی (انگریزی) میں کہہ رہا ہوں کہ
چائے بنانی ہے، مگر تیرا دماغ ٹھکانے ہو تو سمجھے۔ تُو تو کہیں اور ہوتی ہے۔" حمید نے طنزیہ گھورتے
ہوئے کہا۔

"کہاں ہوتی ہوں......؟"

"اپنے آپ سے پوچھ، ہاں! مگر ایک بات یاد رکھ کہ اونچے خواب دیکھنے والے زمین پر منہ کے
بل گرتے ہیں، میں دیکھ رہا ہوں کہ تیرے دماغ میں کوئی خلل ہے......" وہ آنکھیں دکھاتا ہوا بولا۔

"میرے دماغ میں خلل ہے......؟" وہ بے بسی سے بولی۔

"جس دن حوریہ بی بی نے یہ خلل پکڑ لیا، تیرا یہاں سے ایسا پتہ کٹے گا کہ بس......" حمید تنبیہی
انداز میں بولا۔

"کیا، کیا ہے میں نے......اور میں کون سا یہاں رہنا چاہتی ہوں......؟" وہ بھی غصے سے بولی۔

"اچھا چل، اب تُو چائے جا کر دے رضا صاحب کو۔ میری طرف سے جا یا یہاں رہ
کہتا ہوا کچن سے باہر نکل گیا......اور وہ چائے کپ میں انڈیلنے لگی......ساتھ ساتھ اپنے آپ
لگی۔ اب تو نوکر بھی برا بھلا کہنے لگتے تھے......کیسی تحقیر آمیز زندگی ہو گئی تھی۔ پلکیں رگڑ کر چائے
رضا علی کے کمرے میں پہنچی تو وہ تولئے سے منہ صاف کرتا ہوا باتھ روم سے باہر نکل رہا تھا
دیکھ کر ہمیشہ کی طرح شوخ ہو گیا۔

"واہ، سبحان اللہ۔ چائے اور وہ بھی اتنے حسین ہاتھوں میں......"

"صاحب ایسی باتیں نہ کیا کریں۔" وہ کپ بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے کچھ بیزاری سے

"کمال کرتی ہو، جمہیں دیکھ کر تو دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگتی ہیں......دل چاہتا ہے کہ......"

"رضا صاحب! آپ بھول رہے ہیں کہ میں ملازم ہوں......" اس نے جرأت کر کے کہہ دیا۔

"بہت خوب! اچھی باتیں کرنے لگی ہو......" وہ ہنسا......وہ پلٹی تو وہ سامنے آ گیا۔

"دیکھو! ناراض نہیں ہوتے۔ اچھی باتیں کرنے سے حُسن میں اضافہ ہوتا ہے۔" وہ آنکھ دبا کر

"صاحب! کون سا حُسن، جو غربت کی آگ میں جھلس گیا......کون سا حُسن جو صاحب لوگوں کی
بری نظروں سے میلا پڑ گیا......حُسن تھا ہی کب۔ حُسن تو ہوتا ہے بڑی کوٹھیوں میں......" وہ
دم ہی گرج اٹھی......رضا علی پریشانی سے چاروں طرف دیکھنے لگا کہ کہیں کوئی آ نہ جائے......
ی سے اسے جانے کا اشارہ کیا......وہ بھی تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی......رضا علی اس کے
نے کے بعد حیرت سے سوچنے لگا کہ اس بے زبان لڑکی کو کیا ہو گیا......اتنی باتیں اسے کیسے آ گئیں۔

○❖○

پورچ میں رضا علی کی گاڑی دیکھ کر وہ جان گئی کہ رضا علی آ چکا ہے...... گاڑی لاک کر کے
ے کی سیڑھیاں طے کیں......تو برآمدے کی آخری سیڑھیوں پر وہ چپ چاپ بیٹھی آسمان کو گھور
تھی......وہ لمحہ بھر کو رکی اور پھر اس کی طرف آ گئی......وہ قدموں کی آہٹ پر ٹھٹک کر کھڑی ہو گئی۔

"گڑیا! تمہارا کیا مسئلہ ہے، کچھ مجھے بھی بتاؤ......؟"

"جی......حوریہ بی بی، میں خود بڑا مسئلہ ہوں......" وہ جلدی سے کہہ گئی۔

"یہ گول مول باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔ تم پہلے ایسی نہیں تھیں۔ یہ اچانک کیا ہو گیا ہے؟"
جھنجلا کر بولی۔

"حوریہ بی بی! بس مجھے یہاں سے جانے دو......" وہ دھیرے سے بولی۔

"کہاں؟ کہیں بھی تو میں جانے نہیں دے سکتی۔ میری بھی کوئی ذمہ داری ہے۔"

"میں آپ کی ذمہ داری نہیں ہوں، بلکہ کسی کی بھی ذمہ داری نہیں ہوں۔"

"کیسی باتیں کرتی ہو؟ انکل آنٹی نے تمہیں میرے پاس بھیجا ہے، میں ایسے کیسے جانے دوں؟"

"اگر آپ ایسا نہیں کریں گی تو کچھ بھی ہو سکتا ہے......" وہ تقریباً رو دی۔

"کیا کچھ بھی ہو سکتا ہے......؟" وہ زچ ہو گئی۔

"یہ میں نہیں بتا سکتی......"

"ٹھیک ہے نہ بتاؤ۔ اور ہاں، میں امریکہ سے آ جاؤں تو جہاں کہو گی بھیج دوں گی۔ فی الحال ممکن

نہیں۔"

"یہاں......کون ہوگا......؟" وہ گھبرا سی گئی۔

"یہاں رضا صاحب ہوں گے، چھوٹے صاحب ہوں گے......"

"حوریہ بی بی، میں یہاں......؟"

"ہاں میرے آنے تک رہو، پھر چلی جانا......" وہ زور دے کر بولی تو وہ چپ ہوگئی۔

"ذرا اچھی سی چائے بنا کر رضا صاحب کے کمرے میں لے آؤ......" حوریہ کہتی ہوئی رضا کمرے کی طرف بڑھ گئی اور وہ سر تھام کر وہیں بیٹھ گئی۔

"میں...... میں چھوٹے صاحب کا سامنا نہیں کرنا چاہتی۔ میرے پاس ان کی کسی معذرت جواب نہیں ہے، کسی وضاحت کا جواب نہیں ہے...... مجھے ان کی شرمساری سے کچھ نہیں لینا...... جانتی ہوں کہ وہ بہت کچھ کہنا چاہتے ہیں، معذرت کرنا چاہتے ہیں، ہاتھ جوڑ کر معافی مانگیں گے...... اس سے کیا ہوگا؟ کیا میری اوقات بدل جائے گی، میں نوکرانی ہی تو ہوں۔ میرے جذبات کیا میرے احساسات کیا؟ ان کے اور میرے بیچ رشتہ ہی کیا ہے؟ محبت کا رشتہ ہو تو شرمساری کی کیفیت میں معذرت بھی اچھی لگتی ہے، نفرت کا رشتہ ہو تو غصے کا اظہار بھی ہو سکتا ہے۔ مگر یہاں تو ایک مالک اور نوکر کے بیچ کا رشتہ تھا، جس کا نہ کوئی نام تھا نہ کوئی عنوان...... مالک کی قدر و قیمت بہت ہوتی ہے ملازم بے قدر و قیمت کا ہوتا ہے۔ یہ فرق اب اسے معلوم ہوگیا تھا کہ جب سب اسے یہ فرق سمجھاتے تھے تو وہ خفا ہو جاتی تھی، بگڑنے لگتی تھی...... مگر آج سب کچھ سچ لگ رہا تھا۔ چھوٹے صاحب کے روپ میں کرم داد کو گنوا کر اپنے خالی ہاتھ دیکھ رہی تھی...... "نادان، تُو چیخ چیخ کر سب کو بتا کیوں نہیں دیتی، چھوٹے صاحب کی زیادتی بے نقاب کیوں نہیں کر دیتی...... وہ تیرے کیا لگتے ہیں جو تُو نے ہونٹ سی لئے ہیں بول...... بول...... وہ میرے کیا لگتے ہیں......؟" اس نے کپکپاتے لبوں سے بڑبڑایا۔ "میں نے زبان کیوں سی لی......؟" اس نے سوچا......اور پھر کچھ ایسا دل میں احساس پیدا ہوا کہ اسے اپنے ان سوالوں کا جواب مل گیا...... کچھ تو تھا جو خاموش تھی۔ ورنہ کب کی بول پڑی ہوتی......آخر رضا علی کو بھی تو جواب دیا تھا، پھر کرم داد کے لئے زبان کیوں نہ کھولی...... میٹھی سی کسک دل میں کروٹ لینے لگی اور وہ اپنی بے بسی پر آنسو بہاتی ہوئی کچن کی طرف چل دی...... کیونکہ اب بھی تو اس کے اختیار میں نہیں تھا۔

○❖○

"یار! اس پاگل سے پیچھا چھڑا کیوں نہیں لیتی؟" رضا علی برا سا منہ بنا کر بولا۔

"چاہتی تو میں بھی یہی ہوں، مگر کیا کروں۔ انکل، آنٹی کی وجہ سے خاموش ہوں۔" وہ بھی منہ بسورتے ہوئے بولی۔

"میں تو خود تمہارے شوہر کی وجہ سے نہیں آیا......"

"کیوں......؟ کرم داد کی وجہ سے کیوں؟"

"یار وہ مائنڈ کرتا ہے......"

"اس کی تم فکر نہ کیا کرو......" حوریہ مسکرائی۔

"کرنی پڑتی ہے بابا۔ اس کے پاس تمہاری ملکیت کے کاغذ ہیں اور ہم تو ٹھہرے اجنبی......" رضا نے کہا۔

"یہ کیا کہہ دیا تم نے، اس کی کیسی ملکیت؟"

اتنے میں گڑیا چائے لے کر اندر آ گئی۔

"حوریہ ڈارلنگ! کم از کم ملازم تو باشعور رکھ لو۔" رضا علی نے طنزیہ کہا۔

"کہاں سے رکھ لوں، انکل آنٹی نے جو مسلط کئے ہیں وہ بھگت رہی ہوں...... خیر اس کا تو آ کر کروں گی۔ ویسے بھی میں اس سے بہت پریشان ہوں......" حوریہ تنک کر بولی۔

"رضا صاحب! میں خود یہاں سے جانا چاہتی ہوں......" وہ دھیرے سے بولی۔

"اوہ آئی سی......" رضا علی نے چبا چبا کر کہا۔

"کہا نا کہ میں آتے ہی تمہیں بھیج دوں گی، اب تم جاؤ اور جا کر کھانے کی تیاری کرو......" حوریہ نے غصے میں کہا......وہ واپس چلی گئی تو وہ ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا دیے

"اس میں بہت تبدیلی محسوس کر رہا ہوں......" رضا علی بولا۔

"ہاں! ٹھیک کہہ رہے ہو۔ یہ دراصل میرے شوہر صاحب کی سر چڑھائی ہوئی ہے......" حوریہ بولی۔

"کیا مطلب......؟"

"مطلب کیا، اس کے لئے تو وہ آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے خطرہ ہے......"

"شاید......"

"...... نکال باہر کرو۔ کہیں موصوف کو لے نہ اڑے۔" رضا علی نے کہا۔

"مجھے اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔" وہ بے پروائی سے بولی۔

"کیا......؟" رضا علی نے حیرت سے دیکھا۔

"......"

"...تمہاری قسمت ہی جگا دیجئے......" رضا علی شوخی سے بولا۔

"تم میرے دوست ہو۔ یہ قسمت ہی تو جگائی ہے تمہاری......" وہ بولی۔

"...مطلب ہے ہمیں شریک سفر بنا لو۔ اس سے نجات حاصل کر لو......"

"نہیں......نہیں، یہ کیسے ممکن ہے......؟" وہ گڑبڑا گئی۔

"کیوں ممکن نہیں ہے۔ کرم داد سے تمہاری انڈر اسٹینڈنگ بھی نہیں ہے۔" رضا
جذباتی ہو کر کہا۔

"کتنے قریب ہیں ہم۔ اور تمہیں کیا چاہئے؟ کرم داد تو بے کار پرزہ ہے اور شادی وادی
کچھ نہیں ہوتی......" وہ ہوشیاری سے پرے ہو گئی۔

"ممی، پاپا بضد ہیں کہ میں شادی کرلوں، مگر میں اب بھی تمہاری طرف سے منتظر ہوں"

"میری طرف سے...... یہ کیسے ممکن ہے؟"

"تم چاہو تو ایسا ممکن ہے، انکل آنٹی تو پہلے ہی مجھے پسند کرتے تھے......"

"دراصل رضا! میں کرم داد سے محبت کرتی ہوں......" اس نے نظریں چراتے ہوئے
سماعت پر غیر یقینی حملہ کیا۔

"واٹ! یہ جھوٹ ہے۔ پہلے کی طرح اب بھی بولتی ہو۔" رضا علی چیخ کر ایک دم ہنسنے لگا۔

"یہ سچ ہے...... وہ ہینڈسم ہے، ڈیشنگ ہے، میری پسند ہے...... بس اس سے خیالات
سکے۔" اس نے سنبھل کر کہا۔

"حوریہ! فار گاڈ سیک، تمہارے اور اس کے بیچ کیا ہے میں خوب جانتا ہوں۔" وہ ہنستا چلا

"فار گیڈ...... کوئی اور بات کرو......" وہ بولی۔

"چلو باہر چلتے ہیں، ڈنر بھی باہر کریں گے۔" رضا علی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"چلو...... مگر حیرت ہے کرم داد اب تک نہیں آیا......" وہ وال کلاک پر نظر ڈال کر بولی۔

"تمہیں اس سے کیا فرق پڑتا ہے......" رضا علی نے تاک کر وہی جملہ ادا کیا جو کچھ دیر
نے کہا تھا۔

"بڑی چیز ہو رضا علی تم بھی......" وہ خفت سے ہنس کر بولی۔

"چیز تو آپ بڑی ہیں......" وہ سرشاری سے جھومتے ہوئے بولا...... اور حوریہ کھلکھلا کر ہنس

○❖○

رحمان سرجیکل ہسپتال میں انہیں پہنچایا گیا......

ڈاکٹر داؤد اور ڈاکٹر خاور کو سرجن ہاشم علی نے فوری آپریشن کی تیاری کے لئے کہا۔ جونہی
انتظامات مکمل ہوئے وہ تینوں آپریشن تھیٹر کی طرف چل دیئے۔ شدید کار ایکسیڈنٹ میں تینوں
ہسپتال لایا گیا تھا...... سڑک کراس کرنے کے دوران تیز رفتاری سے آنے والی کار سے
اور بچہ ٹکرا گئے، کار بے قابو ہو کر فٹ پاتھ پر چڑھ گئی اور دیوار سے ٹکرا گئی جس میں صرف کرم
کار کا اگلا حصہ بری طرح ضائع ہو گیا...... شدید زخمی حالت میں اسے کار سے نکالا گیا اور سڑک
عورت اور بچے کو بھی کافی چوٹیں آئی تھیں...... ان کی تو مرہم پٹی ہو رہی تھی، مگر کرم داد کا فوری
آپریشن کرنا ضروری تھا کیونکہ اس کی دائیں پسلی پر اسٹیئرنگ بری طرح کھب گیا تھا جس کی

ہڈیاں فریکچر ہو گئی تھیں، سر اور چہرے پر بھی زخم آئے تھے...... حادثہ کافی سنگین تھا...... جائے
حادثہ کا جائزہ لے کر علاقے کا ایس ایچ او اور تھانے دار ہسپتال پہنچ گئے...... تقریباً دو گھنٹے کی کوشش
کے بعد آپریشن کو کامیاب کر کے سرجن ہاشم علی آپریشن تھیٹر سے باہر نکلے تو تھانے دار نے گھیر لیا۔

"دیکھئے جناب! اس وقت مریض آپریشن کے بعد بے ہوشی کی حالت میں ہے۔ ہوش میں آئے
تو آپ کے سوالوں کا جواب دے سکے گا۔" سرجن ہاشم علی نے کہا۔

"ٹھیک ہے...... لیکن آپ ہمیں یہ تو بتا سکتے ہیں کہ مریض سے یہ حادثہ اتفاقی پیش آیا یا اس نے
کیا ہوا تھا......؟"

"اوہ...... جہاں تک میرا خیال ہے نشہ وغیرہ کچھ نہیں تھا، ہاں کسی ذہنی دباؤ یا ڈپریشن کے نتیجے
میں حادثہ ہو سکتا ہے۔"

"مریض کے گھر والوں میں سے کوئی آیا ہے یا نہیں؟"

"گاڑی سے مریض کا بٹوہ ملا ہے۔ اس میں اس کا شناختی کارڈ ہے جس پر کرم داد لکھا ہے۔ گاڑی
کے کاغذات ڈاکٹر سلمان کے نام ہیں، اس پر گھر کا پتہ ہے، ٹیلی فون نمبر ہے...... یہ سب چیزیں آپ
لے سکتے ہیں۔"

"رائٹ! اور وہ وارڈ میں زخمی عورت اور بچہ......"

"وہ دونوں خطرے سے باہر ہیں۔ بول سکتے ہیں۔ آپ مل لیں......" سرجن ہاشم علی یہ کہتے
ہوئے آگے بڑھ گئے۔

"سنئے ڈاکٹر صاحب! آپ پلیز فون تو کرائیں۔"

"وہ ریسپشن پر یقیناً ہو رہا ہوگا، یا ہو چکا ہوگا۔" وہ مختصراً مڑ کر بولے۔

"تھینک یو سر!"

"ویسے آپ اس سلسلے میں ہسپتال کے ایم ڈی ڈاکٹر رحمان سے مل سکتے ہیں۔" یہ کہہ کر سرجن
لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے چلے گئے...... تھانے دار اور ایس ایچ او اپنے ساتھیوں سمیت
وارڈ کی طرف بڑھ گئے۔

بیڈ نمبر پر مریضہ کے قریب ایک نرس اور ایک ڈاکٹر صاحب موجود تھے...... تھانے دار صاحب
اور ایس ایچ او کو دیکھ کر انہوں نے مریضہ سے کہا کہ قانونی کارروائی مکمل کرنے کے لئے یہ لوگ آپ
سے کچھ سوالات کرنا چاہتے ہیں...... مریضہ نے نقاہت سے اثبات میں گردن ہلا دی......

"بی بی! آپ کا نام کیا ہے......؟"

"صفیہ......" آہستہ سے بڑبڑائی۔

"یہ بچہ کون ہے......؟"

"یہ میرا احمد...... احمد ہے۔"

"اور ایکسیڈنٹ کیسے ہوا......؟"

"وہ کرم داد کی گاڑی ہم سے ٹکرا گئی......" وہ درد سے کراہتے ہوئے بولی۔

"کرم داد! لیکن بی بی، تم اسے کیسے جانتی ہو......؟" تھانے دار نے چونک کر پوچھا۔

"وہ کرم داد ہی ہے......" وہ دوبارہ بڑبڑائی۔

"ہاں...... ہاں وہ کرم داد ہے۔ مگر تم اسے کیسے جانتی ہو، وہ کون ہے......؟"

"وہ...... وہ ہمارے......" اس سے آگے وہ بول نہ سکی اور دوائی کے اثر سے سوگئی۔ ڈاکٹر نے معذرت کرتے ہوئے مزید سوال نہ کرنے کے لئے کہا۔

○❖○

ٹیلی فون مسلسل چیخ رہا تھا......

حمید نے جھنجلا کر گیلے ہاتھ صاف کئے اور ٹی وی لاؤنج کی طرف دوڑا......

"ہیلو......"

"ہیلو......"

"جی کون......؟"

"یہ کرم داد صاحب کی رہائش گاہ ہے......؟" دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

"جی...... جی ہاں......"

"ان کے علاوہ کون کون رہتا ہے گھر میں......؟"

"جی حوریہ بی بی، ملازم وغیرہ......" حمید نے جواب دیا۔

"اچھا، تم کون ہو......؟"

"میں ملازم ہوں حمید، لیکن یہ بتائیں کہ آپ اتنی پوچھ گچھ کیوں کر رہے ہیں؟" حمید جھلا

"میں رحمان سرجیکل ہسپتال سے ڈاکٹر رحمان بول رہا ہوں۔ کرم داد صاحب کا ایکسیڈ شدید زخمی حالت میں ہسپتال لائے گئے ہیں...... آپریشن ہو گیا ہے...... گھر والوں کو اطلاع فوری طور پر پہنچیں......" ڈاکٹر رحمان نے یہ کہہ کر فون رکھ دیا...... حمید چند لمحے تو ساکت کھڑا گھورتا رہا...... اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا...... ایک دم پریشان ہو کر آوازیں دینے

"حوریہ بی بی! حوریہ بی بی!......"

"کیا ہو گیا ہے حمید تجھے...... حوریہ بی بی اور رضا صاحب تو کافی دیر کے باہر گئے ہو" گلاب دین حمید کی آوازیں سن کر اندر آتے ہوئے بولا۔

"اوہ! اب کیا کروں......؟" حمید پریشانی سے بولا۔

"کیا ہوا...... کچھ بتا تو......؟" گلاب دین نے پوچھا۔

"اوئے غضب ہو گیا، چھوٹے صاحب کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے...... وہ ہسپتال میں ہی

" حمید نے بتایا......

"کیا...... چھوٹے صاحب کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے......؟" گلاب دین کے ساتھ ٹی وی لاؤنج داخل ہوتی گڑیا کے ہاتھوں سے برتنوں کی ٹرے چھوٹ گئی...... ایک چھناکے سے برتن فرش پر گر کرچی کرچی ہو گئے......

"اوہ! یہ کیا، کیا......؟" حمید چلایا۔

"حمید بھائی! چھوٹے صاحب خیریت سے تو ہیں نا؟" وہ پریشان ہو کر حمید سے پوچھنے لگی۔

"مجھے کیا معلوم......؟"

"تو معلوم کرو نا، مجھے لے چلو......" وہ بے تابی سے بولی۔

"تو کیا کرے گی وہاں؟ میں اس فکر میں ہوں کہ حوریہ بی بی کو کیسے اطلاع دوں...... کہاں اطلاع دوں؟" حمید الجھا الجھا سا بولا۔

"حمید بھائی! ہم چلتے ہیں۔ مجھے چھوٹے صاحب کے پاس لے چلو......" وہ تقریباً رو دی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی نے دل مٹھی میں لے کر مسل ڈالا ہو...... نہیں معلوم وہ کیوں تڑپ اٹھی تھی۔

"تمہیں چھوٹے صاحب کی بہت فکر ہے......" حمید نے طنزیہ کہا۔

"حمید بھائی! بتائیں ان کا کیا حال ہو گا......؟" وہ حمید کے طنز کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے سادگی سے بولی۔

"حمید! تمہیں فوراً جانا چاہئے......" گلاب دین بابا نے مشورہ دیا۔

"بی بی کو اطلاع دینی ضروری ہے......" حمید نے جواب دیا۔

"ہاں، مگر......" گڑیا کے لبوں پر جملہ نامکمل رہ گیا...... گاڑی کی آواز پر حمید باہر کو لپکا...... پیچھے گڑیا بھی بھاگی......

حوریہ اور رضا علی آچکے تھے۔

"بی بی جی!" حمید پریشانی سے بولا...... حمید اور گڑیا کو اس طرح پریشان دیکھ کر حوریہ نے گاڑی سے نکلتے ہی پوچھا۔

"کیا بات ہے......؟"

"وہ جی چھوٹے صاحب کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔" حمید نے ایک سانس میں کہا۔

"کیا...... ؟" حوریہ کی جگہ پر رضا علی حیرت سے بولا۔

"تمہیں کس نے کہا......؟" حوریہ نے پوچھا۔

"ڈاکٹر رحمان ہسپتال سے فون آیا تھا...... ان کا آپریشن ہو چکا ہے، فوراً پہنچنے کو کہا ہے......" حمید

"یہ شخص نت نئی مصیبت کھڑی کئے رکھتا ہے......" حوریہ تنک کر بولی۔

"چلنا چاہئے......" رضا علی نے حوریہ سے کہا۔

"اس وقت رات کے گیارہ بج رہے ہیں، میں تو بہت تھک گئی ہوں......" حوریہ نے ... ڈالتے ہوئے کہا۔

"مجبوری ہے، سمجھا کرو۔ ہسپتال سے اطلاع دی گئی ہے، اگر تم نہ گئیں تو مناسب نہیں ہوگا" رضا علی نے دھیرے سے کہا۔

"کم آن لیٹس گو......" حوریہ ناگواری سے کہہ کر واپس گاڑی کی طرف مڑی۔

"حوریہ بی بی! میں...... میں بھی چلوں......" بے اختیار ہی گڑیا جلدی سے بول پڑی۔ حوریہ نے رضا کی طرف دیکھا اور پھر ہلکے سے مسکرا کر اثبات میں گردن ہلا دی۔

"لے چلو ڈارلنگ، وہاں شاید دیکھ بھال کے لئے چھوڑنا پڑے۔" رضا علی نے کہا۔

"میں نے تمہیں کہا ہے نا کہ مجھے کچھ فرق نہیں پڑتا......" حوریہ نے عینک لگاتے ہوئے ... فرنٹ دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

"حمید! خیال رکھنا، ہم تھوڑی دیر میں واپس آ جائیں گے۔" حوریہ نے کھڑکی سے شیشہ سرکاتے ہوئے کہا...... رضا علی نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی، گڑیا پیچھے بیٹھ گئی۔ آنکھیں بند کر ... جتنی دعائیں کر سکتی تھی کر ڈالیں...... وجہ نہیں معلوم تھی۔ بس بہت بے قراری کا عالم تھا...... آج ... بار اتنا بے قرار اور پریشان خود کو محسوس کر رہی تھی...... پتہ نہیں کیوں اور کس لئے......؟

○❖○

ڈاکٹر رحمان سے مل کر انہوں نے ساری تفصیل معلوم کی...... اور کرم داد کو وی آئی پی روم میں ... کرانے کو کہا...... ڈاکٹر نے فوری طور پر متعلقہ افراد کو ہدایت جاری کر دی...... حوریہ نے ان کا ... ادا کیا اور کرم داد کو دیکھنے کی غرض سے اس کے کمرے کی طرف آ گئی جہاں کرم داد کو منتقل کیا گیا ... ابھی تک بے ہوشی کی حالت میں تھا۔ خون کی بوتل لگی ہوئی تھی...... گڑیا کا دل کٹ کر رہ گیا... انتہائی کمزور لگ رہا تھا۔ چہرے پر بھی مردنی سی چھائی ہوئی تھی...... سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی... پر جگہ جگہ زخموں پر مرہم لگی ہوئی تھی...... گڑیا بے کلی سی ہونٹ کاٹتی ہوئی اس کو پہلی بار ... دیکھ رہی تھی...... بلا کا حسین تھا...... پہلی مرتبہ اس کا حسن اتنے قریب سے دیکھ رہی تھی۔

اس کو اس طرح کھویا چھوڑ کر وہ دونوں واپسی کے لئے پلٹے تو وہ چونکی......

"حوریہ بی بی......!"

"ہوں......"

"میں چھوٹے صاحب کے پاس رہوں؟" وہ سادگی سے پوچھ بیٹھی۔

"ہاں ضرور، تمہیں ہی اس کے پاس رہنا ہے۔ میں تو ویسے ہی پرسوں امریکہ جا رہی ہوں" حوریہ تمسخرانہ انداز میں ہنس کر بولی۔

"... تو برا لگے گا مائی ڈیئر......" رضا علی نے کہا۔

"کیا...... کیا برا لگے گا......؟"

"یہی کہ تم شوہر صاحب کو ہسپتال میں چھوڑ کر امریکہ چلی جاؤ......"

"میں نے شوہر کو نہیں کہا تھا کہ یہ ایکسیڈنٹ کرے......" وہ گرجی۔

"یاد آیا، اس خاتون اور بچے کو انسانی ہمدردی کے تحت دیکھ لیتے ہیں۔" رضا علی نے کہا۔

"چلو گڑیا، تم چھوٹے صاحب کے پاس رہو، بلکہ یہیں رہنا ہے۔ گھر سے تمہارا کھانا اور ضرورت ... وہاں آ جایا کرے گا...... اور جو تمہارے صاحب کے لئے ڈاکٹر کہیں وہ ڈرائیور کو یا حمید کو بتا دیا ... میں شاید کل کسی وقت چکر لگاؤں گی۔" حوریہ نے ایک ہی سانس میں احکامات جاری کر ... کھٹ کھٹ کرتی آگے بڑھ گئی...... پیچھے ہی رضا علی بھی دم ہلاتا چل دیا......

وہ کچھ دیر خاموش کھڑی دروازے کی طرف دیکھتی رہی پھر کرم داد کی طرف پلٹی...... وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر تھا...... غصے سے چنگاریاں برساتی آنکھوں پر پلکوں کا پہرا تھا...... پیشانی پر ایک بھی شکن نہیں تھی بلکہ بے ترتیب بال بکھرے ہوئے تھے...... اس نے آہستہ سے ہاتھ بڑھایا اور ... سے بال سنوار دیئے۔ اس نے پھر بھی پلکیں نہ اٹھائیں۔ اس کی انگلیوں کے لمس سے وہ غافل رہا۔ وہ البتہ انگلیوں کو غور سے دیکھنے لگی۔

آج سب کچھ غیر ارادی طور پر ہو رہا تھا...... سب کچھ نیا ہو رہا تھا...... وقت نے کیسی کروٹ لی تھی۔

آج سے پہلے تو کرم داد اس کی توجہ کا مرکز نہیں بنا تھا۔ اس وقت بھی نہیں جب وہ اس کے سنگ ... بچا کر بھاگی تھی...... اس وقت بھی نہیں جب اس نے اسلم کی قید سے رہائش کے بعد سہارا دیا ... پھر اس کے بعد بھی بہت سا وقت گزرا۔ ساتھ کھایا بھی، سفر بھی کیا...... مگر کبھی ایسی بے قراری تو نہیں ہوئی...... ابھی چند دن پہلے ہی تو اس کے قرب سے شکایت ہوئی تھی...... اندر ہی اندر ایک ... فرار کے راستے تلاش کر رہی تھی...... اس سے دور جانا چاہتی تھی...... ایک ہی ... نے کایا پلٹ کر رکھ دی...... اب وہ اس کے لئے دکھی ہو رہی تھی...... پریشان تھی...... تڑپ ... صحت اور سلامتی کے لئے دعا گو تھی...... اس کے من آنگن میں چاروں طرف اس ... رشتے کے گلاب کھل اٹھے تھے...... دونوں بازو اکٹھے کر کے اس نے خود کو سمیٹا اور پلکیں ... کی گرم سانسوں کی مہک محسوس کرنے لگی...... لب آپ ہی آپ مسکرانے لگے...... جانے ... کھوئی رہتی کہ ہلکی سی بڑبڑاہٹ کانوں میں آئی...... پلکیں کھولیں...... وہ کچھ ہوش و حواس کی ... رہا تھا۔

"چھوٹے صاحب...... چھوٹے صاحب......" وہ جلدی سے اس کے قریب جا کر بولی۔

... درد بھری آہ کے بعد وہ پھر خاموش ہو گیا...... وہ چند ثانیے کھڑی رہی کہ شاید دوبارہ ... آواز نہیں آئی...... ایک دم ہی پریشان ہو کر باہر بھاگی۔ ڈاکٹر خاور اور سسٹر گھبرا کر اندر آ

گئے...... جلدی جلدی اسے چیک کیا...... پھر پُر سکون ہو کر اس سے بولے۔

’’بی بی! یہ بالکل خیریت سے ہیں، انہیں آرام کرنے دو۔ صبح تک خود ہوش میں آجائیں اب تم یہاں آرام سے رہو......‘‘

’’جی ٹھیک ہے......‘‘ وہ منمنائی۔

’’تم کرم داد صاحب کی ملازمہ ہو شاید......‘‘ ڈاکٹر خاور نے اس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

’’جی، جی ڈاکٹر صاحب......‘‘

’’اچھا خیر، فکر نہ کرو۔ آرام سے رہو۔ صبح میں چیک کرنے آؤں گا۔‘‘

’’شکر ہے مالک......‘‘ اس نے اطمینان کی سانس لی...... ڈھیر سارا سکون اس کے چہرے پر گیا...... کرسی پر بیٹھ کر اس کو دیکھنے لگی۔

○❖○

’’میری مانو تو انکل آنٹی کو حادثے کی خبر دے دو...... وہ سنیں گے تو ناراض ہوں گے۔ آخر کرم داد صاحب ان کے داماد ہیں...... ان کو اطلاع ہونی چاہئے...... آگے تمہاری مرضی......‘‘ رضا علی نے سلائس پر جام لگاتے ہوئے آخری بار اسے سمجھانا چاہا......

وہ بے قراری سے اس کا منہ دیکھتی رہی...... ’’تم یہ چاہتے ہو کہ وہ یہاں آجائیں اور میں امریکہ نہ جاسکوں......‘‘

’’تمہارے امریکہ سے ان کا کیا تعلق ہے......؟‘‘

’’رضا...... رضا! کیا ہو گیا ہے تمہیں......؟‘‘

’’ہاں، تم کہہ لو کہ میں پاگل ہوں......‘‘

’’دیکھو، وہ لیکچر دیں گے کہ شوہر ہسپتال میں ہے، تم اسے چھوڑ کر نہیں جاسکتیں۔ آنٹی کی تو خیر مگر انکل تو کرم داد کی بہت فیور کرتے ہیں......‘‘

’’تو تم سمجھا دینا کہ ہسپتال کے لئے مشینری خریدنی ہے۔ کوئی سیر و تفریح کے لئے نہیں جا رہی ہو۔‘‘

’’انہیں یہ سمجھانا اور اس پر خاموش رکھنا ناممکن ہے...... لہٰذا فی الحال خاموش رہنے دو۔ بعد میں میرے جانے کے بعد اطلاع کر دینا......‘‘

’’نہ بابا! بعد میں ان کا سامنا نہیں کر سکتا...... تم جانو تمہارا کام......‘‘ رضا علی نے ناشتہ ختم کرتے ہوئے معذرت کی۔

’’ٹھیک ہے، فی الحال میں موڈ خراب کرنا نہیں چاہتی...... ویسے بھی بہت سے کام کرنے ہیں۔‘‘

’’ہمیں حکم کریں، ہم کام کر دیتے ہیں......‘‘ رضا علی شوخی سے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔

’’جناب آپ میرے ساتھ چلیں......‘‘

’’اور ہسپتال......؟‘‘ رضا علی نے جملہ ادھورا چھوڑا۔

’’حمید ناشتہ لے کر جا رہا ہے......‘‘ چائے کا کپ میز پر رکھتے ہوئے اس نے بتایا۔

’’میرا خیال ہے......‘‘

’’خدا کے واسطے، اپنا خیال اپنے پاس رکھو، میں اس وقت ہسپتال جانا نہیں چاہتی...... واپسی پر چلیں گے۔‘‘ اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

’’سوچ لو، وہاں کسی چیز کی ضرورت پڑ سکتی ہے، کرم داد کو ہوش آیا یا نہیں وغیرہ وغیرہ......‘‘

’’ویسے بائی دی وے! کرم داد آپ کے لئے اتنی اہمیت کب سے اختیار کر گیا ہے؟‘‘ وہ گھور کر بولی۔

’’اہمیت تو صرف جناب کی ہے، میں تو صرف انسانی ہمدردی کے تحت کہہ رہا تھا۔‘‘

’’آپ کوئی ہمدردی نہ کریں، فی الحال اٹھیں اور گاڑی سٹارٹ کریں۔‘‘ وہ بولی...... پرس اٹھانے کے لئے اندر گئی تو فون کی گھنٹی پر مجبوراً ریسیور اٹھانا پڑا۔

’’ہیلو......‘‘

’’ہیلو حوریہ......‘‘ شائستہ بیگم کی آواز آئی تو وہ سٹپٹا سی گئی۔

’’جی...... جی...... جی...... آنٹی‘‘

’’کیا جی جی لگا رکھی ہے، شرم نہیں آتی کہ ٹیلی فون ہی کر لو......‘‘ وہ سخت برہم تھیں۔

’’سوری آنٹی، میں بہت مصروف تھی......‘‘ وہ تھوک نگلتے ہوئے بولی۔

’’ایسی کیا مصروفیت ہو گئی؟ ارے ہماری کوئی اولاد نہیں، تمہیں اولاد سمجھ لیا۔ بہت بڑی بھول ہو گئی...... اولاد ایسی ہوتی ہے کہ پلٹ کر خبر نہ لے...... معلوم ہے تمہارے انکل کتنے ناراض ہیں تم سے۔ مکمل خاموشی اختیار کر رکھی ہے انہوں نے حالانکہ وہ مجھ سے بھی زیادہ تم سے محبت کرتے ہیں......‘‘ شائستہ بیگم نے غصے میں اچھا خاصا لتاڑا تو وہ نادم سی ہو گئی۔

’’آنٹی! ویری سوری، انکل سے بھی سوری کر لیں۔ آپ جانتی ہیں کہ ہسپتال کا کام کوئی چھوٹا موٹا کام نہیں ہے...... اسی لئے مجھے امریکہ جانا پڑ رہا ہے......‘‘ اس نے دل کڑا کر کے آہستہ سے اپنی بات بیان کر دی...... اسے یقین تھا کہ وہ اس خلاف توقع اطلاع پر شدید مشتعل ہوں گی۔

’’کیا...... امریکہ جا رہی ہو......؟ یہ تم مجھے اطلاع دے رہی ہو کہ لاہور سے کراچی جا رہی ہو یا اسلام آباد۔ اتنا آسان ہے ہر فیصلہ تمہارے لئے...... امریکہ کے لئے فیصلہ کر لیا، ہم سے پوچھا بھی نہیں۔‘‘ شائستہ بیگم آگ بگولہ ہو گئیں۔

’’اوہ، پلیز...... پلیز آنٹی! آپ کو اطلاع دینی تھی مگر پہلے کنفرم نہیں ہو رہا تھا۔ کنفرم اچانک ہوا ہے اس لئے آج اطلاع دینی تھی، کل کی فلائٹ ہے......‘‘

’’جو دل میں آئے کرو، ہماری اہمیت ہی کیا ہے؟‘‘

''آنٹی پلیز! آپ تو ایسے نہ کہیں.....'' وہ منت بھرے لہجے میں بولی۔

''کیا نہ کہوں؟ میں تو اپنے ہی شوہر کی نظروں میں بے عزت ہو رہی ہوں، تمہاری تربیت پر آزاد لوگوں کا رنگ شامل نہ ہوتا تو تم ایسا کبھی چلن اختیار نہ کرتیں..... یہ آزادی ہی تو لے ڈوبی ہے ہماری نئی نسل کو.....'' وہ سخت غصے میں تھیں۔

''آنٹی! پلیز معاف کر دیں..... آئندہ ایسا نہیں ہوگا.....''

''ہزار وعدے کر لو، پھر بھول جاؤ گی۔ تم تو کل بغیر بتائے چلی جاتیں..... اگر میں فون نہ کرتی تو.....''

''نہیں، مجھے فون کرنا تھا۔''

''اور کون جا رہا ہے تمہارے ساتھ.....؟''

''میں اور ڈاکٹر ثمینا.....''

''اور کرم داد.....؟''

''وہ..... وہ..... یہاں پیچھے سے کام کی نگرانی کریں گے.....'' وہ بوکھلا کر بولی۔

''اس وقت کہاں ہے..... میری بات کراؤ.....'' وہ تحکم سے بولیں۔

''اس..... اس وقت وہ پتہ نہیں کہاں ہے.....؟'' وہ ہمت کر کے جھوٹ بول گئی۔

''خیر تمہارے انکل آج لاہور آ رہے ہیں، میں نے بڑی مشکل سے انہیں راضی کیا ہے کہ وہ ہسپتال کے کام کا جائزہ لیں..... انہیں منا لینا، معافی مانگ لینا۔'' شائستہ بیگم نے اس کی سماعت پر بم پھوڑ دیا..... وہ سکتے میں آ گئی۔

''جی..... انکل کب..... کس وقت.....؟''

''بس تھوڑی دیر میں نکلیں گے.....''

''واقعی.....؟'' اس نے کریدا۔

''ہاں ہاں..... کیا میں جھوٹ بول رہی ہوں.....؟''

''او کے.....''

''اللہ حافظ۔''

''اللہ حافظ.....'' مرے مرے لہجے میں اس نے کہا اور ریسیور کریڈل پر رکھ کر وہ حواس باختہ سی صوفے پر گر گئی..... پیشانی عرق آلود ہو گئی۔ کافی دیر انتظار کرنے کے بعد رضا جھلایا ہوا کمرے میں کر برس پڑا۔

''یار کمال کرتی ہو۔ میں گاڑی میں بیٹھا انتظار کر رہا ہوں اور تم یہاں مزے سے بیٹھی ہو.....''

''رضا..... رضا! غضب ہو گیا.....''

''ہیں، کیا ہو گیا.....؟'' وہ ساری جھنجلاہٹ بھول کر اس کے قریب بیٹھ گیا۔

''آنٹی کا فون آیا تھا..... انکل آج لاہور پہنچ رہے ہیں.....''

''تو کیا ہوا، آنے دو.....'' وہ انجانے میں بولا۔

''واٹ..... آنے دو سے کیا مطلب ہے؟ وہ جو کرم داد ہسپتال میں پڑا ہے کیا جواب دوں گی میں.....؟'' وہ تقریباً رو دینے کو تھی۔

''اب تم نے تو اسے ہسپتال نہیں پہنچایا، تمہارا اس میں کیا قصور ہے؟''

''قصور یہ ہے کہ میں نے آنٹی کو کرم داد کے ایکسیڈنٹ کے بارے میں نہیں بتایا۔ اب وہ جو آ کر دیکھیں گے تو کیا سمجھیں گے.....؟''

''تم نے کیوں نہیں بتایا.....؟'' وہ چلایا۔

''اس لئے کہ میں کل جا رہی ہوں۔ وہ منع کرتے.....''

''اوہ یہ..... اوہ یہ مائی ڈارلنگ! یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔ میں تو فی الحال یہاں سے نو دو گیارہ ہو رہا ہوں، جب انکل چلے جائیں گے تو واپس آؤں گا۔''

''کیا..... ایسے میں تم بھی بھاگ رہے ہو.....؟''

''سمجھا کرو، میری یہاں موجودگی انہیں ناگوار گزرے گی۔ مجھے جانے دو، ورنہ تمہارے لئے ہی مشکل کھڑی ہو جائے گی.....''

''رائٹ، مگر مجھ سے رابطہ رکھنا، ویسے کہاں جاؤ گے.....؟'' وہ سوچ کر بولی۔

''کسی ہوٹل میں..... لیکن خیال رہے کہ میرے یہاں ہونے کا انکل کو پتہ نہ چلے۔'' وہ بولا۔

''نہیں چلے گا..... مگر میں کیا کروں.....؟''

''بس سوری کر لینا، اس کے سوا کوئی حل نہیں ہے۔''

''وہ بہت ناراض ہوں گے.....''

''یقیناً..... لیکن تم بہانہ بنا دینا کہ پریشانی میں بتانا بھول گئی.....''

''اوہ میرے خدا!'' وہ سر تھام کر بیٹھ گئی۔

''او کے، میں چلا۔ فون پر رابطہ رکھوں گا.....'' یہ کہہ کر رضا علی سیٹی بجاتا ہوا باہر نکل گیا۔

○❖○

''رات خیریت سے گزر گئی، کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی؟'' ڈاکٹر خاور نے کمرے میں داخل ہوتے ہی پوچھا..... وہ جو فجر کی نماز سے اب تک کرم داد پر آیتیں پڑھ پڑھ کر پھونک رہی تھی..... جلدی سے فارغ ہو کر بولی۔

''رات تو گزر گئی..... مگر چھوٹے صاحب تو جاگے ہی نہیں۔''

''جاگ جائیں گے، ابھی کچھ دیر میں، پھر باتیں کریں گے۔ مگر بیگم صاحبہ یا کوئی اور اب تک نہیں آیا.....'' ڈاکٹر خاور نے کرم داد کو چیک کرتے ہوئے پوچھا۔

”جی ابھی تک کوئی نہیں آیا۔“ اس نے جواب دیا۔

”تعجب ہے، اتنا سیریس ایکسیڈنٹ ہوا ہے، رات کو بھی صرف ملازمہ کو چھوڑ دیا اور ابھی تک کر نے خبر نہیں لی...... کچھ دوائیں ضروری منگوانی ہے...... ایک یہ امیر کبیر انسان ہے، دوسری وہ غریب عورت اور اس کا بچہ ہے جنہیں رات سے بہت سے اپنوں نے گھیر رکھا ہے......“ ڈاکٹر خاور نے سرسری طور پر بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

”ڈاکٹر صاحب! کیا میں اس عورت سے مل سکتی ہوں......؟“

”ہاں! کیوں نہیں۔ وارڈ ساتھ ہی ہے۔ بیڈ نمبر 5 پر ہو گی وہ عورت۔ کچھ دیر میں اس کی چھٹی ہو جائے گی۔“

”اور چھوٹے صاحب......؟“ اس نے کسمساتے ہوئے کرم داد کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”یہ ٹھیک ہیں، ابھی ہوش میں آ جائیں گے...... انجکشن لگاتے ہوئے۔“ ڈاکٹر خاور نے سسٹر کو انجکشن کے لئے کہا...... جونہی سسٹر نے انجکشن لگایا، کرم داد نے کراہ کر آواز نکالی۔

”ہیلو ینگ مین!“ ڈاکٹر خاور نے کرم داد کو پکارا۔ مگر اس کے لب ہلتے رہے بولا کچھ نہیں...... وہ بے قرار ہو کر آگے بڑھی۔

”چھوٹے صاحب! چھوٹے صاحب، آنکھیں کھولیں......“ وہ جس بے قراری سے بولی، اس کا خاطر خواہ نتیجہ نکلا...... اس نے آہستہ آہستہ پلکیں اٹھانے کی کوشش کی۔

”کرم داد صاحب! آنکھیں کھولیں۔ کیسے ہیں آپ......؟“

”چھوٹے صاحب! بولیں...... بولیں نا......“ وہ رو پڑی۔ ڈاکٹر خاور نے حیرت سے اس بھولی بھالی سی لڑکی کو دیکھا جو تھی تو ملازمہ مگر اپنے مالک کے لئے دل میں کتنی محبت رکھتی تھی۔

”ڈاکٹر صاحب! یہ بولتے کیوں نہیں؟“

”بی بی! یہ کچھ دیر بعد بولیں گے۔ فی الحال کچھ ضروری دوائیاں چاہئے تھیں، کیسے منگوائی جائیں......؟“ ڈاکٹر خاور نے جواب دیا اور تیزی سے باہر نکل گئے۔

”اب انہیں پریشان نہ کرنا۔ خاموشی سے بیٹھ کر ان کے بولنے کا انتظار کرو......“ نرس نے ہدایت کی اور میڈیسن کی ٹرے اٹھا کر باہر چلی گئی...... اس کی ساری توجہ کا مرکز پھر کرم داد بن گیا جو آنکھیں بند کئے لیٹا تھا، چہرے پر خاموش نرم سی مسکان تھی...... بالکل ویسی ہی محبت پھیلی ہوئی تھی جو اس نے پہلے پہل کبھی دیکھی تھی، مگر اس وقت کتنا انجان تھی وہ اس سے...... وہ پتہ نہیں کیا سمجھانا چاہتا تھا اور وہ سمجھنے سے قاصر رہی...... ایک دم ہی اسے وہ بھیگی بھیگی شام یاد آ گئی جب رم جھم پھوار سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ ڈاکٹر سلمان اور شائستہ بیگم کو شادی کی تقریب میں چھوڑ کر کرم داد واپس آیا تو اسے چھوٹی سی بچی کی طرح لان میں اچھلتے کودتے بارش میں مزہ لیتے ہوئے دیکھ کر آہستہ سے مسکرا دیا...... دور سینے پر ہاتھ باندھے محو سا اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظر پڑی تو کھل کھلا کر ہنس

دی...... وہ چونکا اور اس کے قریب آ گیا۔

”تو...... تو بھی کرم داد بارش میں بھیگ رہا ہے......“

”ہاں......“ وہ سرشاری سے بھیگے چہرے کو تکتے ہوئے بولا۔

”کیوں......؟“ وہ ہمیشہ کی طرح سادگی سے بولی۔

”کیونکہ تو بھی تو بھیگ رہی ہے۔“ وہ تھوڑا جھک کر خمار آلود لہجے میں بولا تو اس نے جلدی سے لان کی نرم گیلی گھاس سے اٹھا کر سینے پر پھیلا لیا...... وہ تو بالکل بھول گئی تھی کہ آنچل خود سے ہے۔ دراصل بچپن اس میں موجود تھا۔

”پتہ نہیں تو کیسی باتیں کرتا ہے......؟“

”جو تیری سمجھ میں نہیں آتیں۔“ وہ دھیرے سے کہہ کر واپس مڑ گیا تھا......

اس لمحے بھی اس کے چہرے پر محبت کے نرم نرم عکس چھائے ہوئے تھے...... ایک وہ ہی غافل تھی...... اسی لئے تو اتنے فاصلے درمیان میں آ چکے تھے...... جسے وہ پکارنا چاہتی تھی وہ کتنا خاموش تھا؟

”کچھ تو بولو چھوٹے صاحب!“ وہ آہستہ سے پکاری تو گویا جذبے چیخ اٹھے...... اس نے دھیرے دھیرے پلکیں اٹھائیں...... وہ سہم کر پرے ہو گئی۔

”تم...... میں...... میں......“ وہ نڈھال سا بولا۔

”چھوٹے صاحب! آپ ٹھیک تو ہیں نا......“ وہ بے چینی سے بولی۔

”ہاں...... تم مجھ پر کیوں سوار ہو؟“ وہ پوری قوت سے چلایا۔

”میں...... وہ......“ وہ ڈر گئی۔

”تم ہی تو وجہ ہو اس حادثے کی...... دور ہو جاؤ...... تنہا چھوڑ دو......“ وہ چلانے لگا...... وہ روتے روتے ڈر کر باہر بھاگی...... وہ پوری طرح ہوش میں آ چکا تھا، نفرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کا باہر جانا ہی بہتر تھا ورنہ وہ کچھ سر میں کھینچ مارتا...... دروازے کے باہر دیوار سے لگ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

○❖○

کھٹ سے دروازہ کھلا......

حمید نے ہاتھ میں پکڑا سارا سامان میز پر رکھا اور پلٹ کر حوریہ کی طرف دیکھا جو اس کے پیچھے ہی داخل ہوئی تھی...... گڑیا تیزی سے کھڑی ہو گئی۔

”گڑیا! سب ٹھیک تو ہے؟“

”جی بی بی جی...... لیکن ڈاکٹر صاحب کہہ رہے تھے......“

”ٹھیک ہے...... ٹھیک ہے...... وہ سب ہو چکا ہے، تمہارا مسئلہ نہیں ہے...... تم حمید کے ساتھ گھر جاؤ، فی الحال میں یہاں ہوں......“ حوریہ نے اس کی بات کاٹ کر تیزی سے کہا۔

"آپ یہاں اکیلی رہیں گی حوریہ بی بی؟" حمید نے کچھ حیرت سے پوچھا۔

"ہاں! آج تو رہنا ہی پڑے گا۔ انکل جیسے ہی پہنچیں انہیں بتا دینا صاحب کے ایکسیڈنٹ کے بارے میں اور کہہ دینا کہ آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی اس لئے اطلاع نہیں دی تھی......اور بہت خیال رکھنا۔" حوریہ نے حمید کو تاکید کی......وہ اثبات میں گردن ہلاتا رہا۔

"اب تم لوگ جاؤ......" اس نے جانے کے لئے کہا تو حمید کے ساتھ وہ مُردہ قدموں سے ہوئی باہر نکل گئی......کرم داد سے دور ہو جانا ایسے میں اسے ہرگز قبول نہیں تھا مگر مالکوں پر زور چلتا ہے۔ اور پھر ویسے بھی تو وہ خود دشمن جاں تھا......دل ملول سا تھا......مگر مجبوری تھی......ا… خاموشی سے نکل گئی۔

"ہیلو......" حوریہ نے کرم داد کو پکارا تو اس نے دھیرے سے پلکیں اٹھا کر دیکھا اور اس پر… ڈالتے ہی دوبارہ آنکھیں بند کر لیں۔

"ہماری شکل اتنی بھی بری نہیں کہ دیکھ بھی نہیں سکتے۔" وہ طنزیہ مسکرائی۔

"اتنی اچھی بھی نہیں ہے میم صاحبہ۔" وہ دھیرے سے سخت لہجے میں بولا۔ آنکھیں بند ہی رکھ…

"گڑیا جیسی تو نہیں ہے مگر بہتر ہی ہے......اسے بھی تو دیکھتے ہی ہو۔" اس نے نمک پاشی کی… جھٹ اس نے آنکھیں کھول دیں اور گھور کر دیکھا۔

"واہ! کتنی طاقت ہے اس کے نام میں، ایک ملازمہ کے نام میں......آخر ہو نا ایک ملازم" … حقارت سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"حوریہ صاحبہ! اس بات کا جواب بہت دفعہ دے چکا ہوں، نجانے بار بار کیوں یہی سوال کر… ہو، اپنی حیثیت اور تمہاری حقیقت میں اچھی طرح جانتا ہوں، اب تم جا سکتی ہو......" وہ ایک ایک… چبا کر بولا۔

"میری حقیقت یہ ہے کہ تم کسی خیراتی ہسپتال کی بجائے ایک پرائیویٹ ہسپتال کے وی آئی… روم میں ہو، دیکھو غور کرو اور میرے ساتھ اس ملازمہ کو مت کھڑا کرو......" وہ بھی تڑخ کر بولی۔

"میں پہلے بھی ہزار بار ان سب چیزوں پر لعنت بھیج چکا ہوں اور ایک بار اور بھیجتا ہوں، مجھے… دو اس کمرے سے۔ مجھے ایسی کوئی چاہ نہیں اور یہ بھی سن لو کہ مجھے تم سے اور اس ملازمہ سے کوئی… نہیں۔"

"خیر، ایسا میں نہیں کر سکتی۔ کیونکہ مجھے تم سے محبت ہے......تم میرے شوہر ہو۔ تمہاری عزت… میرا فرض ہے۔ بولو کیسے ہو؟" وہ یکسر بات بدل کر انتہائی محبت بھرے لہجے میں بولی۔

"ہونہہ......" وہ تکلیف سے مسکرایا۔

"دیکھو ڈارلنگ! تمہیں میرا اعتبار کرنا چاہئے۔ ہم سب کو تمہاری فکر ہے، کچھ دیر میں انکل آ… رہے ہیں......" اس نے اس کے بکھرے بکھرے بالوں میں انگلیاں پھیرنی چاہیں تو اس نے غصے…

…سر جھٹک کر پوچھا۔

"مت فکر کرو، انکل کو دکھانے کے لئے یہ رنگین ڈرامہ مت رچاؤ......"

"چلو کچھ دیر ڈراما ہی برداشت کرو، صرف آج رات تک۔ ویسے بھی کل تو میں امریکہ جا رہی… میری غیر موجودگی میں تمہاری چاہنے والی تمہاری خدمت کرے گی۔" وہ کندھے اچکا کر بولی۔

"مجھے گھن آتی ہے، دور ہو جاؤ۔" وہ بڑی ہمت کر کے چیخا۔

"حالانکہ گھن مجھے آنی چاہئے۔"

"اپنے اندر جھانکو، گھن تو کیا تمہیں الٹیاں آنے لگیں گی......" وہ نفرت سے بولا۔

"تم مجھے نہیں خود سے کہہ رہے ہو......" وہ چلائی۔

"کون کس کو کیا کہہ رہا ہے......؟" ڈاکٹر سلمان اسی لمحے اندر داخل ہوتے ہوئے بولے۔ وہ …ب دم مسکرانے لگی۔

"السلام علیکم انکل!"

"مجھے مت سلام کرو، اتنا بڑا حادثہ ہو گیا اور اطلاع بھی نہیں دی......"

"سوری......سوری انکل! بس پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی......" وہ معذرت کرنے لگی۔

"اور جوان تم نے کیا بھنگ پی رکھی تھی؟" ڈاکٹر سلمان نے ہنس کر کہا۔

"بس پتہ نہیں کیا تھا......؟" وہ بھی بہ مشکل تمام جواب دے پایا۔

"ڈاکٹر کیا بتا رہے ہیں حوریہ؟"

"سب ٹھیک ہے انکل، میں مسلسل دیکھ بھال کر رہی ہوں......" وہ جلدی سے بولی۔

"شاباش......" سلمان انکل خوش ہو گئے۔

"انکل! یہ تو میرا فرض ہے......" وہ مشرقی بیوی کی طرح اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ ڈاکٹر سلمان …ن سے ہو گئے......جب کہ کرم داد نے نفرت سے آنکھیں موند لیں۔

"میں ڈاکٹر صاحبان سے مل کر ڈسکس کرتا ہوں......"

"ویسے اس کی ضرورت تو نہیں......" حوریہ نے ہکلا کر کہا......دراصل وہ نہیں چاہتی تھی کہ انکل …ٹر سے …یں۔

"ارے بیٹا تسلی کر لینا بہتر ہے، جاتے ہوئے مل لوں گا......" وہ بولے۔

"پھر آپ بیٹھیں، میں کافی پلاتی ہوں آپ کو......" وہ تھرماس سے کافی نکالتے ہوئے بولی۔

"کرم داد!"

"جی......"

"بیٹا! ٹھیک تو ہو......؟"

"جی......جی ہاں......"

''یار میں تو فکرمند تھا کہ پتہ نہیں تم کس حال میں ہو گے۔ لیکن شکر ہے کہ بہت بہتر ہو، بڑا اچھا
ٹریٹ منٹ کیا ہے ڈاکٹرز نے۔''

''کیوں نہ ہو، ڈاکٹر بیوی کے شوہر ہیں۔ ڈاکٹر سسر کے داماد ہیں، ڈاکٹرز کے لئے تو یہ بات ہی
کافی تھی......'' حوریہ اترا کر بولی...... کرم داد تلخی سے مسکرا دیا۔

''میرا کل واپسی کا پروگرام تھا مگر اب اور رہوں گا۔ تمہاری آنٹی کو بھی فون کر دیتا ہوں......'' ڈاکٹر
سلمان کافی کا سپ لیتے ہوئے بولے۔

''نہیں، اس کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ خوامخواہ پریشان ہو جائیں گی۔ آپ بھی کل واپس چلے
جائیں...... ورنہ وہ پریشان ہوں گی...... کرم داد اب بالکل ٹھیک ہیں۔'' حوریہ ایک سانس میں بولتی چلی
گئی۔

''مگر......''

''آپ فکر نہ کریں، میں ٹھیک ہوں......'' کرم داد نے حوریہ کی مشکل حل کی۔

''چلو ایسا کر لیتے ہیں......''

''کرم داد کی وجہ سے تو میں امریکہ میں بھی پریشان ہی رہوں گی......'' حوریہ نے نظریں چراتے
ہوئے دھیرے سے کہا۔ انکل نے حیرت سے دیکھا۔

''کیا کہا، امریکہ......؟''

''جی انکل! ہسپتال کی مشینری کی خریداری کے لئے امریکہ کی سیٹ کنفرم کرا چکی ہوں۔ کل صبح کی
فلائٹ ہے۔ مجبوری ہے۔'' وہ آہستہ سے بولی۔

''مگر حوریہ! تم نے ہمیں اطلاع بھی نہیں دی......'' سلمان انکل برہمی سے بولے۔

''دینی تھی۔ درمیان میں یہ حادثہ ہو گیا۔ میں سخت پریشان تھی......'' وہ انتہائی بے بسی کا مظاہرہ
کرتے ہوئے بولی۔

''کرم داد کو اس طرح چھوڑ کر جانا......'' وہ حیرت زدہ سے تھے۔

''میں زیادہ خوشی محسوس کروں گا، آپ میرے لئے پریشان نہ ہوں......'' کرم داد نے رسانیت
میں کہا۔ ڈاکٹر سلمان کچھ نہ سمجھ سکے۔

''جیسے تمہاری مرضی۔ میں تو بہرحال کل صبح واپس چلا جاؤں گا......'' ڈاکٹر سلمان نے گویا اطلاع
دی۔ حوریہ نے سکھ کا سانس بھرا۔

''لیکن انکل! ابھی آپ کو ہسپتال کا اچھی طرح کام دیکھنا ہے۔ میں کچھ دیر کے لئے آپ کے
ساتھ چلتی ہوں......'' وہ بولی۔

''آل رائٹ! چلو پہلے ڈاکٹر سے مل لیتے ہیں اور پھر گھر چلے جائیں گے۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولے۔

''او کے ڈارلنگ! میں کچھ دیر کے لئے تمہارے پاس کسی کو بھیج دیتی ہوں......'' وہ طنزیہ ایک آنکھ

دبا کر بولی اور پرس اٹھا لیا۔

''او کے ینگ مین! پھر ملیں گے......'' ڈاکٹر سلمان نے کہا۔

''اللہ حافظ......'' اس نے جواب دیا...... ڈاکٹر سلمان خاموشی سے باہر نکل گئے۔ ان کے پیچھے ہی
حوریہ بھی نکل گئی...... کرم داد نے صاف محسوس کیا کہ وہ ناخوش تھے یا متفکر تھے......

O❖O

''ٹھک، ٹھک......'' دروازے پر دستک ہوئی۔

''کون......؟'' اس نے دھیرے سے پوچھا۔

''میں صفیہ ہوں کرم داد بھائی......'' تو ذرا سا دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہو گئی۔

''آپ؟'' کرم داد نے پہچانتے ہوئے کہا۔

''کیسے ہیں......؟''

''زندہ ہوں، آپ سنائیں، زخم تو ٹھیک ہو گئے...... بچہ ٹھیک ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''ہم تو ٹھیک ہیں، آپ سنائیں کیسے ہیں؟ کہاں ہوتے ہیں؟ ہماری گڑیا کیسی ہے؟ کہاں ہے؟
ہم ملنے کو ترس گئے ہیں......'' صفیہ زار و قطار رونے لگی۔

''صفیہ باجی! پریشان نہ ہوں، وہ ٹھیک ہے۔ مزے میں ہے۔ کچھ دیر پہلے یہیں تھی۔ وہ آئے گی
تو آپ کو بتاؤں گا......'' کرم داد نے ڈھارس بندھائی۔

''میری گڑیا! اللہ جانے کس حال میں ہو گی۔ رو رو کر ہم دونوں بہنوں کا برا حال ہو گیا۔''
صفیہ باجی کی بھیگی بھیگی آنکھیں دیکھ کر وہ دکھی ہو گیا۔

''صفیہ باجی! اللہ کے واسطے پریشان نہ ہوں۔ وہ بالکل ٹھیک ہے۔''

''اور تم...... وہ تو تمہارے پاس...... تمہارے لئے......؟''

''میرے لئے نہیں اپنے لئے...... مجھے تو اس نے بہت پہلے رخصت کر دیا تھا، وہ میرے لئے کبھی
نہیں تھی۔''

''مگر......''

''حوریہ! وہ اب بھی ماضی کی دنیا میں آباد ہے۔ میری دنیا یہ ہے، دیکھ رہی ہیں نا۔ سونے کے
پنجرے کی دنیا۔ یہ دنیا گڑیا نے ہی میرے لئے پسند کی تھی......''

''کتنی بدنصیب ہے میری گڑیا۔ میں تو جب سے یہ جان پائی ہوں کہ وہ صرف ایک ملازمہ ہے،
انگاروں پر لوٹ رہی ہوں۔''

''کس کو معلوم کہ کون بدنصیب ہے؟'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''کیا تمہارے واپسی کے سب دروازے بند ہو چکے تھے......''

''دروازے کھلے ہی کب تھے......؟''

"تم نے اس کی نادانی پر یقین کرلیا۔ اس کا انتظار بھی نہیں کیا۔"

"اس نے مجھے مسترد کر دیا تھا، میری محبت کو مسترد کر دیا تھا۔ آپ کو یاد نہیں لیکن مجھے اس نے مجھے چھوٹے صاحب بننے کی تاکید کی تھی، میں نے زندگی داؤ پر خواہ مخواہ نہیں لگائی تھی میرے لئے سوچتی تو مجھے ناکام و نامرادنہ لوٹاتی۔۔۔۔۔۔" اس کا لہجہ تلخ سے تلخ ہوتا گیا۔

"کرم داد بھائی! اس کی ذہنی حالت تم نہیں جانتے۔ بچپن میں ذہن پر جو نقش ابھرے ہوتے گئے۔ معصوم کچی سوچ نے اسے کون کون سے صدمے نہیں دیئے۔ اگر اس نے سہانے بُنے تھے تو زمانے نے اسے معاف نہیں کیا، اس کی معصوم بھول کو معاف نہیں کیا۔ اس کو بہت ہے۔ کیا کوئی ایک اس کے رنگین خوابوں کی تعبیر نہیں بن سکتا تھا۔۔۔۔۔۔ کوئی ایک تو یہ حقیقت بدل جیسا وہ سوچتی ہے ویسا ممکن ہے، انسانوں میں ذات اور قبیلوں کی تقسیم نہیں۔۔۔۔۔۔ مگر سب نے کانٹوں پر ہی گھسیٹا۔۔۔۔۔۔ میری معصوم سی گڑیا کے نرم و نازک وجود کو لہولہان کر دیا۔۔۔۔۔۔ کتنا سمجھا ہم سب اسے کہ حویلیوں، کوٹھیوں کی دیواروں میں معصوم گڑیائیں چنوائی تو جا سکتی ہیں مگر حکمرا کر سکتیں، لیکن اسے یہ بات بھی اچھی نہیں لگی۔۔۔۔۔۔ انسانوں کی تجارت کے دور میں جذبوں قیمت۔۔۔۔۔۔؟" صفیہ نمناک لہجے میں بولتی چلی گئی۔۔۔۔۔۔ کرم داد نے کرب سے آنکھیں میچ لیں۔

"بولو بھائی! میری گڑیا کو تم نے بھی نہیں بچایا۔۔۔۔۔۔"

"صفیہ باجی! مجھے الزام نہ دیں۔ کاش، آپ میرے اندر جھانک سکتیں، آپ کو اندازہ ہو جا

"تمہارا کیا قصور، وہ ہی نادان رہی۔ میں اس سے ملنا چاہتی ہوں۔" وہ بے قراری سے بولی

"وہ مل جائے گی آپ کو۔ ضرور مل جائے گی۔"

"اس سے بڑی نادانی کیا ہو گی کہ وہ جہاں اپنے لئے پہنچی تھی وہاں اس کا کچھ بھی نہیں تھا زمین تھی اور نہ آسمان۔ پھر بھی وہ وہاں سانس لے رہی ہے، زندہ ہے۔" صفیہ کھوئی کھوئی سی بولی

"اس لئے کہ اسے صرف سانس لے کر ہی زندہ رہنا پسند ہے، باقی کیا چاہئے اور کیا نہیں باجی وہ نہیں جانتی۔۔۔۔۔۔ اگر وہ یہ سب جان لیتی تو نہ آپ یہاں ہوتیں اور نہ میں یہاں ہوتا۔۔۔۔۔۔ اس میری زندگی کا رخ موڑ کر رکھ دیا ہے۔ آپ اسے اپنے ساتھ لے جائیں، جیسے مچھلی پانی میں رہ کر باہر نہیں، اسی طرح اسے بھی اس کے خوابوں کی دنیا جیسی دنیا ڈھونڈ دیں۔ وہ خوش رہے گی۔"

"اگر ڈربے جیسے گھروں کی دیواریں بلند ہو کر کوٹھیوں کی دیواروں سے ملنے لگیں تو پھر نہ صفیہ رہے اور نہ گڑیا۔۔۔۔۔۔" صفیہ نے لمبی سانس بھر کے کہا۔

"میں جانتا ہوں، خیر آپ فکر نہ کریں۔ یہ فروٹ کھائیں، تھرماس سے چائے نکال کر پیئیں" کرم داد نے گفتگو کا موضوع بدلا۔

"نہیں، اب میں چلتی ہوں۔ بہت دیر ہو گئی ہے، کل کسی وقت آؤں گی۔ تم گڑیا کو میرے میں بتا دینا۔۔۔۔۔۔" صفیہ نے کہا اور واپسی کے لئے قدم اٹھائے۔ "کاش وہ کرم داد کے لئے ہوتی

نے دکھ سے سوچا۔

○❖○

مسلسل ٹیلی فون چیخ رہا تھا۔۔۔۔۔۔

گڑیا کو کچھ دیر پہلے ڈرائیور کے ساتھ ہسپتال بھیج دیا گیا تھا۔۔۔۔۔۔ حمید کچن میں کھانا گرم کر رہا سلمان انکل کو ان کے کمرے میں چھوڑ کر اسے ہی فون اٹھانا پڑا۔

"ہیلو۔۔۔۔۔۔"

"ہیلو کیا سب سو گئے تھے۔۔۔۔۔۔؟" رضا علی کی جھلائی ہوئی آواز آئی۔

"نہیں بابا، انکل کے ساتھ مصروف تھی۔۔۔۔۔۔" حوریہ نے آہستہ سے کہا۔

"سب ٹھیک ہے یا کوئی گڑبڑ ہو گئی؟"

"ایک دم ٹھیک۔۔۔۔۔۔ انکل کے آنے سے پہلے میں ہسپتال پہنچ گئی تھی۔ صاحب بہادر سے دو چار چپڑی باتیں کیں۔۔۔۔۔۔ انکل نے جائزہ لیا اور مطمئن سے لوٹ آئے۔" وہ چہکی۔

"تمہاری چکنی چپڑی میں صاحب بہادر آ گئے ہوں گے۔" رضا علی ہنسا۔

"ارے کہاں، وہ تو بہت اُڑتی چڑیا کے پَر گننے والوں میں سے ہے۔ ویسے بھی میرے ساتھ اس وابستگی تو کوئی نہیں۔"

"اجی! ہم کیا مر گئے ہیں۔ ہمارے ہوتے ہوئے آپ وابستگی کو کیوں ترسیں۔۔۔۔۔۔؟" رضا علی نے سے کہا تو وہ کھلکھلا کے ہنس پڑی۔

"ایمان سے تم بہت بے ایمان ہو۔۔۔۔۔۔"

"آپ سے کم۔ کب سے ہمیں ترسا رہی ہو، من کی بستی خشک اور بنجر ہے، اپنے کرم کی بارش سے کر دو تو قرار آئے۔۔۔۔۔۔" رضا علی جذب سے چور لہجے میں بولا۔

"یا شاعری شروع کر دی ہے۔۔۔۔۔۔؟"

"آپ نے شاعر بنا دیا ہے۔۔۔۔۔۔ اگر جلد ہمیں آپ نہ ملیں تو مجنوں بھی بن جائیں گے۔"

"رضا کچھ ہوش کے ناخن لو۔۔۔۔۔۔" وہ لجائی۔

"تجھ سے نہیں لئے جاتے ہوش کے ناخن۔ تم لو، اس بے ہودہ شخص سے جان چھڑاؤ۔۔۔۔۔۔"

"رضا، پلیز، انکل نے سن لیا تو۔۔۔۔۔۔" اس نے ٹوکا اور چاروں طرف دیکھا۔

"صبح کا کیا پروگرام ہے؟"

"انکل صبح سویرے چلے جائیں گے۔ اور پھر میری فلائٹ ہے۔ تم ایئر پورٹ پہنچ جانا۔"

"بائے۔۔۔۔۔۔"

"۔۔۔۔۔۔" اس نے جونہی کہا تو ایک ہلکی سی آواز پر ریسیور ہاتھ میں پکڑے پکڑے سوچ میں پڑ محسوس ہوا تھا جیسے کسی نے ٹی وی لاؤنج والے ٹیلی فون کو بند کیا ہے۔ جلدی سے ریسیور

کریڈل پر رکھ کر ٹی وی لاؤنج کی طرف قدم بڑھائے تو ٹھٹک گئی...... انکل صوفے پر بیٹھ
پڑھ رہے تھے...... اس کو دیکھ کر دھیرے سے بولے۔

"کہاں رہ گئی تھیں؟"

"انکل وہ...... وہ میری فرینڈ کا فون تھا......" وہ تھوک نگلتے ہوئے بولی۔

"اچھا، اچھا...... میرا خیال ہے کھانا لگ چکا ہے۔ کھا لیتے ہیں......" وہ یہ کہہ کر ڈرائنگ
طرف بڑھ گئے اور اس کے پاؤں جیسے من من کے ہو گئے۔ بہ مشکل تمام چلتے ہوئے خود بھی
روم تک پہنچی۔

"لاہور میں کتنی فرینڈز بنالی ہیں......؟" سالن پلیٹ میں ڈالتے ہوئے انہوں نے پوچھا۔

"جی زیادہ دوستی تو ڈاکٹر شینا سے ہے۔ وہ کل میرے ساتھ امریکہ بھی جا رہی ہے۔"

"کرم داد تمہیں خوش تو رکھتا ہے نا......"

"جی...... جی...... ہاں...... وہ بہت خیال رکھتے ہیں میرا......" نوالہ اس کے حلق میں اٹک

"اور تم......"

"میں بھی بہت خیال رکھتی ہوں۔ میری پسند کی شادی ہے......" اس نے صفائی پیش کی۔

"ویری گڈ......" وہ مسکرائے۔ حوریہ کی جان میں جان آئی۔

"انکل، آپ کو کیا لگتا ہے......؟" اس نے کریدا۔

"سب ٹھیک لگتا ہے۔"

"تھینک گاڈ......" اس نے لمبی سانس پرسکون ہو کر بھری۔ ڈاکٹر سلمان نے عمیق نظروں سے
کا جائزہ لیا اور کھانے میں مصروف ہو گئے۔ حوریہ کے اندر ہوتی اتھل پتھل میں کچھ کمی ہوئی۔
اس کا خیال تھا کہ انکل نے رضا کی اور اس کی باتیں سن لی ہیں۔

○❖○

رات کا ایک بج رہا تھا......

اس وقت اس کی آنکھ کھل گئی...... زبان خشک ہو رہی تھی...... وہ نیند کی بانہوں میں
لے رہی تھی...... اور اس معصوم سے چہرے پر بلا کا حسن چھلک رہا تھا...... گھنی پلکوں کی جھالر
آنکھوں پر پہرہ دے رہی تھیں...... چند بے ترتیب زلفیں رخساروں سے شرارت کر رہی تھیں
کی آنکھیں پوری طرح کھل گئیں۔ ہوش اُڑ گئے۔ مبہوت سا تکتا رہ گیا۔ دل مچلا کہ بانہوں میں
لوں، قرار کے پل کہیں بکھر نہ جائیں...... ہر دھند چھٹ جائے، سب فاصلے مٹ جائیں، یہ
دور نکل جاؤں...... مسلسل اس کی نگاہوں کی گرمی نے اسے گدگدی سی کی...... نیم وا آنکھیں
دیکھا تو پوری طرح جاگ گئی...... وہ صاف نظریں چرا گیا...... وہ سنبھل کر اٹھی اور اس
آئی...... کرم داد کے دل نے خواہش کی کہ "کاش! یہ کہے کرم داد تم میرے ہو......"

"چھوٹے صاحب! کیا بات ہے؟" وہ بولی تو اس کا حلق کڑوا ہو گیا۔

"کچھ نہیں۔"

"کچھ چاہئے......؟"

"ہاں! زہر...... زہر چاہئے مجھے......" وہ بپھر گیا۔

"چھوٹے صاحب! ناراض کیوں ہو رہے ہیں......؟" وہ سہم کر بولی۔

"میں کوئی ناراض واراض نہیں ہوں اور...... اور تم سے کیوں ناراض ہوں گا......" غصے پر قابو نہ
رکھ سکا بولتا چلا گیا......

"چھوٹے صاحب! آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔" وہ تقریباً رونے لگی۔

"کچھ نہیں ہوتا میری طبیعت کو، چھوٹے صاحب کو تمہاری فکر کی ضرورت نہیں۔" وہ تو لگتا تھا کہ
آپے میں نہیں رہا تھا۔

"چھوٹے صاحب! میں جانتی ہوں، مجھے تو کوئی حق بھی حاصل نہیں نہ گلے کا اور نہ فکر کا۔ میں
نے آپ سے کب کوئی گلہ کیا؟ جو الزام بھی آئے، آ جائے......" وہ آہستہ سے بولی۔

"نہیں، تم بتاؤ، ڈھنڈورا پیٹو، سب کو بتاؤ کہ میں نے تمہارے ساتھ کتنا بڑا ظلم کیا ہے، میری آواز
سننے کی تمہیں ضرورت نہیں تھی، اب جو چاہو بتاؤ، گلے کرو۔"

"چھوٹے صاحب! اتنے بے رحم تو نہ بنیں کہ میرا جینا مشکل ہو جائے۔" وہ سسکیاں لینے لگی۔

"نفرت ہے مجھے تمہارے چھوٹے صاحب کہنے سے، میری زندگی کو الاؤ میں بدلنے کا جرم کیا
ہے تم نے...... ہر ظلم اور زیادتی کی ذمہ دار ہو تم...... تمہاری زندگی میں آنے والے ہر چھوٹے صاحب
نے کوئی نہ کوئی اہم کردار ادا کیا ہے، ہماری زیادتی کو بھی چھوٹے صاحب کا لطف و کرم سمجھو......" وہ
ہانپتا کر بولا...... وہ کچھ بھی نہ بول سکی۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے صرف دیکھتی رہ گئی۔

"تمہاری بہن صفیہ میری کار سے ٹکرائی تھی، وہ تمہیں ملنے آئی تھی۔ تم ان کے ساتھ چلی جاؤ۔"

"صفیہ...... صفیہ باجی......" وہ حیرانی سے بولی۔ "وہ ٹھیک تو ہیں، چھوٹے صاحب؟" وہ بے
تابی سے بولی۔

"ہاں بالکل ٹھیک ہیں۔"

"آپ نے انہیں بتایا ہے میرے بارے میں......؟" وہ خوش ہوتے ہوئے بولی۔

"ہاں سب بتا دیا ہے، جو نادانی کا زہر تم نے انسانی زندگی میں بھرا ہے وہ سب بتا دیا۔" وہ طنزیہ
گھور کر بولا۔

"چھوٹے صاحب! میں نے کس کی زندگی میں زہر بھرا ہے؟" اس نے بھولپن سے پوچھا۔

"تم نہیں جانتی، اس لئے کہ تم بھولی ہو، نادان ہو......" وہ طنزیہ مسکرایا۔ اس وقت وہ صرف ایک
زخمی انسان تھا...... جو محبت میں ناکامی کے بعد اندھے انتقام کی آگ میں سلگ رہا تھا۔ کچھ دیر پہلے

اس کو دیکھتے ہوئے نرم و نازک جن جذبوں نے سر اٹھایا تھا وہ اس وقت جل کر بھسم ہو چکے تھے۔ عجیب انداز تھا اس کی چاہت کا، ایک ہی وقت میں محبت اور ایک ہی وقت میں نفرت...... ایک میں دل چاہتا کہ اس بے بس کمزور سی گڑیا کو ہر طرح کی مصیبتوں سے بچالوں اور اگلے ہی پل چیخنے لگتا کہ زندگی کو مضطرب کرنے میں اس کی بے جا ضد اور انہونی خواہشات کا ہاتھ ہے...... پامال کرنے کی ایسی سزا دوں کہ زندگی بھر یاد رکھے...... ایسے ہی جذبات لے کر وہ گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔ اندر کی جنگ نے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت چھین لی تھی اور گاڑی صفیہ اور بچے سے ٹکرا گئی۔

''چھوٹے صاحب! میں انہیں ملنے جاؤں گی۔'' وہ اپنی ہی دھن میں بولی اور پھر اسے پتنگے لگ گئے۔

''تم ان کے ساتھ چلی جانا، اب یہ آنکھ مچولی کا کھیل ختم ہونا چاہئے......'' وہ سفاکی سے بولا۔ اس کا دل کٹ کر رہ گیا...... اس کے لئے کتنی پریشان اور بے قرار تھی وہ، اب ہی تو دل یہ خواہش کرنے لگا تھا کہ اس کا ساتھ ہو، اور وہ کہہ رہا تھا کہ وہ اسے چھوڑ کر چلی جائے۔

''چھوٹے صاحب! آپ کو چھوڑ کر چلی جاؤں؟'' ایک ہلکی سی امید پر پوچھا۔

''ہاں، ہاں...... چھوٹے صاحب کو تمہاری ضرورت نہیں۔'' وہ دھاڑا۔

''مگر...... میں...... میں نہیں جاسکتی۔'' وہ رو دی۔

''کیوں...... کیوں نہیں جاسکتیں...... تم تو چند دن پہلے بھی جانے کا کہہ رہی تھیں......''

''بس چھوٹے صاحب! مجھے مجبور نہ کریں...... میں...... میں نہیں جاسکتی...... کہیں بھی کسی کے ساتھ بھی......''

''میں چاہتا ہوں کہ تم یہاں سے جاؤ......'' وہ تلخی سے بولا۔

''ایسا نہ کہیں چھوٹے صاحب۔''

''چھوٹے صاحب کہتے ہیں جاؤ...... جاؤ، یہ چھوٹے صاحب کہہ رہے ہیں، دفع ہو جاؤ میری نظروں سے...... دور ہو جاؤ......'' اسے جیسے شدید دورہ پڑ گیا۔ سسکیاں بھرتی ہوئی کمرے کے کونے میں منہ دے کر بیٹھ گئی...... وہ بھی چیختے چیختے نڈھال سا ہو کر خاموش ہو گیا...... بند آنکھوں سے رواں آنسو ٹوٹ کر اس کی شدید محبتوں کا اظہار کر گئے مگر وہ نہ جان سکی۔

○❖○

حوریہ ابھی بیدار بھی نہیں ہوئی تھی کہ ڈاکٹر سلمان چلے بھی گئے......

جاگنے پر حمید نے ان کے جانے کے بارے میں بتایا تو وہ پریشان ہو گئی۔ یوں اس طرح بتائے، بغیر ملے ان کا چلے جانا کافی حد تک پریشان کن تھا...... اس وقت زیادہ سوچنے کا وقت نہیں تھا کیونکہ آٹھ بج رہے تھے۔ ابھی بہت سا کام کرنا تھا...... جلدی سے بستر چھوڑ کر اٹھی اور سیدھی باتھ روم میں گھس گئی۔ نہا کر باہر نکلی تو حمید ناشتہ لے آیا...... ناشتہ تیزی سے کرتے ہوئے اس نے حمید کو

ہدایات دیں...... وہ سر ہلاتا رہا۔

''ہاں سنو، اب ہسپتال میں گڑیا کو مستقل چھوڑنے کی ضرورت نہیں۔ دن میں دو تین مرتبہ تم چکر لگا لیا کرنا...... وہ گھر کے کام کاج دیکھے...... مزید یہ کہ جیسے رضا صاحب کہیں ویسے کرنا۔'' وہ جلدی جلدی کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ ہلکی پھلکی سی اپنی تیاری مکمل کی اور ڈرائیور سے گاڑی نکالنے کو کہا۔ حمید نے سامان گاڑی میں رکھوایا، وہ تیزی سے گاڑی میں بیٹھی...... ڈرائیور کو تیزی سے نکالنے کو کہا...... حمید نے حیرت سے کھلے گیٹ کو دیکھا...... پھر جونہی چوکیدار نے گیٹ بند کیا تو وہ لان میں کام کرتے مالی بابا کے پاس آگیا......

''کتنی عجیب بات ہے۔''

''کون سی بات......؟'' گلاب دین بابا نے کام میں مصروف رہتے ہوئے پوچھا۔

''ان بڑے لوگوں کی۔ بے چارے چھوٹے صاحب ہسپتال میں ہیں اور بیگم صاحبہ امریکہ روانہ ہو گئیں۔'' حمید نے کہا۔

''اچھا، بیگم صاحبہ کے جانے کو عجیب کہہ رہے ہو۔ میاں! بڑے گھروں میں تو ایسا ہی ہوتا ہے...... چھوٹے صاحب سے تو جیسے حوریہ بی بی کو ان بن رہتی ہے۔''

''اس کی وجہ ہے نا وہ گڑیا کی بچی...... اس کی وجہ سے دونوں کھنچے کھنچے رہتے ہیں۔'' حمید نے جلدی سے کہا۔

''ارے نہیں یار، وہ بے چاری معصوم لڑکی ہے۔ اس کو وجہ کیوں بنا رہے ہو......؟'' گلاب دین نے کہا۔

''معصوم لوگ خطرناک ہوتے ہیں......''

''یوں کیوں نہیں کہتے کہ اصل وجہ رضا علی صاحب ہیں۔ مجھے تو وہ انتہائی برے لگتے ہیں......'' گلاب دین بابا نے ناگواری سے کہا۔

''ہاں، ہیں تو وہ بھی ایسے ہی۔ مگر گھر تو ڈاکٹر صاحب کا برباد ہو رہا ہے۔ کتنے خاموش تھے صاحب جی جاتے وقت...... حوریہ بی بی سے بغیر ملے ہی چلے گئے......'' حمید نے اپنی دانست میں اطلاع دی۔

''ہاں، یہ بات تو نظر آرہی تھی کہ وہ ناراض ہیں......''

''بس اللہ خیر کرے، ان بڑے لوگوں کی زندگی بھی بہت پراسرار ہوتی ہے۔''

''ہوتی رہے، ہمیں تو اپنے کام سے مطلب ہے، بڑے کہتے ہیں کہ جب ایسا ویسا کچھ دیکھو تو آنکھیں اور کان کھلے رکھو زبان بند رکھو......'' مالی بابا نے کہا۔

''کہتے تو بڑے ٹھیک ہی تھے...... ہمیں کیا...... ہمیں تو خدمت کرنی ہے...... خدمت سے یاد آیا مجھے ناشتہ لے کر ہسپتال جانا ہے......'' حمید نے کہا اور اندر کی طرف چل دیا۔ گلاب دین سر جھٹک

کر اپنے کام میں مصروف ہو گیا...... اس کی تو ساری عمر گزری تھی اس طرح کے حالات و معاملات دیکھتے ہوئے...... مگر ہمیشہ اپنے کام سے کام رکھا تھا، مالکوں کے کام میں دخل اندازی نہ کرنے ہی عافیت ہوتی ہے یہ بات انہیں اچھی طرح معلوم تھی۔

حمید کچھ دیر بعد ناشتہ لے کر باہر نکلا تو ڈرائیور ایئر پورٹ سے آ چکا تھا۔ ساتھ میں علی رضا بھی

"سلام صاحب......" اس نے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام، کہاں جا رہے ہو......؟"

"ہسپتال جا رہا ہوں۔"

"ناشتہ بھیجنا ہے......؟" اس نے پوچھا۔

"جی، گڑیا کو بھی لانا ہے۔"

"اوہ اچھا، تو پھر ایسا کرو تم میرے کپڑے پریس کرو، میں ہسپتال جا رہا ہوں۔ گڑیا کو لیتا آؤں گا۔" رضا علی نے مسکرا کر کہا۔ حمید نے ٹفن اسے تھما دیا اور خود اندر چلا گیا...... رضا علی نے ڈرائیور گاڑی کی چابی لی اور خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی......

○❖○

"ڈاکٹر صاحب! میں جانا چاہتا ہوں۔" اس نے ڈاکٹر خاور سے کہا۔

"ہیں...... ابھی ہرگز نہیں...... یہ کیسے ممکن ہے؟" ڈاکٹر خاور نے سختی سے کہا۔

"میں اب ٹھیک ہوں۔" کرم داد نے دوبارہ کہا۔

"کرم داد صاحب! یہ تو آپ کہہ رہے ہیں، جب کہ صورت حال یہ ہے کہ فریکچر کی ریکوری میں کم ز کم بیس پچیس دن لگتے ہیں، ایک ڈیڑھ مہینے ریسٹ کرنا ہوتا ہے۔ آپ کو معلوم ہی نہیں کہ پسلیاں س بری طرح ٹوٹی تھیں۔"

"افسوس کہ میں پھر بھی بچ گیا۔" وہ سرد آہ بھرتے ہوئے بولا۔

"ارے کیسی باتیں کرتے ہو نوجوان...... زندگی بہت بڑی نعمت ہے۔ دوسری زندگی ملنے پر خدا کا کر ادا کرو۔"

"زندگی میں ہے ہی کیا جو اس کی طلب ہو۔" وہ شاکی تھا۔

"اور کچھ ہو یا نہ ہو مسٹر کرم داد، اچھے خدمت گار ضرور ہیں۔" ڈاکٹر خاور نے قریب ہی کھڑی پریشان حال گڑیا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"چھوٹے صاحب! آپ پریشان نہ ہوں۔"

"بی بی! یہ کوئی پریشان وریشان نہیں ہیں، اللہ نے اتنا ہینڈسم بنایا ہے، مایوسی کی باتیں کیوں کریں؟" ڈاکٹر خاور نے خوش دلی سے کہا۔

"ڈاکٹر صاحب! مہربانی ہوگی اگر آپ مجھے جانے دیں۔"

"مسٹر کرم داد! ویسے آپ کو گھر جانے کی جلدی کیوں ہے؟" ڈاکٹر خاور کا جملہ ذومعنی تھا۔

"جو آپ سمجھ رہے ہیں ویسا کچھ نہیں ہے۔" اس کا لہجہ تھکا تھکا تھا۔

"وہ تو میں سمجھ سکتا ہوں، بیگم صاحبہ نے آپ کو مستقل ملازمہ پر چھوڑ دیا ہے۔"

"ڈاکٹر صاحب! مجھے اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔"

"مسٹر کرم داد! فرق پڑتا تو ہے۔ انسان جب بیمار ہوتا ہے اس وقت اسے اپنوں کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"اپنوں کی پڑتی ہے، بیگانوں کی نہیں۔" کرم داد نے طنزیہ نظروں سے گڑیا کو دیکھا۔

"اوکے...... آپ آرام کریں اور یہ ذہن میں رکھیں کہ فی الحال آپ کو چھٹی نہیں مل سکتی۔ کچھ

دوائیں تبدیل کر دی ہیں۔ بیگم صاحبہ تشریف لائیں گی تو ان سے بات چیت ہو گی۔'' ڈاکٹر خاور نے اور نرس کے ہمراہ باہر نکل گئے۔

''ہنہ، بیگم صاحبہ......'' کرم داد اتنے آہستہ سے بڑبڑایا کہ وہ سن نہ سکے البتہ گڑیا نے سن لیا۔

''چھوٹے صاحب! بیگم صاحبہ تو آج امریکہ چلی جائیں گی۔'' اس نے اپنی دانست میں اطلاع فراہم کی۔

''وہ جہنم میں جائیں، تمہیں اس سے کیا؟'' وہ دہاڑا۔

''چھوٹے صاحب! میں تو ویسے ہی کہہ رہی تھی۔''

''ایک تو ہر وقت میرے سرہانے ایک ہی ریکارڈ بجتا رہتا ہے چھوٹے صاحب، چھوٹے صاحب۔ عاجز آ گیا ہوں میں اس لفظ سے۔'' وہ سخت طیش میں آ گیا۔ وہ سہم گئی۔

''معاف کر دیں۔'' کچھ نہ سوجھی تو اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔ بس پھر کیا تھا، مزید آگ بگولا ہو گیا۔

''دور ہو جاؤ، کیوں میرے سر پر نازل ہو، مجھے تمہاری ضرورت نہیں ہے، چلی کیوں نہیں جاتیں؟''

''چھوٹے صاحب! میرا قصور کیا ہے؟'' وہ رو دی۔

''یہی قصور ہے تمہارا، چھوٹے صاحب، چھوٹے صاحب کا راگ الاپنا۔ سمجھیں تم۔''

''آپ چھوٹے صاحب تو ہیں، میں غلط تو نہیں کہتی۔'' وہ سادگی سے بولی۔

''نہیں...... نہیں ہوں میں چھوٹے صاحب غلط ہی تو کہتی ہو۔'' وہ زور سے چلایا۔ اس کے چلانے پر نرس تیزی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تو شرمندہ سا ہو گیا۔ ''سوری سسٹر......''

نرس واپس پلٹ گئی۔

''دیکھو تم اپنی بہن کے پاس چلی جاؤ۔ آج اور ابھی چلی جاؤ۔''

''نہیں، میں ایسے کیسے؟''

''یہی تو مسئلہ ہے، تم یہاں کیوں ہو، ایسے کیسے؟''

''ہیلو مسٹر کرم داد!'' اسی لمحے رضا علی کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے ناگواری سے منہ موڑ لیا۔

''ارے کمال ہے، ہمارے آنے پر منہ دوسری طرف موڑ لیا۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' اس نے روکھے پن سے جواب دیا۔

''اور تم کیوں منہ لٹکائے کھڑی ہو؟'' رضا علی نے اس کے اداس چہرے پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

''میں ٹھیک ہوں رضا صاحب۔'' وہ منمنائی۔

''اچھا ٹھیک ہے، جلدی سے کرم داد صاحب کو ناشتہ کراؤ، پھر میرے ساتھ چلنا ہے۔'' وہ ... سے بولا۔

''کہاں؟'' کرم داد نے تیزی سے پوچھا۔

''گھر اور کہاں؟''

''تم لے جانے والے کون ہو؟''

''اور آپ اس کو یہاں کس رشتے سے رکھے ہوئے ہیں؟'' رضا علی نے ترکی بہ ترکی کہا۔

''دیکھو یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔'' وہ دانت پیس کر بولا۔

''حوریہ کا تو ہے۔ بیوی ہے وہ تمہاری۔ کہہ کر گئی ہے کہ گڑیا کو ہسپتال سے گھر لے آنا۔ شاید اسے کوئی خطرہ ہو۔'' رضا علی انتہائی مکاری سے آنکھ دباتے ہوئے بولا۔

''بکواس بند کرو، وہ اپنی طرح سب کو سمجھتی ہے۔''

''اپنی بیوی سے تو بہت بدظن ہو اور اس ملازمہ پر اتنی عنایات۔'' وہ ہنسا۔

''رضا علی صاحب! آپ تشریف لے جائیں۔''

''اور یہ محترمہ......؟''

''میں...... میں چلتی ہوں رضا صاحب...... چھوٹے صاحب! آپ نہ جھگڑیں۔ میں چلی جاتی ہوں۔'' وہ معصوم بچوں کی طرح جلدی جلدی جانے کو تیار ہو گئی۔ اس کے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ کچھ دیر پہلے کرم داد اس کو جانے کو کہہ رہا تھا اور اب نہ جانے کی تکرار کر رہا تھا۔ مزید وہ کوئی بدمزگی نہیں چاہتی تھی مگر اس کے جانے کا ارادہ اسے سرتاپا سلگا گیا۔

''جاؤ...... سب جاؤ اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔''

''اوکے مائی ڈیئر!'' رضا علی خباثت سے مسکرا کر آگے آگے چل دیا۔

''چھوٹے صاحب! میں پھر آؤں گی۔''

''کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ چیخا۔ وہ ڈر کر باہر نکل گئی جہاں رضا علی اس کا منتظر تھا۔ اس کے نکلتے ہی اس نے زور سے گھونسا بیڈ کے کنارے پر مارا۔

○❖○

''کرم...... تمہیں اس کی ضرورت ہونی بھی نہیں چاہئے، ہر بار اس سے گفتگو کا سلسلہ بحال کرتے ہو، اپنا مدعا بیان کرنا چاہتے ہو مگر ہمیشہ کی طرح غصے اور نفرت کی دیوار درمیان میں رہ جاتی ہے۔ تمہاری انتہا کو پہنچی ہوئی محبت بہت جلد غصے میں بدل جاتی ہے۔ انا...... انا کا مسئلہ ہی تو بن جاتی ہے نادان لڑکی۔ تمہارے طور طریقے جو سمجھ نہیں پاتی۔ کبھی تمہارے قریب رہنے کی تمنا کرتی ہے اور کبھی پریشان ہو کر دور ہو جانا چاہتی ہے۔ اس کے اس طرزِ عمل کو کون سا نام دو گے تم؟ کیا وہ تمہیں سمجھ پائی ہے؟ نہیں، نہ وہ سمجھ پائی ہے اور نہ تم نے سمجھا پائی ہے اور نہ تم نے سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ اتفاق سے شروع ہونے والا سفر ایک کڑا اور کٹھن امتحان بن گیا ہے۔ زمانے کے سرد گرم سے بچاتے بچاتے چونکہ لوؤں کے تھپیڑوں میں چھوڑ دیتے ہو اس کو۔ یا شاید وہی اس لمحے تمہیں مضطرب کر دیتی ہے۔

جب محبت کی نرم نرم پھوار میں تم اسے بھگونا چاہتے ہو کرم داد! تم نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ ... حادثے کے ذریعے ایسی لڑکی سے ملاقات ہوگی جو کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی تمہارا سب کچھ بن ... گی۔ جس سے محبت کی جائے گی تو مسترد ہو جاؤ گے۔ جس سے نفرت شروع کرو گے تو جنون ہو ... گے۔ اس کمزور سی لڑکی میں مقناطیسی قوت ہوگی جو ہر پل اپنی طرف کھینچتی رہے گی۔ بالکل ایسا ہی ... جو میں غیر ارادی طور پر کئے جا رہا ہوں۔ مجھے اس سے عشق ہے۔ وہ میرا عشق ہے..... مگر وہ ... غافل ہے۔ اس کے اور میرے بیچ بال سے باریک فاصلہ ہے، ہم ایک دوسرے کو دیکھ سکتے ہیں مگر ... کہہ نہیں پا رہے۔"

"نہیں کرم داد! یہ تم جھوٹ کہہ رہے ہو۔" اس کے اندر سے کسی نے اس کی نفی کی تو وہ چونکا۔

"تم..... تم کرم داد! انا پرست ہو۔ دیکھ کر گونگے بن جاتے ہو، تمہارے اردگرد جذبات ... مچاتے ہیں مگر تم بہرے بن جاتے ہو۔ تم خود اسے پکارنا نہیں چاہتے۔ چاہتے ہو کہ وہ شکست ... کرے۔ وہ تمہیں کرم داد کہہ کر پکارے۔ اپنی محبت کا یقین دلائے تو تمہارے اندر کے مرد کو تسکین ... ملے۔ تم اس کی ہر خطا معاف کر کے سینے سے لگا لو۔ مگر کتنے نادان ہو تم کہ محبت کے سفر میں بھی ... ضائع کر رہے ہو۔ فاصلے بڑھا رہے ہو۔ یہ طے ہے کہ تم اس کے بن ادھورے ہو۔ یہ تم تسلیم کر ... ہو کہ وہ تمہارے بدن کی نہیں، روح کی تسکین ہے۔ پھر کیوں اسے انا کی بھینٹ چڑھا رہے ہو... پھولوں کی طرح معصوم ہے۔ اسے خود سمیٹ لو۔ پھول حفاظت کے لئے ہوتے ہیں پامال کرنے کے لئے نہیں۔ دیر کرتے کرتے کیسی دھند بڑھتی جا رہی ہے جس میں ایک دوسرے کو دیکھنے سے قاصر ... جاؤ گے۔ شاید دھند ہی تھی جب تم نے اس کی ایک نہ سنی۔ تمہارے اندر کے بپھرے ہوئے انسان نے کمزور سی لڑکی کو ناکردہ گناہ کی سزا دی۔ تمہاری کمزور طاقت نے اپنے غصے کا نشانہ بنایا۔ وہ اس کے باوجود تمہارے سامنے ہے۔ یہ محبت نہیں تو اور کیا ہے؟"

"تو..... وہ مجھے کیوں نہیں کہتی؟" وہ جواب میں چلایا۔

"شاید اس کے ماحول نے اس سے کہنے کی طاقت ہی چھین لی ہے۔ وہ جس طبقے میں پیدا ... وہاں لوگ دیکھتے ہیں، سوچتے ہیں، سنتے ہیں مگر حسب منشا بولتے نہیں۔ وہ بھی اسی لئے اب کچھ نہیں بولتی۔ پہلے جو بولتی تھی وہ تم بھی سننا نہیں چاہتے تھے۔ اگر اس کے لب اقرار نہ کر سکے تو پھر کیا ... گلہ بھی تو نہ کر سکے۔" ضمیر کی دلیل پر وہ نادم سا ہو گیا۔ پیشانی عرق آلود ہو گئی تھی۔ جذبات میں ... ٹھہراؤ سا آ گیا۔ کچھ دیر پہلے کی نفرت چھٹ گئی۔ شاید محبت کی انتہا تھی جو اسے رضا کے ساتھ ... سے روک رہی تھی۔ مگر وہ ناسمجھ پھر بھی چلی گئی۔ گڑیا! میں تمہیں کیسے سمجھاؤں؟ حالات ناموافق ... جاتے ہیں۔" بے بسی سے اس نے آنکھیں موند لیں۔

○❖○

"ایک بات تو بتاؤ، یہ تم چھوٹے صاحب کے ساتھ اتنا کیوں رہتی ہو؟" ہسپتال سے کافی ...

...نے کے بعد اس نے پوچھا۔

"جی..... وہ چھوٹے صاحب ہیں۔" وہ گڑبڑا گئی۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ چھوٹے صاحب ہیں مگر چھوٹے صاحب تو وہ سب ملازموں کے ... تم پر خاص عنایات کیوں؟" وہ طنزیہ بولا۔

"یہ تو مجھے نہیں معلوم۔"

"معلوم تو سب ہے۔ کہو تو میں سب کچھ بتا دوں؟"

"جی کیا..... وہ..... میں نے تو کچھ نہیں کیا۔" وہ یکسر بوکھلا گئی۔

"تم نے نہ سہی..... چھوٹے صاحب نے تو....."

"وہ ان کی غلطی نہیں، وہ بس یونہی۔" وہ جلدی سے بولی۔ لہجہ گلوگیر ہو گیا۔ اس نے حیرت سے ...کے زرد چہرے کی طرف دیکھا۔ پھر ہنستا چلا گیا۔ وہ وحشت زدہ سی اسے دیوانوں کی طرح ہنستا ...کر رونے لگی۔

"ارے، رے، رے..... اتنی حسین آنکھیں رونے کے لئے نہیں ہوتیں۔" اس نے انگلی سے اس ... آنکھیں صاف کیں۔

"رضا صاحب! وہ سب حادثہ تھا، چھوٹے صاحب بھی ایسے نہیں ہیں۔" وہ گڑگڑانے لگی۔

"کیا..... وہ..... نہیں..... تم اسے حادثہ نہیں کہہ سکتیں۔" وہ جان بوجھ کر زور دیتے ہوئے بولا۔

"بس وہ....." اس کے ساتھ ہی وہ زور زور سے رونے لگی اور اس کی تسلیوں پر سب کچھ اسے کہہ ... وہ مصنوعی ہمدردی کرتا رہا اور وہ سب کچھ کہہ بیٹھی۔

"اوہ..... یہ تو بہت برا کیا تم نے..... مالکوں کے اعتماد کو دھوکا دیا..... اور کتنی بری حرکت کی ہے ...داد صاحب نے تمہارے ساتھ، بیوی کی موجودگی میں۔ کتنا دکھ ہوگا حوریہ کو اور سلمان انکل کو، کتنی ...ت ہوگی جب پتہ چلے گا تو۔"

"نہیں..... نہیں صاحب! آپ انہیں نہیں بتائیں گے، مجھے آپ بے شک مار ڈالیں، مجھے دریا ... دیں۔" ہاتھ جوڑ کر اس نے کھڑکی سے باہر دریا کی طرف اشارہ کیا۔ جان بوجھ کر وہ ...راوی کے ... پر گاڑی لے آیا تھا۔

"کیسی باتیں کرتی ہو؟ ہم کس لئے ہیں..... ہم تمہیں مرنے دیں گے؟" وہ مکاری سے اس کے ...ہوئے نازک ہاتھ تھامتے ہوئے بولا۔

"بس آپ وعدہ کریں رضا صاحب کہ کسی کو کچھ نہیں بتائیں گے۔ میں چلی جاؤں گی، پھر کبھی نہیں ...گی۔" وہ روتے روتے ہلکان ہو گئی۔

"پاگل ہو تم..... نہ کہیں جاؤ گی اور میں تمہیں جانے بھی نہیں دوں گا۔ رہی بات کسی کو کچھ بتانے ... تم فکر نہ کرو، کسی کو کچھ نہیں پتہ چلے گا۔ تم خاموشی سے رہے جاؤ۔"

"سچ......" وہ خوش ہوگئی۔

"اور کیا...... بالکل سچ۔ ایک بات کا بس خیال رکھنا کہ اب تمہیں ہسپتال نہیں جانا۔ آنے تک میں ہسپتال کا کام اپنی نگرانی میں کراؤں گا۔ تم میرا خیال رکھنا۔ حوریہ بھی کہہ گئی ہے" نظریں چراتے ہوئے بولا۔

"جی، ہسپتال نہیں جاؤں گی تو چھوٹے صاحب کا خیال کون رکھے گا؟" اس کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے کر مسل ڈالا۔

"ارے کمال کرتی ہو، پرائیویٹ ہسپتال ہے اور ڈاکٹرز نرسیں ہر وقت دیکھ بھال میں لگی ہیں۔ لمبا چوڑا بل کس بات کا لیتے ہیں وہ...... اور پھر تمہارا کرم داد کے قریب جانا بھی ٹھیک نہیں۔ کیا بھروسا پھر کوئی نادانی کر بیٹھے۔ ہسپتال میں خوامخواہ بدنامی ہوگی۔" واپسی کے لئے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے وہ بولا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی خاموش ہوگئی۔ دراصل ہاتھ جو کٹوا لئے تھے۔ نادانی میں اپنے اوپر کتنا بڑا ظلم کر ڈالا تھا۔ یہ اسے خود نہیں معلوم تھا۔ جب کہ رضا علی کا دل تو بلیوں اچھل رہا تھا۔ بہت خوش تھا۔ کب سے اس چھوٹی سی نرم و نازک رنگین تتلی پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ اب جو ہاتھ آئی تو سب رنگ ہاتھوں میں رہ گئے تھے۔ مزید اس سے بچنا فی الحال ناممکن تھا۔ اب پوری طرح اس کے قبضے میں آ چکی تھی۔ ٹیڑھی آنکھ سے اس کے اُداس، بھولے سے چہرے کو دیکھا تو عیاری سے مسکرا دیا۔ اس کے اندر کے شیطان سے بے نیاز وہ اپنی سوچوں میں کھوئی ہوئی تھی۔

○❖○

"تُو چھوٹے صاحب کو اکیلا چھوڑ کر آ گئی۔" سبزی بناتے ہوئے حمید نے طنزیہ کہا۔

"رضا صاحب مجھے لے آئے ہیں۔ حالانکہ چھوٹے صاحب ابھی اس قابل نہیں ہوئے کہ چھوڑا جائے۔ پانی بھی دینا پڑتا ہے۔ ویسے کتنے دکھی ہیں چھوٹے صاحب۔ حوریہ بی بی ایک دن بھی ان کے پاس نہیں رہیں۔" وہ حمید کے قریب بیٹھتے ہوئے اداسی سے بولی۔

"تُو جو رہ رہی تھی ان کے پاس۔" حمید مسکرایا۔ وہ نا سمجھ تھی، کچھ نہ سمجھ سکی اس کی بات کا مطلب۔

"اور اب رضا صاحب کہتے ہیں کہ حوریہ بی بی کہہ گئی ہیں میں گھر پر رہوں۔"

"بس سب کی مانتی جا، یہی کام ہوتا ہے نوکروں کا۔" حمید نے اپنی دانست میں پتے کی بات کہی۔

"اور چھوٹے صاحب!" اس نے سوالیہ نظریں حمید کی طرف اٹھائیں۔

"چھوٹے صاحب کو کیا ہوا؟"

"میرا مطلب ہے ان کے پاس کون رہے گا؟"

"حمید...... حمید رہے گا ان کے پاس۔" باہر سے آتے ہوئے رضا علی نے اس کی بات سن کر کہا۔

"جی میں؟ اور گھر کی......"

"گھر کی دیکھ بھال گڑیا کرے گی۔ نادان ہے، اس کا تنہا ہسپتال میں رہنا مناسب نہیں۔ کرم داد اٹھ کر پانی نہیں پی سکتا، اس پر کوئی مصیبت آ جائے تو کیا ہوگا؟" وہ بہت ہوشیاری سے بولا۔ حمید اس کی طرف دیکھتا رہا اور پھر کچھ خاموش سا ہوگیا۔ اس کو رضا علی کی بھی شاید بات پسند نہیں آئی تھی۔ اس کے چہرے پر دور تک تفکرات کے سائے پھیل گئے۔ کچھ بھی تھا، گڑیا کے لئے اس کے دل میں پریشانی سی پیدا ہوگئی۔

"کیا سوچنے لگے؟ سب کام چھوڑو اور ہسپتال کو روانہ ہو جاؤ۔" رضا علی نے کہا۔ وہ چھری رکھ کر اٹھنے کو تھا کہ اس نے جیب سے بٹوہ نکال کر ہزار ہزار کے تین نوٹ اس کی طرف بڑھائے۔ "یہ رکھ لو ہسپتال کے خرچے کے لئے۔ مزید پیسوں کی ضرورت پڑے تو فون کر دینا۔ آنے کی ضرورت نہیں۔ کرم داد کو اکیلا مت چھوڑنا۔"

اس کی پوری بات سن کر وہ چپ چاپ کندھے پر پڑا رومال اتار کر اس پر ایک نظر ڈالتے ہوئے گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔

"گڑیا! دوپہر کے کھانے کی تیاری کرو۔ میں ہسپتال کے کام کا جائزہ لینے جا رہا ہوں۔" رضا علی نے کہا۔

"رضا صاحب! چھوٹے صاحب کے......" وہ پریشانی میں فقط اتنا بول سکی۔

وہ چند ساعت اس کو دیکھتا رہا پھر بولا۔ "چھوٹے صاحب کے لئے کوئی بات نہیں کرنا۔ تمہاری مستقل خاموشی ہی تمہارے لئے بہتر ہے ورنہ تم سمجھدار ہو۔" وہ کمال چالاکی سے مسکراتے ہوئے بولا۔ اس نے گردن جھکا لی۔ وہ چلا گیا۔

"میرے لئے کیا بہتر ہے رضا صاحب یہ تو اللہ ہی جانتا ہے۔ لگتا تو کچھ یوں ہے کہ میں ایسی کسی گھڑی میں پیدا ہوئی تھی جب سارے زمانے کی نحوست ہمارے کوارٹر میں اتر آئی تھی۔ اس وقت سے نحوست نے ساتھ نبھا رکھا ہے۔ چاہتی کچھ ہوں اور ہوتا کچھ ہے، نہ کوئی اچھا ہوتا ہے اور نہ کچھ بہتر۔ نادانی نے قسمت پر سیاہ لکیر پھیر دی ہے۔ تاریکی میں سے جو بھی دیکھنا چاہوں سیاہ ہی نظر آتا ہے۔ تاریکیاں کو چیرنے کی خواہش میں بھاگتے بھاگتے پاؤں گھائل ہو گئے ہیں۔ ہاتھ لہولہان ہو گئے ہیں۔ آنکھیں پتھرا گئی ہیں۔ دل قطرہ قطرہ پگھل گیا ہے مگر کیا مجال جو تاریکی ختم ہو جائے۔ اتنی طویل اور کربناک سیاہ رات ہے میری زندگی۔ سچ کہتی تھی اماں کہ "سب کا نصیب ایک سا نہیں ہوتا"۔ مجھ سے تو بہتر ہی ہوں گی صفیہ باجی اور ثریا باجی بھی۔ اپنی ذات کے ارد گرد ہی رہتی ہوں گی۔ کم از کم میری طرح کی ٹھوکریں تو نہیں کھائی ہوں گی، اپنی قسمت سے سمجھوتہ کرتی تھیں۔ انہیں کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ میں نے تو نادانی میں آنکھوں کو پرائی روشنیوں کا عادی بنا لیا تھا۔ اسی لئے اندھیرے میرا مقدر بن گئے۔ صفیہ باجی! تم مجھے ملے بغیر چلی گئیں۔ میرا دُرد بانٹے بغیر چلی گئیں۔" آہیں بھرتے ہوئے آنکھیں صاف کیں تو انگلی پر چھری سے لگ جانے والا گہرا زخم رخسار لال کر گیا۔

بے دھیانی میں چھری نے گہرا زخم لگا دیا تھا۔ دوپٹے کے پلو سے خون صاف کیا اور کٹی ہوئی ... کر کچن کی طرف چل دی۔ مگر زخم گہرا ہونے کی وجہ سے خون مسلسل بہہ رہا تھا۔ سنک پر ... بھی بہا کر دیکھ لیا۔ فریج سے برف کا ٹکڑا بھی نکال کر زخم پر رکھ کر دیکھ لیا پھر اس خیال سے کہ ... بی کے کمرے سے کوئی دوائی یا پٹی مل جائے گی، وہ اس کے کمرے کی طرف آ گئی۔ بیڈ کی سائیڈ ... دراز کھول کر ہاتھ سے دیکھا تو ایک سفید لفافے پر ہاتھ پڑا۔ بے خیالی میں اس نے لفافہ نکالا ... لفافہ الٹا تھا، منہ کھلا ہوا تھا اس لئے کافی ساری تصویریں نکل کر اس کے پیروں پر گر گئیں۔ جلدی ... جھک کر تصویریں اٹھاتے ہوئے اس کی نظریں شرم سے کانپ اٹھیں۔ حوریہ کی غیر ملکی مردوں کے ... ساتھ نیم عریاں تصویریں، کہیں مختصر سے کپڑوں میں ڈانس کرتے ہوئے اور کہیں بوس و کنار ... ہوئے۔ اس نے لجا کر آنکھیں بند کر لیں۔ پوری پیشانی عرق آلود ہو گئی۔ جلدی جلدی سب تصویریں ... لفافے میں ڈال کر واپس رکھ دیں اور دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ واپس لوٹ آئی۔ اندر کی گھبراہٹ ... کا اثر تھا کہ ہاتھ سے خون بہنا بند ہو چکا تھا۔ سب کچھ بھول بھال کر وہ سکتے کی سی کیفیت میں ... واپس آ گئی۔

"اُف میرے خدا...... کتنی بے حیائی ہے حوریہ بی بی میں۔ جو سب کرم داد کے لئے ہونا چاہئے ... وہ اجنبی مردوں کے لئے کرتی ہیں۔ چھی...... چھی...... کتنی بد شکل ہیں، گھن آ رہی ہے۔" ایک ... حوریہ کی ساری دلکشی کا مقام اس کی نظروں میں گر گیا۔ بے حیائی کے شاہکار دیکھنے کے بعد اسے ... محسوس ہو رہی تھی۔ وہ تو بہت اچھا سمجھتی تھی اسے۔ اس کی نظروں میں تو کرم داد برا تھا، وہ خود ... مغرور تھا۔ مگر اب احساس ہو رہا تھا کہ آپس میں دونوں کی کیوں نہیں بنتی؟ کتنا ظلم ہے کرم داد ... ساتھ، بیوی ملی تو وہ بھی اتنی بری۔ بے چارا اکیلا کرم داد کہاں پھنس گیا تھا؟ میں نے ہی کرم داد ... کی طرف دھکیلا ہے۔ کتنا مجبور کیا تھا اسے میں نے اس شادی پر، امیر بننے پر۔ کتنا ظلم ڈھایا ہے ... پر اپنی نادانی سے۔ کون ہے اس بے چارے کا؟ اگر اسے حوریہ بی بی کی بے وفائی کے بارے میں ... چل جائے تو کتنا صدمہ ہوگا اسے...... نہیں...... میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گی۔

اس کے من میں ایک دم ہی پہلی بار محبت کے سوتے پھوٹ نکلے۔ کرم داد سے محبت ... نے جی بھر کے تڑپایا، خوب پھوٹ پھوٹ کے روئی۔

○❖○

شائستہ بیگم پر ایک خشمگیں نگاہ ڈالتے ہوئے ڈاکٹر سلیمان سیدھے اپنے کمرے کی طرف ... گئے۔ شائستہ بیگم کچھ متفکر سی ہو گئیں۔ جلدی سے پیچھے پیچھے کمرے میں پہنچ گئیں۔

"کیا بات ہے...... پہلے تو کبھی سفر سے واپسی پر اس طرح سیدھے کمرے میں نہیں آئے ..." انہوں نے بیڈ کے قریب کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"پہلے کبھی تشویشناک حالات کا سامنا بھی تو نہیں کر کے آتا تھا۔" انہوں نے تلخ لہجے میں ...

"کیا مطلب! کیسے تشویشناک حالات؟" شائستہ بیگم جلدی سے بولیں۔

"آپ اتنی بھولی بھی نہ بنئے بیگم صاحبہ!" وہ دھیرے سے بولے۔

"کیا پہیلیاں بجھوا رہے ہیں، جو کہنا ہے صاف صاف کہیں۔" وہ زچ ہو گئیں۔

"کیا کہوں، کیا نہیں ہے۔ تمہیں معلوم ہے کس بات سے غافل ہو۔ صرف میں ہی انجان رہا۔ ...نے اور آپ کی لاڈلی نے انجان رکھا۔" وہ بگڑ کر بولے۔

"نجانے آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" وہ پریشان ہو گئیں۔

"وہی جو آپ سن رہی ہیں...... میں پوچھتا ہوں کہ میری عزت اتنے سستے داموں نیلام کرنے کا اختیار ہے آپ کو یا آپ کی لاڈلی کو؟" وہ دہاڑے۔

"توبہ ہے ڈاکٹر صاحب! چیختے ہی رہیں گے یا کچھ صاف صاف بتائیں گے بھی؟"

"کیوں نہ چیخوں، آپ چشم پوشی کرتی ہیں، حوریہ کے ہر معاملے سے آپ کا تعلق ہے۔ آپ ...ن مجھے بے وقوف سمجھتی ہیں۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی بلکہ آپ اپنی خوش فہمی دور کر لیں کہ حوریہ آپ کی عزت اور اعتماد کی امین ہے۔ ایسا کچھ نہیں وہاں ہو رہا۔ وہ کمزور غریب شخص جسے آپ کی لاڈلی نے اپنی پسند سے ...ک سفر بنایا تھا وہ ہسپتال کے بستر پر پڑا ہے زخمی۔ اور آپ کی لاڈلی امریکہ روانہ ہو چکی ہے۔"

"ہیں...... کرم داد ہسپتال میں ہے؟" ان کے منہ سے ایک دم نکلا۔

"جی ہاں!"

"حوریہ کی غیر موجودگی میں وہ بے چارہ اکیلا۔"

"وہ حوریہ کی موجودگی میں ہی اکیلا وہاں تھا، اس سے زیادہ اور بھی سنیں آپ، وہ لفنگا رضا علی بھی ...ان بھرے اڑا رہا ہے۔ محبت کے دعوے اب صاحبزادی اس سے کر رہی ہیں۔" سلمان صاحب ...مسکرا کر بولے۔

"مگر...... رضا علی کو تو آپ بھی پسند کرتے تھے۔" شائستہ بیگم نے جوابی حملے کی کوشش کی۔

"کرتا تھا...... اس وقت جب آپ کی چہیتی کرم داد کو پسند کرتی تھیں۔ اب میں نے اسے کبھی ...کہا کہ وہ رضا علی سے عشقیہ باتیں کر کے شوہر سے چھٹکارا حاصل کرنے کے طریقے پوچھے۔" وہ ...ے گئے۔

"یقیناً آپ نے غلط سوچا ہے ورنہ......"

"ورنہ کچھ نہیں۔ عنقریب آپ دیکھیں گی کہ میری نیک نامی کا جنازہ لاہور میں کیسے نکلتا ہے۔"

"خدا نہ کرے......" وہ بے ساختہ کہہ گئیں۔

"اللہ کیسے نہ کرے۔ کیا اللہ نے ٹھیکہ لے رکھا ہے ہماری حماقتوں کا۔ کرم داد کی بے عزتی نہ ہو مگر وہاں میرا ایک نام ہے۔ لوگ تھوکیں گے مجھ پر۔" وہ چلائے۔

"اچھا آپ اتنا پریشان نہ ہوں۔ میں حوریہ سے سختی سے بات کرتی ہوں۔" شائستہ ہوتے ہوئے بولیں۔

"شائستہ بیگم! پریشان کیسے نہ ہوں، وہاں بڑی عجیب سچویشن ہے۔ حوریہ اور رضا علی کی پر ہونے والی گفتگو سے اور کرم داد کی ہسپتال میں بے چارگی دیکھ کر میں سخت پریشان ہوں۔"

"اس موئے رضا علی کو تو میں ابھی فون پر ٹھیک کرتی ہوں۔" وہ غصے میں اٹھتے ہوئے بولیں

"بیٹھی رہئے، اس سے کچھ حاصل نہیں۔ میں خود گلریز سے بات کروں گا، طریقے سے طرح بات مزید بگڑ سکتی ہے۔" انہوں نے کہا۔

"پتہ نہیں یہ لڑکی کیا چاہتی ہے؟" شائستہ بیگم سر تھام کر بیٹھ گئیں۔

"ارادہ تو اس کا خطرناک ہی ہے۔"

"آ جانے دیں امریکہ سے۔ دماغ ٹھکانے لگاتی ہوں اس کا۔"

"فی الحال تو اس بے چارے کرم داد کا سوچو۔ میں تو شرمساری سے اسے دوبارہ ملنے بھی سکا۔ کس منہ سے جاتا۔ کیا سوچتا ہوگا وہ بھی کہ شرفا کی بیٹیاں اور یہ لچھن۔"

"اب ایسی بھی کوئی بات نہیں۔ آخر وہ حوریہ کا شوہر ہے، ایسی ویسی کوئی بات ہوتی تو وہ کہتا۔"

"ایسی ہی تو بات ہے جو وہ کچھ نہیں کہتا۔ کیونکہ وہ خود اپنے آپ کو اس مقام پر نہیں جہاندیدہ انسان تھے، بڑی گہری بات کی۔ شائستہ بیگم نے خاموشی اختیار کر لی۔ کیونکہ مزید کچھ سننے کا ان میں حوصلہ نہیں تھا۔

"اب وہ غریب اللہ کے رحم و کرم پر ہے یا پھر اس بے چاری گڑیا کے۔"

"میں لاہور چلی جاتی ہوں۔"

"ابھی فی الحال نہیں۔ پہلے وہاں سے رضا علی کو نکالنا ہے پھر۔ تا کہ کسی کو بھنک نہ پڑے فون پر میں ہسپتال ڈاکٹر رحمان سے رابطہ رکھوں گا۔ خطرے والی کوئی بات نہیں ہے۔"

○❖○

کافی دیر سے وہ مسلسل کمرے کی چھت گھور رہا تھا۔

گہری خاموشی اور تنہائی...... صرف دل کی ایک ننھی دھڑکن شور کر رہی تھی۔ عجب بے سکونی تھا۔ کنپٹی کی رگیں تنی ہوئی تھیں۔ رضا علی کے ساتھ گڑیا کا جانا کسی طور پر مناسب نہیں تھا۔ وہ چاہتا تھا مگر اس نے خوش دلی سے رضا مندی دی۔ وہ جو ہسپتال سے جانا نہیں چاہتی تھی، رضا کے کہنے پر ساتھ چلی گئی۔ اس کے ساتھ جس کی آنکھوں سے خباثت ٹپکتی ہے جو پہلے بھی

دکھاتے دکھاتے رہ گیا۔ "کتنی خود غرض اور لالچی ہو تم...... میں ہی پاگل ہوں جو ہر بار یہ سمجھ کہ تم مجھ سے محبت کرنے لگی ہو اور بدل گئی ہو۔ حالانکہ تم تو اب بھی وہی ہو، ذرا بھی نہیں کس قدر پریشان کیا ہے تم نے مجھے، توڑ پھوڑ ڈالا۔" اس نے لمبی سانس لی۔ اسی وقت ہلکی سی دستک ہوئی تو اس نے خود کو خیالات کی دنیا سے باہر نکالا۔

"آ جاؤ۔"

"سلام چھوٹے صاحب۔" حمید نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"وعلیکم السلام۔"

"کیسی طبیعت ہے آپ کی؟"

"ٹھیک ہے، تم سناؤ کیسے ہو۔ گھر میں سب خیریت ہے؟" اس نے دل کی پریشانی سے مجبور ہو کر

"جی، ابھی تک تو خیریت ہے۔" حمید نے دھیرے سے کہہ کر اسے چونکا دیا۔

"کیا مطلب؟"

"بس کیا کہوں جی، اللہ بہتر کرے۔" حمید ٹالتے ہوئے بولا۔

"رضا صاحب کہاں ہیں؟" جس کا کھٹکا تھا آخر اس نے پوچھ ہی لیا۔

"گھر پر ہی ہیں، انہیں کہاں جانا ہے؟"

"تم یہاں کیوں آ گئے ہو؟" وہ یکدم گرجا۔ حمید بوکھلا گیا۔

"جی...... آپ کے پاس دیکھ بھال کے لئے۔"

"مجھے کسی دیکھ بھال کی ضرورت نہیں۔ جاؤ، چلے جاؤ۔" اسے جیسے سخت دورہ پڑ گیا۔

"آپ کو اٹھنے سے، چلنے سے منع کیا ہے۔ کسی کو تو آپ کے پاس رہنا چاہئے؟" حمید نے کی کوشش کی۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔ تم واپس جاؤ، دیکھو مجھے کوئی خطرہ نہیں۔"

"رضا صاحب کہتے ہیں کہ میں ہسپتال میں ہی رہوں، میری تو سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا کہ میں کیا کروں؟" حمید پریشانی سے بولا۔

"حمید! رضا صاحب کی پروا مت کرو۔ فوراً جاؤ۔ پوری نظر رکھنا گھر پر۔ ضروری بات فون پر کر لیا" اس نے طریقے سے اسے کہا۔ کیونکہ بالکل کھل کر کبھی کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ اس کی بے چینی اور سے حمید خود بہت کچھ سمجھ گیا تھا بلکہ پہلے سے بہت کچھ جانتا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ آپ یہ پیسے اپنے پاس رکھ لیں اور کسی چیز کی ضرورت ہو تو فون کر دیجئے گا۔" حمید سارے پیسے جو رضا علی نے دیئے تھے کرم داد کو تھما دیئے۔

"اگر گڑیا بہن اپنی بہن کے پاس جانا چاہے تو اسے چھوڑ آنا۔"

"پتہ ہے اس کے پاس؟"

"یہ میز کی دراز کھولو۔ اس میں اس کی بہن پتہ لکھ کر رکھ گئی تھی۔" اس نے کہا۔ حمید نے دراز ایک تہہ کیا ہوا کاغذ نکال کر جیب میں رکھ لیا۔

"اب تم جاؤ۔ بس خیال رکھنا۔" اس نے کہا۔

"آپ کے کھانے پینے کا کوئی بندوبست؟"

"میں کینٹین سے منگوالوں گا۔ نرس آئے گی تو جو دل چاہے گا منگوالوں گا۔ تم فوراً چلے جاؤ۔" اس نے جھنجلا کر کہا۔ حمید کندھے اچکا کر باہر نکل آیا۔ کتنی عجیب سی صورت حال تھی۔ کوئی کچھ کہہ رہا تھا، کوئی کچھ۔ گڑیا کے لئے جو خدشات کرم داد کے دل میں تھے وہی اس کے دل میں بھی تھے۔ مگر اوقات ہی کیا، سب کچھ دیکھ کر، سن کر بھی خاموش رہنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ ایسی ہی صورت حال سے وہ دوچار تھا۔ زبان بند رکھنے میں ہی عافیت تھی اور اب بھی زبان نہ ہلانے میں بہتری تھی۔ یہ وہ اچھی طرح جانتا تھا۔ پھر گڑیا کی بھولی سی صورت اسے پریشان کر رہی تھی۔ وہ اسے چاہتا تھا، اس کی ہر ادا پر قربان ہوتا تھا۔ وہ ناسمجھ اس کا پیار نہ سمجھی تو بہت متنفر بھی ہوا اس سے۔ ہزار بار شکوک و شبہات دل میں ڈیرے لگائے۔ نفرت کی چنگاریاں اُڑتی رہیں مگر اس کی من موہنی صورت میں ایسا جادو تھا کہ اس کی بھلائی اور بہتری چاہنے پر مجبور تھا۔ جب رضا علی نے اسے ہسپتال کے لئے اسے اچھا نہیں لگا تھا۔ نہ چاہتے ہوئے وہ ہسپتال آیا تھا۔ یہاں چھوٹے صاحب نے اسے اشارہ کنایوں میں بہت کچھ گڑیا کی بابت بتایا، سمجھا دیا۔ وہ جلد سے جلد واپس پہنچنا چاہتا تھا۔ حالانکہ میں مالی اور چوکیدار موجود تھے مگر اندر ان میں سے کوئی بھی نہیں جاتا تھا۔ بہت ضروری کام پڑنے اندر کا رخ کرتے تھے۔ یہی سوچ کر حمید نے رکشہ ڈرائیور کو تیز رکشہ چلانے کو کہا۔

○❖○

کھانا تیار کر کے اس نے چولہا بند کر دیا۔

گرمی کی شدت اور چولہے کے قریب کھڑے ہونے کی وجہ سے چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ پیشانی ناک پر چھلکتے پسینے کے قطروں کو اپنے دوپٹے کے پلو سے صاف کرتے ہوئے وہ کچن سے کچھ دیر پہلے رضا علی آچکا تھا بلکہ کچن میں آکر اس نے کھانے کی تیاری کے بارے میں پوچھا تھا۔ کے حکم کے مطابق کھانے کی تیاری کی اطلاع اسے کمرے میں دینی تھی۔ وہ پسینہ صاف کرتی حوریہ کے کمرے کی طرف آگئی۔ کیونکہ رضا علی مستقل اسی کمرے میں قیام پذیر تھا۔

"ٹھک، ٹھک، ٹھک۔" اس نے درمیان والی انگلی سے مدد لیتے ہوئے دستک دی۔

"آجاؤ، بھئی تمہارے لئے تو دل کا دروازہ کھلا ہے۔" اندر سے کم مگر شوخ آواز آئی۔ آہستہ سے دروازہ تھوڑا سا دھکیل کر دیکھا۔ کمرہ خالی تھا۔ واش روم سے پانی گرنے کی آواز آرہی وہ مطمئن ہو کر اندر آگئی۔ ٹھنڈے یخ بستہ کمرے میں داخل ہوتے ہی جسم و جاں جیسے بقاوت

سرور سا انگ انگ میں اتر آیا۔ سینے پر پھیلا آنچل اتار کر پسینے سے بھیگے کرتے کو چٹکی سے پکڑ کر ٹھنڈی ہوا کا لطف اٹھانا اچھا لگ رہا تھا۔ آنکھیں بند کر کے دل ہی دل میں وہ اس کو داد دے رہی تھی جس نے یہ ٹھنڈک پیدا کرنے والی مشین بنائی تھی۔ پہلے بھی لال کوٹھی میں وہ بھرے انداز میں اس ٹھنڈی مشین کا ذکر کیا کرتی تھی۔ اس وقت بھی ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ لال کے اندر چھوٹے صاحب کے کمرے میں موجود ہو۔ اس کے لبوں پر پُرسکون سا تبسم مچل رہا تھا یکلخت چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ پانی کی ننھی ننھی بوندیں اس کے کندھوں پر سے پھسل کر اس کے بدن کی حرارت سے ٹکرائیں اور اس کے دونوں مضبوط ہاتھوں کی گرفت میں کسمسا گئی۔ وہ پوری سے خود کو آزاد کرانے کی کوشش میں لگ گئی مگر ایسا لگتا تھا کہ اس کا وجود کسی تنکے کی مانند لرز رہا جب غصے اور طاقت سے کام نہ چلا تو وہ منت پر اتر آئی۔

"رضا صاحب! رضا صاحب! مجھے چھوڑ دیں۔"

"ہنہ..... ہاں کہتی رہو۔ بہت لطف آرہا ہے تمہاری آواز سن کر۔" وہ بہکا بہکا سا لمبی لمبی سانسیں لیتے ہوئے بولا۔

"رضا صاحب، رضا صاحب! اللہ کے واسطے ہوش میں آئیں، مجھے چھوڑ دیں۔" وہ بے بسی سے روئے ہوئے رو پڑی۔

"یار! کتنی بدذوق ہو۔ ایسا رنگین موقع قسمت سے ملتا ہے، دیکھو کتنا ہینڈسم، کتنا حسین نوجوان تم سے محبت کا اظہار کر رہا ہو، تم جو کہ ایک ملازمہ ہو۔" وہ مدہوش سا اسے چھوڑ کر سامنے آکر سر پاؤں تک گھورتے ہوئے بولا۔ وہ سہم کر پیچھے ہو گئی۔ آنچل جلدی سے سینے پر پھیلا لیا تو وہ قہقہہ رہنس پڑا۔

"رضا صاحب! کھانا تیار ہے۔ میں یہ بتانے آئی ہوں۔" معصوم ہرنی کی طرح اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں خوف لرز رہا تھا۔

"ہاں! کھاتے ہیں کھانا، مل کر کھاتے ہیں۔ مگر پہلے تم نہالو۔ دیکھو تو کیسے کچن کی گرمی سے بدن چلو شاباش۔ باتھ روم میں جاؤ، جا کر نہاؤ۔ میں تمہارے لئے بہترین کپڑے نکالتا حوریہ کے سب سے خوبصورت اور حسین کپڑے۔" وہ عجیب دیوانوں کی طرح باتیں کرنے آہستہ آہستہ دروازے کی طرف الٹے قدموں سے چلنے لگی۔ جب کہ وہ جلدی جلدی حوریہ کی میں ہاتھ چلانے لگا۔ جب تک کپڑوں کا انتخاب کر کے پلٹا، وہ دروازے کے بالکل قریب ایک ہاتھ سے ہینڈل گھما کر کھول چکی تھی۔

"کمرے بلکل ڈرو نہیں، میں تو صرف تمہارے پسینے سے بھیگے کپڑے دیکھ کر کہہ رہا ہوں۔ یہ دیکھو، سے نہا کر گرمی نہیں لگتی۔"

اس سے پہلے کہ وہ کچھ برا بھلا کہتی دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ ڈر گئی۔ رضا علی کو دروازے کی

دستک پر حیرت ہوئی۔ گرجدار آواز میں پوچھا۔

"کون؟"

"جی حمید۔" حمید کی آواز پر گڑیا کے اوسان بحال ہوئے، پوری ہمت سے دروازہ کھول کر با
نکل گئی۔ حمید سے ٹکرا کر گزری تو اس نے غور سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ گلاب کے پھول
چہرہ اس وقت سرسوں کا پھول دکھائی دے رہا تھا۔

"آؤ، کیا مصیبت پڑ گئی تھی جو مریض کو اکیلا چھوڑ کر آ گئے؟" شدید غصے میں چلا کر کہا۔ و
خاموشی سے کمرے میں داخل ہو گیا۔

"چھوٹے صاحب نے کہا کہ انہیں کسی کی ضرورت نہیں ہے۔"

"اور تم نے یہ بات مان لی۔ پاگل انسان! مریض تو چڑچڑا ہو جاتا ہے، صحت مند تو ہوش و حواس
سے کام لیتے ہیں۔" وہ اندر کے غصے کو دانتوں سے گویا دباتے ہوئے بولا۔

"میں کیا کرتا جی...... جب انہوں نے سختی سے جانے کو کہا۔" حمید نے کہا۔

"اچھا اچھا، اب رات کو چلے جانا۔ مریض کو سو ضرورت ہو سکتی ہے۔ حوریہ اور سلمان انکل
کہیں گے کہ ہم نے کرم داد کا یہ خیال رکھا۔" وہ مکاری سے بولا۔

"میرا خیال ہے رات کو گڑیا کو چھوڑ آتا ہوں۔"

"کیا...... دماغ خراب ہو گیا ہے تیرا۔ گڑیا لڑکی ذات کیا کرے گی وہاں...... تم جا کر رہنا۔
گر جا۔"

"جی بہتر۔" حمید دھیرے سے کہہ کر باہر نکل گیا۔ اس کے جاتے ہی شدید غصے سے اس
ہاتھ میں پکڑے کپڑے بیڈ پر زور سے پٹخے اور کھانا کھانے کے لئے باہر نکل آیا۔

حمید میز پر کھانا لگا رہا تھا۔ اسے دیکھ کر اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی۔

"گڑیا کہاں ہے؟"

"اس کی شاید طبیعت خراب ہے۔ میں نے آرام کرنے کے لئے بھیج دیا ہے۔" حمید نے جو
دیا۔

"کیوں، کیا ہوا؟" اس نے پلیٹ میں سالن ڈالتے ہوئے چور نظروں سے دیکھا۔

"بس بری طرح کانپ رہی تھی۔ چہرہ بھی پیلا ہو رہا تھا۔ میں نے جونہی بات کی، سسکیوں
ساتھ رونے لگی۔ پتہ نہیں بے چاری کے ساتھ کیا ظلم ہوا ہے۔" حمید نے زبان کی تیز دھار سے
کلیجہ کاٹ ڈالا۔

"نہیں...... نہیں، کوئی ظلم نہیں ہوا۔" وہ بوکھلا کر بے ساختگی میں کہہ گیا۔

"کیا مطلب؟" حمید نے حیرت سے دیکھا۔

"میرا مطلب ہے ویسے ہی طبیعت خراب ہو گئی ہو گی۔ گرمی بھی تو بہت ہے۔ اچھا کیا جو

نے کو کہہ دیا۔" وہ جلدی سے کہہ کر کھانے میں مصروف ہو گیا۔

O❖O

آہستہ سے کواڑ کا دروازہ ذرا سا دھکیلا۔

تاریک اور گھپ اندھیرے میں کچھ نظر نہیں آیا۔ دو قدم اندر بڑھائے اور اس کی موجودگی محسوس
کرنے کی کوشش کی مگر گھپ سناٹے کے احساس سے وہ الٹے قدموں واپس لوٹ آیا۔ باہر نکل کر کچھ
سوچتے ہوئے لان کی طرف آ گیا۔ اس کا خیال درست نکلا وہ گھٹنوں میں سر دیئے گھاس پر بیٹھی تھی۔

"گڑیا...... گڑیا!" اس نے قریب بیٹھتے ہوئے دھیرے سے پکارا۔

"ہوں...... کیا بات ہے حمید بھائی؟" اس نے سر اٹھایا اور آہستہ سے کہا۔

"یہاں کیوں آ کر بیٹھ گئی؟"

"بس اندر طبیعت گھبرا رہی تھی۔"

"کیا بات ہے...... کیا ہوا ہے تجھے؟" حمید نے ہمدردی سے پوچھا۔

"کچھ نہیں حمید بھائی، بس قسمت میں جو لکھا ہے وہ تو بھگتنا ہی ہے۔" اس کی آواز گلوگیر ہو گئی۔

"ایسی کوئی بری گھڑی نہیں آئی کہ تیری یہ حالت ہو جائے۔" حمید نے جذباتی انداز میں کہا۔

"میری حالت چھوڑو حمید بھائی، یہ بتاؤ کہ چھوٹے صاحب کیسے ہیں؟ میں ان کے پاس جانا
چاہتی ہوں، مجھے چھوڑ آؤ۔" وہ یکسر اپنا دکھ بھول گئی حالانکہ دوپہر کے واقعہ کے بعد سے وہ کسی پتے کی
مانند لرز رہی تھی۔ روح تک کانپ رہی تھی۔ پورا جسم بخار کی شدت سے جل رہا تھا۔ خوف سے
آنکھیں پتھرائی ہوئی تھیں۔ رضا علی کی حد سے بڑھی بے باکی اسے پریشان کر رہی تھی۔

"چھوٹے صاحب ٹھیک ہیں، جلد گھر آ جائیں گے۔ اور انہیں وہاں کسی کی ضرورت نہیں ہے۔
تمہارا وہاں جانا ٹھیک نہیں ہے۔ چاہو تو تمہاری بہنوں کے پاس چھوڑ آتا ہوں۔" حمید نے کہا۔

"نہیں، میں چھوٹے صاحب کو اس حال میں چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتی۔" اس نے صاف انکار کر
دیا۔

"پگلی نہ ہو، تمہیں چلے جانا چاہئے۔ یہاں اکیلے تمہارا رہنا ٹھیک نہیں ہے۔" حمید نے سمجھانے
کی کوشش کی۔

"تو ٹھیک ہے، مجھے ہسپتال چھوڑ آؤ۔"

"رضا صاحب نے تمہارے لئے منع کر دیا ہے بلکہ مجھے جانے کو کہا ہے۔" حمید نے بتایا۔

"کیوں...... کیوں منع کر دیا ہے؟" وہ بچوں کی طرح بولی۔

"یہ تمہیں پہلے سوچنا چاہئے تھا۔ کیوں رضا صاحب کے ساتھ آئی تھی؟"

"رضا صاحب نے ضد کی تھی، چھوٹے صاحب بھی ناراض ہو رہے تھے۔ میں نے جھگڑے سے
بچنے کے لئے ایسا کیا۔"

"احمق ہے تُو۔ اب خود سوچ، تیرا یہاں اکیلے رہنا کیا ٹھیک ہے؟" حمید نے پوچھا۔

"تُو بھی تو میرے پاس ہے۔"

"مجھے تو ہسپتال جانے کو کہا ہے، میں چلا جاؤں گا۔ تُو کوارٹر کا دروازہ اچھی طرح بند کر لینا۔ رضا صاحب کو کھانا کھلا کر جاؤں گا اور یہ کہہ کر جاؤں گا کہ تمہاری طبیعت خراب ہے۔"

"میرا تو پورا جسم بخار سے تپ رہا ہے اور شدید درد ہو رہا ہے۔" اس نے معصومیت سے کہا تو نے جلدی سے اس کی پیشانی کو چھو کر دیکھا۔ ایک دم اسے ہاتھ پکڑ کر اٹھایا۔

"تجھے تو واقعی بخار ہے۔ چل اندر، میں تیرے لئے دوائی لاتا ہوں۔ تُو تو بہت پاگل ہے۔" نے اسے سہارا دیا۔

"حمید بھائی! میں ٹھیک ہوں۔ تُو ہسپتال جا، چھوٹے صاحب کو پریشانی ہوگی۔" وہ بھولپن سے بولی تو حمید چڑ گیا۔

"تیرا تو دماغ خراب ہے۔ تجھے اس حال میں چھوڑ کر کیسے جاؤں؟ میں مالی کو بھیج دیتا ہوں۔" حمید نے کہا۔

"چل یہ ٹھیک ہے۔" وہ مطمئن ہوگئی۔ حمید نے اسے پلنگ پر لٹا کر پنکھا چلایا۔ لائٹ آن کی۔

"میں جلد آؤں گا، تُو بے فکر ہو کر لیٹی رہ۔" حمید یہ کہہ کر چلا گیا۔ اس کی جلتی آنکھیں ایک دم بند ہوتی چلی گئیں۔

○❖○

"حمید...... حمید!" رضا علی کی آواز آئی تو وہ گڑیا کے لئے بنائی گئی چائے کچن میں چھوڑ کر فوراً اندر گیا۔

"کیا......"

"تم ابھی تک یہیں ہو؟" وہ بگڑا۔

"وہ جی گڑیا کو تیز بخار ہے۔ میں نے مالی کو ہسپتال بھیج دیا ہے۔" اس نے ہمت کر کے کہا۔

"تم گڑیا کا بخار ٹھیک کر دو گے...... ڈاکٹر ہو تم؟" اس نے طنز کیا۔

"جی...... اس کے لئے نہیں، آپ کے کام کاج کے لئے رکا ہوں۔"

"ہنہ...... ٹھیک ہے، کھانا تیار ہے؟" کچھ سوچ کر وہ چپ ہو گیا۔

"بالکل تیار ہے۔"

"مگر میرا خیال ہے پہلے ڈاکٹر کو بلانا چاہئے گڑیا کے لئے۔"

"گولی حوریہ بی بی کی دراز سے نکالی ہے میں نے۔ ڈاکٹر کی ضرورت نہیں۔" حمید نے مٹھی میں دبی گولی دکھا دی۔

"ارے نہیں، پاگل ہوئے ہو۔ گڑیا ملازمہ ہے تو کیا ہوا، انسان ہے۔ اس کے لئے ڈاکٹر بلو

ہے۔ پھر ویسے بھی حوریہ بی بی کی غیر موجودگی میں ملازمین کا خیال رکھنا میرا فرض ہے۔" اس نے مہارت سے چرب زبانی کا مظاہرہ کیا۔ حمید اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔

"میں ڈاکٹر کو فون کرتا ہوں...... تم گڑیا کو ٹی وی لاؤنج میں لے آؤ، کوارٹر میں ڈاکٹر کا جانا نہیں لگتا۔" وہ یہ کہہ کر ٹیلی فون کی طرف بڑھ گیا اور حمید گڑیا کو لینے اس کے کوارٹر کی طرف چلا گیا۔ رضا علی اس کے جاتے ہی خباثت سے مسکرا دیا۔ اس نے حمید کے چہرے پر پھیلی فکر کی پرچھائیں صاف کر دی تھی۔ اپنی بروقت سمجھدار اداکاری سے اسے مطمئن کر دیا تھا۔ کیونکہ اس کی واپسی اور بہانے سے کوٹھی میں رہنے کی تکرار سے وہ یہ اندازہ لگا چکا تھا کہ وہ ایسا صرف گڑیا کے لئے کر رہا ہے۔ اسی لئے اس نے بہت ہمدردی اور توجہ کا مظاہرہ کیا۔ اس نے ڈاکٹر کو فوری آنے کی ہدایت کی۔ جونہی حمید گڑیا کو سہارا دیئے آیا تو وہ بولا۔

"حمید! صوفے پر لٹا دو، ابھی ڈاکٹر صاحب پہنچنے والے ہیں۔ جو دوا دے کر جائیں وہ کھلا دینا۔ اسے دودھ ضرور دینا۔ میں ہسپتال جا رہا ہوں۔ کرم داد کی خیریت معلوم کروں گا۔ اسے کسی چیز کی ضرورت ہوئی تو دے آؤں گا۔" اس نے اس انداز سے کہا کہ حمید کے دل سے آخری کانٹا بھی کھٹ سے نکل گیا۔ اس نے خوش دلی سے گردن ہلا دی۔ وہ ہونٹوں کے پیچھے ہنسی دبا کر تیزی سے باہر نکل گیا۔

"ہنہ...... حمید میاں! تم میری باتیں کیا سمجھو گے؟" گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے وہ بڑبڑایا۔

"رضا صاحب! رضا صاحب!" حمید پکارتا ہوا آیا۔

"کیا بات ہے؟" اس نے کھڑکی سے سر باہر نکالا۔

"مالی کو ساتھ لے جائیں۔ رات اسے چھوٹے صاحب کے پاس چھوڑ دینا۔"

"اچھا، چلو بھیجو اسے۔" اس نے کچھ سوچ کر کہا۔ حمید مالی کو بلانے گیا۔ کچھ دیر میں مالی آ گیا تو اس نے گاڑی اسٹارٹ کی۔

"گلاب دین!"

"جی صاحب۔" گلاب دین نے کہا۔

"تم کیا سمجھتے ہو گڑیا اور چھوٹے صاحب کے بارے میں؟" اس نے بڑی سادگی سے پوچھا۔

"جی کیا مطلب؟" گلاب دین نے حیرت سے کہا۔

"میرا مطلب ہے چھوٹے صاحب کا صرف ہسپتال میں گڑیا کو روکنا، گڑیا کا ہسپتال میں رہنے کا یہ سب کیا ہے؟ کیا ایسا تو نہیں کہ ملازم اور مالک کے درمیان کوئی سین چل رہا ہے؟" اس نے ہوشیاری سے بات کرتے ہوئے گلاب دین کی طرف دیکھا۔ وہ حیران تھا کہ رضا صاحب کیا کہہ رہے ہیں؟

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"ارے نہیں نہیں گلاب دین...... یہ غلط فہمی نہیں ہے بلکہ یقینی بات ہے۔ تمہیں کیا معلوم کہ کیا ہوتا

رہا ہے؟" وہ مکاری سے بولا۔

"کیا ہوتا رہا ہے؟" گلاب دین نے سادگی سے پوچھا۔

"خیر یہ بات تو جانے دو۔ اب یہی سوچو کہ جوان جہان ملازمہ کیوں چھوٹے صاحب کے ساتھ ہسپتال رہنا چاہتی ہے؟"

"گڑیا بڑی بھولی بچی ہے اور چھوٹے صاحب بہت کھرے اور سچے ہیں، ان کا تو اپنی بی بی سے کوئی میل نہیں بجز (نظر) آتا۔" گلاب دین نے کہا۔

"ہاں تو میل کیسے ہو، دونوں کے درمیان تو یہ گڑیا ہے۔" وہ زور دے کر بولا۔ اسی اثنا میں ہسپتال آ گیا۔ گلاب دین اس کی فطرت سے واقف تو تھا ہی اس لئے خاموش رہا۔ اس نے گاڑی پارک کی اور اسے گاڑی کے پاس رکنے کو کہا کہ جب تک میں نہ آؤں تم یہیں رہنا۔

O❖O

"ہیلو کرم داد صاحب!" وہ خوش دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا۔ کرم داد نے گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ نرس جو انجکشن لگا رہی تھی، اس نے کچھ پوچھنے کی غرض سے کرم داد کی طرف دیکھا۔ کرم داد نے گردن سے جانے کا اشارہ کیا تو وہ میڈیسن ٹرے اٹھا کر چلی گئی۔

"یار! کیا ناراضگی ہے جو بات نہیں کر رہے؟" کرم داد کی خاموشی پر وہ پھر بولا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ تم سناؤ کیسے آئے ہو؟" اس نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

"کمال کرتے ہو بھئی۔ ہسپتال میں مریض ہو تو انسان کیوں آتا ہے؟ صاف واضح ہے کہ تمہاری خیریت معلوم کرنے آیا ہوں۔"

"شکریہ۔"

"کیسی غیروں جیسی بات کی ہے۔" اس نے اپنائیت بھرے لہجے میں کہا۔

"یہ ایک حقیقت ہے کہ دنیا میں کوئی میرا اپنا نہیں۔" اس نے سخت لہجے میں کہا۔

"حد ہو گئی، تمہاری بیوی حور یہ تمہارے لئے غیر ہے۔ سلمان انکل، آنٹی شائستہ سب غیر ہیں" اس نے تعجب سے پوچھا۔

"رضا صاحب! مطلب کی بات کریں۔ فالتو باتوں کا کوئی فائدہ نہیں۔" اس نے غصہ دبا کر کہا۔

"فائدہ ہے کرم داد جی! مجھے اور تمہیں یہ فیصلہ کرنا ہے کہ تمہارا کون اپنا ہے اور کون پرایا۔ جو اپنے ہیں وہ تمہارے لئے غیر کیوں ہیں اور جو غیر ہیں وہ اس قدر اپنے کیوں ہیں کہ ان کا لباس تمہارے بستر کی شکنوں کا حصہ بن جائے۔"

"کیا بکواس ہے، کیا بک رہے ہو؟" کرم داد کا خون کھول اٹھا۔ زور سے گرجا تو وہ ہلکے سے مسکرا کر بولا۔

"دھیرج...... دھیرج کرم داد جی! ہسپتال کے اس کمرے سے باہر آواز نہیں جانی چاہئے ورنہ

ہسپتال میں موجود لوگ ہنسیں گے، باتیں کریں گے۔ ایک مالک اور ملازمہ کے معاشقے کی۔"

"بکواس مت...... دفع ہو جاؤ۔" وہ پہلے سے بھی زیادہ زور سے چیخا۔

"میں بک نہیں رہا ہوں کرم داد صاحب! ایک بات کان کھول کر سن لیں کہ گڑیا یہاں نہیں آئے گی کیونکہ تم نے اس کے ساتھ جو برا سلوک کیا ہے وہ رو رو کر اس نے مجھے بیان کیا ہے۔ میں تو شرم سے پانی پانی ہو گیا۔ تمہاری بیوی آ کر سنے گی تو کیا کہے گی؟ بیوی کے ہوتے ہوئے ایک ملازمہ کے ساتھ...... چھی...... چھی......" رضا علی سخت اور بے رحمی کے انداز میں چلاتا چلا گیا اور کرم داد بے بسی سے پتھر کی مورت بن گیا۔ پورے جسم کا خون شریانوں میں ٹکریں مارنے لگا۔ آنکھیں لال انگارہ ہو گئیں۔ جبڑے بھنچ گئے۔ غم و غصے کی حالت میں دماغ چٹخنے لگا۔

"میں نے سچ کہا ہے۔ تمہاری خاموشی نے یہ ثابت کر دیا۔ ویسے اس مظلوم لڑکی نے تمہارا کیا بگاڑا تھا؟ مجھ سے تو اس کے آنسو دیکھے نہیں جاتے۔ وہ تو سلمان انکل سے کہنا چاہتی تھی مگر میں نے ہاتھ جوڑ کر روکا۔ اس کی منت کی۔ صرف گھر کی عزت بچانے کے لئے۔ اب بہتری اسی میں ہے کہ وہ تم سے دور رہے ورنہ......"

"ورنہ کیا...... نکل جاؤں یہاں سے۔" صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تو وہ پوری قوت سے چلایا۔ وہ کچھ دیر کھڑا مسکراتا رہا پھر کندھے اچکا کر باہر نکل گیا۔ اس کے جاتے ہی اس نے سر زور زور سے بیڈ کی لوہے کی جالی سے ٹکرانا شروع کر دیا۔ ایک شدید دردناک عذاب آیا تھا۔ پورا وجود جیسے گھائل ہو گیا تھا۔ محبت نے ذلت کی کس پستی سے دوچار کیا تھا جس میں سے وہ مر کر بھی نہیں نکل سکتا تھا۔ اس محبت پر تو بڑا مان تھا۔ اپنی محبت پر بہت فخر تھا۔ پھر کیا ہوا کہ رقیبوں کو سب کچھ کہہ ڈالا۔ نہیں، وہ خود غرض، لالچی لڑکی کسی کی محبت نہیں۔ وہ صرف اپنی غرض کی ہے۔ جو محبت کا بھرم نہ رکھ سکے وہ محبوب ہی کیا؟ اس سے یہی توقع تھی۔ گرایا بھی تو کس کی نظروں میں گرایا۔" شدتِ غم سے اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"اب کیوں روتے ہو؟ تم بھول گئے شاید کہ تم نے بھی تو محبت کی تمام منزلوں سے اسے گرایا اس کا وقار اس کی آنکھوں سے ہی ختم کر دیا۔ اس کے بدن اور روح پر تمہاری محبت کے نہیں، نفرت کے داغ ہیں۔ اپنی زیادتی فراموش کر دی۔ اس نے جو کہہ دیا تو بگڑ رہے ہو۔" ضمیر نے اندر سے کچوکا لگایا تو وہ دل مسل کر رہ گیا۔ غم و غصے کے طوفان میں نجانے کتنی دیر شدید طغیانی رہتی کہ گلاب دین نے کمرے میں داخل ہو کر ادب سے سلام کیا۔

O❖O

بڑی دیر سے ٹیلی فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ بیگم صاحبہ اور بچے سونے کے لئے بیڈ روم میں جا چکے تھے۔ ملازمین اپنے اپنے کوارٹر میں سو چکے تھے۔ مجبوراً ڈاکٹر رحمان کو اسٹڈی روم سے نکل کر فون سننا پڑا۔

"ہیلو، ڈاکٹر رحمان اسپیکنگ۔"

"ہیلو، السلام علیکم۔" دوسری طرف سے بھاری مردانہ آواز آئی۔

"معذرت کے ساتھ، میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔" ڈاکٹر رحمان نے کہا۔

"حد ہو گئی ڈاکٹر رحمان، میں سلمان بول رہا ہوں۔ ڈاکٹر سلمان، گوجرانوالہ سے۔"

"اوہ! سوری...... ویری سوری۔ بس ذہنی طور پر ایک مریض کی کیس ہسٹری میں محو تھا، اس لئے پہچان نہیں سکا۔" ڈاکٹر رحمان شرمندگی سے بولے۔

"اٹ از اوکے۔" ڈاکٹر سلمان نے ہنس کر کہا۔

"کیسے زحمت کی؟"

"اب یہ بھی بتانا پڑے گا۔ بھئی ہمارا داماد تمہارے ہسپتال میں ہے۔ کرم داد کو بھول گئے۔"

"ارے نہیں نہیں...... وہ اب کافی بہتر ہے۔ بلکہ کافی زیادہ بہتر ہے۔ مگر میں حیران......"

"پلیز ڈاکٹر، اب وہ مت کہنا جو شاید میں سننا نہیں چاہتا۔ بس اتنا کہوں گا کہ وہ میرا داماد ہے بہت شریف نوجوان ہے۔ اسے کسی قسم کی تکلیف نہیں ہونی چاہئے۔ اس کی بہت اچھی دیکھ بھال ہونی چاہئے۔" ڈاکٹر سلمان نے ڈاکٹر رحمان کا جملہ کاٹ کر سنجیدگی سے التجا کی۔

"وہ تو سب ٹھیک ہے، ڈاکٹرز، نرسیں سب بہت خیال رکھتے ہیں۔ مگر پھر بھی ایک اٹینڈنٹ ضروری ہوتا ہے۔ بڑی تشویش کی بات ہے کہ وہ تمہارا داماد ہے اور بالکل لاوارثوں کی طرح پڑا رہتا ہے۔ پہلے کوئی ملازم یا ملازمہ آتے تھے مگر دو تین دن سے تو میرا خیال ہے کہ وہ بالکل تنہا ہے۔ خاصا ڈپریس لگتا ہے۔ کمرے کی چھت گھورتا رہتا ہے۔ تمہاری بیٹی شوہر سے خوش نہیں ہے نا؟"

ڈاکٹر سلمان یہی سب کچھ سننے کو تیار نہیں تھے مگر یہ ایک حقیقت تھی۔ انہوں نے تحمل سے برداشت کیا۔

"رحمان! تم جیسا سوچ رہے ہو یقیناً ایسا ہے۔ میں تو اس شریف انسان سے نظر ملانے کے قابل بھی نہیں اسی لئے تمہیں یہ گزارش کی ہے۔ فون پر رابطہ رکھوں گا۔ بس تم مجھ پر یہ احسان کرو کہ اس کا خیال رکھو، خرچے کی فکر نہ کرنا۔"

"خیر، یہ سب تمہیں کہنے کی ضرورت نہیں۔ حوریہ بیٹی کے ملک سے باہر جانے کا اس وقت نہیں تھا۔ تمہیں سمجھانا چاہئے تھا۔" ڈاکٹر رحمان اپنی ہی بات پر ڈٹے ہوئے تھے۔

"تمہارا کیا خیال ہے کہ ہم میاں بیوی نے اسے نہیں سمجھایا ہوگا؟ ایسا نہیں ہے میرے بھائی وہ بہت ضدی ہے۔ آزاد ماحول میں پلی بڑھی ہے۔ ایسی پابندیاں مغرب میں بھلا کہاں لگتی ہیں۔ ایک طرف وہ شوہر کو اس طرح چھوڑ کر گئی ہے دوسری طرف تمہیں یہ سن کر حیرت ہوگی کہ اہم "حوریہ میڈیکل سینٹر" کا پراجیکٹ درمیان میں لٹکا کر وہ چلی گئی کہ جی مشینری خریدنی ہے۔ اطلاع بھی فلائٹ سے چند گھنٹے پہلے ہمیں دی گئی۔" ڈاکٹر رحمان کی بحث سے ڈاکٹر سلمان کو بات تفصیل سے بتانی پڑی۔

"سوری، میں نے تمہیں ڈسٹرب کیا۔" ڈاکٹر رحمان شرمندگی سے بولے۔

"کوئی بات نہیں، تم جانتے ہو کہ اپنی تو کوئی اولاد نہیں۔ حوریہ ہی سب کچھ ہے مگر وہ بہت نادان ہے۔ بس اللہ اسے ہدایت دے۔"

"ہاں! یہ بہت ضروری ہے۔"

"رحمان! کرم داد کو میرے احساسات بہتر طریقے سے پہنچانا۔"

"تم یا بھابھی یہاں آ جاؤ۔"

"ضرور آئیں گے۔ لیکن فوری نہیں۔"

"اوکے۔ جیسی تمہاری مرضی۔ ویسے کرم داد سے بات کرنا چاہو تو اس کے کمرے میں فون کی سہولت ہے۔" ڈاکٹر رحمان نے کہا۔

"ٹھیک ہے، میں مناسب وقت پر فون کروں گا۔"

"اللہ حافظ۔" ڈاکٹر رحمان نے کہا تو ڈاکٹر سلمان نے بھی جواباً کہا۔

"اللہ حافظ۔"

O❖O

جونہی ڈاکٹر سلمان نے فون کر کے ریسیور کریڈل پر رکھا تو شائستہ بیگم جو کہ بڑی توجہ سے ان کی بات سن رہی تھیں کچھ ناراض سی منہ پھلا کر لیٹ گئیں۔ ڈاکٹر سلمان نے عینک اتار کر ان پر ایک نظر ڈالی اور ایزی چیئر پر بیٹھ کر آنکھیں موند لیں۔ شائستہ بیگم کو ان کے آنکھیں موندنے پر اور زیادہ غصہ آیا۔ ایک دم پھٹ پڑیں۔

"کیا اچھا انداز ہے۔ دوسروں کو انگاروں پر لٹا کر خود انسان سکون سے آنکھیں بند کر لے۔"

"خوب شکایت ہے۔" سلمان صاحب شاکی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولے۔

"ہماری کہاں مجال کہ شکایت کریں، شکایت تو صرف آپ کر سکتے ہیں۔" وہ برہمی سے بولیں۔

"نہ...... نہ ایسا کہیں ورنہ میرا صبر ختم ہو جائے گا۔" ان کا لہجہ ایک دم بہت سنجیدہ ہو گیا۔

"میں نے مانا کہ حوریہ میں بہت خرابیاں ہیں مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ آپ ہر ایرے غیرے کو دکھاتے پھریں۔"

"بیگم! خیال رہے کہ ڈاکٹر رحمان کوئی ایرے غیرے نہیں ہیں۔ اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ کرم داد کے معالج ہیں۔" وہ ذرا بگڑ کر بولے۔

"ٹھیک، اس کا مطلب یہ تو......"

"اس کا وہی مطلب ہے جو رحمان صاحب نے نکالا بلکہ ہر باشعور آدمی یہی مطلب نکالتا، یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے کہ شوہر ہسپتال میں پڑا ہو اور بیوی گلچھرے اڑانے ملک سے باہر چلی جائے۔ لوگ آنکھوں پر پٹیاں اور کانوں میں روئی ٹھونس کر نہیں پھرتے، جو دیکھتے ہیں جو سنتے ہیں ضرور کہتے ہیں۔ کرم داد کا کیا جرم ہے؟ کیا قصور ہے اس غریب کا؟ مجھے اگر پہلے علم ہوتا کہ آپ اور آپ کی

مغرب زدہ بھتیجی اس کے ساتھ یہ سلوک کرے گی تو میں خدا کی قسم ایسا کبھی نہ ہونے دیتا۔ مجھے یقین تھا کہ ایک نچلے طبقے کا انسان اپر کلاس لڑکی کے ساتھ کیسے چل سکتا ہے اور لڑکی بھی ... ریٹرن۔ میں تو حیران ہوں کہ آپ نے......شائستہ بیگم! آپ نے کرم داد سے کس جرم کا بدلہ لیا ... وہ غریب اس حال سے پہلے کہیں بہتر تھا۔" سلمان صاحب آگ بگولا ہوئے، بولتے چلے ... شائستہ بیگم پریشان ہو کر جلدی سے پانی کا گلاس لے کر آئیں۔ انہوں نے میز پر گلاس پٹخ دیا۔

"آپ اتنا ہلکان کیوں ہو رہے ہیں؟" وہ نادم سی ہو گئیں۔

"کیسے ہلکان نہ ہوؤں، لوگ کہتے ہیں کہ ہم کرم داد کے پاس کیوں نہیں رہتے یا اسے اپنے پاس کیوں نہیں بلا لیتے؟ بولو، کیا کروں؟ فی الحال ان میں سے ایک کام بھی میں کم از کم نہیں کر سکتا ... سے کرم داد کی طنزیہ نظروں کا سامنا نہیں ہوتا۔ میں تو ندامت سے سر جھکا کر لوٹتا ہوں۔"

"آپ بلاوجہ ایسا محسوس کرتے ہیں۔ اچھے اچھوں کی شادیاں ناکام ہو جاتی ہیں۔ کرم داد نچلے طبقے کا انسان تھا اور رہے گا۔ اس سے حوریہ کا نبھاہ نہیں ہوگا یہ میں جانتی تھی مگر حوریہ کی ضد کے آگے مجبور ہو گئی۔" شائستہ بیگم نے کرم داد کی گردن میں الزام کا پھندا لگا دیا۔

"جاننے کو تو آپ اور بھی بہت کچھ جانتی ہوں گی، مگر خود غرضی نے آنکھوں پر پٹی باندھ دی تھی لے دے کے وہ غریب کرم داد ہی موردِ الزام ٹھہرایا گیا۔ اپنی لاڈلی کے لچھن نہیں دیکھتیں۔ لاہور ... عنقریب میری عزت کا جنازہ دھوم سے نکلے گا۔ وہ کرم داد تو گیا بھاڑ میں۔ میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گا۔" وہ لال پیلے ہو گئے۔

"اب اس قصے کا کوئی حل بھی ہے آپ کے پاس؟"

"نہیں......میرے پاس نہیں ہے۔ آپ ہی کوئی حل نکالیں۔" وہ جلدی سے بولے۔

"پہلے اس خبیث رضا کو وہاں سے نکالیں۔"

"صبح گلریز کی طرف جاؤں گا۔ پچھلے چند ہفتوں سے وہ بنکاک گیا ہوا تھا۔ کل فون کیا تھا مگر نہیں تھا۔ صبح جا کر ملوں گا۔"

"مجھے آپ لاہور جانے دیں۔ میں......"

"آپ کچھ نہیں کر سکتیں وہاں۔ ہر بار اپنی مرضی چلا کر آپ نے دیکھ لیا۔ اب میری مرضی چلے گی، جب تک میں نہ کہوں آپ کہیں نہیں جائیں گی۔" وہ ایک ایک لفظ چبا چبا کر بولے۔

"اچھا بابا......" شائستہ بیگم نے ہار مان لینے میں ہی عافیت جانی۔

"ہاں! آپ کی لاڈلی کا فون آئے تو اسے فوراً آنے کا کہیں۔"

"کرم داد کا کیا ہوگا؟" وہ پریشانی سے بولیں۔

"جو آپ کی لاڈلی چاہے گی وہی ہوگا۔"

"اس کم بخت رضا کی مرضی تو پوری نہیں ہو سکتی۔" وہ بے دھیانی میں کہہ گئیں۔

"کیوں......کیوں نہیں ہو سکتی۔ حوریہ کے ساتھ رات دن پھرتا ہے، ہنستا ہے، روتا ہے۔ پھر اس کی مرضی پوری کیوں نہیں ہو سکتی؟" وہ طنزیہ بولے۔

"بس کہا نا کہ رضا علی کی مرضی نہیں چلنے والی۔ حوریہ نے اس سے شادی کرنی ہوتی تو پہلے کر لیتی کون سی پابندی تھی اس پر۔ بلکہ اس کا رشتہ تو خود آپ نے پسند کیا تھا۔ اس وقت اسے دو ٹکے کا کرم داد بھا گیا۔"

"مجھے ویسے اپنی پسند پر بھی شرمندگی ہی ہوئی ہے۔ کیا سوچ کر میں نے رضا کا انتخاب کیا تھا۔ اس کے کردار کا بدنما حصہ دیکھ کر مجھے خود سے نفرت ہوئی تھی۔ ماں باپ کا اکلوتا وارث اتنے سطحی کردار کا مالک ہوگا یہ میں نے کبھی نہیں سوچا تھا۔" سلمان صاحب افسردہ سے ہو گئے۔

"انسان کبھی کبھی اپنے ہی فیصلوں پر شرمندہ ہوتا ہے۔" شائستہ بیگم بھی خود کو افسردگی سے محفوظ نہ رکھ سکیں۔

"مجھے حوریہ سے نیک توقعات تھیں، سوچتا تھا کہ ہماری اولاد نہیں تو کیا ہوا۔ حوریہ کے بچے ہمارے آنگن میں کھیلیں گے۔ مگر ایسا بھی نہ ہو سکا۔"

"کاش! ایسا ہو سکتا۔" شائستہ بیگم کے دل سے ہوک اٹھی۔

"ہونے کو ایسا ہو سکتا تھا۔ تمہاری لاڈلی نے یہاں بھی اپنی مرضی چلائی ہوگی۔"

"ہاں......ہاں، ہر الزام اسی کو دو۔ یہ نہ تم جانتے ہو اور نہ میں کہ یہ کس کی مرضی ہے۔ کیا پتہ کرم داد ہی میں......"

"اوہ بیگم......خدا کا خوف کرو۔ وہ اکھڑ اور کڑا آدمی پاکستانی مٹی سے بنا ہے۔ اس طرح کی باتیں صرف مغرب والے کرتے ہیں۔ انہیں اپنے فگر اور اسمارٹ نیس کی فکر ہوتی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ کرم داد کے ساتھ حوریہ کا رویہ ایک نوکر سے زیادہ نہیں۔" سلمان صاحب نے ایک سانس میں کہا۔

"اس بار آ جائے، یہ معمہ بھی میں حل کروں گی۔" وہ نظریں چراتے ہوئے بولیں۔

"لیکن کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ تم مجھ سے کچھ چھپا رہی ہو۔"

"کمال کرتے ہیں آپ۔ ساری زندگی کچھ نہ چھپایا اب آپ سے کیا چھپاؤں گی؟" وہ خواہ مخواہ ہنستے ہوئے بولیں۔ سلمان صاحب نے غیر یقینی نظروں سے دیکھا پھر شانے اچکا کر خاموش ہو گئے۔

○❖○

دیوار پر لگے کلاک کی رفتار اس کے دل کی دھڑکن سے جڑی تھی۔ سوئیوں کی حرکت، دھڑکنوں میں ٹھہری گئی۔ چار سُو گہرے سناٹے تھے۔ گلاب دین کے خراٹوں کی آواز تھی یا پھر کلاک کی ٹِک ٹِک۔ اس کی آنکھیں کلاک پر جمی ہوئی تھیں۔ ذہن میں رضا علی کے طنزیہ جملے ہنگامہ برپا کیے ہوئے تھے۔ آپ کو اس سے پہلے اتنا بے وقعت اور کمتر کبھی نہیں پایا تھا۔ ایک محبت کی طلب نے کیا کیا

رنگ دکھائے تھے۔ "واہ ری محبت، تیرے ہزار روپ ہیں۔" اس نے دکھ سے سوچا۔ یونہی ہے۔ محبت کے تو بے شمار روپ ہیں۔ کیا کیا کھیل دکھاتی ہے یہ ایک محبت...... کیسے کیسے رنگ دیتی ہے یہ محبت۔ گڑیا! تم نے اچھا نہیں کیا۔ اس کو بتانے کی بجائے میری طرف لوٹ آتی، مجھ کہہ کر قریب کر لیتی۔ میں تو صرف تیری ایک پکار کا منتظر ہوں۔ میرے کان تھک گئے ہیں آہٹوں کے لئے۔ تیرے جذبوں کے اظہار کے لئے۔ تیری آواز کے لئے...... مگر تجھے خبر ہی نہ مجھ سے غافل رہی۔ کیا سے کیا بنا دیا اک تیری چاہ نے...... مگر پھر بھی تجھے پا نہ سکا۔ اب مجھے یقین گیا ہے کہ تجھے پانا مشکل نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ تو میری قسمت میں ہی نہیں۔ تو صحیح کہتی ہے، میں تیرے قابل کہاں؟ تجھے آسمان کی وسعتوں پر اڑنے کا شوق ہے، میں ٹھہرا زمین کا باسی۔ اسلم اور ایک جیسے ہی تو ہیں۔ تیرے چھوٹے صاحب بنانے سے میں بن تو گیا مگر میرا اندر تو نہیں بدلا۔ دل و دماغ کی شدید جھڑپیں جاری تھیں۔

"کرم داد! تجھے اب فیصلہ کر لینا چاہئے کہ تجھے کہاں جانا ہے؟ کیونکہ جس کے لئے تو نے قبلہ بدلا تھا وہ تو مرکز ہی کسی اور راہ پر ہے۔ پھر تو کس کے لئے شدید عذاب سے گزر رہا ہے۔ تیرے لئے اجنبی ہیں۔ تجھے ہی جانا ہے۔ یہ مانگے کا لباس اتار کر جانا ہے۔ کرم داد کو زندہ کرنا تیری منزل کہیں بھی ہو، تجھے یہاں سے جانا ہے۔ وہ جو تو منزل سمجھتا تھا وہ کبھی تیری منزل تھی ہی نہیں۔ اُسے اُس کے حال پر چھوڑ کر جا......" اس نے دل پر پتھر رکھ کر یہ کڑا فیصلہ آخر کر ہی لیا۔

رات کا آخری پہر تھا۔ چاند اپنا سفر مکمل کر کے کچھ ہی دیر میں گھر کو لوٹنے والا تھا۔ اس نے کھڑکی سے جھانکتے چاند کو اداسی سے دیکھا۔ چاند کے ہالے میں اس کا فرادا کا عکس جھلملانے لگا تو دل سوا ہو گیا۔ اسے وہ شدت سے یاد آنے لگی جو اپنی سادگی اور بھولپن سے اس کی آنکھوں سے اتر کر دل میں سما گئی تھی۔ اسے خبر بھی نہ ہوئی کب دل کا نگر برباد ہو گیا۔ اس جیسے سخت گیر انسان کے دل میں گداز سا احساس بن گئی۔ دن سے رات اور رات سے دن ایسا سحر ہوتا چلا گیا کہ وہ اس کا اسیر ہو گیا مگر وہ غافل ہی رہی۔ بتانا بھی چاہا تو کچھ حاصل نہ ہوا۔ اس کے یکطرفہ جذبوں کو کوئی قدر و منزلت مل سکی۔

"گڑیا! یہ سچ ہے، خدا کی قسم سچ ہے کہ میں تیرے بن نہ جی سکوں گا اور نہ مر سکوں گا۔ میں صرف تجھ سے محبت کی ہے بلکہ تو نے مجھے محبت کرنی سکھائی ہے۔ تجھ سے پہلے دل کا جہاں تھا۔ تو نے نازک احساسات کو مضبوط کیا۔ تیری ہی مرضی سے میں نے رسوائی اور ذلت کا طوق گلے میں ڈالا۔ تیری خاطر میں نے حوریہ جیسی بدفطرت لڑکی کے ساتھ وقت گزارا۔ گڑیا! تیرے ساتھ محبت بھی کی اور نفرت بھی کی۔ محبت کا یقین دلانے کے لئے مشتعل ہو کر نفرت کا سہارا لیتا رہا خمار سے بدن کو بانہوں میں بھر کر محبت کی صداقتوں کا اظہار کرنا چاہتا تھا مگر غصے اور نفرت نے کسی اور ہی احساس سے تیرے قریب کر دیا۔ جو سرمایہ میں اپنا سمجھتا تھا وہ بیگانگی کی نذر

بہت نادم ہوں، بہت شرمسار ہوں۔ مگر کیا کروں...... کیسے تلافی کروں؟

گڑیا! تم سے فقط اتنا کہوں گا کہ مجھے معاف کر دینا، میں نے خوامخواہ تم سے محبت لینا چاہی جس نے میرے ساتھ تم بھی کڑے عذاب سے گزریں۔ ورنہ تمہارے اندر کی بھولی لڑکی تو بخوشی کر لیتی۔ میں ہی یہ بات نہ سمجھ سکا۔ شاید میرے اندر کے انا پرست انسان نے تمہیں سخت نقصان پہنچایا ہے جو انا کی تسکین کی خاطر تمہیں کانٹوں پر گھسیٹتا رہا۔ ٹھیک ہی تو کہتا ہے رضا علی۔ میں نے بہت گھٹیا حرکت کی ہے۔ تمہیں پورا حق ہے سب کو بتاؤ، میرا دامن تار تار کر دو۔ مجھے کڑی سزا دو کہ تمہارے ذرا سے اقرار کے لئے میں نے کیا کر ڈالا؟ تمہارا وجود تمہاری ہی نظروں میں کمتر کر دیا۔ صرف اس لئے کہ تم نے مجھے نہیں پکارا۔ کرم داد کو اپنی محبت نہیں سمجھا۔" وہ بڑبڑاتے بڑبڑاتے ہچکیاں لینے لگا۔

"گڑیا! تم اک ذرا سا پکار لیتیں مجھے...... میری چاہت کو تسلیم کر لیتیں، میں اتنا برا تو نہیں تھا۔ بری غربت کو میری ذلت کیوں بنا دیا۔ تم مجھے تھام لیتیں۔ کیوں مجھے تم نے سہارا نہیں دیا؟ مجھے کیوں نہیں بچایا؟ کیا تم آواز نہیں دے سکتی تھیں؟" وہ روتے روتے بولنے لگا۔ اردگرد کی کچھ خبر نہ تھی۔ گلاب دین گہری نیند سے جاگ کر حیرت سے اس کی طرف دیکھتا رہا، پھر جلدی سے گلاس میں پانی ڈال کر گلاس اس کے ہونٹوں سے لگا دیا۔

"چھوٹے صاحب! صاحب جی!" گلاب دین کے پکارنے پر وہ واپس لوٹا۔ گلاب دین نے بھیگی آنکھیں صاف کیں۔

"چھوٹے صاحب! آپ کیوں پریشان ہیں؟" گلاب دین اس کی یہ حالت دیکھ کر دکھی ہو گیا۔

"کک...... کچھ نہیں...... بس کل ہم یہاں سے چلیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ مگر آپ نہ تو کچھ کھاتے ہیں اور نہ پیتے ہیں، رات کو بھی کچھ نہیں کھایا۔ میں صرف آپ کے لئے یخنی بنوا کر لایا تھا۔ بھوکے رہ رہ کر کتنے کمزور اور نڈھال ہو گئے ہیں آپ۔ اوپر سے دواؤں کا استعمال۔" گلاب دین نے محبت سے اس کا ہاتھ تھام کر دباتے ہوئے کہا۔

"بھوک ہی نہیں لگتی۔" وہ دھیرے سے بولا۔

"کیوں نہیں لگتی؟ آپ کھانا پینا چاہیں تو بھوک لگے۔" گلاب دین نے ڈپٹ کر کہا۔ وہ آہستہ سے مسکرا دیا۔

"اب یہ بسکٹ ہی کھا لو۔" گلاب دین نے جیسے ہی کہا تو وہ ہنس پڑا۔

"آلینے دو صبح ڈاکٹر صاحب کو۔ میں سکایت (شکایت) لگاؤں گا۔" گلاب دین نے دھمکی دی۔

"بابا، کب ہم چلیں گے۔"

"اگر ڈاکٹر صاحب نے اجاجت (اجازت) دی تو۔" گلاب دین نے اپنے بزرگ ہونے کا پورا فائدہ اٹھایا۔ وہ خاموش ہو گیا۔

O❖O

صبح سب سے پہلا کام اس نے نہانے کا کیا۔ رات بھر تو بخار کی شدت اور دوائی کے اثر سے
سدھ پڑی رہی۔ صبح آنکھ کھلی تو ذہن بھی ہلکا ہلکا تھا اور بخار کی بھی حرارت باقی نہیں رہی تھی۔ گرم
آغاز تھا، طبیعت گھبرا رہی تھی۔ اس نے مناسب سمجھا کہ نہا لیا جائے۔ نہا کر گیلے بالوں کے ساتھ
لان میں نکل آئی۔ بالوں سے ٹپکتے پانی نے کمر سے کُرتا گیلا کر دیا تھا جس کی وجہ سے کُرتا جسم
چپک گیا۔ دھانی کُرتے سے دودھیا بدن کی جھلک ایکسر سائز کرتے رضا علی کے دل و دماغ کو چھو
سی گئی۔ اس نے اپنی زندگی میں بہت زیادہ حسین اور دلکش سراپے دیکھے تھے، چھوئے تھے جن کی کشش
سے وہ پاگل ہو جاتا تھا۔ مگر جو جاذبیت اس نے اس معصوم سی، سادہ سی، لاپرواہ سی گڑیا میں پائی تھی
اس کے حواس میں آگ بھڑکا دیتی تھی۔ حوریہ جیسی اسمارٹ، حسین، ناز و ادا دکھا کر قتل کرنے والی لڑکی
سے بھی زیادہ قاتلانہ ادا تھی اس کی۔ بقول شاعر کرتے ہیں قتل ہاتھ میں تلوار بھی نہیں...... بغیر لجائے
بغیر شرمائے، بے باک اشارے کیے، بغیر غازہ کے، بغیر پرفیومز اور کاجل کے۔ بدن کی چھب
دکھائے بغیر خود کو خود میں سمیٹے کیوں بے قرار کرتی ہے۔

وہ آہستہ آہستہ بال سلجھانے میں مصروف تھی، اس کی لان میں موجودگی سے قطعاً ناواقف
کمزوری اور نقاہت سے ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ قریب ہی پھولوں کے کنج کے پاس پاؤں پھیلا
بیٹھ گئی۔ رنگ برنگے پھولوں کے پاس بیٹھتے ہی اسے بے اختیار کرم داد یاد آ گیا۔ ایسے ایک دن
سلمان صاحب کے ہاں پاؤں پھیلائے اپنی دھن میں بیٹھی تھی کہ کسی نے کندھوں پر ہاتھ رکھ دیا۔
وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی تو کرم کھل کھلا کر ہنس دیا تھا۔

”کیا ہے...... کیوں ہنس رہا ہے تُو؟“

”تیری بزدلی پر ہنس رہا ہوں۔“ ہنس کر اس نے کہا اور وہیں بیٹھ گیا۔

”میں بزدل نہیں ہوں، تیرے سے زیادہ طاقت ور ہوں۔“ اس نے غرا کر کہا۔

”ہاں یہ تو ہے۔ تیرے پاس جو طاقت ہے وہ میرے پاس کہاں؟“ کالی تنگ قمیض کے اندر
قیامت کا شور وہ گہری نظروں سے سنتے ہوئے دھیرے سے بولا۔ اس نے اس کی نظروں کا تعاقب
کرتے ہوئے اپنی طرف دیکھا تو بگڑ کر بولی۔

”یہ تُو مجھے گھور گھور کر کیا دیکھ رہا ہے؟“

”تیرے اندر چھپی قیامت کے اتار چڑھاؤ دیکھ رہا ہوں۔“ وہ شوخی سے بولا۔

”کیا مطلب؟“ وہ کچھ نہ سمجھی۔

”دھت تیرے کی، تیری عقل بھی چھوٹی ہے۔“ وہ منہ بنا کر بولا تو وہ مارنے کو دوڑی۔ وہ آگے
آگے بھاگا اور وہ پیچھے پیچھے۔

سوچتے سوچتے اسے اس وقت حیا محسوس ہوئی۔ یا یوں کہیے کہ اب مطلب سمجھ میں آیا۔

تھا سرخ پڑنے والے رخساروں پر گر گئیں مگر پھر جیسے کسی بچھو نے اسے ڈنک مار دیا۔ بجلی کی سی
تیزی سے پلٹ کر اٹھی۔ رضا علی کی آنکھوں میں ہزار فتنے مچل رہے تھے۔ گلابی گلابی آنکھوں سے
ہرنی کی طرح وہ خوفزدہ سی ہو کر آنچل سمیٹنے لگی۔

”گڑیا! تم کتنی حسین ہو، معلوم ہے تمہیں؟“ اس نے نگاہوں سے مستی چھلکائی۔

”جی، پتہ نہیں......“ وہ سہمی سہمی سی بولی تو وہ ہنس دیا۔

”کتنی نادان ہو...... حُسن کے خزانے چھپا رکھے ہیں اور نہیں جانتیں۔ اگر کہو تو میں تمہیں بتاؤں
تم کتنی حسین و کتنی امیر ہو۔“ اس کی نظریں اس کے سراپا پر مرکوز تھیں۔

”رضا صاحب! میں وہ بس......“

”ڈرو نہیں۔ ادھر آؤ، بیٹھو۔ آج میں تمہیں بتاتا ہوں کہ قدرت نے کتنی فیاضی سے تمہیں تراشا
ہے۔“ اس نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھاما اور جہاں وہ پہلے بیٹھی تھی وہیں اسے بٹھا کر خود بھی بیٹھ
گیا۔ اس کا ننھا سا دل کانپ رہا تھا۔

”مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ میں چھوٹے صاحب نہیں ہوں جو ویسا کچھ ہو جائے۔ میں تو
تمہارے حُسن کا شیدائی ہوں، تمہاری عزت کرتا ہوں۔ تم نے دیکھا نہیں کہ رات تمہارا کس طرح
خیال رکھا اور رکھوایا۔ میں تو بس یہ چاہتا ہوں کہ تم سے اچھی اچھی باتیں کروں، تمہاری عزت کروں۔
تمہیں بتاؤں کہ تم کیا چیز ہو۔“ وہ ٹھہر ٹھہر کر بولا۔ اسے ذرا تسلی ہوئی۔ کچھ پُرسکون ہو کر بیٹھ گئی۔ ورنہ
اندرونی طور پر وہ بہت ہراساں تھی۔ گزشتہ دن کے واقعے اور اس سے پہلے کی کئی بار بے ہودہ کوششوں نے
اسے خاصی حد تک متنفر کر دیا تھا بلکہ اپنے گھر سے نکل کر اس کے ذہن پر جھلملانے والے وہ نقش
دھندلا سے گئے تھے جو کبھی اس کی زندگی کا مرکز اور محور تھے۔ جو خوبصورت چہرے اور لباس اسے
اچھے لگتے تھے وہ اپنا مقام کھو چکے تھے۔ سب نے ہی اسے یہ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کہ وہ ان کے متعلق
غلط اندازہ لگا رہی ہے۔ یہی بات اس کے لئے بھی سچ ثابت ہوئی تھی۔

”کیا سوچ رہی ہو؟“

”رضا صاحب! میں آپ کے ساتھ کیا بات کروں؟“ وہ بیزاری سی بولی۔

”اچھی اچھی، پیاری پیاری باتیں، جیسی کرم داد صاحب سے کرتی تھیں۔“ اس نے جان بوجھ کر
کہا۔ وہ چونکی۔

”ان سے تو کبھی کوئی بات کی ہی نہیں۔“ یہی تو وہ دکھ تھا جو آپ ہی آپ سوا ہو گیا تھا۔ جواب
کیوں ہوا تھا۔ بات کرنے کے لئے تو وقت ہی وقت تھا مگر اس پر ہی ”لال کوٹھی“ کا جادو طاری تھا۔

”ویسے میں کرم داد سے کم حسین نہیں ہوں۔ اگر چاہو تو فیصلہ کر سکتی ہو؟“ اس نے سینہ ٹھونک کر
کہا۔ اسے اچھا نہیں لگا۔ ناگواری سے دیکھا۔

”وہ چھوٹے صاحب ہیں۔ چاہوں بھی تو ان کی طرف نہیں دیکھ سکتی۔ آپ نے غلط سوچا ہے

میرے بارے میں۔"

"اور وہ سب......؟"

"وہ سب بھی میرا قصور ہے۔" وہ تیزی سے بولی۔

"ہاں، یہی کرم داد کا بھی کہنا ہے کہ وہ میرا قصور ہے۔ اب نہیں معلوم کہ اصل قصوروار کون ہے کس کو سزا ملنی چاہئے۔" وہ مکاری سے مسکرایا۔

"میں نے کہا نا کہ میرا قصور ہے، مجھ کر ماں ماری کا قصور ہے۔ چھوٹے صاحب کو کچھ مت کہو کہنا ہے مجھے کہو۔" وہ رو پڑی۔

"ارے، رے...... رونا بند کرو۔ اچھا کچھ نہیں کہتے تمہارے چھوٹے صاحب کو۔ ویسے بڑی ہمدردی ہے تمہیں ان سے۔ ہم سے بھی ہمدردی کرلیا کرو۔ حالانکہ میں تمہاری سب سے زیادہ فکر کرتا ہوں۔"

"شکریہ صاحب جی۔" وہ سعادت مندی سے بولی۔

"اس طرح خالی شکریہ سے کام نہیں چلے گا۔"

"جی، پھر......؟" اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ صاف نظریں چرا گیا۔

"صرف میرے ساتھ گپ شپ کیا کرو، بھروسا کرو مجھ پر اور اپنی زبان پر چھوٹے صاحب کا نام نہ لایا کرو۔ اس طرح تمہاری بھی بدنامی ہوگی اور جو راز میں چھپانا چاہتا ہوں وہ بھی سب کو پتہ چل جائے گا۔ تمہیں چھوٹے صاحب سے مستقل دور رہنا ہے۔ ان کے سائے سے بھی دور۔ ورنہ نتیجے کی ذمہ دار تم ہوگی۔" اس نے آخری تیر چلایا اور اس کی طرف دیکھا۔ وہ ہونٹ چبا رہی تھی۔

"بولو، منظور؟"

"جی...... جیسا آپ کہیں گے میں ویسا ہی کروں گی۔ چھوٹے صاحب کو بس آپ کچھ نہ کہنا۔" وہ رضامند ہوگئی۔

"شاباش...... یہ ہوئی نہ بات۔" وہ خوش ہوکر بولا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ جب کہ وہ وہیں بیٹھ کر دل ہی دل میں چھوٹے صاحب کی بہتری اور بھلائی کے لئے دعائیں مانگنے لگی۔ کیونکہ جب سے اس نے یہ جانا تھا کہ حوریہ بی بی کا کردار کیا ہے اسی دن سے وہ چھوٹے صاحب کے لئے دکھی تھی اور خود کو قصوروار گردان رہی تھی۔ اب وہ یہ سمجھتی تھی کہ خوبصورت اور بڑے گھروں کے مکین جس طرح حسین اور دلکش دکھائی دیتے ہیں بالکل اسی طرح اندر سے بھی ہوتے ہیں مگر اب یہ راز کھلا تھا کہ ایسا نہیں ہے۔ حسین چہروں اور حسین لباسوں کے اندر کریہہ اور بدنما چہرے بھی ہوتے ہیں، بدبودار روحیں بھی ہوتی ہیں۔ جیسے زمین پر بسنے والے سب انسان اللہ نے ایک نہیں بنائے اسی طرح سب حسین اور دلکش حسین اور دلکش نہیں ہوتے اور یہ جاننے میں اسے بہت عرصہ لگا تھا۔ کرم داد کی زندگی میں یہ راز اس نے کھولا تھا اور اپنی زندگی کے ہر لمحہ کو خاردار اس نے خود کیا تھا۔ اب کچھ نہیں رہا تھا۔

...ان دکھاوے کے اجلے لوگوں میں رہنے کے۔

○❖○

...گاڑی پورچ میں کھڑی کر کے وہ لان میں آگئے۔ بادِ صبا کے جھونکوں نے انہیں احساس دلایا کہ ...میں بیٹھ کر موسم کا لطف اٹھایا جائے۔ سورج کی کرنیں ابھی پوری طرح زمین پر نہیں اتری تھیں۔ ...میں مکمل چھاؤں تھی۔ ہوا کے جھونکوں کے ساتھ پھولوں کی مہک شامل ہوکر سانسوں میں اتر رہی ...ملازم کے ذریعے انہوں نے گلریز صاحب کو اطلاع اندر بھیج دی تھی۔ کین کی نازک خوبصورت ...پر بیٹھ کر وہ ان کا انتظار کرنے لگے۔ کچھ ہی دیر میں گلریز صاحب مع بیگم صاحبہ کے مسکراتے ...وہیں آگئے۔

"آج تو "رضا پیلس" کے نصیب جاگ گئے۔" گلریز صاحب نے ہنس کر کہا اور گرمجوشی سے ...ن صاحب کو گلے لگا کر ملے۔

"تمہیں تو سیر سپاٹوں سے فرصت نہیں، ہمیں ہی نصیب جگانے تھے، کیوں بھابی؟" سلمان ...ب نے بھی ہنس کر کہا اور بیگم عفیفہ سے تائید چاہی۔

"اوشٹ اپ یار۔ رات دن کی کھچل کو تم سیر سپاٹے کہہ رہے ہو۔" گلریز صاحب نے پیار بھری ...کے ساتھ کہا۔

"آئے دن بنکاک کے دورے، سنگاپور کے چکر، امریکہ اور برطانیہ کے سفر، سیر سپاٹے نہیں تو ...ہیں۔ ہمیں دیکھو کلینک سے گھر اور گھر سے کلینک۔ سر کھجانے کی فرصت نہیں ملتی۔ سوچا تھا حوریہ ...نے پر ریسٹ ملے گا سو وہ بھی لاہور شفٹ ہوگئی۔" سلمان صاحب نے کہا۔

"بات تمہاری سچی ہے۔ بچے اگر سہارا بن جائیں تو کچھ ریسٹ مل سکتا ہے۔ تم جس تھکن کو سیر ...کہہ رہے ہو اللہ کی قسم بہت بڑا عذاب ہے۔ برخوردار رضا علی صاحب اگر میرا سہارا بن جاتے تو ...سکون کا سانس لیتا۔ مگر اس کے پاس ہمارے لئے، کاروبار کے لئے وقت ہی نہیں۔" گلریز ...ب کافی سنجیدگی سے بولے تو خاموش بیٹھی عفیفہ بیگم نے فوراً بیٹے کی وکالت شروع کی۔

"...جان صاحب! ابھی یہ بچوں کے کھیلنے کودنے کے دن ہیں، ساری زندگی ذمہ داریاں سنبھالنی ...پھر ابھی سے کیوں ان کے سر پر کاروبار کا بوجھ ڈالا جائے۔"

"بات آپ کی درست ہے بھابی مگر باپ سے تجربہ حاصل کرنے کا بھی تو یہی وقت ہے۔ کل کچھ ...جائے تو نا تجربہ کاری سے کاروباری ساکھ کو نقصان پہنچے گا۔" سلمان صاحب نے کہا۔

"...یہی بات ان عقلمند خاتون کے ذہن میں نہیں آتی۔ لاڈ پیار نے اسے خودسر بنا دیا ہے۔ آوارہ ...کروا لیجئے بس۔" گلریز صاحب نے دل کا دکھ بیان کیا۔ بیگم عفیفہ برا سا منہ بنا کر خاموش ہو ...

"...تمہاری بات درست ہے۔ علی رضا کو بزنس سنبھالنا چاہئے۔ کل کلاں کو شادی بھی ہونی ہے۔

ذمہ داریاں ایک ساتھ پڑیں تو آدمی پریشان ہوتا ہے۔" سلمان صاحب نے گلریز صاحب کی
کی۔

"کاروبار اور شادی دونوں وہ موضوعات ہیں جن پر صاحبزادے مشتعل ہو جاتے ہیں۔ ان کے ابھی شادی نہیں کرنی۔" گلریز صاحب نے خاصی تلخ زبان استعمال کی۔

"دراصل بھائی صاحب اسے کوئی لڑکی پسند نہیں آتی۔ جو آئی تھی میرا مطلب ہے حوریہ تو اس کی شادی ہوگئی۔ اب لے دے کر گلریز صاحب اپنی بھانجی نگار سے اس کی شادی کرنا چاہتے ہیں۔ اس ٹائپ کی لڑکیاں بالکل پسند نہیں۔" بیگم عفیفہ نے بیٹے کی طرف سے خوب پُرزور دلائل دیئے۔

"کیوں، کیا ہے نگار میں؟ اس ٹائپ کی لڑکی سے کیا مراد ہے تمہاری؟" گلریز صاحب بگڑ کر بولے۔

"چوبیس گھنٹے مشرقیت کا بھوت اس پر سوار رہتا ہے۔ بڑے سے دوپٹے میں لپیٹے مغل دور کی شہزادیوں کی طرح خود کو ظاہر کرنا اب اس دور میں تو نہیں چلتا۔" عفیفہ بیگم ناگواری سے بولیں۔

"سن لیا سلمان...... معصوم، شریف، باادب لڑکی ہمیں اچھی نہیں لگتی۔ ہمیں نیم عریاں لباس میں سطحی باتیں کرنے والی لڑکیاں اچھی لگتی ہیں۔" گلریز صاحب نے غصے میں کہا۔

"کل تک تو آپ بھی اسی طرح کی لڑکی کو بہو بنانا چاہتے تھے۔ اب آپ پر یہ دورہ پڑ گیا ہے، مشرقی، سیدھی سادھی لڑکی ہو۔" عفیفہ بیگم نے تیزی سے کہا۔ اس سے پہلے کہ یہ بات جنگ کا رخ اختیار کر لیتی سلمان صاحب نے جلدی سے مداخلت کی۔

"پلیز، پلیز کول ڈاؤن۔ ایکچو لی یہ مسئلہ متنازعہ نہیں ہے۔ مشرق کو ناپسند کرنے کا عمل اور مغرب کو سر آنکھوں پر بٹھانے کی کوشش ہم اپر کلاس لوگوں نے ہی کی ہے۔ مغربی اقدار کا پودا ہمارے ذہنوں سے نمو پذیر ہوا ہے۔ ہم جسے جدیدیت کہتے ہیں وہ ہمارے ذہن کا بوسیدہ خیال ہے۔ یہ ہم میں سے کچھ لوگوں کے لئے بہت پُرکشش ہے اور کچھ میری اور گلریز کی طرح اس سے متنفر ہیں۔ نگار جیسی بچیاں بہت مشکل ہے کہ رضا علی جیسے جدیدیت اور مغرب کے دلدادہ لڑکوں کے ساتھ رہ سکیں۔ جو ہم بچوں کو دیتے ہیں وہ اس میں رچ بس جاتے ہیں بعد میں انہیں اپنی مرضی اور پسند سے موڑنا، اونچ نیچ سکھانا یا فائدے اور نقصان کے بارے میں بتانا ہماری کج فہمی ہے۔ آپ دونوں ہی بجانب ہیں۔ گلریز کو نگار کی صورت میں اپنی تہذیب، اپنی روایات، اس گھر کا سکھ سب کچھ نظر آتا ہے اور بھابھی کو بھی یہ علم ہے کہ رضا علی کے راستے اور منزلیں کون سی ہیں۔ وہ ایک لمحہ بھی نگار کے ساتھ نہیں گزار سکتا۔ لہٰذا اب فیصلہ رضا علی کی مرضی سے ہی کرنا چاہئے۔" سلمان صاحب نے بہت دھیرے دھیرے دونوں کو سمجھایا۔ ان دونوں نے واقعی ان کی بات سمجھ کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

"بیگم صاحبہ، باتیں تو بہت ہو گئیں، کوئی چائے پانی کا بھی بندوبست ہے کہ نہیں؟" گلریز صاحب دوبارہ شگفتگی کی طرف لوٹے۔

"جی بالکل ہے، بلکہ ناشتے کا بندوبست کرنے کو کہا۔ میں دیکھتی ہوں۔"

"بھابی! ناشتے کے لئے تو شکریہ کیونکہ میں ناشتہ کر کے آیا ہوں، صرف چائے چلے گی۔"

"یار! تھوڑا سا ہمارے ساتھ بھی سہی۔" گلریز صاحب بولے۔

"اچھا چلو کوئی خاص چیز ہے تو بسم اللہ۔" سلمان صاحب بولے۔

"بیگم! ناشتہ یہیں باہر بھجوا دیجئے۔" گلریز صاحب نے کہا۔ وہ گردن ہلا کر اندر چلی گئی۔

"گلریز صاحب! اب جو بات میں کہنے جا رہا ہوں وہ توجہ طلب ہے اور سنجیدگی سے عمل کی محتاج ہے۔" سلمان صاحب نے فوراً اپنی بات شروع کی۔

"ہنہ...... بولو، خیر تو ہے؟"

"خیریت ہے۔ بس ذرا معمولی ہے اس لئے۔"

"پھر جلدی سے بولو، بلاتکلف۔"

"تمہاری لاکھ چھوٹ اور آزادی کے باوجود تمہاری رضا علی پر کڑی نظر ہونی چاہئے کہ وہ کہاں ہے؟ کیا کر رہا ہے؟ کیونکہ اب وہ چھوٹا بچہ ہے اور نہ بوڑھا۔ جوانی کی دہلیز پر نگرانی کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"میں سمجھا نہیں۔" گلریز صاحب حیرانی سے بولے۔

"ابھی سمجھ جاؤ گے۔ دراصل میں صرف یہی کہنے آیا تھا کہ رضا علی کو واپس بلاؤ، ورنہ بڑی خرابی ہو جائے گی۔" سلمان صاحب نے نظریں جھکائے جھکائے کہا۔

"سلمان! یار کیا مسئلہ ہے؟" گلریز صاحب سخت الجھ گئے۔

"کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ بس میں چاہتا ہوں کہ تم رضا کو لاہور سے واپس بلا لو۔" انہوں نے دو ٹوک لہجے میں کہا۔

"لاہور سے......؟" گلریز صاحب نے حیرت اور تعجب سے کہا۔

"ہاں! وہاں اس کا رہنا مناسب نہیں۔"

"مگر وہ تو اسلام آباد میں ہے۔"

"تمہیں غلط اطلاع ملی ہے۔"

"کمال کرتے ہو۔ اس کا فون آتا ہے۔" گلریز صاحب برا مانتے ہوئے بولے۔

"گلریز تمہارا کیا خیال ہے کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں؟"

"نہیں، ایسا نہیں ہے مگر......" وہ جز بز سے ہونے لگے۔

"فون اٹھا کر ملاؤ لاہور یا پھر جا کر دیکھ لو۔ وہ کافی عرصے سے لاہور میں ہے۔ میری طرف سے بے شک وہاں حوریہ اور اس کا شوہر نہ ہوتا تو کوئی حرج نہیں تھا۔ جتنے دن چاہتا رہ سکتا تھا مگر اب صورت حال ٹھیک نہیں۔ کرم داد ذرا سخت مزاج ہے اور دیسی مٹی سے گندھا ہے۔ اسے آزادی اور بے باکی

پسند نہیں۔" سلمان صاحب نے نپے تلے انداز میں گلریز صاحب کو بہت کچھ سمجھا دیا۔ وہ گہری
میں ڈوب گئے۔

"کیا سوچنے لگے؟"

"پریشان کن ہے اس کا غلط بیان میرے لئے۔ بہرکیف میں آج ہی اس کے کان کھینچتا ہوں"
گلریز صاحب بولے۔

"لیکن یاد رہے کہ سختی سے نہیں۔ بچے ضد پر اڑ جاتے ہیں۔" سلمان صاحب نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ میں اس کی شادی طے کر دوں اور کاروباری ذمہ داریاں بھی کندھے پر ڈ
دوں۔"

"فی الحال جلد بازی میں کوئی فیصلہ نہیں کرنا۔"

"ہنہ......سوچتا ہوں۔" گلریز صاحب نے کہا۔ اسی اثناء میں ملازم ناشتے کی ٹرالی لئے چلا آ
دونوں خوشگوار موڈ میں ناشتہ کرنے لگے۔

○❖○

"مالی بابا! ذرا میری کمر کے پیچھے تکیہ ٹھیک سے لگاؤ اور بیٹھنے میں میری مدد کرو۔" کرم داد
پکارا۔ "انسان بے کار پڑا پڑا سچ مچ بے کار اور ناکارہ ہو جاتا ہے۔ سارے جسم کا نظام گویا منجمد ہو
ہے۔ دل چاہتا ہے اُڑ کر کہیں دور چلا جاؤں۔"

"کہاں اُڑ کر جانا ہے برخوردار؟" کمرے میں داخل ہوتے ہوئے ڈاکٹر سلمان نے اس
آخری جملہ سن کر کہا۔

"جہاں کوئی پنجرہ نہ ہو، کسی قید کا ڈر نہ ہو۔" وہ دھیرے سے بولا۔

"شاعری کرتے ہو کیا؟" وہ میڈیسن شیٹ پر نظریں جماتے ہوئے بولے۔

"خودبخود ہونے لگی ہے۔"

"بہت خوب! خیر تمہاری رپورٹ تو بہت تسلی بخش جا رہی ہے۔ کمزوری دکھائی دے رہی ہے
کا بندوبست میں نے کر دیا ہے، میرا خاص ملازم تمہارے لئے خاص کھ... ناشتہ وغیرہ لایا کرے
ڈاکٹر رحمان نے کہا۔

"اس مہربانی کی وجہ ڈاکٹر صاحب؟" اس نے عجیب سے انداز میں پوچھا۔

"بھئی تم ہمارے دوست سلمان کے داماد ہو اور یہ مہربانی نہیں ہے، مہمان نوازی ہے۔"

"اوہ! سمجھا۔"

"ذہن پر بوجھ مت ڈالو، سلمان تمہاری طرف سے بہت متفکر تھے، فون بھی کریں گے، تمہیں کسی
بھی چیز کی ضرورت ہو مجھے کہلوا بھیجنا۔"

"شکریہ......مگر میں آج یہاں سے جانا چاہتا ہوں۔"

علاج میں ہوں یا تم۔ فی الحال جب تک تمہارا دوبارہ ایکسرے ہو کر یہ واضح نہیں ہو جاتا کہ
جڑ چکی ہیں، بالکل ٹھیک جگہ پر ہیں، میں تمہیں یہاں سے جانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

"علاج کوٹھی میں بھی تو ہو سکتا ہے۔"

"نہیں، اس طرح نہیں۔ میاں ایکسیڈنٹ میں پسلیاں تڑوا بیٹھنا خالہ جی کا گھر ہو سکتا ہے علاج
آسان نہیں۔ سب سے زیادہ حفاظت اور دیکھ بھال کی ضرورت ہوتی ہے۔ تمہارے گھر میں کون
کرے گا۔ بیگم صاحبہ تو امریکہ گئی ہوئی ہیں۔" ڈاکٹر رحمان نے لتاڑا۔

"ٹھیک......جیسے آپ کہیں۔" اس نے ہتھیار پھینک دیئے۔

"شاباش ینگ مین۔" انہوں نے کندھا تھپک کر داد دی۔

"میں چل کر باہر تو ٹہل سکتا ہوں۔"

"نہیں، خود نہیں۔ وہیل چیئر پر یا کسی کے سہارے پر۔ وہ بھی بہت آہستہ آہستہ۔"

"سہارا کون کسے دیتا ہے؟" وہ دکھ سے بولا۔ آواز کافی مدہم تھی۔ ڈاکٹر رحمان نہ سن سکے۔

"میں سہارا دے کر لے جا سکتا ہوں جی۔" گلاب دین نے کہا۔

"کیا بہت ضروری ہے کہ یہ باہر جائیں؟ تم یہ کھڑکی کھول کر اس سے باہر دیکھتے ہوئے انہیں
سب کچھ بتایا کرو۔ یہ آنکھیں بند کر کے سنیں گے تو لگے گا کہ باہر گھوم رہے ہیں۔" ڈاکٹر رحمان نے
بن لاپروائی سے کہا۔ مگر گلاب دین کا قہقہہ ابل پڑا۔ کرم داد بھی ہلکے سے مسکرا دیا۔

"اوکے ینگ مین! میں چلتا ہوں۔ اپنا خیال رکھو، کسی کے لئے نہیں اپنے لئے۔ صرف اپنے
لئے۔" ڈاکٹر رحمان نے بہت سنجیدگی سے کہا اور نرس کے ہمراہ باہر نکل گئے۔

"اپنے لئے......صرف اپنے لئے...... ہنہ......اپنا تو کچھ ہے ہی نہیں۔ کچھ بچا ہی نہیں۔ وہ دشمن
جاں کی نذر ہو گیا۔ اس کی مرضی اور منشا پر قربان ہو گیا۔ اب تو لے دے کے بے چارگی، تنہائی اور
جدائی بچی ہے۔ اس لئے اپنی کیا فکر کروں؟ نہ کوئی منزل ہے اور نہ ٹھکانا، کسی چیز سے کوئی دلچسپی
نہ ... جب جانا ہی ٹھہرا، کس دیس، کس نگر قدم بڑھیں کچھ خبر نہیں۔ سب کچھ یہیں رہ جائے گا۔ پھر
... سنوارسوں؟" اس نے دھیرے سے سوچ کر پلکیں موند لیں۔

مگر وہ پھر اپنی تمام تر معصومیت کے ساتھ چھم سے آنکھوں کے پردے پر مسکرانے لگی۔ اس کی ہر
روپ جھلملانے لگا۔ کبھی لڑتے ہوئے، کبھی روتے منہ بسورتے ہوئے، کبھی کھل کھلا کر ہنستے
کبھی منت اور کبھی سہم کر ہونٹ چباتے ہوئے۔ کرم داد کے دل سے ہوک سی اٹھی۔ اس دشمن
جاں کے کس روپ سروپ کی بات کرے اور کسے چھوڑے۔ کوئی بھی تو ایسا رنگ نہیں تھا کہ وہ آسانی
سے بھلا کر چلا جائے۔ "میرے ذہن میں مستقل رہتی ہے تُو...... کیوں میرے دل میں دھرنا مار کے
بیٹھی ہے۔ مکمل قبضہ کر کے بھی انجان اور لاتعلق ہے، کرم داد پر مکمل تسلط جما کر یہ بھی نہیں جانتی کہ
اس کا حال کیسا ہے، قبر میں پنچھی کیسے پھڑپھڑاتا ہے؟ یہ سب کاش! کاش تُو جان سکتی۔ تُو نے کبھی ایسی

کوشش ہی نہیں کی۔ پھر اب کیوں مجھے ستاتی ہے..... دور ہو جا۔ سکون سے، یہاں سے، اپنی دنیا سے نکل جانے دے..... نہ احساسِ محرومی جگا..... تُو میری دنیا کے لئے نہیں، میرے آسمان کا روشن ستارہ تیرے نام کا نہیں ہے۔ تُو جیسا سوچتی ہے، جیسا چاہتی ہے اللہ کرے تجھے مل جائے۔ تُو پھر خواہش کو پا سکے۔ اللہ کرے کہ تیرے لئے اس جہاں کی ریت بدل جائے۔ تُو کیوں چاہ کر بھی اسلم یا کرم داد کی۔ تجھے خدا کرے من چاہا انسان ملے۔ مجھے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ میں تجھے وہی دوں جو تجھے پسند نہیں۔ اپنے ساتھ کیوں رکھنے پر مجبور کروں؟ کیوں مجبور کروں کہ تُو میری محبت اقرار کرے۔

طویل صبر آزما ذہن اور دل کی جنگ سے نکل کر اس نے طویل لمبی سانس بھری اور آنکھیں کھول کر دیکھا۔ گلاب دین وحشت زدہ سا کھڑا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کو اس طرح کھڑا دیکھ کر سمجھ گیا کہ میری بڑبڑاہٹ یا ذہنی کشمکش کے اثرات یقیناً چہرے پر بھی عیاں ہوں گے۔ جنہیں وہ سمجھ نہیں پا رہا ہوگا۔

"گلاب دین بابا! میں خود سے باتیں کر رہا تھا۔ آپ پریشان نہ ہوں۔" اس نے کہا تو واقعی مطمئن ہو کر اسٹول پر بیٹھ گیا۔

○❖○

صبح سے تیسری بار فون پر رضا علی کے بارے میں پوچھا گیا۔ حمید سب کام کاج چھوڑ کر فون کی طرف بھاگتا اور پھر مخصوص آواز سن کر رٹا رٹایا ایک ہی جواب دیتا کہ رضا صاحب ہسپتال کے کام کا جائزہ لینے گئے ہیں۔

چوتھی بار بیل ہوئی تو وہ انتہائی ناگواری سے فون کی طرف آیا۔

"ہیلو....."

"ہیلو، حمید، کیا حال ہے.....؟" دوسری طرف سے حوریہ کی آواز آئی۔

"او حوریہ بی بی جی، بالکل ٹھیک ٹھاک....." حمید نے جلدی سے کہا۔

"رضا صاحب کہاں ہیں.....؟"

"وہ ہسپتال کا کام دیکھنے گئے ہیں۔"

"ہسپتال کا کام کیسا ہو رہا ہے.....؟"

"یہ تو رضا صاحب ہی بتا سکتے ہیں جی۔"

"اچھا دیکھو، رضا صاحب سے کہنا کہ میں رات کو فون کروں گی۔"

"جی بہتر۔"

"اوکے، اللہ حافظ۔" اس نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا۔ حمید حیرت سے ریسیور کو دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا۔ گڑیا کسی کام سے اس طرف آئی تو وہ بھی حیرت زدہ سی اس کے قریب آ گئی۔

"کیا ہوا حمید بھائی.....؟"

"کُ..... کچھ نہیں..... بس کمال ہی کمال ہے۔" اس نے ریسیور کریڈل پر رکھتے ہوئے جواب دیا۔

"کس کا ٹیلی فون تھا، پھر رضا صاحب کا کوئی پوچھ رہا تھا.....؟"

"حوریہ بی بی کا امریکہ سے فون تھا۔"

"تو اس میں کمال کی کون سی بات ہے.....؟"

"کمال کی تو ہے، دیکھو انہوں نے اتنی دور سے رضا صاحب کا پوچھا، ہسپتال کا پوچھا، مگر نہیں پوچھا تو صرف چھوٹے صاحب کا نہیں پوچھا۔"

"اچھا واقعی.....؟" اسے بھی سخت حیرت ہوئی۔

"ہاں، سچ کہہ رہا ہوں۔ پتہ نہیں وہ چھوٹے صاحب کو شوہر والی عزت کیوں نہیں دیتیں۔" حمید نے افسردگی سے کہا۔

"حالانکہ پہلے انہوں نے ہی کرم داد......" کچھ کہتے کہتے رک کر وہ نظریں چرانے لگی۔ اس طرح جملے کے درمیان میں خاموش ہونے پر حمید نے کریدا۔

"کیا انہوں نے ہی......؟"

"کچھ نہیں، بس ویسے ہی کہہ دیا۔" وہ صاف مکر گئی۔

"ویسے ایسی کوئی بات ہے ضرور جو تُو ان دونوں کے بارے میں جانتی ہے۔" حمید نے اپنی دانست کے مطابق خیال ظاہر کیا۔

"میں......نہیں...... میں بھلا کیا جانتی......؟"

"چل نہ سہی، پر میرا کیا یقین ہے کہ ان دونوں کے بیچ تیرا بھی بڑا حصہ ہے۔ چھوٹے صاحب کے لئے تُو جس طرح تڑپتی ہے، پریشان ہوتی ہے اور چھوٹے صاحب تیرے لئے جس طرح فکرمند ہوتے ہیں یہ کوئی ایسے ہی نہیں کرتا۔ بلکہ کوئی نہ کوئی بات ہوتی ہے......" حمید نے دل کی بات کہہ ڈالی...... وہ زرد پڑ گئی۔

"کون سی بات؟"

"وہی جو تیرے اور چھوٹے صاحب کے بیچ ہے......" اس نے اس کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے کہا۔

"کچھ بھی نہیں ہے، وہ تو چھوٹے صاحب ہیں اور بس۔ مجھے ہمیشہ سے چھوٹے صاحب اچھے لگتے ہیں۔ ان کے کپڑے، ان کے جوتے، ان کے بال، ان کے جسم سے اٹھنے والی خوشبو اچھی لگتی ہیں...... میری اماں، ابا، بہنیں مجھے ہمیشہ برا بھلا کہتی تھیں...... میری پہلی سانس کے ساتھ چھوٹے صاحب کا لفظ جڑ گیا تھا۔ میں اس وقت سے اب تک اس لفظ کا سودا ادا کر رہی ہوں۔ ہے حمید بھائی! میرے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے، پھر بھی سودا ادا کرتی ہوں...... مگر قرض نہیں۔ چھوٹے صاحب کے لئے بدظن نہ ہو تم، وہ تو میری عادت ہے۔ میری زبان کا پہلا اور آخری لفظ ہے، جو میرا گناہ بھی ہے اور بے گناہی بھی۔" بولتے بولتے اس کی پلکوں سے ستارے ٹوٹنے لگے۔ حمید محوِ حیرت تھا کہ بولتے بولتے اسے کیا ہو گیا۔ اس کے لہجے کا حزن حمید کے دل کو چھو گیا...... وہ روتی ہوئی وہاں سے چلی گئی اور وہ دل ہی دل میں شرمندہ سا ہو گیا کہ خوامخواہ ہی پتہ نہیں جانے کیا کچھ کہہ دیا۔ کتنی بھولی اور معصوم ہے۔ سارے جہاں کی سادگی اس کے طور اطوار سے عیاں ہے۔ کئی کئی دن بال بکھرے رہتے ہیں، ملگجے سے کپڑے، کھوئی کھوئی یہ لڑکی، ویسی نہیں ہو سکتی جیسا میں سوچنے لگا...... مگر پھر ایسا کیا ہے دونوں کے بیچ......؟ یہی وہ سوال تھا جس پر اس کی سوچ رک جاتی تھی۔ اس کی معصومیت پر ایمان لانے کے بعد، اس کی پاکیزہ سیرت محسوس کرنے کے بعد

وہ شرمندہ ہوتا۔ مگر اگلے ہی لمحے جھنجلا کر وہ اپنے آپ سے یہی سوال کرتا تھا۔ جس کا جواب کافی عرصہ گزرنے کے باوجود اسے نہیں ملا تھا۔ اس نے پہلی نظر میں ہی اسے چاہا تھا، اس کے لئے خواہش کی تھی...... اسے اپنے اندر محبت نفرت میں بدلتی بھی محسوس ہوئی جب اس نے رشتے سے انکار کیا تھا...... ایسے میں چھوٹے صاحب بھی اسے زہر لگے تھے...... مگر پھر آہستہ آہستہ وہ پُرسکون ہو گیا تھا، اسے نفرت کا احساس مستقل نرم سی ہمدردی میں بدل گیا تھا...... کیونکہ تھا تو گوشت پوست کا انسان...... اس کے سینے میں نرم گداز دل تھا بے حس، بے جان پتھر نہیں۔ وہ اسلم اور کرم داد کی صف میں شامل تھا، کوئی چھوٹے صاحب نہیں تھا۔ اس لئے اس کا درد محسوس کر لیتا تھا۔

○❖○

"میرا تو خیال ہے کہ مجھے لاہور جانا چاہئے۔" ریسیور کریڈل پر پٹختے ہوئے وہ جھلا کر بولے...... صبح سے تین بار فون ملا چکے تھے، مگر رضا علی کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ اب تقریباً شام ہونے کو تھی تو پورے یقین سے نمبر ملایا تھا کہ وہ فون پر مل جائے گا۔ مگر اب کی بار لائن بزی تھی...... عفیفہ بیگم شوہر کے شدید ردعمل کا سبب جانتے ہوئے دھیرے سے بولیں۔

"گڑیا! آپ تو بلاوجہ اس قدر پریشان ہو جاتے ہیں کہ اللہ کی پناہ۔"

"ہاں ہاں، اُلّو کا پٹھا ہوں میں، گدھا ہوں...... بلاوجہ پریشان ہو جاتا ہوں۔" وہ اور زیادہ تاؤ کھا گئے۔

"اُف...... توبہ ہے...... کیوں اول فول بکنے لگے۔ اب دوسرے شہر بیٹھے بندے کو کیا معلوم کہ کب کس کا فون آئے گا۔ انسان کبھی گھر میں ہوتا ہے اور کبھی گھر سے باہر۔ اللہ جانے کہ وہ لاہور میں ہے یا لاہور سے باہر" عفیفہ بیگم نے دبے دبے لہجے میں ان کا غصہ کم کرنے کی کوشش کی...... مگر غصہ تو لحظہ بہ لحظہ بڑھ رہا تھا۔

"اس گدھے انسان کو ضرورت ہی کیا تھی ہم سے جھوٹ بول کر پرائے گھر میں رہے۔ اور لاہور سے باہر تو وہ ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ ہر بار ملازم نے یہی کہا ہے کہ ہسپتال کا کام دیکھنے گئے ہیں۔"

"تو اس میں پریشانی کیا ہے...... ایک تو وہ دردسری لئے بیٹھا ہے، خود مہارانی امریکہ تشریف لے گئیں اور ہسپتال کا کام وہ دیکھ رہا ہے۔ اوپر سے سلمان بھائی کے مزاج نہیں ملتے......" عفیفہ بیگم ناک چڑھا کر بولیں۔

"یہی...... یہی وہ طریقہ ہے جس سے تم نے بیٹے کو برباد کیا ہے، دھول جھونکی ہے ہمیشہ میری آنکھوں میں۔ اسے سنبھال کر رکھا ہوتا تو وہ پلے بوائے نہ بنتا۔ شریف اور بردبار نوجوان کی طرح کاروباری ذمہ داریاں نبھا رہا ہوتا۔"

"بس...... بس، خوامخواہ کی الزام تراشی کرنے کی ضرورت نہیں ہے، فون مل جائے گا۔ اسے بلا بھیجتی ہیں، پھر میں اسے سمجھا دوں گی وہ پلٹ کر لاہور کا نام بھی نہیں لے گا......" عفیفہ بیگم نے تنگ کر

کہا۔

"جسے تم الزام تراشی کہہ رہی ہو وہ سولہ آنے سچ ہے، اگر سچ نہ ہوتا تو سلمان کبھی میرے پاس چل کر کہنے نہ آتا۔ اس ملک کی بدقسمتی ہے کہ یہاں ہر ماں اپنے بیٹے کو ولی سمجھتی ہے..... اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں...... خیر میں نمٹ لوں گا صاحبزادے سے..... اب اسے رہنا ہوگا تو انسانوں کی طرح رہنا ہوگا ورنہ ہمیشہ کے لئے نکال دوں گا۔" وہ آگ بگولا ہوتے ہوئے بولے۔

"مگر کیوں..... لوگوں کی باتوں میں آ کر غلط سوچ رہے ہو۔"

"شادی شدہ لڑکی کے ساتھ کیا رشتہ ہے رہنے کا، پھر وہ ہماری رشتہ دار بھی نہیں، صاحبزادے کی ماموں، پھوپھی، چچازاد، کوئی بھی تو تعلق نہیں ہے اس کا، سوائے اس کے کہ وہ میرے اچھے دوست کی بھتیجی ہے اور بس...... یا کبھی ہم نے یہ چاہا تھا کہ وہ ہماری بہو بن جائے جو نہیں ہو سکا..... اس کا مطلب تو ہرگز نہیں کہ ہم اس کے گھر میں زہر گھول دیں...... کیا سوچتا ہوگا اس کا شوہر، کس گندے گھرانے سے تعلق ہے اس کا...... کوئی سنجیدہ بات نہ ہوتی تو مجھے یقین ہے کہ سلمان قطعاً برا نہیں مانتا......" وہ کچھ نرم لہجے میں بولے۔

"چلو جو کچھ ہوا سو ہوا، ہم اسے بلا لیتے ہیں۔"

"بلائیں گے تو تب جب وہ ملے گا۔"

"مل جائے گا...... رات میں ملا لینا......" عفیفہ بیگم نے انتہائی سمجھداری کا ثبوت دیتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہا اور جگ سے گلاس میں پانی انڈیل کر ان کی طرف بڑھایا۔ گلریز صاحب کے لبوں پر ہلکا سا تبسم پھیل گیا...... ہمیشہ کی طرح انہوں نے پھر آتش فشاں کے دہانے پر ضبط کی سل رکھ دی تھی...... جب بھی وہ مشتعل ہوتے تھے، وہ کچھ ناراض ہونے کے بعد فوراً سمجھوتے کی فضا سازگار کرنے میں مددگار ثابت ہوتی تھی۔ بیٹا ان کی کل کائنات تھا، اس کے لئے تو وہ اپنا آپ وار سکتی تھیں...... یہ بھی درست تھا کہ رضا علی کی جابے جا خواہشات کی تکمیل کے لئے وہ گلریز صاحب سے ہر قسم کی ٹکر لے لیتی تھیں...... یہی وجہ تھی کہ اب رضا علی ان کے ہاتھوں سے نکل چکا تھا۔ چاہتی تھیں کہ شادی ہو جائے تو شاید سدھر جائے، مگر وہ اس طرف بھی نہیں آتا تھا......

○❖○

دیکھتے ہی دیکھتے موسلا دھار بارش شروع ہو گئی...... صبح سے تو موسم خشک اور گرم تھا، کچھ دیر پہلے کالی کالی گھٹائیں اٹھیں اور پورا آسمان ان کے قبضے میں آ گیا...... تیز ہوا کے ساتھ بارش کا تیزی سے گرتا ہوا پانی اِدھر اُدھر تھپیڑے کھا رہا تھا۔ اس وقت حمید کچن میں کھڑا برتن دھو رہا تھا اور گڑیا کمروں کی کھڑکیاں کھول کر ٹھنڈی ہوا کا کمروں میں گزر آسان بنا کر خود بھی رات کے کھانے کی تیاری میں حمید کا ہاتھ بٹانے کے لئے کچن میں آ گئی...... جیسے ہی کچن میں قدم رکھا، لائٹ چلی گئی۔

"ارے...... رے...... میں بھی اتنی دیر سے حیران پریشان تھا کہ بارش ہو رہی ہے، ہوا چل رہی ہے

بجلی اب تک کیوں نہیں گئی......؟" حمید نے طنزیہ جملہ بجلی کی بے وفائی پر کسا۔

"لو، تمہاری زبان کا کہنا پورا ہو گیا۔" گڑیا نے کہا۔

"زبان تو ہماری سدا کی دشمن ہے۔ نصیبوں کی طرح کالی ہے۔" حمید نے ٹونٹی بند کی، ہاتھ تھامے پر پڑے رومال سے صاف کئے۔

"یہ بات تو بالکل ٹھیک کہی ہے حمید بھائی تُو نے......" اس نے ہاں میں ہاں ملائی۔

"باتیں تو ہوتی رہیں گی۔ تُو یہ بتا کہ بجلی تو جانے کب آئے، کھانا کیسے بنے گا؟"

"کچھ بھی ہو، بجلی آئے گی تو کھانا بنے گا ورنہ دوپہر کا بچا کھچا کھا کر سو جائیں گے......" وہ کچن سے باہر نکلتے ہوئے بولی...... حمید بھی اس کے ساتھ ہو لیا۔

"بیگم صاحبہ! میں اپنے کھانے کی بات نہیں کر رہا، رضا صاحب کی بات کر رہا ہوں۔"

"تجھے ان کے کھانے کی فکر ہے، چھوٹے صاحب کی پرواہ نہیں......" وہ برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"فکر کر کے ہم کیا کر سکتے ہیں، بے بس نوکر ہیں۔ وہ مزے میں ہوں گے۔ مالی ان کے پاس

"

"ہاں یہ تو مجھے بھی تسلی ہے۔"

"ویسے یہ رضا صاحب صبح کے خوب غائب ہو گئے ہیں۔"

"کسی کام میں پھنسے ہوں گے......" وہ بولی۔

اسی لمحے گلباز خان نے گیٹ کھولا تو پانی میں بھاری جوتوں سے چلتا ہوا کوئی اندر آ گیا...... وہ اسے پہچاننے کی کوشش کرنے لگے مگر اندھیرا کافی گہرا تھا...... رات کے آٹھ سوا آٹھ کا وقت تھا۔ وہ بالکل قریب آ کر بولا تو وہ دونوں جلدی سے کھڑے ہو گئے۔

"حمید! ایسا کرو فوراً جاؤ، احمد پلازہ کے قریب گاڑی کھڑی ہے، اسے ورکشاپ تک پہنچاؤ۔ یہ لو چابی......" رضا علی نے چابی جیب سے نکال کر حمید کی طرف بڑھائی۔ حمید نے ہاتھ بڑھا کر چابی پکڑ لی۔

"اس وقت ورکشاپ......"

"کیا ہوا وقت کو۔ یہاں تو لائٹ گئی ہوئی ہے اس لئے رات زیادہ معلوم ہو رہی ہے۔ باقی شہر میں تو ہے۔"

"ٹھیک ہے......" حمید سلیپر گھسیٹتا ہوا چپ چاپ باہر نکل گیا۔

"گڑیا! میرے کپڑے بالکل بھیگ چکے ہیں۔ میں نہا کر چینج کرتا ہوں، تم صرف چائے پلا دو۔"

وہ آرڈر دے کر اندر چلا گیا...... اور وہ چائے بنانے کچن کی طرف چل دی...... تیزی سے ہاتھ چلاتے ہوئے اس نے گیس کا چولہا جلایا...... کچھ روشنی پیدا ہوئی...... پانی رکھا، پتی ڈالی۔ چند منٹ

بعد چائے کپ میں ڈال کر وہ ہاتھ میں کپ پکڑے کچن سے باہر نکلی اور بمشکل تمام اس کے کمرے تک پہنچی...... دروازے پر دستک دینے سے پہلے ہی ہاتھ کانپ اٹھا، اندھیرا تھا، باہر بارش اور ہوا دور دور تک کوئی اور آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ اس کا ننھا سا دل ہچکولے کھانے لگا۔ کچھ دیر رہتی تو چائے بالکل ٹھنڈی ہو جاتی...... مجبوری کے ساتھ ہولے سے دروازہ کھٹکھٹایا۔

''گڑیا! آجاؤ......''

''یہ چائے......'' ہمت کر کے قدم اندر رکھتے ہوئے وہ جلدی سے بولی۔

''تھینک یو...... اس وقت اس کی بہت طلب ہو رہی تھی۔ ایک دم ہی زکام لگا۔ شاید موسم کا اثر ہے۔ گرمی سے نکل کر آدمی ٹھنڈک میں جائے تو ایسا ہی ہوتا ہے۔'' کمرے میں گھور اندھیرا تھا، ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس نے کمرے میں موجود دوسری کسی روشنی کا انتظام نہیں کیا تھا...... اس کی آواز آ رہی تھی...... وہ پریشان تھی کہ کپ کہاں رکھے...... کیسے پکڑائے۔

''چائے کہاں رکھوں؟'' دھیرے سے پوچھا۔

''آں، ہاں چائے ادھر لاؤ، بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھ دو......'' وہ بولا۔

''رضا صاحب! گیس کا لیمپ ہی جلا لیں......'' اسے سخت پریشانی ہو رہی تھی۔

''ارے کیوں گھبراتی ہو۔ لاؤ، میری طرف لاؤ۔ سیدھی آجاؤ۔ ذرا سا دائیں کو۔'' وہ بولا تو قدم اٹھانے پڑے...... اس کے کہنے کے مطابق سیدھے چل کر ذرا سا دائیں طرف بڑھی تو کرسی سے ٹکرا کر سیدھی بیڈ پر جا گری۔ کپ کہیں جا پڑا۔ اس کے مہکتے بھاری بدن کے احساس نے تیزی اس میں پیدا کر دی۔ وہ اس پر ہی گری تھی...... وہ گویا اس کا منتظر تھا، یا پھر سوچی سمجھی اسکیم کے تحت اس کے گرنے کا منتظر تھا۔

''کیا ہوا...... اندھیرے میں اٹھنے کی کوشش سے دوبارہ گر جاؤ گی۔''

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اٹھنے کی کوشش جاری رکھی۔ مگر اس کے دونوں بازوؤں کی گرفت آہستہ آہستہ مضبوط ہوتی جا رہی تھی...... وہ بے بس پرندے کی طرح پھڑ پھڑائی۔

''چھ...... چھوڑ دیں مجھے......'' پوری قوت سے وہ چلائی تو اس نے بازو کھول دیئے۔

''ایک بات تو بتاؤ، ہم میں کیا کمی ہے جو کچھ دیر بھی ہمارے ساتھ نہیں گزار سکتیں...... ایک دادا صاحب ہیں کہ جنہوں نے تمہیں کہیں کا نہیں چھوڑا۔''

''اللہ کے واسطے چھوڑ دیں مجھے...... اور مت نام لیں چھوٹے صاحب کا......'' وہ خود کو سنبھال کے اٹھتے ہوئے بولی۔

''گڑیا! ایک بات سن لو، تمہاری اس حرکت کے پردے کی ایک قیمت ہے۔ اگر تم نے وہ قیمت نہ چکائی تو تمہارا اور تمہارے چھوٹے صاحب کی کرتوتوں کا پول کھول دوں گا۔'' وہ بلیک میلنگ پر اتر آیا۔

''نہیں...... نہیں رضا صاحب...... ایسا نہ کہیں......'' وہ ایک دم ہی منت کرنے لگی۔

''تو پھر ٹھیک ہے...... ہمارے قریب آؤ، زیادہ کچھ نہیں کہتا۔''

اسی لمحے ٹیلی فون کی گھنٹی جاگ اٹھی...... وہ ناگواری سے اسے آزاد کرتے ہوئے سائیڈ ٹیبل پر رکھے فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس نے موقع غنیمت جانا، الجھتی، گرتی پڑتی، دروازے سے ٹکرائی اور پھر دروازہ کھول کر باہر نکل گئی...... ننگے پاؤں بھاگتی ہوئی لان عبور کر گئی...... گلباز خان کے قریب پہنچ کر اس نے دم لیا۔

اس نے دانستہ اس کے جانے پر کوئی اقدام نہیں کیا...... کیونکہ وہ اس پر جبر نہیں چاہتا تھا۔ جانتا تھا کہ بے بس لڑکی کتنے دن دام میں نہیں آئے گی، لہٰذا اپنا اعتماد قائم رکھنا ضروری تھا...... چاہتا تو اسے پکڑ سکتا تھا، مگر اطمینان سے ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔

''ہیلو......''

''ہیلو، میں تمہارا باپ بول رہا ہوں۔'' دوسری طرف سے گرجدار آواز آئی...... وہ سٹپٹا سا گیا۔

''پاپا! آپ...... آپ کب آئے......؟'' وہ خوشی کا تاثر دیتے ہوئے بولا۔

''مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے جھوٹ بولنے کے لئے گھر والوں کو بھی معاف نہیں کیا......'' گلریز صاحب سخت غصے میں تھے۔ اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے سختی سے پوچھا گیا۔

''جی...... ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔''

''ہمیں کہہ رکھا ہے کہ اسلام آباد ہو اور خود لاہور حوریہ کے پاس......؟''

''پاپا وہ امریکہ گئی ہوئی ہے......'' اس نے اطلاع فراہم کی۔

''جانتا ہوں...... اور یہ بھی جانتا ہوں کہ اس کی غیر موجودگی میں تم ہسپتال کا کام کروا رہے ہو۔''

''یہ بات صحیح ہے......'' اس نے دھیرے سے کہا۔

''کیوں صحیح ہے...... کیسے صحیح ہے؟ کیا نہیں جانتے کہ وہ لڑکی تمہارے لئے کچھ بھی نہیں۔ اس کا شوہر جو تمہاری وجہ سے بدگمان ہو سکتا ہے، میری اور سلمان کی دوستی میں فرق آ سکتا ہے......'' انہوں نے بھڑک کر کہا۔

''بدگمان تو وہ ایک دوسرے سے پہلے ہی ہیں۔ میں اس کے شوہر سے اچھی طرح واقف ہوں۔ وہ حوریہ کے لائق نہیں......''

''شٹ اپ، یہ تمہارے کہنے سننے کی بات نہیں۔ کون کس کے لائق ہے یہ ان کے گھر کا مسئلہ ہے ان کے لئے چھوڑ دو، تمہارے لئے میرا حکم ہے کہ فوراً آجاؤ......'' گلریز صاحب نے پوری قوت سے چلا کر حکم سے کہا۔

''سوری پاپا! پر میں ابھی نہیں آ سکتا۔ حوریہ میرے ذمے بہت سے کام لگا گئی ہے۔ آج بھی میں صبح سے مصروف تھا۔ ٹھیکیدار سے ملنا تھا، فرنیچر مارکیٹ جانا تھا، بجلی کے کنکشن کے سلسلے میں ایس ڈی

او صاحب سے ملنا تھا..... اور.....“

”بس، بس..... جو کچھ بھی ہے مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں..... تم فوراً آ جاؤ، میں شادی کی تاریخ طے کر رہا ہوں.....“ اس کا جملہ درمیان سے اچک کر انہوں نے روانی میں اس کی سماعت پر پھوڑ دیا..... وہ تقریباً اچھل پڑا۔

”واٹ.....؟“

”میں تمہاری نگار سے شادی طے کر رہا ہوں.....“ وہ چبا چبا کر بولے تاکہ وہ اچھی طرح سمجھ لے۔

”پاپا! یہ نہیں ہو سکتا..... میں نگار سے شادی نہیں کر سکتا یہ آپ کو علم ہے.....“ وہ مزاحمتی انداز میں بولا۔

”کیوں، کیا خرابی ہے اس میں.....؟“ انہوں نے پوچھا۔

”خرابی کوئی نہیں، بس مجھے نگار جیسی لڑکیاں اچھی نہیں لگتیں، مجھے معاف کر دیں۔“

”چلو اپنی پسند بتا دو.....“

”بتا دوں گا۔ فی الحال نہیں۔“

”خیر تم گھر تو پہنچو۔“

”پاپا! پلیز حوریہ کو آ لینے دیں، میں آ جاؤں گا.....“ اس نے منت کی۔

”مگر سلمان نہیں چاہتے کہ.....“

”آپ بس خاموش رہیں، حوریہ سے میری فون پر بات ہوئی تو بات کر لوں گا، آخر کو ذمہ دار ہے۔ اسے بتا کر ہی آ سکتا ہوں.....“ اس نے بڑا مناسب جواب دیا جو گلریز صاحب کو تسلیم کرنا پڑا۔

”ٹھیک ہے..... مگر یاد رہے کہ اس گھر سے ہمارا احترام کا رشتہ ہے۔“

”او کے بائے.....“ وہ ہنس کر بولا اور فون بند ہو گیا۔

○❖○

کھانے کی ٹرے ہاتھ میں اٹھائے اٹھائے گلاب دین تھک گیا۔ مگر وہ جانے کھلی آنکھوں سے خلا میں گھورتے ہوئے کیا سوچ رہا تھا؟ چہرے پر گہری جامد خاموشی تھی..... مگر آنکھوں میں ایک جہان آباد تھا، کسی بہت ہی سنجیدہ مسئلے پر الجھا ہوا تھا..... بارش کے بعد موسم کی تبدیلی سے کمرے کے حبس اور گھٹن میں کمی ہو گئی تھی۔ مگر موسم کی اس کیفیت کو بھی اس نے محسوس نہیں کیا تھا۔

”چھوٹے صاحب! چھوٹے صاحب!“ گلاب دین نے اب کی بار زور سے پکارا تو وہ چونکا۔

”ہنہ.....“

”کھانا ٹھنڈا ہو گیا ہے، کب سے میں لئے کھڑا ہوں۔“

”کھانا..... میرے لئے.....؟“

”جی ہاں، ڈاکٹر رحمان صاحب کا نوکر دے گیا ہے اور کہہ کر گیا ہے کہ کمرے میں ٹیلی فون کا کنکشن (کنکشن) چالو کر دیا ہے۔ آپ چاہیں تو بات کر لیا کریں۔“ گلاب دین نے ایک ہی سانس میں کہا۔

”دونوں میں سے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے مجھے.....“ اس نے آہستہ سے کہا۔

”خوامخواہ آپ پریشان ہو رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب آئیں گے تو ڈانٹیں گے۔ بڑے صاحب کی وجہ سے وہ آپ کا اتنا خیال رکھ رہے ہیں۔“

”گلاب دین میں سب تو نہیں چاہتا.....“ اس نے ہاتھ کے اشارے سے کھانا پرے رکھنے کو کہا۔ ”میں بہت چھوٹا آدمی ہوں، یہ بڑے صاحب کا تو نام بھی میرے حلق میں پھندا بن کر لٹک جاتا ہے۔“ وہ آہستہ سے بولا۔

”کیسی باتیں کرتے ہیں آپ..... آپ حوریہ بی بی کے شوہر ہیں، بڑے صاحب کے داماد ہیں۔“ گلاب دین نے گویا اس کو مطلع کیا..... وہ ہلکے سے ہنس دیا۔

”کون کیا ہے یہ تمہارے ذہن میں نہیں آ سکتا۔ تم خاموشی سے بیٹھ کر کھانا کھاؤ۔“

”کھانا تو میں آپ کے بعد کھاؤں گا۔ آپ پہلے تھوڑا سا کھا لیں.....“ گلاب دین نے پھر ٹرالی اٹھالی۔

”گھر سے کوئی نہیں آیا.....؟“

”نہیں..... آپ اب گھر فون کر سکتے ہیں۔“

”ہنہ..... مگر کس کو.....؟“ اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

”حمید سے..... گڑیا سے..... رضا صاحب سے.....“

”وہاں میری بات سمجھنے والا کوئی نہیں.....“

”چھوٹے صاحب! آپ مانیں یا نہ مانیں، گڑیا آپ کا بہت خیال کرتی ہے۔ آپ یہاں ہیں وہ پوری کوٹھی میں باؤلی کی طرح پھر رہی ہو گی.....“ گلاب دین نے اس کا دل مٹھی میں لے کر مسل ڈالا..... جسے وہ ذہن سے کھرچنا چاہ رہا تھا..... وہ ایک دم پھر یاد آ گئی..... بے اختیار ہی اس نے فون ملانے کو کہا..... گلاب دین نے نمبر ملانے کی بجائے جلدی سے ٹیلی فون اٹھا کر بیڈ پر رکھ دیا۔ اس نے کانپتی انگلیوں کے ساتھ نمبر ملایا۔

”ہیلو.....“

”ہیلو.....“ دوسری طرف سے رضا علی کی آواز آئی۔

”ہیلو، میں کرم داد بول رہا ہوں۔ گڑیا کو فون پر بلاؤ۔“ اس نے سپاٹ لہجے میں کہا..... رضا علی قہقہہ مار کے ہنستا چلا گیا۔

”یار! حد ہو گئی، گھٹیا پن کی۔ ایک ملازمہ کے لئے اتنے بے چین ہو.....“

"بکواس بند کرو، گڑیا کو بلاؤ......" وہ دانت پیس کر بولا۔

"بکواس آپ بند کریں۔ کیونکہ وہ آپ سے سخت نفرت کرتی ہے۔ نام نہیں سننا چاہتی۔ ویسے بھی کچھ کہنے سننے کو رہ بھی کیا گیا ہے، میں نے اسے حوریہ کے آنے تک روک رکھا ہے۔" وہ بھی ... کر بولا۔

"مجھے اس سے کسی محبت یا نفرت کی بحث نہیں کرنی، تم اس سے میری بات کراؤ۔"

"سوری کرم داد ڈیئر! اس وقت سب ملازم اپنے اپنے سرونٹ کوارٹر میں جا کر سو چکے ... مجھے تمہاری طرح سرونٹ کوارٹر میں گھسنے کی عادت نہیں ہے۔" وہ بہت طنزیہ لہجے میں شان ... دکھاتے ہوئے بولا۔ اس نے شدید غصے سے فون بند کر کے رکھ دیا...... چہرہ سرخ ہو گیا تھا، آنکھیں انگاروں کی مانند دہک رہی تھیں...... غصہ ضبط کرنے کے لئے اس نے انگوٹھے کا ناخن دانتوں سے کا... شروع کر دیا...... غصہ اس وقت رضا علی پر نہیں آ رہا تھا بلکہ گڑیا پر آ رہا تھا جس نے ایک بد فطرت انسان کو راز دے کر اس کا دشمن بنا دیا تھا۔ "سچ ہے...... بالکل سچ گڑیا بیگم! کہ نادان کی دوستی سے دشمن بہتر ہوتا ہے، تمہیں نہ میری محبت سمجھ میں آئی اور نہ میں...... ہمیشہ تم نے اپنی مرضی سے فیصلے کئے۔ ہوا کے رخ کے ساتھ اپنا رخ بدل لیا۔ میں نے ہی تمہیں سمجھنے میں غلطی کی......" اس کے لب ملے اور فقط اتنا ہی کہہ سکے۔

○❖○

"گڑیا! گڑیا......" رضا علی گاؤن میں ہی سلیپر کھینچتا ہوا اس کے کوارٹر کا دروازہ پیٹنے لگا...... وہ ابھی سوئی نہیں تھی کیونکہ بہت سے وسوسوں اور پریشانیوں نے اسے گھیر رکھا تھا...... اور پھر حمید بھی ابھی تک نہیں آیا تھا۔ حمید کی موجودگی میں اسے تسلی سی رہتی تھی...... رضا علی کے دروازہ پیٹنے پر وہ جلدی سے گھبرا کر اٹھی اور دروازہ کھول دیا۔ بجائے اس کے کہ وہ باہر سے اسے کچھ کہتا اندر آ گیا...... دروازے کے عین درمیان میں کھڑے ہو کر وہ سر سے پیر تک اسے تکنے لگا...... وہ جو گھبراہٹ میں دوپٹہ اوڑھنا بھول گئی تھی اس کی نظروں کی تپش سے ٹپٹا کر جلدی سے پلنگ کے قریب گئی اور دوپٹہ اٹھا کر جسم پر پھیلا لیا۔

"وہ گڑیا تمہارا فون......" وہ بولا۔

"میں...... میرا...... کس نے...... کیا صفیہ باجی نے......؟" وہ گومگو کی حالت میں پوچھنے لگی۔

"ارے نہیں نہیں...... چھوٹے صاحب کا ہے۔"

"چھوٹے صاحب کا......؟" وہ ایک دم خوش ہو گئی۔

"ہاں، چلو...... چل کر سن لو۔" وہ آگے آگے چلتے ہوئے بولا اور وہ دیوانوں کی طرح تقریباً ... ہوئی اس سے آگے نکل گئی...... ٹی وی لاؤنج میں پہنچ کر اس نے ٹیلی فون کی طرف دیکھا...... فون پر رکھا ہوا تھا...... پیچھے سے پہنچنے والے رضا علی نے اس کی یہ پریشانی دور کر دی۔

"حوریہ بی بی کے کمرے میں جو فون ہے اس پر بات کرو......" وہ انتہائی سادگی سے کہتا ہوا حوریہ کے کمرے کی طرف چل دیا۔ وہ سرتا پا لرز گئی...... جتنی خوشی میں قدم اٹھائے تھے، ایک دم جیسے من من کے ہو گئے...... بمشکل تمام مردہ قدموں سے چل کر وہ کمرے تک پہنچی...... دروازہ کھلا تھا...... اندر بے ہنگم موسیقی کا شور تھا...... مدھم روشنی تھی، وہ بالکنی میں کھڑا موسیقی سے لطف لے رہا تھا...... ریسیور میز پر ... کر وہ فون کے قریب گئی اور فون اٹھا لیا...... مگر کئی بار ہیلو، ہیلو کہنے کے باوجود کوئی آواز نہیں آئی ... چیخ چیخ کر ہیلو، ہیلو کرنے لگی...... مگر بے سود۔ تھک ہار کے اس نے اس کی طرف دیکھا اور اسے ... بتانا چاہا کہ کوئی بول نہیں رہا۔ کمرے میں ہونے والے شور نے اس کی ہر پکار دبا دی...... ریسیور رکھ دیا اور واپسی کے لئے قدم بڑھائے ہی تھے کہ اس نے پیچھے سے کندھوں پر بھاری ہاتھ رکھ ... پورا جسم جھنجھنا اٹھا۔

"کیا ہوا......؟" اس نے انجان بن کر پوچھا۔

"فون پر کوئی بولا ہی نہیں......" وہ کندھے پر سے ہاتھ ہٹا کر جلدی سے بولی۔

"واقعی...... مگر کرم داد کو میں ہولڈ کرنے کو کہہ گیا تھا...... وہ جانے کیا برا بھلا تمہیں کہہ رہا تھا کہ ... ہے، بدکردار لڑکی ہے، بچ کر رہنا۔ میں نے تو تمہاری حمایت میں خوب کھری کھری سنا ... وہ زیادہ بگڑنے لگا تو میں نے کہا کہ میں گڑیا کو بلا دیتا ہوں اس سے بات کر لو......" وہ خود کو ... سا ظاہر کرنے کے لئے معصومیت سے بولا۔

"وہ چھوٹے صاحب ہیں...... کچھ بھی کہہ سکتے ہیں......" نہ چاہتے ہوئے بھی دو نمکین قطرے ...وں سے بہہ نکلے۔

"ارے نہ، نہ...... تم آنسو نہیں بہا سکتیں۔ تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا، ہم ہیں نا تمہاری خدمت ..."

"بس جی! تابعداری تو ہمیں کرنی ہے، بلکہ ہم تو پیدا ہی تابعداری کے لئے ہوئے ہیں۔" ...تیزی سے کہہ کر اس نے نکلنا چاہا...... مگر وہ پھر سامنے آ گیا۔

"کہاں چل دیں، کچھ دیر بیٹھو......"

"جی، بس اجازت دیں......" وہ گھبرا رہی تھی۔ جلدی سے تھوک نگلتے ہوئے بولی۔

"ابھی تو رات باقی ہے۔ کچھ گپ لگاؤ......" اس نے بڑھ کر ڈیک کا بٹن آف کر دیا۔

"کیسی گپ......؟"

"کچھ اچھی، پیاری پیاری باتیں، یہاں بیٹھ کر......" وہ اس کا سرد ہاتھ تھام کر صوفے پر لے گیا۔

"میری طبیعت خراب ہے......" وہ کھڑی ہو گئی۔

"اچھا، میری بھی طبیعت خراب ہے، اس کا علاج صرف تمہارے پاس ہے۔"

"میرے پاس......؟"

"ہاں، سمجھا کرو، میں تمہارا مریض ہوں، آج تو علاج ہونا چاہئے۔"

وہ خوفزدہ سی بے ہوش ہونے کے قریب ہوگئی..... کوئی آج اس کی قید سے رہائی دلوانے والا نہ تھا، لیکن نہیں، قدرت کو اس پر رحم آگیا..... اس کی سادگی اور بے بسی پر ترس آگیا..... جس فون کو بہانہ بنا کر وہ اسے یہاں تک لایا تھا وہی فون زور زور سے چلانے لگا..... اسے بہت غصہ آیا۔ زور سے اسے فرش پر پٹخ کر فون کی طرف بڑھا..... ایسا دوسری مرتبہ ہوا تھا۔

"کون ہے بھئی.....؟" وہ جھنجلا کر چلایا۔

"ہیلو رضا ڈیئر، یہ تم ہو.....؟" دوسری طرف سے انتہائی حیرت کے ساتھ پوچھا گیا۔

"او، حوری..... حوریہ ڈارلنگ ہاؤ آر یو.....؟" وہ فوراً شرمساری سے بولا۔

"آئی ایم فائن۔ تھینک یو۔ لیکن یہ تو بتاؤ کہ کہاں غائب تھے صبح سے؟" حوریہ نے پوچھا۔

"وہی ہسپتال کے سلسلے میں گیا ہوا تھا، آج فرنیچر کا آرڈر دے دیا ہے، بجلی کے کنکشن کے لئے درخواست دے دی ہے، اور چھوٹے چھوٹے مسئلے مسائل تھے....." اس نے تفصیل بیان کی۔

"فار گاڈ سیک رضا! میں نے یہ سب سننے کو تمہیں فون نہیں کیا۔" وہ اٹھلا کر بولی۔

"تو پھر کیا سننے کو کیا ہے جان رضا؟" وہ شوخی سے بولا۔

"بہت اچھا موسم ہے..... اچھی اچھی باتیں کرو۔" وہ مخمور سے لہجے میں بولی۔

"حوریہ جان! کیوں مجھے ترساتی ہو۔ میں تو خود تمہیں بہت مس کر رہا ہوں۔"

"واقعی.....؟" وہ اترائی۔

"واقعی، دیکھ لو دیدہ و دل فرش راہ کئے ہوئے ہیں۔ تمہاری یادوں سے تنگ آ کر تمہارے کمرے میں موجود ایک ایک چیز کو سینے سے لگا کر دل بہلا رہا ہوں۔ حالانکہ کچھ دیر پہلے پاپا کا گرما گرم فون آیا تھا۔ وہ واپس بلا رہے تھے، مگر میں نے صاف انکار کر دیا کہ حوریہ آئے تو آؤں گا....." وہ جذب مستی کے عالم میں بولا۔

"اوہ تھینک یو جاناں..... رئیلی یو آر گریٹ۔ بس میں جلد آنا تو چاہتی تھی..... مگر ایسا ممکن نہیں کچھ دن اور لگ جائیں گے۔"

"اوہ نو....." وہ بیزاری سے بولا۔

"سوری..... ویری سوری ڈارلنگ، کوشش جلدی کی کروں گی....." وہ منانے کے سے انداز میں بولی۔

"او کے....." وہ نہ چاہتے ہوئے بھی افسردگی سے بولا۔

"اور سناؤ....."

"سب ٹھیک ہے، تمہارا بیمار ہسپتال میں ہے، اس کا نہیں پوچھو گی کیا.....؟"

رضا، بور مت کرو..... میری پوری کوشش ہے کہ امریکہ میرے درد کی دوا بن جائے اور شاید

بیہودہ انسان سے نجات پا لوں....." وہ نفرت آمیز لہجے میں بولی۔

"کیا مطلب..... کیسا درد..... کیسا علاج بھئی.....؟" وہ چونکا۔

"ہا، ہا، ہا..... پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میرا اصل علاج تمہارے پاس ہے، بس ویسے ہی بولا۔" اس نے ہنس کر اس کی پریشانی دور کی۔

"بس یاد رہے مائی ڈیئر کہ میں جناب کا بیمار ہوں....." وہ بولا۔

"او یس، یس..... ڈونٹ وری۔" وہ بولی۔

"اور گڑیا کا کیا حال ہے.....؟"

"بالکل ٹھیک ٹھاک، کسی عزیز سے ملنے گئی ہے۔"

"اور جس کام کے لئے گئی تھیں وہ ہوگیا یا نہیں.....؟"

"ایک دو روز تک ڈیل فائنل ہوگی، میں فون پر اطلاع دوں گی۔"

"او کے....."

"او کے بائے....." اس نے بھی جواب میں کہا۔

○❖○

"سلمان صاحب! کہاں کھوئے ہوئے ہیں.....؟" گلریز صاحب ٹی وی لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے بولے..... تو وہ جو پچھلے دو گھنٹے سے کسی سوچ میں الجھے ہوئے تھے چونک کر اٹھے، مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔

"ہمیں کہاں کھونا ہے، یہیں تھے۔ ایک مریض کی کیس ہسٹری بڑی پریشان کن ہے، اس کے بارے میں ہی سوچ رہا تھا۔"

"اللہ رحم کرے....." گلریز صاحب سنجیدگی سے کہتے ہوئے صوفے پر بیٹھ گئے۔

"بس اللہ رحم کیا کرے، جب انسان صحت مند ہوتا ہے تو ناشکری کرتا ہے، نہ کبھی رب کا شکر ادا کرتا ہے اور نہ اپنی صحت کو نعمت سمجھتا ہے، ہر طرح سے صحت کو متاثر کرتا ہے، جب پورا جسم کھوکھلا ہو جاتا ہے تو بستر پر پڑا اللہ کو بھی پکارتا ہے اور اپنی کوتاہیوں پر بھی پشیمان ہوتا ہے۔" سلمان صاحب سنجیدگی سے بولے۔

"بالکل سچ کہا تم نے..... انسان اتنا ہی کم عقل ہے۔"

"خیر، تم سناؤ کیسے غریب خانے کی قسمت جگائی.....؟" سلمان صاحب موڈ خوشگوار کرتے ہوئے بولے۔

"کوئی خاص نہیں، قریب سے گزر رہا تھا سوچا تم سے ملتا چلوں۔"

"نوازش....." سلمان صاحب مسکرائے۔

"خالی نوازش سے کام نہیں چلے گا، اچھی سی چائے پلواؤ....." گلریز صاحب نے کہا۔

"جناب آپ کی بھابی موصوفہ پچھلے بیس منٹ سے چائے کی تیاری کے سلسلے میں کچن میں مصروف ہیں، دیکھیں اس جنم میں چائے ملتی ہے یا پھر......"

"اسی جنم میں ملے گی......" ملازم کے ساتھ چائے کی ٹرالی کے ہمراہ شائستہ بیگم نے ان کی بات اچک کر کہا۔

"یہ ہوئی نا بات بھابی......" گلریز صاحب نے ہنس کر کہا۔

"سلمان تو منتوں میں نیتوں پر شک کرنے لگتے ہیں۔" صوفے پر بیٹھ کر انہوں نے کہا۔ ملازم ٹرالی ان کے قریب چھوڑ کر چلا گیا...... چائے کے ساتھ کافی اہتمام کیا گیا تھا...... سلمان صاحب نے عینک لگا کر شرارتی انداز میں ٹرالی کو دیکھا۔

"خیر ہے بیگم، اتنا تکلف......"

"روز ہی ہوتا ہے......" وہ چائے بناتے ہوئے بولیں۔

"روز ہم تو صرف چائے کا کپ یا پھر ایک آدھا نمکین بسکٹ کھاتے ہیں، یہ اتنی چیزیں تو......" انہوں نے شرارت سے آدھا جملہ چھوڑ دیا۔

"حد ہوگئی آپ کی بھی۔ ڈاکٹری ہدایت نامہ کچن میں لگا ہوا ہے کہ آپ کو کیا دینا ہے اور کیا نہیں یہ سب چیزیں اب بھی آپ کے لئے نہیں ہیں، گلریز بھائی کے لئے ہیں۔" شائستہ بیگم نے کپ گلریز صاحب کی طرف بڑھایا۔

"شکریہ بھابی......"

"چلو ہم تو آپ کے ظلم کے عادی ہیں۔" سلمان صاحب نے معصوم سا چہرہ بنایا...... وہ دونوں ہنس دیئے۔

"اور گلریز بھائی! آپ سنائیں۔" شائستہ بیگم ان کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"ہاں! کیا رہا رضا بیٹے کا......؟"

"ہوئی تھی میری بات، اس کا کہنا ہے کہ حوریہ آجائے تو پھر آجاؤں گا، کیونکہ حوریہ بیٹی اس کے ذمے کچھ ہسپتال کے کام لگا گئی ہے۔"

"کام تو ہوتے رہتے ہیں......" سلمان صاحب نے ذومعنی جملہ ادا کیا۔

"بہر حال میں نے اسے تاکید کر دی ہے کہ فوراً آؤ......" گلریز صاحب نے ان کا مطلب سمجھتے ہوئے کہا۔

"بھائی صاحب! دراصل بچوں کی عمر ایسی ہے جس میں پھونک پھونک کر ماں باپ کو قدم رکھنا پڑتا ہے۔" شائستہ بیگم نے کہا۔

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں بھابی۔ مگر میرا خیال ہے کہ آپ کو بھی حوریہ کو سمجھانا چاہئے تھا، شادی کے بعد رضا کی اس نے اتنی حوصلہ افزائی کی ہی کیوں؟" گلریز صاحب لہجے کا طنز نرمی سے دبا کے

بولے...... سلمان صاحب نے فوراً خشمگیں نگاہوں سے بیوی کو دیکھا۔ شائستہ بیگم شوہر کی نظروں کا مطلب بھانپتے ہوئے نظریں چرا سی گئیں۔

"یہی بات میں ہمیشہ بیگم صاحبہ کو کہتا تھا مگر ان پر کبھی اثر نہیں ہوا......" سلمان صاحب کو دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع مل گیا۔

"آپ کو کیا پتہ کہ میں اسے کتنا سمجھاتی ہوں......" وہ خفگی سے بولیں۔

"یہ آپ کا سمجھانا ہی تو ہے جو آج ہم اس قدر پریشان ہیں، وہ شریف آدمی ہسپتال میں ہے اور آپ کی لاڈلی امریکہ میں ہیں۔"

"خدا کے واسطے چھوٹی چھوٹی باتوں کو مسئلہ نہ بنالیا کریں۔" وہ جھلا کر بولیں۔

"شائستہ بیگم! چھوٹے چھوٹے مسائل بڑے بڑے مسئلوں کا پیش خیمہ ثابت ہوتے ہیں۔ آپ خواتین اپنی من مانیاں کر کے بعد میں ہمارے لئے مشکلات پیدا کرتی ہیں، نجانے اس قدر ناقص العقل کیوں ہیں آپ لوگ......؟" سلمان صاحب نے تند لہجے میں جواب دیا...... وہ مزید سیخ پا ہوکر ساڑھی کا پلو سنبھالتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف چلی گئیں۔ کچھ دیر کو فضا بہت مکدر سی ہوگئی...... وہ دونوں دھیرے دھیرے چائے پی رہے تھے۔

"یار سلمان! میرے ہاں بھی بالکل یہی صورت حال ہے۔ دونوں ماں بیٹے مل کر میرے خلاف محاذ بنا لیتے ہیں۔ ماں کے لاڈ اور رورعایت نے رضا کو اتنا بگاڑا ہے......" گلریز صاحب نے سنجیدگی سے کہا۔

"اور پھر جب بچے تباہ ہوتے ہیں تو سب سے زیادہ یہ مائیں روتی، تڑپتی ہیں۔" سلمان صاحب نے تاسف سے کہا۔

"اچھا یار! اللہ مالک ہے۔ اب کیا کر سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ بچوں کو سیدھی راہ دکھائے۔" گلریز صاحب اٹھتے ہوئے بولے۔

"چل دیئے......؟"

"ہاں، کافی دیر ہوگئی، کہیں ایسا نہ ہو کہ بیگم صاحبہ جاتے ہی حملہ کر دیں......" گلریز صاحب نے شرارت سے کہا تو سلمان صاحب کا قہقہہ فضا میں گونج اٹھا۔

○❖○

ناشتے کے بعد تمام گندے برتن سنک میں جمع کر کے اس نے دھونے شروع کئے ہی تھے کہ حمید نے باہر سے ہانک لگائی۔

"گڑیا! او گڑیا! تیری بہنیں آئی ہیں......" اس کا دل خوشی سے اچھلا، جلدی سے الٹے سیدھے ہاتھ دھوئے اور بھاگتی ہوئی باہر نکل آئی...... برآمدے میں بچھی کرسیوں پر صفیہ باجی اور ثریا باجی کو دیکھ کر شدت جذبات سے اس کی پلکیں بھیگ گئیں۔ دوڑ کر ان کے قریب پہنچی۔

''صفیہ باجی، ثریا باجی......'' وہ پکار کر ان دونوں سے ایک ساتھ لپٹ گئی۔

''گڑیا! گڑیا تُو کیسی ہے؟'' ثریا نے رندھے ہوئے گلے سے پوچھا۔ بے اختیار اسے چومتے ہوئے، پیار کرتے ہوئے وہ ضبط نہ کر سکی اور چیخیں مار مار کے رونے لگی۔

''گڑیا! کیا بات ہے......؟'' صفیہ باجی نے تشویش سے بہن کو گلے سے لگا لیا۔

''باجی! میں پیدا کیوں ہوئی تھی......؟'' وہ روتے روتے بے حال ہو گئی۔

''پگلی یہ کیا بات ہوئی......'' صفیہ نے نرمی سے اسے سینے سے بھینچتے ہوئے کہا۔

''باجی ٹھیک کہتی تھیں کہ ہمارے مقدر کی کالی رات میں کوئی روشنی کی کرن کبھی پیدا نہیں ہوگی۔''

''پیاری بہنا! یہ بالکل ٹھیک ہے......'' اداس سی ثریا نے اکھڑی اکھڑی سانسوں کے درمیان کہا۔ اس نے غور سے بھیگی پلکوں کے پیچھے سے ثریا کے زرد چہرے اور سوکھ کر کانٹا ہو جانے والے وجود کو دیکھا۔ وہ سخت بیمار لگ رہی تھی۔

''ثریا باجی! تم ٹھیک تو ہو......؟''

''ہنہ...... ہاں...... بس ذرا بخار ہو گیا تھا پچھلے میں......'' وہ بناوٹ سے مسکراتے ہوئے بولی۔

''لیکن مجھے تو......''

''اس کے ہاں جلدی جلدی بچوں کی پیدائش ہوتی رہی۔ اس وجہ سے کمزور ہو گئی ہے۔'' صفیہ نے دانستہ چھوٹا سا بہانہ بنا کر اس کی توجہ ٹی بی زدہ ثریا سے ہٹائی۔ وہ اسے کیسے دکھی کر دیتی کہ ثریا مفلسی، بچوں کی کثرت اور شوہر کی جہالت کے صدمے سہتے سہتے گیلی لکڑی کی مانند سلگ سلگ کر راکھ ہو رہی تھی۔ دل کے ارمان، آرزوئیں سب کی سب حلق سے نکلتے بلغم کی شکل میں ختم ہوتی جا رہی تھیں۔

''مگر یہ ایسی بیمار بیمار کیوں دکھائی دے رہی ہیں......؟'' اس نے دونوں ہاتھوں کے پیالے میں ثریا کا زرد چہرہ لے کر کہا...... اسی لمحے ثریا کی سانس اکھڑنے لگی۔ کھانسی کا دورہ پڑ گیا...... اور سب کچھ سامنے آ گیا۔

''ک...... ک...... کچھ نہیں ہے گڑیا...... بس ذرا کھانسی رہتی ہے۔'' ثریا نے کھانسی کے دوران تسلی دی۔

''لیکن کیوں باجی...... آپ تو اپنے گھروں میں ہو...... اماں ابا کی پسند کے گھروں میں۔'' وہ بولی۔

''گڑیا! ابا، اماں کی پسند کے گھروں میں نہیں بلکہ قسمت کی پسند کے گھروں میں۔ تقدیر کی بے رحمی کا شکار ہوتے ہوتے جب دھوپ منڈیروں سے اتر کر ہمارے بالوں میں سما گئی تو ہمیں وہ جہنم ہنستے مسکراتے قبول کرنی پڑی، ہم بالکل خاموشی سے ایسے اس زندان میں اتر گئیں جیسے ایک ڈربے میں جتنی چاہو مرغیاں بند کر دو......'' ثریا کی جگہ صفیہ دکھ سے ٹھہر ٹھہر کر بولی تو اسے اشکوں پر ضبط نہ رہا

اور آنسو بہانے لگی۔

''مگر غفور بھائی تو بہت اچھے ہیں...... بہت اچھے تھے......''

''ہنہ......'' ثریا کرب سے ہنسی اور بولی۔ ''کتنا جانتی ہے تُو اسے۔ ایک دو دفعہ سے زیادہ نہیں، دیکھنے میں تو وہ بالکل ٹھیک ہے، مگر اندر سے بہت کڑوا۔ شاید تُو بھی ٹھیک کہتی تھی کہ غریب ایک ہی شکل اور مزاج کے کیوں ہوتے ہیں......؟''

''ثریا باجی! تم دکھی مت ہو۔ میں غفور بھائی کی منت کروں گی۔'' وہ پیار سے اس کے ہاتھ چومتے ہوئے بولی۔

''اب کیا منت کرنی، زندگی گزر گئی۔ صرف چند سانسیں بچی ہیں...... وہ...... بھ...... بھی...... جلد...... جلدی......'' اس کی سانس اکھڑ گئی۔ کھانسی کا شدید دورہ پڑ گیا۔ صفیہ اس کا سر اپنی گود میں رکھ کر رو پڑی...... گڑیا کی تو جیسے جان نکلنے لگی۔

''ایسا مت بول باجی!''

''غم تو یہ ہے کہ یہ ہماری آنکھوں کے سامنے موت کی دہلیز تک پہنچ گئی مگر ہم اس کے لئے کچھ نہ کر سکے...... اب ڈاکٹروں نے جواب دے دیا۔'' صفیہ نے کہا۔

''بچے...... بچے ٹھیک ہیں......؟'' وہ بولی۔

''بچے ہوئے تو کثرت سے مگر زندہ ایک بھی نہ رہا۔ اسی بات پر غفور اس سے لڑتا جھگڑتا ہے۔''

''مگر غفور بھائی کے پہلے بچے بھی تو ہیں۔''

''ہاں! پانچ بچے ہیں۔ مگر غفور جیسے مردوں کی ذہنیت کون بدلے۔ اس نے ڈھیرے ڈھیرے ثریا کو ٹی بی لگا دی۔ حالانکہ یہ اس کے پانچ بچوں کو اپنا جان کر ہر طرح سے خیال رکھتی ہے۔ ایک وقت کی روٹی بھی پوری نہیں ہوتی غفور جیسے مردوں کے پاس مگر دماغ بہت ہوتا ہے...... تیری ساری باتیں اب ہمیں سچی لگتی ہیں کہ اسلم اور غفور، کسی میں کوئی فرق نہیں......'' صفیہ نے ثریا کی تکلیف کی وجہ پوری بیان کر دی۔

''فرق تو باجی کہیں بھی نہیں ہے...... میں سچ نہیں کہتی تھی...... پہلے بھی خود کو دھوکہ دیتی تھی اور اب بھی......'' بہنوں کو دکھی نہ کرنے کی وجہ سے وہ کمال ضبط سے اپنا دکھ چھپا گئی۔

''تُو بھی کمال کرتی ہے...... ان بیچاریوں کو کوارٹر میں ہی لے جا، میں چائے لاتا ہوں۔'' حمید چائے تیار کر کے کچن سے سیدھا برآمدے میں آ کر بولا تو وہ واقعی ہوش و حواس کی دنیا میں لوٹ آئی۔

''ہاں، میں بھول گئی تھی۔'' وہ جلدی سے ثریا کو سہارا دینے لگی...... حمید کچن کی طرف واپس مڑ گیا۔ اسی اثنا میں رضا علی سیٹی بجاتا ہوا آ گیا...... ان تینوں کو دیکھ کر وہ ٹھٹکا۔

''رضا صاحب! یہ میری باجی صفیہ ہیں اور یہ ثریا باجی ہیں......'' اس نے جلدی سے تعارف کرایا...... اس نے سر سے پاؤں تک ان کی غربت کا جائزہ لیا اور پھر مکاری سے مسکرا دیا۔

''اچھا...... تو یہاں کیوں بٹھا رکھا ہے۔ اندر ٹی وی لاؤنج میں بٹھاؤ۔''

''یہ بیمار ہیں۔ بس ہم جا رہے ہیں......'' صفیہ باجی نے اکھڑی اکھڑی سانس لیتی ثریا کو سہارا دیتے ہوئے کہا۔

''ارے کمال کرتی ہو، تم گڑیا کی مہمان ہو، گڑیا ہماری خاص ملازمہ ہے۔ بغیر خاطر تواضع کے کیسے جا سکتی ہو......'' وہ بولا۔

''نہیں صاحب! میری طبیعت بہت خراب ہو رہی ہے، ہمیں جانے دو......'' ثریا نے [illegible] کہا۔

''بھئی اندر چلو، ڈاکٹر کو بلا لیتے ہیں......'' وہ پھر بھی مصر رہا۔ گڑیا کو فوراً امید کی کرن نظر آئی [illegible] کی صحت کے لئے وہ جلدی سے بولی۔

''سچ صاحب جی؟''

''ہاں، ہاں...... اندر چلو...... مجھے تفصیل سے بتاؤ کہ انہیں کیا تکلیف ہے۔ ابھی ڈاکٹر بلا لیتے ہیں۔'' وہ وثوق سے بولا...... وہ فوراً ثریا کے بائیں طرف سہارا دینے کو آ گئی۔ صفیہ کی مدد سے ثریا کو ٹی وی لاؤنج تک پہنچایا...... وہ بھی ساتھ ساتھ چلتا رہا۔

''صاحب جی! ثریا باجی کو ٹی بی ہے، اور یہ حال دیکھ لیں۔ ان کا کس قدر برا حال ہے۔''

''پریشان مت ہو...... ابھی ڈاکٹر بلا لیتے ہیں۔ پھر جو ڈاکٹر صاحب کہیں گے ویسا کر لیں گے۔''

''یہ ٹھیک ہے...... اللہ آپ کو خوش رکھے......'' وہ معصومیت سے دعائیں دینے لگی۔ رضا علی نے عیاری سے اس کے معصوم چہرے پر نظر ڈالی اور ٹیلی فون کی طرف بڑھ گیا۔ گڑیا دل ہی دل میں اسے دعائیں دینے لگی۔

''گڑیا! بہت دیر ہو جائے گی۔ غفور بہت بگڑے گا، میں چوری چھپے آئی ہوں۔'' ثریا بولی۔

''کچھ نہیں ہوتا...... اب ڈاکٹر کو آ لینے دو۔ صفیہ باجی غفور بھائی کو سمجھا دیں گی۔''

''اس گھر میں کوئی کسی کی نہیں سنتا۔ میرا اور ثریا کا غم ایک ہی ہے۔ بالکل معمولی سے فرق کے ساتھ، میرے اعصاب شاید بہت مضبوط ہیں اس لئے دیمک نہیں لگی۔ دوسری بات یہ کہ اللہ نے میرا بیٹا سلامت رکھا ورنہ میں بھی خون تھوک رہی ہوتی......'' صفیہ نے اپنے دل کے آبلے دکھائے۔

''کیا بڑے بھائی بھی غفور بھائی جیسے ہیں......؟''

''ظاہر ہے......'' صفیہ کرب سے مسکرائی۔ گڑیا کا دل کٹ کے رہ گیا...... رضا علی نے ڈاکٹر کو آنے کے لئے کہہ کر ان سے رجوع کیا۔

''گڑیا! تم نے پہلے کہا ہوتا تو کم از کم ان کی یہ حالت نہ ہوتی۔'' اس نے ہمدردی جتائی۔

''رضا صاحب! میں تو مدتوں بعد ان سے ملی ہوں۔'' گڑیا بولی۔

''خیر تم لوگ آرام سے بیٹھو، چائے پیئو۔ جب ڈاکٹر صاحب آ جائیں تو مجھے اطلاع دے دینا۔''

[illegible] چائے لاتا دیکھ کر وہ اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

○❖○

[illegible] تاریک گلیوں سے گاڑی نکالنا سخت دشوار تھا، مگر رضا علی، گڑیا پر اپنا اعتماد بحال کرنے کے [illegible] ناپسندیدہ کام بھی مسکرا کر رہا تھا۔ ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی وہ معصوم سی صورت پر خوشی اور تشکر کے [illegible] بات سے یہ بات بخوبی سمجھا رہی تھی کہ بہن کے علاج کے لئے شاید رضا علی ہی مسیحا ہے۔ کیونکہ [illegible] بھرپور معائنہ کے بعد اس نے شہر کے اس بڑے ڈاکٹر کا نام اور ہسپتال کا نام معلوم کیا تھا۔ [illegible] کل شام کا وقت لے لیا تھا۔ رضا نے اس کے پھڑپھڑاتے دل اور رم جھم برستی آنکھوں کا [illegible] کا تھا اپنی تسلی بھری باتوں سے...... اب وہ پوری طرح مطمئن تھی۔ پچھلی سیٹ پر صفیہ کی گود [illegible] نڈھال پڑی ثریا باجی کو وہ مسکرا کر دیکھ رہی تھی، اس یقین کے ساتھ کہ کل ڈاکٹر سے ملتے ہی وہ [illegible] ہو جائیں گی۔

''بہت گندا اور غلیظ محلہ ہے، میرا پوری زندگی میں اس طرح کے محلے سے گزر نہیں ہوا۔'' [illegible] گٹر کے پانی سے بھرے گڑھے نے ٹائروں سے جونہی تعفن زدہ چھینٹے اڑائے تو وہ ناگواری سے [illegible] مگر چہرہ اس نے ناگوار نہیں بنایا...... اسی لئے معصوم گڑیا کچھ نہ سمجھ سکی البتہ صفیہ باجی نے محسوس [illegible] کیا۔

''صاحب جی! کوئی حیرت کی بات نہیں۔ آپ سچ کہہ رہے ہیں۔ یقیناً آپ جیسے لوگ ایسے غلیظ [illegible] محلوں سے نہیں گزر سکتے، لیکن ہم جیسے لوگ ایسے محلوں کی زندگی کا حصہ ہیں۔ ہماری ہر نسل ان گندے [illegible] تاریک محلوں سے پروان چڑھتی ہے۔ غریب کی زندگی کتنی تاریک اور بے بس ہوتی ہے اس کا اظہار [illegible] غیر روشنی کی یہ تنگ گلیاں خود کرتی ہیں۔''

''سوری، میرا مطلب آپ کو پریشان کرنا نہیں تھا۔'' وہ جلدی سے بولا۔

''بس آپ یہیں اتار دیں، آگے راستہ اور زیادہ خراب ہے۔'' صفیہ نے کہا۔

''نہیں، نہیں...... یہ کیسے ہو سکتا ہے، بیمار کی حالت ایسی کہاں کہ آپ پیدل چلائیں۔'' وہ بڑی [illegible] اپنائیت سے بولا۔ گڑیا خوش ہو کر صفیہ کی طرف مڑ کر بولی۔

''باجی! رضا صاحب بہت اچھے ہیں، آپ فکر نہ کریں۔'' رضا علی نے مکاری سے ہونٹ دبا کر [illegible] اطمینان کا سانس لیا۔ وہ ہر صورت اسے شیشے میں اتارنا چاہتا تھا، اس کا موہوم سا وجود عرصے سے اس [illegible] کے دل میں چٹکیاں لے رہا تھا، پہلی مرتبہ اسے دیکھ کر جو ریشمی سا احساس اس کے من میں جاگا تھا اور [illegible] کرم داد نے جتنی شدت سے تھپڑ اس کے منہ پر رسید کیا تھا وہ اسے اب تک یاد تھا۔ اس وقت بھی [illegible] ہاتھ وہ رخسار پر پھیرنے لگا۔

''بس، بس...... یہیں روک دیں۔'' ایک کھنڈر نما مکان کے سامنے صفیہ نے گاڑی روکنے کو کہا تو [illegible] نے جھٹکے سے گاڑی روک دی...... پہلے صفیہ گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکلی، پھر گڑیا اور رضا علی

اترے۔ دونوں نے ثریا کو سہارا دے کر باہر نکالا۔ وہ نیم مُردہ سی ہو چکی تھی۔ تیز تیز سانس چل رہی تھی۔ صفیہ نے جلدی سے لکڑی کا بوسیدہ دروازہ کھولا اور اندر گھس گئی۔ اس کے پیچھے ہی گڑیا اور علی ثریا کو لئے اندر آ گئے..... صحن میں جھلنگے سے پلنگ پر لیٹے بھدے سے غفور کے بدن میں کرنٹ دوڑ گیا۔

''کس عاشق سے ملوانے لے گئی تھیں بھابی صاحبہ میری بیوی کو.....؟''

''غفور بھائی! میں گڑیا ہوں، باجی کی طبیعت خراب ہو گئی تھی اس لئے.....''

''بس بس..... اس کے چلتر میں خوب سمجھتا ہوں.....'' غفور نے شدید غصے میں ثریا کو گڑیا کے بازوؤں سے کھینچا اور اسی پلنگ پر پٹخ دیا جس پر کچھ دیر پہلے وہ خود لیٹا تھا..... ثریا کی پھر ہچکولے کھانے لگیں..... گڑیا اور صفیہ سب کچھ بھول بھال کر اس پر جھک گئیں۔

''یہ..... یہ..... پانی.....'' ثریا کے خشک لب پھڑ پھڑائے۔ صفیہ پانی لینے کو لپکی۔

''مرتی ہے نہ جان چھوڑتی ہے، بیمار، بانجھ سر منڈھ دی۔'' غفور پھنکارتا ہوا اندر کمرے میں گیا۔ رضا علی حیرت سے سب کچھ دیکھ رہا تھا..... کمرے کے ساتھ دیوار سے لگے سات آٹھ بچے سہمی نظروں سے سب کچھ دیکھنے میں رضا کا ساتھ دے رہے تھے۔

''ثریا! ثریا! پانی.....'' صفیہ نے گلاس اس کے ہونٹوں سے لگایا مگر اس کی تو جیسے سانسیں اکھڑ رہی تھیں۔ کھانسی کے شدید دورے کے ساتھ ڈھیر سارا بلغم خون کے ساتھ بہہ نکلا..... ثریا کی حالت غیر ہونے لگی۔

''رضا صاحب! آپ جائیں، میں کل آ جاؤں گی۔ ثریا باجی کو اس حال میں چھوڑ کر کیسے جاؤں؟'' وہ روتے ہوئے بولی..... رضا علی نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

''گڑیا! اگر تم کہو تو انہیں ہسپتال لے چلتے ہیں۔''

''نہ..... نہ..... نہیں..... اب کچھ فائدہ نہیں.....'' ثریا کھانستے کھانستے بولی۔

''کل میں آؤں گا۔ شام میں ڈاکٹر سے وقت لے رکھا ہے۔'' رضا علی نے انتہائی ہمدردانہ مظاہرہ کیا تو گڑیا دل ہی دل میں اس کی اچھائی کی قائل ہو گئی۔ متشکر ہو گئی۔ اسے یقین ہو گیا کہ رضا صاحب ایک اچھے انسان ہیں۔ اور یہی اس کا یقین رضا علی کی کامیابی تھی۔ اپنے اعتماد کی جڑیں مضبوط کرنے کے لئے جاتے جاتے چار ہرے ہرے نوٹ اس کی مٹھی میں دبا گیا جنہیں ثریا آنکھوں سے دیکھتی رہی۔

○❖○

''بیٹا! سمجھنے کی کوشش کرو.....'' سلمان صاحب کافی دیر کی منت سماجت کے بعد بے بس ہو کر بولے تو اس نے اپنا لہجہ نرم کر لیا۔

''میرے یہاں رہنے سے یا گوجرانوالہ رہنے سے فرق ہی کیا پڑتا ہے.....؟''

''مجھے علم ہے تم حوریہ سے ناراض ہو..... اسے واقعی ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ مگر کیا، کیا جائے۔ مغربی ماحول نے اسے ایسا بنا دیا ہے۔'' سلمان صاحب نے ہلکی سی ندامت سے کہا۔

''مجھے کوئی شکایت نہیں ہے کیونکہ حوریہ میری منزل نہیں.....'' وہ بے باکی سے کہہ گیا۔ سلمان صاحب لرز سے گئے۔ ان کے ذہن میں فوراً رضا علی کھٹکنے لگا۔ انہیں یقین ہو گیا کہ کرم داد رضا علی اور حوریہ کے تعلق سے ایسا کہہ رہا ہے۔

''بیٹا! تم غلط سوچ رہے ہو، حوریہ کو آ لینے دو اس بار میں بات کروں گا۔''

''کون سی بات.....؟''

''جیسا تم چاہتے ہو، جو تمہیں شکوہ ہے۔'' وہ بولے۔

''میں ایک ہارا ہوا انسان ہوں۔ نہ کوئی منزل ہے نہ ٹھکانہ، نجانے کہاں چل دوں۔'' وہ زیر لب بڑبڑایا۔ سلمان صاحب سن نہ سکے۔

''کیا کہہ رہے ہو بیٹا؟''

''جی کچھ نہیں.....''

''تو پھر صبح شجاع کو بھیج رہا ہوں اس کے ساتھ آ جاؤ۔ جب تک حوریہ نہیں آتی ہمارے پاس رہو۔ میں خود تمہاری دیکھ بھال کروں گا۔ میری ڈاکٹر رحمان سے بات ہو گئی ہے۔ اب تم خطرے سے باہر ہو۔''

''کیا یہ بہت ضروری ہے.....؟'' اس نے سوال کیا۔

''ہاں!'' وہ بولے۔

''کیوں.....؟''

''اس لئے کہ وہاں کون تمہاری دیکھ بھال کرے گا۔ ملازموں پر پڑے رہنے سے کیا حاصل۔'' انہوں نے کہا۔

''ٹھیک ہے، ورنہ میں کہیں اور جانا چاہتا تھا.....''

''پاگل مت بنو، حالات بہتر ہونے کا انتظار کرنا اچھی بات ہے، تم ایک بہادر انسان ہو، ہمت سے مقابلہ کرو.....'' سلمان صاحب نے اپنے تئیں ہمت بندھائی۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ اس کا اصل مسئلہ کیا ہے.....؟ ان کے نزدیک تو حوریہ کا سب کیا دھرا تھا۔

''آخر کار جانا تو مجھے ہے ہی.....'' وہ شکستہ خوردہ سا بولا۔

''اچھا اچھا، فی الحال ہمارے پاس آؤ۔ پھر دیکھا جائے گا۔''

''ٹھیک ہے.....'' اس نے دھیرے سے کہا۔

''اللہ حافظ۔''

''اللہ حافظ.....'' سلمان صاحب نے فون بند کر کے لمبی سانس بھری۔ شائستہ بیگم نے انہیں بغور

دیکھا اور پھر آہستہ سے بولیں۔

''آ رہا ہے کیا......؟''

''ہنہ......'' انہوں نے مختصر سا جواب دیا۔

''کیا آنا نہیں چاہ رہا تھا......؟'' شائستہ بیگم نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''شائستہ بیگم! جب رشتوں کے درمیان بداعتمادی آ جائے تو پھر ایسا ہی ہوتا ہے، کیا ہے اُس نوجوان کے پاس ہمارے رشتوں کا بھرم، کیا آ کر وہ یہاں لے۔ ہم دونوں تو اس کے کسی جواب بھی نہیں دے سکتے۔ وہ خود سے بھی نظریں چرا رہا ہے۔ بالکل حق بجانب ہے، کیا دیا ہے ہم نے اسے، حوریہ کی شکل میں اضطراب، بے چینی، تنہائی نے ایک وجیہہ، قوی نوجوان کو ناکارہ اور نکما کر دیا۔ کوئی کام کاج نہیں اس کے پاس۔ دولت کے زور پر شوہر خرید کر قید کر لیا۔ کیا دنیا بھر کے داماد اس طرح زندگی گزارتے ہیں......؟'' سلمان شدید مشتعل ہو کر چلانے لگے۔

''تو کیا کر سکتا ہے وہ۔ مزے میں ہے، اور کیا چاہئے؟ حوریہ نے تو اس کی قسمت چمکا دی۔'' شائستہ بیگم ناک بھوں چڑھا کر بولیں۔

''غلط فہمی ہے آپ کی۔ اچھا بھلا ڈسپنسر کا کورس کر لیتا، ذہین اور محنتی نوجوان تھا۔''

''اب فضول بحث سے کیا حاصل......؟''

''اب بہتری چاہتی ہو، حوریہ کا گھر بچانا چاہتی ہو تو اس کے آنے پر خوب آؤ بھگت کرو۔ اس کا دل بہلاؤ......'' انہوں نے تاکید کی تو وہ سر ہلا کر دل ہی دل میں برا بھلا کہنے لگیں۔ جس کی وجہ سے یہ دن دیکھنا پڑ رہا تھا...... ورنہ کہاں وہ اور کہاں کرم داد۔

''میں کرم داد کا کمرا صاف کرواتی ہوں......'' وہ اٹھتے ہوئے بولیں۔

''ایسا کرو اپنے بیڈ روم کے ساتھ والا کمرا صاف کروا دو، اسے سیڑھیاں اترنے چڑھنے میں دشواری ہو گی۔ میں بھی آتا جاتا چیک کرتا رہوں گا۔''

''ٹھیک ہے۔''

''ذرا چائے بھجوائیں، سر میں درد ہو رہا ہے۔'' انہوں نے سر صوفے کی پشت سے ٹکاتے ہوئے کہا۔

''ہزار بار کہا ہے کہ ٹینشن نہ لیا کریں، مگر اثر ہی نہیں ہوتا۔'' وہ بڑبڑاتی ہوئی کچن کی طرف چلی گئیں۔

O❖O

حالات کی ستم ظریفی جیت گئی۔

اور غربت کی دہلیز پر ثریا زندگی ہار گئی...... کچھ بھی تو نہیں ہوا۔ سب کچھ ویسے کا ویسا ہی تھا، سہمے سہمے میلے کچیلے بچے گڑیا اور صفیہ کی بے آواز سسکیاں سن رہے تھے۔ سینے میں طوفان اٹھاتے بین تو ان

کے پوشیدہ تھے۔ غفور اور بڑے بھائی پر تو گویا اثر ہی نہیں ہوا تھا۔ خاموشی سے ثریا کے کفن دفن کا انتظام کیا اور بعد نماز ظہر محلے کے چند افراد کے ساتھ میت لے جا کر دفنا آئے۔ نہ کوئی چیخا، نہ کوئی میت کے پلنگ سے لپٹا نہ کوئی تڑپتا ہوا دروازے تک آیا۔ آتا بھی کون، صفیہ کی گود میں منہ چھپائے گڑیا آنسو بہا رہی تھی۔ اس کی غم خوار، ہمنوا پیاری بہن رخصت ہو گئی اور وہ کچھ بھی نہ کر سکی۔ اچھا ہی ہوا، اسے زندگی نے دیا ہی کیا تھا۔ بے بسی اور ذلت کی زندگی سے تو موت ہی بہتر ہوتی ہے۔ صفیہ نے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے ڈھیروں سکون اس کے اندر اتار دیا...... روتے دھوتے تو عمر گزری تھی۔ کون سی نئی بات تھی۔ محلے سے آئے نمکین چاولوں کا نوالہ اس نے اس کے منہ میں دیا تو گڑیا چیخیں مار کے رونے لگی۔ رکا ہوا طوفان قیامت مچا گیا۔ صفیہ کی چیخیں بھی ضبط کی حدیں توڑ گئیں...... ثریا کا چہرہ چھپ گیا اور وہ کھانا کھائے یہ سوچ کر ہی وہ بے حال ہو گئی...... مگر یہ تو انسانی فطرت ہے۔ قبر کی گود بھرتے ہی انسان اپنے شکم کو بھرنے کی فکر کرتا ہے، ایک لقمہ بھی حلق سے نیچے اتر گیا تو سب کچھ بھول گیا۔

''میری جان! یہ تو کھانا ہی ہے۔ آج نہیں تو کل۔'' صفیہ نے اس کا چہرہ چوما۔

''ثریا باجی نے اتنی جلدی کی۔ مجھے ملتے ہی چلی گئیں۔'' وہ دیوانوں کی طرح رونے لگی۔

''اچھا ہی ہوا اسے بھی سکون مل گیا اور ہمیں بھی......'' صفیہ نے کچھ فاصلے پر بیٹھے غفور کو گھورتے ہوئے کہا جو بڑے بڑے نوالوں سے منہ بھر رہا تھا۔

''کاش وہ پہلے مل جاتیں۔''

''او بس بس، پہلے کون سی توپ چل جاتی۔ یہ رونا دھونا بند کرو۔ ہمیشہ کی بیمار تھی وہ۔ صحت مند ہوتی تو زندہ بچے نہ پیدا ہو جاتے۔'' غفور نے پلیٹ کے چاول ختم کر کے اپنی قمیض کے کونے سے منہ صاف کرتے ہوئے کہا۔

''پہلی فوج کیا کم تھی جو ہر وقت میری بہن کو چھلنی کرتے رہتے تھے۔ اتنے ہی بچے چاہئیں تھے تو دوسری شادی کر لیتے۔'' گڑیا کو شدید غصہ آ گیا۔ غفور نے گھور کر اسے سر سے پاؤں تک دیکھا اور خباثت سے مسکرا کر بولا۔

''اب کون سا وقت گیا ہے...... کر لوں گا شادی۔''

''گڑیا! چل اندر چل، کچھ مت بول۔'' صفیہ نے گڑیا کا ہاتھ پکڑ کر کمرے کی طرف کھینچا۔ جب تک وہ اندر کمرے میں نہیں چلی گئی، غفور اسے گھورتا رہا۔

''مت منہ لگ اس کے۔ یہ حیوان ہے۔ بس جیسے ہی رضا صاحب آئیں، تُو یہاں سے چلی جا۔'' صفیہ نے کہا تو وہ پھٹ پڑی۔

''کہاں...... کہاں باجی...... بھاگتے بھاگتے تھک گئی ہوں، کہاں ہے میرے لئے امان نہ یہاں، نہ وہاں...... کوئی جگہ اور ٹھکانہ نہیں ہے میرا۔ تم میرے بدن اور روح کے زخم نہیں دیکھ سکتیں۔'' وہ

سسکیاں لینے لگی۔

''جانتی ہوں، مجھ سے زیادہ کون جان سکتا ہے، مگر مجبوری ہے۔ زندگی تو گزارنی ہی ہے کچھ بھی ہے وہ تیرا نصیب ہے، یہاں رہنا بیوقوفی ہے۔'' صفیہ نے دھیرے سے سمجھایا۔

''فی الحال میں کہیں نہیں جاؤں گی۔ میری ثریا باجی کی صورت دکھائی دیتی ہے دیواروں میں۔'' اس نے صاف انکار کر دیا۔ صفیہ نے اس کا چہرہ گود میں چھپا کر آنکھوں میں آنسو ضبط کر لئے۔

''تجھے کیا معلوم گڑیا! ثریا کے چہرے پر جاتے سمے کتنا سکون اور قرار تھا۔ اس سے پہلے کبھی اسے یوں خاموش اور پُرسکون نہیں دیکھا...... ہمیشہ جلتے کڑھتے، روتے پیٹتے دیکھا۔ کے آنسو صاف کئے تو کبھی اپنا دکھڑا سنایا۔ دونوں میں سے کوئی بھی تو خوشحال نہیں تھا۔ نے جس ثریا اور صفیہ کو دیکھا ہے وہ خود آنسو بہا رہی ہیں۔ ثریا تو فقط تیرے میرے دل تک باقی اس کو یاد کرنے والا کوئی نہیں۔'' صفیہ نے دکھ سے سوچا...... رات بھر کی جاگی گڑیا اس سے دور غمزدہ سی نیند کی وادیوں میں جا چکی تھی۔

○❖○

گاڑی جونہی گیٹ سے اندر داخل ہوئی حمید خوش ہو کر پورچ کی طرف بھاگا۔ ڈرائیور شجاع۔ حمید کی مدد سے سہارا دے کر اسے گاڑی سے باہر آنے میں مدد دی۔

''کیا حال ہے......؟'' اس نے حمید سے پوچھا۔

''جی بالکل ٹھیک......'' حمید بولا۔

''میں کچھ دیر آرام کروں گا۔ تم اتنی دیر میں کچھ ضروری چیزیں گاڑی میں رکھو، مجھے گوجرانوالہ ہے۔'' اس نے آہستہ آہستہ قدم اندر کی طرف اٹھاتے ہوئے کہا۔

''جی بہتر......'' حمید نے اثبات میں گردن ہلائی۔

''گڑیا کو بھیجو میرے پاس......'' اس نے رک کر کہا۔

''گڑیا تو چلی گئی......'' حمید نے بے ساختہ کہا۔

''کہاں......؟'' سخت جھٹکا لگا۔

''اس کی بہنیں آئی تھیں، ان کے ساتھ چلی گئی۔ رضا صاحب لینے گئے تھے تو وہاں جا کر ایک چھوٹی بہن فوت ہو گئی ہے، گڑیا نہیں آئی......'' حمید نے بے ربط اطلاع فراہم کی...... دکھ سے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا لیا...... اسے دلی صدمہ ہوا وہیں برآمدے میں پڑی کرسی پر

''وہ بیچاری بہت بیمار تھی۔ رضا صاحب نے ڈاکٹر کو بھی بلایا، مگر اس غریب کے پاس زندگی نہیں تھی۔'' حمید نے افسوس کا اظہار کیا۔

''اللہ کے کاموں میں کس کی مرضی چلتی ہے، مجھے گڑیا کے دکھ کا احساس ہے۔''

''چھوٹے صاحب! آپ آرام کریں۔ اتنا نہ سوچیں، میں چائے لے کر آتا ہوں۔'' حمید نے

''تم چائے رہنے دو۔ جلدی جلدی ضروری سامان رکھو......'' وہ کہتا ہوا اپنے کمرے کی طرف چل حمید اس کے حکم کی تعمیل میں مصروف ہو گیا۔ جتنی دیر حمید سامان باندھتا رہا وہ بیڈ پر تکیوں کے لیٹا چھت گھورتا رہا۔ گڑیا کے دکھوں کا اندازہ تو تھا مگر ایک اطمینان تھا کہ وہ محفوظ ہاتھوں میں ...وں میں ہے۔ اب واپسی کا سفر سہل ہو گیا تھا۔

''گڑیا! بہت جلد تمہارے پاس کرم داد لوٹے گا۔ کچھ حساب کتاب چکا لینے کے بعد۔ میں مطمئن ...کہ تم محفوظ ہو۔ تمہارے ہر دکھ کو خوشی میں بدلنے کے لئے میں آؤں گا۔ میں اپنی محبت انا کی ...نہیں چڑھاؤں گا، تمہارے سامنے ہاتھ پھیلا کر محبت کی بھیک مانگوں گا، تم صرف اپنے کرم داد کا ...تظار کرنا......'' اس نے دل میں فوری طور پر فیصلہ کیا۔

''چھوٹے صاحب! سب سامان رکھ دیا......'' حمید نے اطلاع دی تو وہ چونکا۔

''ہنہ، اچھا......'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''ڈاکٹر صاحب اور بیگم صاحبہ کو سلام کہہ دینا......'' حمید نے محبت سے مالکوں کے لئے سلام بھیجا۔ وہ ہلکے سے گردن ہلا کر آگے بڑھ گیا۔

''چلو شجاع بسم اللہ کرو......'' اس نے پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر شجاع سے کہا۔ اس نے گاڑی اسٹارٹ کی...... کچھ ہی دیر میں اس کے کہنے پر گاڑی اس رستے پر ہو لی جو گڑیا کے گھر کو جاتا تھا...... اس کا دل گڑیا سے ملنے کو بیتاب تھا، پوری قوت سے دھڑک رہا تھا، پچھلی تمام رنجشیں، بدگمانیاں آج مٹ گئی تھیں...... زندگی کا یہ رنگ اسے اچھا لگا تھا ہر کڑوے کسیلے لمحے کو بھلا کر وہ نئے خوشگوار لمحوں کی تلاش میں اس تک جا رہا تھا۔

گاڑی ایک جھٹکے سے رکی...... شجاع نے گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

''شجاع! یہ سامنے والا دروازہ کھٹکھٹاؤ۔'' اس نے کہا۔ شجاع نے ایسا ہی کیا...... کچھ دیر بعد ایک ...رف چادر باندھے بھاری بھرکم مرد باہر نکلا...... شجاع نے اسے گاڑی میں بیٹھے کرم داد کی طرف بھیج ...یا۔

''جی صاحب! کیا بات ہے......؟'' اس نے شیشے کے قریب جھک کر پوچھا۔

''گڑیا...... گڑیا سے ملنا ہے......'' اس نے سنبھل کر کہا۔

''کس خوشی میں......؟'' اس نے بدتمیزی سے الٹا سوال کیا۔

''اسے کہیں کہ چھوٹے صاحب آئے ہیں......'' اس نے جان بوجھ کر اپنے لئے چھوٹے صاحب ...لفظ استعمال کیا تاکہ یہ شخص کوئی غلط مطلب نہ نکالے۔

''وہ تو آپ کو نہیں مل سکتی۔ میری گھر والی کا انتقال ہو گیا ہے۔ میت کا گھر ہے......'' اس نے

صاف جواب دے دیا۔

''اوہ! مگر چھوٹا سا پیغام دینا تھا......'' وہ پریشانی سے بولا۔

''آپ پیغام دے دیں، میں اس کا بہنوئی غفور ہوں۔'' غفور نے اپنی اہمیت جتائی۔

''اچھا تو اسے فقط اتنا کہہ دیں کہ اب وہ کہیں نہ جائے۔ کرم داد بہت جلد لوٹ کر آئے [گا]'' اس نے بہت سوچ سمجھ کر کہا۔ غفور کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا، کندھے اچکا کر گاڑی سے ایک طرف [ہٹ گیا] اس نے شجاع کو گاڑی میں بیٹھنے کا اشارہ کیا...... گاڑی جونہی گلی سے نکلی غفور نے منہ میں آئے پانی کو تھوکا اور مطمئن ہو کر اندر چلا گیا۔

○❖○

گاڑی کے ٹائروں کی آواز پر شائستہ بیگم نے جان لیا کہ کرم داد آ گیا ہے...... ٹی وی لاؤنج میں بیٹھ کر ٹی وی دیکھنے کے ساتھ ساتھ وہ ذہنی طور پر اس کی منتظر تھیں...... ڈاکٹر سلمان تو کلینک میں مصروف تھے اسی لئے شام کے سات بج رہے تھے مگر وہ اب تک نہیں لوٹے تھے۔

''السلام علیکم!'' کرم داد نے ادب سے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام۔'' شائستہ بیگم نے کسی گرمجوشی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ سنجیدگی سے سلام کا جواب [دے کر] اسے بیٹھنے کو کہا...... وہ آہستہ سے صوفے پر ٹک گیا۔

''سفر میں کوئی دشواری تو نہیں ہوئی؟''

''جی نہیں......'' ان کے مختصر سیدھے سوالات پر وہ بھی انتہائی مختصر جواب دے رہا تھا۔

''کرم داد! ایک بات مجھے تم سے ضروری کرنی تھی، اس وقت ڈاکٹر صاحب نہیں ہیں۔'' [شائستہ] بیگم نے کہا۔

''جو آپ کہنا چاہ رہی ہیں، میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''

''تعلق ہے، یہ سب جانتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے تمہارے اور حوریہ کے بے نام سے تعلق کو محسوس کیا ہے۔ انہیں خدشات ہیں، پریشانی ہے اور یہ سب ان کے لئے تکلیف کا باعث ہے۔''

''میں کیا کروں، انہیں سچ سچ بتا دوں؟'' وہ طنزیہ مسکرایا۔

''کیا کہہ رہے ہو؟'' وہ چلا پڑیں۔

''بیگم صاحبہ! کہانی آخری موڑ پر ہے، جلد بلکہ بہت جلد یہ قصہ ختم ہو جائے گا۔''

''پھر بے ہودہ بکواس......'' وہ مشتعل ہو گئیں۔

''آپ جو بھی کہیں، میرے لئے کچھ خاص نہیں۔ کرم داد نے زندگی کا قرینہ پا لیا ہے۔ اب [وہی] کروں گا جو دل چاہے گا......'' وہ فیصلہ کن انداز میں بولا۔

''دیکھو وہ......'' ان کا جملہ منہ میں ہی رہ گیا۔ ڈاکٹر سلمان مسکراتے ہوئے اندر آ گئے۔

''آخاہ! ہمارا بیٹا آیا ہے۔'' وہ ہاتھ ملاتے ہوئے بولے۔

''کیوں شرمندہ کرتے ہیں صاحب جی......'' وہ طنزیہ بولا۔

''یہ کیا بات ہوئی، بیٹا بن کر بھی صاحب جی کہنے لگے......'' ڈاکٹر سلمان نے ہلکے سے اس کے سر پر چپت لگائی۔

''اصلیت یاد رکھنی چاہئے۔''

''بیٹا! اعلیٰ ظرفی ہے تمہاری۔ خیر یہ بتاؤ ٹھیک تو ہو۔ راستے میں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟'' وہ خوش دلی سے بولے۔

''جی سب ٹھیک رہا......'' اس نے متانت سے جواب دیا۔

''بیگم صاحبہ! برخوردار کی آؤ بھگت بھی کی یا نہیں؟''

''جی چائے بھجواتی ہوں، کھانا تیار ہو رہا ہے۔'' شائستہ بیگم تیکھے سے انداز میں کہہ کر اندر چلی گئیں۔

''اب جب تک حوریہ نہیں آ جاتی تم یہیں رہو، موج کرو......''

''انتظار تو کوئی کسی کا نہیں کرتا۔'' وہ دھیرے سے بولا۔

''بھئی میں کسی کے انتظار کی نہیں تمہاری اپنی بیوی کے انتظار کی بات کر رہا ہوں۔'' وہ بولے۔

''ایسا تو صرف آپ سوچتے ہیں۔''

''دیکھو بیٹا! مجھے اعتراف ہے حوریہ کی بے پروائی کا، مگر میں پھر بھی یہ کہوں گا کہ وہ نادان ہے۔ ٹھیک ہو جائے گی۔'' ڈاکٹر صاحب ندامت سے بولے۔

''میں نے تو اس سلسلے میں آپ سے کوئی گلہ نہیں کیا۔''

''یہ بڑا پن ہے تمہارا...... مگر میں شرمندگی محسوس کرتا ہوں۔''

''آپ تو بلاوجہ شرمندہ ہوتے ہیں۔ ارے ایسا بھی کیا کر دیا میری بچی نے کہ میاں صاحبزادے فریاد کرتے نہیں رہ رہے۔'' چائے کا کہہ کر شائستہ بیگم کڑے تیور لئے اندر داخل ہوئیں۔

''بیگم! آپ چپ رہیں۔''

''آپ نہیں سمجھتے ہماری حوریہ نے اس شخص کو خاک سے اٹھا کر سر پر بٹھا لیا مگر اسے اس کی کوئی قدر ہی نہیں۔''

''بیگم صاحبہ! میں آپ سے کوئی بحث نہیں کرنا چاہتا، چند روز کا صرف مہمان ہوں پھر کسی کو کسی سے کوئی گلہ نہیں رہے گا۔ آپ کی بچی آ جائے یا اس کا فون آ جائے۔'' وہ ٹھہر ٹھہر کر نرمی سے بولا۔ اس کے چہرے کا اطمینان کسی طوفان کا پیش خیمہ تھا۔

''کیا اول فول بکنے لگتی ہو، بچی کا گھر بسانا ہے یا اجاڑنا ہے؟'' ڈاکٹر صاحب گرجے۔

''گھر بسا ہی کب ہے، میاں جی کے مزاج نہیں ملتے۔'' شائستہ بیگم نے بھی کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

''جانے دیں صاحب جی، ابھی بہت سی باتوں کا وقت نہیں۔'' اس نے ٹالنا چاہا۔

"نہیں بھئی، تم چلالو وہ توپ جو چلانی ہے۔ وقت کیسا، کس کا ڈر ہے تمہیں۔ دو ٹکے کا انسان بھی کبھی بھی اپنی اوقات پر آجاتا ہے۔"

"بس...... بس کریں بیگم صاحبہ! کہیں حد ادب نہ بھول جاؤں......" وہ سخت غصے سے چلا کر مٹھیاں بھینچ کر کھڑا ہو گیا۔

"کرم داد! بیٹا تم اپنے کمرے میں جاؤ، میں اس نادان عورت کو سمجھاتا ہوں۔" ڈاکٹر صاحب نے اٹھ کر اس کی پیٹھ تھپتھپائی۔

"نہیں ڈاکٹر صاحب! اب وہ کچھ ہو جانے دیں جو ہونا ہی ہے۔" وہ تحمل سے بولا۔

"کیا کہہ رہے ہو بیٹا، کم عقل کے ساتھ کم عقل نہیں بنتے ہو۔" ڈاکٹر صاحب نے پیار سے کہا۔

"آپ نہیں سمجھ سکتے ڈاکٹر صاحب! میری نام نہاد بیوی اور آپ کی بیوی نے شوہر کے نام پر میرے ساتھ کیا، کیا ہے......؟" وہ طنزیہ کہتا ہوا شائستہ بیگم کو گھورنے لگا۔

"کیا مطلب......؟" شائستہ بیگم سٹپٹا سی گئیں۔

"مطلب یہ کہ کچی مٹی کی دیوار کا عیب چھپانے کے لئے خوبصورت چمکدار پینٹ کر دیا جائے تو خواہ کچھ ہی عرصے کے لئے سہی عیب چھپ ہی جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح اپنی لاڈلی کی کھنڈر جوانی کو ملمع کاری کے ذریعے تابناک بنا کر میرے ساتھ ایک سمجھوتہ کیا گیا...... مغرب کے ہاتھوں پامال شدہ لڑکی نے میری غربت اور سادگی سے فائدہ اٹھایا۔"

"یہ بکواس کر رہا ہے۔" شائستہ بیگم بوکھلا کر چلائیں۔

"چلیں بکواس ہی سہی، ایک منٹ...... صرف ایک منٹ۔" وہ مسرور سا کہتا ہوا جیب سے ایک کاغذ نکال کر میز پر جھکا، پین کھول کر کچھ لکھنے لگا...... ڈاکٹر سلمان کے چہرے پر ایک رنگ آرہا تھا ایک جا رہا تھا۔ وہ سر تھام کر صوفے پر بیٹھ گئے جبکہ شائستہ بیگم کی پیشانی عرق آلود ہو گئی۔

"یہ لیں ڈاکٹر صاحب، وہ اہم کاغذ جس پر سمجھوتہ منسوخ کر دیا گیا۔ اب کاروباری معاہدے کی منسوخی کے بعد میرا آپ سے، آپ کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں...... کہنے کو میں وہ ہر بات کر سکتا ہوں جو میرے علم میں ہے، مگر غریب ہوں، کم ظرف نہیں۔ سمجھوتہ میں نے بھی مطلب سے کیا تھا اس لئے میں ایک نادان لڑکی کے کردار کو بے پردہ نہیں کرنا چاہتا۔ جب تک ضروری تھا میں نے معاہدہ نبھایا مگر اب میرے لئے یہ بھی ممکن نہیں کہ اس کاغذی رشتے کو نبھاؤں۔ کرم داد نے بڑی مشکل سے واپسی کا سفر طے کیا ہے۔ یہ فیصلہ تو پہلے دن کا ہی تھا۔ اس پر عمل آج کر رہا ہوں۔ مزید چند دن کی تاخیر بھی ہو سکتی تھی۔ مگر بیگم صاحبہ نے کچھ زیادہ ہی مجبور کر دیا تو زبان کھولنی پڑی۔" اس نے کاغذ ڈاکٹر سلمان کے ہاتھ میں تھما دیا جس پر نمایاں انداز میں طلاق لکھی ہوئی تھی۔ وہ سرتاپا لرز گئے۔ شائستہ بیگم بھی چکرا کر صوفے پر گر گئیں۔

"کرم داد! اتنا بڑا فیصلہ کس بنیاد پر، کیسا معاہدہ؟" ڈاکٹر صاحب پریشانی سے بولے۔ "بیگم نے

یہ دونوں نے مجھ سے چھپایا۔" وہ دکھ سے بڑبڑائے۔

"ڈاکٹر صاحب! میں مزید کچھ نہیں کہوں گا۔ کیونکہ اس فیصلے سے متعلق تمام باتیں بیگم صاحبہ بہتر طریقے سے آپ کو بتا دیں گی۔ میں گھٹیا انسان کی طرح کوئی ایسی بات نہیں کرنا چاہتا جس سے کسی کی [illegible] ہو۔ مجھے حوریہ بی بی سے نہ کبھی دلچسپی تھی اور نہ ہوئی۔ پہلے دن سے وہ صرف کاغذی تعلق کی حد تک میری بیوی تھیں ورنہ اور کچھ نہیں...... میں ان کا خیال اور ان کی پسند نہیں، ضرورت اور مجبوری تھا۔ آج میں نے مجبوری کی زنجیریں کاٹ دی ہیں، مجھے معاف کر دیجئے گا۔" وہ دھیرے دھیرے چلتا ہوا...... ڈاکٹر سلمان گنگ سے اس کی ایک ایک بات پر حیران تھے، جس کا انہیں ڈر تھا وہ ہی ہوا۔ یہ بھی سچ تھا کہ ایسا ہونا تھا۔ مگر شائستہ بیگم کی جلد بازی نے سب کچھ جلد ہی کر ڈالا...... ان کے پاس کہنے سننے کو کچھ نہیں رہا تھا...... مٹی کے ڈھیر کی طرح بیٹھ گئے۔

"میں اب چلوں گا......" وہ پُرسکون سانس لیتے ہوئے بولا۔ ان دونوں میں سے کوئی بھی اپنی جگہ سے نہ ہل سکا اور نہ کچھ کہہ سکا۔ جو کہانی برق رفتاری سے شروع ہوئی تھی آناً فاناً ختم ہو گئی۔ ایک گہری نگاہ وہ چاروں طرف ڈالتا ہوا باہر نکل گیا۔ شائستہ بیگم کی پلکیں حوریہ کی بربادی پر بھیگ گئیں۔

"کاش حوریہ! تم نے جوانی کا سونا مغرب میں نہ لٹایا ہوتا...... میں تو خود سے بھی آنکھ ملانے کے قابل نہیں رہی۔" انہوں نے کرب سے سوچا۔

O❖O

طویل تھکا دینے والے عرصے کے بعد اس کے قدم نئے ارادے اور نئی توانائی کے ساتھ اس مقام کی طرف اٹھ گئے جہاں اپنی آزادی سلب کرنے کا کڑا فیصلہ کیا تھا...... خود کو سونے کے پنجرے میں قید کرنے کا تہیہ کیا تھا، اپنی محبت کی ناکامی پر ایک مغرب زدہ اخلاقی طور پر دیوالیہ لڑکی کے ساتھ زندگی کا اہم رشتہ استوار کیا تھا...... اس روز وہ کسی قدر مضمحل اور پریشان تھا، دل و دماغ میں گڑیا کے لئے غصے کی چنگاریاں بھڑک رہی تھیں۔ کیسے کیسے اسے تڑپانے کے فیصلے کئے تھے مگر آج تو سانسیں زندگی کے بھرپور ساز پر تھرک رہی تھیں۔ غلامی کا طوق اتار کر جس طرح کسی ملک کا باشندہ جشن آزادی مناتا ہے اپنی آزادی پر شادماں ہوتا ہے، بالکل اسی طرح وہ مسرور، خوشی سے بھرپور قدم اٹھاتا ہوا گنگنا رہا تھا۔ کتنا اچھا لگ رہا تھا یہ احساس کہ وہ اب کسی کی ملکیت نہیں، صرف کرم داد ہے۔ اپنی گڑیا کا کرم داد جسے اس نادان لڑکی نے سونے کے زندان میں ڈال کر ہر موقع پر بے پروائی دکھائی تھی۔ دل آج اس کی محبت پر پھر نچھاور ہو رہا تھا۔ اس کی بے پروائی بھی محبت کی ادا معلوم ہو رہی تھی۔ اس کی لاتعلقی بھی اس کی معصومیت محسوس ہو رہی تھی، جس قدر اسے رلایا، ستایا، تڑپایا وہ حرف شکایت بھی لبوں پر نہیں لایا۔

"میری جان! آج میں بہت خوش ہوں، کاش تم میرے پاس ہوتیں تو دیکھتیں اتنا خوش تو میں پہلے کبھی نہ تھا، آج تو دل چاہ رہا ہے کہ آسمان پر اڑنے لگوں، کائنات میرے ساتھ رقص کرے۔

جانتی ہو کیوں؟ حوریہ میم صاحبہ نے سستے داموں جو زندگی میری قید کی تھی آج میں نے اسے آزاد
لیا ہے، ہر زنجیر کاٹ ڈالی ہے...... میں اب صرف کرم داد ہوں، کوئی چھوٹے بڑے صاحب نہ
مجھے معلوم ہے کہ اب تم کرم داد کا انتظار کرتی ہو، چھوٹے صاحب کا نہیں۔ میں نے طویل جنگ
اپنی منزل کا راستہ جان لیا ہے، نجانے تم سے کوئی گلہ اور شکوہ کیوں نہیں رہا؟ حالانکہ تم نے تو اب
زبان سے مجھے نہیں پکارا۔ مگر تمہارے واپسی کے سفر نے مجھے اقرار کا احساس کیوں دلا دیا ہے
میں خود بے قرار ہو کر تمہاری طرف کیوں کھنچا چلا جا رہا ہوں......؟

''گڑیا! اب کے کرم داد کو بکھرنے نہ دینا، مجھے سمیٹ لینا۔ تمہاری دوری نے اور زیادہ میرے اندر
میں محبت کی جوالا مکھی بھڑکائی۔ جو کل تم سے چاہ تھی آج وہ بے قراری اور تڑپ بن گئی ہے، جانتی ہو
اسے عشق کہتے ہیں، اور عشق کی منزلوں کا میں ثابت قدم مسافر ہوں۔ تم میری منزل ہو، مجھے اپنی محبت
کی بانہوں میں سمیٹ لو، اب کرم داد خود تمہیں یہ کہہ رہا ہے، انا اور ضد کرم داد نے دفن کر دی ہے
اب ملنے پر میں چیخ چیخ کر تمہیں اپنی محبت کا یقین دلاؤں گا، تمہاری چاہت کی بھیک مانگوں گا۔ آج
کے ان لمحوں کو گواہ بنا کر میں قسم کھاتا ہوں کہ میرے جذبے تمہارے لئے اور زیادہ شدت اختیار کرتے
رہیں گے۔''

اس نے نیلگوں آسمان اور سبز نرم گھاس سے سجی زمین کو دیکھا...... مہکتے پھولوں اور چہچہاتے
پرندوں کو دیکھا، جو سب کے سب اس کے ساتھ مل کر خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ اس کے دل کی آواز
پر ہاں میں ہاں ملا رہے تھے۔ فضا میں لمبی لمبی سانس بھر کے اس نے مسکرا کر لمحے بھر کو آنکھیں بند کیں
تو وہ چھم سے آنکھوں میں مسکرانے لگی۔ اسے ایسا لگا جیسے اس نے سب باتیں سن لی ہوں۔ محسوس کر لی
ہوں اور جواب میں اس کے گلاب کی پنکھڑی جیسے لب کہہ رہے ہوں کہ۔

''کرم داد! خوشی کے ان لمحوں میں میری محبت کی مہک شامل کر لو۔ پیار کے ان گنگناتے جذبوں
میں میرے اقرار کا رنگ بھر لو، جو پہلے نہ کہہ سکی آج غور سے سنو، میرا پورا وجود زبان بن گیا، اس پر
اقرار وفا کے گیت ہیں...... آج وہ پیاس بجھا لو جو کب سے تمہارے لبوں کا حصہ ہے۔ اپنی بانہیں کھولو
اور محبت کی رسم پوری کرو۔ اپنے لبوں کی حدت سے میرے رخسار دہکا دو۔ گڑیا اب صرف تمہاری
ہے، دیکھو صرف تمہاری......'' آخری جملے پر بے اختیار اس نے دیکھنے کی کوشش میں آنکھیں کھول
دیں تو اس کی جگہ خوبصورت موسم کو پایا۔ اپنی سادگی پر وہ ہولے سے مسکرا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اسے سچ مچ
اقرار وفا مل گیا تھا...... شوخی سے سیٹی بجاتا ہوا وہ مالی چاچا کے گھر کی طرف چل دیا۔ انہیں بھی تو اپنی
خوشی کی خبر دینی تھی۔

○❖○

انتہائی مشکل اور غیر یقینی فیصلے کے بارے میں جس آسانی سے اس نے بتایا...... مالی چاچا کے
لئے بہت حیران کن تھا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کے چہرے کو تک رہے تھے، جس پر آج خوشی

اور اطمینان کے نئے ہی رنگ بکھرے ہوئے تھے۔
''تو کیا کہہ رہا ہے...... میں تو سمجھ ہی نہیں پا رہا......؟''
''تو سمجھنے وجھنے کو چھوڑ چاچا، بس خوش ہو کہ میں آج بہت خوش ہوں۔'' وہ ترنگ میں بولا۔
''وہ تو خیر میں دیکھ رہا ہوں...... مگر بڑے لوگوں کے لئے اتنا بڑا قدم تُو نے اٹھا لیا، وہ خاموش
رہیں گے؟'' مالی چاچا کا ڈر اور خوف فطری تھا۔
''کیا بڑے لوگ؟ کہاں کے بڑے لوگ؟ تُو ان بڑے لوگوں کی حقیقت نہیں جانتا چاچا، تُو اس
دن بھی خوش تھا جب میں نے ان بڑے لوگوں کی زندگی اختیار کی تھی، تُو آج بھی پریشان ہے جب
میں نے آزادی پائی ہے۔''
''بیٹا! پر ایسی کیا بات تھی کہ تُو نے طلاق دے دی؟''
''یہ پوچھ چاچا کہ ایسی کون سی بات نہیں تھی۔ وہ شادی تو صرف تیرے جیسوں کی نظر میں تھی ورنہ
وہ شادی کہاں تھی......؟''
''ٹھیک ہے...... مگر شادی تو شادی ہوتی ہے۔''
''ہر شادی، شادی نہیں ہوتی چاچا...... شادی تو تیرے بیٹے کی اب ہو گی۔'' اس نے مالی چاچا کو
خوشی سے چکر دیتے ہوئے کہا۔
''حوریہ بی بی کو تو آ لینے دیا ہوتا۔'' مالی چاچا متفکر تھے۔
''کیوں؟ میں کیا اس کے باوا کا غلام ہوں، جتنے دن بھی اس قفس میں گزارے سب اپنی ضد اور
غصے کی وجہ سے گزارے۔ میں کمزور انسان تھا، ایک چھوٹی سی بات کو بڑا مسئلہ بنا کر خود بھی سلگتا رہا اور
اسے بھی سلگاتا رہا۔ حوریہ جیسی آزاد خیال، امیر کبیر لڑکی سے میرا کیا تعلق۔ میں ٹھہرا غریب، کلم کلا، نہ
کوئی آگے اور نہ پیچھے۔ لے دے کے تُو ہی ایک چاچا ہے جو اب میرے ساتھ رہے گا۔'' وہ بولا۔
''اللہ تجھے خوش رکھے۔'' مالی چاچا کی بوڑھی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آ گئے۔
''اب کرم داد کی خوشیاں کسی ضد اور انا کی بھینٹ نہیں چڑھیں گی۔'' وہ بڑے جوش سے بولا۔
''اب تُو کرے گا کیا......؟''
''ایک دو روز تو تیرے پاس ہوں، پھر لاہور جاؤں گا، ملازمت تلاش کروں گا اور پھر اپنی گڑیا
کے پاس جاؤں گا، زندگی بھر کے لئے لانے کے واسطے، پھر میں تجھے لے جاؤں گا۔'' مستقبل کے
سنہری خواب بُنتے ہوئے وہ بہت شادماں تھا۔
''کیا ملازمت مل جائے گی......؟''
''اور نہیں تو کیا، افسری نہ سہی مزدوری تو ملے گی۔ میرے ہاتھ کمزور نہیں، میں محنتی کسان کا بیٹا
ہوں۔ مشکل سے مشکل کام کر سکتا ہوں۔''
''اللہ تجھے ہمت دے، بس جو بھی کرنا اچھا کرنا۔''

"تُو فکر نہ کر چاچا، میں جلدی یہ سب کچھ حاصل کرلوں گا۔" کھردرے پلنگ پر لیٹتے ہوئے بولا۔ مالی چاچا نے مطمئن ہو کر اسے دیکھا اور پھر کھانے پینے کا بندوبست کرنے کے لئے باہر نکل گئے۔ اور وہ جاگتی آنکھوں سے رنگوں بھرے خواب دیکھنے لگا۔

○❖○

"مجھے غفور تمہاری یہ حرکتیں بالکل اچھی نہیں لگ رہیں۔ گڑیا تمہاری بیٹیوں جیسی ہے، اس کے لئے بے ہودہ جملے، اشارے کنائے سب کرتے تمہیں شرم کرنی چاہئے۔" صفیہ ایک دم بھڑک اٹھی۔ دراصل کچھ دیر پہلے سے وہ اس کی بے ہودہ بکواس گڑیا سے سن رہی تھی۔ نفرت تو اسے ثریا کے مرتے ہی ہوگئی تھی جب وہ گڑیا کی طرف للچائی ہوئی نظریں ڈالنے لگا تھا۔ تب سے اب تک وہ گڑیا کی کڑی حفاظت کر رہی تھی۔ نہ زبان کھول سکتی تھی اور نہ کچھ اور کر سکتی تھی، بس سائے کی طرح گڑیا کی حفاظت کر رہی تھی۔ رضا علی کے ساتھ بھیجنے کو اس نے سو بار اس کی منتیں کیں مگر وہ نادان ضد پر اڑی رہی کہ نہیں جانا۔ آخر کار وہ لوٹ گیا اور اب تک اس نے ادھر کا رخ نہیں کیا۔ ایسے میں غفور کی بڑھتی ہوئی جرأت اور بے باکی سے وہ پریشان تھی..... آخر بول ہی پڑی۔

"کیا، کیا ہے بھابی میں نے..... ارے گڑیا میری سالی ہے۔" وہ انجان بن کر بولا۔

"سالیاں بھی بہن، بیٹی کی طرح ہوتی ہیں۔" وہ بگڑ کر بولی۔

"نہ..... نہ..... نہ..... سالی کو تو آدھی گھر والی کہتے ہیں....." وہ چہکا۔

"بکو مت، محاوروں اور ضرب الامثالوں کو اپنی مرضی سے مت استعمال کرو۔"

"تم ناراض کیوں ہوتی ہو، میں تمہارا دیور ہوں۔ میرا گھر اجڑا ہے، میرے بچے بے یار و مددگار رہ گئے، تمہیں ذرا بھی خیال نہیں....." وہ دکھی بن گیا۔

"کیسا خیال.....؟" وہ چونکی۔

"اب زندگی اس طرح نہیں گزارنی۔ آخر کو گھر بسانا پڑے گا۔"

"کیا..... غفور، ہوش میں آؤ۔ ساٹھ پینسٹھ کے ہو کر گھر بسانے کی فکر ہے۔ ابھی تو میری بہن کا کفن بھی میلا نہیں ہوا اور تمہیں تیسری شادی کی دھن سوار ہوگئی....." وہ شدید نفرت سے بولی۔

"مرد کبھی بوڑھا نہیں ہوتا۔ اور رہی بات تمہاری بہن کے کفن کی تو مرنے والوں کے ساتھ مرا نہیں جاتا، میں اپنے بچوں کا خیال کروں یا اس مرنے والی کا.....؟" وہ سخت بے رحمی سے بولا۔

"چالاکی مت کرو غفور۔ بچوں کا سہارا لے کر اپنا مفاد حاصل کرنا چاہتے ہو، بچوں کو کس چیز سے محروم رکھا ہے میں نے۔ ثریا کی بیماری سے لے کر اب تک سب کام کاج میں اپنے بچوں کی طرح کر رہی ہوں۔"

"پھر بھی میں اپنے بچوں کو محتاج نہیں دیکھ سکتا۔ ان کی اپنی ماں ہو جو انہیں سنبھالے۔" وہ مکاری سے بولا۔

"ہنہ، محتاجی، بچوں کی ماں جب آئی تو اسے بستر سے لگا دیا، قبر میں سلا دیا۔" وہ طنزیہ مسکرا کر

"دیکھ بھابی، کچھ بھی کہو، میرا گھر تو تم کو بسانا ہی پڑے گا۔"

"میری بلا ہے جو مرضی کرو، میرا دماغ چاٹنے کی ضرورت نہیں۔"

"وہ تو اپنی مرضی تمہاری مرضی کے بغیر کیسے کرلوں، تمہاری تو ضروری ہے۔"

"میری کیا ضرورت ہے.....؟" اس نے گھورا۔

"بھئی گڑیا کی بڑی بہن ہو....." وہ بے دھڑک بولا۔ صفیہ کے ہاتھ سے دال کی پرات چھوٹ کر فرش پر گر گئی۔

"کیا؟ کیا بکواس کی تم نے.....؟" اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔

"یہی کہ اب گڑیا ہی میرے بچے، اپنی بہن کے بچے سنبھال سکتی ہے، خالہ جو ہوئی۔ خالہ ماں جیسی ہوتی ہے۔" وہ خباثت سے آنکھیں جھکا کر مسکرایا..... صفیہ سناٹے میں آ گئی۔

"غفور! آج تو یہ بات کی ہے، آئندہ میں تمہاری زبان سے نہ سنوں۔ بچے ہماری بہن کے نہیں، تمہاری پہلی بیوی کے ہیں سمجھے....." وہ غرا کر کہتی ہوئی اٹھی اور چولہا جلانے لگی۔

"تُو کیسی بھابی ہے؟ میرا گھر بسانا نہیں چاہتی۔"

"غفور! جس سے چاہے گھر بسا، ایک نہیں ہزار گھر بسا۔ مگر گڑیا کے بارے میں خیال بھی دوبارہ زبان میں نہ لانا۔"

"ایسا تو اب مشکل ہے۔ تم البتہ سوچ لو۔ گھر کی بیٹی گھر میں رہے گی۔ اور کون یہاں اسے بیاہنے آئے گا....." وہ ذرا زور سے بولا تاکہ کمرے میں موجود گڑیا بھی سن لے۔

"تجھے فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔" دال کا پانی چولہے پر رکھ کر وہ پاؤں پٹختی ہوئی خود بھی کمرے میں چلی گئی۔

○❖○

''دیکھوذکاء،ہم تمہیں کہے دے رہے ہیں کہ خود بھی باز آؤ اور اس حرا کو بھی سمجھاؤ۔اتنی رات کو کہیں باہر نہیں جانا۔''بوا نے صاف صاف حکم صادر کردیا۔

''ارے واہ، کیسے نہیں جانا۔ میں تو جا کر رہوں گی۔قسم سے چائنیز کا تو اتنا مزہ ہے۔''حرا کے منہ میں ڈھیر سارا پانی بھر آیا۔بوا نے زور سے اس کا کان پکڑا اور اس کے منہ سے چیخیں نکلوادیں۔

''بہت مزہ آرہا ہے نا بوا کے کھانوں کا کیوں......''ذکاء نے شرارت سے پوچھا۔

''ہائے ہائے بوا چھوڑیں میرا کان......ٹوٹ جائے گا۔''وہ درد سے بلبلائی۔

''چھوڑ دیں بوا، ورنہ کان ٹوٹی بکری سے کون شادی کرے گا۔''ذکاء معصوم سی شکل بنا کر بولا تو بوا کو ہنسی آگئی۔جیسے ہی اس کا کان چھوڑا تو اس نے جھٹ غرا کر ذکاء کا کان پکڑ لیا۔

''ارے......رے......میرا کان تو چھوڑو۔''

''کان توڑ کر چھوڑوں گی تا کہ کان ٹوٹے بکرے سے کوئی شادی نہ کرے۔''اس نے جوابی حملہ کیا۔

''بوا......بوا اسے سمجھائیں۔''وہ چیخا۔

''حرا، بدتمیزی چھوڑو۔''بوا نے ڈپٹ کر کہا۔

''لو چھوڑ دی۔اب باہر جانے کی اجازت دیں۔''وہ کان چھوڑ کر بولی۔

''ہرگز نہیں، میں نے جو کھانا پکایا ہے وہی کھانا ہے۔زیادہ لاٹ صاحب بننے کی ضرورت نہیں بگاڑ کے رکھ دیا ہے آفریدی نے۔ہزار بار کہا ہے کہ زیادہ آزادی مت دیا کرو، مگر سمجھتے ہی نہیں۔جو بیٹی کہہ دیں فوراً گردن ہلا دیں گے، جب کوئی مشکل پڑ جائے گی تو پھر ہمیں کوسیں گے کہ بوا نے تربیت اچھی نہیں کی۔''بوا بڑبڑاتی ہوئیں ٹی وی لاؤنج سے باہر نکل گئیں اور وہ دونوں منہ لٹکا کر وہیں بیٹھ گئے۔

''ہنہ...... بھائی تم تو سدا کے بزدل ہو۔بوا ایک جھڑکی دیتی ہے تم دبک جاتے ہو۔''وہ منہ بنا کر بولی۔

''تم مجھے تو بزدل ہی رہنے دو، اپنی بات کرو۔بڑی ہلاکو خان بنتی ہو۔کیوں بوا کے منع کرنے پر جھاگ کی طرح بیٹھ گئیں۔ہمت تھی تو بات منوا کر دکھاتیں۔''ذکاء نے زبردست چوٹ کی۔

''دراصل بوا ایسے طریقے سے گھیرا تنگ کرتی ہیں کہ آدمی کچھ نہیں کر سکتا۔''اس نے بھولپن سے

کہا۔''پاگل، بوا ہم سے بہت پیار کرتی ہیں، ہمارے بھلے کو ہی تو اچھا برا کہتی ہیں۔اب دیکھو نا رات کے دس بج رہے ہیں۔واپس آتے آتے بارہ بج جائیں گے۔اس عرصے میں وہ اکیلی پریشان ہوتی رہیں گی۔سارا دن تو وہ گھر کے کام کاج میں مصروف رہتی ہیں، رات کو تو کم از کم انہیں وقت پر سونا چاہیے۔''ذکاء نے بوا کی محبت میں دھیرے سے کہا۔وہ بھی متفق ہوگئی۔

''یہ تو ٹھیک ہے، بابا سے کتنی بار کہا ہے کہ ایک ملازم ہی رکھ دیں مگر کوئی فائدہ نہیں۔''

''احمق لڑکی! ملازم رکھنا آسان بات ہے، بابا کی ایک ملازمت ہی تو ہے، دیانت داری سے لینے والی تنخواہ میں گھر مشکل سے چلتا ہے نوکر کہاں سے رکھ لیں۔بابا کو پریشان مت کیا کرو۔''ذکاء کہنے کو تو سوا سال حرا سے بڑا تھا مگر کبھی کبھی بہت سمجھداری کی باتیں کرتا تھا۔

''تو تم کب اس قابل ہو گے کہ بابا کا بوجھ کم کر سکو؟''اس نے الٹا سوال کیا۔

''رزلٹ آئے گا تو ملازمت ہوگی۔''

''اگر مل گئی تو......؟''وہ شرارت سے بولی۔

''تمہاری تو زبان بھی کالی ہے اور شکل بھی۔''وہ جوابی حملہ کر کے اٹھ کھڑا ہوا کیونکہ پکا یقین تھا کہ وہ مارنے کو دوڑے گی۔اور وہی ہوا، وہ آگے آگے اور وہ پیچھے پیچھے۔سامنے سے آتی بوا سے وہ ٹکرایا۔وہ وضو کر کے نماز کے لئے تیار تھیں۔

''توبہ ہے......کم سے کم رات کو تو شیطانی حرکتوں سے باز آجایا کرو۔''

''بوا، یہ حرا کی بچی۔''

''بکو مت، چلو ہاتھ دھو کر دونوں کھانا کھاؤ۔ میں نے میز پر لگا دیا ہے، میں نماز پڑھنے جارہی ہوں۔آواز نہ آئے، ورنہ ایسی خبر لوں گی یاد رکھو گے۔اور ہاں، نماز بھی پڑھنی ہے تم دونوں نے۔'' انہوں نے لتاڑا اور آرڈر دے کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئیں۔

''جی ضرور...... پہلے کبھی آپ سے نماز کی معافی ملی ہے جو آج ملے گی۔''وہ منہ بنا کر بولی اور کھانے کے کمرے کی طرف چل دی۔

''تم کھانا کھاؤ، میں بابا کے ساتھ کھاؤں گا۔''وہ بولا۔

''بھائی! بابا بہت لیٹ ہو گئے ہیں۔ہو سکتا ہے انہوں نے کھانا کھا لیا ہو۔تم میرے ساتھ کھاؤ۔کھانا ٹھنڈا ہو جائے گا۔بوا سے چھٹے لگ سکتے ہیں۔''حرا نے کہا تو وہ کچھ سوچ کر اس کے ساتھ ہو لیا۔

O❖O

''آفریدی منزل''سرخ پتھروں سے سادہ سے انداز میں بنا اپنی طرز کا خوبصورت واحد بنگلہ تھا جس کا رقبہ وسیع و عریض نہیں تھا، چھوٹا سا بنگلہ تھا مگر ضرورت اور تقاضوں سے مزین۔سیاہ مین گیٹ پر

لگی نیم پلیٹ پڑھتے ہی گھر کے سرپرست کا تعارف ہو جاتا تھا۔ جید جلی حروف میں تحریر تھا، تمر آفریدی، ڈائریکٹر ٹیلی فونز اینڈ ٹیلی گرافس۔ آفریدی صاحب اپنے محکماتی فرائض انجام دینے میں بہت دیانتدار، محنتی اور با اصول افسر سمجھے جاتے تھے۔ سرکاری رہائش گاہ لینے کی بجائے انہوں نے وراثت میں چھوڑے اپنے والد صاحب کے بنگلے میں رہنا پسند کیا۔ محکمے اور سرکار پر کوئی بوجھ نہ ڈالا۔ اس کے علاوہ والد صاحب کے زمانے کی ایک جیپ اپنے استعمال میں رکھتے تھے اور ٹویوٹا جو کافی پرانا ماڈل تھا وہ بچوں کے لئے گھر پر موجود رہتی تھی، جبکہ ذکاء اور حرا یونیورسٹی جایا کرتے تھے۔ آج کل ذکاء تو امتحان دے کر رزلٹ کا منتظر تھا جبکہ حرا ایم ایس سی باٹنی کے فائنل ائیر میں تھی۔ ذکاء اس سے ایک سال سینئر تھا۔ دونوں بچے آفریدی صاحب کی کل کائنات تھے۔ ان کے لئے باپ کے ساتھ ساتھ وہ مرحوم ماں کا بھی کردار ادا کرتے تھے۔ ان کی پرورش اور دیکھ بھال میں انہوں نے پیار اور اصول کسی چیز کی کمی نہیں چھوڑی تھی۔ وہ انہیں بھرپور وقت دیتے تھے۔ سیر و تفریح، دوست پارٹیز، پکنک ہر بات کے لئے انہیں وہ مسکرا کر اجازت دیتے تھے، جہاں دنیاداری کے ہر اچھے کام کی اجازت تھی وہاں احکاماتِ اسلام کی مکمل پیروی اور اطاعت کرنے کا حکم بھی دے رکھا تھا۔ ذکاء اور حرا نے بچپن سے اب تک کوئی نماز قضا نہیں کی تھی، نماز، روزے کی پابندی کے ساتھ ساتھ دونوں نیک اطوار اور باکردار، شائستہ فطرت کے مالک تھے۔ خرابی تھی تو فقط اتنی کہ شرارت کے پرکالے تھے۔ دونوں ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔ ہر روز نئی شرارتیں، ہنگامے برپا رکھتے۔ ایسے میں بوا جو کہ اس گھر کے بزرگ کی حیثیت رکھتی تھیں وہ ڈانٹ ڈپٹ کر کے انہیں قابو کرتیں۔ بوا کا ادب وہ ہر حال میں کرتے تھے۔ کیونکہ بچپن سے انہوں نے بوا کو گھر کے حقیقی سرپرست کے روپ میں دیکھا تھا۔ وہ اپنے والد کو ان کی فرمانبرداری کرتا دیکھتے آئے تھے اور یہی سنتے آئے تھے کہ بوا کو کبھی ناراض نہیں کرنا۔ بوا جس بات سے روکیں وہ نہیں کرنی۔ بوا کو اگر ناراض کیا تو بابا بات نہیں کریں گے۔ بوا نے بچپن سے جوانی اور جوانی سے بڑھاپا اسی گھر میں پایا تھا۔ آفریدی صاحب کی بیوی نے حرا کی پیدائش پر ان کی گود میں دم توڑا تھا اور بھرائی ہوئی آواز میں بچوں کی دیکھ بھال کرنے کو کہا تھا۔ انہوں نے اس وقت دونوں بچوں کو سینے سے لگایا تھا، رات دن ان کے لئے اپنا آرام، سکھ سب قربان کر دیا۔ آفریدی کو دوسری شادی کے لئے مجبور کرتی رہتیں مگر وہ نہیں مانے۔ مرحومہ کی یاد کو اپنی زندگی کا حصہ بنا لیا اور بچوں کے لئے خود کو تنہا ہی رکھا۔

بوا نے انہیں بچوں کی نگہداشت میں کہیں پریشان نہیں ہونے دیا۔ وہ بوا کے بہت مشکور تھے، بہت پیار کرتے تھے ان سے۔ اپنی سگی ماں کی جگہ سمجھتے تھے۔ وہ دن کو رات کہتیں تو خود بھی رات کہتے۔ وہ صبح کو شام کہتیں تو خود بھی شام کہتے۔ بوا کو تو یہ گھر جنت نظیر لگتا تھا۔ جس کے در و بام سے محبت بھرے قہقہوں کی فضا دکھائی دیتی تھی۔ حقیقتاً ''آفریدی منزل'' سرور اور شادمانی کا دوسرا نام تھا۔ اس کی بھی ایک وجہ تھی کہ آفریدی صاحب بہت نیک اور خدا ترس انسان تھے۔ اپنے آپ کو بھی تنہا

تھا کہ حاجت مندوں کی حاجت پوری ہو جاتی، جوان تک کوئی ضرورت لے کر آ جاتا وہ فوراً اس ضرورت پوری کرتے۔ دفتر میں موجود تمام اسٹاف ان سے بہت خوش تھا، ہر ایک کی عزت کرنا وہ فرض سمجھتے تھے۔ دوسروں کو خوشیاں بانٹنے والا کب دکھی رہتا ہے۔ اس لئے ان کا گھر پیار کا، سکون کا مسکن تھا۔

○❖○

''گڑیا! تو میری بات پر دھیان کیوں نہیں دیتی؟'' صفیہ نے دبے دبے لہجے میں چلا کر کہا۔

''کیا...... کروں میں؟'' وہ سادگی سے بولی۔

''ہوش کر...... غفور کے ارادے اچھے نہیں۔ وہ بہت عجیب و غریب فطرت کا مالک ہے۔''

صفیہ نے اشاروں میں سمجھانا چاہا۔ کیونکہ وہ کھلے لفظوں میں اس سے کیا کہتی اور کس کے بارے میں کہتی۔ گڑیا خود بھی کچھ ہراساں سی تھی۔ غفور کے جملے، عجیب سے انداز میں گھورنا اسے بھی چونکاتا تھا۔ صفیہ بالا ہی بالا اسے باز رکھنے کی بھرپور کوشش میں لگی ہوئی تھی۔ چاہتی تھی کہ گڑیا کو خبر نہ ہو۔ مگر معاملہ بگڑتا ہی جا رہا تھا۔ اب صفیہ کو شکور کا انتظار تھا۔ وہ ٹرک لے کر ٹور پر گیا ہوا تھا۔ ہمیشہ ہفتے کے اندر اندر آ جاتا تھا مگر اب کی بار ثریا کے قلعوں والے دن کا گیا اب تک نہیں لوٹا تھا۔ جبکہ غفور تھوڑی بہت دیر کو اپنے کھوکھے پر جاتا اور پھر لوٹ آتا، ایک نیا پان چبا کر اور ایک نیا سگریٹ پی کر۔ جب تک دونوں بھائی کوٹھیوں میں کام کرتے تھے، عادتاً اچھے تھے۔ مگر جب سے وہ کام چھوڑ کر اپنا اپنا کام ڈالا تھا اس وقت سے اسی قماش کے ہو گئے تھے جس قماش کا کام کرتے تھے۔ اسی لئے انہیں سمجھانا بھی کافی مشکل ہو گیا تھا۔

''وہ میرے یہاں رہنے سے تنگ ہیں...... خرچہ بڑھ گیا ہے اس لئے؟'' اس نے معصومیت سے پوچھا۔

''نہیں پگلی، وہ تو تجھے یہاں قید کرنا چاہتا ہے، یہیں رکھنا چاہتا ہے۔ تیرے رخساروں کے گلاب مرجھانا چاہتا ہے، تیرے ہونٹوں کی گلابی کو خشکی میں بدلنا چاہتا ہے۔ وہ چاہتا ہے گڑیا! کہ تو ثریا کی طرح خون تھوکتی ہوئی مر جائے...... مگر میں ایسا ہرگز نہیں ہونے دوں گی۔ تجھے یہاں سے جانا ہوگا۔ کسی گھر میں یا پھر کہیں بھی۔ مگر یہاں نہیں، ہرگز نہیں۔'' صفیہ نے پکے ارادے سے کہا اور اسے بانہوں میں ایسے سمیٹ لیا جیسے محفوظ کر لیا ہو۔

''کہاں بھیج رہی ہو بھابی گڑیا کو؟'' اپنے پیلے بدنما دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے وہ کمرے میں داخل ہو گیا۔ صفیہ نے فوراً پیشانی پر سلوٹیں ڈال لیں۔

''گڑیا! کیوں بھابی کی گود میں منہ چھپائے بیٹھی ہے تو، اُٹھ تیرا راشد باہر رو رہا ہے۔ اسے سنبھال۔ بھوکا ہے شاید۔'' وہ براہ راست گڑیا سے مخاطب ہوا۔ صفیہ تڑک کر بولی۔

''وہ تیرا راشد ہے۔ گڑیا کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ خبردار جو فضول بکواس کی۔''

"کیسی باتیں کرتی ہو بھابی، تم اچھی طرح جانتی ہو کہ راشد کتنا چھوٹا ہے۔ اسے ماں کی ضرورت ہے۔" وہ لفظ "ماں" پر زور دے کر بولا۔

"غفور! اسے ماں کی نہیں، تمہیں بیوی کی ضرورت ہے۔ بلکہ یوں کہو کہ ایک بے بس عورت کی ضرورت ہے، جسے تم تڑپا تڑپا کر مار سکو۔" صفیہ گرج کر بولی۔

"کوئی کسی کو نہیں مارتا۔"

"جو کچھ بھی ہے، فضول بات مجھے پسند نہیں۔" وہ گڑیا کا ہاتھ پکڑ کر کھڑی ہوگئی۔

"چلو بڑے بھائی، آ جائیں۔ میں ان سے بات کرلوں گا۔" وہ شانِ بے نیازی سے کمرے سے باہر نکل گیا اور صفیہ اسے سینے سے لگا کر پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔

"باجی! دولہا بھائی تو ایسے نہیں ہیں۔" اس نے پوچھا۔

"اس کا بھائی کیسا ہوسکتا ہے پاگل، آگے تُو خود سوچ لے۔"

"غفور بھائی ایسا کیا کہہ رہے ہیں جو آپ پریشان ہیں؟" وہ سادگی سے بولی۔ صفیہ نے تڑپ کر اس کی پیشانی چوم لی۔

"بہن قربان، میری پیاری گڑیا! وہ جو کہہ رہا ہے وہ کبھی پورا نہیں ہوگا، تُو فکر نہ کر...... تُو بالکل فکر نہ کر۔" اسے چومتے ہوئے آنسو مسلسل اس کی آنکھوں سے بہتے رہے۔

"پھر تم کیوں رو رہی ہو؟"

"اپنی گڑیا جیسی بہن کی تقدیر پر رو رہی ہوں۔ کاش کوئی میری پیاری سی گڑیا کو سنبھال کر رکھے، اس کے ناز اٹھاتا۔" صفیہ نے دکھ سے کہا تو گڑیا کے ذہن میں فوراً کرم داد کا عکس لہرا گیا، دل میں ہوک سی اٹھی اور نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا لیا۔

"گڑیا! تُو نے کرم داد جیسے ہیرے کو ٹھکرا کر بہت برا کیا۔"

"وہ تو اب چھوٹے صاحب ہیں باجی اور کچھ نہیں۔" اس نے دھیرے سے جواب دیا۔

"چلو وہ تو چھوٹے صاحب ہیں مگر وہاں تیرے لئے پناہ تو ہے۔" صفیہ بولی تو وہ گزشتہ دنوں کے سب موسم، تمام رتیں یاد کر کے مضطرب ہوگئی۔ کہیں پناہ تو نہیں۔ بس زندگی گزارنے والی بات ہے۔

"کبھی کرم داد نے دوبارہ تیرے لئے کچھ نہیں کہا؟"

"کیا کہتے وہ...... کچھ کہتے بھی تو کیا فائدہ؟ جو کچھ بھی کہا سنا وہ سب وہیں رہ گیا۔" وہ بولی۔

"کیا تُو وہاں جانا نہیں چاہتی؟"

"کس لئے جاؤں، کس کے لئے جاؤں؟ چھوٹے صاحب ہسپتال میں ہیں، حوریہ بی بی امریکہ۔ ان دونوں کی زندگی میں میری کوئی جگہ نہیں۔ چلی بھی جاؤں تو کچھ فرق پڑنے والا نہیں۔ چاہتی ہو تو میں چلی جاتی ہوں۔" وہ ڈبڈبائی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے بولی۔ صفیہ کا کلیجہ شق ہو گیا۔ وہ کیا جانتی کہ کرم داد سے یہ جدائی کتنی تکلیف دہ ہے، کتنا جبر کیا ہے اس کی زندگی سے نکلنے کے لئے

جب تک اس کے قریب رہی بہت تڑپتی رہی مگر کوئی دوسرا ٹھکانہ نہیں تھا اس لئے وہاں رہی۔ اب ٹھکانہ ملا تو کیوں اس کی زندگی میں رہتی جب وہاں کوئی جگہ ہی نہیں۔ حوریہ بی بی کے مقام پر اس کی جگہ؟ اب تو باقی زندگی شاید ایسے ہی گزارنی ہے۔ آگے جو قدرت کو منظور۔ کرم داد کی محبت کا درخت اس کے دل و دماغ میں جڑیں پکڑ چکا تھا۔ کسی اور کی محبت کبھی اس کے دل میں پیدا نہیں ہوتی تھی۔ یہی محبت کی منزل تھی اور یہی مقام کہ اسے ہار کر بھی وہ اسی کی تھی...... صرف اسی کی۔

OOO

شام ڈھل رہی تھی جب مالی چاچا نے گھر پہنچ کر گہری نیند سوئے ہوئے کا زور سے کندھا ہلایا۔

"اٹھ بیٹا! کیا گھوڑے بیچ کر سویا ہے؟"

"ارے کہاں چاچا، بہت اچھا خواب دیکھ رہا تھا۔" وہ انگڑائی لے کر اٹھ بیٹھا۔

"اللہ بہتری کرے، لے روٹی کھالے۔" بوڑھے ہاتھوں سے کاغذ کا لفافہ اس کی طرف بڑھایا جس میں روٹیاں لپٹی ہوئی تھیں۔

"تُو نے کیا تکلیف کی۔ میں خود لے آتا۔"

"کاہے کی تکلیف، روز ذرا جلدی آ جاتا ہوں تو روٹی خود ہی ڈال لیتا ہوں۔ آج دیر ہوگئی تو اپنے سے لے لیں۔" انہوں نے سانس ہموار کر کے کہا۔

"دیر کیوں ہوگئی؟" اس نے اٹھ کر پلیٹ میں سالن ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"بس بیگم صاحبہ من موجی ہیں۔ آج موتیے کے پیچھے پڑی تھیں۔ ساری شام اسی میں لگ گئی۔" نوالہ بناتے ہوئے مالی چاچا نے جواب دیا۔

"آج کوئی بات تو نہیں کی؟"

"کیوں نہیں کی۔ میں تین دن کے بعد گیا تھا، تیرے والا زخم تازہ ہے۔ پھٹ پڑیں۔"

"ہنہ......" وہ مسکرایا۔

"کہنے لگیں کہ کرم داد ملا ہے تم سے؟"

"پھر؟"

"میں نے کہا جی ہاں۔ پھر بولیں کہ ملا ہے یا تمہارے پاس ٹھہرا ہے۔ میں نے کہا جی ایک دو روز کا مہمان ہے بس۔"

"پھر کیا بولیں؟" کھانا کھانے کے دوران وہ مزہ لیتے ہوئے بولا۔

"بولیں خیر ہمیں کیا، ہمیں تو اس سے نجات مل گئی۔ ٹاٹ کا پیوند مخمل میں بہت برا لگ رہا تھا۔ ہمارا اب اس سے کوئی تعلق نہیں۔"

"واہ! بہت خوب۔" وہ ہنسا۔

"باقی تو جو ہوا سو ہوا، پر ڈاکٹر صاحب بہت کمزور اور اُداس دکھائی دے رہے تھے، موجود تھے۔"

''دراصل ڈاکٹر صاحب بہت شریف آدمی ہیں۔ ہیں تو بیگم صاحبہ بھی بہت اچھی، بس ذرا
کڑوی ہے۔ باکردار ہیں، گھریلو سی ہیں۔'' اس نے مکمل تائید کی۔

''ڈاکٹر صاحب تو بس اتنا بولے کہ حوریہ کے بارے میں اگر سب کچھ جانتا تھا تو شادی کیوں
کی؟''

''شادی تو ایک بے پرواہ ضدی لڑکی کو ستانے کے لئے کی تھی۔ انا اور ضد کے ہاتھوں مجبور
کے۔ غلطی ہے میری۔ مگر ان کا جرم زیادہ گھناؤنا ہے۔ اپنی بھتیجی کے کردار پر پردہ ڈالنے کے
انہوں نے مجھ سے سودے بازی کی۔''

''پھر بھی بیٹا! طلاق کوئی اچھی چیز نہیں ہے۔'' مالی چاچا نے کہا۔

''کیسی شادی اور کیسی طلاق، چھوڑو ان کا قصہ..... سب ختم ہوگیا۔ اب مجھے ان سے کیا لینا
نادانی ہوگئی تھی جو میں نے ضد میں آکر اتنا بڑا قدم اٹھالیا۔ مزید میں ایسی زندگی نہیں گزار سکتا تھا نا
جانو چاچا! کیسی جانوروں جیسی زندگی گزاری ہے میں نے اس حوریہ میم صاحب کے ساتھ۔ بہتر
میں بے یار و مددگار پڑا چھوڑ کر امریکہ چلی گئی۔ بس میرا منہ نہ کھلواؤ۔ اس کا بھرم ہی رہنے دو۔''
کھانا چھوڑ کر غصے میں بولتا چلا گیا۔

''اچھا چل چھوڑ، دفع کر۔'' مالی چاچا نے نرمی سے کہا۔

''بس آئندہ اس کی کوئی بات نہ کرنا، میں کل صبح یا شام میں لاہور کی بس پکڑوں گا۔'' اس نے
فیصلہ سنایا۔

''ٹھیک ہے، اللہ تجھے خوش آباد رکھے۔'' انہوں نے دعا دی۔

''آباد تو تیرے لاہور آنے پر ہوں گا۔'' وہ ہنس کر بولا۔ ''تُو اب کام وام چھوڑ دے۔ میں خ
بھیجوں گا۔''

''جب تک یہاں ہوں کرنے دے۔ لاہور آکر صرف آرام کروں گا۔''

اس نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

○❖○

''چھن''..... کمرے کی کھڑکی کا شیشہ چھناکے سے کرچی کرچی ہوگیا۔ بوا اور آفریدی صاحب
اس بری طرح چونکے کہ ہاتھوں میں پکڑی چائے کپوں سے چھلک کر کپڑے گندے کر گئی۔

''اللہ توبہ! میرے مالک ہمیں ان شیطانوں سے محفوظ رکھ۔'' بوا تو اللہ سے فریاد کرنے لگیں جبکہ
آفریدی صاحب کے ہونٹوں پر تبسم پھیل گیا۔

''خوب مسکراؤ میاں! ہمارے ساتھ تو تمہیں بیر ہے، مت سمجھاؤ انہیں۔'' وہ غصے میں آگئیں۔

''بوا، معافی دے دیں۔ بچے ہیں۔ میں جا کر ڈانٹتا ہوں۔'' آفریدی صاحب فوراً اٹھتے ہو
بولے۔

''ارے بس بس، رہنے دو۔ باہر جا کر ڈانٹو گے تو کیا الٹا ان کی چکنی چپڑی باتوں میں آکر خود بھی
ہاتھ میں اٹھالو گے۔'' بوا نے ڈپٹ کر کہا تو وہ ہنس دیئے۔

''جانتی تو آپ سب ہیں۔''

''کتنا منع کر کے آئے ہیں ہم اندر کہ کرکٹ کھیلنا بند کرو اور آکر چائے پی لو۔ مگر ہزار پندرہ سو کا
نقصان کر کے رہے۔''

''بچے ہیں، ایک دوسرے کے ساتھ کھیل کے خوش رہتے ہیں۔ ورنہ کون ہے ان کا آپ کے اور
میرے سوا۔''

''اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اوٹ پٹانگ حرکتیں کریں۔''

''بلائیں انہیں اندر۔ آج انہیں کھری کھری سناتا ہوں۔'' وہ ذرا سی سختی سے بولے تو بوا پیسج
گئیں۔

''ارے اب چھوڑو، ہم خود سمجھالیں گے۔''

آفریدی صاحب دل ہی دل میں ان کی سادگی پر مسکرا دیئے۔ وہ چائے کے برتن اٹھا کر باہر نکلیں
وہ دونوں دبے پاؤں اندر آکر کھڑکی کے قریب دو زانو بیٹھ کر کرچیاں اٹھانے لگے۔ آفریدی
صاحب نے آہٹ محسوس کر کے پلٹ کر دیکھا۔ گردن موڑی اور گرجدار آواز میں پکارا۔

''حرا..... ذکاء!''

''جی..... جی بابا.....'' وہ بوکھلا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

''آپ یہاں آیئے..... کیا بدتمیزی ہے یہ؟'' انہوں نے کھڑکی کے ٹوٹے ہوئے شیشے کی طرف
اشارہ کیا۔

''جی سوری.....'' وہ دونوں منمنائے۔

''واٹ سوری.....؟''

''میں نے ذکاء بھائی کو کہا تھا کہ نہیں کھیلتے۔'' وہ بولنا چاہتی تھی کہ بولا۔

''اور میں نے بھی تو یہ کہا تھا کہ اونچی شارٹ نہیں لگانی۔''

''تم..... تم نے ایسی گیند کیوں کرائی؟''

''کھیلنا تمہیں نہیں آتا۔''

''تمہیں نہیں آتا۔''

''جسٹ اسٹوپڈ۔'' آفریدی صاحب نے زور سے کہا تو ان دونوں کو بریک لگ گئی۔ ورنہ یہ تُو
میں عالمی جنگ بن جاتی۔ ''بیٹھ جائیں دونوں۔''

''شکریہ بابا۔'' بیٹھتے ہوئے دونوں بیک وقت بولے۔

''دونوں اب بچے تو نہیں ہو، بڑے ہوگئے ہو۔ کل رزلٹ آجائے، پرسوں نوکری ہو جائے،

اگلے دن شادی ہو جائے اور اس کے فوراً بعد بچے پیدا ہو جائیں۔ کہاں سے چھوٹے ہو... آفریدی صاحب نے اس انداز میں کہا کہ حرا کی ہنسی نکل گئی۔

"کھی، کھی، کھی۔"

"آپ کیا ہنس رہی ہو۔ بہنیں بھائیوں کو سمجھاتی ہیں۔ آپ کیسی بہن ہو، بوا کو تنگ کرتے ہو... بزرگ ہیں، ذرا خیال نہیں آپ دونوں کو ان کی بزرگی کا۔" انہوں نے کہا۔

"سوری بابا!"

"اٹس او کے...... آئندہ خیال رکھیں۔"

"تھینک یو بابا!"

"چلو اب بوا کو جا کے مناؤ۔ وہ بہت خفا ہیں۔"

"یہ ابھی یوں۔" حرا نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا۔

"بابا! آپ اس خوشی میں ہمیں کیا کھلائیں گے؟" ذکاء نے کمال ہوشیاری سے مطلب کی با... کی۔

"ذکاء بیٹا! یہ تو بتاؤ کہ کیا یونیورسٹی میں چالاکی اور ہوشیاری کی تعلیم دی گئی ہے؟"

"بابا! یہ تعلیم نہیں آپ کی محبت ہے۔" وہ مزید حاضر دماغی سے بولا۔

"ویری اسمارٹ، خیر آئس کریم پکی۔" آفریدی صاحب نے معصوم سا چہرہ بنا کر کہا۔

"ہرا!" وہ دونوں خوشی سے چلا کر باہر نکلنے والے تھے کہ بوا خود وہیں آ گئیں۔ آفریدی صاحب کے ساتھ اس طرح ہنستا کھلکھلاتا دیکھ کر انہیں تاؤ آ گیا۔

"یہی تو وہ طریقہ ہے، جس سے یہ دونوں آفریدی میاں تمہیں قابو کر لیتے ہیں۔"

"چلو، بوا سے معافی مانگو۔" آفریدی صاحب نے جلدی سے بوا کا غصہ دور کرنے کے لئے کہا۔

"بس، بس...... رہنے دو...... ہماری بلا سے کچھ بھی کرو۔"

"اچھی بوا معافی دے دیں۔ آپ تو ہماری اچھی بوا ہیں۔" ان دونوں نے اس قدر مظلوم سا انداز اختیار کیا کہ بوا کی محبت ٹھاٹھیں مارنے لگی۔ جھٹ مسکرا دیں۔

○❖○

"آفریدی صاحب کو اطلاع دیجئے کہ انجم شیرازی آئے ہیں۔" خوش شکل پی اے کو آفریدی صاحب کے ہم عمر صاحب نے بڑے اعتماد سے کہا۔ پی اے نے ان کے اعتماد کو ذہن میں رکھتے ہوئے فوراً انٹر کام کا بٹن دبایا اور اطلاع دے دی۔ جس تیزی سے اس نے اطلاع دی تھی اس تیزی سے آفریدی صاحب اپنے دفتر کا دروازہ کھول کر بانہیں پھیلائے باہر آ کر انجم شیرازی سے لپٹ گئے۔

"زہے نصیب! آج یہ چاند کہاں سے نکل آیا۔"

"چاند نہیں، سورج کہو۔" انجم شیرازی صاحب نے فارغ البالی کے اظہار کے لئے اپنے بغیر بالوں کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ آفریدی صاحب کا بلند و بانگ قہقہہ فضا میں بکھر گیا۔

"آؤ، اندر آؤ۔" آفریدی صاحب نے کہا اور ساتھ لے کر دفتر میں داخل ہو گئے۔

"اور کیا حال چال ہیں؟" انجم شیرازی صاحب نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"سب ٹھیک ہے، اللہ کا شکر ہے۔ تم سناؤ کب پاکستان آئے؟"

"کراچی تو تقریباً ہفتہ پہلے آئے تھے، لاہور رات ہی پہنچے ہیں۔"

"پہنچے ہیں سے مراد بھابی اور بچے ہیں۔"

"ہنہ...... اس بار مستقل سیٹ ہونے کا پروگرام لے کر آیا ہوں۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ اپنا ملک تو اپنا ہوتا ہے۔" آفریدی صاحب نے پی اون کو بیل دیتے ہوئے بلایا۔ اس کے آنے پر اچھی سی کافی اور کچھ کھانے کو لانے کے لئے کہا۔

"دراصل بچے تعلیم سے فارغ ہو گئے تھے۔ وہاں کی زندگی تعلیم کی حد تک تو میں سمجھتا ہوں ٹھیک ہے، باقی کچھ نہیں۔"

"بالکل ٹھیک کہا تم نے۔ اسی لئے میں نے ذکاء کے لاکھ اصرار پر بھی اس سے یہ وعدہ نہیں کیا کہ ...ل آتے ہی جاب کے لئے باہر جائے۔ بھئی یہاں رہ کر جو چاہے کرے، اپنا بزنس کرنا چاہے تو ...سب کچھ بیچ باچ کر چھوٹا سا کاروبار شروع کرا سکتا ہوں۔ نوکری کرنی ہو تو اس کی کوشش کرے۔ ...باہر جاب کے لئے نہیں بھیجوں گا۔"

"بہت اچھا فیصلہ ہے تمہارا۔ مگر ذکاء کی دلچسپی کس چیز میں ہے؟"

"جاب ہی کرنا چاہتا ہے، آج کل میں رزلٹ آ جائے گا تو درخواستیں دے گا۔" آفریدی صاحب نے کہا۔ کافی آ گئی تو انہوں نے انجم صاحب کے لئے خود کافی بڑھائی۔ آخر کو وہ ان کے ...ٹے جگری یار تھے۔

"بھابی ٹھیک ہیں، رخسار بیٹی اور جواد بیٹا کیسے ہیں؟"

"اے ون...... لگے گا عنقریب تمہاری طرف چکر۔"

"عنقریب کیوں، آج کیوں نہیں؟"

"دراصل کوٹھی کی صفائی ستھرائی میں لگے ہوئے ہیں۔ چار سال سے مستقل بند تھی۔ کچھ ضروری ...ان کی خریداری کرنی تھی۔ نوکروں کی تلاش میں مصروف ہیں۔ میں نے یہ سب جھنجھٹ انہیں ...کر اپنی جان چھڑائی ہے۔"

"کچھ دن میری طرف رہتے، ہم کوٹھی سیٹ کرا کے آپ کو وہاں بھیجتے۔" آفریدی صاحب نے محبت سے کہا۔

"شکریہ یار! بس ایسے بھی ٹھیک ہے۔"

''اور کاروبار؟''

''کاروبار وہی جدی پشتی گاڑیوں کا۔ نئی گاڑیوں کی فروخت کا۔ ہوم ورک مکمل کر کے انگلینڈ سے چلا تھا، اسی مہینے کی آخری تاریخوں میں گاڑیاں پہنچیں گی، شوروم خالی پڑا ہے۔ کام شروع ہو جائے گا۔''

''بہت اچھا، بلکہ بڑا اچھا کیا کہ تم پاکستان آ گئے۔'' آفریدی صاحب کھل کھل جا رہے تھے۔

''یار! آنا تو تھا ہی، بچوں کی شادیاں کرنی ہیں۔ تُو تیاری پکڑ۔'' وہ بولے۔

''تیاری ہی تیاری ہے۔ بس بچوں سے پوچھنے کی ضرورت ہے۔'' آفریدی صاحب نے کہا۔

''کیا مطلب..... تُو نے بچوں سے بات بھی نہیں کی کہ.....''

''ہاں، ہاں..... بات نہیں کی۔ کیونکہ پہلے سے بات کرنے کا فائدہ؟ اب وقت ہے، بات کر لوں گا کہ وہ کیا چاہتے ہیں؟''

''یعنی وہ کیا چاہتے ہیں ورنہ.....''

''ورنہ میں سختی کا قائل نہیں۔ بچے بالغ ہوں، باشعور ہوں، تعلیم یافتہ ہوں تو اعتماد کرنا چاہیے۔ میں نے ذکاء اور حرا کو مکمل آزادی دی ہوئی ہے۔'' آفریدی صاحب کی بات سن کر انجم شیراز صاحب ذرا دیر کو رکے پھر مسکرا کر بولے۔

''آل رائٹ..... پھر میری بھی ایک تجویز ہے۔''

''وہ کیا؟''

''پہلے کچھ وقت بچوں کو مل بیٹھنے کا دیا جائے، ایک دوسرے کو سمجھنے کا موقع دیا جائے۔ پھر بہتر رائے قائم ہوگی۔''

''یہ تو اور بھی اچھا ہے، تم لوگ پہلی فرصت میں ہماری طرف آؤ۔ بلکہ آج نہیں تو کل رات کا کھانا ہمارے ساتھ۔ انکار نہیں چلے گا۔'' آفریدی صاحب نے روانی میں پروگرام دے دیا۔ وہ رضامندی سے سر ہلانے لگے۔

○❖○

اس کے پاؤں دباتے ہوئے وہ گہری سوچ کے درمیان بار بار اس کی طرف دیکھتی۔ وہ جیسے بات سے بے نیاز آنکھیں موندے سونے کی کوشش کر رہا تھا، وہ اسی ادھیڑ بُن میں تھی کہ شکور سے کیا کہے؟ کہاں سے بات کا آغاز کرے؟ سفر کی تھکان کے ساتھ ساتھ اس کے مزاج کا بھی خیال تھا۔ اس کے علاوہ صحن میں کچھ فاصلے پر گڑیا اس کے بیٹے کے ساتھ لیٹی تھی، درمیان کے پلنگ پر بھی بچے لیٹے تھے۔ سب ابھی جاگ رہے تھے۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ گڑیا کے کانوں تک کوئی صاف صاف بات جائے۔ مگر دوسری طرف یہ بھی خیال تھا کہ کچھ ہی دیر میں غفور کھوکھا بند کر کے آ جائے گا۔ اس سے پہلے بات کرنی ضروری تھی۔ یہی سوچ کر اس نے آہستہ سے پکارا۔

''شکور..... شکور!''

''ہنہ..... کیا ہے؟'' وہ کسمسایا۔

''سو رہا ہے کیا؟'' اس نے مزید آہستہ سے پوچھا۔

''ہنہ..... سونے کے لئے ہی لیٹا ہوں۔ کیا تیرے دماغ میں یہ نہیں آ رہا۔'' وہ تنک کر اپنے مزاج کے مطابق بولا۔

''مجھے تجھ سے ضروری بات کرنی ہے۔'' اس نے ڈرتے ڈرتے مدعا بیان کیا۔

''یہ میرے آتے ہی کون سی مصیبت نازل ہو گئی جو بات کرنے کی ضرورت پڑ گئی۔'' وہ اکھڑا اکھڑا سا بولا۔

''کوئی مشکل تو ہے نا جو میں تیرا انتظار کر رہی تھی۔''

''اچھا چل بول، کیا مشکل ہے تیرے سے بڑی۔'' وہ طنزیہ بولا۔

''میری بات تحمل سے سننا، شور نہیں مچانا، کیونکہ بات کافی کڑوی ہے۔'' اس نے سنبھل کر کہا۔

''اب تُو مجھے ہدایتیں بھی دے گی۔ کیا میں پاگل ہوں جو شور مچاؤں گا؟'' وہ دہاڑا۔

''غفور نے میرا جینا حرام کیا ہوا ہے۔'' وہ جلدی سے کہہ گئی۔

''کیا کہا؟'' وہ چونکا۔

''گڑیا کی وجہ سے..... اس کے سر پر گڑیا سے شادی کا بھوت سوار ہو گیا ہے۔''

''شادی اور گڑیا سے.....؟'' اب کی بار وہ تکیہ موڑ کر گردن کے نیچے دباتے ہوئے بولا۔

''دیکھ نا، گڑیا اس کی بیٹیوں کی طرح ہے، چند دن کے لئے ہمارے پاس آئی ہے۔ میں اس کے ساتھ یہ ظلم نہیں کر سکتی۔''

''شادی کرنا ظلم تو نہیں ہے۔''

''گڑیا غفور کے جوڑ کی ہے؟'' وہ بگڑی۔

''تُو نے غفور کو سمجھایا نہیں؟''

''سمجھایا ہے۔ مگر اس کی ایک ہی ضد ہے۔ تُو اسے سمجھا۔'' اس نے کہا۔

''اچھا، اچھا..... کروں گا بات۔''

''پہلے گڑیا کو جلا جلا کر مار ڈالا اور اب گڑیا پر نظریں جما لیں۔''

''زیادہ بکواس نہ کر، گڑیا تی بی زدہ تھی۔ غفور کا اس میں کیا قصور؟'' اس نے غصے سے ایک لات اس کی کمر پر رسید کی۔ وہ پلنگ سے دور فرش پر جا گری۔ اس کے گرنے کی آواز پر گڑیا جلدی سے پلنگ سے کود کر اس کو سہارا دینے پہنچی۔ وہ دبی دبی سسکیوں کے ساتھ اس کے سہارے سے اٹھی اور اپنی چارپائی پر بے دم سی گر گئی۔ گڑیا اس کے سرہانے بیٹھ کر بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔

○❖○

"بھائی، بھائی! شرافت سے میرے حصے کے پکوڑے دے دو ورنہ......"

"ورنہ کیا...... ہیں، بولو کیا کرلو گی؟" وہ اسے چڑاتا ہوا لان میں آگے آگے دوڑتے ہوئے بولا۔

"ورنہ میں...... میں بہت شور مچاؤں گی۔" وہ زور زور سے چلاتے ہوئے بولی۔ عصر کی نماز کے لئے مصلّے پر کھڑی بوا سخت اذیت میں تھیں۔ ان کے باہر سے آنے والے شور میں نماز پڑھنی محال ہو گئی تھی۔ مگر باہر جنگ جاری تھی۔

"شور مچاؤ یا توپ چلاؤ، پکوڑے نہیں ملنے لگے۔" وہ تیز تیز منہ چلاتے ہوئے بولا اور ایک ایک کر کے تمام پکوڑے ہڑپ کر گیا۔

"آئندہ مجھ سے کبھی بات نہیں کرنا۔" وہ ناراض ہو کر بولی۔

"ٹڑیاں تم لگاؤ، تم تو بھیگی بلی کی طرح تھوڑی دیر میں میرے پاؤں چاٹو گی۔ بھائی باہر چلیں بھائی آئس کریم کھلا لاؤ، بھائی یہ، بھائی وہ۔" وہ اس کے انداز میں بولا تو جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا۔ لان میں پڑا پانی کا پائپ اٹھا کر اس کی طرف دوڑی، پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ مکمل بھیگ گیا۔ بھیگنے پر اس نے اس کے ریشمی بال ہاتھوں میں جکڑ لئے تو وہ درد سے چیخیں مارنے لگی۔

"بوا...... بوا......!"

"ارے، ارے لڑکے باؤلا ہو گیا کیا...... بچی کے بال جڑ سے نکالے گا؟" بوا ہانپتی کانپتی شور سن کر وہیں آ کر بولیں۔

"بوا! اس نے میرے سارے کپڑے گیلے کر دیئے۔"

"ہم تو تم دونوں کی بچوں جیسی حرکتوں سے تنگ آ گئے۔ آج آنے دو آفریدی کو۔ وہ درگت بنوائیں گے کہ یاد رکھو گے۔" انہوں نے دھمکی دی۔

"بوا میرے بال چھڑوائیں۔"

"ارے ذکاء بیٹا! چھوڑ دے۔ بہن ہے۔ یوں لڑائی اچھی بات نہیں۔" انہوں نے اس مرتبہ نرمی سے کہا۔

"اس کو کہو کہ یہ معافی مانگے۔"

"واہ، واہ...... کیوں، بڑے اچھے ہو جو معافی مانگوں۔" وہ اکڑ کر بولی۔

"تو ٹھیک ہے۔ پھر بال بھی نہیں چھوڑوں گا۔"

"اوں ہنہ......" وہ ٹھنکی۔

"ذکاء! سنائی نہیں دے رہی ہماری آواز۔" بوا نے گرج کر کہا تو اس نے جھٹ ڈر کر بال چھوڑ دیئے۔ حرا نے زوردار گھونسا اس کی کمر پر رسید کیا۔

"اب دیکھ لیں بوا اس حرا کی بچی کو۔"

"دیکھ لیا...... بلکہ خوب دیکھ لیا۔ رات دن یہی ہڑبونگ مچی رہتی ہے۔ کبھی شرارتیں اور کبھی دنگا۔ کوئی وقت تو ہو جو نچلے بیٹھتے ہوں، میں پوچھتی ہوں کہ نماز پڑھی یا نہیں؟" بوا نے برہمی سے دونوں کو گھورا۔

"جی ہاں، آپ سے پہلے ہم نے پڑھی۔ کیوں بھائی؟" حرا سب ناراضی بھول بھال کر بھائی سے بولی۔

"بالکل بوا، آپ نماز کے لئے نہ پوچھا کریں، آپ نے اتنی پکی عادت بنا دی ہے کہ ہم کھانا کھانا بھول سکتے ہیں مگر نماز پڑھنا نہیں بھولتے۔" ذکاء نے کہا۔

"جیتے رہو، میں قربان جاؤں اپنے چاند کے۔" بوا ایک دم فریفتہ ہو کر صدقے واری ہونے لگیں۔ ذکاء ان سے لپٹ گیا، پھر ایک دم ہی اسے شرارت سوجھی، بوا کی قمیض کا کونہ جو ان کی کرسی سے لٹک رہا تھا وہ کرسی کے پیر سے مضبوطی سے باندھ دیا۔ حرا نے دیکھ لیا تو اسے آنکھ دبا کر خاموش رہنے کو کہا۔

"بوا!" وہ لگاؤ دکھانے کو ان کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

"بوا صدقے، بولو۔"

"اس حرا کی بچی نے پکوڑوں کے چکر میں چائے ٹھنڈی کرا دی۔ آپ اچھی سی کافی بنا دیں۔" اس نے فرمائش کی۔

"بیٹھو، ہم ابھی لائے۔" یہ کہہ کر وہ تیزی سے اٹھیں مگر ساتھ ہی کرسی بھی اٹھی اور پھر وہ توازن برقرار نہ رکھتے ہوئے گر گئیں۔ اوپر کرسی بھی آ گری۔ وہ دونوں زور زور سے ہنسنے لگے۔

"ہائے...... ارے نہیں باز آئے نا تم دونوں۔ ہماری ہڈی پسلی توڑنے کی کوشش کر رہے ہو۔" وہ چلانے لگیں۔

"اٹھیں بوا، یہ بھائی تو بس......" حرا ہنسی ضبط کر کے معصومیت سے بولی اور قمیض کا کونہ کرسی سے الگ کر کے انہیں سہارا دے کر اٹھانے لگی۔

"اب یہی کسر رہ گئی ہے کہ ہمیں گراؤ، مارو۔" بوا بولیں۔ ذکاء شرمندہ ہو گیا۔

"بوا! معاف کر دیں۔ میں نے تو شرارت کی تھی۔" وہ ہاتھ جوڑ کر بولا۔ ان کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"یہ تو بتاؤ کب تک یہ شرارتیں چلیں گی۔ دونوں بڑے ہو گئے ہو۔ اب تو سدھر جاؤ۔" وہ بولیں۔

"اوکے، اوکے...... آئندہ نہیں ہو گی کوئی شرارت۔" وہ منت آمیز لہجے میں بولا۔

"کتنی دیر کو، ابھی اگلے منٹ ہی کوئی شرارت ہو رہی ہو گی۔"

"توبہ توبہ، ہرگز نہیں۔" وہ معصوم سا چہرہ بنا کر بولا۔

"ہنہ، ہرگز نہیں۔" وہ بڑبڑائیں۔

"معاف کردیں بوا۔" حرا نے بھائی کی حمایت کی۔

"تم چپ رہو شیر کی خالہ۔ اصل فسادی تم ہو۔ چلو اپنے کمرے میں۔" انہوں نے حرا کو لتاڑا تو وہ کان دبا کر اندر چل دی اور وہ بوا کی ٹانگیں دباتے ہوئے منت کرنے لگا۔

○❖○

بس سے نیچے قدم رکھ کر اس نے اطمینان بھری سانس لی اور چاروں طرف دیکھا۔ تانگے، رکشے، ویگنیں، موٹر سائیکلیں، گاڑیاں غرض کوئی ایسی سواری نہ تھی جو اڈے پر موجود نہیں تھی۔ انسانوں کا اژدھام تھا۔ چاروں طرف شور ہی شور تھا۔ وہ بچ بچا کے نکلتا ہوا کچھ ہی دیر میں اڈے سے دور تقریباً کشادہ پُرسکون سڑک پر نکل آیا۔ قدم آہستہ آہستہ اٹھاتے ہوئے وہ مسلسل یہ سوچ رہا تھا کہ کہاں جانا ہے؟ کس کے پاس جانا ہے؟ اتنا بڑا شہر اور بے بسی و بیچارگی۔ کوئی اس شہر میں اپنا پرایا نہیں تھا۔ صرف گڑیا تھی۔ اس کی گڑیا جس کے لئے زندگی زیر و زبر ہو گئی تھی، جس کی خاطر اس نے شاہانہ زندگی اختیار کی اور پھر چھوڑ دی۔ جس کی محبت میں وہ کرم داد سے چھوٹے صاحب بنا اور پھر واپس لوٹ آیا۔ نازک اور چھوٹی سی کم حیثیت لڑکی میں کتنی طاقت اور تاثیر تھی کہ وہ صرف اس کا تھا۔ اس کے لئے اس بڑے شہر میں آیا تھا۔ تمہارے پاس ابھی نہیں آؤں گا...... کچھ بنا کر تمہارے پاس آؤں گا...... میری محنت کی برکت سے اور تمہاری محبت کے لمس سے اپنا گھر آنگن مہکاؤں گا۔ میرا انتظار کرنا۔ اس نے دل ہی دل میں اسے مخاطب کیا اور قدم مضبوط ارادے کے ساتھ اٹھائے۔

رات بھر کے سفر سے نیند آنکھوں میں تھی اور جسم درد بھی کر رہا تھا۔ بھوک کی شدت نے بھی ایک بھرپور انگڑائی لی تو بے ساختہ ہی اس نے چند کھانے پینے کی دکانوں پر نظر ڈالی۔ صبح سویرے لوگ ناشتہ خریدنے کے لئے جمع تھے۔ ایک جگہ زیادہ رش تھا کیونکہ وہاں گرما گرم خستہ پوریاں تلی جا رہی تھی۔ لاہور کی دوسری مشہور سوغات میں حلوہ پوری بھی خاص مقام رکھتی ہے۔ لاہوری بڑے شوق سے حلوہ پوری کا ناشتہ کرتے ہیں۔ اشتہا انگیز خوشبو نے اس کے قدموں کو کھینچا اور وہ اسی طرف آ گیا۔ لمبی لمبی گاڑیوں کی قطار لگی ہوئی تھی۔ کافی رش تھا۔ وہ بھی باری کے انتظار میں کھڑا ہو گیا۔ ایک صاحب اس کے بالکل قریب سے حلوہ پوری کے بڑے بڑے تھیلے لئے گزرے۔ اس کے پیروں پر کچھ گرا تو اس نے فوراً پیروں کی طرف دیکھا۔ سیاہ چرمی بٹوہ اس کے قدموں پر پڑا منہ چڑا رہا تھا۔ اس نے جلدی سے بٹوہ اٹھایا اور بھیڑ سے نکل آیا۔ ادھر وہ صاحب گاڑی میں بیٹھ چکے تھے۔ گاڑی بھی اسٹارٹ کر لی تھی۔ وہ پکارتا ہوا گاڑی کے قریب آ گیا۔ انہوں نے گاڑی روک کر کھڑکی سے سر باہر نکالا تو وہ کھڑکی کے قریب آ گیا۔

"جناب! یہ آپ کا بٹوہ ہے؟" اس نے پھولی ہوئی سانس کے درمیان کہا۔ ان صاحب کو شاک لگا۔ جلدی سے اپنی جیبوں پر ہاتھ مارا۔ کرتے کی خالی جیبوں سے ہاتھ ہٹا کر وہ جلدی سے بولے۔

"ہاں، میرا بٹوہ ہے۔"

"یہ فرش پر گر گیا تھا۔ سنبھال لیجئے۔" اس نے بٹوہ ان کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"اس میں...... اس میں تو بہت بڑی رقم کا چیک ہے، اوہ میرے خدا!" انہوں نے جلدی جلدی بٹوہ کھول کر دیکھا۔

"اس میں جو کچھ بھی ہے میں نے نہیں دیکھا۔ یہ بٹوہ میرے پیروں پر گرا یہ میں نے دیکھا۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولا۔

"بہت شکریہ بیٹا...... میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" وہ کچھ شکر اور کچھ ندامت سے بولے۔

"کوئی بات نہیں۔" وہ مسکرایا۔

"دراصل اتنے بڑے شہر میں اتنا دیانتدار نوجوان حیران کن ہے میرے لئے۔ اس لئے میں نے ایسا کہا۔" انہوں نے سر تا پا اس کا جائزہ لیا۔

"جناب! اچھائی اور برائی ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔"

"لیکن آج کل برائی زیادہ عام ہے، اس میں ایک کروڑ کا چیک ہے جو کچھ دیر بعد ایک گاڑیوں کی کمپنی کو دینا ہے، کوئی بددیانت شخص ہوا تو وہ اتنی بڑی رقم کو واپس کرنے کا تصور بھی نہ کرتا۔"

"اللہ کا شکر ادا کریں کہ اس نے آپ کو نقصان سے بچایا۔"

"اللہ کا شکر بھی ادا کرتا ہوں۔ ساتھ میں تمہارا بھی بہت بہت شکریہ۔ آؤ مجھے کچھ خدمت کا موقع دو۔" وہ مسکرا کر گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے بولے۔

"جی بہت شکریہ۔ اس تکلیف کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"اچھا تعارف تو کراؤ۔"

"میرا نام کرم داد ہے۔ میں گوجرانوالہ سے ابھی آیا ہوں۔"

"اوہ، آئی سی۔ پھر تو تم لاہور میں مہمان ہو۔"

"مہمان پہلے تھا۔ اب یہیں مستقل رہنے کے لئے آیا ہوں۔"

"کیا کرتے ہو؟"

"فی الحال تو کچھ نہیں۔ نوکری کی تلاش شروع کرنی ہے۔"

"او...... اوہو...... ویری گڈ...... یعنی تمہیں نوکری کی تلاش ہے اور انجم شیرازی یعنی مجھے نوکر کی۔ نوکر بھی دیانتدار، خوبرو ہو۔ آؤ...... آؤ فوراً گاڑی میں بیٹھو۔ ہم دونوں کو اب کہیں اور نہیں جانا۔" انہوں نے باہر نکل کر اس کی پیٹھ تھپتھپائی اور اسے ڈرائیونگ سیٹ کے برابر بٹھا دیا۔

"وہ...... وہ جی...... وہ......"

"میاں باقی باتیں پھر سہی، فی الحال اتنا ہی کافی ہے کہ گاڑیوں کے شوروم کے لئے مجھے ایک عدد منیجر کی ضرورت ہے، جو ہر لحاظ سے تم جیسا چاہئے تھا۔ تمہیں ہم سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ رہائش معقول، تنخواہ، کھانا پینا سب ملے گا۔ تم نے جو مجھ پر احسان کیا ہے اس کا بدلہ بھی اتارنے دو"

گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے وہ بولے۔

''وہ تو میرا فرض تھا۔''

''تو یہ ہمارا فرض ہے کہ ایک اجنبی کو شہر کے دھکوں سے بچائیں۔ تم نہیں جانتے کہ اس بڑے میں نوکری تلاش کرنا کتنا مشکل ہے۔ ہماری نوکری تمہیں پسند آئے گی۔ اپنے گھر والوں کو بھی بلا سکتے ہو۔ میرا فلیٹ شوروم کے اوپر خالی ہے۔''

''گھر والے کوئی نہیں، گھر بناؤں گا تو گھر والے بھی آ ہی جائیں گے۔'' اس نے خیالی تصورات کے سہارے مسکرا کر کہا۔

''آل رائٹ۔ ویسے پہلے کبھی لاہور آئے ہو؟'' انہوں نے پوچھا۔

''جی.....'' اس نے تلخ یادوں کو دانتوں تلے دبا کر فقط اتنا ہی کہا۔

''پھر تو تم اس شہر کے لئے اجنبی نہیں۔''

''جی ہاں!'' اس نے پھر مختصر جواب دیا۔

○❖○

''بوا!'' آفریدی صاحب نے ناشتے کی میز سے پکارا۔

''جی بیٹا۔'' وہ گرم آملیٹ لئے فوراً باہر آ گئیں۔

''بچے کدھر ہیں..... ناشتہ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔''

''رات دیر تک جاگتے ہیں اس لئے صبح کی نماز پڑھ کر پھر سو گئے۔ کئی بار جگا کر آئی ہوں، ہی نہیں۔'' وہ بولیں۔

''کیوں دیر تک جاگتے ہیں اور کیوں اب تک سو رہے ہیں؟'' انہوں نے پھر وہی سوال دہرایا۔

''یہی تو ہم بتا رہے ہیں کہ ہمیں یہی پریشانی ہے۔ اپنی مرضی کرتے ہیں۔ ہمیں تو کسی گنتی میں کرتے نہیں۔ تمہارے لاڈ پیار نے بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔'' بوا نے سارا نزلہ ان پر ڈال دیا۔

''سچ سچ بتائیں بوا کہ کیا آپ کے لاڈلے بگڑے ہوئے بچے ہیں؟'' انہوں نے آہستہ سے پوچھا۔

''کون کہہ رہا ہے؟'' وہ زور سے بولیں۔

''پڑوسی کہہ رہے ہیں۔'' انہوں نے شرارت سے کہہ دیا۔

''ارے وہ..... بگڑے ہوؤں کو سب بگڑے ہوئے لگتے ہیں۔ کہاں ہمارے بچے اور کہاں پڑوسیوں کے آوارہ بچے۔'' وہ بگڑ کر بولیں۔ آفریدی صاحب کی ہنسی چھوٹ گئی۔

''ویسے کیا ہمارے بچے بڑے نہیں ہو گئے؟'' چائے کی چسکی لیتے ہوئے وہ بولے۔

''شرارتیں تو بچوں جیسی ہی ہیں، مگر ماشاء اللہ بڑے ہو گئے ہیں۔'' وہ تن کر بولیں۔

''تو پھر کیوں نہ ان کی شادیاں کر دی جائیں؟''

''سچ.....؟'' وہ خوشی سے بولیں۔

''بالکل سچ۔''

''کیا کوئی لڑکا اور لڑکی ہیں تمہاری نظر میں؟''

''بالکل ہیں۔ بلکہ پہلے سے تھے۔ آج رات کے کھانے پر میں نے انہیں بلایا ہے۔ فی الحال ان شیطانوں کو کچھ نہیں بتانا، بس ویسے ہی مل جل لیں۔''

''کون لوگ ہیں؟''

''ارے اپنا انجم شیرازی ہے نا، وہ پاکستان آ گیا ہے مستقل۔ اس کے ساتھ بہت پہلے میں نے طے کیا تھا کہ بڑے ہونے پر بچوں نے پسند کیا تو ہم آپس میں رشتہ داری بھی قائم کریں گے۔'' انہوں نے مفصل بتایا۔

''انجم تو اپنا بچہ ہے۔'' بوا بولیں۔

''چلو اب پینسٹھ اڑسٹھ سالہ بڈھا بھی آپ کا بچہ بن گیا۔'' وہ شرارت سے بولے تو بوا ہنس پڑیں۔ ''اب ان بلاؤں کو دیکھئے، انہیں ہدایت کرنی ضروری ہے ورنہ وہ آپ کو چکر دے کر کہیں غائب نہ ہو جائیں۔ خوامخواہ مہمانوں کے سامنے خفت اٹھانی پڑے گی۔ اور آپ بھی میرے کھاتے میں سب کچھ ڈال دیں گی۔'' وہ بولے۔

''یہ تو ٹھیک ہے، ان کو ٹھیک سے سمجھا کر جانا ورنہ وہ ہمارا تو دماغ خراب کر دیتے ہیں۔''

''آپ کھانے پر اچھی طرح اہتمام کر لیجئے گا۔''

''وہ تو ہم کر لیں گے۔''

''حرا کو کام کاج میں لگایا کریں۔'' وہ ناشتے سے فارغ ہو کر اٹھتے ہوئے بولے۔

''کیا کام کاج کرائیں۔ ابھی عمر ہی کیا ہے۔ اپنے گھر جائے گی تو کر لے گی۔'' انہوں نے کہا۔

''بس یہ لاڈ پیار ہے۔'' آفریدی صاحب نے جوابی حملہ کیا۔ وہ سمجھ کر ہنستی ہوئیں ان دونوں کے کمروں کی طرف بڑھ گئی۔

○❖○

''غفور یہ میں کیا سن رہا ہوں؟'' شکور نے ناشتہ کرتے ہوئے غفور سے پوچھا۔

''کیا سن رہے ہو بڑے بھائی؟'' وہ انگلی سے پراٹھا منہ میں ٹھونستے ہوئے بولا۔

''یہی کہ تُو شادی کرنا چاہتا ہے۔''

''تو اس میں حرج کیا ہے بڑے بھائی؟'' اس نے توے پر پراٹھا ڈالتی ہوئی صفیہ کو دیکھا۔

''کوئی خاص حرج تو نہیں، مگر تیری بھاوج کو پسند نہیں۔'' شکور نے دوغلا انداز اختیار کیا۔ صفیہ کا خون کھول اٹھا۔

''کیا پسند نہیں..... میرا شادی کرنا یا گڑیا سے شادی کرنا؟'' وہ لفظ چبا چبا کے بولا۔

"آہستہ بولو۔" صفیہ نے گڑیا کے سننے کے ڈر سے کہا۔

"کیوں...... کیا بولنے پر پابندی ہے؟" وہ الٹا بگڑ کر بولا۔

"تُو مجھ سے بات کر...... گڑیا سے شادی ضروری نہیں۔"

"کیوں، گڑیا کو سرخاب کے پَر لگے ہیں؟"

"مت نام لو گڑیا کا، شکور! اسے اچھی طرح سمجھا دو۔" صفیہ جل کر بولی اور غصے میں پاؤں پٹختی وہاں سے چلی گئی۔

"دیکھ بڑے بھائی! گڑیا بچوں کی ہر لحاظ سے اچھی دیکھ بھال کرے گی۔ بھابی کے ہاتھ [illegible] سے رہے گی اور مجھ میں کون سے کیڑے پڑے ہیں؟"

"مگر صفیہ نہیں مانتی۔" شکور نے کہا۔

"تو تُو مردوں کی طرح منوا...... یہ عورتیں ایک منٹ میں مرد کی بولی بولنے لگتی ہیں۔ دیکھ میرا فیصلہ ہے کہ گڑیا سے شادی کروں گا۔ اب تجھے دیکھنا ہے کہ بھائی کے لئے کیا کرتا ہے؟" وہ بڑا [illegible] سا بن کر بولا۔ شکور پسیج سا گیا۔

"گڑیا سے پوچھا ہے کیا؟"

"اس سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟ کل کی چھوکری ہے، جیسا ہم چاہیں گے ویسا کرے گی۔"

"مگر پھر بھی صفیہ کو سمجھانا مشکل ہے۔"

"او بڑے بھائی! تُو بیچ میں نہ آئے تو میں ایک منٹ میں اسے سمجھا دوں۔ بڑی بھاوج کر کے خیال کرتا ہوں۔" اس کی اس بدتمیزی پر بھی شکور کا خون ٹھنڈا ہی رہا۔ کیونکہ وہ غفور سے مختلف نہیں تھا۔ کھڑکی سے لگی صفیہ کی آنکھیں چھلک گئیں۔ فرش پر آلتی پالتی مارے بیٹھی گڑیا نے اسے حیرانی سے دیکھا۔

"چل پھر ٹھیک ہے، میں صفیہ سے بات کرتا ہوں۔" شکور نے رضامندی دے دی۔ صفیہ کا کلیجہ پھڑ پھڑانے لگا۔ شکور سے ہلکی سی امید تھی سو وہ بھی ختم ہوگئی۔ اس کا گلا رندھ گیا۔

"کیا بات ہے صفیہ باجی؟"

"گڑیا...... گڑیا میری جان! تجھے کیا ہوگیا ہے۔ تُو تو بڑی کوٹھیوں میں صاحب لوگوں کے ساتھ رہنا پسند کرتی تھی، تجھے بڑی بڑی کوٹھیاں اچھی لگتی تھیں۔ پھر تُو کیوں وہاں نہیں جانا چاہتی؟" اس کے سوال کا بالکل غیر متوقع جواب تھا۔ وہ پریشان ہوگئی۔

"تیرے رونے سے میرے کوٹھی میں جانے کا کیا تعلق ہے؟"

"تعلق ہے پاگل لڑکی! بہت بڑا تعلق ہے...... تُو یہاں سے فوراً چلی جا۔" اس نے دھیرے سے کہا۔

"کیوں...... کیوں تُو مجھے اسی فریب کی دنیا میں بھیجنا چاہتی ہے۔ میں نے بڑی مشکلوں سے

ٹتی جاتی ہے، اب میں وہ گڑیا نہیں جو بچوں جیسی خواہش رکھتی تھی، جسے اونچی بڑی کوٹھیوں سے عشق تھا، جو خوشبو میں بسے جسموں کو کسی اور ہی دنیا کی مخلوق سمجھتی تھی۔ وہ گڑیا تو کانچ کی گڑیا کی طرح چھناکے سے کرچی کرچی ہوگئی ہے۔ تُو نے دیکھا نہیں کہ اب میں تجھ سے ویسے بے تکے سوال نہیں کرتی جن پر تُو مجھے ڈانٹتی تھی، اماں کوستی تھیں، ابا برا بھلا کہتے تھے، بڑی مشکلوں سے تو میں نے اپنے وجود کی کرچیاں سمیٹی ہیں۔ بڑے گھروں میں کس کس قدم پر کیسی کیسی چوٹ لگی ہے تیری اس گڑیا کو تُو نہیں جانتی۔ اب مجھے یہ چھوٹا گھر برا نہیں لگتا۔" وہ رم جھم برستی آنکھوں کو صاف کرتے ہوئے گلوگیر لہجے میں بولتی چلی گئی۔ صفیہ نے اسے سینے سے لگالیا۔

"تیری ہر بات درست ہے۔ مگر یہ چھوٹا گھر تیرے لئے قید خانہ بن جائے گا۔ ایسی قید ہو جائے گی کہ تُو ثریا کی طرح، میری طرح اس قید خانے کی دیواروں سے سر ٹکرا ٹکرا کر مر جائے گی۔" وہ بے بسی سے بولی۔

"ایسا کیوں ہوگا؟" اس نے معصومیت سے پوچھا۔

"تُو لاکھ بدل جائے مگر تیری فطری معصومیت ویسی کی ویسی ہے، جو پہلے تھی۔"

"ایسا کیا ہونے والا ہے؟"

"ایک منٹ۔" صفیہ نے کہا اور اٹھ کر کھڑکی سے باہر دیکھا، وہ دونوں بھائی ناشتہ کر کے باہر جا چکے تھے۔ اس نے اطمینان سے بیٹھ کر بات شروع کی۔

"گڑیا! غفور کے ارادے ٹھیک نہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"وہ تیرے لئے اچھا نہیں سوچ رہا۔ بھیڑیا بن گیا ہے وہ۔"

"تو بن جانے دے اسے بھی بھیڑیا۔ کوئی وہ پہلا اور آخری بھیڑیا تو نہیں...... تُو مجھے کس کس سے بچائے گی۔ میں نے پہلے بھی بھیڑیے دیکھے ہیں۔" وہ بپھر کر بولی۔

"اس کا مطلب یہ نہیں کہ تُو جانتے بوجھتے خود کو غفور کے رحم و کرم پر چھوڑ دے۔"

"باجی! رحم و کرم کے قابل کہاں ہیں ہم...... ہم پر کون رحم کھائے گا؟ ہم تو اس طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جو اطاعت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ جو دوسروں کی خواہشات کا غلام ہے۔" وہ فلسفیوں کی طرح بات کر رہی تھی۔

"گڑیا! یہ وقت ان باتوں کا نہیں۔ غفور تجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے، یہ اس کا ناپاک منصوبہ ہے میں ہرگز کامیاب نہیں دیکھنا چاہتی۔ تُو...... تُو یہاں سے چلی جا۔ میں اسے سنبھال لوں گی۔"

"میں کہاں جاؤں، غفور بھائی کی اتنی گندی سوچ ہے میرے لئے تو کسی اور کے پاس میری حفاظت کہاں۔ وہ میری ثریا باجی کو نگل گئے اور اب میرے لئے اتنا گندا سوچتے ہیں؟" وہ حیرت زدہ نگاہ سے دیکھنے لگی۔

''وہ اس سے بھی زیادہ برا سوچ سکتا ہے، وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔ اس کے ساتھ شکور بھی شامل ہو گیا ہے، تیرے لئے یہ دونوں ہر راستہ بند کر دیں گے۔''

''میں غفور بھائی سے خود بات کرتی ہوں۔''

''پاگل ہے تُو..... تُو غفور کو نہیں جانتی۔ اس سے بات کرنا بے سود ہے، وہ بہت ڈھیٹ اور ضدی ہے۔''

''میں خود انکار کر دیتی ہوں۔''

''گڑیا! گڑیا! تُو سمجھ نہیں رہی کہ تیرے انکار اور اقرار سے اس کو کچھ مطلب نہیں۔ وہ ہر قیمت اپنی مرضی کرے گا۔ دیکھ اس سے پہلے کہ وہ ہم پر کڑی نگاہ رکھے تُو یہاں سے نکل جا۔ جہاں قسمت لے جائے چلی جا۔ زندگی رہی تو کسی نہ کسی موڑ پر مل جائیں گے ورنہ صبر شکر کرنا۔'' صفیہ نے رندھے ہوئے لہجے میں کہا۔

''پر..... میں کہاں جاؤں؟'' وہ پریشان تھی۔

''کہیں بھی..... یا پھر وہیں چلی جا جہاں پہلے تھی۔''

''مجھے تو رستہ بھی معلوم نہیں۔''

''اندازے سے چلی جانا..... یہ کچھ پیسے پلو سے باندھ لے اور دو جوڑے کپڑے بھی باندھ کر رکھ۔ آج ہی رات میں موقع دیکھ کر نکل جانا۔'' صفیہ نے اپنے دوپٹے کے پلو سے مڑے تڑے دو روپے اس کے ہاتھ میں دبا دیئے۔ وہ ہونق سی بہن کا منہ دیکھ رہی تھی۔

''باجی! کیا زندگی ہے میری بھی کہ کبھی رستے، جو گھر اچھے لگتے تھے اب نہیں لگتے۔ مگر تقدیر ابھی رستوں پر دھکیل رہی ہے۔ کون جانے کہ زندگی کی رات کہاں ہو اور صبح کہاں ہو؟'' وہ اداس سی بولی۔

''اللہ تیری قسمت اچھی کرے۔ تجھے میری عمر بھی لگ جائے۔ بس میرے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ میں اپنی نظروں کے سامنے تجھے جلتا کڑھتا نہیں دیکھ سکتی۔ تُو..... تُو..... چھوٹے صاحب سے میری طرف سے اپنے دل کی بات کہہ دینا۔''

''کیا ہو گیا ہے باجی تجھے..... وہ اب کرم داد نہیں ہیں، چھوٹے صاحب ہیں۔ مالک ہیں میرے۔ میں ان سے دل کی کیا بات کروں اور وہ کیونکر اب میرے دل کے قریب آئیں گے۔ تجھے یاد نہیں کہ وہ دروازے کے باہر سے لوٹ جانے والا کرم داد ہے جو میرے ہی بنائے ہوئے راستوں پر چل کر حور یہ بی بی کی زندگی میں داخل ہو گیا۔ اب اس تک جانے والا کوئی راستہ نہیں۔ ان کی راہیں حور یہ بی بی کی راہوں سے جڑی ہیں۔'' یہ سب کہتے ہوئے بہت سا نمکین پانی اس کی آنکھوں سے گوشے نمکین کر گیا۔

''تُو دل چھوٹا نہ کر..... تقدیر پر چھوڑ دے۔ جو اللہ کرے گا بہتر ہی ہو گا۔'' صفیہ نے تسلی دی۔

''باجی! تو کہے تو تیری خاطر میں یہ قربانی.....''

''پاگل نہ بن..... ہونٹ سی لے، باہر چھوٹا رو رہا ہے میں اسے دیکھتی ہوں۔'' صفیہ نے تیزی سے اس کے ہونٹوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ وہ خاموش ہو گئی۔ صفیہ باہر چلی گئی اور وہ کرم داد کے خیال سے لپٹ کر اپنی بے بسی پر آنسو بہانے لگی۔

○❖○

''شیری! فار گاڈ سیک ذرا جلدی واپس آنا۔'' ایک نئے رکھے جانے والے ملازم سے ڈرائنگ روم میں رکھے صوفے ترتیب سے رکھواتے ہوئے فرخندہ نے انجم شیرازی صاحب کو کہا جو کرم داد کے ہمراہ باہر جا رہے تھے۔ کرم داد کو شوروم دکھانا تھا، فلیٹ دکھانا تھا۔ اس کی صفائی کرا کے کرم داد کے لئے سیٹ کرانا تھا۔

''فرخندہ! ہزار بار کہا ہے باہر جاتے ہوئے پیچھے سے آواز مت دیا کرو۔'' وہ بیزاری سے بولے۔

''اوہ گاڈ! آدھے سے زیادہ زندگی یورپ میں گزار کر بھی دقیانوسی ہی رہے۔'' فرخندہ نے ماتھا پیٹ لیا۔

''رہنے دیں بیگم صاحبہ مجھے دقیانوسی ہی۔ بس اتنا کرم کرنا کہ اپنے بچوں سمیت وقت پر تیار ہو جانا۔ آفریدی وقت کا بہت پابند ہے۔'' وہ بولے۔

''شیری، ابھی چار بجے ہیں۔ رات کا کھانا ہے، کم از کم آٹھ بج جائیں گے۔'' فرخندہ نے وال کلاک پر نظر ڈالی۔

''او کے بابا!'' وہ کہتے ہوئے چلے گئے۔

''زلفی! ایسا کرو کچن میں جا کر چائے کا پانی رکھو اور غور کرو کچن کی کون کون سی ضروری چیزیں کچن میں کم ہیں؟''

''چائے کے ساتھ کباب تل لینا اور فریج سے کیک بھی نکال لینا۔'' رخسار اور جواد ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے۔ رخسار نے چائے کا آرڈر سن کر حسب عادت فرمائش کی۔

''رخسار! خدا کا خوف کرو، ابھی تین بجے دوپہر کے کھانے میں تم نے ٹھیک ٹھاک کھانا کھایا ہے، اتنی جلدی پھر کباب اور کیک کی فرمائش۔ کتنا وزن بڑھا لیا ہے تم نے۔ کون کہے گا کہ یہ گول مٹول سی لڑکی انگلینڈ سے آئی ہے جہاں لڑکے لڑکیاں صحت پر زور دیتے ہیں۔'' فرخندہ نے غصے سے سرزنش کی۔

''ارے ممی آپ دوپہر کے کھانے کی بات کر رہی ہیں۔ اس کے بعد سے اب تک موصوفہ نے کمرے میں چار کیلے، ایک سیب اور ڈھیر سارا سوہن حلوہ کھایا ہے۔ یقین نہ آئے تو کمرے میں جا کر دیکھ لیں۔ چھلکے اور حلوے کی خالی پلیٹ ان کے بیڈ پر پڑے ہیں۔'' جواد نے ماں کو بھڑکایا۔ رخسار نے گھورا۔

''میں نے کھانے میں کھایا ہی کیا تھا؟'' وہ معصوم صورت بنا کر منمنائی۔

"او خدایا! ابھی کھایا ہی کیا تھا، کون سی ڈش تھی جو تم نے نہیں کھائی۔ بالکل بھوکوں کی طرح کھا رہی تھیں۔" فرخندہ جل کر بولی۔

"میری مرضی، کھانے سے میں ہاتھ نہیں روک سکتی۔" اپنی سفید ننھی سی ناک چڑھا کر وہ بولی۔

"ممی! آپ اسے ٹوکیں ہی نہیں۔ بالکل آٹے کی بوری بن جانے دیں۔" جواد نے ٹکڑا لگایا۔

"رخسار بیٹا! اپنی صحت کی طرف دھیان دو۔ کل کلاں کو شادی کرنی ہے تو کون کرے گا شادی؟"

"ہاں بولو، کس کو آٹے کی بوری چاہئے۔ بھئی کوئی مجھے کہے کہ موٹی لڑکی سے شادی کر لو تو میں کانوں کو ہاتھ لگاؤں گا۔" جواد نے اپنی اہمیت جتائی۔

"ہاں ہاں پکڑ لینا کان..... مگر مجھے اسی طرح رہنے دو۔" وہ چڑ کر بولی اور زلفی جونہی چائے کی ٹرالی لئے اندر آیا تو اس کا چہرہ کھل اٹھا۔

"پتہ نہیں اس لڑکی کا کیا بنے گا؟" فرخندہ نے پریشان ہو کر اسے کباب کھاتے ہوئے دیکھا۔

"قسم سے کمر کا کمرا بن چکا ہے۔" جواد بولا۔ مگر وہ خاموشی سے کباب کھانے میں مگن رہی۔

"تم دونوں کو یاد ہے نا کہ آج رات کا ڈنر آفریدی انکل کے ہاں ہے۔ ٹھیک آٹھ بجے تم دونوں تیار ملنا۔ انڈر اسٹینڈ؟" فرخندہ نے دونوں کو مخاطب کیا۔

"آفریدی انکل کو فون کر کے کہہ دیں کہ رخسار کے لئے دیگ پکوائیں۔" جواد نے چھیڑا۔ فرخندہ مسکرا اٹھی۔ رخسار نے تیوری چڑھا کر دیکھا۔

"ٹھیک کہہ رہا ہے جواد۔ پرائے گھر مہمان بن کر کھانا ہے۔ گھر کی بدتمیزی تو معاف کر سکتی ہوں مگر باہر کہیں نہیں۔" فرخندہ نے تاکید کی تو رخسانہ نے برا مناتے ہوئے گردن ہلائی جو صرف نیم رضامندانہ انداز میں ہلائی گئی تھی۔

"اب جاؤ، جو کپڑے پہنے ہیں زلفی کو دو، پریس کر دے۔ وہ اکیلا ہے اور بہت سے کام کرنے ہیں۔ آہستہ آہستہ کرتا رہے گا۔" فرخندہ نے کہا اور ذرا دیر کو کمر سیدھی کرنے کے لئے اپنے بیڈ روم کی طرف چلی گئی۔ صبح سے مسلسل کام میں مصروف رہنے کی وجہ سے کافی تھکن محسوس ہو رہی تھی۔ وہ دونوں چائے پی کر ان کے کہنے کے مطابق اپنے اپنے کمروں کی طرف چل دیئے۔

○❖○

"حرا..... حرا! بوا بلا رہی ہیں۔" ذکاء نے آواز دی۔ وہ جو بالوں کو برش کر کے فارغ ہی ہوئی تھی فوراً آ گئی۔

"کیا ہے بھائی کیوں چلا رہے تھے؟"

"لو دیکھ لو، بوا! ایسے تیاری میں مصروف تھی جیسے اس کے رشتے کے لئے آ رہے ہوں۔" ذکاء نے شرارتی حملہ کر کے بوا کے پیچھے پناہ لی۔

"ارے ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ میری چندا کو کسی کی نظر نہ لگے۔" بوا نے حرا کی پیشانی چومتے ہوئے

...اور سادہ سے شیلف کاٹن کے بلیو سوٹ پر وائٹ بلیو نفیس سی کڑھائی والا دوپٹہ سلیقے سے لئے وہ لجا گئی۔

"اچھا اب زیادہ اتراؤ نہیں، چلو کچن میں۔" ذکاء نے کہا۔

"کیوں..... کیوں جائے میری بچی کچن میں۔ ابھی اس کی بوا زندہ ہے۔ میں تو صرف اس لئے آوازیں دے رہی تھی کہ مہمان آتے ہی ہوں گے۔ جلدی سے تیار ہو کر آ جاؤ۔" بوا نے وضاحت...

"میری تیاری کیسی ہے بوا؟" ذکاء نے وائٹ کڑکڑاتے کلف دار سوٹ کی چھب دکھائی۔ لمبے ...ے سجیلے وجود پر بوا نے نگاہ ڈالیں اور بلائیں لے ڈالیں۔

"اللہ میرے شہزادے کو بھی نظر بد سے محفوظ رکھے۔"

"بوا! اگر آنے والے نظر بد رکھتے ہیں تو انہیں منع کر دیتے ہیں۔" ذکاء نے اس قدر سنجیدگی سے ...ات کیا کہ بوا تو دیر میں سمجھیں البتہ حرا ہنسنے لگی۔

"ویسے بوا! یہ شیرازی انکل کی فیملی ہے کیسی؟" ذکاء نے کریدا۔

"ہنہ، نہہ....." حرا کھنکاری۔

"اچھے لوگ ہیں۔ تمہارے بابا کے بچپن کے دوست ہیں۔"

"اوہو، یہ تو میں بھی جانتا ہوں۔ میرا مطلب ہے ان کی فیملی کے دوسرے لوگ کیسے ہیں؟" وہ ...نت سے بولا۔

"بوا، سمجھا کریں بھائی کا مطلب، فیملی کی ان سے ہے۔" حرا نے بوا کو اس انداز سے سمجھانے کی کوشش کی کہ ذکاء نے اس کے خوبصورت سنورے بال مٹھی میں جکڑ لئے۔

"بچے تو انجم کے میرے ذہن میں بھی زیادہ نہیں، دراصل شادی کے بعد یہ فوراً چلا گیا تھا۔ ...رمیان میں اپنے والد صاحب کے انتقال پر بیوی بچوں سمیت پاکستان آیا تھا۔ تب بچے یہی کوئی تین ...یا چار سال کے ہوں گے۔" بوا نے حرا کے بالوں کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ وہ چلائی۔

"بوا! دیکھ لیں میرے بال۔" وہ بوا کے متوجہ ہوتے ہی بال چھوڑ کر دور ہو گیا۔

"بابا ابھی تک نہیں آئے۔" حرا نے کلاک پر نظر ڈالی۔ آٹھ بجنے کو تھے۔ آفریدی صاحب کا کہیں پتہ نہ تھا۔

"مہمان آنے والے ہیں اور آفریدی کہاں رہ گیا؟" بوا بھی متفکر سی ہو گئیں۔ عین اسی وقت فون ...ج اٹھا۔ ذکاء نے جلدی سے ریسیور اٹھایا۔

"ہیلو!"

"ہیلو ذکاء!" آفریدی صاحب کی آواز آئی۔

"ہیلو بابا! کہاں ہیں آپ؟"

"بیٹا! آج وزیر مواصلات صاحب بغیر اطلاع کے ایکسچینج کے معائنہ کو آ گئے ہیں۔ ہم ان کے
ساتھ مصروف ہیں۔ بڑی مشکل سے وقت نکال کر فون کیا ہے۔"

"اور وہ انکل شیرازی......؟"

"انہیں ایکسکیوز کر لینا اور ٹھیک سے اٹینڈ کرنا۔" وہ بولے۔

"مگر یہ......"

"بیٹا! مجبوری ہے۔ نئی کمپیوٹرائزاڈ ڈیجیٹل ایکسچینج کی کارکردگی کا جائزہ لینے کے لئے وہ آ
ہیں۔ میں ڈائریکٹر ہوں، کیسے چھوڑ کر آ جاؤں؟"

"پر بابا! اب تو رات ہو گئی۔"

"وزیروں کی مرضی سے وقت چلتا ہے۔ یہ بادشاہ لوگ ہوتے ہیں، جب جہاں چاہیں جائیں
ہیں۔ کچھ دیر بعد وہ یہاں سے جائیں گے تو میں آؤں گا۔"

"او کے اللہ حافظ۔" وہ بولا اور فون رکھ دیا۔ اس سے پہلے کہ وہ بابا سے متعلق کوئی بات کر
گاڑی کے ہارن پر سمجھ گیا کہ مہمان آ گئے ہیں۔

"آؤ...... آؤ بیٹا انجم!" بوا نے ڈرائنگ روم کے دروازے پر حرا سمیت ان کا استقبال کیا۔ ذ
انہیں اندر لے کر آیا تھا اس لئے سب سے پیچھے تھا۔

"آداب بوا......" انجم شیرازی بوا سے لپٹ کر بولے۔

"جیتے رہو۔" بوا نے ان کی پیشانی چومی۔

"بھئی رخسار اور جواد! سلام کرو بوا کو۔" انجم شیرازی صاحب نے کہا۔

"آداب بوا۔" فرخندہ اور رخسار، جواد نے ایک ساتھ کہا۔ حرا نے بھی ادب سے فرخندہ اور ا
شیرازی کو سلام کیا تو ان سب نے حرا کے دلفریب سادہ سے سراپے کو بغور دیکھا۔ فرخندہ کی تو آنکھ
چمک اٹھیں۔ جواد کے چہرے پر پھیلی دھنک انہیں بہت کچھ سمجھا گئی۔ جبکہ حرا ان کے اس طرح دیک
پر کچھ لجا کر ایک طرف ہو گئی۔ مگر اس نے صاف محسوس کیا کہ جواد کی بڑی بڑی گہری آنکھوں میں ا
کی تلاش تھی۔ اس کی نگاہیں بھٹک بھٹک کر اسے دیکھنے پر مجبور تھیں۔ وہ صوفے پر بیٹھنے کے بعد
دائیں ہاتھ بیٹھی رخسار سے گپیں لگاتی حرا کو تک رہا تھا۔ حرا اس سے لاتعلق ہونا چاہتی تھی مگر نگاہوں
تپش سے پریشان تھی۔

تسلی سے بیٹھنے کے بعد مکمل تعارف کے بعد انجم شیرازی صاحب نے چاروں طرف نظر دوڑا
ہوئے آفریدی صاحب کے بارے میں پوچھا۔

"یہ ہمارا یار اب تک نہیں آیا کیا؟"

"سوری انکل، بابا نے فون پر معذرت کی ہے۔ ان کے ڈیپارٹمنٹ کے وزیر اچانک آ گئے ہیں
اس لئے وہ آپ سے نہیں مل سکتے۔" ذکاء نے جلدی سے بتایا۔

"یہ تو زیادتی ہے۔ ہمیں کھانے پر بلا کر خود غائب۔"

"ارے بیٹا! وہ تمہیں بلا کر بہت خوش تھا، اچھی طرح کھانے کے انتظامات کی تاکید کرتا رہا ہے۔
مجبوری ہو گئی۔" بوا نے آفریدی صاحب کی غیر موجودگی میں طرف داری کی۔

"کوئی بات نہیں بوا، ہم انکل سے پھر مل لیں گے۔" رخسار نے جلدی سے کہا تو ذکاء نے گداز سی
کے گالوں پر پڑنے والے خوبصورت ڈمپل غور سے دیکھے جو اس کے تیکھے نین نقش کی موجودگی
زیادہ حسین تاثر قائم کر رہے تھے۔ ذکاء کی نظروں کا حرا نے فوراً تعاقب کیا اور آنکھ دبا دی۔ وہ
سا ہو گیا۔

"بیٹا! کھانا تیار ہے۔ کہو تو ابھی لگا دوں۔ یا پھر پہلے کچھ ٹھنڈا پینا ہے؟" بوا نے پوچھا۔

"بوا! کھانا ہی لگا دیں۔ کیونکہ مجھے بہت بھوک لگی ہے۔" سب سے پہلے رخسار نے کہا تو جواد کی
چھوٹ گئی۔ فرخندہ نے رخسار کو گھورا مگر بوا باہر چلی گئیں۔

"رخسار، بڑے شرم کی بات ہے۔" جواد نے دبے دبے لہجے میں سرزنش کی۔

"کیا ہے...... کھانا تو کھانا ہے۔ اس میں شرم کی کیا بات ہے...... کیوں ڈیڈی؟"

"ہاں، ہاں...... میری بیٹی کو ٹوکنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ خوامخواہ دبلی ہو جائے گی۔" انہوں نے
ت سے کہا۔ سب کے سب کھل کھلا کے ہنس دیئے۔ حرا کا چہرہ ہنسنے سے کھل اٹھا تھا، جواد نے اس
اس کے چہرے کے گلاب دیکھ کر اللہ تعالیٰ سے دل ہی دل میں اسے مانگ لیا۔ اسے پتہ بھی نہ
وہ اس کے دل کی ملکہ بن گئی۔

کچھ دیر وہ آپس میں گپ شپ کرتے رہے کہ بوا نے کھانا لگا کر انہیں بلایا۔ سب سے پہلے انجم
ی اور فرخندہ ڈرائنگ روم سے باہر نکلے۔ ان کے بعد ذکاء اور رخسار، حرا بھی جلدی نکلنا چاہتی
کہ اس نے بہت دھیرے سے پکارا۔

"آپ بہت اچھی ہیں۔"

"ہنہ...... ہوں......" یہ کہہ کر وہ کھل کھلائی جیسے اسے بہت حیرت ہوئی ہو یہ سب سن کر۔

"میں یعنی جواد شیرازی جھوٹ نہیں بولتا۔" اس نے وثوق سے کہا تو وہ خاموشی سے اس کو دیکھتی
سیاہ گہری آنکھوں میں طلسم تھا، سرخ و سفید چہرے پر حسین سیاہ مونچھیں اور مونچھوں کے نیچے
خوبصورت، کشادہ پیشانی پر نفاست سے سنورے بال، سب کچھ ایک حسین شخص کی شکل میں
تھا۔ چہرے سے نظر ہٹا کر اچٹتی سی نظر اس کے خوبصورت سجیلے جسم پر ڈالتی ہوئی وہ باہر نکل گئی۔
وہ بھی نپے تلے قدم اٹھاتا اس کے ساتھ ڈائننگ روم میں داخل ہو گیا۔

"کہاں رہ گئے تھے آپ دونوں؟" رخسار نے شرارتی نظروں سے جواد کو دیکھا۔ حرا شپٹا کر جلدی
ذکاء کے برابر والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"بیٹھو، کھانا نکالو پلیٹ میں۔" فرخندہ نے جواد کو پریشانی سے بچایا۔

کھانے کے بعد حرا نے کافی بنائی۔ بوا، فرخندہ اور انجم شیرازی ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر کافی ساتھ ساتھ باتیں کرنے لگے۔ جبکہ وہ چاروں ٹی وی لاؤنج میں بیٹھ گئے۔ جواد اور رخسار نے انگلینڈ کے مزیدار قصے سنائے۔ جواباً ذکاء اور حرا کون سا کم گو تھے، انہوں نے بھی نمک مرچ لگا کر مزے کی باتیں سنائیں۔ فرق صرف اتنا تھا کہ بہت زیادہ بولنے والی حرا بولتے بولتے جونہی جواد کی طرف دیکھتی تو بوکھلا جاتی۔ اس جیسی تیز طرار لڑکی کو جواد کی نظروں کا سامنا کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ دوسری طرف رخسار کافی کے ساتھ ساتھ کچھ نمکو، کچھ چپس بھی مزے لے لے کے کھا رہی تھی، بوقت ضرورت بولتی بھی تھی۔ ذکاء بھی پوری طرح ان دونوں کے ساتھ انجوائے کر رہا تھا۔ گڑیا کا پہلا جیسا جواد کی زندگی میں اچانک گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ پہلے ہو گیا تھا۔ کافی دیر وہ گپ شپ کرتے رہے، رخسار کو خوب تنگ بھی کیا اور منایا بھی۔

رات گئے وہ اچھے خوشگوار تاثرات لئے رخصت ہوئے۔ آفریدی صاحب کا دور دور تک کچھ پتہ نہ تھا۔ انجم شیرازی تھک ہار کر جانے کے لئے اٹھے تھے۔

○❖○

"گڑیا! جلدی کر، غفور شکور کے ساتھ اڈے تک گیا ہے۔ تُو نکل جا۔ تیرے ارمانوں کا گلا گھونٹنے کے لئے وہ سرخ کفن لے آیا ہے، اس نے شکور سے طے کیا ہے کہ اس کا جمعہ کو نکاح ہوگا۔" صفیہ اس کے کان میں دھیرے دھیرے کہا۔

"باجی! رات کو......" خوفزدہ سی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"رات تو ہمارے نصیبوں کی طرح کالی ہے۔ کیوں ڈرتی ہے، ہمت پکڑ۔ وہ آ جائے گا۔" صفیہ نے دلاسا دیا۔

"تجھے اس طرح چھوڑ کر......" وہ رو دی۔

"مجھے ثریا کی طرح مُردہ سمجھنا، زندگی رہی تو مل بھی سکتے ہیں، ورنہ میری اللہ سے دعا ہے کہ تجھے ہر مشکل سے بچائے، میرے حصے کی ہر خوشی تجھے دے دے، تُو خوشیوں میں کھیلے۔ بس تُو دیر نہ کر۔ کوشش کرنا کہ تُو کرم داد کے پاس پہنچ جائے۔ کیونکہ وہ اجنبی تو نہیں ہے۔ میں موقع ملا تو دا چکر لگاؤں گی۔" صفیہ نے سمجھایا۔

"ٹھیک ہے، میرے لئے اللہ سے دعا کرتی رہنا۔" کپڑوں کی پوٹلی اٹھاتے ہوئے اس نے کپکپاتی زبان سے کہا۔ آنسوؤں بھری آنکھوں میں ایک دوسرے سے دور ہونے کا کرب تڑپ رہا تھا۔ جبر کر کے صفیہ نے ہاتھ پکڑ کر کھڑکی سے باہر اترنے میں مدد دی۔ صحن میں بچے سو رہے تھے، اس نے کھڑکی کو بہتر ذریعہ سمجھا۔ تاریک گلی میں اندھیروں کے حوالے کر کے اس نے ڈبڈبائی آنکھوں سے اسے دیکھنا چاہا، مگر سایہ سا آگے بڑھتا چلا گیا۔ جب کچھ دکھائی نہ دیا تو کلیجے پر پتھر رکھ کے کھڑکی بند کر لی اور وہیں فرش پر بیٹھ کر سسکیاں لینے لگی۔ اس کی حفاظت کے لئے دعا مانگنے لگی۔

...ی اور پیاری بہن کو دنیا کی بھول بھلیوں میں گم ہونے کے لئے چھوڑ دیا تھا۔ کیا کرتی، مجبوری تھی۔ ...وہ کب چاہتی تھی کہ اب ایک پل کو بھی وہ اس سے جدا ہو...... اب تو گڑیا بھی پہلے والی گڑیا نہیں تھی۔ وہ تو خود یہاں رہنا چاہتی تھی، محلوں سے، کوٹھیوں سے نفرت تھی۔ اپنی قسمت سے سمجھوتہ کر ...والی صابر شاکر لڑکی بن چکی تھی۔ مگر اس بار بڑے لوگوں نے نہیں چھوٹے لوگوں نے اپنے گھر کے دروازے اس پر بند کر دیئے تھے۔ اسے مجبور کر دیا تھا کہ وہ لوٹ جائے، پھر اسی دنیا میں جہاں ...کی نہ کوئی تمنا رہی تھی اور نہ خواہش۔ "اے اللہ! میری گڑیا کو اچھے لوگوں سے ملانا۔ اس کی حفاظت کرنا، تجھے واسطہ پیارے نبی حضرت محمدؐ کا۔" دل سے یہ دعا نکلی تو خودبخود اسے اطمینان سا آ ...پلو سے رگڑ کر آنکھیں صاف کیں اور باہر نکل گئی۔

○❖○

"کیسے پیارے بچے ہیں، ماشاء اللہ اچھی تربیت کی ہے آفریدی بھائی نے۔" گھر پہنچ کر فرخندہ نے کہا۔

"آفریدی سے زیادہ بوا نے تربیت کی ہے، آفریدی کو تو دفتر کی ذمہ داریاں نہیں چھوڑتیں۔" انجم شیرازی صاحب نے جوتوں کے تسمے کھولتے ہوئے کہا۔

"خیر، مجھے تو حرا اپنے جواد کے لئے دل و جان سے پسند آ گئی ہے۔ میں تو ہر صورت میں اسے اپنے جواد کی دلہن بنا کر لاؤں گی۔" فرخندہ کی آنکھوں میں جگنو چمکنے لگے۔

"ہنہ...... دلہن بنا کر لاؤں گی۔ پہلے بچوں کی مرضی تو معلوم کر لو۔" آفریدی صاحب نے فرخندہ کے لہجے میں نقل اتاری۔

"جواد کی آنکھوں سے، چہرے سے، باتوں سے، ہر انداز سے حرا کے لئے پسند دیکھی ہے میں نے۔ ماں ہوں اس کی۔ فوراً بھانپ لیا تھا۔ جواد سے تو پوچھنے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ آپ بس آفریدی بھائی سے پوچھ کر بات طے کر لیں۔"

"خوامخواہ کی باتیں کرنے میں آپ کا جواب نہیں۔ بھئی آفریدی نے یہ حق ہماری طرح بچوں کو دے رکھا ہے۔ میں اور وہ رشتہ طے نہیں کر سکتے۔ اس کے لئے حرا کی رضامندی بھی ضروری ہے۔"

"تو کیا خیال ہے آپ کا حرا کی رائے کے بارے میں؟"

"کیا کہا جا سکتا ہے پہلی ملاقات میں۔ وہ اچھی سمجھدار بچی ہے۔ پسند بھی کر سکتی ہے اور ناپسند بھی۔ تم یہ بتاؤ کہ ذکاء کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"ذکاء بھی بہت ڈیشنگ، اسمارٹ ہے۔ مگر ہماری پسند سے کیا ہوتا ہے؟" فرخندہ کچھ خاموش سی ہو گئیں۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ اس نے رخسار میں اور رخسار نے اس میں کوئی خاص دلچسپی نہیں لی۔ ویسے بھی

رخسار کو تو یہ کھانے پینے کی بیماری نے پاگل کر دیا ہے۔ اسے صرف کھانے کو دے دیں۔ اور کسی چیز سے اس کو سروکار نہیں رہتا۔" فرخندہ میک اپ صاف کرتے ہوئے بولیں۔

"کوئی ضروری تو نہیں کہ دونوں رشتے ہی ہوں۔ کیا پتہ ایک بھی نہ ہو۔ ابھی تو حرا کی مرضی بھی معلوم کرنی ہے۔" وہ چینج کرنے کی غرض سے اٹھتے ہوئے بولے۔

"مگر کیسے؟"

"فی الحال بچوں کا آپس میں مکس اپ ہونا بہت ضروری ہے۔ آپ فکر نہ کریں، جو فیصلہ یہ بچے خود کریں گے وہ بہتر ہوگا۔" وہ پُرسکون انداز میں کہتے ہوئے واش روم میں گھس گئے اور فرخندہ بیگم سوچتا چھوڑ گئے۔ کچھ دیر بعد وہ باہر نکلے تو اسے اسی طرح سوچتا پا کر ہنس پڑے۔

"لگتا ہے کہ آپ پلک جھپکتے میں بیٹے کی شادی کرنا چاہتی ہیں۔"

"سچ شیری۔ آپ فوراً بھائی صاحب سے بات کریں۔ کہیں وہ کسی اور......"

"اوہو، یہ تو تم خیال ہی چھوڑ دو کہ آفریدی حرا کے لئے فیصلہ کرے گا۔ جب تک حرا کی مرضی نہیں ہوگی وہ کہیں اسے منسوب نہیں کر سکتا۔ فی الحال پریشانی چھوڑو، جلد بازی مت کیا کرو۔ جواد نے بھی آپ کو حتمی فیصلہ نہیں دیا ہے، اسے حرا سے ملنے جلنے دو کہ مت جواد کو یہ خیال دو۔ اسے اپنے ذہن کے مطابق سوچنے دو۔ ابھی کون سا وقت گزر گیا ہے۔ نہ حرا کہیں بھاگ رہی ہے اور نہ جواد۔ جائیں، کپڑے چینج کریں اور آ کر سو جائیں۔ کافی رات گزر گئی ہے۔" انہوں نے لائٹس آف کیں اور بیڈ پر دراز ہوتے ہوئے بولے۔

○❖○

"یہ کیا افسوں تم نے مجھ پر پھونک دیا ہے؟" بے قرار دل کے ساتھ بیڈ پر کروٹیں بدلتے ہوئے اس نے سوچا۔ پہلی ملاقات کے اثرات اتنے گہرے اس کے دل و دماغ پر ہوئے تھے کہ چاروں طرف اس کا مسکراتا چہرہ دکھائی دے رہا تھا۔ بڑی بڑی غزالی آنکھوں میں چمکتے شریر ستارے، گلابی لبوں کا تبسم، عارضوں پر کھلے گلاب، جواد شیرازی کے من کا قرار لوٹ لے گئے تھے۔

"یہ کیا ہوا...... جواد شیرازی پاکستان لوٹتے ہی لٹ گئے۔ انگلینڈ میں حسین تتلیوں کے بیچ رہنے کے باوجود دل اپنے سینے میں ہی دھڑکتا تھا۔ کسی نے دل اس طرح قبضے میں نہیں لیا تھا۔ کہنے کو چند ہی جملوں کے سوا کوئی بات بھی نہیں ہوئی تھی۔ صرف پہلی نظر کا کرشمہ تھا۔

"ایسا کیا ہے اس میں کہ میں یوں اسے سوچ رہا ہوں؟ یوں اس کے لئے بے قرار ہوں...... دل چاہتا تھا کہ وقت نہ گزرے، لمحے طویل ہو جائیں۔ اس کے دیکھتے دیکھتے صبح ہو جائے۔ مگر آنا پڑا۔ آ تو گیا مگر دل وہیں اس کے پاس رہ گیا تھا۔

اس نے نیند نہ آنے کے باعث بستر چھوڑ دیا۔ ٹہلتا ہوا بالکنی میں آ کھڑا ہوا۔ باہر ہلکی ہلکی ہوا کے ساتھ لان میں کھلے پھولوں کی خوشبو آنکھ مچولی کھیل رہی تھی۔ آسمان پر ستاروں کے قافلے سرگرم عمل تھے۔ آسمان سے زمین تک دودھیا روشنی کا سلسلہ جاری تھا۔ اس کی روح تک میں سکون اتر گیا۔ دل خوامخواہ گنگنانے لگا۔ اس وقت کوئی جواد جیسے نوجوان کو دیکھتا تو یقیناً اسے حیرت ہوتی کہ انگلینڈ سے آنے والا نوجوان اس قدر رومانٹک ہو رہا ہے۔ افسانوی دنیا کا کوئی کھویا کھویا ہیرو لگ رہا ہے۔ جذبے پہلی مرتبہ دل کے اُفق پر جھلملا رہے تھے اور اسے اپنے اوپر خود حیرت ہو رہی تھی کہ کیوں میں اس کے لئے اس طرح سوچ رہا ہوں...... کیا وہ بھی میرے لئے اس طرح سوچتی ہوگی؟ کیا اس کی آنکھوں میں میرے لئے محبت کے دیے جھلملا رہے ہوں گے؟ وہ بھی کروٹیں بدل رہی ہوگی؟ وہ بھی کھڑکی سے باہر چمکتے چاند اور دمکتے ستاروں کو دیکھ کر گنگنا رہی ہوگی؟

"یہ کیا ہے جواد! یہ بھی کتنی احمقانہ بات ہے کہ ایک دفعہ ملنے سے تم اسی کے خیال بُن رہے ہو اور گویا یہ کہ وہ بھی تمہارے لئے ایسا ہی سوچتی ہوگی۔ یہ کیسے ممکن ہے...... اس نے تو کسی طرح بھی تمہاری حوصلہ افزائی نہیں کی۔ جو تم نے کہا اس کا مختصر سا جواب دے دیا۔ وقت رخصت بارہا نظروں نظروں میں تم نے کچھ کہنا چاہا، کچھ پوچھنا چاہا مگر وہ نظریں چرا کر ایک طرف ہوگئی۔ صبیح رخساروں پر گھنیری پلکیں گرا کر پھر یہ بھول گئی کہ تم کیا سننا چاہتے ہو۔ حالانکہ یہ شریر سا انداز اس نے جان بوجھ

کرا اختیار کیا تھا۔'' ذہن نے اس کا تمسخر اڑایا تو وہ ملول سا ہو گیا۔

''حرا آفریدی..... یہ سچ مچ پہلی نظر کی محبت ہے۔ کوئی مذاق نہیں۔ تمہیں میری محبت قبول کرنی ہو گی۔ میرے جذبوں کی پذیرائی کرنی ہو گی..... کیونکہ جواد شیرازی تمہارے دلفریب حسن کے آگے ڈھیر ہو گیا ہے..... سر سے پاؤں تک جکڑا گیا..... اپنے اس اسیر کو مسترد مت کرنا..... شدتِ تمنا سے چاہنے کی وجہ سے میں بکھر جاؤں گا۔'' اس نے تصور میں حرا کو مخاطب کیا جو اس کی ہر بات سے بے نیاز خواب خرگوش کے مزے لے رہی تھی۔

○❖○

''ارے حرا، بچی اٹھو۔ تمہارے باؤ جی کس کو اٹھا لائے ہیں؟ اٹھ کر دیکھو۔'' وہ اسے جھنجھوڑنے لگیں۔ ''ارے کوئی نئی مصیبت گلے پڑ جائے گی۔ یہ کون سمجھائے آفریدی میاں کو۔'' وہ بولتی چلی گئی۔ حرا جھنجلا کر اٹھ بیٹھی۔

''بوا! کیا قیامت آ گئی ہے؟''

''ارے بچی قیامت ہی کہو..... تمہارے بابا تو سٹھیا گئے ہیں۔ جوان جہان لڑکی کو اٹھا لائے۔ اب پولیس آ جائے گی۔'' وہ بوکھلا کر بولیں۔

''ہیں..... لڑکی کو..... کون..... کس کو؟'' وہ پوری طرح بیدار ہو گئی۔

''اے ہے..... ہمیں کیا پتہ کون ہے۔ چل کر دیکھ لو، بے ہوش پڑی ہے۔ ہمارے پوچھنے سے پہلے ہی انہوں نے ہمیں خاموش کر دیا۔'' وہ بگڑ کر بولیں۔

''کمال ہے، بابا تو دفتر.....'' وہ بڑبڑائی۔

''ارے کھانے کے بعد ہوٹل سے واپس آ رہے تھے کہ وہ گاڑی کے سامنے آ گئی۔ یہی بتایا ہے۔''

''اوہو..... چلو، چل کر دیکھتے ہیں۔'' وہ فوراً بیڈ سے اتری۔

''ہاں! اور باپ کو سمجھاؤ۔ جانے کون ہے، کس کی بیٹی ہے؟ خوامخواہ کوئی مشکل نہ کھڑی ہو جائے۔ جہاں سے لائے ہو وہیں چھوڑ آؤ۔'' بوا نے سمجھایا۔

''مگر بوا! کہیں وہ بے چاری مشکل میں نہ ہو۔'' حرا نے کہا۔

''اور ہمارے لئے کوئی مشکل کھڑی ہو گئی تو؟'' وہ گرجیں۔

''بوا! آپ نے ہمیں ہمدردی کا سبق سکھایا ہے۔ بابا اور آپ کو ہمیشہ لوگوں سے ہمدردی کرتے دیکھا ہے۔ پھر آپ ایسا کیوں سوچ رہی ہیں؟'' حرا ان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔

''پر.....'' وہ نرم پڑ گئیں۔

''ہو سکتا ہے وہ کسی مشکل میں ہو۔ بابا نے ہمدردی میں ایسا کیا ہو۔'' اس نے تحمل سے کہا۔

''ٹھیک ہے، تم چل کر پوچھو۔ تمہیں بلایا ہے۔'' وہ بولیں تو حرا مسکرا دی۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ بوا

خود بہت رحم دل اور مہربان ہیں۔ آگے آگے بوا تھیں اور پیچھے پیچھے وہ۔ بوا بابا کے کمرے میں داخل ہوئیں۔ دروازے پر چند لمحے ٹھٹک کر وہ اعتماد کے ساتھ خود بھی اندر داخل ہو گئی۔

بیڈ پر دنیا سے بے خبر انتہائی خوبصورت، پیاری سی لڑکی لیٹی تھی۔ بابا بڑی دلجوئی سے اس کی پیشانی سے رستے خون کو کاٹن سے صاف کر رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر وہ دھیرے سے بولے۔

''آؤ حرا، اس کے قریب بیٹھو۔ پیار سے اس کے بال سنوارو۔ انگلیاں پھیرو اس کے بالوں میں۔''

''پر بابا.....'' وہ پھر رکی اور پھر بولی۔ ''بابا! یہ کون ہے؟''

''یہ تو میں بھی نہیں جانتا بیٹا! فی الحال تم اس کو سمیٹو۔ کیونکہ بکھری ہوئی چیزیں اور بکھرے ہوئے انسان اپنا تعارف نہیں کرا سکتے۔'' بابا نے اتنی گہری بات کی کہ اس کے قدم اٹھے۔ وہ اس کے سرہانے بیٹھ کر الجھے بکھرے بال سنوارنے لگی اور بوا اس کے گرد آلود تھکے ہوئے پیر اپنے آنچل سے صاف کرنے لگیں۔

''میں نے ڈاکٹر صاحب کو فون کیا ہے۔ وہ آتے ہی ہوں گے۔'' بابا نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

''اس سے پہلے پولیس آ گئی تو؟'' بوا خوفزدہ سی تھیں۔

''تو کچھ نہیں بوا، یہ بچی میری حرا کی طرح ہے۔ جائز حق دار لے جائیں گے تو لے جائیں۔ میں تو گاڑی سے ٹکرانے کی وجہ سے لانے پر مجبور تھا۔ اتنی رات گئے زخمی حالت میں سڑک پر چھوڑنا انسانیت کی توہین تھی۔'' وہ بولے۔

''یہ تو تم نے بیٹا بہت اچھا کیا۔ دیکھنے میں غریب سی، پریشان سی لگتی ہے۔ بالکل ایسی ویسی لڑکی دکھائی نہیں دے رہی ہے۔'' بوا نے گہری نظروں سے اس کا سر سے پیر تک جائزہ لیا۔

''بالکل..... ایک چھوٹی سی پوٹلی بھی اس کے پاس تھی۔ گاڑی میں پڑی ہے۔'' انہوں نے تائید کی۔

''السلام علیکم آفریدی صاحب۔'' ڈاکٹر صاحب کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولے۔

''وعلیکم السلام۔'' آفریدی صاحب نے تپاک سے ہاتھ ملایا۔

''خیریت؟''

''اس بچی کو دیکھیں۔'' انہوں نے دانستہ فقط اتنا ہی کہا۔

''یہ کون ہے؟'' ڈاکٹر نعیم جو کہ سب گھر والوں کو جانتے تھے حیرت سے بولے۔

''ڈاکٹر نعیم! انسان ہے۔ میری گاڑی سے ٹکرا گئی تھی، میں لے آیا۔'' وہ تھوڑا سا طنزیہ بولے۔

''اوہ، ویری سیڈ۔'' ڈاکٹر نعیم فوراً نادم سے ہو کر اپنا بیگ کھولنے لگے۔ پھر انہوں نے بڑے اطمینان سے اس کا معائنہ کیا۔ آفریدی صاحب، بوا اور حرا خاموش تھے۔

''کوئی پریشانی کی بات نہیں۔ ٹکر کی وجہ سے خوفزدہ ہوگئیں۔ ذہنی صدمہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کچھ دیر بعد ہوش میں آ جائیں گی۔ میں ڈریسنگ کر دیتا ہوں۔ کچھ دوائیاں بھی لکھ دیتا ہوں۔'' ڈاکٹر نے نسخہ لکھ کر آفریدی صاحب کے ہاتھ میں تھما دیا۔

''شکریہ...... کوئی پیچیدگی تو نہیں ہوگی؟''

''نہیں، نہیں...... معمولی سی چوٹ ہے۔ بہت کمزور اور بھوکی لگتی ہے۔ دودھ کے ساتھ اور وغیرہ دیں، دوائی دیں۔ انشاء اللہ بالکل ٹھیک ہوں گی۔ ورنہ پھر بھی مجھے فون کر دیجیے گا۔'' ڈاکٹر نے کہا۔

''تھینک یو۔''

''اٹس مائی پلے جر۔''

''بیٹھو بیٹا! چائے لاتی ہوں۔'' بوا نے کہا۔

''ارے نہیں بوا، یہ سونے کا وقت ہے۔ رات کے دو بج رہے ہیں۔ میں اب چلتا ہوں۔'' مسکرا کر بولے۔

''چلئے ڈاکٹر صاحب، میں گیٹ تک آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔ دوائی بھی لے آؤں گا۔'' وہ گاڑی کی چابی اٹھاتے ہوئے بولے۔

O❖O

''بڑے صاحب! آپ نے مجھے کیوں بچایا؟'' ہوش میں آنے کے باوجود وہ مسلسل خاموش، سہمی نظروں سے سب کو دیکھ رہی تھی۔ آفریدی صاحب نے بہت پیار سے، بڑی شفقت سے چھوٹے چھوٹے سوال کیے مگر اس نے زبان نہیں کھولی۔ فقط کہا تو اتنا کہا۔

''ارے ہماری بیٹی تو بول سکتی ہے۔'' آفریدی صاحب خوشی سے بولے۔ بوا بھی مسکرانے لگیں۔ حرا تو تھک ہار کے یونیورسٹی کے لئے تیار ہونے چلی گئی تھی۔ ذکاء مسلسل اس کی موجودگی سے بے خبر تھا۔ آفریدی صاحب نے حرا سے کہہ دیا تھا کہ وہ یونیورسٹی ذکاء کے ساتھ جائے کیونکہ وہ ہر صورت اس کے بارے میں کچھ جاننا چاہتے تھے، اسے کچھ کھلانا پلانا چاہتے تھے۔ دودھ ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ دوائی بھی جوں کی توں پڑی تھی۔

''بڑے صاحب! آپ کا شکریہ۔ اب مجھے جانے دو۔'' وہ ان کی خوشی یکسر ٹال کر سنجیدگی سے بولی۔

''بیٹا جی! یہ آپ بڑے صاحب، بڑے صاحب کیوں کہہ رہی ہیں؟'' وہ بھی بات بدل کر بولے۔ وہ ان کی بات سن کر ان کا چہرہ تکنے لگی جیسے اسے ان کی بات پر یقین نہیں آیا۔

''بیٹی! جس گھر میں تم ہو، یہاں سب چھوٹے ہیں، سب ایک ایسے ہیں۔ کوئی بڑا صاحب نہیں۔'' وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولے۔

''اور چھوٹے صاحب......'' وہ بے ساختہ پوچھ بیٹھی۔

''ہا، ہا، ہا...... سیدھی سی بات ہے، جب کوئی بڑے صاحب نہیں تو چھوٹے صاحب کہاں سے ہیں گے۔ تم اپنے بارے میں بتاؤ۔ مت ڈرو، ہر لحاظ سے یہاں محفوظ ہو۔''

''میں حرا اور ذکاء کے لئے ناشتہ بنا آؤں اور دودھ بھی گرم کر لاتی ہوں۔'' بوا نے کہا۔

''بوا! آپ ہمارا اور ہماری بیٹی کا ناشتہ یہیں لے آئیے۔'' آفریدی صاحب نے مسکرا کر کہا۔

''اچھی بات۔'' وہ حیرت زدہ تھی کہ اتنے عالی شان کمرے میں بالکل بڑے صاحب جیسا انسان بیٹی کہہ رہا تھا، اس کے ساتھ ناشتہ کرنا چاہتا تھا۔

''پریشان مت ہو بیٹی...... تم واقعی میری بیٹی کی طرح ہو۔''

''مگر میں تو......'' اس کی زبان لڑکھڑا گئی۔

''کون ہو تم...... کس کی بیٹی ہو...... کہاں جا رہی تھیں؟''

''کوئی نہیں ہوں میں...... کسی کی بیٹی نہیں ہوں...... اور کہاں جا رہی تھی، یہ تو کچھ معلوم ہی نہیں۔'' گزشتہ لمحے سوچ کر وہ رو پڑی۔ سسکیاں لینے لگی۔

''ارے...... ارے بیٹا روتے نہیں۔ آپ بھول رہی ہو۔ آپ تو ہمارے پاس آ رہی تھیں۔ دیکھیں آپ یہاں ہیں ہمارے ساتھ۔'' انہوں نے انتہائی محبت سے اس کی پیشانی چومی۔

''جی......؟'' وہ شدید جھٹکے سے دوچار ہوئی۔

''دیکھو بیٹی! تمہاری ظاہری حالت دیکھ کر میں یہ اندازہ لگا سکتا ہوں کہ تم انتہائی مشکل حالات میں باہر نکلی ہو اور سوچ بول رہی ہو اور کچھ اپنے بارے میں نہیں بتانا چاہتیں تو مت بتاؤ۔ فقط ایک سوال کا جواب دو۔'' انہوں نے رک کر دیکھا اور پھر پوچھا۔ ''اب کہاں جانا چاہتی ہو؟'' اس سوال پر وہ ہونٹ چبانے لگی۔

''میں سمجھ گیا کہ تمہارا کوئی ٹھکانا نہیں۔ لیکن باپ کا گھر بیٹی کا ٹھکانا ہوتا ہے۔'' وہ مسکرائے۔

''باپ کا گھر......؟''

''یہ آپ کا گھر ہے...... ہم آپ کے باپ ہیں۔ پھر پریشانی کیسی؟''

''آپ...... آپ؟'' اسے دوسرا شاک لگا۔

''ہم جھوٹ نہیں بولتے۔ واقعی آپ ہماری بیٹی ہو...... ابھی ہم سب کو یہ کہیں گے اور یہ گھر آپ کا بھی ہے۔''

''آپ میرے بارے میں جب جانیں گے تو آپ بڑے صاحب بن جائیں گے۔''

''تو پھر آپ کچھ نہ بتائیں، صرف اپنا نام بتائیں بس۔''

''نام......'' اس کے لب پھر سل گئے۔

''نام تو ہم رکھیں گے آپ کا...... اوں......'' وہ سوچتے ہوئے بولے۔ اسی اثناء میں ذکاء نے ان

کو چونکا دیا۔

''کومل آفریدی۔''

''واہ، ونڈرفل..... بالکل ٹھیک۔'' آفریدی صاحب بولے۔

''سن لیا آپ نے کہ آپ کا نام کومل ہے..... کوئی آپ کو دیکھ کر آپ کے نام سے متفق ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔'' ذکاء ایک گہری سانس اس پر ڈال کر براہ راست اس سے مخاطب ہوا۔ وہ معصوم نظروں سے اپنے محسنوں کو دیکھنے لگی۔

''ذکاء! بہن کو چھوڑنے نہیں گئے؟'' بابا نے پوچھا۔

''بس بابا جا رہا ہوں..... چابی دے دیں۔''

''میرے دفتر کا ٹائم ہو رہا ہے، ذرا جلدی آنا۔''

''جی بہتر۔''

''ارے لڑکے، بہن باہر انتظار میں کھڑی ہے، دیر ہو رہی ہے۔'' بوا ناشتہ اٹھائے آتی ہوئی بولیں۔ ذکاء آندھی اور طوفان کی طرح باہر نکل گیا۔

''اٹھو بیٹی..... ہاتھ منہ دھولو، ناشتہ آچکا ہے۔'' آفریدی صاحب نے کہا۔

''اوں.....'' وہ چونکی۔

''کیا سوچ رہی ہو؟''

''بس یہی کہ کیا میں خواب میں ہوں؟''

''تم بالکل حقیقت میں ہو..... فرق صرف اتنا سا ہے کہ زندگی کی تلخیوں نے حقیقت پر سے اعتبار اٹھا دیا ہے۔ تمہیں ہماری سچائی پر یقین آنا چاہئے۔''

''صاحب! میں یہاں کے قابل نہیں۔'' وہ اداسی سے بولی۔

''ماضی کو بھلانا مشکل ضرور ہوتا ہے مگر تمہیں سب کچھ بھلا دینا چاہئے۔ ہمارے اس پیارے گھر میں صرف انسانوں کی عزت کی جاتی ہے۔ یہاں رہنے پر یہ سب تم جان جاؤ گی۔ میرے علاوہ بھی کوئی یہاں تم سے تمہارا ماضی نہیں پوچھے گا۔ اب اٹھو اور نئی زندگی شروع کرو۔ ہماری کومل بن کر۔'' وہ بہت پیار سے سمجھاتے ہوئے بولے۔

''پر میرے لئے یہاں رہنا کتنا مشکل ہوگا؟''

''کچھ مشکل نہیں۔ بوا، حرا اور ذکاء تمہیں اتنی محبت سے سمیٹ لیں گے کہ تم حیران رہ جاؤ گی۔''

''اور جب سب کو میرے بارے میں پتہ چلے گا تو صاحب وہ مجھ پر تھوکیں گے۔''

''ایسا نہیں سوچتے۔ اور صاحب صاحب بند کرو، صرف بابا کہو۔'' انہوں نے سر پر ہلکی سی چپت لگائی۔

وہ اٹھ کر واش روم میں گئی تو بوا کے اندر مچلتے وسوسوں نے اظہار کی شکل اختیار کی۔

''آفریدی! ہمارا دل کچھ ڈر رہا ہے۔ اس بچی کے گھر والے آگئے تو؟''

''بوا! اگر اس کے گھر والے ہوتے تو اس کی شکل اپنی حرا جیسی ہزاروں لڑکیوں جیسی ہوتی۔ آپ نے دیکھا نہیں کس قدر بے بسی اور بے چارگی ہے اس کے لہجے میں۔ کتنا دکھ اور اداسی ہے اس کی آنکھوں میں۔ ایسا لگتا ہے کہ زمانے کی مخالف ہواؤں نے اس کو منزلوں کے فریب سے دوچار کر رکھا ہے، کتنی پیاری اور بھولی سی صورت ہے اس کی۔ آپ وہم نہ کریں، بلکہ جو سبق آپ نے ہم سب کو دیا ہے وہ اس کو بھی دیں۔ اسے حرا کی طرح پیار دیں۔ اپنے رنگ میں رنگ لیں۔'' آفریدی صاحب نے بوا کے ہاتھ، ہاتھوں میں دباتے ہوئے دھیرے دھیرے کہا۔

''ہم تو فقط اس لئے کہہ رہے تھے کہ کہیں کوئی ہوا تو..... اور اپنے جان پہچان والوں کو کیا کہیں گے؟''

''یہی کہ کومل ہماری بیٹی ہے۔ اس گھر کی عزت ہے۔ پوچھنے والا خود بخود خاموش ہو جائے گا۔''

''بہت کم عمر سی ہے۔ نجانے کیا مجبوری آپڑی ہے۔''

''آپ یقین نہیں کریں گی کہ جب یہ گاڑی سے ٹکرائی تو کتنا درد تھا اس کے چہرے پر۔ منہ سے نکلنے والی چیخ کسی غزال کی فریاد سے کم نہیں تھی۔'' وہ بولے۔ بوا ہونٹ کاٹ کر رہ گئیں۔

○❖○

''توبہ، توبہ..... کیسی حرافہ لڑکی تھی۔'' صحن میں جمع ہو کر مزے لینے والیوں میں سے ایک بولی۔

صفیہ نے غصے سے گھورا۔

''ٹھیک کہتی ہو..... لگتی کتنی معصوم تھی اور کرتوت دیکھو۔'' دوسری ہمسائی نے بڑھ چڑھ کر ہاں میں ہاں ملائی۔

''زمانہ ہی خراب آگیا ہے۔ گھر سے بھاگنا تو کھیل بن گیا ہے۔'' تیسری نے زمانے کی تعریف میں ناک چڑھائی۔ صفیہ کو منہ کھولنا ہی پڑا۔

''کس نے..... کس نے کہا ہے تم سے کہ وہ گھر سے بھاگی ہے؟''

''تو کیا وہ تبلیغ خانے میں ہے؟'' ایک نے تمسخر اڑایا۔ سب ہنس پڑیں۔

''وہ جہاں کہیں بھی ہے، اللہ اس کی حفاظت کرے۔ وہ خوش رہے۔'' وہ گرج کر بولی۔

''یہ تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو صفیہ ورنہ.....'' ایک نے جان بوجھ کر ذومعنی جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''ورنہ کیا.....؟''

''ورنہ ایسی لڑکیاں یا تو کوٹھوں پر بیٹھتی ہیں یا پھر.....''

''بکو مت.....'' زور سے چلا کر پوری قوت سے اس نے تھپڑ بولنے والی کے منہ پر جڑ دیا۔ سب کی سب ایک دم خاموش ہو گئیں۔

''تم کیا جانو کہ وہ کیوں گئی ہے۔ میں بہن ہوں، میرا کلیجہ چیر کر دیکھو، تمہیں اس کی روتی بلکتی

صورت دکھائی دے گی۔" صفیہ گلوگیر لہجے میں بولی۔

"ہنہ..... گھر سے بھاگنے والی لڑکیوں کے لچھن ایسے ہی ہوتے ہیں۔" ان سب میں سب سے زیادہ عمر کی خاتون نے تنک کر کہا اور سب کو چلنے کا اشارہ کیا۔

"بھاوج! لوگوں کی باتیں سچی ہیں۔ تمہاری بہن نے تو ہمارے خاندان کی ناک کٹوا دی ہے باہر سے اندر داخل ہوتے ہوئے غفور نے بھنا کر کہا۔ صفیہ نے خوفزدہ ہو کر اس کی طرف دیکھا۔

"یہ دیکھ رہی ہو کہ وہ حرام خور ملی یا نہیں تو اتنا جان لے بھابی کہ میں اسے ڈھونڈ کر رہوں گا جب وہ مل گئی تو اس کا وہ حشر کروں گا کہ یہ سب محلے والے دیکھیں گے۔" اسے خونخوار لہجے میں دھمکی دی۔ سب خواتین چلی گئیں تو وہ اطمینان سے اور پورے وثوق سے بولی۔

"وہ اب تمہیں کبھی نہیں ملے گی۔"

"اسے ڈھونڈنا میری ضد ہے۔"

"کہاں میری کانی سی بہن اور کہاں تُو..... تُو نے تو میری ہنستی مسکراتی ثریا کو موت کے منہ میں دھکیل دیا۔" وہ نفرت سے پھنکاری۔

"ایک بار شکور بھائی آجائیں پھر تیرا بھی بندوبست کراتا ہوں۔"

"ارے جا..... جا خدائی فوجدار بننے کی ضرورت نہیں۔"

"اگر وہ کسی بدمعاش کے ہاتھ لگ گئی تو پھر غفور کی قدر آئے گی۔"

"اللہ نہ کرے، تمہارے منہ میں خاک..... اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کریں گے۔" وہ بڑبڑے سے کہہ کر نلکے کے پاس پڑے گندے برتن دھونے بیٹھ گئی۔ غفور غصیلی نظروں سے گھورتا دوبارہ باہر چلا گیا تو برتن دھوتے دھوتے اس کے ہاتھ رک گئے۔ نگاہیں آسمان کی طرف اٹھ گئیں دل سے ایک ہی آواز نکلنے لگی۔ "اے میرے مالک! میری معصوم بہن کو زمانے کی ٹھوکروں سے بچانا۔ اسے اچھی زندگی عطا کرنا..... وہ بالکل کم عقل اور نادان ہے..... پوری طرح نہ کبھی ہنسی اور مسکرائی۔ چھوٹی سی عمر میں اس نے زندگی کے کڑوے گھونٹ بھرے ہیں۔ اب تو اسے سکون بھری زندگی عطا کرنا۔ وہ جہاں بھی رہے خوش رہے۔"

○❖○

"ہیلو ینگ مین۔" انجم شیرازی جواد کے ہمراہ شوروم پہنچے۔

"ہیلو۔" ایئر کنڈیشنر کی فننگ کا جائزہ لیتے ہوئے وہ ان کی آواز پر چونکا اور مسکرا کر بولا۔

"سب ٹھیک ہو گیا؟" وہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

"جی اللہ کی مہربانی سے..... مگر پھر بھی کافی کام ہے۔" اس نے بتایا۔

"کم داد، پینٹ کا کلر چینج کراؤ۔ یہ تو بہت اولڈ لگتا ہے۔" جواد نے کہا۔

"یہ تو سر کی مرضی سے پہلے کا ہوا ہے۔"

"کیا خرابی ہے اس میں؟"

"ڈیڈی! یہ کلر آنکھوں میں چبھ رہا ہے۔ بس آف وہائٹ یا لائٹ گرے کروائیں۔" جواد نے جواب دیا۔

"یار کرم داد! بھئی کلر چینج کرالو۔ ڈائری میں اشرف پینٹ کمپنی کا نمبر ہے، انہیں کہو آ کر کلرز چارٹ دکھائیں۔ جو یہ کہتا ہے کروالو۔"

"بہتر سر۔"

"اور ہاں، فلیٹ ٹھیک ٹھاک ہو گیا؟"

"جی، رات بھر اسی میں لگا رہا۔"

"ویری گڈ..... کسی چیز کی ضرورت ہو تو....."

"سب کچھ ہے، آج ایک چارپائی خریدنی ہے۔"

"ہیں! او بھائی میاں ایسا ظلم نہ کرنا۔ فلیٹ میں چارپائی رکھو گے؟ ہماری بیگم صاحبہ نے گھر کا تمام فرنیچر بدل دیا ہے۔ بیڈ وہاں سے بھجوا دوں گا۔" انجم صاحب بولے۔

"بہت شکریہ۔"

"کھانا وانا پکا لیتے ہو؟" جواد نے پوچھا۔

"جی کافی اچھا۔"

"واہ! بہت اچھے۔ یہ کھانا زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ یہ حل ہو جائے تو انسان بیوی نما خوفناک چیز سے بچا رہے۔" انجم صاحب نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔ جواد اور وہ دونوں ہنس پڑے۔

"کسی دن کرم داد کے ہاتھ کا کھانا کھائیں گے۔" جواد نے کہا۔

"اپنے تک ہی رکھنا یہ بات۔ اگر رخسار کو پتہ لگ گیا تو وہ گھر میں کم، یہاں زیادہ نظر آئے گی۔" انجم صاحب نے مضحکہ خیز لہجے میں کہا۔ جواد کا قہقہہ بہت بلند تھا۔

"سر! گاڑیاں کتنے دنوں تک آجائیں گی؟"

"یہ مہینہ تو کم از کم لگ جائے گا۔"

"ڈیڈی! آپ یہاں رکیں گے؟" جواد نے پوچھا۔

"کیوں، خیریت؟"

"میں ذرا جانا چاہ رہا تھا۔" وہ ناخن چباتے ہوئے بولا۔

"ذرا کیوں، بہت سا جاؤ۔ مگر برخوردار جاؤ گے کہاں، فقط اتنا بتا دو۔ کیونکہ آپ کی ممی کو گھر پہنچتے ہی پہلا سوال یہ کرنا ہے۔" انجم شیرازی صاحب بلا کے ظریف طبع تھے۔ کوئی موقع کم ہی ہاتھ سے جانے دیتے تھے۔

"بس باہر کہیں۔" وہ ٹال مٹول کرنے لگا۔

''بس کہیں وہیں جہاں وہ۔'' وہ شرارت سے بول۔

''ڈیڈی!'' وہ بگڑا۔

''میرا مطلب تھا کہ جہاں ندیا بہتی ہے اس شہر میں ایک پاگل سے آفریدی صاحب رہتے ہیں ان کے ہاں جانا ہے۔'' انہوں نے سچ مچ اس کے دل کی بات کہہ ڈالی۔ وہ کھسیانا ہو کر گاڑی کی چابی لے کر باہر نکل گیا۔

''دیکھ رہے ہو کرم داد! ایک دفعہ ملنے پر صاحبزادے کا یہ حال ہو گیا ہے۔ ایک دو بار مل لیا تو گیا لو گیا کام سے۔ محبت بھی بڑی ظالم چیز ہے۔'' وہ اپنی ترنگ میں کہہ گئے۔ مسکراتے مسکراتے کرم داد نے چونک کر ان کی طرف دیکھا، کتنا سچ بول رہے تھے وہ۔ محبت کے احساس کو اس سے زیادہ کون جان سکتا تھا؟

''کہاں کھو گئے؟''

''بس یونہی کچھ یاد آ گیا تھا۔'' وہ ٹال گیا۔

''تمہارا بھی کوئی ایسا ہے جو یاد آتا ہے؟'' وہ بولے تو وہ ہنس دیا۔

○❖○

''کومل...... کومل بیٹی! کمرے سے باہر نکلو۔'' بوا آوازیں دیتی ہوئیں کمرے میں داخل ہوئیں۔ وہ جو اپنے آپ سے بھی دور کہیں گم تھی ان کے پکارنے پر بھی نہیں چونکی۔

''کومل! کہاں ہو تم؟'' انہوں نے پھر پکارا تو وہ ایک دم بوکھلا سی گئی۔

''جی بوا!''

''کیا ہو جاتا ہے تمہیں؟''

''بوا! نیا نام آہستہ آہستہ ہی اپنا لگے گا۔''

''چھوڑو سب باتیں۔ اٹھو، نہاؤ، کپڑے بدلو، گھومو پھرو۔''

''بس دل ہی نہیں چاہ رہا۔''

''تمہاری اداسی میں سمجھتی ہوں بیٹا! مگر اب نئی زندگی سے سمجھوتہ کر لیا ہے تو سب کچھ بھول جاؤ۔''

''کیسے بھول جاؤں اور کسے یاد رکھوں؟'' بے اختیار ہی اس کے آنسو بہہ نکلے۔ بوا نے اسے سینے سے لگا لیا۔

''کیوں ہلکان کرتی ہو میری چندا! اللہ بہتری کرے گا۔ گوشت ناخنوں سے جدا نہیں ہوتا۔ تمہارے جو بھی اپنے رشتے ہیں ایک روز ضرور ملیں گے۔''

''سچ بوا......'' اس نے بھولی صورت بنا کر پوچھا۔

''بالکل سچ۔''

''آپ کتنی اچھی ہیں بوا۔'' وہ پیار سے بولی۔

''پیاری اور اچھی تو تم ہو۔ اب اٹھ کر نہاؤ۔ میں جا کر کھانا دیکھتی ہوں۔ کچھ کام باقی ہے۔''

''اور میرے کپڑے۔''

''حرا کے کپڑوں سے اس کی دونوں الماریاں بھری ہوئی ہیں۔ جو دل چاہے نکال کر پہن لو۔ اس کمرے سے نکل کر کونے والا کمرہ حرا کا ہے۔'' انہوں نے بتایا۔

''ان کے کپڑے...... اور وہ؟'' وہ سہم کر بولی۔

''کیا وہ بھی...... وہ تمہاری بہن ہے۔ بڑی بہن۔ یہاں ہمارے گھر میں سب مل جل کر رہتے ہیں۔ حرا تو تم سے یہ بھی نہیں پوچھے گی کہ کپڑے کس نے دیئے۔'' بوا نے کہا اور چلی گئیں۔ اس نے زمین پر قدم رکھے اور تشکر بھری آنکھوں سے آسمان کی طرف دیکھا۔

''اے اللہ! تُو کتنا کارساز ہے...... تُو نے مجھے کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ کتنے اچھے لوگ میرے نصیب کر دیئے۔ میں نے ایسا کون سا نیک کام کیا تھا کہ ایسے محبت بھرے گھر میں میری جگہ بنا دی۔ میں نے تو سسکتے ہوئے ماحول میں آنکھ کھولی تھی جس میں اندر صرف گھٹن تھی، سسکیاں تھیں، ارمانوں کا خون تھا اور جس کے باہر ایک مصنوعی دلفریب نظارہ تھا۔ جھوٹ، ریا، مفاد پرستی سے بھرے لوگ تھے۔ اندر سے نفرت کرنے والی گڑیا، باہر کی اس دنیا سے، اس کے رہنے والوں سے کتنا پیار کرتی تھی۔ خود کو دھوکا دیتی تھی مگر پھر یہ تُو نے مجھے تیسری کیسی انوکھی دنیا میں لا کھڑا کیا...... میں تو تجھ سے شکوہ کرتی تھی کہ ان امیر لوگوں جیسی کیوں نہیں...... کیا تُو نے میری فریاد، میری بے بسی کو سن کر اتنا پیارا گھر اور اتنے پیارے لوگ دیئے۔ یہ گھر تو جنت کا حصہ معلوم ہوتا ہے۔ تُو نے مجھے جنت دے دی تو میرے رب، مجھے میرا کرم داد بھی دے دے...... اسے بھی مجھ سے ملا دے۔''

کرم داد کی تمنا کب اس کے لبوں پر دعا بن گئی یہ اسے پتہ نہیں چلا۔ گاڑی کے مسلسل ہارن پر وہ اس دنیا میں آئی۔ ہارن مسلسل بج رہا تھا۔ اس نے کھڑکی سے پردہ سرکا کر دیکھا تو گیٹ سے سفید گاڑی واپس نکل چکی تھی۔ دائیں ہاتھ گاڑی مڑی ہی تھی کہ سرخ گاڑی اندر داخل ہو گئی۔ اس میں ذکاء اور حرا تھے۔ تیزی سے گاڑی روک کے ذکاء، حرا سے پہلے باہر نکلا اور جونہی وہ باہر نکلی تو اس نے اس کا کان پکڑ لیا۔ وہ درد سے چیخنے چلانے لگی۔ کھڑکی سے دیکھتے ہوئے وہ کھل کھلا کے ہنس پڑی۔ فضا میں جلترنگ بج اٹھے۔ ذکاء سمیت حرا نے کھڑکی کی سمت دیکھا۔ میلے سے کپڑوں اور الجھے ہوئے بالوں کے ساتھ سفید چمکتے ہوئے دانت ان دونوں کو چونکا گئے...... وہ چھوٹی سی بچی کی طرح ہنس رہی تھی۔ اس کی بے پروائی، سادگی پر ذکاء کا دل قابو سے باہر ہو گیا۔ حرا نے موقع غنیمت جانا، آسانی سے کان چھڑا کر بھاگی۔ ذکاء چونکا تو اس کا قہقہہ اور بلند ہو گیا۔ ذکاء کو ایسے لگا جیسے کوئی کلی چٹک کر پھول بن گئی ہو یا پھر گہری سیاہ رات میں چاند مسکرانے لگے۔ کچھ دیر میں حرا نے کھڑکی میں سے منہ چڑایا تو ذکاء خفت سے سر کھجاتا ہوا اندر چلا آیا۔

○❖○

سیاہ کرتے، سفید شلوار کے ساتھ سفید بڑے سے دوپٹے میں بہت حیران ہوکر اس نے آئینے میں اپنا آپ دیکھا تو پہچاننا مشکل ہوگیا۔ وہ ایک نئے انوکھے چہرے سے متعارف ہوئی تھی۔ وہ ویسی ہی حسین لگ رہی تھی جیسا کہ وہ اپنے بارے میں سوچتی تھی۔ حرا نے اس کے ریشمی بالوں پر پیار سے برش کرتے ہوئے اس کے رخسار چومے۔ پہلی بار شیمپو کرنے کی وجہ سے بال ریشم کی طرح پھسل رہے تھے۔ اس کے چہرے پر لٹیں جھول رہی تھیں۔

''بہت حسین ہو...... کسی کی نظر نہ لگ جائے۔'' حرا نے کہا تو اس نے ہلکے سے مسکرا کر کچھ اداسی سے دیکھا۔

''اداس نہیں ہوتے اچھی بہن۔ ہم سب تمہارے ہیں۔'' حرا نے اس کی اداسی بھانپتے ہوئے کہا۔

''حرا باجی! اپنا آپ پہچاننا مشکل ہورہا ہے...... کہاں وہ اور کہاں یہ؟'' اس نے پلٹ کر شیشے میں اپنے عکس کی طرف اشارہ کیا۔

''بارش کے بعد ہر شے صاف اور اجلی ہو جاتی ہے۔ تم بھی بہت پیاری اور نکھری نکھری دکھائی دے رہی ہو۔ سمجھ لو کہ سب گرد میل کچیل دھل گیا اور دور دور تک فضا صاف شفاف ہے۔'' حرا نے اس کی ٹھوڑی اوپر انگلی سے اٹھاتے ہوئے سمجھایا اور اسے سچ مچ یقین آ گیا۔

''آپ سب بہت اچھے ہیں۔'' وہ حرا سے لپٹ گئی۔

''یہ اس لئے کہہ رہی ہو کہ تم اپنے بارے میں نہیں جانتیں کومل۔ تم خود اتنی اچھی ہو کہ یہ آئینہ بھی سچ بول کر یہ نہیں کہہ سکتا۔ دیکھو ذرا کس قدر خوبصورت، چمکتی ہوئی بڑی بڑی آنکھیں ہیں۔ کتنے نازک اور گلابی ہونٹ ہیں۔ کیسا سندور میں گھلا رنگ ہے اور کیسے ریشمی بال ہیں؟'' حرا نے کھڑے کھڑے اس کی تعریف میں تقریر کرڈالی۔

''واہ، واہ...... کیا تعریف ہے؟ کیا انداز ہے؟'' کمرے میں تالیاں بجاتے ہوئے ذکاء داخل ہو گیا۔

''ذکاء بھائی! آپ کی یہاں کوئی ضرورت نہیں۔'' حرا نے تالیاں بجانے پر چڑ کر کہا۔

''یہاں تمہاری کوئی ضرورت نہیں۔''

''کیا مطلب؟''

''بابا بلا رہے ہیں۔ جایئے۔'' وہ جلدی سے بولا۔ حرا بنا کچھ کہے فوراً چلی گئی تو وہ تھوڑی سی گھبراہٹ سے نظر ڈال کر نظریں جھکاتے ہوئے بولا۔

''آپ تو بالکل بدل گئیں۔''

''جی آپ سب نے بدل دیا۔'' وہ تشکر آمیز لہجے میں بولی۔

''اچھا ہی کیا...... تم اب اپنی اپنی سی لگ رہی ہو۔'' وہ نرمی سے دل کی بات کہہ گیا۔

''چھوٹے صاحب......'' بولتے بولتے ایک دم رک گئی۔

''کیا کہا، کچھ کہا؟'' وہ کچھ نہ سمجھ سکا۔

''نہیں...... وہ میں......''

''حیرت ہے کہ اس زمانے میں اتنی بھولی اور معصوم لڑکیاں بھی ہیں۔''

وہ کچھ نہیں بولی۔ بس ایک نظر ڈال کر پلکیں جھپکنے لگی۔

''آیئے، کھانا لگ چکا ہے۔'' وہ بولا تو وہ کچھ کہے بغیر آگے آگے چل دی۔ اس کے جانے کے بعد کچھ دیر کو وہ اس کے حسین سراپے کے بارے میں سوچنے لگا اور پھر شوخ سی دھن بجاتا ہوا خود بھی نکل آیا۔ سوچنے کو کچھ مقصد مل گیا تھا۔ دل یکبارگی مچلا تھا۔ نظروں نے گستاخی کرنے کی کوشش کی تھی اور اس نے خود کو جھڑکا بھی تھا۔ ملامت بھی کی کہ نہیں، اپنے خلوص اور اپنائیت کے رشتے کو داغدار نہ کرنا۔ کوئی ایسی بات نہیں سوچنی۔ مگر سوچ پر کس کا پہرہ...... وہ پھر بھی سوچ بیٹھا۔

○❖○

''رخسار......''

''کیا بات ہے بھائی؟'' چیونگم چباتے ہوئے وہ آہستہ سے بولی۔

''سارا دن کمرے میں بند چیونگم چباتی رہتی ہو۔'' جواد نے کہا۔

''تو اور کیا کروں؟ میں تو سخت بور ہوگئی۔ کوئی فرینڈ بھی نہیں ہے۔'' رخسار نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

''تو فرینڈ بنالو۔'' وہ مسکرایا۔

''کسے؟'' اس نے گھنیری پلکیں جھپکائیں۔

''وہ ہیں نا آفریدی انکل کی بیٹی حرا، اسے اپنی سہیلی بنالو۔''

''سیدھی طرح بولو بھائی، کیا مطلب ہے؟'' وہ مزے سے چیونگم پھلاتے ہوئے بولی۔

''مطلب کیسا؟'' وہ چالاکی سے بولا۔

''مجھے تو مطلب کی بُو آرہی ہے۔'' اس نے شرارت سے کہا۔

''رخسار! اترانے کی ضرورت نہیں۔ فرینڈ نہیں بنانا تو نہ بناؤ۔ میں خود اس سے مل سکتا ہوں۔'' وہ غصے میں کہہ گیا۔

''یوں کہئے کہ آپ اس سے دوستی کرنا چاہتے ہیں۔'' وہ رکی اور پھر بولی۔ ''چھی چھی...... دوسروں کے کندھے پر بندوق رکھ کر نہیں چلاتے۔''

''رخسار! میں تمہارا گلا دبا دوں گا۔'' وہ اس پر جھپٹا۔

''سوچ لو بھائی، پھر آپ کی ملاقات کون کرائے گا؟''

"سوری...... سوری" وہ فوراً جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

"چلو معاف کیا۔ اب بولو کیا چاہتے ہو؟"

"رخسار! آفریدی انکل کی طرف چلتے ہیں۔"

"ایسے ہی بغیر کسی وجہ کے؟"

"تو اور کیا، تم کہہ دینا کہ یہاں کوئی دوست نہیں ہے اس لئے دوست بن جاؤ۔"

"اوں، ہنہ...... اچھا نہیں لگتا۔" اس نے منہ بنایا۔

"تو پھر؟"

"سوچ لیں گے۔ اتنی جلدی کیا ہے؟"

"رخسار! اب بکواس نہیں چلے گی۔ فوراً سوچو۔"

"بھائی! ابھی سے اتنی بے قراری اچھی نہیں۔ اس کی مرضی جانے بغیر اس کے لئے بے قرار رہنا ٹھیک نہیں۔ کیا پتہ کہ وہ آپ کو پسند نہ کرے۔"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ میرے جیسا خوبرو نوجوان اسے پورے پاکستان میں نہیں ملے گا۔" وہ سینہ پھلا کر بولا۔

"آفریدی انکل اچھے خاصے امیر ہیں۔ وہ اسے پاکستان سے باہر بھی بھیج سکتے ہیں۔" اس نے مزید چڑایا۔

"تم کیسی بہن ہو، اپنے بھائی کی حمایت نہیں کر رہیں؟"

"میری حمایت سے کیا ہوگا؟ اصل مسئلہ تو حرا جی کا ہے۔"

"تم چاہو تو یہ مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔"

"کیسے؟" وہ لاپروائی سے بولی۔

"تم وہاں چلو تو سہی۔"

"آپ خود چلے جاؤ۔"

"گیا تھا کل۔ مگر وہ یونیورسٹی گئی ہوئی تھی۔"

"تو آج پھر چلے جائیں۔ ویسے آپ کچھ زیادہ تیز جا رہے ہیں۔"

"آج اچھا نہیں لگتا۔ کوئی جواز بناؤ۔"

"او کے...... اچھا سوچتی ہوں۔ مگر ایک شرط ہے۔"

"پیزا کھانا ہے یا آئس کریم؟"

"دونوں۔"

"بہت پیٹو ہو...... چلو منظور ہے۔ اب جلدی سے سوچو۔"

"ڈیڈی سے، مما سے کہہ کر ان کو کھانے پر انوائٹ کر لیتے ہیں۔"

"یہ ٹھیک ہے...... تو چلو ڈیڈی مما سے کہتے ہیں۔"

"چلو بھائی کیا یاد رکھو گے؟" اس نے اکڑ کر اہمیت جتائی۔

"تم سے کام ہو جائے تو گن گن کر بدلے لوں گا۔" وہ غصے میں بڑبڑایا۔

"مجھ سے کچھ کہا بھائی؟" وہ بولی۔

"ارے نہیں، نہیں...... میں تو خود سے کہہ رہا تھا۔" وہ سٹپٹا کر بولا۔

وہ چیونگم چباتی ہوئی آگے آگے چلنے لگی۔ پیچھے سے وہ بڑبڑاتا ہوا چل دیا۔

○❖○

"بھائی! دیکھو، سچ سچ بتا دو کہ میرے پرس میں سے کتنے پیسے لئے ہیں؟" حرا چیختی چلاتی ہوئی ...ن میں آگئی۔ بوا نے گھور کر ذکاء کی طرف دیکھا۔ وہ نرم گھاس پر الٹا لیٹا میگزین پڑھ رہا تھا۔ حرا کے ...نے کا کوئی اثر ہی نہیں ہوا۔ وہ اور زور سے چلاتی ہوئی قریب آئی۔

"بھائی! میں کہہ رہی ہوں میرے پیسے دے دو ورنہ......"

"یہ لو، پکڑو۔" وہ اس سے بھی زیادہ زور سے چلا کر اٹھا اور میگزین اس کے منہ پر دے مارا۔

"یہ کیا ہے، میں اس کا کیا کروں...... مجھے میرے پیسے چاہئیں۔" اس نے میگزین چیر پھاڑ کر ...ینک دیا۔

"چہ، چہ، چہ...... ابھی جب تمہیں یہ پتہ چلے گا پیاری بہنا کہ یہ میگزین نہیں بلکہ تمہارے پرس ...ے نکالا ہوا سرخ کڑکڑاتا ہوا نوٹ تھا تو تم پر بجلی گرے گی۔"

"کیا...... کیا مطلب؟"

"بھئی سیدھی سی بات ہے کہ میں نے تمہارے پرس سے سو روپے لئے تھے اور بس۔"

"بہت بری بات ذکاء! فوراً بہن کو پیسے واپس کرو۔" بوا نے سرزنش کی۔

"کمال کرتی ہیں بوا آپ بھی۔ میں نے اس کے پیسے دے دیئے ہیں۔"

"کب...... کب دیئے ہیں؟" وہ رو دینے کو تھی۔

"یہ ابھی ایک منٹ اور پندرہ سیکنڈ پہلے۔" وہ بہت ہوشیاری سے گھڑی دیکھتے ہوئے بولا۔

"ہیں......؟" وہ حیرت سے بولی۔

"یہ میگزین پورے سو روپے کا تھا۔ میں نے تمہیں دیا اور تم نے پھاڑ دیا۔ گویا کہ تم نے اپنے پیسے ...پھاڑ ڈالے۔" وہ ایک ایک لفظ چبا چبا کر بولا۔ حرا کے تو پتنگے لگ گئے۔

"میرے پیسوں سے میگزین خریدا کیوں...... کس لئے...... میں نے تو نہیں کہا تھا۔" وہ غصے میں ...تھی۔ جب کہ بوا کے بالکل قریب اداس سی کومل کے بے ساختہ قہقہے نے چاروں طرف جلترنگ بجا ...دیئے۔ اس کے چہرے پر معصومیت ہی معصومیت تھی۔ اس کا بچوں کی طرح بے ساختہ ہنسنا ذکاء کے ...ساتھ ساتھ بوا اور حرا کے لئے بھی خوش کن تھا۔ حرا اپنا صدمہ بھول کر مسکرا دی۔ بوا نے بھی اس کی

پیشانی چوم لی۔ ذکاء نے گلابی لباس میں پوری طرح سے کھلی کلی کو وارفتگی سے دیکھا اور پھر آہستہ سے غائب ہوگیا۔ کیونکہ حرا کے پیسے ہضم کرنا اتنا آسان کام نہیں تھا۔

''بوا! کومل ہنستی ہوئی کتنی اچھی لگتی ہے۔''

''ہاں! بالکل گڑیا سی۔'' بوا نے کہا۔

''جی.....'' اس کے دل کی دھڑکن جیسے رونے لگی۔ اس کا نام، اس کی پہچان یہی نام تو تھا مگر زمانے نے کیسے کروٹ لی تھی کہ اس کا سب کچھ بدل گیا تھا۔ ہنستے ہنستے وہ پھر سے اداس ہوگئی تھی۔ آنکھیں نم ہوگئیں۔

''کیا ہوا؟'' حرا نے پوچھا۔

''کچھ نہیں حرا جی۔'' وہ ٹال گئی۔

''ہر وقت ہنستی مسکراتی رہا کرو۔''

''کوشش تو کر رہی ہوں۔''

''چلو اندر چل کر ٹی وی دیکھتے ہیں۔''

''ٹی وی کی بجی، مغرب کی اذان ہونے والی ہے، پہلے نماز پڑھو۔'' بوا نے لتاڑا۔

''اچھا بوا۔'' وہ کومل کا ہاتھ تھام کر اندر کی طرف چلی آئی۔ بوا نے بھی سلیپر پاؤں میں ڈالے اور اندر کی طرف چل دیں۔ گاڑی کے ہارن پر پلٹ کر دیکھا تو مدھم روشنی میں بھی جواد اور رخسار کو پہچان لیا۔

''آؤ، آؤ..... جواد اور رخسار!'' وہ خوش دلی سے بولیں۔

''آپ نے ہمیں فوراً پہچان لیا۔''

''کیوں نہ پہچانتی۔ اپنے بچوں کو کون نہیں پہچانتا۔'' انہوں نے دونوں کو گلے سے لگا کر پیار کیا۔

○❖○

''انجم کیسا ہے، ساتھ نہیں آیا؟'' آفریدی صاحب نے ٹی وی لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ انہیں بوا، رخسار اور جواد کے آنے کی اطلاع دے کر آئی تھیں۔

''ڈیڈی بالکل ٹھیک ہیں، شوروم کے کام میں مصروف ہیں۔'' جواد نے جواب دیا۔

''انکل! ڈیڈی نے آپ کو کل ڈنر پر انوائیٹ کیا ہے۔'' رخسار نے کہا۔ جواد نے زور سے اسے ٹہوکا مار کے جلدی سے کہا۔

''انکل سب کو..... سب کو انوائیٹ کیا ہے۔''

''میں تو دعوت قبول کرتا ہوں، باقی سب کا ذمے دار نہیں۔ ان سے خود پوچھ لو۔'' آفریدی صاحب نے اپنے مخصوص، بے باک انداز میں کہا۔ اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔ جواد خوش ہوگیا۔ اتنی دیر سے وہ جسے دیکھنے کو بے قرار تھا وہ کہیں دکھائی نہیں دی تھی۔ چاروں طرف نگاہ دوڑاتے دوڑاتے

تھک چکا تھا۔ بوا ان دونوں کو ٹی وی لاؤنج میں چھوڑ کر آفریدی صاحب کو اطلاع دے کر کچن کی طرف چلی گئیں اور وہ جو آیا ہی صرف حرا سے ملنے تھا تب سے مسلسل بے چین تھا۔

''ٹھیک ہے، ہم ذکاء اور حرا سے پوچھ لیتے ہیں۔'' وہ جلدی سے اٹھا۔

''صرف ذکاء اور حرا سے نہیں، ہماری ایک اور بیٹی بھی ہے کومل۔ اسے بھی راضی کرو۔ بوا کو بھی راضی کرو، تب ہماری فیملی مکمل ہوتی ہے۔''

''انکل! کومل..... مگر.....''

''رخسار بیٹا! کومل کے پیدا ہوتے ہی ہمارے ایک رشتے دار نے گود لے لیا تھا۔ اب وہ دنیا میں نہیں رہے تو کومل ہمارے پاس واپس آ گئی۔'' آفریدی صاحب نے آنکھوں سے عینک اتاری اور نظریں جھکا کر رومال سے عینک کے شیشے صاف کرنے لگے۔ پہلی مرتبہ کسی کے سامنے جھوٹ کا سامنا کر رہے تھے اس لئے نظریں جھکا لی تھیں۔

''کہاں ہیں یہ سب؟'' جواد کو صرف اپنے مفاد سے غرض تھی۔

''ذکاء تو مارکیٹ گیا ہے، حرا اور کومل اپنے کمرے میں ہیں۔''

''ہم ان سے مل لیتے ہیں۔'' جواد جلدی سے اٹھا۔

''بوا آپ سب کے لئے چائے وہیں لے آئیں۔''

''انکل! صرف چائے.....؟'' رخسار نے منہ بسورا۔

''ارے نہیں بیٹا، کھانے کی چیزیں بھی ہوں گی۔'' آفریدی صاحب ہنس کر بولے۔ جواد نے اس کے پیر پر اپنا پیر زور سے مارا۔ وہ سی کر کے رہ گئی۔

جونہی وہ کمرے میں داخل ہوئے تو ٹھٹک کر رک گئے۔ وہ دونوں نماز پڑھنے میں مصروف تھیں۔ چند ثانیے کھڑے رہنے کے بعد دونوں صوفے پر بیٹھ گئے۔ سفید دوپٹہ اچھی طرح سر پر جمائے، پلکیں جھکائے اللہ کے حضور سادگی اور عاجزی سے رکوع اور سجدے میں جاتی حرا اس کی نگاہوں کا مرکز تھی۔ کومل پر ایک سرسری سی نظر ڈالی اور چونکا۔ فرشتوں ایسی مقدس پاکیزگی لئے ہوئے وہ بہت حسین دکھائی دی۔ رخسار کے کان میں آہستہ سے اس کی تعریف کی۔

''انکل کی دوسری بیٹی کا بھی جواب نہیں۔''

''تو پھر کیا خیال ہے..... فیصلہ بدل لو۔'' رخسار کب چوکنے والی تھی۔

''ہش..... جب بولو گی، کفن پھاڑ کر بولو گی۔'' جواد چڑ گیا۔

کچھ ہی دیر میں دونوں نے نماز ختم کی اور جائے نماز تہہ کر کے رکھتے ہوئے ان دونوں کی طرف متوجہ ہوئیں۔

''ہیلو.....'' جواد چہکا۔

''آداب۔'' حرا نے سادگی سے کہا۔

’’حرا! آپ کا ہم سے ملنے کو دل نہیں چاہا۔ ہم چلے آئے۔‘‘ رخسار نے حرا سے اور کومل سے ہاتھ ملایا۔

’’شکریہ، دراصل آج کل پڑھائی میں مصروف ہوں۔‘‘

’’یہ کومل ہیں؟‘‘ رخسار نے پوچھا۔

’’سوری، میں تعارف کرانا بھول گئی۔ یہ میری بہن کومل ہے۔ اور کومل! یہ انکل انجم شیرازی کے بیٹے جواد اور بیٹی رخسار ہیں۔‘‘ حرا نے کومل کا ان سے اور ان کا کومل سے تعارف کرایا۔

’’آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔‘‘ جواد نے کومل سے کہا۔ وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

’’حرا باجی میں بوا کے پاس کچن میں جا رہی ہوں۔‘‘ کومل نے کہا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

’’کومل جی! میں بھی آپ کے ساتھ چلتی ہوں۔ مجھے بہت بھوک لگی ہے۔‘‘ رخسار بھی اس کے ساتھ ہو لی۔ حرا عجیب سی کیفیت سے دوچار ہو گئی۔ جواد کی والہانہ نظروں کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ کمرے میں اکیلے رہ جانے پر ہونٹ چبانے لگی۔ اس کی جز بز ہوتی حالت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے وہ مسلسل مسکرا رہا تھا۔ آخر وہ بول ہی پڑی۔

’’یہ آپ خوامخواہ مسکرانے کی عادت انگلینڈ سے ساتھ لے کر آئے ہیں شاید۔‘‘

’’انگلینڈ میں کوئی آپ جیسا تھا ہی نہیں۔ یہ عادت تو آپ کو دیکھ کر پڑ گئی ہے۔‘‘ وہ ٹھہر ٹھہر کر بولا۔

’’یہ کون سے ناول سے جملہ پڑھا ہے؟‘‘ اس نے بڑی بڑی سیاہ آنکھوں سے گھورا۔

’’میں ناول نہیں پڑھتا۔‘‘

’’تو کوئی رومانٹک فلم ہی دیکھی ہو گی۔‘‘

’’مصنوعی چیزیں دیکھنے سے کیا حاصل۔ زندگی اتنی حسین ہے، اس میں چاروں طرف حسن ہی حسن بکھرا پڑا ہے۔ کوئی بہت ہی ناشکرا ہو گا جو اس قدر قریب سے جلوے دیکھے اور رومانٹک نہ ہو۔‘‘ آخری جملہ اس کے قریب جھک کر بہت آہستگی سے کہا۔ اس کی رنگت سرخ ہو گئی۔ جلدی سے بات بدل ڈالی۔

’’خیر...... خیر آپ یہ سب کیسے سنا رہے ہیں...... میں تو بڑی بد ذوق اور لاپرواہ ہوں۔ سائنس پڑھتی ہوں، شعر و ادب سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔‘‘

’’آپ کیا ہیں، یہ مجھ سے پوچھیں۔‘‘ وہ سرمستی کے عالم میں بولا۔

’’جی بتائیں، میں ہمہ تن گوش ہوں۔‘‘ وہ شرارت سے بولی۔

’’آپ وہ ہیں جس سے مل کر میں یعنی جواد شیرازی دل ہار بیٹھا۔ پہلی ملاقات میں دل ہاتھوں سے نکلا اور آپ کے قریب رہ گیا۔‘‘

’’چہ، چہ، چہ...... یہ تو بہت برا ہوا۔ ایسا کریں کہ آپ اپنا دل تلاش کریں، یہیں کہیں ہو گا۔ میں

باہر جا رہی ہوں۔‘‘ وہ بڑی سنجیدگی سے کہتی ہوئی ہوا ہو گئی۔ وہ اس کی اس ادا پر بھی قربان ہو گیا۔

O❖O

رات کافی ہو چکی تھی۔

سب سو چکے تھے...... مگر اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ زندگی کا ایک ایک پل یاد آ رہا تھا۔ بچپن کی معصوم یادیں لال کوٹھی کے در و بام سے لپٹی تھیں۔ اماں، ابا کی ڈانٹ ڈپٹ سے بھری تھیں۔ صفیہ بی بی کا، ثریا باجی کا محبت بھرا غصہ تھا، پھر اسلم اس چھوٹے سے کوارٹر میں آیا۔ اس کی زندگی میں شامل ہو کر اسے پاؤں پر گھسیٹا پھر چھوٹے صاحب کے روپ میں دھوکا کھایا...... عزت بچا کر بھاگی تو کرم داد کے مضبوط قلعے میں پناہ ملی مگر قلعہ مضبوط ہونے کے باوجود، پناہ ملنے کے باوجود قلعہ توڑ کر بھاگ نکلی اور پھر تقدیر نے سب کچھ چھین کر بے بس کر دیا...... کرم داد کو کھو کر اس کے لئے رات دن تڑپی اور چپ رہی۔ تقدیر نے پھر وار کیا، اپنوں سے ملایا...... ایسا انوکھا درد دیا کہ روح تک کانپ اٹھی۔ انجان منزلوں تک رات کے اندھیرے میں قدم اٹھائے تو نہیں جانتی تھی کہ سیاہ تاریک رات میں اس طرح جگنو چمکے گا۔ اس طویل عذابِ زندگی میں پہلی مرتبہ ٹھنڈے میٹھے موسم نے استقبال کیا۔ سارے درد کے موسم بدل گئے۔ آج کوئی پہچان ہی نہیں سکتا کہ وہ کون ہے؟ وہ تو خود پر نازاں و فرحاں تھی۔ مگر اپنوں کی یاد بھلائی تو نہیں جاتی۔

’’کرم داد! میں تم سے کتنی دور ہو گئی ہوں...... مگر تمہیں بھولنا میرے بس میں نہیں۔ جانتی ہوں کہ تم پرائے ہو مگر تمہارے سوا میرے دل میں کوئی نہیں...... ساری زندگی تمہارے نام کر دی ہے...... کبھی تو سرِ راہ ہی ملو گے، میرے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ بس دعا ہے کہ تم خوش رہو آباد رہو۔ حور یہ بی بی تمہیں وہ پیار دیں جو تمہارا حق ہے۔ میرے دیئے ہوئے درد کو تم بھول جاؤ اور خوش رہو۔ میرے پاس تمہاری یاد، تمہاری تمنا ہی رہے۔‘‘ وہ خود کلامی کے انداز میں بڑبڑائی۔ پلکوں سے ٹوٹنے والی موتی رخسار سے پھسل کر آنچل میں جذب ہو گئے۔

لان میں اتنی رات گئے اس کا مضطرب پھرنا ذکاء کو حیران کر گیا۔ اسٹڈی روم سے نکل کر کھڑکی سے لان کی طرف نظر پڑی تو اسے وہاں دیکھ کر وہ پریشان ہو کر باہر آ گیا۔

’’کومل!‘‘

’’ج...... جی......؟‘‘ وہ ڈر گئی۔

’’کیا بات ہے؟‘‘

’’جی کچھ نہیں، بس ویسے ہی۔‘‘

’’کوئی پریشانی ہے تو بتاؤ۔‘‘

’’اتنے اچھے لوگوں میں پریشانی کہاں سے آئے گی۔ میں اس گھر کے لائق نہیں تھی۔ اللہ میاں نے مجھے یہاں بھیج دیا۔ اس کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے۔‘‘

''کومل! یہ تمہارے اندر کی اچھائی ہے جو تم ہمیں اچھا کہہ رہی ہو..... مگر میں تمہاری اداسی کی وجہ جاننا چاہتا ہوں۔'' مدھم روشنی میں بھی اس نے اس کے بھیگے رخسار دیکھ لئے تھے۔

''اداسی کی ایک وجہ نہیں ہوتی۔''

''اتنے خوبصورت موسم میں اتنی حسین رات میں، بے پناہ حسین ایک خوبرو، حسین و جمیل نوجوان کے سامنے اداس رہے، یہ تو ظلم ہے۔'' اس کا موڈ خوشگوار کرنے کے لئے وہ شوخی سے بولا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ ذکاء ہنسی کے جلترنگ میں کھو گیا۔

''آپ بہت مزے کی باتیں کرتے ہیں۔'' وہ چھوٹی سی بچی کی طرح بولی۔

''میں نے جھوٹ تو نہیں کہا، سب کچھ سچ کہا ہے۔'' کھانے کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے سبز کاٹن کے سوٹ میں کھلے بالوں کے ساتھ مسکراتی ہوئی وہ بالکل سامنے بیٹھی تو ذکاء کے دل کی دھڑکنیں تھم گئیں۔ وہ کیفیت یاد کرتے ہوئے وہ دھیرے سے کہہ گیا۔ وہ کچھ نہ سمجھ سکی۔

''آپ باتیں اچھی کرتے ہیں۔''

''یہ تم مجھے آپ کس خوشی میں کہہ رہی ہو؟''

''او، چلیں ذکاء بھائی کہوں گی۔''

''دھت تیرے کی..... ذکاء بھائی..... ساری میری مارکیٹ ویلیو ختم کر دی۔ اور اللہ کی بندی تم صرف ذکاء کہو گی..... ورنہ کچا چبا ڈالوں گا۔'' وہ اندر سے تڑپ ہی تو گیا۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟'' اس نے تعجب سے پوچھا۔

''یہ بالکل ہو سکتا ہے۔''

''کوشش کروں گی۔'' اس نے سوچتے ہوئے کہا۔

''شاباش! اب جا کر سو جاؤ۔ کافی رات ہو گئی ہے۔''

''اور آپ.....؟'' اس نے قدم اٹھانے سے پہلے پوچھا۔

''میں اب کچھ دیر جاگنا چاہتا ہوں۔'' وہ مخمور لہجے میں بولا۔ وہ چپ چاپ اندر چلی گئی۔

○❖○

''حیرت کی بات ہے، یہ بچے جو کہہ رہے ہیں کیا وہ سچ ہے؟'' فرخندہ نے انجم صاحب سے کہا۔ وہ اخبار کے مطالعے میں مصروف تھے۔

''کیا کہہ رہے ہیں؟'' وہ بدستور اخبار پڑھنے میں مصروف رہے۔

''اخبار رکھیں گے تو کچھ سنیں گے رات دن یہ اخبار آنکھوں سے لگا رہتا ہے۔'' فرخندہ جھلا کر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھ کر بال برش کرنے لگی۔

''بھئی اخبار کانوں سے نہیں پڑھا جاتا اور رات دن اخبار آنکھوں سے لگانے کے اعتراض پر تو یہی کہوں گا کہ اب وہ عمر نہیں رہی جس میں نازنینوں کو آنکھوں سے لگاتے ہیں۔'' انجم صاحب اپنی

شرارت سے باز نہیں آئے۔

''قسم ہے انجم آپ کبھی سنجیدہ ہو کر بات نہ سننا۔'' وہ تاؤ میں آ گئی۔

''اچھا بابا، بولو کیا کہہ رہے ہیں تمہارے بچے؟'' انہوں نے اخبار ایک طرف رکھا اور ساری توجہ فرخندہ کی طرف کر لی۔

''یہی کہ آفریدی انکل کی دوسری بیٹی بھی ہے، کومل نام ہے۔''

''تو ہو گی۔ اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟'' وہ بڑے ہی تحمل سے بولے۔

''آپ کے نزدیک یہ عام سی بات ہے۔'' فرخندہ کی حیرت کی باری تھی۔

''بھئی اگر آفریدی نے خود ایسا کہا ہے تو ایسا ہی ہو گا۔''

''مگر یہ کیسے ممکن ہے..... جس رات ہم ڈنر کے لئے گئے تھے ایسی کوئی لڑکی وہاں موجود نہیں تھی۔ اور چند دن میں یہ لڑکی کہاں سے آ گئی؟''

''فرخندہ ڈیئر! آپ کو لڑکی پر اعتراض ہے، اس کے بعد میں آنے پر اعتراض ہے۔''

''مجھے اعتراض نہیں، حیرت ہے۔ اور یہ کیسے ممکن ہے کہ آفریدی بھائی کی بیٹی تھی اور ہمیں پتہ ہی نہ چلے۔ حرا اور ذکاء کے علاوہ ان کی کوئی اولاد نہیں۔ پھر یہ کیا چکر ہے؟''

''دیکھو، آفریدی نے جو کہا وہ سچ کہا۔ ایک لڑکی کو وہ اپنی بیٹی کہہ رہا ہے تو یہ کوئی عام سی بات نہیں۔ نہ ہی کوئی عام سا فیصلہ ہے۔ بہت جرأت اور بڑائی کی بات ہے۔ ہمیں شک نہیں کرنا چاہئے۔''

''آپ تو کچھ سمجھتے ہی نہیں..... کہیں آفریدی بھائی نے دوسری شادی نہ کر رکھی ہو۔'' فرخندہ نے ڈرتے ہوئے کہا۔

''شٹ اپ فرخندہ! آفریدی میرا جگری دوست ہے۔ میں اس کی ہر بات سے واقف ہوں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔'' وہ ڈپٹ کر بولے۔

''خاک جانتے ہو۔ جوان بیٹی کہاں سے، کیسے آ گئی..... آپ کو پتہ ہی نہیں۔'' فرخندہ جل کر بولی۔

''وہ مجھ سے ملا نہیں ہے۔ جس روز ملے گا سب سے پہلے خود مجھے بتائے گا۔ آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔''

''بچے کہہ رہے ہیں کہ کومل حرا سے بھی زیادہ خوبصورت ہے۔''

''ہاں یہ غور کرنے کا وقت ہے آپ کے لئے کہ حرا سے زیادہ خوبصورت کومل ہے تو اسے بہو بنایا جائے۔'' انجم صاحب بیوی کی حسن پرستی کی عادت سے واقف تھے اس لئے طنزیہ بولے۔

''ایسا بھی ہو سکتا ہے، دو صورتوں میں، پہلی یہ کہ میرا بیٹا اگر فیصلہ بدل لے۔ دوسری صورت یہ کہ وہ سچ مچ آفریدی بھائی کی بیٹی ہو۔''

"بہت کم عقل ہو فرخندہ تم۔" انجم صاحب ہنس دیئے۔

"اس میں کم عقلی کی کیا بات ہے...... میرا ایک ہی بیٹا ہے۔ حسین بہولاؤں گی۔"

"مگر کل تک حرا کے لئے کس قدر جذباتی ہو رہی تھیں۔"

"میں نے حرا کے لئے انکار تو نہیں کیا۔ یہ تو محض اس لئے کہہ رہی ہوں کہ کہیں جواد نے کومل دیکھ کر ارادہ تو نہیں بدل لیا۔ ورنہ حرا جیسی پیاری بچی مجھے بہت پسند ہے۔" فرخندہ نے وضاحت کی۔

"چلو، کل رات میں یہ مسئلہ ہی حل کر دوں گا۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ آفریدی مجھے کومل کے بارے میں جیسے ہی سب کچھ بتائے گا تو میں حرا کا رشتہ مانگ لوں گا۔"

"جواد سے پوچھے بنا؟"

"کمال کرتی ہو، خود ہی جلدی کی رٹ لگا رکھی تھی اور خود ہی ڈرتی بھی ہو۔"

"فی الحال نہیں۔ ابھی جواد نے حتمی فیصلہ نہیں کیا۔ وہ مجھے بتائے گا تو پھر میں آپ کو بتاؤں گی۔"

"اب اس بات پر قائم رہنا۔ خوامخواہ وقت ضائع کیا۔" انہوں نے وال کلاک پر نظر ڈالی۔ رات کے بارہ بج رہے تھے۔

"میں تو کومل کی وجہ سے پریشان تھی۔"

"آپ کی مہربانی، آپ کسی کے لئے پریشان نہ ہوں۔" وہ ہاتھ جوڑ کر بولے تو وہ مسکرا کر واش روم میں گھس گئی۔

○❖○

فیروزی کرتے شلوار میں اور سیاہ دوپٹہ کمر پر باندھے ہوئے وہ امرود کے درخت پر چڑھی تھی۔ " کسی کام سے لان میں آیا تو اسے کچے امرود توڑتے دیکھ کر چلایا۔

"گڑیا! تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے...... نیچے اتر۔"

"دیکھتا نہیں کہ امرود توڑ رہی ہوں؟" وہ چلائی۔

"دیکھ تو میں بہت کچھ رہا ہوں...... پر تُو نیچے اتر۔" اس نے ڈھیلے ڈھالے کرتے کے پیچھے چھپے خزانے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"ایک تو تُو کرم داد مجھے کچھ اپنی مرضی سے کرنے نہیں دیتا۔" یہ کہتے ہوئے وہ کرتے کا دامن جھولی بنا کر امرود اس میں ڈال کر دھم سے نیچے کود گئی۔

"تیری مرضی پر تو زندگی لگا سکتا ہوں۔" جہاں گھاس پر وہ بیٹھی تھی وہیں وہ بھی بیٹھ گیا۔ اس کے حسین چہرے پر گلابی گلابی چمک تھی۔ بال چہرے پر جھول رہے تھے۔

"کرم داد! یہ امرود تُو کھا کر دیکھ کتنا مزے کا ہے۔" وہ امرود کرتے سے رگڑ کر صاف کرتے ہوئے بولی۔

"تیرے سے زیادہ مزے کا تو نہیں۔" وہ امرود ہاتھ میں لیتے ہوئے بولی۔

"مجھے تیری کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی۔" وہ بے زاری سی اندر کی طرف بھاگی۔ وہ آوازیں ہی دیتا رہ گیا۔

"گڑیا...... گڑیا......!"

"کرم داد! کس کو پکار رہے ہو؟" بھاری مردانہ آواز کے ساتھ کندھے پر ہاتھ کا دباؤ پڑا تو وہ کتنی دیر سے پرانی یادوں میں کھویا ہوا تھا۔ انجم شیرازی صاحب کے آنے کا پتہ ہی نہیں چلا۔

"جی...... وہ...... میں......" وہ سخت بوکھلا سا گیا۔

"کوئی بات نہیں، جوانی میں ایسا ہی ہوتا ہے...... ہم نے بھی ایسے ہی کسی کو پکارا تھا اور بس......" شرارت سے رکے۔

"اور بس کیا......؟"

"اور بس یہ کہ اس دن سے فرخندہ بیگم ہمیں پکارتی ہیں۔ کہیں تمہارا بھی یہی حال نہ ہو۔" وہ معصوم سا چہرہ بنا کر بولے۔ کرم داد کا ہنستے ہنستے برا حال ہو گیا۔

"آپ بہت دلچسپ ہیں۔" ہنستے ہنستے آنکھوں میں آئے پانی کو صاف کرتے ہوئے وہ بولا۔

"گول نہ کرو...... یہ بتاؤ کہ گڑیا کون ہے؟"

"گڑیا......" وہ چند ثانیے رکا اور پھر بولا۔ "میری منزل ہے...... میری زندگی ہے۔"

"تو بھئی کہاں چھپا کے رکھی ہے اپنی زندگی۔ بلاؤ، جلد سے جلد...... کیوں سرد راتوں میں تنہا ہو؟" انجم صاحب شوخی سے بولے۔

"میرا بس چلے تو ایک لمحہ بھی ضائع نہ کروں مگر......"

"مگر کیا...... کیا مشکل ہے...... ہمیں بتاؤ۔"

"مشکل تو گزر گئی۔ اب تو راحت کا وقت ہے۔ اسے ملنے اور لانے کی دیر ہے۔"

"تو برخوردار جلدی کرو، ہمارے لائق کوئی خدمت ہو تو بتانا۔"

"شکریہ......" وہ مسکرایا۔

"رات کا کھانا یار ہماری طرف کھانا۔"

"اس تکلف کی کیا ضرورت ہے؟"

"بھئی میں نے اپنے جگری دوست اور اس کی فیملی کو کھانے پر بلایا ہے۔ تم سے ملواتے خوشی ہو گی۔"

"ایک ملازم کو ملازم کی جگہ پر رہنے دیا کریں آپ۔"

"ملازم تو تم اپنی مرضی سے سمجھتے ہو۔ سچ پوچھو تو ہم تو تمہارا احسان نہیں اتار سکتے۔ ویسے بھی کرم

داد! آدھی سے زیادہ زندگی ان لوگوں میں گزری ہے جو کم بخت اخلاقی طور پر بہت پست ہیں۔ مگر یہ بات ان میں بہت اچھی ہے کہ گھر اور دل کے دروازے سب کے لئے کھلے رکھتے ہیں۔ ہمارے میں اور میرے دوست آفریدی کے گھر میں سب اسی نقطہ نظر سے رہتے ہیں۔''

''یہ تو اعلیٰ ظرفی ہے آپ لوگوں کی۔''

''اسی لئے تو کہہ رہا ہوں کہ آنا۔ گپ شپ رہے گی۔''

''جی بہتر۔'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔

''اب مزے سے اپنی گڑیا کو پکارو۔ میں چلتا ہوں۔ کچھ ضروری سامان کی لسٹ دی ہے بیگم صاحبہ نے۔'' انجم صاحب شوروم سے باہر نکلے تو واقعی اسے اپنی گڑیا پھر شدتوں سے یاد آ گئی۔ مگر اس کی بار اسے یاد کر کے اس کی معصوم صورت یاد کر کے وہ رنجیدہ ہو گیا۔ کتنا دکھ دیا ہے میں نے اسے..... کس قدر اذیت سے دوچار کیا ہے..... ایک چھوٹی سی نادانی کی بہت کڑی سزا دی ہے اسے۔ اپنے انتقام سے اس کی معصوم حرمت کو تار تار کر دیا۔ انا اور ضد کی خاطر اس نادان سے پاکیزگی چھین لی۔ محبت کا دعویٰ کرتے ہو..... کیا اسی کو محبت کہتے ہیں کہ زمانے کا ہر بدلہ اس سے لیا۔ محبت میں تو محبوب سب سے پیارا ہوتا ہے۔ ہر شے اس کے قدموں میں ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ تم کیسے محبوب ہو جس نے اس سے اس کا اعتماد چھین لینا۔ اس کا بھرم اور مان چھین لیا۔ کتنی بے بسی اور بے چارگی تھی اس کی آنکھوں میں..... تمہارے سامنے آنے پر کن نظروں سے دیکھنے لگی تھی وہ..... رضا علی سے بچاتے بچاتے خود چکنا چور کر دیا اور پھر بھی یہ سمجھتے ہو کہ وہ تمہاری منزل ہے، تمہاری محبت ہے۔

کرم داد! کہیں یہ تمہاری خوش فہمی تو نہیں۔ اگر اس نے تمہاری محبت مسترد کر دی، تم سے بے زاری کا اظہار کیا تو کیا کرو گے تم؟'' ضمیر کے نوکیلے سوالات پر وہ پانی پانی ہو گیا۔ پوری پیشانی عرق آلود ہو گئی۔

''میں اس کے قدموں میں گر کے معافی مانگوں گا، اسے منالوں گا، اسے راضی کروں گا۔ وہ میری زندگی ہے، اس کے بناء اب میں جی نہ پاؤں گا۔ اسے میرے کمزور لمحے کو معاف کرنا ہوگا۔ میں کل ہی اس کے پاس جاؤں گا۔ مجھے یقین ہے وہ مجھے سمیٹ لے گی۔'' شدتِ جذبات میں آ کر اس نے ضمیر کو مطمئن کر لیا۔

○❖○

''میں ہمیشہ اللہ میاں سے گلہ کرتی تھی کہ اللہ میاں نے مجھے ایک بہن اور کیوں نہیں دی جو میری ہم راز ہوتی، میری سہیلی ہوتی، مجھے باجی کہتی یا مجھ پر حکم چلاتی۔'' کومل کا سر گود میں رکھے حرا بڑی دیر سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھی۔ وہ بھی اپنی محبت پر نازاں، حرا کی محبت کے خزانے سمیٹ رہی تھی۔

''حرا باجی! آپ اکیلی تو نہیں ہیں، ذکاء بھائی بھی تو ہیں آپ کے پاس۔''

''یہ کیا بکواس ہے، کون ہے جو ذکاء آفریدی کی بے عزتی کر رہا ہے؟'' ذکاء آندھی اور طوفان کی طرح کمرے میں آیا اور گرجا۔ مصنوعی سختی کے ساتھ۔ کومل تو سہم کر حرا سے لپٹ گئی۔

''کون سی بے عزتی..... کیا کان بج رہے ہیں؟''

''دیکھو نادان لڑکی! تم بیچ میں مت آؤ۔ یہ جو اصل مجرم تمہارے ساتھ لپٹی ہوئی ہے اسے ہمارے سامنے پیش کرو۔'' ذکاء کے خون میں اکبر اعظم کا جلال جوش مارنے لگا۔

''کیا، کیا ہے اس بے چاری نے؟''

''ذکاء آفریدی کو ذکاء بھائی کہنے کی جسارت کی ہے اس لڑکی نے۔''

''او، آئی سی..... اب سمجھی، میرے پیارے بھائی کو کومل کے بھائی کہنے پر اعتراض ہے۔'' حرا جملے کا ایک ایک لفظ ذو معنی انداز میں کھینچتی ہوئی بولی۔ وہ نظریں چرانے لگا۔

''سمجھا کرو پیاری بہنا! مستقبل قریب میں کچھ بھی نہیں ہے۔ میرا مطلب ہے اکیسویں صدی میں داخل ہونے کے لئے کچھ بھی خاص بات ہو سکتی ہے۔'' وہ شانے اچکاتا ہوا بہت سمجھداری سے بولا۔

''او..... ویری کلیور، ویری اسمارٹ۔'' حرا نے حیرت کا اظہار کیا۔

''حرا کی بچی، اپنی چونچ بند رکھنا۔ اور کومل، سن لیا نا کہ مجھے صرف ذکاء کہنا ہے۔'' وہ اکڑ کر پہلے حرا سے اور پھر سہمی نظروں سے دیکھتی کومل کو دیکھ کر بولا۔ کومل کو اس کی بھائی نہ کہنے والی بات یاد آ گئی۔

''سن لیا کومل! ذکاء کہنا ہے۔'' حرا نے شرارت سے کہا۔ اسے کب پروا تھی، خوش ہو گیا۔ کومل کے لئے دل نے مچلنے کی ابتداء تو کر دی تھی یہ الگ بات تھی کہ اس نے سختی سے، درشتی سے دل کو ڈانٹا تھا۔ فی الوقت دل باز بھی آ گیا تھا مگر یہ بھی سچ تھا کہ مستقبل میں دل کہیں سرکش اور گستاخ نہ ہو جائے۔ لہٰذا پہلے سے منصوبہ بندی کی گنجائش رکھی تھی۔

''اب سر جوڑ کر باتیں کرنا بند کرو۔ بوا کا، بابا کا آرڈر ہے کہ جلدی جلدی تیاری شروع کرو۔''

''کیسی تیاری؟'' حرا انجان بن کر بولی۔

''انجم انکل کی طرف ڈنر پر نہیں جانا کیا؟''

''نہیں جانا۔'' وہ برجستہ کہہ گئی۔

''ٹھیک ہے..... میں بوا کو جا کر کہہ دیتا ہوں۔'' وہ دھمکی آمیز انداز میں مڑا۔

''کومل! یہ ذکاء صاحب کافی چغل خور واقع ہوئے ہیں۔'' حرا نے شرارت سے کہا۔ ذکاء سنتے ہی بھوکے شیر کی طرح پلٹا اور صوفے کے کشن، بیڈ کے تکیے سب کے سب اس پر دے مارے۔ کومل بچوں کی طرح ہنستی چلی گئی۔ گلابی ہونٹوں کے پیچھے سفید چمکتے موتیوں کی بہار ذکاء نے بہت قریب سے دیکھی۔ چہرے پر پھیلی معصوم مسکان اسے ٹھٹکا گئی۔ بغیر کچھ کہے تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔ حرا بھائی کی نظروں کے تعاقب میں کچھ سمجھنے میں کامیاب ہو گئی۔

''کومل! اب جلدی کر..... کچھ سوچ..... بوا کچھ ہی دیر میں یہاں پہنچنے والی ہیں اور ان کا سامنا

کرنا میرے بس میں نہیں۔"

"حرا باجی......"

"اے، صرف حرا باجی سے کام نہیں چلے گا۔ کچھ سوچو جلدی سے۔"

"تو تم کیوں نہیں جانا چاہتیں؟"

"بس ہے ایک وجہ...... ذرا لطف لینا چاہئے۔" وہ شرارت سے مسکرائی۔

"تو پھر ٹھیک ہے...... سمجھو میرے سر میں شدید درد ہو رہا ہے۔ ہائے، اوئی......" کومل نے بھرپور اداکاری شروع کر دی۔ حرا منہ پر ہاتھ رکھ کے ہنسنے لگی۔

"آئے ہائے، یہ لڑکی تو اب بہت منہ زور ہو چکی ہے۔ باپ کو شرمندہ کرانا چاہتی ہے۔ پڑھ لکھ بھی گنوا دیا، میں نے تو ہاتھ جوڑ دیئے بھئی اس آفت کی پرکالا کے سامنے، مذہب کی تعلیمات سے منکر ہوتی جا رہی ہے۔ پتہ بھی ہے کہ جب کوئی دعوت دے تو قبول کرنی چاہئے۔"

بوا کسی کلاسیک ریکارڈ کی طرح بجتی چلی گئیں اور حرا کان دبا کر کومل کے چٹکیاں کاٹ کر زور زور سے واویلا کرنے کا اشارہ کرتی رہی۔

"ہائے...... اوئی......" کومل نے بھرپور اداکاری کی تو بوا نے غور سے بستر پر تڑپتی کومل کو دیکھا۔

"ارے کیا ہوا میری بچی کو......؟" وہ لپک کر بیڈ پر اس کے قریب پہنچ گئیں۔

"دیکھیں نا بوا! کس طرح سر درد سے تڑپ رہی ہے۔" حرا نے لقمہ دیا۔

"ارے بول کومل! کیسا درد ہے؟"

"بڑا جھوٹ موٹ کا۔" حرا نے بڑبڑا کر کہا۔

"ہیں...... کیا کہا......؟" وہ کومل کا سر دباتے ہوئے چونکیں۔

"میرا مطلب ہے بوا کافی شدید درد ہے۔"

"جا، جلدی بابا کو بتاؤ ڈاکٹر کو بلائیں۔"

"ارے نہیں نہیں بوا...... میں نے سر درد کی گولی کھا لی ہے۔" ڈاکٹر کے نام پر کومل جلدی سے بولی۔

"ہاں ہاں بوا...... آپ جا کر تیار ہوں۔" حرا نے ہاں میں ہاں ملائی۔

"چھوڑو تیاری ویاری، بچی تڑپ رہی ہے، ہم کہیں نہیں جا رہے۔" بوا آیتیں پڑھ پڑھ کر کومل کے سر پر پھونکنے لگیں۔

"کم اداکاری کرو۔" کومل کے کان کے قریب اس نے سرگوشی کی۔

"کیا کہہ رہی ہو؟"

"کچھ نہیں...... بس ویسے ہی۔" کومل

"بوا! میں ٹھیک ہوں، بس تھوڑا سا درد ہے۔ جلد ٹھیک ہو جائے گا۔ آپ جا کر تیار ہوں۔"

"دل تو نہیں چاہ رہا۔" وہ واقعی پریشان ہو گئیں۔

"بری بات ہے نا بوا، کسی کی دعوت پر نہ جانا۔ آپ بابا اور ذکاء کے ساتھ جائیں، میں کومل کا خیال رکھوں گی۔" حرا نے نرمی سے سمجھا دیا۔ وہ اس کی باتوں میں آ گئیں اور کومل پر آخری پھونک مار کر باہر چلی گئیں۔ وہ دونوں آنکھ دبا کر ہنس پڑیں۔

○❖○

"حسرت ان غنچوں پہ جو بن کھلے مرجھا گئے۔"

انجم صاحب نے گاڑی سے اترتے صرف آفریدی، ذکاء اور بوا کو دیکھا تو قریب کھڑے سجے ے جواد کے کان میں سرگوشی کی۔ جواد کی کھلی کھلی باچھیں سچ مچ حسرتوں میں بدل گئیں۔ رخسار بھی بھائی کو شرارت سے کہنی ماری۔ وہ تو صدمے سے دوچار تھا۔ رسمی سے علیک سلیک کے بعد رت کر کے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ آفریدی صاحب نے انجم صاحب کے استفسار پر حرا اور کومل نہ آنے کی وجہ بیان کر دی۔ وجہ جان کر انجم صاحب نے رخسار کو آہستہ سے جواد کو بلانے کے لئے

"بھائی! کیا منہ بنا کر کمرے میں پڑے ہیں۔ ڈیڈی بلا رہے ہیں۔" رخسار حسب معمول لالی پ سے لطف اٹھاتے ہوئے جواد کے کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ سخت غصے میں بیڈ پر آڑا ترچھا لیٹا

"مجھے کہیں نہیں جانا۔"

"اوہو بھائی، یہ تو بہت بری بات ہے۔ مہمانوں کو اس طرح چھوڑ کر آنا مینرز کے خلاف ہے۔"

"اور یہ مینرز ہیں کہ دعوت دی گئی اور اس لاٹ صاحب کی بچی نے آنے کی زحمت نہیں کی۔" وہ ری قوت سے پھنکارا۔

"ویری بیڈ...... ایسے کہتے ہیں کسی کو؟" رخسار اپنے مخصوص نرم لہجے میں بولی۔

"ایسے کرتے ہیں کسی کے ساتھ؟ تم جانتی ہو نا کہ یہ دعوت صرف اس کی وجہ سے تھی اور وہی نہیں ئی۔"

"تو کون سا وقت گزر گیا۔ پھر آ جائے گی۔ بلکہ ہمیشہ کے لئے آ جائے گی۔ فی الحال ان کی پرابلم ہے۔ کومل کے سر میں شدید درد ہو رہا تھا۔ اس کی وجہ سے حرا باجی اس کے پاس ہیں۔"

"سر کا درد کوئی ایسا مسئلہ نہیں کہ وہ بہانہ بنا لے۔"

"آپ سمجھا کریں، حرا باجی کے مراسم آپ سے اتنے زیادہ بھی نہیں ہیں کہ آپ اس طرح ناراض ں۔ انہوں نے وعدہ تو نہیں کیا تھا۔"

"مراسم کیسے بڑھیں...... وہ بڑھانا نہیں چاہتی۔"

''تو اس طرح مراسم بڑھیں گے نہیں بلکہ ختم ہو جائیں گے۔ کوئی طریقہ ہوتا ہے بات آگے بڑھانے کا۔'' وہ لاپروائی سے بولی۔

''مثلاً.....؟''

''مثلاً یہ کہ آپ نرمی سے، محبت سے ان سے رابطہ کریں، پیار بھرا شکوہ کریں، خیر خیریت پوچھیں۔ فون کرلیں۔ مگر یوں الزام تراشی کا کوئی فائدہ نہیں۔'' دیکھنے میں حد درجہ لاپرواہ اور لاابالی سی رخسار کس قدر اہم بات کر گئی۔ اس کی عقل دنگ رہ گئی۔ سارا غصہ ہوا ہو گیا۔

''تھینک یو مائی ڈیئر!''

''اب جلدی سے فون کر کے ڈرائنگ روم میں آ جائیں۔ ذکاء بھائی بور ہو رہے ہوں گے۔'' وہ تاکید کرتی ہوئی چلی گئی۔

اس نے جلدی سے ٹیلی فون انڈکس کھولی، آفریدی صاحب کا نمبر تلاش کیا اور پھر دھڑکتے دل کے ساتھ نمبر ملایا۔

''ٹرن.....ٹرن.....ٹرن.....'' تین مسلسل گھنٹی بجنے کے بعد دوسری طرف سے فون اٹھایا گیا۔

''ہیلو.....'' نازک سی آواز آئی۔

''ہیلو، حرا!'' اس نے بے ساختہ پکارا۔

''جی کون حرا؟'' بڑی حیرت سے پوچھا گیا۔

''حرا! آپ میرے احساسات کا مذاق مت اڑائیں۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

''میں حرا نہیں کومل ہوں۔ آپ کون بول رہے ہیں؟''

''آپ حرا ہی ہیں.....اور میں جواد بول رہا ہوں۔ پلیز مذاق بند کریں۔'' وہ مصر رہا۔ دوسری طرف کچھ دیر خاموشی رہی پھر وہ بولی۔

''آپ کو کیسے یقین ہے کہ میں حرا ہوں؟''

''آپ کی خوشبو آ رہی ہے۔ آپ کا حسین احساس محسوس ہو رہا ہے۔'' وہ بہت وثوق کے ساتھ جذب کے عالم میں بولا۔ حرا سچ مچ کچھ شرمندہ سی ہو گئی۔

''حیرت ہے، آپ انگلینڈ جیسے ملک میں عرصہ دراز رہ کر آئے ہیں پھر بھی غیر یقینی اور فینٹاسی خیالات سے متاثر ہیں۔'' وہ شرارت سے بولی۔

''حرا! محبت کے الوہی جذبے ملک کی سرحدوں کے پابند نہیں ہوتے۔ آپ یہ بتائیں کہ میں نے آپ کو صحیح پہچانا ہے کہ نہیں؟''

''او کے بابا، آپ بہت انسان شناس ہیں۔'' وہ ہنسی۔

''آپ کیوں نہیں آئیں؟'' اس نے محبت بھرا گلہ کیا۔

''میں.....وہ کومل.....'' وہ ہکلائی۔ نامعلوم اس کے مقابل وہ بات کرتے ہوئے پریشان کیوں

ہی تھی۔

''حرا! آپ صرف میری وجہ سے نہیں آئیں۔''

''آپ کی.....نہ.....نہیں.....''

''یہ سچ ہے، میری وجہ سے ہی آپ نے ایسا کیا۔'' وہ ڈٹا رہا۔

''اگر یہ سچ بھی ہے تو کیا حرج ہے؟'' اس نے تسلیم کرلیا۔

''کیا حرج ہے؟ یہ آپ بخوبی سمجھ سکتی ہیں۔''

''مگر میں فی الحال سمجھنے کے موڈ میں نہیں۔'' اس نے تنگ کیا۔

''حرا! میں سچا اور کھرا انسان ہوں..... مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ پہلی بار جسے دیکھ کر میں اپنی دھڑکنیں بے ترتیب محسوس کیں وہ تم ہو۔ آج تمہارے نہ آنے سے میں سخت اداس ہوا ہوں، اظہار کے لئے مجھے بہت سے جملوں اور بہت سے وقت کی ضرورت نہیں۔ تم حیران ہو گی کہ میں نے آپ کی بجائے تم کیوں مخاطب کیا ہے تو یہی لفظ میرے سچے جذبوں کا اظہار ہے۔'' وہ بولے دھیرے بولتا چلا گیا۔ حرا کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ چہرے کا رنگ بھی سرخ پڑ گیا تھا نظر کی شرارت نے مجبور کیا تو تنگ کرنے لگی۔

''جواد صاحب! اس ملک میں پہلے ہی کافی مجنوں، دیوانے موجود ہیں۔ آپ نے خوامخواہ ہی آنے کی زحمت کی۔

''حرا! پلیز مذاق مت کرو۔''

''اے مسٹر! یہ مذاق نہیں ہے۔ آپ بلاوجہ رومیو بن رہے ہیں..... مان نہ مان میں تیرا مہمان۔ نہ کی ملاقات میں آپ عشق فرمانے لگے۔'' وہ بگڑی۔

''حرا! فار گاڈ سیک میں سطحی عاشق نہیں ہوں۔''

''ہنہ.....ہر آپ جیسا یہی کہتا ہے۔'' اس نے فرینک جھڑکا۔

''حرا! حد ہو گئی۔''

''اچھا! اچھا اب یہ بولیں کیا کہنا ہے؟''

''تم میرے بارے میں سوچو۔'' وہ شوخی سے بولا۔

''فی الحال تو فرصت نہیں.....فرصت ملے گی تو سوچوں گی۔'' وہ لاپروائی سے بولا۔

''کیا.....فرصت نہیں.....اور میں.....؟'' وہ چلایا۔

''آپ اپنا علاج کرائیں۔ اللہ حافظ۔'' اس نے کہا اور فون بند کر دیا۔

○❖○

کھانے کے بعد گرما گرم کافی نے سب کے دل جیت لئے۔ موسم کی ہلکی ہلکی خنکی گرم کافی کے ذائقے میں اور زیادہ اثر پیدا کر گئی۔ کرم داد نے دیوار پر لگے کلاک پر نگاہ ڈالی اور انجم صاحب سے انجازت طلب کی۔

''بس چل دیئے؟'' انجم صاحب بولے۔

''جی سر..... فلیٹ تک پہنچتے پہنچتے مزید دیر ہو جائے گی۔''

''بیٹا! آپ سے مل کر بہت لطف آیا۔ بڑی اچھی طبیعت پائی ہے اور جو احسان آپ نے انجم پر کیا ہے اس نے تو ہمیں بھی خرید لیا۔'' آفریدی صاحب نے باقاعدہ کھڑے ہو کر اس کا کندھا تھپتھپایا۔

''کیوں شرمندہ کرتے ہیں آپ۔'' وہ خفت سے مسکرایا۔

''ارے نہیں بیٹا، کوئی شرمندہ نہیں کر رہے۔ آپ واقعی عزت کے قابل ہیں۔''

''ایسا کرو کچھ دیر بیٹھ جاؤ، ہم راستے میں ڈراپ کر دیں گے۔'' آفریدی صاحب نے کہا۔

''ہاں یہ ٹھیک ہے یار ذکاء! جواد اور رخسار کے ساتھ گپ لگاؤ۔ جانے کی جلدی چھوڑو۔'' انجم صاحب کی بات سن کر وہ تینوں کی طرف بڑھ گیا جو کچھ فاصلے پر قالین پر بیٹھے کارڈز کھیل رہے تھے۔

''یار انجم! مجھے تم سے ضروری بات کرنی تھی۔'' آفریدی صاحب نے دھیرے سے کہا۔

''ہاں، بول۔'' انجم صاحب نے پوری توجہ ان کی طرف مبذول کی۔

''ٹی وی لاؤنج میں چلیں۔'' آفریدی صاحب نے خیال ظاہر کیا۔

''فرخندہ! میں اور آفریدی ٹی وی لاؤنج میں بیٹھیں گے۔ ذرا تنہائی درکار ہے۔'' ڈرائنگ روم میں داخل ہوتی فرخندہ سے انجم صاحب نے کہا۔ وہ اثبات میں سر ہلا کر باہر ڈائننگ روم کی صفائی وغیرہ کرانے چل دی۔ جب کہ وہ دونوں ٹی وی لاؤنج میں آ گئے۔

''کومل سے غائبانہ تعارف تو تمہارا ہو چکا ہے۔'' آفریدی صاحب صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

''ہوں..... ہاں بالکل۔'' انجم صاحب نے جواب دیا۔

''تم نے سوچا ہو گا کہ یہ کومل کہاں سے آ گئی؟''

''نہیں..... نہیں سوچا۔ کیونکہ جو تم نے کہہ دیا مجھے اس پر اعتبار ہے۔''

''یہ جانتے ہوئے بھی کہ حرا اور ذکاء کے علاوہ میری کوئی اور اولاد نہیں؟'' آفریدی صاحب نے

حیرت سے پوچھا۔

''ہاں..... اس کے باوجود تم نے جو بھی کہا ہے وہ ٹھیک ہی ہو گا۔''

''تھینک یو..... تم اس قدر اپنے دوست پر اعتماد کرتے ہو یہ بڑی خوشی کی بات ہے۔'' آفریدی صاحب نے مسکرا کر کہا۔

''اللہ قسم، اگر تو کومل کا ذکر نہ بھی کرتا تو میں تجھ سے یہ سوال ہرگز نہیں کرتا کہ کومل کون ہے؟ کہاں سے آئی ہے؟''

''یو آر گریٹ مائی ڈیئر! لیکن میں تجھے سب کچھ بتاؤں گا۔''

''جیسے تُو مناسب سمجھے۔''

''یار! جس روز تم لوگ میری طرف ڈنر پر آئے تھے اور میں چاہنے کے باوجود گھر نہیں آ سکا وجہ تو تم جانتے ہی ہو۔ جب بہت دیر ہونے کے بعد میں گھر کے لئے نکلا تو کوٹھی سے پہلا چوک مڑا ہی تھا کہ یہ بچی خوفزدہ سی بھاگتی ہوئی گاڑی سے ٹکرا گئی۔ چاروں طرف اندھیرا تھا، گہرا سناٹا تھا۔ میں پریشانی سے باہر نکلا۔ بچی بے ہوش ہو چکی تھی۔ اس نے سینے سے ایک کپڑوں کی پوٹلی لگا رکھی تھی۔ میں فوری طور پر گاڑی میں ڈال کر گھر لے آیا۔ گھر قریب ہی تھا۔ ڈاکٹر کو بلایا۔ خطرے والی کوئی بات نہیں تھی۔ بچی ہوش میں آئی۔ میرے اور بوا کے لاکھ پوچھنے پر بھی اس نے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا..... بس روتی رہی۔ حالات کی ستم رسیدہ لگی۔ میں نے اس کی معصومیت اور سادگی پر اعتبار کرتے ہوئے اس کا نام کومل رکھ دیا۔ میرے ہاں سب نے اسے میری ہی بیٹی تسلیم کر لیا۔'' آفریدی صاحب بات ختم کر کے رکے تو انجم صاحب کو کچھ سوچ میں ڈوبا پایا۔

''تُو نے اپنی دانست میں بالکل ٹھیک کیا..... مگر زمانہ خراب ہے۔ کہیں وہ لڑکی کسی گینگ..... میرا مطلب ہے ایسے ویسے لوگوں کی کارکن یا پھر.....''

''نہیں..... تمہارا شک بے بنیاد ہے۔ وہ ایسی نہیں ہے۔ پھولوں جیسی ملاحت اور سندرتا ہے اس کے معصوم چہرے پر..... بہت پیاری، شریر اور سنجیدہ سی۔ تم ملو گے تو خود یقین کر لو گے۔'' آفریدی صاحب کی آنکھوں میں شفقت چمکنے لگی۔

''چہرے دھوکا بھی دے جاتے ہیں۔ اس کے گھر والے اس کی تلاش میں آ گئے تو کوئی مسئلہ نہ کھڑا کر دیں۔''

''میں نے اس سے کچھ نہ پوچھنے کے باوجود تسلیم کیا ہے وہ بہت مشکل حالات سے گزر کر آئی ہے۔ میں پوری طرح مطمئن ہوں کہ وہ ایک نیک اطوار لڑکی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی خاص محبت سے تخلیق کیا ہے۔''

''اللہ کرے وہ تمہارا یقین بحال رکھے۔ مگر سوچ لو، منہ بولے رشتے سگے نہیں ہوتے۔ تمہارے گھر میں جوان بیٹا ہے۔ کہیں کوئی جذبہ ابھرا تو کیا کرو گے؟''

"مجھے اپنی تربیت پر ناز ہے...... ذکاء کے دل میں کومل کے لئے کسی جذبے نے سر اٹھایا تو وہ اس وقت تک زبان نہیں کھولے گا جب تک کومل اس کے ان کہے جذبے سمجھ کر اقرار نہ کر لے۔"

"فرض کر لو اقرار کر بھی لیا تو لوگوں کو کیا بتاؤ گے کہ کومل منہ بولی بیٹی تھی؟"

"اس وقت اتنی دیر بعد یہ بتانے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ جب منہ بولی بیٹی بہو بن جائے گی۔ ضروری نہیں کہ جیسا ہم سوچ رہے ہیں ویسا ہی ہو...... مگر زندگی میں نئے انوکھے حادثات اور واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں۔ ان کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ کومل کتنی حسین اور پیاری ہے میں تمہیں بتا نہیں سکتا۔ بلکہ میں شاید خود دلی طور پر یہ چاہتا ہوں کہ قدرت ایسا کر دے تو اس کی مہربانی۔" آفریدی صاحب کے لہجے سے چاشنی ٹپک رہی تھی۔

"اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا اجر دے۔ تم نے انسانی ہمدردی کا بڑا عظیم کام کیا ہے۔" انجم صاحب نے ان کا ہاتھ محبت سے چوما۔

"فی الحال یہ راز میں ہی رہے۔ کیونکہ ابھی سب کو بتانے کا وقت نہیں آیا۔"

"مجھے قابل اعتبار پاؤ گے تو۔" انجم صاحب بولے۔ آفریدی صاحب کھل کر مسکرا دیئے۔

O❖O

"پاپا! بھائی سے کہیں گاڑی کی چابی دیں۔" کافی دیر سے حرا، ذکاء کی منت کر رہی تھی۔ جب اس نے ایک نہ سنی تو وہ سیدھی آفریدی صاحب کے پاس چلی آئی۔

"خیریت...... کہاں جانا ہے؟" انہوں نے کتاب پر سے نظریں ہٹائے بغیر پوچھا۔

"بابا! باہر دہی بھلے کھانے ہیں اور آئس کریم بھی۔" وہ بولی۔

"ذکاء کو بھی ساتھ لے جاؤ۔"

"وہ ساتھ نہیں جانا چاہتے۔ میں اور کومل جانا چاہتے ہیں۔"

"ایسا کرو اسے میری طرف سے جا کر کہو۔ کافی وقت ہو گیا ہے۔ اس کا ساتھ جانا بہتر ہے۔" انہوں نے کہا۔

"مگر وہ......"

"بابا! یہ دراصل اکیلے جانا چاہتی ہیں ورنہ میں نے انکار نہیں کیا۔" ذکاء نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ حرا نے گھور کر دیکھا۔

"چلو حرا، جاؤ تم اور کومل تیار ہو کر آؤ۔ ذکاء یہیں بیٹھا ہے۔" بابا نے کہا۔

"اور ہاں! زیادہ سولہ سنگھار کرنے کی ضرورت نہیں۔" ذکاء نے چھیڑا۔ وہ خونخوار نظروں سے گھورتی ہوئی باہر نکل گئی۔

"بابا! کل میرا رزلٹ آ رہا ہے۔"

"سچ......؟" آفریدی صاحب نے اس کی طرف توجہ کی۔

"جی۔"

"اللہ تعالیٰ بہتری کرے گا انشاء اللہ۔" انہوں نے پُر امید لہجے میں کہا۔ ان دونوں کے باہر نکلنے کی آواز پر وہ بابا کو خدا حافظ کہہ کر باہر نکلا۔ واقعی وہ دونوں بہت جلدی تیار ہو کر آ چکی تھیں۔ ذکاء نے اچٹتی سی نظر ان دونوں پر ڈالی تو ٹھٹک گیا۔ ہریل سوٹ میں ییلو دوپٹے کے ساتھ بالکل سادگی سے بال سنوارے وہ مخصوص انداز میں ہنستی ہوئی چل رہی تھی۔

"اوہ! میں ابھی آئی، پرس تو کمرے میں ہی رہ گیا۔" حرا کہتی ہوئی واپس اپنے کمرے کی طرف بھاگی۔ جب کہ وہ برآمدے کی سیڑھیاں اتر کر لان میں اتر گئی۔ روش پر چلتے ہوئے ذکاء نے اس کے سراپے کو سراہتے ہوئے دھیرے سے کہا۔

"کیا معلوم تھا اس روش کو کبھی تم ایسی پری وش کے قدم اس پر اٹھیں گے۔ تمہاری سبک خرامی کی یہ تو خود معترف لگتی ہے۔"

اس نے سادگی سے ریشمی پلکیں اٹھائیں تو اس کی نظریں جھک گئیں۔ دل نے آہستہ سے چٹکی لی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر گاڑی اسٹارٹ کی۔ وہ دھیرے سے گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی۔ اس نے مرر اس انداز میں سیٹ کیا کہ اس کی جھیل سی آنکھیں اس کی نظروں کی زد میں تھیں۔ بارہا اس نے نظریں بچانے کی کوشش بھی کی مگر اس کی نگاہوں کا طلسم اسے بار بار یہ گستاخی کرنے پر مجبور کرتا رہا۔ گہری خاموشی توڑنے کے لئے اس نے کیسٹ لگائی اور والیم آن کر دیا۔ ناہید اختر کی آواز کا جادو جاگ اٹھا۔ ایک ایک سُر اور غالب کی غزل کا ایک ایک لفظ اس لمحے اس کے روپ میں ڈھل گیا۔

جہاں تیرا نقش قدم دیکھتے ہیں
خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں

وہ غزل کے جادو سے لاتعلق کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ اس کی سادگی، لاتعلقی ذکاء پر بار گراں تھی۔ کیونکہ وہ خود بخود کھنچا چلا جا رہا تھا۔ اس کے دل کی حالت تو غزل کے اشعار سے ہویدا تھی۔ حرا کو آتا دیکھ کر اس نے خود کو نارمل کیا۔ وہ سوری کہتی ہوئی آگے کا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی۔ حرا نے والیم سلو کر کے رخ موڑا اور کہا۔

"کہاں کھوئی ہوئی ہو؟"

"بس کچھ یاد آ گیا تھا۔" وہ سادگی سے بولی۔ ذکاء نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور دل میں کسک نے جنم لیا۔ گاڑی کشادہ سڑک پر دوڑاتے ہوئے وہ نہ چاہتے ہوئے بھی یہ سوچے چلا گیا کہ کیا یاد آ گیا؟ اس کو خاموش ڈرائیو کرتا دیکھ کر حرا نے چھیڑا۔

"بھائی! کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں......" وہ یکسر ٹال گیا۔

"آپ کو بھی کچھ یاد آ رہا ہے کیا؟" کومل نے خلاف توقع بھولپن سے پوچھا تو وہ اس کی کٹاری

ایسی نگاہوں سے ایک مرتبہ پھر گھائل ہوگیا۔ دل نے چاہا کہ کہہ دے مگر فطرت نے چپ رہنے کو کہا۔

''ابھی زندگی ایسے موڑ پر نہیں آئی کہ کوئی یاد آئے۔ آپ کو شاید کچھ یاد آتا ہے۔'' دل میں کروٹیں لیتے سوال کو اس نے باہر پھینک دیا۔ اس نے کچھ نہیں کہا۔ شاید وہ اس کا مطلب نہیں سمجھی۔ گاڑی سے باہر بھاگتی دوڑتی گاڑیاں دیکھتی رہی۔ پھر گردن موڑ کر باہر دیکھتے ہوئے اس نے وہ عکس نظروں سے چھپا لئے جو اس وقت بڑی شدت سے چھلکنے کو بے قرار تھے۔ وہ کیا بتاتی کہ سچ مچ کون زندگی کا حصہ ہے؟ کون دل کے ساتھ ساتھ دھڑکتا ہے؟ اور وہ کہاں ہے؟ کبھی ملے گا بھی یا نہیں؟'' یہ دکھ وہ کسے بتاتی۔ بہتر تھا کہ خاموش رہتی۔

○❖○

اس وقت شام کے سائے بڑھ رہے تھے جب اس نے دھڑکتے دل اور بہکتے جذبوں کے ساتھ دروازے پر دستک دی۔ دستک کے ساتھ ہی دل چاہا کہ اس دلربا کا حسین چہرہ دروازے کی اوٹ سے جھانکے اور پھر اسے دیکھ کر وہ پورا دروازہ کھول کر سامنے آجائے۔ اس کی نگاہوں کی قندیلیں اس پر محبت کے راز منکشف کردیں۔ وہ مسکرا کر اسے پکارے۔

''کرم داد جی!'' کسی کے پکارنے پر وہ خیالات کی دنیا سے واپس آیا، اس کے مقابل صفیہ کھڑی تھی۔

''آداب.....'' وہ جلدی سے بولا۔

''آپ اور یہاں؟'' اداس لہجے میں اس نے پوچھا۔

''ہاں! کیا اندر آنے کو نہیں کہیں گی؟''

''ہنہ..... ہاں آؤ۔'' وہ جلدی سے اندر آنے کا کہہ کر ایک طرف ہوگئی۔ شور مچاتے بچوں کے بیچ سے چلتا ہوا وہ ایک کمرے میں پہنچ گیا۔ کمرے میں موجود چارپائی پر بیٹھنے کو کہا گیا مگر وہ بے قرار سا کھڑا چاروں طرف دیکھنے لگا۔

''کیا دیکھ رہے ہیں آپ چھوٹے صاحب؟'' صفیہ نے پوچھا۔

''صفیہ باجی! آپ مجھے یہاں دیکھ کر اب تک نہیں سمجھیں کہ میں کیا دیکھنا چاہ رہا ہوں؟''

''گڑیا آپ کے پاس نہیں پہنچی؟'' درد سے پھٹتے ہوئے کلیجے کو سنبھال کر بولی۔ وہ تو مطمئن سی تھی کہ وہ وہیں پہنچ گئی ہوگی جہاں سے آئی تھی۔

''کیا مطلب؟'' وہ چونکا۔

''گڑیا تو یہاں سے جا چکی ہے۔'' وہ رو دی۔

''جا چکی ہے..... کہاں؟'' وہ چکرا سا گیا۔

''یہ تو مجھے بھی نہیں معلوم۔ بس یقین سا تھا کہ شاید آپ کے پاس ہو۔'' وہ زار و قطار رونے لگی۔

''اوہ! میرے خدایا! میری محبت کے اظہار کے باوجود میرے سامنے آنے کا انتظار کئے بنا وہ چلی

گئی۔ آپ نے اسے جانے دیا؟ نہیں روکا؟ نہیں سمجھایا کہ وہ میرا انتظار کرے..... میں تو ہمیشہ کے لئے لے جانے کا کہہ کر گیا تھا۔'' وہ غم و غصے سے چلانے لگا۔

''آپ نے اس سے یہ سب کہا تھا؟''

''نہیں میرے کہنے سے پہلے ہی وہ آپ کے پاس آگئی تھی اور جب میں یہ سب کہنے یہاں آیا تو آپ کے بہنوئی نے باہر سے ہی لوٹا دیا، میں انہیں یہ پیغام دے گیا تھا۔''

''کیسے؟..... غفور کو..... آپ نے غفور جیسے سانپ سے کہا۔ وہی تو ڈس گیا میری گڑیا کو..... اسی کے بچائے ہوئے زخموں نے تو میری پھولوں جیسی بہن کو مٹی میں ملا دیا۔ کاش! آپ نے اس پر اعتبار نہ کیا ہوتا..... آپ گڑیا سے مل لیتے۔'' وہ سخت صدمے سے دوچار ہو کر سسکیاں لینے لگی۔

''مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ شخص اچھا نہیں۔ میں تو تھوڑے عرصے کے انتظار کا کہہ گیا تھا۔'' اس کی آنکھوں سے جیسے جان نکل گئی۔ فرش پر ہی گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔

''کیا بتاؤں آپ کو کہ اس شخص کے ناپاک عزائم کیا تھے..... کیوں رات کی تاریکی میں میری گڑیا کو گھر چھوڑنا پڑا۔ مجھے تو اس کی کوئی خیر خبر نہیں۔''

''میں لوٹ کر ہی اس کے لئے آیا ہوں..... اب کہاں تلاش کروں اسے..... اگر وہ نہ ملی تو میں بربار ہو جاؤں گا۔ میں بربادیوں سے لڑ کر آیا ہوں۔ چھوٹے صاحب نہیں، کرم داد بن کر آیا ہوں۔'' وہ سسک اٹھا۔

لمبے چوڑے انسان کو بے بسی کے ساتھ سسکتا دیکھ کر صفیہ کا اپنا دل بیٹھنے لگا۔

''کرم داد بننے میں اتنی دیر کیوں لگائی؟''

''زندگی الجھنوں کا شکار تھی۔ سلجھا کر آنا چاہتا تھا..... اور آج اپنے حصے کی خوشیاں لینے آیا تھا۔ میری گڑیا کہاں گئی؟ کس سے پوچھوں؟ اور کہاں جاؤں؟'' وہ بے چارگی سے بولا۔

''کرم داد! وہ شاید وہیں گئی ہو۔'' صفیہ نے کہا۔

''صفیہ بہن! وہ جہاں تو میں چھوڑ چکا ہوں۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ وہاں ہے یا نہیں۔''

''تو پھر وہاں جا کر پتہ کرو۔ وہ وہیں مل جائے گی۔'' صفیہ کی آنکھوں میں یقین چمک رہا تھا۔

''اللہ کرے ایسا ہی ہو۔'' وہ ہمت کے ساتھ کھڑا ہوا۔

''اگر گڑیا وہاں ہو تو اسے اپنے ساتھ لے جانا۔ مجھے بھی اطلاع دینا۔'' صفیہ نے کہا تو اس نے پینٹ کی جیب سے بٹوا نکالا اور اس میں سے اپنے شوروم کا کارڈ نکال کر اسے تھما دیا۔

''یہ کارڈ سنبھال کر رکھیں۔ اس پر جو پتہ لکھا ہے میں یہیں ملوں گا۔ شوروم کے اوپر فلیٹ میں رہتا ہوں۔ آپ کو ضرورت پیش آئے تو بلا جھجک آجایئے گا۔ میں بھی گڑیا کے ملنے کی خبر آپ کو دوں گا۔'' اس نے کہا اور شکستہ قدموں سے باہر نکل آیا۔

○❖○

فلیٹ کی کھڑکی سے باہر بھاگتی دوڑتی گاڑیوں کے شور اور لائٹوں کی روشنی میں اس کے بے سکون دل و دماغ کے لئے کوئی سکون اور طمانیت نہیں تھی۔ روز وہ باہر اندھیرے کے بڑھنے کے ساتھ ہی فلیٹ کی کھڑکی میں آ کھڑا ہوتا تھا۔ سڑک پر بھاری ٹریفک کے شور سے اس کی تنہائی دور ہو جاتی تھی باہر کے ہنگامے اس کے اردگرد رونق پیدا کر دیتے تھے۔ مگر آج نہیں، آج سب کچھ بدلا بدلا تھا ہنگامے تو اسی طرح تھے۔ گاڑیوں کا شور بھی ویسا ہی تھا۔ گاڑیوں کی ہیڈ لائٹس وہی چکا چوند پیدا کر رہی تھیں۔ ویسا ہی انسانوں کا ہجوم رواں دواں تھا مگر وہ، وہ نہیں تھا..... دماغ میں ٹیسیں اٹھ رہی تھیں دل بیٹھا جا رہا تھا۔ اضطراب اور بے سکونی کا عالم تھا۔ کائنات میں ہر سُو درد ہی درد دکھائی دے رہا تھا۔ کس قدر شادمان اور دلشاد تھا وہ کچھ دیر پہلے تک۔ اپنا دھڑکتا دل لے کر اپنی جانو کی گلی میں گیا تھا مگر چند نشاط کی کلیاں بھی نہ مل سکیں۔ روح فرسا دکھ لے کر لوٹا۔ ایک بار پھر وہ دور ہو گئی۔

''میں کہاں تمہیں تلاش کروں؟ اس بڑے شہر میں کہاں ہے تمہارا ٹھکانا؟ آواز ہی دے دو۔ پکار لو، پکار لو اپنے کرم داد کو..... میں دوڑتا ہوا پہنچ جاؤں گا۔ اپنے پیار پر بھروسہ کرو، آواز دو۔ اب تمہیں کھونے کا مجھ میں حوصلہ نہیں۔ تمہاری جدائی مجھے مار ڈالے گی۔ دوسری بار تم سے دور رہ کر میں زندہ نہیں رہ سکتا..... نہیں رہ سکتا۔'' شدتِ غم سے کھڑکی کے دروازے سے وہ سر ٹکرانے لگا۔ پلکیں بھیگ گئیں۔ دور کہیں مغنیہ کی سوز بھری آواز ابھری۔

تم نہ جانے کس جہاں میں کھو گئے
ہم بھری دنیا میں تنہا ہو گئے
موت بھی آتی نہیں آس بھی جاتی نہیں
دل کو یہ کیا ہو گیا کوئی شے بھاتی نہیں
تم نہ جانے کس جہاں میں کھو گئے
ہم بھری دنیا میں تنہا ہو گئے

گائیکہ کی آواز کا کرب پوری فضا میں پھیلا ہوا تھا۔ ایک ایک لفظ کا کرب اس کے دل کو چیر گیا اس کی اپنی کیفیت اس سے مختلف نہیں تھی۔ ساری عمر تنہا ہی گزرتی محسوس ہو رہی تھی۔ اب تک تنہا ایک ہم سفر بنانے کو دل چاہا تو وہ بھی کھو گیا۔ زندگی تاریک دکھائی دے رہی تھی۔

کہتے ہیں عشق محبت کا انتہائی اور آخری مقام ہے۔ اس پر پہنچ کر کبھی کوئی مجنوں بن کر لیلیٰ کی گلیوں کے کتے چومتا ہے اور کبھی ہیر سیال کے گھر کی چاکری کرتا ہے۔ کبھی بدن سے گوشت اتار کر محبت کا حق ادا کیا جاتا ہے اور کبھی ہاتھ میں تیشہ اٹھا کر نہر کھودی جاتی ہے..... مگر عشق کے اس مقام پر سکون اور قرار نہیں ہوتا۔ جتنا دوری مجبوری بنتی ہے اتنا ہی عشق کی آنچ تن من دہکاتی ہے، جلاتی ہے۔ انسان کو پتہ ہی نہیں چلتا کہ کب پہلی نظر کا جلوہ آہستہ آہستہ اندر ہی اندر انسان کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ پھر وہ اس کے بنا نہ جی سکتا ہے اور نہ مر سکتا ہے۔ یہی حال کرم داد کا تھا..... اسے نہیں معلوم

تھا کہ جس معصوم ہرنی ایسی لڑکی کو عیاش شکاریوں سے بچا کر چلا ہوں وہ پلکیں جھپک جھپک کر کبھی ہنس کر اور کبھی بھولی باتیں کر کے اسے تسخیر کر لے گی۔ اگر اسے علم ہوتا تو وہ یقیناً اس کی بربادی برداشت کر لیتا۔ دیکھ نہ پاتا تو جھیل کے کنارے جا بیٹھتا۔ مگر اس وقت وہ محبت کے طاقت ور جذبے سے آشنا ہی نہیں تھا۔ آشنا ہوتا تو دامن بچا کر اسے ڈاکٹر سبحان کے کلینک میں بخار میں پھنکتا چھوڑ کر بھاگ جاتا۔ لیکن وہ تو دھیرے دھیرے لمحہ بہ لمحہ لحظہ بہ لحظہ اس کی چاہ کے سمندر میں ڈوبتا چلا گیا۔

وہ دن بدن اس کی ہستی کا سامان ہوتی چلی گئی۔ اپنے بھرپور روپ اور دلکش بھولپن کے ساتھ اس کی محبت سے غافل، انجان لاپرواہ اور لاتعلق رہی۔ اس کے قدموں میں پڑی اپنی چاہت کی زنجیر کھول دی۔ اسے ایسے دشت میں دھکیل دیا جس میں گھٹنوں گھٹنوں ریت تھی، گرم ریت۔ اس کا پورا وجود محبت کے ٹھنڈے میٹھے پانی کے سمندر سے نکل کر صحرا کے گرم تھپیڑوں سے جھلس گیا۔ آبلے پڑ گئے۔ روح و بدن پر محبت کی تحقیر اور ذلت پر اس کے اندر شدید ٹوٹ پھوٹ ہوئی۔ محبت کی جگہ نفرت پیدا کرنا چاہی مگر نفرت کے عمل سے محبت کا درخت اور زیادہ تناور ہوتا ہے۔ اس کے اندر نفرت بھی محبت کے احساس سے لپٹی ہوئی تھی۔ روز بروز اس کی شدتوں میں اضافہ ہوتا گیا۔ اجنبی منزلوں پر پہنچ کر بھی یہی خواہش دامن گیر رہی کہ وہ پکارے، بلائے، آواز دے مگر کوئی آواز نہیں آئی۔ محبت کے احساس کی جھلک دکھائی دی۔ اس جھلک نے ہی اسے لوٹنے پر مجبور کیا۔ ''مگر میرے لوٹنے سے پہلے ہی وہ پھر اپنا راستہ کھوٹا کر بیٹھی۔ میرا انتظار بھی نہیں کیا۔ کیوں..... کیوں مجھ سے دور بھاگتی ہو؟'' اس نے دکھ سے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔ پھر شدید طوفانی جذبوں نے اس کے دل میں تحریک پیدا کی۔ وہ فلیٹ لاک کر کے سیڑھیاں اتر گیا۔ منزل کی تلاش ضروری تھی۔

○❖○

''سلمان ولا'' کے گیٹ پر بیل دے کر وہ منتشر الفاظ اکٹھے کرنے لگا۔ جونہی گیٹ کھول کر گلباز خان نے باہر جھانکا تو لمحہ بھی ضائع کئے بغیر وہ اسے پہچان گیا۔

''صاحب آپ.....'' وہ سب کچھ جاننے کے باوجود اس کی آمد پر خوش دکھائی دے رہا تھا۔

''شش..... صاحب نہیں، صرف کرم داد کہو۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''ٹھیک۔''

''میں اندر سے ابھی آتا ہوں۔'' وہ تیز آہنی قدموں اندر بڑھ گیا۔ گلباز خان کچھ حیرت زدہ سا حمید کے کوارٹر کی طرف چل دیا۔

پوری کوٹھی میں چند حصوں کی لائٹس آن تھیں۔ کوریڈور میں رک کر اس نے حوریہ کے کمرے کی طرف دیکھا۔ اندر سے ہلکی ہلکی آوازیں آ رہی تھیں۔ دل نے چاہا کہ اندر داخل ہو جاؤ مگر پھر ضمیر نے کہا کہ نہیں، اب یہ حق استعمال نہیں کر سکتے لہٰذا ڈرائنگ روم میں بیٹھنا چاہئے۔ ضمیر کا فیصلہ مناسب لگا۔ ''حمید کا پتہ کرنا چاہئے۔'' بڑبڑا کر پلٹا۔ کوریڈور سے نکلنے ہی والا تھا کہ حوریہ کی طنزیہ آواز قدموں

سے لپٹ گئی۔

"ہیلو ایکس ہزبینڈ۔" وہ آواز سن کر بھی قدموں پر جما رہا۔ "اگر آ گئے ہو تو ملنے میں کیا حرج ہے۔" وہ مسکراتی ہوئی اس کے قریب آ گئی۔ وہ پھر بھی سختی سے دانت بھینچے کھڑا رہا۔

"مجھے اندازہ تھا کہ تم پچھتاؤ گے اور....."

"ہمیشہ خوش فہمی کا شکار رہی ہو..... ایک خوش فہمی اور سہی۔" اس کا درمیان سے جملہ جھپٹ کر وہ درشت لہجے میں بولا۔

"پھر یہاں آنے کا مطلب؟"

"گڑیا کہاں ہے؟"

"اوہ، آئی سی..... محبوب، محبوبہ کی تلاش میں آیا ہے۔ محبوبہ کی جدائی نے حالت کافی خراب کر دی ہے۔" وہ طنزیہ ہنسی اور سر سے پیر تک اس کا جائزہ لیتے ہوئے بولی۔

"یہی سمجھ لو، اب یہ کہنے میں کوئی عار نہیں۔" وہ بھی ڈٹ گیا۔

"تو کیا سمجھتے ہو کہ مجھے، حوریہ کو تمہاری پرواہ ہے؟ پرواہ تو پہلے بھی نہیں تھی..... تم میری مجبوری سے زیادہ تھے ہی کیا۔ تمہارے آزاد کرنے سے میں رنجیدہ نہیں، خوش ہوئی تھی اور بہت مزے میں ہوں۔ آؤ دیکھو میری خوشی کے سب سامان موجود ہیں۔ تمہارے جیسا پھٹیچر انسان بے کار اور فالتو تھا۔ اچھا کیا کہ اپنا گند خود اٹھا لیا ورنہ میں کسی بھی وقت باہر پھنکوانے والی تھی۔" وہ حقارت سے بولتی چلی گئی۔

"تمہاری ڈھیر ساری بکواس کا بہت بڑا جواب ہے میرے پاس۔ لیکن کیا ہے کہ میں نہ تو تمہاری خوش فہمی جاننے آیا ہوں اور نہ ہی اپنے پچھتاوے بیان کرنے آیا ہوں۔ جو قصہ ختم ہو گیا میں اس پر نادم نہیں۔ کس نے کیا، کیا مجھے کچھ لینا دینا نہیں۔ میں فقط اپنی گڑیا کو لینے آیا ہوں۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"تو مسٹر کرم داد! اسے جا کر لاہور کی سڑکوں پر، گلیوں میں ڈھونڈو اور لیلیٰ، لیلیٰ پکارو۔" حوریہ کے کمرے سے نکل کر رضا علی مسخروں کی طرح گاتا ہوا اس کے قریب آ گیا۔

"محبت کے لئے ایسا بھی کرنا پڑا تو کر لوں گا۔"

"ہاں! آئی نو تم بہت کچھ کر سکتے ہو۔ جو کچھ کرتے رہے ہو وہ کم نہیں۔ حوریہ کے اعتماد کو نقصان پہنچاتے رہے ہو۔" رضا علی چہکا۔

"حوریہ بی بی! گڑیا یہاں آئی ہے یا نہیں؟" وہ رضا علی کی بات نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔ دراصل وہ جھگڑا نہیں چاہتا تھا۔

"اس کا یا تمہارا اب ہم سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ یہاں کیوں آئے گی؟" حوریہ اکڑ کر بولی۔

"اور اگر وہ اپنی بہن اور بہنوئی کے پاس نہیں تو اپنے جیسے کسی عیاش کے پاس اسے تلاش کرو۔"

رضا علی نے بہت گھٹیا انداز میں بات کی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا ہاتھ اٹھ گیا۔ زناٹے دار تھپڑ کی گونج دور دور تک سنائی دی۔ رضا علی کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ حوریہ گرجنے لگی۔

"نکل جاؤ یہاں سے..... اور آئندہ کبھی یہاں قدم مت رکھنا۔"

وہ پھر اہوا باہر نکلا۔ گیٹ کے باہر نکلتے ہی حمید نے آہستہ سے پکارا۔ وہ گیٹ سے ایک طرف اس کا منتظر تھا شاید۔

"صاحب جی! گڑیا واقعی یہاں نہیں آئی۔ ان لوگوں کے منہ لگنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اچھا ہی کیا آپ نے بے کار رشتہ توڑ دیا۔ یہاں تو نہ رشتے ہیں اور نہ رشتوں کا احترام۔ ڈاکٹر صاحب کو ہارٹ اٹیک ہوا، وہ اور بیگم صاحبہ لندن چلے گئے ہیں۔ وہاں آپریشن ہے۔ یہ امیر زادی اس لچے لفنگے کے ساتھ کیا کیا کرتی پھرتی ہے بس مت پوچھو۔" حمید بڑے سلیقے سے سب احوال بیان کر گیا۔

"حمید! میں اپنے فیصلے پر مطمئن ہوں۔ مجھے گڑیا کی تلاش یہاں کھینچ لائی۔ وہ اپنی بہن کے پاس نہیں ہے۔ ایک مجبوری نے اسے وہ گھر چھوڑنے پر مجبور کیا۔ اس کی بہن کا خیال ہے کہ وہ یہاں آئی ہوگی۔"

"نہیں..... گڑیا یہاں بالکل نہیں آئی۔ رضا صاحب لینے تو اسے گئے تھے مگر اس نے آنے سے انکار کر دیا تھا۔ پھر حوریہ بی بی آ گئیں تو وہ بھی بھول بھال گیا۔"

"نہیں معلوم وہ کہاں ہے؟ کس حال میں ہے؟" وہ افسردگی سے بولا۔

"آپ ہمت نہ ہاریں۔ مل جائے گی انشاء اللہ۔" حمید نے دلاسا دیا۔

"اللہ تمہاری زبان مبارک کرے۔ میں اب چلتا ہوں۔" وہ بولا۔

"اللہ حافظ۔"

"اللہ حافظ۔" اس نے جواباً کہا اور شکستہ قدموں سے سڑک کے ساتھ ساتھ فٹ پاتھ پر چلنے لگا۔

○❖○

"بابا! دیکھیں تو میں نے آپ کی لاڈلی کو کیا سے کیا بنا دیا ہے؟" حرا نے لان میں بیٹھے آفریدی صاحب کو پکار کر کہا۔ وہ اور بوا لان میں گھریلو مسئلے مسائل پر محو گفتگو تھے۔ دھوپ میں ابھی تیزی نہیں آئی۔ بڑھتے ہوئے سردی کے احساس کو کم کرنے کے لئے دھوپ میں بیٹھنا اچھا لگ رہا تھا۔

"اوہ، زبردست۔ ہماری بیٹی تو بہت حسین لگ رہی ہے۔" آفریدی صاحب نے سر سے پیر تک چہکتی کومل کو دیکھا جو جدید طرز کے تراشیدہ بالوں میں بالکل بدل گئی تھی۔ خوبصورتی سے سنواری گئی آنکھیں کمان جیسی دکھائی دے رہی تھیں۔ تھوڑی سی تبدیلی نے کافی زیادہ اس کی شخصیت پر اثر ڈالا تھا۔

"آفریدی! عقل کے ناخن لو۔ تم اس چلیے کو سراہ رہے ہو۔ ہمیں تو یہ سب اچھا نہیں لگتا۔" بوا نے اعتراض کیا۔

"بوا جی! زمانہ بدل گیا ہے...... اب ان سب لوازمات کی ضرورت ہے۔" وہ بولے۔

"ارے چھوڑو، زمانہ کیا بدلے گا۔ ہم ہی تو زمانہ بناتے بگاڑتے ہیں۔" بوا بگڑیں۔

"بوا! آپ غور سے دیکھیں، کومل کس قدر پیاری لگ رہی ہے۔ کتنا واضح فرق پیدا ہوا ہے اس میں۔ اب اسے پہچاننا مشکل ہو گیا ہے۔" حرا نے سمجھانے کی کوشش کی۔

"ادھر آؤ کومل، کیوں اس شریر کے ساتھ گئی تھیں تم؟" بوا نے کومل کو لتاڑا۔

"میں...... میں تو......"

"بوا! اس کو میں لے گئی تھی۔" حرا نے جلدی سے کہا۔

"اب تمہیں تو ہم کچھ کہہ ہی نہیں سکتے۔ باپ نے سر پر چڑھا رکھا ہے۔" وہ ناراض ناراض سی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"یہ ذکاء اب تک نہیں آیا رزلٹ کی خیر خبر لے کر۔" آفریدی صاحب نے پوچھا۔

"بابا! آجائے گا۔" حرا نے کہا اور کومل کو لئے لان کے دوسرے حصے میں چلی آئی۔ حسب حال کومل خوش ہونے کی بجائے خاموش اور اداس سی تھی۔ حرا نے واضح طور پر محسوس کیا۔

"کیا بات ہے کومل؟" اس کا نرم سفید ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اس نے پوچھا۔

"کچھ نہیں حرا باجی۔"

"کچھ تو ہے...... میں نے بارہا یہ محسوس کیا ہے کہ تم خوش ہونے کے لمحات میں اداس ہو جاتی ہو۔ کہیں کھو جاتی ہو۔"

"تم سمجھ سکتی ہو یہ بات کہ میں ایسا کیوں کرتی ہوں؟" اس نے دھیرے سے جواب دیا۔

"جانتی ہوں...... مگر اس سے کیا حاصل؟"

"میرے اختیار میں نہیں ہے یہ سب۔ جب خوش ہوتی ہوں تو ماضی یاد آجاتا ہے۔ اپنے یاد آجاتے ہیں۔" اس کی آنکھوں میں شبنم اتر آئی۔

"تمہارے ہم کچھ نہیں لگتے کیا؟" اس نے شکایتی انداز میں سوال کیا۔

"تم ایسے تو مت کہو۔ میرے نزدیک تم سب کی کیا اہمیت ہے...... یہ تو حرا باجی تم جانتی ہو۔" محبت سے اس کے گلے لگ گئی۔

"تو پھر اداس ہونا چھوڑ دو۔ تمہارے وہ اپنے بھی ایک روز ضرور مل جائیں گے جو تمہارے دل میں دھڑکتے ہیں۔"

"کہیں دیر تو نہیں ہو جائے گی؟"

"جن کا انتظار کرتے ہیں ان کے لئے وقت ناپنے کا کوئی پیمانہ نہیں ہوتا۔ بس انسان انتظار کرتا ہی چلا جاتا ہے۔" حرا نے نرمی سے سمجھایا۔

"تم کتنی اچھی ہو......" اس نے حرا کی پیشانی چوم لی۔ وہ اس کی معصوم حرکت پر مسکرانے لگی۔

"تم یہاں بیٹھو میں جوس لے کر آتی ہوں۔" حرا یہ کہہ کر اندر کی طرف چلی گئی۔ وہ سفیدے اور ...ر کے درختوں سے جھانکتی سورج کی کرنیں دیکھنے لگی۔

"ارے یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟" قریب سے ذکاء کی آواز آئی تو وہ چونک کر گھاس پر سے کھڑی ہوئی۔ ذکاء حیرت و مسرت سے اس بدلی ہوئی لڑکی کو تک رہا تھا۔ آج تو حُسن اور زیادہ دو دھاری ہو گیا تھا۔

"یہ تم ہو کومل!"

"جی میں ہی ہوں۔" وہ بولی۔

"نظر نہیں ٹھہر رہی۔" وہ ایک ٹک گھورتے ہوئے بولا۔

"کس پر ذکاء بھائی؟"

"دھت تیرے کی، سارا موڈ ستیاناس کر دیا۔" وہ پاؤں پٹختا ہوا وہاں سے چل دیا۔ راستے میں حرا ملی تو اسے یاد آیا کہ وہ رزلٹ کی خوشخبری سنانے والا تھا۔

"بھائی کیا ہوا رزلٹ کا؟"

"وہی جو ایک لائق فائق ذہین آدمی کا ہوتا ہے۔"

"یو مین، فیل......" حرا نے شرارت سے تنگ کیا۔

"حرا! میں تمہیں کچا چبا جاؤں گا۔"

"نہیں نہیں بھائی...... پکا کر کھانا۔ ورنہ بدہضمی ہو جائے گی۔" اس نے مزید ستایا۔

"ٹھیک ہے، میں تمہیں رزلٹ نہیں بتاتا۔" وہ بگڑ کر اندر چلا گیا۔ وہ آوازیں ہی دیتی رہ گئی۔ تھک ہار کر آفریدی صاحب کے پاس آئی۔ انہوں نے بتایا کہ وہ فرسٹ ڈویژن میں پاس ہو گیا۔ وہ خوشی سے چھلانگیں لگاتی ہوئی کومل کے پاس یہ خوش خبری سنانے پہنچ گئی۔

○❖○

"ٹھک، ٹھک ٹھک۔" دروازے پر تین مسلسل دستک دینے کے بعد دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئے۔ فلیٹ کے اندر تمام لائٹس آن تھیں۔ دروازہ کھلا تھا۔ وہ پریشان سے اس کے کمرے کی طرف بڑھے۔ کمرے کا دروازہ بھی کھلا تھا۔ وہ صوفے پر بے خبر پڑا تھا۔ قالین پر کمبل پڑا تھا۔ صبح سویرے اٹھنے والا، ٹھیک آٹھ نو بجے شوروم کھولنے والا اب تک بے سدھ پڑا تھا۔ نیچے شوروم کے دو ملازم شوروم کے باہر کھڑے تھے۔ گیارہ بجنے والے تھے...... وہ تو دانستہ لیٹ آئے تھے۔ بلکہ آج صبح ناشتے کی میز پر انہوں نے جواد کو حکم دے دیا تھا کہ اب آوارگی اور لاپروائی کے دن ختم ہوئے۔ شوروم سنبھالو۔ کل آرڈر کی تمام گاڑیاں لاہور پہنچ رہی ہیں۔ میں ٹھہرا بوڑھا آدمی۔ تم اور کرم داد جوان خون ہو، کام اچھے طریقے سے بڑھاؤ۔ اور وہ منہ بسورتے ہوئے اثبات میں گردن ہلانے لگا۔ آج وہ راستے میں ایک دو ضروری کام نپٹا کر آئے تھے۔

””کرم داد...... کرم داد!““ انہوں نے پکارا۔ اس کی پیشانی چھوئی۔ فرش پر جھولتا ہاتھ پکڑا۔ اس نے کسمسا کر نیند سے بوجھل نیم وا آنکھوں سے ان کی طرف دیکھا۔

””کرم داد! خیریت تو ہے...... طبیعت تو ٹھیک ہے؟““ انجم صاحب نے تشویش سے پوچھا۔ وہ پوری طرح بیدار ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔ گزشتہ رات کا ایک ایک کربناک لمحہ آنکھوں میں پھر گیا۔

””بس کچھ کہہ نہیں سکتا کہ کیا بات ہے۔““

””کیسی باتیں کرتے ہو یار! آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی ہیں۔ زرد اور کمزور لگ رہے ہو۔ تم ساری رات بھر سوئے نہیں۔ اور پھر جب نیند کا جھونکا آیا تو فلیٹ کا دروازہ بند کرنا بھی بھول گئے۔ بستر کی بجائے صوفے پر سو گئے۔ خدانخواستہ کوئی چور اچکا گھس آتا تو نقصان پہنچا سکتا تھا۔““ انہوں نے سہارا دے کر اسے صوفے پر بٹھاتے ہوئے کہا۔

””تو کیا ملتا اُسے جلے ہوئے ارمان، ناکام حسرتوں کا ملبہ۔ انہیں چرا کر کوئی کیا کرتا۔““ وہ تاسف سے بولا۔

””ہوا کیا ہے...... ایک دن میں اتنی تبدیلی کی وجہ؟““ وہ سنجیدگی سے بولے۔

””انجم صاحب! کوئی نئی بات نہیں۔ میرے ساتھ تو بچپن سے ایسا کچھ ہوتا آیا ہے۔ سب کچھ پرانا ہے، ویسے کا ویسا۔ کچھ تبدیل نہیں ہوا۔““ وہ تلخی سے مسکرایا۔

””اچھا ایسا کرو بستر پر لیٹو۔ تمہیں آرام کی سخت ضرورت ہے۔ میں نیچے سے علی نواز کو بلاتا ہوں۔ وہ تمہارے لئے چائے بنائے گا، ناشتہ بنائے گا۔““ انجم صاحب نے زبردستی اسے بیڈ پر لٹایا اور خود لمحے بھر کو کھڑکی سے باہر جھانک کر علی نواز کو اوپر آنے کے لئے کہا۔ وہ آیا تو اسے ناشتہ بنانے کا کہہ کر خود بیڈ کے قریب کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

””کرم داد! میری عمر اور تجربہ تم سے بہت زیادہ ہے۔ میں آسانی سے یہ سمجھ سکتا ہوں کہ تم کس ذہنی صدمے سے دوچار ہو۔ میں نے تمہارے شدید خوشی کے لمحے میں شرکت کی ہوئی ہے اس لئے یہ جاننا کچھ مشکل نہیں کہ شدید خوشی کا لمحہ ہی شدید ذہنی صدمہ بھی ہے۔ ایم آئی رائٹ؟““ انجم صاحب نے اس کے چہرے پر نظریں مرکوز کئے ہوئے دل کی کیفیت جان لی۔

””شاید آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔““ اس نے دھیرے سے ہار مان لی۔

””شاید نہیں، یقیناً میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ اب بتاؤ کیا ہوا؟““ انہوں نے بھرپور یقین کا مظاہرہ کیا۔ اسے زبان کھولنی پڑی۔

””انجم صاحب! میری منزل ایک بار پھر مجھ سے دور ہو گئی۔ میں جب جب اس کے قریب گیا کبھی اس نے مجھے دور کر دیا اور کبھی میں بھٹک گیا۔ لاہور کے ہنگاموں میں میری گڑیا کھو گئی۔ میں اسے کہاں تلاش کروں؟““ وہ شکست خوردہ سا بولا۔

””ہمت سے کام لو ینگ مین، کچھ نہیں ہوا۔ وہ تو اس شہر میں کھوئی ہے، ہم نے تو دنیا میں کھو جانے

والے ملتے دیکھے ہیں۔ تسلی رکھو۔““ انہوں نے گرجدار آواز میں کہا۔

””میں اس سے بچھڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ وہ میرے جسم میں روح کے مقام پر ہے۔ اس کا بچھڑنا میری ہستی کو مٹا دے گا۔““

””غلط...... بالکل غلط۔ نہ تو وہ تمہاری روح ہے اور نہ اس کے کھو جانے کا تمہیں غم ہے۔ اگر وہ تمہاری روح ہوتی، تم اس کا غم محسوس کرتے تو تم میں ایک نیا جوش اور جذبہ ہوتا، نیا ولولہ ہوتا۔ تم نے بچھڑا ہوا سوچ کیسے لیا؟ اگر وہ بچھڑ گئی ہے تو تم صبر کرو۔ اگر نہیں بچھڑی، تمہاری دھڑکنوں کے ساتھ دھڑک رہی ہے تو آنسو، اسے ڈھونڈو، تلاش کرو۔ جوان ہو، تنومند ہو، کیسی عورتوں جیسی حالت کر رکھی ہے۔ لاہور اتنا بڑا نہیں کہ ایک لڑکی تمہیں مل نہ سکے۔““ انہوں نے اور زیادہ شدت سے لتاڑا۔ وہ کچھ شرمندہ سا ہو گیا۔

””مگر کیسے...... کہاں؟ اس کا کوئی دوسرا ٹھکانا نہیں۔““

””کہاں، کیسے کی فکر چھوڑو۔ بس تلاش جاری رکھو۔ جذبوں پر یقین رکھو۔ مل جائے گی۔ کوئی تصویر ہے تو مجھے دو۔ اخبار میں دے دیتے ہیں۔““

””نہیں...... کوئی تصویر نہیں ہے۔““

””چلو کوئی بات نہیں۔ تم اپنے دل میں یہ یقین رکھو کہ وہ تمہاری ہے، تمہیں ملے گی۔ انشاء اللہ دعا بھی کرو۔ لاہور میں اگر ہے تو مل جائے گی۔““

””شکریہ سر۔““

””چلو اٹھو، ناشتہ کرو۔ پھر آرام کرو۔ آج شوروم سے چھٹی۔ کل گاڑیاں آ رہی ہیں۔ میں اور جواد پہنچ جائیں گے۔ اپنا خیال رکھنا۔““ انہوں نے پیار بھری تاکید کی اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

○❖○

””میں یہاں فقط تم سے ملنے آیا ہوں۔ ذکاء کے رزلٹ کی مبارکباد تو محض بہانہ ہے۔ اور تم ہو کہ کمرے سے باہر نہیں نکل رہی ہو۔““ جواد جھلا کر بولا۔ وہ کافی دیر سے رخسار کے ہمراہ آیا ہوا تھا۔ اور کول کے ساتھ گپ شپ کے دوران چائے بھی پی لی مگر وہ کمرے سے باہر نہیں نکلی۔ مجبوراً وہ سب کی نظر بچا کر اس کے کمرے میں آ گیا۔ مگر وہ آنکھوں کے آگے میگزین لگائے منہمک تھی جیسے اس کی آمد کی بات کی ہی نہیں تھی۔

””کس حرا! میں بکواس نہیں کر رہا ہوں۔““ میگزین جھپٹ کر فرش پر پٹختے ہوئے وہ چلایا۔

””اوہ گاڈ! کیا مصیبت ہے...... آپ کی پریشانی کیا ہے؟ کیوں آپ میرے سر پر مسلط ہیں؟““ وہ مصنوعی بناوٹ سے بگڑی۔

””تم تو جیسے جانتی نہیں ہو کہ میں کیوں تمہارے اردگرد گھومتا ہوں۔““ وہ مزید سیخ پا ہو گیا۔

””یہ تو میں جانتی ہوں کہ آپ کو گھومنے کی بیماری ہے۔ مگر مجھ سے کیا چاہتے ہیں یہ میں نہیں

"جانتی۔" بڑی بڑی آنکھوں کو شرارت سے نچاتے ہوئے وہ اس کے دل پر چھریاں چلا گئی۔ وہ تھک ہار کر صوفے پر ڈھیر ہو گیا۔

"ارے، رے...... کیا ہوا؟" اس نے انجان بننے کی بھرپور اداکاری کی۔

"دل کا خون ہو گیا ہے اور تم بہت سفاک ہو۔" اس نے جذب و مستی کے خزانے لٹاتے ہوئے مسحور کن انداز میں دیکھا۔ سچ پوچھو تو اس کا دل ڈولنے لگا۔

"یہ آپ سے تم پر کیوں اتر گئے آپ؟" اس نے چھیڑا۔

"اس لئے کہ دل تمہیں وہ مقام دے چکا ہے جو صرف کسی ایک کو ملتا ہے۔" وہ دھیرے سے بولا۔ اس کا چہرہ گلابی پڑ گیا۔ پلکیں جھپکتے ہوئے آنکھوں کے خمار آلود ڈورے وہ چھپا گئی۔

"یہ خوامخواہ کی دھونس آپ خوب جماتے ہیں۔"

"یہ دھونس نہیں، پیار کا حق ہے جو میں صاف شفاف لہجے میں مانگتا ہوں۔ تمہیں صرف اپنا سمجھتا ہوں۔" وہ سیدھے سادھے انداز میں کہہ گیا۔ حرا حیرت زدہ رہ گئی۔

"خود بخود آپ نے ایسا سوچ لیا...... میری مرضی جانے بغیر؟"

"یہ کون سا مشکل کام ہے...... تمہاری آنکھوں میں تمہاری مرضی لکھی ہے۔" اس نے مخمور نگاہوں سے دیکھا۔

"ارے واہ! یہ کیا بات ہوئی۔ آپ اپنی راہ لگیں۔"

"دیکھو حرا! میری راہ بھی ایک ہے اور منزل بھی ایک۔"

"جواد صاحب! آپ تو یقیناً پاگل ہیں۔" اسے چڑانے کی خاطر کہتی ہوئی وہ کمرے سے باہر بھاگ کھڑی ہوئی۔ وہ دھیرے سے مسکرا کر دیوار پر آویزاں اس کی بڑی سی تصویر کے قریب کھڑا ہو کر کھو گیا۔ "حرا! میری محبت پر شک نہ کرو۔ پاگل سے آگے کی حد ہے تو میں یقیناً وہاں ہوں۔"

"جواد بیٹا! کیا دیواروں سے باتیں کر رہے ہو؟" بوا نے کمرے میں داخل ہو کر پیچھے سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ چونکا۔

"وہ...... نہیں...... میں......" بوکھلاہٹ کے مارے برا حال ہو گیا۔ بوا نے غور سے اسے دیکھا پھر دیوار پر لگی حرا کی تصویر کو دیکھا۔ لمبی ہنہ بھر کے انہوں نے جواد کا کان پکڑ لیا۔

"جو یوں، میں، وہ کرتے ہیں ان کا مطلب کچھ اور ہوتا ہے۔"

"نہیں...... بوا...... میرا مطلب برا نہیں ہے۔" وہ درد سے بلبلایا۔

"یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟" انہوں نے کان چھوڑ دیا۔

"کوئی بری بات ہے کسی لڑکی کو دل میں جگہ دینا؟ اس کے بارے میں سوچنا؟" وہ روانی میں کہہ گیا۔

"کیا سوچنا...... یہی تو میں پوچھ رہی ہوں گھامڑ؟"

"اپنی زندگی بنانے کے بارے میں سوچنا۔" وہ تھوک نگلتے ہوئے بولا۔

"تو یہ بات ہے...... حرا کیا رائے رکھتی ہے تمہارے بارے میں؟" انہوں نے نہایت رازداری سے ان کے قریب منہ کر کے پوچھا۔

"شاید اچھی۔"

"شاید نہیں، یقین سے بات کرو۔" انہوں نے ڈانٹا۔

"بوا! وہ مذاق میں اڑا دیتی ہے۔ حالانکہ میں اس کے لئے بہت سنجیدہ ہوں۔" اس نے منہ

"وہ تو ہم دیکھ رہے ہیں۔ دیواروں سے کھڑے باتیں کر رہے ہو۔" بوا نے چھیڑا۔

"بوا! پلیز میری مدد کریں۔"

"ارے نہیں بابا، ہم اس سرپھری لڑکی سے کوئی بات نہیں کر سکتے۔"

"پلیز میری خاطر...... صرف اس کی رائے معلوم کر لیں۔" اس نے منت کی۔

"نہیں...... یہ کام خود کرو...... خود کوشش کرو۔"

"بوا پلیز۔"

"کہہ جو دیا کہ یہ تمہارا کام ہے۔ باقی ہم سنبھال لیں گے۔"

"بوا وہ موقع نہیں دیتی۔ آپ صرف رائے معلوم کر لیں باقی پھر میں، ممی ڈیڈی کو بھیج دوں گا۔"

اس نے اس قدر منت کی کہ بوا نے ہار مان لی۔

"اچھا بابا! اب باہر چلو۔ وہ سب ورنہ شک کریں گے۔"

"کب معلوم کریں گی؟"

"اب اس قدر بے صبرے مت بنو۔ مناسب وقت پر پوچھ لوں گی۔"

"ذرا جلدی۔"

"اچھا اچھا...... اب چلو۔ ورنہ وہ سب یہیں آ جائیں گے۔" انہوں نے ڈپٹ کر کہا تو وہ ہنستا ہوا نکل گیا۔

○❖○

آسمان پر آج کوئی بادل نہیں تھا۔

چاند مسکرا رہا تھا۔ چاندنی پورے جوبن پر تھی۔ چاندنی میں لان کا ماحول بے حد حسین اور دلفریب دکھائی دے رہا تھا۔ سردی کے احساس میں شدت پیدا ہو چکی تھی۔ کمرے کے گرم ماحول اور باہر کی ٹھنڈی فضا میں بہت فرق تھا۔ حرا کمبل میں منہ چھپائے سو چکی تھی مگر اسے نیند نہیں آ رہی تھی...... ابھی کچھ دیر پہلے جواد اور رخسار کے جانے کے بعد بابا اور بوا دونوں اسے تاکید کر کے گئے تھے کہ فوراً سو جائے کیونکہ صبح خاصا کام تھا۔ ذکاء نے امتحان میں کامیابی حاصل کرنے کی خوشی میں رنگا رنگ

میوزیکل پارٹی دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ پرسوں ٹھیک چھ بجے پارٹی تھی۔ کل کا دن درمیان میں تھا سب تیاری مکمل کرنی ہے۔ یہی سوچ کر جلد سونے کو کہا گیا تھا۔ وہ بستر میں لیٹ تو گئی تھی مگر نیند کوسوں دور تھی۔ طبیعت آج پھر اداس تھی۔ چادر شانوں پر پھیلا کر کھڑکی سے جا لگی۔ تھوڑا سا دروازہ کھول کر ٹھنڈی ہوا کے جھونکے کو اندر آنے کی دعوت دی مگر جلد ہی دروازہ بند کر دیا۔ حرا کا خیال آ گیا۔ اضطراب کے عالم میں ٹہلنے لگی۔ آج دل چاہ رہا تھا کہ کہیں سے وہ مانوس چہرے لوٹ آئیں۔ وہی آوازیں سنائی دیں جن میں محبت بھری نصیحتیں بھی تھیں اور پیار بھری ڈانٹ بھی..... کرم دار کا چہرہ نگاہوں میں آیا تو دل تڑپ اٹھا۔ بے کل ہو کر کمرے سے نکل آئی۔ کسی بھٹکی ہوئی بے قرار روح کی طرح لان کی طرف چل دی۔ مگر سکون وہاں بھی نہیں ملا۔ واپس پلٹی تو ٹھٹک سی گئی۔ ذکاء اپنے کمرے کے دروازے سے لگا اس کی ہر ہر حرکت کو نوٹ کر رہا تھا۔

''کومل! آؤ، رک کیوں گئیں؟'' اس نے پکارا تو وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی اس کے قریب پہنچ گئی۔ وہ دروازے کے ایک طرف ہو گیا اور اسے اندر چلنے کا اشارہ کیا۔ وہ اس کے کمرے میں آ گئی۔

''کیا پریشانی ہے؟'' اس کے پیچھے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے وہ بولا۔

''کچھ بھی نہیں۔'' اس نے پلکیں جھکا لیں۔ مگر لہجے کی نمی ذکاء کو پریشان کر گئی۔

''کچھ تو ہے..... بولو۔'' اس نے شانے پکڑ کر چہرہ اپنی طرف کر لیا۔ تب ٹپ ٹپ چند موتی ٹوٹ کر سب راز کھول گئے۔

''یہ پلکیں کیوں بھیگی ہیں؟'' وہ بے قراری سے بولا۔

''بس بھولی بھٹکی یادیں جب ستاتی ہیں تو پلکیں بھیگ جاتی ہیں۔'' اس نے مدھم لہجے میں جواب دیا اور دھیرے سے پرے ہو گئی۔

''اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ہمارے خلوص میں کچھ کمی ہے جو تمہیں یادیں رلا رہی ہیں۔'' اس کا لہجہ شاکی ہو گیا۔

''ایسی بات بالکل نہیں ہے۔ یہاں بے پناہ پیار اور خلوص پا کر ہی تو زندگی کے بارے میں پتہ چلا ہے۔''

''کومل! مجھے حق تو نہیں ہے بہت زیادہ پوچھنے کا مگر پھر بھی یہ ضرور پوچھنا چاہوں گا کہ تمہاری یادوں میں کوئی ایسا بھی ہے جس کے کھو جانے کا تمہیں سب سے زیادہ رنج ہے..... کوئی ایسا لمحہ بھی ہے جو تمہاری زندگی کا حاصل ہے؟'' ذکاء نے آہستہ آہستہ دل کی بات بیان کر دی اور اس کی نگاہوں کے سامنے اس شخص کا چہرہ جھلملانے لگا جو واقعی ایسے مقام پر تھا جسے کھو کر وہ حد درجہ بے قرار تھی۔ تبھی داماں اور تہی دل تھی..... کچھ بھی اس کے پاس نہیں تھا۔

''چھوڑیں..... سب خواب خیال ہو گئے۔''

''ایسا مت کہو..... اگر کچھ دل میں ہے تو مجھے بتاؤ۔ میں تمہاری خوشیاں تلاش کروں گا۔''

''نہیں..... اب میرا ان خوشیوں پر کوئی حق نہیں۔ میرا ایسا کوئی رشتہ نہیں۔ بس ویسے ہی کبھی کبھی پریشان ہو جاتی ہوں۔'' اس نے مسکرا کر اس کی سنجیدگی کم کرنی چاہی۔

''چلو مان لیتا ہوں۔'' وہ اوپر اوپر سے مسکرا دیا۔ وہ خود بھی ہلکا سا مسکرا کر کمرے سے نکل گئی۔ ذکاء نے دروازہ بند کیا، لائٹ آف کی اور بیڈ پر دراز ہو گیا۔ ذہن مکمل طور پر الجھا ہوا تھا۔ اس کا دل کہتا تھا کہ کوئی ایسا ہے جو اس من موہنی صورت والی لڑکی کے دل و دماغ میں قید ہے۔ سب اپنوں سے زیادہ اپنا، جسے خاص خاص لمحوں اور موقعوں پر وہ یاد کرتی ہے..... جو اس کی آنکھوں سے جھانکتا ہے۔ ''لیکن ذکاء! وہ کون ہے؟ کوئی ہے بھی تو تمہیں اس سے کیا فرق پڑتا ہے..... تمہارے جذبے اس کے لئے وہ نہیں ہو سکتے۔ تمہیں اس کے جذبات کا پاس رکھنا ہوگا..... وہ امانت ہے تمہارے گھر میں..... تم سستے پن کا اظہار نہیں کر سکتے..... لاکھ وہ تمہیں اچھی لگنے لگی ہے، ہزار وہ تمہارے ذہن میں سما گئی ہے مگر پھر بھی تمہیں لاج رکھنی ہے۔ اپنے ہر جذبے کو دبا کر رکھنا ہے۔ اس وقت تک جب تک خود تمہیں کچھ کہنے کو کہے۔ اگر ایسا کبھی نہ بھی ہو سکے تو اس کی عزت و حرمت میں کوئی فرق نہیں آنا چاہئے۔''

''ایسا ہی ہوگا..... میں ایسا کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا جو میرے کردار کی نفی کرے۔'' اس نے بہت عزم کے ساتھ خود سے کہا اور مطمئن ہو کر آنکھیں موند لیں۔

○❖○

''ممی..... ممی.....!'' رخسار چلائی۔ فرخندہ بوکھلا کر کچن سے باہر نکل آئی۔ ہاتھ میں چمٹا لئے ہوئے ناشتے کی تیاری میں جتنی جلدی کرنا چاہتی تھی اتنا ہی دیر ہو رہی تھی۔ انجم صاحب کو سخت جلدی تھی۔ وہ تیار ہو کر ڈائننگ ٹیبل پر پہنچ چکے تھے اور بار بار چلا رہے تھے کہ ناشتہ جلدی لاؤ۔ زلفی آج چھٹی پر تھا۔ سب کچن کا کام فرخندہ کو ہی کرنا پڑ رہا تھا۔ اوپر سے جواد اور رخسار کی چیخ و پکار۔

''رخسار! بے وقت کی راگنی اچھی نہیں لگتی بیٹا!''

''آپ گیت راگنی کی بات چھوڑیں۔ یہ بتائیں کہ ناشتہ بنانے میں کامیاب ہوئیں یا نہیں؟'' انجم صاحب نے درمیان میں جھنجلا کر کہا۔

''اوہ! اتنی بھی کیا جلدی ہے؟'' وہ منہ بگاڑ کر پھر کچن میں گھس گئی۔

''اب بلاؤ ممی کو.....'' رخسار کے پاؤں پر جواد نے زور سے پاؤں مارا۔ وہ پھر چلا اٹھی۔ اب کی بار سیب منہ میں بھرا ہوا تھا اس لئے آواز زیادہ نہیں نکلی۔

''یہ کیا ہو رہا ہے جواد؟'' انجم صاحب نے گھورا۔

''ڈیڈی! سارا فروٹ صاف ہو رہا ہے اور کیا۔ دیکھیں رخسار کی بچی کو، مسلسل کھا رہی ہے۔'' جواد نے صفائی پیش کی۔

"تمہیں اس سے کیا؟" وہ بمشکل تمام بولی۔

"بری بات ہے..... بہن کو کھاتے ہوئے مت ٹوکا کرو۔"

"کھاتے ہوئے یا ٹھونستے ہوئے؟" جواد نے شرارت سے کہا۔ رخسار چڑ کر میز سے کھڑی ہو گئی۔

"رخسار بیٹا! میرا خیال ہے کہ ممی سے کہو اب ناشتہ لے ہی آئیں۔"

"توبہ ہے بھئی..... یہ لیجئے ناشتہ۔" فرخندہ اسی لمحے ٹرے میں آملیٹ، سلائس اور پراٹھے لئے آ گئی۔

"یہ پراٹھے کس کے لئے بنا لئے؟" انجم صاحب بولے۔

"میرے لئے۔" رخسار جلدی سے بولی۔

"اُف میرے خدا، ابھی پراٹھوں کی کسر ہے؟" جواد نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"اچھا اچھا، میری بیٹی کو تنگ مت کرو۔ ناشتہ کرو۔" فرخندہ نے کہا اور چائے لینے پھر کچن کی طرف چلی گئیں۔

"ڈیڈی! پلیز، اسے سمجھا دیں۔ کل شام پارٹی میں بھوکے پن کا مظاہرہ نہ کرے۔ بہت شرمندگی ہوتی ہے۔" جواد نے کہا۔

"خوامخواہ کی شرمندگی..... پارٹی ہوتی کس لئے ہے؟" رخسار نے جل کر کہا۔

"بھئی ہماری بیٹی بے وقوف نہیں ہے۔ اسے خود معلوم ہے کہ کیا کرنا ہے اور کیا نہیں۔" انجم صاحب نے کہا اور گھڑی پر نگاہ ڈالتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"ڈیڈی چائے۔" جواد نے کہا۔

"شور روم میں پی لوں گا۔ ویسے بھی دن بھر چائے چلتی ہے، اس وقت جلدی ہے۔" انجم صاحب عجلت میں نکل گئے اور وہ دونوں پھر الجھنے لگے۔

"تم مجھے خوب ستاؤ۔ جب وقت پڑے گا تب پوچھوں گی۔" رخسار نے چالاکی سے جتایا۔

"نہیں..... کون سا وقت؟" وہ گڑبڑایا۔

"یہ بھی بھول گئے۔ حرا باجی سے ملنے کے بہانے سب بھول گئے۔"

"ارے نہیں..... وہ تو میری زندگی ہے۔ اسے میں کیسے بھول سکتا ہوں؟" وہ سرشاری سے جھومتا اٹھا۔

"اور میری خدمات؟"

"تم تو میری گڑیا بہن ہو..... ننھی منی، پیاری سی۔" وہ مکھن لگانے لگا۔

"ٹھیک ہے..... ٹھیک ہے۔ یہ بتائیں کل شام کتنے بجے چلنا ہے؟"

"دوپہر میں چلیں گے۔"

"ہیں....." اس نے حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔

"صبح سے چلیں۔" وہ نہ سمجھا۔

"بھائی پاگل ہو گئے ہو۔ پارٹی شام چھ بجے ہے اور آپ صبح سے جانے کی باتیں کر رہے ہو۔"

"میں تو اس خیال سے کہہ رہا تھا کہ کوئی کام دام ہو تو ہاتھ بٹا دیں گے۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہم پونے چھ بجے جائیں گے۔" اس کی خفت پر وہ اکڑ کر بولی۔

"حرا کو کیا پسند ہوگا..... کیا لے کر جائیں؟" وہ پھر کھویا کھویا سا بولا۔

"بھئی پاس ذکاء بھائی ہوئے ہیں، حرا باجی نہیں۔ ذکاء بھائی کے لئے کچھ لے کر جانا ہے۔" رخسار چڑ کر بولی۔ وہ شرمندہ سا ہنسنے لگا۔

اسی اثناء میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ ایسے میں جواد کو ہی اٹھ کر فون تک آنا پڑا۔ کیونکہ رخسار کا ناشتہ ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔ فرخندہ چائے لئے پہنچی تو جواد کو آواز دے کر کہا۔

"بیٹا! چائے تو پی لو۔"

"ممی! فون سن کر آتا ہوں۔" وہ کہتا ہوا چیختے چنگھاڑتے فون کے قریب پہنچا۔

"ہیلو....."

"ہیلو، پلیز رخسار کو بلا دیں۔" جانی پہچانی آواز کانوں سے ٹکرائی تو دل یکبارگی دھڑکنے لگا۔

"سلام دعا بھی نہیں؟" وہ شوخی سے بولا۔

"آپ کون بول رہے ہیں؟" لہجے کی شوخی اور شرارت پر وہ اور زیادہ مسرور ہو گیا۔

"تمہارا خادم۔"

"خادم..... کون خادم؟"

"حرا! ایک ہی تو تمہارا خادم بننے کا خواستگار ہے..... اسے خادم قبول کر لو۔"

"جواد صاحب! کیا ضروری ہے کہ آپ ہر وقت عشق فرمائیں؟" وہ چڑ کر بولی۔

"حرا جی! عشق فل ٹائم جاب ہے۔" اس نے شریر انداز میں ستایا۔

"آپ کیا چیز ہیں؟" وہ جھنجلا گئی۔

"جو بھی ہوں تمہارا ہوں۔" وہ سعادت مندی سے بولا۔

"اچھا سعادت مند خادم صاحب! پلیز رخسار کو بلا دیں۔ مجھے اس سے کام ہے۔" حرا نے ہار مانتے ہوئے کہا۔

"وہ تو اس وقت بہت مصروف ہیں..... تم چاہو تو مجھے بتا دو۔ میں پیغام دے دوں گا۔"

"اچھا اسے کہیں کہ ہماری طرف آ جائے۔ پارٹی کے انتظامات میں اس کی مدد چاہئے۔"

"تو حکم کرو..... میں آ جاؤں؟" وہ جلدی سے بولا۔

"ہرگز نہیں، صرف رخسار کی مدد چاہئے۔"

"رخسار اکیلی تو نہیں آسکتی۔"

"آپ اسے چھوڑ کر جاسکتے ہیں بس۔"

"تھوڑی دیر جناب کا دیدار کرلوں گا تو کیا حرج ہے؟"

"اوہ..... میں آپ کا سر توڑ دوں گی۔" اس نے غصے میں کہا اور فون رکھ دیا۔ وہ خوشی سے ریسیور چوم کر رخسار کو پکارتا ہوا بھاگا۔

○❖○

گاڑیاں شوروم میں پہنچنے کی دیر تھی کہ خریداروں کی لائن لگ گئی۔ یہ ان کی خوش قسمتی تھی یا گفتگو کا شائستہ انداز کہ گاڑیاں آنے سے پہلے جتنے بھی خریدار صرف چکر لگانے آئے تھے آج باقاعدہ خریدنے کے لئے آئے تھے۔ آج ہی آج چار گاڑیوں کی ڈیل ہوئی تھی۔ انجم صاحب کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ اس میں کرم داد کی محنت کا عمل زیادہ تھا۔ کیونکہ وہ بہت اچھے انداز میں کسٹمر ڈیل کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ انجم صاحب تو پہلی مرتبہ اتنی دیر شوروم میں نکلے تھے۔ جونہی گھڑی پر نگاہ ڈالی تو چونکے، ساڑھے تین بج رہے تھے۔ شدید بھوک کا احساس بیدار ہوا۔ فوراً کرم داد کے پاس آگئے۔

"یار! اب فوراً اٹھو۔ سب کام چھوڑ دو۔ کہیں باہر چل کر اچھا سا کھانا کھاتے ہیں۔"

"باہر کیوں؟" کرم داد نے کہا۔

"تو کیا گھر والا کھانا تیار ہے؟" انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"آپ ہی نے تو کہا تھا کہ خود کھانا پکانا بہت اچھی بات ہے۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

"تو پھر فوراً اپنے دولت کدے کی طرف لے چلو۔ بھوک سے برا حال ہے۔"

"کیوں شرمندہ کرتے ہیں..... سب کچھ آپ ہی کی مہربانی ہے۔" وہ مؤدب ہو کر بولا۔

"بڑائی ہے تمہاری۔"

"آپ اوپر چلیں، میں آفس لاک کردوں۔"

"ایسا کرو علی نواز کو دو سو روپے دے دو۔ وہ بیوی بچوں کے ساتھ اچھا سا کھانا کھائے۔" انجم صاحب نے خوش ہو کر کہا اور فلیٹ کی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئے۔ کچھ ہی دیر میں وہ بھی اوپر آگیا۔ سیدھا کچن میں گھس گیا۔ چند منٹ بعد ہی گرما گرم کھانا انجم صاحب کے سامنے تھا۔

"واہ..... بہت خوب۔"

"شکریہ..... اب آپ کھا کر بتائیں کہ کیسا بنا ہے؟" وہ سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"بھئی بہت مزے کا ہے..... مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ گھر والی کی تلاش چھوڑ دو۔ اس کی ضرورت اپنی جگہ ہے۔" انجم صاحب کے ذومعنی جملے پر اس کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔ آنکھوں میں کرب جاگ اٹھا۔

"تلاش تو جاری ہے مگر....."

"اگر مگر چھوڑو، صرف تلاش کرو۔ میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ اگر اسے اپنا ہی سمجھتے ہو تو وہ تمہیں ضرور ملے گی۔ شرط صرف ہمت اور حوصلے کی ہے۔" انہوں نے اس کا جملہ کاٹ کر سنجیدگی سے کہا۔

"مگر کہاں چلی گئی وہ..... اور کیوں چلی گئی؟" وہ دکھ سے بولا۔

"یہ تو اس کے ملنے پر ہی پتہ چلے گا۔ بس یہ دعا کرو کہ اللہ اسے محفوظ رکھے۔"

"آمین۔" بے ساختہ ہی وہ شدت جذبات میں بول اٹھا۔

"آمین۔" وہ بھی بولے۔

"آپ کا حوصلہ میرے بدن میں تحریک پیدا کر دیتا ہے..... ورنہ میں تو سخت پریشان ہو جاتا ہوں۔" اس نے اعتراف کیا۔

"پاگل ہو..... ہنسو، کھیلو، کھاؤ، پیو۔ بس کوشش جاری رکھو۔ زندگی میں اکثر آزمائشیں آہی جاتی ہیں۔ گھبرانا نہیں چاہئے۔ میرا دل کہتا ہے کہ وہ لڑکی تمہیں ضرور ملے گی اور کچھ کچھ دیر کے لئے یہ فرض بھی کرلیا جائے کہ وہ تمہیں نہیں ملی تو..... تو کرم داد! میں اچھی سی لڑکی سے تمہاری شادی کراؤں گا۔"

"نہیں سر! معذرت کے ساتھ۔ ایسا مت کہیں۔ دل و دماغ میں اس کا خیال ہوتا تو شاید میں ایسا فرض بھی کرلیتا مگر اس کا احساس، اس کا قرب تو میری روح، میرے بدن کے ہر احساس میں پھیل چکا ہے۔ روح اور بدن سے اس کو نکالنا مشکل ہے۔" وہ دیوانوں کی طرح بولتا چلا گیا۔ انجم صاحب نے مسکرا کر اس جذباتی سے کرم داد کو دیکھا اور پانی کا گلاس ہونٹوں سے لگالیا۔

"یہی جاننا چاہتا تھا کہ وہ تمہارا خیال ہے یا تمہارے وجود کا احساس۔" وہ توقف کے بعد بولے۔

"تو کیا محسوس کیا آپ نے؟"

"بہت کچھ..... کہوں گا فقط اتنا کہ میں پُرامید ہوں۔" وہ اٹھتے ہوئے ہنس کر بولے اور اس نے ممنون نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔

"میرا خیال ہے تم کافی بھی اچھی بنالو گے۔"

"بالکل..... آپ بیٹھیں میں ابھی بناتا ہوں۔" وہ خوش دلی سے کہتا ہوا ایک بار پھر کچن میں گھس گیا۔

○❖○

"کتنے خوبصورت ہیں یہ کپڑے۔ ریشم کے ڈھیر کی طرح چم چم کرتے۔ ہاتھوں سے پھسلے جا رہے ہیں۔ چھولو تو بدن میں لحمانیت اتر جائے۔ دیکھ لو تو آنکھیں خیرہ ہو جائیں..... پر تم انہیں دیکھتی کیوں نہیں؟ پلکیں کیوں بند کر رکھی ہیں..... کس کا خوف ہے؟ زندگی کے اتنے حسین پل زندگی میں کم آئے ہیں اور تم مضطرب ہو..... تمہارے اندر کا اضطراب صاف ظاہر ہے بند مٹھیوں میں سختی سے بند ریشمی لباس، نزاع کے عالم میں گرفتار ہے۔ اسے آزاد کردو..... اسے دلکشی عطا کردو..... اپنے

مرمریں بدن پر اسے قربان کر دو...... نہیں، نہیں۔ ایسا سب کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ یہ لباس، یہ آسائشیں گڑیا کے ساتھ ہی ناکام حسرتیں بن کر دم توڑ گئیں۔ میرے پاس تو اب جینے کی ضرورت بھی باقی نہیں رہی۔ اختیار میں ہو تو یہاں سے دور بھاگ جاؤں جہاں میرے من کا نگر آباد ہو...... مگر میں بے اختیار ہوں میں، جب اختیار نہیں تھا تو اس کی خواہشمند تھی۔ اب اختیار ہی اختیار ہے تو اس سے بھاگنے پر طبیعت آمادہ رہتی ہے۔ اتنے اچھے اور پیارے لوگوں میں بھی چین نہیں ملتا۔ دکھاوے کے لئے بس ہنس کر، مسکرا کر جینا کتنا مشکل ہے۔'' اس نے بھیگی پلکوں سے اشک صاف کئے اور بیڈ پر پھیلے فیروزی کامدانی لباس کو دیکھا جو اس کی توجہ کا منتظر تھا۔ حرا کچھ دیر پہلے ہی اپنے لئے یہ لباس اپنی پسند سے لائی تھی اور کہہ کر گئی تھی کہ یہ پہن لو، بیوٹی پارلر جانا ہے۔ اس نے بیوٹی پارلر کے لئے انکار ہی نہیں کیا بلکہ لباس پہننے سے معذرت کر لی۔ مگر حرا ڈانٹ پلا کر تاکید کر گئی تھی کہ فوراً پہنو، میں ابھی آتی ہوں۔ پانچ بج رہے ہیں، بیوٹی پارلر میں کچھ وقت لگے گا۔ اس کے جانے کے بعد سے وہ یہی کچھ سوچ رہی تھی۔ غسل کے بعد گیلے بالوں سے ٹپکتا پانی قمیض کے گوشت سے بھیگ گیا تھا۔ بھیگی قمیض کمر سے چپکی چنگاریاں بھڑکا رہی تھی۔ ذکاء نے کچھ دیر چنگاریوں کی زد میں تڑپنے کے بعد زوردار جھٹکے سے خود کو کھڑکی سے پرے کیا اور دیوار سے لگ کر لمبے لمبے سانس لینے لگا۔ اس کا پورا وجود ڈول رہا تھا۔ ہاتھوں کی مٹھیاں کھولتے بند کرتے ہوئے ایک عجیب سا خمار اتر رہا تھا۔ قدموں کی کمزوری پر خود کو ملامت کرتے ہوئے آگے چل دیا۔ کمرے میں پہنچ کر شیشے کی طرف دیکھا تو ایسا لگا جیسے اپنی ہی گردن منفی انداز میں ہلنے لگی۔ اپنے ہی لب پکارنے لگے...... نہ، نہ ذکاء...... نہیں۔ اور اس کا سر جھک گیا۔ اپنے ہی سامنے جھک گیا۔ کچھ دیر اپنی ہی عدالت میں کھڑے رہنے کے بعد قدموں میں پھر طاقت لوٹ آئی۔ خمار اترنے کے بعد پورا جسم جاگ رہا تھا۔ جلدی سے تیز قدموں سے باہر نکلا تا کہ مزید تیاری کا جائزہ لے سکے۔ ٹی وی لاؤنج میں بابا اور بوا دونوں موجود تھے۔ اس نے انہیں دیکھ کر خوشگوار موڈ میں کہا۔

''آپ دونوں باتوں میں مصروف ہیں...... تیار ہو جائیں۔ کافی دیر ہو گئی ہے۔''

''اپنے بابا کو تیار کرو...... انہیں ہی شوق ہے تمہاری ہاں میں ہاں ملانے کا۔ ہم تو اپنے کمرے میں آرام کریں گے۔'' بوا نے کہا۔

''ارے نہیں بوا جی...... بہت اچھا میوزک گروپ آ رہا ہے۔ سنیں گی تو مزا آ جائے گا۔'' آفریدی صاحب نے بوا سے شرارت کی۔

''جانے دو آفریدی۔ موسیقی سے ہمیں کوئی دلچسپی نہیں۔ ویسے بھی ناچ گانا شرفاء کے گھر میں پسند نہیں کیا جاتا۔ ہم تو تم سے تنگ ہیں، ان بالشت بھر کے بچوں سے ہار مان لیتے ہو۔ اللہ نبی کا نام تو بتا بتا کر کہلوانا پڑتا ہے اور یہ موئی موسیقی سے تو سر دھن دھن کر لطف لیتے ہیں۔ انہیں دیکھو حرا بی کو۔ کول کے ساتھ خاص طور پر تیار ہونے کے لئے بیوٹی پارلر جا رہی ہیں۔'' بوا کا پارہ سو ڈگری پر پہنچ چکا تھا۔

آفریدی صاحب بمشکل مسکراہٹ ضبط کئے ہوئے تھے۔

''بوا! یہ غلط بات ہے کہ ہم اللہ نبی کا نام نہیں لیتے۔ بتائیں کون سی نماز چھوڑی ہے ہم نے۔ کون سا روزہ چھوڑا ہے، آپ کی کون سی بات سے انکار کیا ہے...... ابھی کچھ دیر پہلے تازہ تازہ نیکی کی ہے بابدولت نے۔'' اکڑ کر بات کرتے کرتے چند لمحوں پہلے کا واقعہ یاد کر کے وہ مسکرا دیا۔

''ہیں...... نیکی اور وہ بھی ذکاء آفریدی کرے۔ کیا کچن کا کام کر لیا، باہر کرسیاں لگوا لیں، مہمانوں کی آؤ بھگت کے کون سے کام کر لئے؟'' بوا نے ہنس کر کہا۔

''ارے بوا یہ تو چھوٹے کام ہیں...... میں نے تو جہاد کیا ہے جہاد۔'' وہ سینہ ٹھونک کر بولا۔

''واہ! جہاد اور آپ نے۔'' آفریدی صاحب نے شریر لہجے میں پوچھا۔

''جی ہاں بابا! کیا کسی بہت بڑی برائی کی نفی کرنا کسی برے کام پر اپنی مذمت کرنا جہاد نہیں؟'' وہ سنجیدہ ہو گیا۔

''بالکل جہاد ہے۔ مگر ایسا کیا ہو گیا کہ......؟''

''یہ چھوڑیں آپ۔ بس کبھی کبھی انسان بہک ہی جاتا ہے۔ ایسے میں اگر واپس لوٹ آئے تو اس میں آپ کی تربیت، بوا کی ممتا ہی کی پرورش شامل ہے۔'' وہ خوش ہو کر بولا۔ بوا ساری میوزک کی خرابیاں بھول کر اس کی بلائیں لینے لگیں۔

''کچھ خاص ہی بات ہے۔'' آفریدی صاحب نے گہری نظروں سے دیکھا۔

''نہیں بابا! کوئی خاص بات نہیں۔ بس آپ دونوں اٹھ کر تیار ہو جائیں۔ کچھ ہی دیر میں مہمان آنا شروع ہو جائیں گے۔ میں ذرا باہر کے انتظامات کا جائزہ لے لوں۔'' وہ بولا۔

''اور وہ دونوں کس کے ساتھ جا رہی ہیں؟''

''ایک دوسرے کے ساتھ۔ کیونکہ لڑکیوں کی تیاری کا آپ کو علم ہے۔ اگر میں ان کے ساتھ چلا گیا تو پھنس جاؤں گا۔ یہ تو بھلا ہو فرخندہ آنٹی کا جنہوں نے اکلوتے ملازم زلفی کو مدد کے لئے بھیج دیا۔'' وہ کہتا ہوا باہر نکل گیا۔

○❖○

''واؤ!'' گاڑی لاک کرنے کے دوران سامنے جو نظر اٹھی تو بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔ حیرت سے منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ نظریں ساکت ہو گئیں۔ گاڑی زن سے قریب سے گزری تو ہوش و خرد کی دنیا میں واپسی ہوئی۔ تقریباً بھاگتے ہوئے آگے بڑھا۔ اسے پہچانتے ہوئے واچ مین نے گیٹ کھول دیا۔ وہ اندر گھستا چلا گیا۔ اسے اس طرح اندر گھستا دیکھ کر مسز نجمہ کریم نے اپنے دفتر میں بلا لیا۔

''ہیلو آنٹی۔''

''ہیلو، کیا حال ہے؟''

''اے ون۔ آپ سنائیں۔''

"بس گزر رہی ہے..... تم سناؤ، گوجرانوالہ سے کب آئے؟" مسز نجمہ کریم نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یوں سمجھ لیں کہ ہم تو لاہور کے ہو گئے ہیں۔ یہاں تو دل اٹکا ہوا ہے میرا۔" وہ شوخی سے بولا۔

"بری بات ہے رضا! وہاں باجی اور بھائی جان کس قدر تمہیں مس کرتے ہیں۔ میں مہینہ پہلے ہی تھی تو بہت کہہ رہے تھے کہ تمہیں سمجھاؤں گا۔ میں نے انہیں مطمئن تو کر دیا تھا کہ اگر ملنے آیا تو ضرور سمجھا دوں گی۔ تب سے آج تم سے ملاقات ہوئی ہے۔" نجمہ آنٹی نے کہا۔

"بس مصروفیت تھی۔ ورنہ آپ تو میری اکلوتی آنٹی ہیں۔" وہ مکاری سے ان کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے چہکا۔

"چھوڑو رضا! یہ سب ڈرامہ ہے۔ آنٹی سمجھتے تو میرے پاس رہتے۔ میری تنہائی کا خیال کرتے۔ سارا دن میں بیوٹی پارلر کے ہنگاموں میں مصروف رہتی ہوں مگر رات کاٹنی مشکل ہو جاتی ہے۔ اللہ نے اولاد سے محروم رکھا۔ شوہر کا سہارا بھی لے لیا، تمہیں بھانجا نہیں، بیٹا سمجھتی ہوں، مگر تم بھی بے وفائی کرتے ہو۔" نجمہ آنٹی کا گلہ رندھ گیا تو وہ اور زیادہ محبت جتانے لگا۔

"سوری، آئندہ آپ کے پاس بھی رہا کروں گا۔ اب آپ مزیدار کافی پلوائیں۔"

"اوپر چلیں یا پھر یہیں بنا لاؤں۔"

"اوں، ہنہ..... اوپر چلتے ہیں۔" وہ کچھ سوچ کر بولا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ نجمہ آنٹی اسے لئے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئیں۔ دراصل نیچے بیوٹی پارلر تھا، اوپر فلیٹ میں رہائش تھی۔ شوہر کی چھوڑی ہوئی یہ جائیداد ان کی زندگی کا سہارا بن گئی تھی۔ شوہر کی وفات کے بعد نیچے کا شو روم خالی کروا کے اچھے وقتوں میں سیکھے گئے بیوٹیشن کے کورس سے فائدہ اٹھایا، گلیمر بیوٹی پارلر بنا لیا۔ بڑی اچھی، پُرسکون زندگی گزر رہی تھی۔ دس پندرہ لڑکیوں پر مشتمل ایک بہترین ٹیم تھی جو ان کی سرپرستی میں کام کر رہی تھی۔

"آنٹی! وہ کون تھیں؟" اوپر پہنچتے ہی اس نے پہلا سوال کیا۔

"بہت سی بیوٹی پارلر کے اندر آتی ہیں اور باہر جاتی ہیں۔ تم کس کی بات کر رہے ہو میری جان؟"

"جو میرے اندر آنے سے پہلے باہر نکلی ہیں۔ ایک نے فیروزی سا لباس پہن رکھا تھا اور دوسری نے نیلو۔" وہ چبا چبا کر بولا۔

"او، اچھا تم شاید آفریدی صاحب کی بیٹیوں کی بات کر رہے ہو..... کیونکہ کچھ دیر پہلے پارٹی میک اپ کروا کے وہی گئی ہیں۔" نجمہ آنٹی نے جواب دیا اور پھر کافی مگ میں ڈال کر پھینٹنے لگیں۔

"آفریدی صاحب کی بیٹیاں..... کون آفریدی صاحب؟"

"یہ تم اتنی تفتیش کیوں کر رہے ہو؟ کیا وہ بھی تمہارا دل لے گئی ہیں؟" نجمہ آنٹی بھانجے کے باغ و بہار مزاج سے بخوبی واقف تھیں اس لئے شرارت سے بولیں۔

"ارے نہیں، نہیں آنٹی۔ اب ایسی بھی کوئی بات نہیں۔" وہ ہنسا۔

"تو پھر کر لو شادی نگار سے۔" نجمہ آنٹی کافی کا مگ لئے اس کے سامنے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔

"نگار سے شادی اور میں..... یہ ممکن نہیں۔"

"کیا قباحت ہے؟"

"آنٹی وہ میرے مزاج کی نہیں۔ میں اس کو پریشان کرنا نہیں چاہتا۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"تو یونہی کنوارے رہو گے؟"

"نہیں، شادی تو ہو گی..... جلد ہی ہو گی۔ آپ یہ بتائیں کہ یہ آفریدی صاحب کیا کرتے ہیں؟" اس نے ایک مرتبہ پھر کریدنے کی کوشش کی۔

"آفریدی صاحب، اوہ اچھا..... وہ آفریدی صاحب۔ شاید وہ ڈائریکٹر ٹیلی فون ٹیلی گرافس ہیں۔" نجمہ آنٹی نے کچھ ذہن پر زور ڈالتے ہوئے جواب دیا۔

"شاید نہیں، یقین سے بتائیں۔"

"تقریباً یقین ہی ہے مگر....."

"اور یہ بھی یقین ہے کہ دونوں بیٹیاں ان کی ہیں؟"

"آف کورس، مگر تم کیوں اس قدر پوچھ رہے ہو؟" نجمہ آنٹی نے تشویش کے انداز میں پوچھا۔

"اطمینان رکھیں، کوئی فکر والی بات نہیں۔ بس ویسے ہی پوچھ رہا تھا۔"

"چلو مان لیتی ہوں۔"

"تھینک یو فار کافی۔ اب میں چلتا ہوں۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

"رضا جان! میرے پاس رہو۔"

"ضرور..... مگر آج نہیں آؤں گا۔ بائے۔" وہ کہتا ہوا دروازے کی طرف بڑھ گیا اور نجمہ آنٹی کافی دیر تک اس لاپرواہ لڑکے کے متعلق سوچتی رہیں۔

○❖○

"دیکھو کومل! سب باہر ہمارے منتظر ہیں۔ انجم انکل کی فیملی بھی آ چکی ہے۔" حرا جو مسلسل بیس پچیس منٹ سے اسے سمجھا رہی تھی، تھوڑی سی سختی سے بولی۔ اس نے اداس نظروں سے حرا کی طرف دیکھا۔

"حرا باجی! میں کیا کروں..... میرا اس ہنگامے کے لئے دل نہیں چاہ رہا۔ آپ جائیں، مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔"

"کیسے چھوڑ دوں..... سب سے پہلے بابا میری خبر لیں گے، پھر ہوا۔ اور ویسے بھی یہ اس گھر کی رسم ہے جو تمہارا ہے۔" حرا جھلا گئی۔

"کچھ بھی کہیں، بس کچھ اچھا نہیں لگ رہا۔ دل اداس ہو تو باہر لاکھ شادیانے بجیں، کوئی فرق نہیں پڑتا۔" چھما چھم اس کی پلکیں برستے آنسوؤں سے بھر گئیں۔

"کومل..... کومل! فار گاڈ سیک، اتنا خوبصورت میک اپ یوں برباد مت کرو۔ کتنی حسین لگ رہی ہو۔ باہر چل کر تو دیکھو، سارا آئی لائنر بہہ گیا۔ لوگ کیا سمجھیں گے کہ تم جبر میں ہو۔" حرا نے جلدی جلدی ٹشو سے اس کی آنکھیں صاف کیں مگر آئی لائنر پھیل چکا تھا۔

"یہ بھی تو سچ ہے کہ میں اس گھر کی نہیں۔ میرے سب رشتے اس شہر کی سڑکوں پر کوڑے کرکٹ کی طرح بکھر گئے۔ کوئی وقعت ہی نہ رہی میری۔ بے بسی میرے ہر احساس کی موت بن گئی۔ اپنوں کے احساس سے کون جدا ہو سکتا ہے۔ اپنے اندر سے کسی کی یاد کیسے نکالی جا سکتی ہے۔ بے رنگ موسموں میں تو اتنی شدت سے کوئی یاد نہیں آتا۔ مگر جب چار سُو خوشیاں پھیلی ہوں تو درد سوا ہو جاتا ہے۔" وہ سسکیاں لینے لگی۔ اس کی باتوں کی گہرائی پر حرا بھی دکھی ہو گئی۔ اس کی ہر بات سچی تھی۔ اس کا دکھ سو فیصد درست تھا۔ حرا نے محبت سے انتہائی جذباتی انداز میں اسے بانہوں میں جکڑ لیا۔ وہ مزید تڑپ تڑپ کر روئی۔ حرا نے بھی کچھ دیر اسے روکا نہیں۔ جب سسکیاں تھمیں تو آہستہ سے اس کا چہرہ اپنی نگاہوں کے سامنے کیا۔

"دل ہلکا ہو گیا نا..... چلو میں تمہارا چہرہ ٹھیک کروں۔ اٹھو شاباش۔" حرا نے انتہائی نرمی سے پیار سے اسے کہا اور وہ سچ مچ اپنا کرب بھول کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ حرا نے جلدی جلدی ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہو کر اس کے چہرے کو میک اپ سے ہلکا ہلکا ٹھیک کیا۔ پھر آنچل بہت اچھے انداز میں اس کی لچکدار بانہوں میں لہرا کر مسکراتے ہوئے چلنے کا اشارہ کیا۔

لان میں رنگ و بو کا سیلاب امڈ آیا تھا۔ تیز دودھیا روشنی میں ہنستے مسکراتے چہرے سب کے سب دلکش لگ رہے تھے۔ مووی کیمرے کی آنکھ حسین چہروں پر ٹکی تھی۔ جونہی حرا کے ہمراہ اس نے برآمدے کی سیڑھیوں سے لان میں قدم رکھا تو ذکاء کے ساتھ ساتھ بے شمار نگاہیں اس کے حسین سراپے سے الجھ گئیں۔ فیروزی پیراہن میں دمکتا گلابی چہرہ، سرخ ڈوروں والی روئی روئی قیامت آنکھیں ایک بار پھر ذکاء کو گہرے پانیوں میں لے گئیں۔ وہ پورا کا پورا اپنی جگہ ساکت رہ گیا جب کہ وہ بابا کے قریب صوفے پر بیٹھ چکی تھی۔ کچھ دیر بعد ایک شریر دوست نے ٹہوکا مارا تو وہ چونکا مگر دل تو مچل مچل کر اس کی پرستش کو چاہ رہا تھا۔ وہ بابا کے ساتھ، حرا کے ساتھ انجم صاحب، رخسانہ، جواد اور فرخندہ کے ساتھ ہنس رہی تھی۔ بجلیاں اس کے دل پر گر رہی تھیں۔ میوزک گروپ کے سریلے سرتان کا بھی کچھ اثر نہیں ہو رہا تھا۔ اپنے آپ سے اندر ہی اندر شدید جذباتی جنگ جاری تھی کہ زلفی نے آ کر اسے فون سننے کو کہا۔ وہ تیز قدموں سے اندر کی طرف چل دیا۔

"ہیلو....." اس نے کہا مگر دوسری طرف خاموشی رہی۔

"ہیلو..... ہیلو....." اس نے دوبارہ کہا۔ جب کوئی جواب نہیں آیا تو فون رکھ دیا۔ قدم اٹھانے ہی

لگا کہ فون دوبارہ چیخنے لگا۔

"ہیلو....." ذکاء نے کہا مگر فون پر دوسری طرف مکمل خاموشی تھی۔ وہ سخت بری طرح جھلا گیا اور خوب برا بھلا کہہ کر فون بند کر دیا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا باہر آ گیا۔ بے اختیار ہی اس کی تلاش میں نظریں بابا کی طرف اٹھیں مگر وہ وہاں سے غائب تھی۔ چاروں طرف دیکھا تو اس کا آنچل برآمدے کی سیڑھیوں کے قریب دکھائی دیا۔ وہ کسی کام سے اندر چلی گئی۔ کچھ دیر وہ کھڑا سوچتا رہا کہ قریب جا کر تعریف کرنی چاہئے مگر پھر مناسب نہیں لگا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے دوستوں سے رجوع کیا۔ لیکن دل تو اٹھلا رہا تھا۔ معذرت کر کے دبے قدموں سے اندر آ گیا۔ ٹی وی لاؤنج میں ہی فون ہاتھ میں پکڑے ہونق پھٹی پھٹی آنکھوں سے چھت گھورتی وہ دکھائی دی۔ اس کے چہرے کی حالت بتا رہی تھی کہ وہ سخت خوفزدہ اور پریشان ہے۔ وہ تیزی سے قریب پہنچا اور بولا۔

"کومل! کیا ہوا؟" اس کے پکارنے پر وہ چونکی اور ریسیور بوکھلا کر کریڈل پر رکھنے کی بجائے زمین پر جھولتا چھوڑ کر اپنے کمرے کی طرف بھاگ گئی۔ وہ متحیر سا کھڑا اسی طرف دیکھتا رہا جس طرف وہ بھاگی تھی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا مسئلہ ہے؟ ریسیور کان سے لگا کر اس نے ہیلو، ہیلو کہا مگر دوسری طرف لائن بند تھی۔ کریڈل پر ریسیور رکھ کر وہ الجھا الجھا سا باہر آ گیا کیونکہ اس وقت مناسب نہیں تھا کہ وہ اس کے کمرے میں جا کر پوچھتا۔ ویسے بھی باہر سے میوزک کی آواز آنا بند ہو چکی تھی۔ سب باہر اس کے منتظر تھے۔ یہی سوچ کر وہ مہمانوں کے بیچ پہنچ گیا۔

○❖○

"اگر ناگوار خاطر نہ ہو تو دیدار کے چند لمحے درکار ہیں۔ سب جانے کے لئے تیار ہیں مگر میرا دل بے قرار ہے۔ تنہائی میں شوخی اور شرارت پر اکسا رہا ہے۔"

جواد نے ذرا کی ذرا میں سب کی نظروں سے بچا کر حرا کے ان میں سرگوشی کی۔ وہ جو سب مہمانوں کے جانے کے بعد بوا اور زلفی کی کام میں مدد کر رہی تھی، جونہی برتن سمیٹ کر کچن کی طرف بڑھی تو وہ سامنے آ گیا۔

"اپنے بے قرار دل کا علاج کرائیں۔ ورنہ میں ابھی اسے ٹھیک کر سکتی ہوں۔" وہ ذرا سا لہرا دوپٹا کر کے بولی۔ مدھم روشنی کے سبب وہ اس کے چہرے پر پھیلا گلابی رنگ نہیں دیکھ سکا۔

"پلیز حرا! آج میں صرف تمہیں جی بھر کے دیکھنا چاہتا ہوں۔ میری بات مان جاؤ، ابھی ڈیڈی یا ممی کی آواز آ جائے گی۔" وہ سخت بے چین تھا، چاہتا تھا کہ جلد سے جلد اپنی آنکھوں کی پیاس بجھائے اور ممی ڈیڈی کے پکارنے سے پہلے ان کے قریب پہنچ جائے۔

"اگر نہیں بھی آئی تو میں خود ممی ڈیڈی کو بلا لیتی ہوں۔ خدارا یہ فلمی ڈائیلاگ بند کریں۔" وہ شوخی سے بولی۔ وہ جل گیا۔

"ہر وقت شک کرتی ہو..... میری وفا پر اعتبار مت کرنا..... ہر دور میں محبت اسی طرح بے عزت ہوتی ہے۔ ایک روز سر دیوار سے ٹکرا ٹکرا کر مر جاؤں گا۔"

"اور دیواروں میں دراڑیں پڑ جائیں گی۔ آپ کا کچھ نہیں بگڑے گا۔" وہ مزید شرارت سے بولی۔ اسی لمحے بوا اور زلفی کے بولنے کی آواز آئی۔ وہ کچن کی طرف ہی آ رہے تھے۔ حرا نے وہاں سے بھاگنا چاہا مگر وہ سختی سے سامنے ڈٹ گیا۔

"جواد! بوا آ رہی ہیں..... سامنے سے ہٹیں۔" اس نے منت کی۔

"آنے دو..... آج یہ مسئلہ تو حل ہو۔" وہ سختی سے بولا۔

"کیا بچکانہ حرکت ہے..... میں کہہ رہی ہوں پلیز راستہ چھوڑ دو۔"

"تو چلو چل کر میری بات سنو۔" وہ ڈٹ گیا۔

"کیا..... کہاں؟" جوں جوں آوازیں قریب آ رہی تھیں وہ بوکھلا کر بولی۔ اس کے کہتے ہی اس نے مضبوطی سے اس کی کلائی تھامی اور کچن کے پیچھے کھنچتا ہوا کوٹھی کے عقبی حصے میں پہنچ گیا۔ وہاں ٹیوب لائٹ کی روشنی میں وہ پسینے پسینے نہائی اس کے قریب تھی۔ حیا سے پلکیں جھکی ہوئی تھیں۔ دل

خوشی سے دھڑک رہا تھا۔

"اب بولو، جلدی....." لبھائے لبھائے فقط اتنا کہا تو وہ مسکرا دیا۔

"جو کل سب کو پتہ چلنا ہے وہ آج چل جانے دو۔ میری وفا کا وفا سے اقرار کرو۔ مجھے قبول کرو کہ میں ڈیڈی، ممی کو تمہارے گھر بھیج سکوں۔" اس نے ہاتھ میں تھاما ٹھنڈا یخ ہاتھ دبا کر کہا۔

"اتنی جلدی کیوں ہے؟" وہ شرمائی۔

"بیماری سنگین ہو تو علاج کی فوری ضرورت ہوتی ہے۔ میرا مرض لاعلاج نہ ہو جائے اس لئے بروقت علاج کرانا چاہتا ہوں۔" وہ شوخی سے بولا تو وہ سرخ پڑ گئی۔

"اچھا بس بس..... مجنوں صاحب! اب چلیں اندر۔ کافی دیر ہو گئی ہے۔" وہ ایک دم پھر شرارت پر اتر آئی۔

"پہلے وعدہ کہ میرے گھر سے آنے والوں کو مایوس نہیں کرو گی۔"

"اوں، ہنہ..... اچھا بابا وعدہ۔" وہ نرمی سے مسکرا کر ہاتھ چھڑا کر بھاگ گئی۔ اس کے وجود کی مہک اور لباس کی خوشبو وہیں اس کے اردگرد رہ گئی۔

اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ کچھ دیر پہلے وہ اس کے اس قدر قریب تھی، اپنے آپ پر رشک آ رہا تھا۔ دل ہی دل میں خوشیوں کے منصوبے بناتا ہوا وہ خود بھی واپس لان کی طرف لوٹ آیا۔ جہاں سب اس کے منتظر تھے۔ اسے دیکھتے ہی آئس کریم سے لطف اٹھاتی رخسار نے شرارت سے آنکھ دبائی تو وہ صرف گھور کر رہ گیا۔ رخسار نے زور سے کچھ بولنا چاہا تو اس نے مضبوط ہاتھ کی ہتھیلی اس کے لبوں پر رکھ دی۔

○❖○

کمرے کی ایک دم لائٹ آن ہوئی۔

اس نے بھیگی بھیگی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا۔ حرا نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ جاگ رہی تھی مگر سونے کی اداکاری کر رہی تھی۔ حرا نے شرارت سے بیڈ پر چڑھتے ہوئے تیزی سے اس کا ہاتھ آنکھوں پر سے ہٹایا تو وہ چونک اٹھی۔ اس کی سرخ انگارے سی آنکھوں میں دکھ اور غم کے دیپ جھلملا رہے تھے۔ کاجل پھیل چکا تھا۔ آنکھوں کے سرخ ڈورے بہت کچھ عیاں کر رہے تھے۔

"کومل....." حرا نے مضطرب ہو کر پکارا۔

"ہنہ..... جی....." رندھی ہوئی آواز میں فقط اتنا ہی بولی۔

"کیا بات ہے؟"

"کچھ نہیں، آپ یہ بتائیں کہ کیا سب لوگ چلے گئے؟" وہ ٹالنے کی بھرپور ایکٹنگ کرتے ہوئے بولی۔

"بہت دیر ہوئی۔ تم سب کو چھوڑ کر کمرے میں کیوں آ گئیں؟" حرا نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''بس آنکھ میں کچھ پڑ گیا تھا۔''

''غلط...... تمہیں پھر وہی دورہ پڑ گیا تھا جو اکثر پڑتا ہے۔'' حرا کا لہجہ سخت تھا۔

''کیا کروں...... تقدیر ہی ایسی ہے۔''

''مت تقدیر کو کوسو، اپنی مرضی سے آنسو بہاتی ہو، روتی ہو۔ اپنے آپ کو پریشان کرتی ہو۔'' حرا نے لتاڑا۔

''میں خود ایسا نہیں کرتی حرا باجی، میرے ساتھ تو تقدیر ایسا کرتی ہے۔'' وہ دھیرے سے بولی۔

''کچھ نہیں کرتی تقدیر وقدیر۔ تم کھلونا بنتی ہو تو تقدیر کھلونا بناتی ہے، جو کچھ ہے، پریشانی ہے ہم سے کہہ دو، ہمیں اپنا سمجھو، بابا سے کہہ دو، ذکاء بھائی سے کہہ دو، بوا سے کہہ دو۔ مگر یہ بوجھ لے کر رات دن کڑھتی مت رہو۔'' حرا نے پیار سے اس کے بال سنوارے۔

''کوئی بات ہو تو بتاؤں۔'' وہ پھر ٹال گئی۔

''بات تو ہے، رونا خوامخواہ کا نہیں ہے۔'' ذکاء جو کافی دیر سے دروازے کے باہر کھڑا ان دونوں کی باتیں سن رہا تھا، اندر داخل ہوتے ہوئے بولا۔ وہ بوکھلا کر اٹھ بیٹھی۔

''میرا بھی یہی خیال ہے، آپ پوچھو اس سے۔ میں کپڑے چینج کر کے آتی ہوں۔'' حرا اس کی عدالت میں چھوڑ کر چلی گئی۔ وہ عین اس کے سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ اس نے سہمی سہمی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''کیوں ظلم کرتی ہو اتنی حسین آنکھوں پر۔ کبھی فرصت نکال کر آئینہ دیکھو، شاید تمہیں ترس آ جائے۔ تم لاکھ چھپاؤ، مگر کچھ تو ہے جو تمہیں اس طرح بے کل رکھتا ہے۔'' ذکاء نے آہستہ آہستہ کہا۔ یکبارگی نگاہیں ملیں اور وہ شرمندہ سی ہو گئی۔

''آپ کو وہم ہو گیا ہے...... ایسی کوئی بات ہی نہیں۔''

''وہ فون کس کا تھا؟'' اس نے پُرتجسس نظروں سے دیکھا۔ وہ صاف نظریں چرا گئی۔

''کسی کا بھی نہیں...... کوئی بھی نہیں تھا۔''

''پھر پریشان کیوں ہو؟'' ذکاء مطمئن ہو کر نرمی سے بولا۔ اس سے پہلے دو بار فون اسی نے اٹینڈ کیا تھا اور کوئی نہیں بولا تھا۔ اس کو یقین آ گیا کہ وہ سچ کہہ رہی ہے۔

''کوئی پریشانی نہیں ہے...... بس کچھ یاد آ گیا تھا۔'' وہ مسکرا دی۔

''دیکھو! مسکراتے ہوئے بالکل ایسے لگتی ہو جیسے جھرنے بہہ رہے ہوں، موتی چمک اٹھے ہوں۔'' ذکاء نے عجیب سے لہجے میں کہا تو وہ کھل کھلا کے ہنس دی۔ اس لمحے ذکاء کی دھڑکنیں بے ترتیب سی ہو گئیں۔ خود کو سنبھال کر وہ تیز قدموں سے باہر نکل گیا اور وہ ہنستے ہنستے ایک دم اداس ہو کر چپ ہو گئی۔ ذکاء کو تو اس نے مطمئن کر دیا تھا مگر فون پر ایک لمبی سی ''ہنہ'' اس کو پریشان کر رہی تھی۔ اسے کچھ کچھ خوف محسوس ہو رہا تھا۔ اس کے لاکھ پکارنے پر بھی کوئی کچھ نہیں بولا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی اس

...از سننا چاہتا ہو...... مگر وہ تو خوفزدہ سی ہو گئی۔ نہیں جان پائی کہ ''ہنہ'' کرنے والا کون ہے؟ اس کا ...ند کیا ہے؟ جب بھی پریشان ہوتی تھی تو بہت کچھ یاد آنے لگتا تھا۔ سوچتے سوچتے پلکیں بھیگ ...تھا۔ سب اپنے یاد آنے لگے۔ خاص طور پر من کا میت اپنی مخصوص اداؤں سمیت اسے رلانے لگا۔ ...بتائے کسی کو...... بتانے سے کیا حاصل؟ اس راہِ محبت میں وہ کہاں رہ گیا؟ یہ کیا بتلائے۔ ...نے زندگی میں پھر کبھی ملنا بھی ہو یا نہیں۔'' اس نے ایک بار پھر پلکوں سے آئی نمی آنچل سے ...ی کی اور لیٹ گئی۔

حرا واش روم سے ...ہر نکلی تو اسی وقت مین گیٹ کھلنے کی آواز آئی۔ حرا نے جلدی سے کھڑکی کا پردہ ...کر دیکھا۔ سفید مرسڈیز اندر داخل ہو رہی تھی۔ وہ تیزی سے کمرے سے باہر نکل آئی۔ پورچ میں ...کر اندازہ ہوا کہ گاڑی انجم انکل کی ہے۔ مگر گاڑی میں بیٹھے شخص کو وہ پہچان نہ سکی۔

''میرا نام کرم داد ہے۔ انجم صاحب کا موبائل رہ گیا ہے، وہی لینے آیا ہوں۔'' وہ جلدی سے ایک ...قرے میں سب کچھ کہہ گیا۔

''اوہ، اچھا آپ رکیں۔ میں ابھی لے کر آتی ہوں۔'' حرا کرم داد اور چوکیدار کو وہیں چھوڑ کر اندر ...اور کچھ ہی دیر میں موبائل لئے واپس آ گئی۔

''یہ لیں۔''

''بے وقت زحمت دینے پر شرمندہ ہوں۔'' موبائل لے کر وہ ازراہ مروت بولا۔ حرا نے مسکرا کر ...دن ہلا دی۔ چوکیدار نے گاڑی گیٹ سے باہر نکلنے کے بعد گیٹ بند کیا۔ حرا واپس کمرے میں آ ...یا۔ کول نے حیران ہو کر پوچھا۔

''کون تھا؟''

''انجم انکل کا ملازم تھا۔ وہ اپنا موبائل بھول گئے تھے۔ بابا اور ذکاء بھائی شاید سو گئے ہیں اس لئے ...ی جانا پڑا۔'' حرا نے سرسری انداز میں بتایا اور لائٹ آف کر کے اس کے برابر لیٹ گئی۔

○❖○

جلدی سے ناشتہ کرنے کے بعد ذکاء، حرا کو یونیورسٹی چھوڑنے جا چکا تھا۔ میز پر آفریدی صاحب ...ل ناشتہ کر رہے تھے۔ بوا کچن میں تھیں۔ آفریدی صاحب نے چائے کی چسکی لیتے ہوئے بغور ...ی طرف دیکھا۔ وہ خاموش، اُداس سی برائے نام ناشتہ کر رہی تھی۔ سامنے پلیٹ میں رکھا انڈا اس ...رنگ رہا تھا۔ چائے کا کپ ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ سلائس کا کونا توڑ کر وہ خوامخواہ ہی انگلیوں سے مسل ...ی۔

''اوں ہنہ......'' انہوں نے اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے کھنکھار کر اس کی طرف مسکرا کر ...۔ وہ چونکی۔

''بابا! کچھ مجھ سے کہا آپ نے؟''

''یقیناً......آپ کے اور میرے علاوہ یہاں کوئی نہیں۔'' وہ مزید مسکرائے۔

''جی کہئے۔''

''بیٹا! کہنا نہیں ہے۔ پوچھنا ہے، جاننا ہے۔'' وہ دھیمے لہجے میں بہت پیار سے بولے۔

''بابا آپ حکم کریں۔'' وہ شدت محبت سے بے قرار ہو کر کرسی سے اٹھی اور ان کے قدموں پر جھک گئی۔

''نہیں جان بابا، ایسے نہیں۔ بابا سے محبت ہے تو بتاؤ یہاں کس چیز کی کمی ہے...... کیا چاہئے؟'' انہوں نے جلدی سے اٹھا کر سینے سے لگالیا۔ اتنی محبت پا کر وہ پھر رودی۔

''یہی تو رونا ہے کہ کسی چیز کی کمی ہے بھی اور نہیں بھی۔'' وہ بڑبڑائی۔

''صاف صاف کہو بیٹا۔'' انہوں نے اس کے کندھے تھپتھپائے۔

''بابا! آپ میری وجہ سے پریشان نہ ہوں، میں بہت خوش ہوں۔ مجھے آپ کی محبت مل گئی اور کیا چاہئے؟'' وہ روتے روتے مسکرا کر بولی۔

''خوش رہا کرو......اس گھر کو تمہاری، حرا کی اور ذکاء کی مسکراہٹیں چاہئیں۔'' وہ خوش دلی سے مسکرا کر بولے۔

''بابا! میں کچن میں بوا کا ہاتھ بٹاؤں۔''

''ہاں ہاں کیوں نہیں۔ ویسے بھی میں ذکاء کا منتظر ہوں۔ وہ حرا کو چھوڑ کر آتا ہوگا۔ میرے دفتر کا وقت ہوگیا ہے۔'' انہوں نے جواب دیا اور وہ گندے برتن سمیٹ کر کچن کی طرف ہولی۔

''بوا! میں آپ کی مدد کے لئے آئی ہوں۔'' اس نے کچن صاف کرتے ہوئے بوا سے کہا۔ وہ مرچ مسالے کے ڈبے صاف کر رہی تھیں۔

''ارے کومل بیٹا! کچن کا کام ہی کتنا ہے۔ تم جاؤ، جا کر اپنا کمرہ صاف کرلو۔ وہ حرامیم صاحبہ تو کمرے کا نقشہ بنا کر گئی ہوں گی کہ اللہ کی پناہ۔''

''کمرہ بھی صاف کرلوں گی، پہلے آپ کا ہاتھ بٹاتی ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔

''چلو جیسے تمہاری مرضی۔'' وہ بولیں۔ وہ سنک میں جمع گندے برتن دھونے لگی کہ ٹیلی فون کی بیل سنائی دی۔ ساتھ میں بابا کی آواز بھی آئی۔

''کومل بیٹا ذرا فون تو سنو۔'' وہ جلدی سے بھاگ کر ٹی وی لاؤنج میں رکھے فون تک پہنچی۔

''ہیلو۔''

''ہیلو جان۔'' دوسری طرف سے عجیب بے ہودہ انداز میں آواز ابھری تو اس کی روح تک کانپ اٹھی۔ آواز پہچاننے میں ذرا دیر نہیں لگی۔ ''رضا صاحب'' اس کے لب تھرتھرائے۔ خوفزدہ ہو کر فون بند کر دیا۔ بیل ہوتی رہی مگر اس نے فون نہیں اٹھایا۔ آفریدی صاحب نے پریشان ہو کر خود باہر سے فون اٹھایا مگر کسی کے نہ بولنے پر انہوں نے بھی ریسیور رکھ دیا۔ اس کے بعد بیل نہیں ہوئی۔ وہ عرق آلو...

...صاف کرتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

''تو وہی ہوا گڑیا جس کا تمہیں ڈر تھا......رات کو رضا صاحب کا ہی فون تھا، کسی اور کا نہیں۔ مگر یہ ...سے کیا چاہتے ہیں؟ تم ان کی حوریہ بی بی کی زندگی سے نکل آئیں، اپنا ہر خواب، اپنی چاہت ان کے پاس چھوڑ آئیں اور انہیں کیا چاہئے؟ میں نے تو چپ چاپ اپنا کرم داد چھوڑ دیا۔ پھر...... پھر رضا صاحب کیوں میرے پیچھے پڑے ہیں؟ نہیں، وہ پیچھے کیوں پڑیں گے۔ ویسے ہی سلام دعا کرنا چاہتے ہوں گے۔ بات کرنے میں کیا حرج ہے؟'' ذہن نے اکسایا مگر دل نے فوراً سرزنش کی۔ ''حرج ہے۔ رضا صاحب کے من میں کیا ہے؟ یہ تمہیں نہیں معلوم اور پھر کرم داد کے بارے میں جان کر اور زیادہ روؤ گی۔ بہتر ہے انجان بنی رہو، آئندہ فون ہی مت اٹھانا۔'' دل کے مشورے پر اس نے بے خیالی میں گردن ہلائی اور مطمئن ہو کر کمرے کی بے ترتیب چیزیں سمیٹنے لگی۔ بوا سچ ہی کہہ رہی تھیں، حرا نے تیاری کے دوران کمرے کا نقشہ بری طرح بگاڑا تھا۔ بالکل جنگ پلاسی کا میدان بنا دیا تھا۔

○❖○

''یار! چھری تلے سانس بھی لو گے یا کہ نہیں...... دیکھ نہیں رہے کتنا شدید زکام ہے۔'' انجم صاحب نے ٹشو پیپر سے ناک رگڑتے ہوئے جواد سے کہا۔

''ڈیڈی! بات سانس لینے کی نہیں ہے۔ بس آپ فوراً ممی کے ساتھ آفریدی انکل کے ہاں جائیں۔'' جواد نے ان کی بات نہ سننے کی قسم کھا رکھی تھی۔ صبح سے وہ مسلسل ان کے اور فرخندہ کے ساتھ الجھا ہوا تھا۔ اس کا بس چلتا تو وہ رات ہی کو انہیں حرا کے لئے بھیج دیتا۔ بہت صبر کا مظاہرہ کیا جو رات گزار لی۔ لیکن صبح سے وہ ان کے ساتھ سر اڑائے بیٹھا تھا۔ انجم صاحب کو بھی شدید زکام نے آلیا تھا۔ ان کو کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ آنکھوں سے، ناک سے مسلسل پانی بہہ رہا تھا۔ فرخندہ جوشاندہ بنانے گئی تو وہ جلدی سے بولا۔

''آپ ممی کو ہی بھیج دیں۔''

''برخوردار! صرف اتنا بتا دیں کہ اتنی جلدی کی ضرورت کیا ہے؟ کیا لڑکی کے امیدواروں کی وہاں لائن لگی ہوئی ہے یا لڑکی آج کے بعد تمہارے لئے انکار کر دے گی، یا پھر......'' انجم صاحب نے بیزار سی شکل بنائی۔

''او ڈیڈی! میں آپ کو کیسے سمجھاؤں حرا نے بڑی مشکل سے ہاں کی ہے۔ وہ مکر تو نہیں سکتی مگر میں آج ہی آپ کو وہاں بھیجنا چاہتا ہوں۔'' وہ کچھ شرما کر بولا تو انجم صاحب مسکرا دیئے۔

''یار! تمہاری بے تکی باتیں ہماری سمجھ سے باہر ہیں۔ زکام سے نجات ملے گی تو ضرور چلے جائیں گے مگر تم اطمینان رکھو، حرا کہیں نہیں جاتی۔ بلکہ میں یقین دلاتا ہوں کہ وہ صرف تمہاری ہے۔''

''ڈیڈی! یہ تو ٹھیک ہے مگر......''

''اگر مگر چھوڑو، شوروم جاؤ۔ کرم داد کی مدد کرو۔''

"بلکہ کرم داد کو کچھ دیر کے لئے گھر بھیجنا۔ مجھے ضروری شاپنگ کرنی ہے۔" فرخندہ نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"منگنی کے لئے؟" وہ بے ساختہ بولا۔

"ہش، کیسا دیوانہ ہو رہا ہے منگنی کے لئے۔" فرخندہ نے پیار سے گھرکا۔ انجم صاحب کی ہنسی نکل گئی۔

"فرخندہ! تم ایسا کرو آج کرم داد کے ساتھ واپسی پر حرا کی انگوٹھی کا ناپ لے ہی آؤ۔ آفریدی اسی سے سب کچھ سمجھ جائے گا۔" انجم صاحب نے بیٹے کی بے قراری دیکھتے ہوئے آخر کہہ ہی دیا۔

"ڈیڈی دی گریٹ۔" جواد نے انجم صاحب کی پیشانی چوم لی۔

"توبہ ہے بھئی..... جواد تو شادی سے پہلے ہی دیوانہ ہو گیا ہے۔" فرخندہ نے مسکرا کر اسے چپت لگائی۔

"اب جاؤ، کرم داد کو بھیجو تاکہ کچھ کام ہو سکے۔" انجم صاحب نے کہا تو وہ چوکڑیاں بھرتا ہوا باہر نکل گیا۔

"صاحبزادے کو جس حساب سے جلدی ہے میرا خیال ہے منگنی کی بجائے شادی کر دینی چاہئے۔" فرخندہ نے کہا۔

"منگنی کیا ہے بس بات پکی کرنی ہے، بلکہ شادی کی تاریخ طے کرنی ہے۔" انجم صاحب نے کہا۔

"بالکل ٹھیک ہے..... آفریدی بھائی کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"ارے وہ یاروں کا یار ہے، میری بات ٹال نہیں سکتا۔" انجم صاحب نے سینہ ٹھونک کر دوستی کے بے مثال ہونے کا دعویٰ کیا۔

"میرا کوئی دوسرا بیٹا ہوتا تو میں کومل کو مانگ لیتی۔ سچ مچ کانچ کی گڑیا ہے۔ رات کو کتنی پیاری لگ رہی تھی۔" فرخندہ نے کہا۔

"بچی واقعی بہت پیاری ہے۔ آفریدی کا بھی یہی ارادہ ہے۔ اگر ذکاء اور اس کے درمیان انڈر اسٹینڈنگ ہو گئی تو آفریدی گھی کے چراغ جلائے گا۔"

"یہ تو ہے..... ذکاء میں کس چیز کی کمی ہے، کاش وہ میرا بیٹا بن سکتا۔" فرخندہ کی آنکھوں میں حسرت مچل اٹھی۔ وہ رخسار کے لئے ذکاء کے بارے میں ہمیشہ سوچا کرتی تھی۔

"چھوڑو، رخسار کی قسمت رخسار کے ساتھ..... میں نے کبھی یہ خیال نہیں کیا کہ ذکاء ہی ضروری ہو۔ کومل بھی اپنی رخسار کی طرح ہی ہے۔" انجم صاحب نے بیوی کو دلاسہ دیا۔ فرخندہ نے مطمئن ہو کر ان کی طرف دیکھا۔

"میں آپ کے لئے سوپ بنا کر لاتی ہوں۔ زکام میں فائدہ دے گا۔" فرخندہ اٹھتے ہوئے بولی۔

"رخسار کو میرے پاس بھیجو۔ میری بیٹی پاس بیٹھے۔"

"کھانے پینے سے فارغ ہوئی تو بھیجتی ہوں۔ کچن میں سینڈوچ بنا رہی تھی۔" فرخندہ کہتی چلی گئی۔ انجم صاحب نے مسکرا کر آنکھیں موند لیں۔

○❖○

"ہیلو....." ذکاء نے ریسیور اٹھاتے ہوئے کہا۔

"ہیلو....." دوسری طرف غیر مانوس مردانہ آواز ابھری۔

"جی کون؟"

"مجھے مس آفریدی سے بات کرنی ہے۔"

"لیکن آپ کون ہیں؟" ذکاء نے استفہامیہ انداز میں دوسری بار پوچھا۔

"میں ان کا کلاس فیلو ہوں۔"

"اوہ، سوری! میں حرا کو بلاتا ہوں۔" ذکاء نے معذرت کے انداز میں کہا اور حرا کو ڈرائنگ روم میں جا کر اطلاع دی۔ وہ کھانا چھوڑ کر فون سننے چلی گئی۔ ذکاء سلاد کی پلیٹ سے گاجر اٹھا کر کھاتے ہوئے باہر نکل گیا۔ میز پر کومل اور بوا بیٹھی رہ گئیں۔

"ہیلو، جی کون ہے؟" حرا نے کہا۔

"آپ حرا ہیں..... میرا مطلب ہے حرا آفریدی؟" پوچھا گیا۔

"جی ہاں..... آپ کون؟"

"مجھے آپ کی سسٹر سے..... آئی مین آپ کی بہن سے بات کرنی ہے۔"

"مسٹر اور بہن کا ایک ہی مطلب ہے۔ صاف صاف کہیں کہ کومل سے بات کرنی ہے۔ مگر آپ ہیں کون؟"

"یہ تو کومل ہی آپ کو بتائیں گی۔ حیران ہوں اس نے میرے بارے میں آپ کو کچھ نہیں بتایا؟" بولنے والے کے لہجے کی حیرت نے حرا کو متاثر کیا۔

"او کے، پلیز ہولڈ رکھیں..... میں کومل سے کہتی ہوں۔" وہ کہہ کر ڈائننگ روم میں داخل ہو گئی۔

"کومل! تمہارا فون ہے۔"

"جی..... میرا.....؟" اس کے ہاتھ سے نوالہ پلیٹ میں گر گیا۔

"بھئی فون ہے، اس میں اتنے پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے؟" حرا کھانے میں مصروف ہوتے ہوئے سرسری انداز میں بولی۔

"یہ کس کا فون ہے جو ذکاء نے اٹھایا تو حرا کو سننے کے لئے کہا۔ حرا نے آ کر کومل کو کہہ دیا۔" بوا نے تجسس ہو کر سوال کیا۔ کومل فق رنگ کے ساتھ مردہ قدموں سے چل کر اندر چلی آئی۔ کانپتے ہاتھوں سے ریسیور اٹھایا۔

''آداب عرض ہے مس کومل آفریدی..... میرا مطلب ہے گڑیا جی۔'' اس کے ریسیور کان سے لگاتے ہی فوراً کہا گیا۔ وہ سکتے میں آ گئی۔

''رضا..... رضا صاحب آپ.....'' لب کپکپائے۔

''تھینک گاڈ..... تم نے پہچانا تو۔ میں تو سمجھ رہا تھا کہ تم پہچاننے سے انکار کر دو گی۔ مگر تم سمجھدار لڑکی ہو، جانتی ہو کہ رضا صاحب تمہارے ہمدرد ہیں، تمہارے غمگسار ہیں۔'' وہ مکاری سے بولا۔

''جی..... وہ..... میں.....''

''چھوڑو جی، وہ میں۔ بہت اچھا نام رکھا ہے تم نے اس بار اور گھر بھی اچھا تلاش کیا ہے۔ کرم داد سے بھی اچھا گھر ہے یہ۔'' اس نے خباثت سے ہنس کر کہا اور دانستہ کرم داد کا نام لیا۔

''کرم داد..... کیسے ہیں چھوٹے صاحب؟'' ایک دم ہی دل پھڑ پھڑا کر پسلیوں سے باہر آ گیا وہ سب کچھ بھول گئی۔ محبت اسی کو کہتے ہیں کہ نام پر بھی انسان جل بن مچھلی کی طرح تڑپنے لگے۔ اس کی بے قراری سے وہ لطف اٹھاتے ہوئے قہقہے لگانے لگا۔

''وہ تمہارے چھوٹے صاحب بہت مزے میں ہیں۔ بھول بھال گئے تمہیں۔ تمہاری قدر صرف ہمیں ہے۔ وہ تو اپنی بیگم کے ساتھ خوش باش ہیں۔ تمہیں برباد کرنے کا پچھتاوا بھی نہیں ہے انہیں۔'' اس نے قیامت ہی توڑ دی اس کے معصوم سپنوں پر۔

''جی..... اچھا ہی ہے وہ خوش ہیں۔ میرا ہرگز نہ بتائیے گا۔'' وہ تقریباً رو دی۔

''فائدہ ہی کوئی نہیں۔ تم کیا ہو یہ کوئی ہم سے پوچھے۔'' وہ چہکا۔

''رضا صاحب! اللہ کے واسطے مجھے پریشان نہ کریں۔ میں اب وہ نہیں ہوں۔''

''واہ بھئی، یہ پریشانی تو اب مستقل ہے۔ تم اگر چاہتی ہو کہ میں کسی کو کچھ نہ بتاؤں، اس گھر میں تمہاری عزت رہے، تمہارے بہنوئی کو خبر نہ ہو تو مجھ سے بنا کر رکھو۔'' وہ کمینگی کی حد پر پہنچ گیا۔ وہ خوفزدہ سی چاروں طرف دیکھنے لگی۔ ایسے میں کوئی آ جاتا تو اس کے چہرے کا رنگ سب کچھ بتا دیتا۔

''آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں..... میں نے آپ کا کیا بگاڑا ہے؟'' وہ سسکی۔

''بہت کچھ بگاڑا ہے۔ تم نے میرا صبر و قرار چرا لیا ہے۔ میں جب کسی زہرہ جبیں کو دیکھتا ہوں تو تمہارا چہرہ.....''

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں رضا صاحب؟'' اس نے افسوس سے پوچھا۔

''میں ٹھیک کہہ رہا ہوں گیا..... اب میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا ہے۔'' اس نے دوٹوک لہجے میں کہا۔

''آپ کیا چاہتے ہیں؟''

''خاموشی کی قیمت۔''

''قیمت..... مگر.....''

''مجھے روپے پیسے نہیں چاہئیں، مجھے وقت چاہئے۔''

''جی.....؟'' وہ حیرت زدہ سی بولی۔

''سوچ لو، میں پھر فون کروں گا۔'' اس نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا اور وہ وہیں صوفے پر گر گئی۔ پورا جسم ہولے ہولے کانپ رہا تھا، پلکیں بھیگ گئیں۔ کیسے انجانے دکھ اور صدمے نے گھیرا تھا۔ کرم داد کی یادوں سے لپٹ کر سوتی تھی، جاگتی تھی، اب اس کی اطلاع ملی تو دل ہاتھوں سے نکلا جا رہا تھا۔ اس پر رضا کی قیامت..... کیسے عزت بچے گی۔ یہ گھر، اس کے مکیں سب ہنسیں گے..... اور غفور بھائی کو پتہ چل گیا تو پتہ نہیں کیا ہو جائے۔ نہیں، نہیں..... یہ سب برداشت نہیں کر سکتی..... سر درد سے پھٹا جا رہا تھا..... ''کیا ہو گا؟ کیا ہو گا؟'' وہ بڑبڑائی۔ اسی اثنا میں قدموں کی آہٹ ہوئی اور اگلے ہی لمحے زکا اس کے سامنے تھا۔ اس کی بھیگی پلکیں دیکھ کر چپ چاپ کھڑا تھا۔ وہ جلدی جلدی پلو سے آنکھیں صاف کرنے لگی۔

''کیا بات ہے؟'' وہ ہاتھ میں پکڑے دو پیکٹ میز پر رکھ کر سامنے بیٹھ گیا۔

''وہ..... بس سر میں درد ہو رہا ہے۔'' اس نے خوبصورتی سے ٹالا۔

''اوہ! چلو کمرے میں جا کر آرام کرو۔ میں چائے اور سر درد کی گولی بھیجتا ہوں۔''

اس کے کہنے پر وہ تیز قدموں سے اپنے کمرے کی طرف بھاگی۔

○❖○

فون بند کر کے وہ شوخ سی دھن میں سیٹی بجانے لگا۔

مسز نجمہ کریم نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔

''کس سے فون پر بات ہو رہی تھی؟'' دراصل چند منٹ پہلے وہ دروازے سے لوٹ کر نیچے بیوٹی پارلر چلی گئی تھیں، اس وقت وہ فون پر مصروف تھا۔

''تھا کوئی گمشدہ۔'' وہ شریر لہجے میں بولا۔

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ آنٹی جی کہ ایک پیارا سا انسان قریب ہوتے ہوتے ایک دم دور ہو گیا اور پھر اچانک سامنے آ گیا۔'' وہ بہت دھیرے دھیرے اپنی ہی بات سے لطف لیتے ہوئے بولا۔

''رضا..... رضا ڈارلنگ! کوئی خاص انسان ہے کیا؟''

''آنٹی جی! مرتبے اور مقام کے اعتبار سے تو بہت ہی عام ہے، مگر اللہ کی قدرتوں میں بہت خاص ہے۔'' رضا علی نے کہا تو نجمہ آنٹی پر بہت کچھ آشکارا ہو گیا۔

''دیکھو رضا! کسی مشکل میں نہ پڑ جانا۔''

''اوہ! آنٹی کیسی باتیں کرتی ہیں، میں کسی کو قتل کر رہا ہوں یا اغواء جو مشکل میں پڑ جاؤں گا۔'' وہ جھنجلا سا گیا۔ پھر رک کر بولا۔ ''کسی گمشدہ کے ملنے پر انسان خوش ہوتا ہے۔ خوشی کا اظہار کرتا ہے اور

بس۔"

"لیکن جانو! ابھی تم کہہ رہے تھے کہ وہ بہت عام ہے۔"

"عام سے بھی عام..... لیکن میں نے کہا نا کہ قدرت کی فیاضیوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کوئی لڑکی ہے؟" نجمہ آنٹی نے سوالیہ لہجے میں پوچھا۔

"ارے آپ بھی کیا باتیں لے بیٹھیں۔ یہ بتائیں کہ اپنے پیارے ہاتھوں سے کافی بنا کر پلا رہی ہیں یا کہ نہیں؟" وہ ہمیشہ کی طرح نجمہ آنٹی کے گلے میں جھول گیا۔

"کافی تو ملے گی مگر میرے کام کا کیا ہوا؟"

"ویزے والا کام، سمجھ لیں ہو گیا۔ کل پرسوں تک ویزہ لگ جائے گا۔ سیٹ کنفرم ہو جائے گی۔ آپ بس جانے کی تیاری کریں۔" اس نے تفصیل دی۔

"تیاری تو میری مکمل ہے۔"

"تو ٹھیک ہے..... آپ مزے سے پیرس جائیں۔"

"پارلر کا خیال رکھنا۔ کام تو سب لڑکیاں سنبھال لیں گی، تم بس دفتر اور اوپر کے انتظامات سنبھال لینا۔ جدید کورسز کی ضرورت نہ ہوتی تو میں ہرگز نہ جاتی عورتیں ڈش کے چینلز دیکھ دیکھ کر بہت ایڈوانس ہو گئی ہیں، نت نئی فرمائشیں کرتی ہیں۔ مجبوراً ٹریننگ کے لئے جانا پڑ رہا ہے۔ پارلر جو چلانا ہوا۔" نجمہ آنٹی نے کہا۔

"آپ اطمینان سے جائیں، میں سب سنبھال لوں گا۔" اس نے تسلی دی۔

"رضا پلیز کوئی چپکانہ حرکت نہیں کرنا۔ میں نے تمہارے ممی، پاپا کو فون پر بتایا تھا کہ رضا پر ذمے داری ڈال کر جا رہی ہوں۔"

"کمال ہو گیا..... میں دودھ پیتا بچہ ہوں؟ رضا یہ نہ کرنا، وہ نہ کرنا۔" وہ بگڑ سا گیا۔

"اچھا بابا! سوری۔ میں تمہیں کافی پلاتی ہوں۔" نجمہ آنٹی نے اسے منایا اور کافی بنانے کی غرض سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ وہ آنکھیں موند کر پھر وہی شوخ سی دھن بجانے لگا جو کچھ دیر پہلے بجا رہا تھا۔ اس کے اندر کی خوشی صاف دکھائی دے رہی تھی۔ سچے معنوں میں گڑیا کے بہنوئی غفور سے اس کے لاپتہ ہونے کا دکھ اسے محسوس ہوا تھا۔ مردہ دل سے ان گلیوں سے گاڑی نکال کر لوٹا تھا۔ تب سے اب تک اکثر وہ اپنی حشر سامانیوں سمیت اس کے تصور میں چنگاریاں بھر دیتی تھی۔ یہ بات اس نے عزیز از جان حوریہ سے بھی چھپا رکھی تھی جو کچھ بھی اس پر لٹانے کو تیار رہتی تھی۔

○❖○

"احمد پلازہ" کی کار پارکنگ میں اس نے گاڑی کھڑی کی۔

"کرم داد! تم گاڑی میں ہی رہو، مجھے چند چھوٹی چھوٹی ضروری چیزیں لینی ہیں، ابھی آتی ہوں۔" فرخندہ نے گاڑی سے اتر کر اس سے کہا۔

"آپ کو مدد کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔" اس نے ادب سے کہا۔

"نہیں، کچھ بھاری سامان نہیں خریدنا، میں ابھی آتی ہوں۔" فرخندہ یہ کہہ کر پلازہ کے اندر داخل ہونے والی سیڑھیاں چڑھ گئی۔ اس نے بھی اسی طرف نظریں مرکوز کر لیں۔ کچھ دیر وہ گاڑی کے اندر بے زار سا بیٹھا رہا، پھر گاڑی سے باہر نکل کر گاڑی لاک کر کے خود بھی وہی سیڑھیاں طے کر کے شیشے کا خوبصورت بھاری سا دروازہ کھول کر پہلے اسٹور میں داخل ہو گیا۔ وہ اسٹور کاسمیٹکس اور پرفیومز کے سامان سے بھرا تھا۔ مختلف رنگوں اور شکلوں کی نازک نازک پرفیومز کی بوتلیں سجی تھیں۔ اندر موجود خریدار ہر ایک اپنی پسند سے کھول کھول کر خوشبو سونگھنے کے بعد خریدنے نہ خریدنے کا فیصلہ کر رہا تھا۔ اس کی نظریں چاروں طرف ان خوشبو کے پیمانوں سے الجھ گئیں۔ بے اختیار ہی اسے گڑیا یاد آنے لگی۔ بڑے صاحب لوگوں کے بدن سے اٹھتی ان مسحور کن خوشبوؤں کی دلدادہ تھی، عشق تھا اسے ان خوشبوؤں سے۔ جب وہ خوشبو کی تعریف میں بہک کر دور کہیں نکل جاتی تو ایسے میں اس کی معصوم شکل پر حسرتوں کے سائے لرزنے لگتے۔ "تمہیں خوشبوؤں کا تحفہ دینے کے لئے میں لوٹا تھا پر تم کہاں ہو؟" وہ بڑبڑایا۔

سیلز مین نے پوچھا۔

"سر! آپ نے مجھ سے کچھ کہا؟"

"ہاں، یہ کتنے کا ہے؟" اس نے چونک کر ایک نیلی آب گینوں جیسی بوتل جلدی سے اٹھا کر پوچھا۔

"یہ آٹھ سو روپے کا پرفیوم ہے۔" سیلز مین نے بتایا۔

"یہ پیک کر دیں....." اس نے جیب سے پیسے نکال کر گنے اور سیلز مین کے حوالے کر دیئے۔ کھویا کھویا شاپر لئے باہر نکلا تو سامنے سڑک کے دوسری طرف چلنے والی دو لڑکیوں میں سے ایک پشت سے نکل وہی لگی۔ چند لمحے سکتے کی سی حالت میں دیکھتا رہا۔ پھر چیخنا چاہا تو آواز حلق میں گھٹ گئی۔ قدم جان کے ہو گئے..... بمشکل تمام سیڑھیاں پھلانگیں مگر رکشے کے دھوئیں میں پیچھے کھڑا وہ ہونٹ چباتا رہ گیا۔

"او بھائی! وہ بیگم صاحبہ تمہیں بلا رہی ہیں۔" ایک صاحب نے اس کا کندھا پکڑ کر ہلاتے ہوئے کہا تو وہ جلدی سے اس طرف دیکھنے لگا جہاں گاڑی کھڑی تھی۔ فرخندہ ہاتھ کے اشارے سے اسے بلا رہی تھی۔ تیز قدموں سے واپس لوٹا۔

"کہاں گئے تھے؟" فرخندہ نے پوچھا۔

"کہیں نہیں۔" اس نے گاڑی کا لاک کھول کر جلدی سے اس کے لئے پچھلا دروازہ کھولا۔

"سڑک پر بت کی مانند کھڑے تھے۔ مجبوراً میں نے اس راہ گیر سے کہا۔ کچھ پریشان ہو؟" فرخندہ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بولی۔

"بس ایسے ہی فریب کھا گیا تھا۔" اس نے گاڑی پارکنگ سے باہر نکالتے ہوئے جواب دیا۔

"مجھے تو تم بہت پریشان لگ رہے ہو۔ نجانے کیسی باتیں کر رہے ہو۔"

"کوئی پریشانی نہیں ہے بیگم صاحبہ جی۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"اچھا ایسا کرو، پہلے آفریدی بھائی کی طرف چلو، پھر گھر چلیں گے۔" اس نے کہا۔

اور اس نے خاموشی سے گاڑی اس سڑک پر ڈال دی جو آفریدی صاحب کے گھر کو جاتی تھی۔

فرخندہ نے خاموشی اختیار کی تو ایک بار پھر اس کا دھیان شاپر میں بند پرفیوم کی اس بوتل کی طرف چلا گیا جو استعمال کرنے والے کے حوالے سے ناواقف تھی۔ اس نے اس کی خواہش اور اپنی محبت کے احساس کو چھوڑنے کے لئے، پانے کے لئے اسے خریدا تھا۔ حالانکہ وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ کب اور کہاں ملے گی۔ پھر اتنا یقین تھا کہ وہ ضرور ملے گی۔ اس کے دل کی تڑپ ڈھونڈ لے گی اسے۔

"کرم داد....." فرخندہ کی آواز نے اس کے چاروں طرف چھایا جمود توڑا۔

"جی.....جی....."

"کچھ خریدنا تھا تو بتاتے۔" فرخندہ کا اشارہ اس شاپر کی طرف تھا جسے بے خیالی میں وہ بار بار چھو رہا تھا۔

"شکریہ..... کچھ خاص نہیں خریدنا تھا۔" وہ ٹال گیا۔

"پھر بھی مجھے کہنا ضرور تھا۔"

"بس ایک پرفیوم خریدنے کے لئے آپ کو کیا کہتا۔ مجھے خود نہیں معلوم کیوں اور کیسے خرید لیا؟" وہ بولا۔ فرخندہ کو تعجب ہوا۔

"یہ کیا بات ہوئی؟"

"بس بات کے چکر میں نہ ہی پڑیں تو بہتر ہے۔ کانچ کی بوتل آنکھوں کو اچھی لگی، خرید لی کہ شاید اس کی مہک اس احساس کو کھینچ لائے جو میری دسترس سے دور ہے۔" وہ اچھا خاصا فلسفہ بول گیا۔

فرخندہ نے کندھے اچکانے پر ہی اکتفا کیا۔ ویسے بھی گاڑی اس نے اس سڑک پر موڑ لی تھی جس پر آفریدی صاحب کی کوٹھی تھی۔

○❖○

"میری سمجھ میں یہ نہیں آ رہا کہ تمہیں میرے لائے ہوئے تحفے پر انکار ہے یا لانے پر۔" ذکاء نے براہ راست اس کی شبنمی پلکوں کے اس پار جھانکا۔ اس نے جھٹ پلکوں کی جھالریں گرا کر چہرہ جھکا لیا۔

"ہاں بولو، بولو..... میں جواب سننا چاہتا ہوں۔" اس کی خاموشی پر وہ بولا۔

"بھائی! کیوں بھینس کے آگے بین بجا رہے ہیں..... یہ نہیں لینا چاہتی تو آپ مجھے دے دیں۔ ویسے بھی یہ پرفیوم میری کمزوری ہے۔" حرا نے واش روم سے نکلتے ہوئے کہا۔ ذکاء نے گھور کر دیکھا اور پرفیوم کومل کی گود میں رکھ دیا۔ وہ کچھ دیر اسے گھورتی رہی اور پھر بیڈ پر پرے دھکیل دیا۔ رخسار

دہک گئے۔ حرا ہنستے ہنستے سنجیدہ ہو گئی۔ ذکاء بھی خاموش کھڑا رہا۔

"کیا بات ہے کومل ڈیئر؟" حرا نے پیار سے پوچھا۔

"کچھ نہیں..... بس اب مجھے ان چیزوں کی کوئی طلب نہیں۔ یہ سب بے کار ہیں۔" اس نے سسکتے ہوئے کہا اور حرا کی گود میں منہ چھپا لیا۔

"اب سے کیا مراد ہے؟" ذکاء نے پوچھا۔

"بس کچھ بھی سمجھ لیں مگر مجھے یہ نہیں چاہئے..... نہیں چاہئے..... مجھے نفرت ہے خوشبو سے۔" وہ زور سے ہذیانی انداز میں چلانے لگی۔ وہ دونوں پریشان ہو گئے۔

"اچھا ٹھیک ہے، نہ لو..... بھائی کچھ اور لا دیں گے۔" حرا نے نرمی سے کہا۔

"مجھے کچھ بھی نہیں چاہئے۔ میری کوئی خواہش نہیں، کسی شے کی ضرورت نہیں۔" اس نے روتے روتے ٹھہر کر کہا۔

"او کے..... لیکن وجہ بتانی ہو گی۔" ذکاء نے ذرا سختی سے اس کا چہرہ ہاتھ سے اوپر اٹھاتے ہوئے کہا۔ وہ سہم گئی۔

"بھائی! ایسے نہیں، کومل کو ہمارے پیار اور اعتبار کی ضرورت ہے۔" حرا نے ذکاء کا ہاتھ ہٹایا۔

"پیار اور اعتبار کے قابل تو یہ ہمیں نہیں سمجھتی۔" ذکاء کی آنکھوں میں ڈھیر سارے شکوے اُمڈ آئے۔

"وقت لگتا ہے ان سب باتوں کے لئے..... آپ فی الحال ہمیں باہر لے کر چلیں۔ چائنیز لے کر چلیں، سوپ پینے کا موڈ ہو رہا ہے۔ واپسی پر کومل کو اس کی پسند کا تحفہ دلوائیں گے۔" حرا نے خوشگوار موڈ میں کہا۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں، چلو۔" ذکاء تو دل و جان سے اس کی خوشی اور مسرت چاہتا تھا۔

"نہیں..... آج نہیں۔" اس نے ایک بار پھر معذرت کر لی۔ ذکاء کا موڈ آف ہو گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا گاڑی کے ہارن پر دھیان بٹا۔ کھڑکی سے باہر دیکھا اور بولا۔

"حرا، چلو فرخندہ آنٹی آئی ہیں۔ جا کر اٹینڈ کرو، میں ان کا دماغ درست کرتا ہوں۔"

"او کے..... مگر پیار سے۔" حرا بھائی کے سخت موڈ سے واقف تھی اس لئے کان میں سرگوشی کر گئی۔ اس کے جاتے ہی وہ ذرا سنبھل کر بیٹھ گئی۔ کیونکہ وہ بیڈ کے بالکل قریب کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا تھا۔

"کومل! ہم پر اعتبار کرو، ہم تمہارا بھلا چاہنے والے ہیں۔ اپنا دکھ، پریشانی سب بیان کر دو۔" اس نے نرمی سے کہا۔

"ذکاء بھائی مجھے کوئی پریشانی نہیں ہے۔"

"اوہ..... ایک تو ذکاء کے ساتھ بھائی لگانا بہت ضروری سمجھتی ہو۔" اس نے اس طریقے سے کہا

کہ وہ ہنس پڑی۔

"ویری گڈ...... ہنستے مسکراتے چہرے پیارے لگتے ہیں۔"

"آپ باتیں ایسی کرتے ہیں کہ انسان کو ہنسی آجائے۔" اس نے جواب دیا۔

"اچھا اب ایسے کرو یہ تحفہ قبول کرلو...... میں نے بہت پیار سے خریدا ہے۔" وہ بہت دھیرے سے بولا۔ وہ ایک بار پھر اداس ہوگئی۔

"نہیں...... مجھے خوشبو نے بہت دھوکے دیئے ہیں، میں مزید کسی دھوکے میں نہیں آنا چاہتی۔"

"اٹس اوکے...... میں کچھ اور لاؤں گا۔ وہ تو لے لوگی؟" اس نے پرفیوم کی بوتل اٹھالی۔

"ہاں۔" مجبوراً اسے کہنا پڑا۔

"اچھا اب آرام کرو۔ میں ذرا فرخندہ آنٹی کو اٹینڈ کرلوں۔"

"جی بہتر۔"

"آنا چاہو تو آجاؤ، مل لو۔ بوا نے بہت مزے کے سموسے بنائے ہیں۔ یقیناً فرخندہ آنٹی کے لئے تلے ہوں گے۔" وہ بولا تو اس نے پھر بھی مسکرا کر نفی میں گردن ہلا دی کیونکہ اس وقت اس کا دل کسی چیز کو نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ مہمانوں کے سامنے اداس چہرہ لے کر جانا نہیں چاہتی تھی۔ اسی لئے اس کے جاتے ہی چادر تان کر سوگئی۔

○❖○

"بھئی ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ منگنی کی بجائے شادی کردی جائے۔ ہوم نے ساری تیاری مکمل کر کے رکھی ہوئی ہے۔" بوا نے سیدھے سادے طریقے سے اپنی بات آفریدی صاحب پر واضح کردی۔

"کیا...... کیا کہہ رہی ہیں بوا! کیا آپ مجھ سے اتنی تنگ ہیں؟" حرا چلائی۔ آفریدی صاحب چائے کی چسکی کے درمیان مسکرائے۔ ذکاء اور کومل بھی مسکرانے لگے۔

"تنگ ونگ نہیں ہوتے بیٹیوں سے۔ بس انہیں رخصت کر کے فرض پورا کرتے ہیں۔" بوا نے جواب دیا۔

"مگر میں اتنی جلدی شادی نہیں کروں گی۔ بابا دیکھ رہے ہیں آپ؟" حرا نے شکایتی انداز میں باپ سے کہا۔

"اس میں حرج ہی کیا ہے، اس گھر سے رخصت ہوکر اپنے گھر ہی تو جانا ہے۔ بوا نے سب تیاری کررکھی ہے۔" آفریدی صاحب نے بھی اسے ستانے کو بوا کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"اور میری تعلیم......؟" وہ چیخی۔

"ارے چھوڑو تعلیم ولیم۔ انہوں نے کون سے نوکری کروانی ہے۔ بانس کی طرح بڑھ رہی ہو، جا کر چولہا چوکا سنبھالو۔" ذکاء نے بوا کی طرح آواز بنا کر کہا۔

"بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے ذکاء۔ بہت پڑھ لیا۔" بوا نے ذکاء کی طرف داری کو فوراً مستند قرار دے

"ہرگز نہیں......" وہ پاؤں پٹختی ہوئی باہر چلی گئی۔

"دیکھ رہے ہو خودسری۔" بوا بگڑیں۔

"چھوڑیں بوا، بچی ہے۔ ویسے کچھ دن کی تعلیم رہ گئی ہے۔ فی الحال منگنی کی رسم کرلیں۔ ویسے میں ہی منگنی کے حق میں نہیں، میں نے انجم کو سمجھایا تھا کہ کیا منگنی ونگنی کرنی۔ مگر وہ کہتا ہے بچوں کی خوشی ہے کر لینے دو۔ اس لئے حامی بھر لی۔ بس سادہ سی تقریب ہوگی۔"

"تو شادی کر دیتے ہیں...... سب کچھ تیار ہے۔ چند چیزیں خریدنی پڑیں گی۔" بوا نے کہا۔

"ارے اچھی بوا، آپ کا احسان ہے کہ آپ نے حرا کو بیٹی کی طرح پالا، خیال رکھا، اس کے پیدا ہوتے ہی اس کی فکر میں مگن ہوگئیں۔ میں جانتا ہوں کہ آپ نے حرا کے لئے کیا کچھ بنا رکھا ہوگا...... گر یہ تو آپ بھی چاہیں گی کہ دنیاوی ملبوسات اور زیورات کے ساتھ ساتھ اس کے پاس اصل زیور ینی زیور تعلیم بھی ہو۔" آفریدی صاحب نے اپنے مخصوص نرم لہجے میں اتنی مٹھاس بوا کے دل میں تاری کہ وہ بلائیں لینے لگیں۔

"جیتے رہو۔" بوا نے مسکرا کر کہا۔

"شکریہ...... اب آپ دوسری بیٹی کی بھی فکر کریں۔ یہ آپ کے سامنے جو بیٹی ہے اس کے لئے اس سے زیادہ تیاری کریں۔" آفریدی صاحب نے کومل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ سن کر لابی پڑنے کی بجائے پریشان ہوگئی۔ چہرے پر فکر کے سائے کانپنے لگے۔ بے اختیار ہی انگلیاں روڑنے لگی۔ قریب صوفے پر بیٹھے ذکاء نے بغور اس کا جائزہ لیا۔ جس موقع پر لڑکیاں بیر بہوٹی بن جاتی ہیں اس موقع پر یہ زرد پڑگئی۔ پریشان ہوگئی۔ مگر کیوں؟ اس نے سوچا۔

"کومل بیٹا! ہمارے پاس آؤ۔" آفریدی صاحب نے پکارا تو وہ ان کے قریب پہنچ گئی جب کہ وہ ذرا سا سوچتا ہی رہا۔

"جی بابا......" اس نے کہا۔

"کومل! جیسے چاہو منگنی کی تیاری کرو۔ سب تمہاری مرضی سے ہوگا۔" انہوں نے کہا تو اس نے مسکرا کر اثبات میں گردن ہلادی۔

"فرخندہ اور انجم سے تاریخ تو طے کرلو۔" بوا نے یاد دلایا۔

"وہ کہہ رہے تھے کہ سوچ کر فون پر بتا دیں گے یا کسی کے ہاتھ لکھ کر بھیج دیں گے۔"

"چلو جیسی تمہاری مرضی۔ بس کچھ ضروری چیزیں خریدنی ہیں، تاریخ طے کرنے سے پہلے ہم سے پوچھ لینا۔" بوا نے کہا۔

"اس میں پریشانی کیسی...... آپ آج ہی ذکاء کے ساتھ جائیں اور جو خریدنا چاہیں خرید لائیں بلکہ کومل کو بھی ساتھ لے جائیں۔"

''نہ بابا، ذکاء کے ساتھ تو ہم ہرگز نہیں جائیں گے، گاڑی چلاتا نہیں ہے اڑاتا ہے۔ بس تم جس دن فارغ ہو بتا دینا یا پھر ذکاء اور حرا کو لکھوا دیں گے وہ خود خرید لائیں گے۔ کیونکہ کومل تو خود ہمارے جیسی ہے۔ ذکاء اس کی بھی ایک نہیں چلنے دے گا۔''

ذکاء نے بوا کو گھورا۔

''ارے نہیں بوا! آپ بلاوجہ اس پر اعتماد نہیں کر رہیں..... یہ اتنا بھی غیر ذمے دار نہیں۔ کیوں کومل بیٹا.....'' بابا نے کومل کی طرف تائید حاصل کرنے کے انداز میں دیکھا۔

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں بابا۔'' اس نے گویا سند دے دی۔ ذکاء مسکرا دیا۔

''تو بس پھر طے ہو گیا کہ بوا آپ کو جو کچھ چاہئے وہ ہماری بیٹی کومل جا کر لائے گی۔ اس طرح ہماری بیٹی میں بھی خود اعتمادی آئے گی۔'' بابا نے فیصلہ کن انداز میں کہا تو اس نے آہستہ سے اثبات میں گردن ہلا دی۔ ذکاء کے لبوں پر گہرا تبسم پھیل گیا۔

○❖○

اس وقت شام ڈھل رہی تھی۔ سورج نے دن بھر کی مسافت کے بعد تھکن سے چور بدن کو آرام دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ دھیرے دھیرے چاند ستارے مسکرانے کے عمل سے گزرنے والے تھے۔ وہ پھر ایک بار اسی گلی میں کھڑا تھا جہاں اپنی پُر امید محبت کو چھوڑ کر گیا تھا۔ شہر کی سڑکوں پر شام ہوتے ہی وہ اس کی تلاش میں بھٹکنے لگتا تھا۔ کبھی اسٹیشن، کبھی پارک، کبھی ہسپتال، کبھی پُر رونق جگہوں اور بازاروں میں وہ اسے ڈھونڈتا تھا، تلاش کرتا تھا۔ اس کی تلاش میں کمی نہیں آئی تھی۔ اس کی تڑپ میں کوئی کمی نہیں ہوئی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ وہ ضرور ملے گی۔ یہی امید اسے پھر اسی گلی، اسی چوکھٹ پر لے آئی۔ تیسری دستک پر دروازہ کھولنے والی بھی وہی اداس صورت تھی۔ اسے دیکھتے ہی اس سے بھی زیادہ بے قرار ہو کر بولی۔

''صاحب، آپ..... کیا میری گڑیا مل گئی؟''

''ضرور مل جائے گی۔ انشاء اللہ۔'' صفیہ کی بے قراری کے سامنے اس کی بے تابی کم پڑ گئی۔ اندازہ ہو گیا کہ وہ ابھی تک لاپتہ ہے۔ وہ بھی اس کی طرح اس کی منتظر ہیں..... مضطرب ہیں۔

''آپ نے اسے تلاش کیا؟'' صفیہ نے پوچھا۔

''یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ زندگی تو سب کو چاہئے۔'' اس نے دل گرفتہ ہو کر جواب دیا۔

''آپ اندر تو آئیں۔'' صفیہ کو احساس ہوا کہ اس نے ابھی تک باہر کھڑا کر رکھا تھا۔

''جی..... بس چلتا ہوں۔ میں تو اس خیال سے آ گیا کہ شاید وہ آ گئی ہو۔''

''یہاں تو اس کا نہ آنا ہی بہتر ہے۔ غضنفر شکاری کتوں کی طرح بُو سونگھتا پھر رہا ہے۔ وہ کئی بار آپ کی کوٹھی بھی جا چکا ہے۔ اس نے ضد پکڑ لی ہے کہ گڑیا پر اس کا حق ہے۔'' صفیہ نے کہا تو غصے سے اس کی کنپٹیوں کی رگیں تن گئیں۔ انگ انگ سلگ اٹھا۔ دل چاہا کہ اس بدبخت شخص کا منہ نوچ لے۔ مگر

حوصلے سے کام لے کر ایک لمبی سی سرد آہ فضا میں بکھیر دی۔

''اگر وہ کوٹھی آ جائے تو.....''

''صفیہ بہن اب اس کوٹھی سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔ یہ بات میں نے پہلے بھی بتائی تھی بلکہ آپ کو ٹورنٹو کا پتہ دیا تھا۔ جس چکا چوند نے میری زندگی مجھ سے دور کر دی میں اس جہاں کو چھوڑ چکا ہوں۔ اگر آپ کو گڑیا کے بارے میں علم ہو تو مجھے اسی پتے پر اطلاع دے دیجئے گا۔'' اس نے کہا اور واپسی کے لئے قدم اٹھائے۔

''میرا دل کہتا ہے کہ میری گڑیا ضرور ملے گی۔ آپ فکر نہ کریں۔''

''انشاء اللہ..... وہ ضرور ملے گی۔ بلکہ اسے ملنا ہی ہوگا۔'' اس نے صفیہ کے کہنے پر پلٹ کر پُر زور انداز میں جواب دیا اور تیز قدموں سے گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

زندگی بھی عجیب و غریب طریقے سے امتحان لیتی ہے۔ دل میں بسنے والے پلکوں سے دور ہو جاتے ہیں۔ پلکوں سے دور ہوں تو کبھی پتہ چلانا مشکل ہو جاتا ہے کہ دور ہونے والا کتنی دور ہے؟ کتنا فاصلہ ہے درمیان میں۔ یوں بھی ہوتا ہے کہ وہ بہت قریب ہی کہیں تڑپ رہا ہوتا ہے۔ مگر مل نہیں پاتا۔ یہی آنکھ مچولی شاید زندگی ہے۔ وہ جس کی تلاش میں بھٹک رہا تھا وہ اس سے کچھ زیادہ دور تو نہیں تھی، مگر پھر بھی دور تھی، اجنبی تھی۔

''کہاں ہو تم..... کہیں تو مل جاؤ، کہیں تو دکھائی دو۔'' کار چلاتے ہوئے اس نے دھیرے سے اسے مخاطب کیا مگر جواب میں کوئی آواز سنائی نہیں دی۔ سنائی بھی کیسے دیتی۔ اتنے بڑے ہنگامہ پرور شہر میں کسی کی تلاش سعی لاحاصل کے سوا کچھ نہیں۔ مگر اس کا دل مانتا ہی نہیں تھا کہ وہ اسے نہیں ملے گی۔ اسے یقین کامل تھا کہ وہ یہیں کہیں ایک روز کسی ایک لمحے اس کے قریب آ جائے گی، اس کے سامنے ہوگی۔ جب وہ سامنے ہوگی تو اسے آنکھوں میں قید کر کے آنکھیں سختی سے بند کر لوں گا تاکہ پھر کہیں وہ آنکھوں سے اوجھل نہ ہو جائے۔

○❖○

''اپنے لئے بھی کچھ لے لو۔'' جیولر شاپ میں چاروں طرف سجے دلکش زیورات پر نظر ڈالتے ہوئے ذکاء نے اس سے کہا۔ وہ جو مردانہ انگوٹھی پسند کر رہی تھی، نفی میں گردن ہلا کر رہ گئی۔

''میری پسند سے میری طرف سے ایک انگوٹھی ہی لے لو۔'' ذکاء نے پھر سرگوشی کی۔

سیلز مین نے اس کی سرگوشی سن کر فوراً اپنی رائے دینا ضروری سمجھی۔ ''کتنے اچھے شوہر ہیں..... جو گفٹ خریدنے کو کہہ رہے ہیں۔ ورنہ تو بیویاں کہہ رہی ہوتی ہیں اور شوہر جان بچا رہے ہوتے ہیں۔''

کومل شرمندہ سی ہو گئی۔ یہ اس نے کیا کہہ دیا..... دل زور زور سے پھڑ پھڑانے لگا۔ یکبارگی ذکاء کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں میں تمناؤں کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ لبوں پر شریر سی مسکان تھی۔ وہ اس لمحے حسین سے حسین تر دکھائی دے رہا تھا۔ شاید یہ بات اسے اچھی لگی تھی۔ اس نے قطعاً

برا نہیں منایا تھا۔

"ذکاء بھائی! یہ انگوٹھی لے لیں۔" ایک دم ہی اس نے سارا سحر توڑ دیا۔ ذکاء بھائی پکارنے سے سیلز مین پر حقیقت آشکار ہوگئی۔ وہ خجل سا ہوگیا۔ جب کہ ذکاء صرف اسے گھور کر رہ گیا۔

"یہ انگوٹھی دے دیں۔" اس نے ذکاء کی بات سنے بغیر ہاتھ میں پکڑی انگوٹھی سیلز مین کی طرف بڑھادی۔ چند ہی منٹوں میں سیلز مین نے انگوٹھی کا بل بنا کر اسے پکڑا دیا۔ ذکاء نے اگلے ہی لمحے لمبے لمبے ڈگ بھرے اور شاپ سے باہر نکل آیا۔ جب وہ باہر پہنچی تو وہ گاڑی میں بیٹھا تھا۔ وہ بھی آہستہ سے دروازہ کھول کر اس کے برابر اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

"کیا ہو جاتا اگر تم میرا دل رکھ لیتیں۔" گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے وہ ذرا سے سخت لہجے میں بولا۔

"دل رکھ کر سنبھالنے کا طریقہ نہیں جانتی، پھر کیوں قیمتی چیز کی ذمے داری لوں؟" ایک ہی جملے میں معنی اور مفہوم کا جہاں تھا جو ذکاء کو بری طرح جھنجھوڑ گیا۔ گاڑی جھٹکے سے سڑک پر رک گئی اور وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔

"کومل! اتنی بڑی اور گہری بات بغیر کسی تجربے کے تم نہیں کہہ سکتیں۔ بولو کس کا قیمتی دل سنبھالے ہوئے کوتاہی ہوئی؟"

"دل قیمتی ہوتا ہے۔ یہ تو بعد میں پتہ چلا، وقت گزر چکا تھا۔" اس نے آہستہ سے کہا اور آنکھیں موند کر سر سیٹ کی پشت سے لگا لیا۔ ذکاء نے پُرملول ہو کر گاڑی دوبارہ اسٹارٹ کی۔

"کومل! کامیاب وہ ہوتا ہے جو دور کی چیزوں کی بجائے قریب کی چیزیں دیکھے۔ کیونکہ بعض اوقات جو ہم دور کہیں تلاش کر رہے ہوتے ہیں وہ بہت قریب ہوتا ہے۔ صرف دیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"وہ ایک زمانہ تھا، جب قریب کی چیزیں اچھی اور چمکدار لگتی تھیں۔ دور سے نظر آنے والی ہر چیز بری اور دھندلی لگتی تھی۔ مگر قریب نے اتنا فریب دیا کہ اب کچھ بھی اچھا نہیں لگتا..... بس شرمندگی سے جئے جا رہی ہوں۔" آنکھیں موندے موندے اس نے نم آلود لہجے میں کہا۔ بند آنکھوں سے آنسو گرے اور ذکاء کے رومال میں جذب ہوگئے۔ آنکھیں کھولے وہ حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے وہ رومال جیب میں رکھ لیا تھا اور مسکراتے ہوئے مزے سے گاڑی چلانے لگا۔

جب کہ اس کے ذہن میں یادوں کے جھکڑ چل رہے تھے۔ جو نقش ہزار کوششوں سے دھندلا گئے تھے وہ پھر صاف اور واضح ہوگئے تھے۔ محبت کا شدید احساس دل کو مسل رہا تھا..... نجانے کہاں رہ گیا..... کس کو خبر پھر ملنا ہو کہ نہیں۔

"کومل..... آؤ تمہیں سُوپ پلاتا ہوں۔" ذکاء نے گاڑی روکی۔ اس کا جواب سنے بغیر دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ اسے بھی مجبوراً اترنا پڑا۔ براؤن کلر کے کھڈی سلک کے سوٹ میں روئی روئی وہ

حد درجہ حسین لگ رہی تھی۔ ذکاء کے دل کے مضبوط دروازے زلزلے کی زد میں تھے۔ نظریں چراتے ہوئے آگے آگے چل دیا۔ ایسے موقعوں پر وہ دل ہی دل میں اللہ سے ضبط اور صبر مانگا کرتا تھا تب جا کر ہی دل قابو میں آتا تھا۔

○❖○

"دیکھو اب میں فون بند کر رہی ہوں..... مجھے دیر ہو رہی ہے۔"

"مرا، پلیز میں ابھی فون نہیں بند کر سکتا۔ میرا دل قرار میں آجائے تو کہہ دوں گا۔" جواد نے شوخی سے کہا۔

"آپ کے دل کا کیا ہے؟ میں یونیورسٹی سے لیٹ ہو جاؤں گی۔ ٹھیک تین بجے تقریب شروع ہو جائے گی۔ کمپیئرنگ میرے ذمے ہے۔" اس نے تفصیل بیان کی۔ دراصل آج اس کے ڈیپارٹمنٹ کا سالانہ فنکشن تھا۔

"میرا دل دراصل میرے پاس رہتا ہی نہیں۔" جواد کھویا کھویا سا بولا۔

"اوہ گاڈ! اچھا بھلا انسان یوں احمقانہ باتیں کرنے لگے تو آدمی کیا کرے۔" وہ سر پیٹ کر رہ گئی۔

"صرف اس آدمی کا کہا مانے۔"

"پلیز..... اب تو فون بند کرنے دو۔ تین دن کے بعد تو ہماری منگنی ہے۔"

"تین دن کس کافر سے انتظار ہوگا۔"

"میں آج رات میں فون کر لوں گی۔" اس نے ٹالنے کو کہا۔

"ہرگز نہیں، بات ابھی اور اسی وقت ہوگی۔"

"جواد تم اس قدر ضدی کیوں ہو؟" وہ جھنجلا گئی۔

"کمال ہے..... میرے پیار کو تم ضد کہہ رہی ہو..... پاگل لڑکیاں تو ایسی باتیں سننا چاہتی ہیں۔ تم والیوں کو ہم جیسا ملتا ہے۔"

"چلو مان لیا۔ اب فون بند کر دوں؟" اس نے اسی میں عافیت جانی۔

"دیکھو صرف چند منٹ۔ اچھی اچھی، پیاری پیاری باتیں کرو، پھر فون بند کرنے کے بارے میں سوچا جا سکتا ہے۔"

"اچھا بولو۔" وہ لمبی سانس بھر کر بولی۔

"شاباش۔"

"اب بولو کیا کہنا ہے؟"

"میں نے منگنی والے دن تمہیں جس لباس میں سوچا ہے، دیکھا ہے، وہی ممی سے کہہ کر بنوایا ہے۔ اب تم فقط اتنا کرنا کہ اپنے آپ کو سجانے کے لئے میرے حسین احساس کو ساتھ رکھنا، جناب کا

حُسن دوچند ہو جائے گا۔ اس طرح سجنا سنورنا کہ میرے دل کے سب جذبے جاگ اٹھیں۔"

"بس، بس، بس....." اس نے شرارت سے اس کے لہجے کا فسوں توڑ دیا۔

"حرا! جسٹ شٹ اپ۔ میرے جذبوں کی تذلیل مت کرو۔ تمہیں اسی طرح تیار ہونا ہے جیسا میں نے کہا ہے۔" اس نے پیار سے ڈانٹا۔

"اچھا بابا، بس اب فون بند کر دوں؟"

"یہ تین دن کا انتظار کتنا مشکل ہے۔"

"جواد! مجھے تم سے خوف آنے لگا ہے۔ تمہارا اتنا چاہنا میرے لئے پریشان کن ہے۔"

"تم تو اس سے بھی زیادہ چاہے جانے کے قابل ہو..... تمہیں کیا معلوم کہ تم کیا ہو؟" وہ مخمور سا ہو گیا۔

"بس، بس..... کسی شاعر نے تمہارے جیسے انسان کے لئے کہا ہے کہ.....

عزیز اتنا ہی رکھو کہ جی بہل جائے
اب اس قدر بھی نہ چاہو کہ دم نکل جائے

"معلوم ہے، یہ روک ٹوک جذباتیت میں اور زیادہ ہلچل پیدا کرتی ہے۔"

"جواد، جواد اللہ کے واسطے اب بس کرو۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔" وہ چلا پڑی۔

"او کے، او کے..... لیکن رات کو پھر فون پر بات ہو گی۔"

"او کے، بائے بائے۔" اس نے جان چھڑانے کو جلدی سے حامی بھر لی۔

"بائے۔" وہ ہنس کر بولا۔

اس نے جلدی سے فون رکھ کر سر تھام لیا۔ "اُف توبہ، یہ کس مجنوں سے پالا پڑ گیا۔" وہ بڑبڑائی۔

"حرا..... حرا! تیار ہو۔" باہر سے ذکاء کی آواز آئی۔ اس نے یونیورسٹی ذکاء کے ساتھ ہی جانا تھا۔ کومل اور ذکاء شاپنگ کر کے لوٹے تھے۔

"حرا باجی جلدی سے جائیں۔" کومل نے آ کر اطلاع دی۔

"ابھی بس ایک منٹ۔" وہ چٹکی بجا کر اپنے کمرے کی طرف بھاگی۔

سارا وقت تو جواد نے ہضم کر لیا تھا۔ صرف کپڑے ہی چینج کئے تھے، باقی ساری تیاری تو ویسی کی ویسی پڑی تھی۔

○❖○

"بوا! حرا باجی اور جواد بھائی کی جوڑی کتنی پیاری لگے گی۔" بوا کی گود میں سر رکھے وہ بولی۔

"ہاں، ماشاء اللہ چاند سورج کی جوڑی لگے گی۔ اللہ خوش آباد رکھے۔" بوا کے چہرے پر ممتا کی چاندنی پھیل گئی۔

"جواد بھائی منگنی کے فوراً بعد شادی کی جلدی کریں گے۔"

"ارے بیٹی! لڑکیاں تو مہمان ہی ہوتی ہیں..... جانا نہ بھی چاہیں تب بھی لے جانے والے لے ہی جاتے ہیں۔ جلدی یا بدیر بیٹیوں کو بھیجنا ہی پڑتا ہے۔" بوا کی پلکیں بھیگ گئیں۔

"ہمارا گھر ویران ہو جائے گا۔" وہ بھی اداس ہو گئی۔

"گھر ویران کیوں ہو گا..... ہماری دوسری بیٹی ہمارے پاس ہے، ہمارا بیٹا ہمارے پاس ہے..... تم دونوں کے ہوتے ہوئے گھر ویران کیسے ہو سکتا ہے؟" بوا نے پیار سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیریں تو وہ رنجیدہ ہو گئی۔ جس بات کے بارے میں وہ خود نہیں جانتی تھی کہ وہ یہاں کب تک ہے، کب جانا ہو گا؟ اس کے متعلق بوا کتنے وثوق سے کہہ رہی تھیں۔ شاید اس گھر کے سارے مکین ہی اس کے بارے میں ایسا سوچتے تھے۔ کتنا چاہتے ہیں سب اسے۔ کوئی اپنا بھی کسی کو نہیں چاہتا۔

"ارے کیا سوچنے لگیں؟" بوا نے اس کا شانہ ہلایا۔

"آں، ہاں..... کچھ نہیں۔ سوچ رہی تھی کہ آپ سب کتنے اچھے ہیں۔ مجھے یہ بھی احساس نہیں ہوتا کہ میں آپ کی کچھ نہیں ہوں، اجنبی ہوں، غیر ہوں۔"

"ہش، چپ۔ کیسی باتیں کرتی ہو۔ آفریدی نے سن لیں تو ناراض ہو گا۔ اتنے دن سے ہمارے ساتھ کبھی محسوس ہوا کہ تم اجنبی ہو، غیر ہو۔ تم حرا اور ذکاء سے بڑھ کر ہو۔" بوا نے ڈپٹ کر کہا۔

"اور ایک دن تو آئے گا جب مجھے یہاں سے جانا ہے اپنی شناخت کی طرف۔" اس نے افسردگی سے کہا۔

"تب دیکھا جائے گا۔ ورنہ تمہیں یہاں سے کہیں نہیں جانا۔" بوا نے تسلی دی۔ مگر دل ہی دل میں وہ بھی اداس ہو گئیں۔

"بوا ضرور میرے امی ابا نے کوئی نیک کام کیا ہو گا جس کے صلے میں ان کی بدنصیب اس بیٹی کو آپ سب لوگ ملے ورنہ میرا انجام بہت بھیانک ہوتا۔"

"اللہ بہت کارساز ہے..... وہ سب کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ تمہارے جیسی پیاری بیٹی کی حفاظت اس کا ذمہ ہے، اس نے تمہیں ہمارے پاس پہنچا دیا۔" بوا نے اس کی پیشانی چوم لی۔

"حالانکہ میں بہت بری ہوں..... میں نے کوئی اچھا کام نہیں کیا، سب کو ناراض ہی رکھا، کسی کو خوش نہیں کیا۔ جس نے پیار سے پکارا اس کو غلط سمجھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ تنہا ہوں، حرماں نصیب ہوں، اکیلی ہوں۔" وہ دکھ سے بولی۔

"اللہ نہ کرے تمہیں تنہا۔ ہم سب تمہارے پاس ہیں۔"

"ہاں بوا، آپ سب کا پیار ہی میرے پاس ہے اور باقی تو یادیں ہیں۔"

"اچھا دل چھوٹا نہیں کرتے۔ اللہ سب بہتری کر دے گا۔ وہ تمہارے اپنے بھی ملائے گا۔ ہم خود غرض نہیں ہیں کہ تمہارے اپنوں کی دعا نہ کریں۔ وہ سب بھی تمہیں ملیں گے۔" بوا نے اسے سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔ اس کے اندر تک ٹھنڈک پڑ گئی۔ ورنہ چند لمحے پہلے وہ بہت رنجیدہ تھی، دکھی تھی۔

اپنوں کے ذکر نے بہت کچھ یاد دلا دیا تھا۔

○❖○

رات کے دس بج رہے تھے کہ ٹیلی فون چلانے لگا۔

حرا نے جھنجوڑ کر کومل کو فون سننے کے لئے کہا۔ یونیورسٹی سے واپسی پر بری طرح تھکی ہوئی تھی اور یقین تھا کہ جواد کا فون ہے۔

''ہیلو.....'' کومل نے ریسیور اٹھا کر کہا۔

''ہیلو مائی ڈیئر.....'' دوسری طرف رضا علی کی آواز تھی۔ وہ سناٹے میں آ گئی۔ قریب ہی حرا لیٹی تھی۔ یہ الگ بات تھی کہ وہ سو چکی تھی مگر پھر بھی کیا معلوم کہ وہ جاگ جائے اور کچھ سن لے۔

''کیا ہو گیا گڑیا ڈیئر!'' رضا علی کے انداز سے خباثت ظاہر تھی۔

''آپ کیوں ایسا سب کر رہے ہیں؟'' دھیرے سے وہ بولی۔

''کیا سب؟ جو تم کر رہی ہو، اتنے شریف لوگوں کو دھوکا دے رہی ہو، ان سے اپنی اصلیت چھپا رکھی ہے اور اپنے بہنوئی غفور سے چھپ کر بیٹھی ہو اور چھوٹے صاحب سے تمہارے کیا مراسم تھے؟ کیا وہ سب ان شریف لوگوں کو بتا دیا تم نے؟'' اس نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر کہا۔ وہ سر سے پیر تک تھر تھر کانپنے لگی۔ چہرہ زرد پڑ گیا۔

''یہ آپ رضا صاحب! کیا کہہ رہے ہیں؟'' رندھے ہوئے لہجے میں منت شامل تھی۔

''وہی جو سچ ہے۔ اور یہ سچ اس وقت تک چھپا رہے گا جب تک تم چاہو۔ یعنی میری زبان بند رکھنے کے لئے تمہیں میرے پاس آنا ہوگا۔'' وہ بے رحمی سے بولا۔

''جی..... آپ کے پاس.....؟''

''جی ہاں..... میرے پاس، کل ٹھیک شام چھ بجے۔ اسی بیوٹی پارلر میں جہاں سے تیار ہوتی ہو۔''

''یہ..... کیا..... کیسے.....؟'' وہ تقریباً رو پڑی۔

''ویسے نئے چھوٹے صاحب بہت ہینڈسم ہیں، کافی اچھا ہاتھ مارا ہے۔ بے چارے تمہاری معصوم صورت پر فدا ہو گئے ہوں گے بالکل کرم داد کی طرح۔'' وہ ہنستے ہوئے بولا اور وہ چپ رہی۔ کہنے کو بچا ہی کیا تھا۔ لفظ تو حلق میں پھنس گئے تھے۔ زبان پتھر کی ہو گئی تھی۔ بس حرا کے کروٹ لینے پر آہستہ سے ریسیور رکھ دیا۔

دل تیزی سے دھڑک رہا تھا کہ وہ پھر فون ملائے گا مگر کافی دیر گزرنے کے باوجود اس نے فون نہیں کیا تو وہ سیدھی ہو کر لیٹ گئی۔ کمرے میں پھیلی مدھم روشنی میں بھی اس کے چہرے پر پھیلی دکھ اور پریشانی کی عبارت آسانی سے پڑھی جا سکتی تھی۔ ایک نئے دکھ اور نئی پریشانی سے سامنا تھا۔ لگتا تھا کہ زندگی کو سکون مل گیا..... مگر کہاں، زندگی تو ہمیشہ مسافت میں رہتی ہے۔ اس کی زندگی تو مسلسل سفر میں تھی۔ رسوائی اور بدنامی کے ڈر سے دل کانپ رہا تھا۔ اگر رضا صاحب نے یہ سب بابا کو، ذکاء کو، حرا کو

ان میں سے کسی کو بھی بتا دیا تو کیا عزت رہ جائے گی میری۔ کتنا اچھا سمجھتے ہیں یہ سب مجھے..... جب میرے بارے میں یہ سچا جھوٹ سنیں گے تو کس قدر نفرت کریں گے مجھ سے۔ ہاتھ پکڑ کر باہر نکال دیں گے۔ تھوکیں گے مجھ پر..... ان سب کا اچھائی پر سے اعتبار اٹھ جائے گا۔ نیکی کے لفظ سے دور بھاگیں گے..... اور میرا کیا مقام رہ جائے گا۔ کس کس کو بتاؤں گی کہ یہ جھوٹ ہے، میرے کردار پر شک مت کرو، میں غریب ضرور ہوں مگر بدکردار نہیں..... میں نے ہر چمکتی ہوئی چیز کو سونا ضرور سمجھا ہے مگر بکی نہیں ہوں۔ میرے اندر خواہشوں کی بے تاب دنیا ضرور آباد تھی مگر اب نہیں۔ میرا کرم داد سے میرا تھا..... میں نے اسے گنوایا تھا۔ اس نے مجھے پانے کی کوشش میں اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا۔ وہ تو میرا ہے..... جہاں بھی ہے، جیسا بھی ہے میرا ہے۔

''ہنہ، کیسے یقین دلاؤ گی کہ وہ تمہارا ہے جب تک وہ خود نہ کہے۔ اور خود وہ تمہاری دسترس سے کتنا دور ہے۔ ملنے کا بھی یقین موجود نہیں۔ یہاں سے نکل کر تمہاری زندگی کہاں گزرے گی، تمہیں تو یہ بھی معلوم نہیں..... تمہارے لئے فی الحال کچھ بھی یقینی اور واضح نہیں۔'' ذہن نے جھنجلا کر کہا۔ ''تو میں کیا کروں؟ کس سے کہوں؟ کیا رضا صاحب کی بات مان لوں..... وہ تو میری زندگی برباد کرنے پر تلے ہوئے ہیں، ان کے بتانے سے پہلے میں خود بتا دوں، پر نہیں..... میں کیسے بتاؤں؟'' زبان لرزنے لگی۔ ''پاگل! جو ہوتا ہے ہونے دے، پتہ تو چل ہی جائے گا..... تو کیوں ہلکان ہوتی ہے۔ بس اپنے اللہ سے دعا کرو۔ وہی کوئی سبب بنائے گا۔'' دل نے پیار سے تسلی دی اور اس کے دل میں ڈھیر سارا سکون اتر گیا۔ چاروں طرف اللہ اکبر، اللہ اکبر کی گونج سنائی دینے لگی۔ شدتِ جذبات سے مغلوب ہو کر بستر سے اٹھی اور واش روم میں گھس گئی۔ پھر کچھ ہی دیر بعد وہ اپنی تمام خطاؤں کی معافی میں مستغرق تھی۔ ہچکیاں لے رہی تھی۔ گڑگڑا رہی تھی۔ اس کا نازک سا وجود اللہ کے سامنے تھر تھر کانپ رہا تھا، لب لرز رہے تھے..... وہ اپنے حقیقی مالک کے دربار میں تھی۔

○❖○

''میرا خیال ہے بیگم صاحبہ اب آپ کی ساری تیاریاں مکمل ہو چکی ہوں گی۔'' انجم صاحب نے فرخندہ سے کہا۔

''نہ، ابھی کہاں؟'' وہ نجانے کس سوچ میں گم تھی، چونک کر بولی۔

''کیا مطلب؟'' انہیں حیرت سے جھٹکا لگا۔

''ڈیڈی! ابھی تو میری شاپنگ باقی ہے۔'' رخسار قریب بیٹھی پاپ کارن کھاتے ہوئے بولی۔

''حد ہو گئی..... رات دن ماں بیٹی مصروف ہیں اور ابھی تیاری باقی ہے۔''

''چھوٹی چھوٹی چیزیں اتنی زیادہ ہوتی ہیں کہ بس۔ آپ کی لاڈلی کو تو کوئی ڈریس پسند ہی نہیں آ رہا۔ وہ بے چارہ کرم داد گاڑی چلا چلا کر تھک گیا ہوگا۔'' فرخندہ نے کہا۔

''یہ تو بہت بری بات ہے، اس غریب کو پریشان اب مت کرو۔ جواد کے ساتھ آیا جایا کرو۔

ویسے بھی بس اب ختم کرو یہ شاپنگ واپنگ۔ آٹھ دس مہمانوں کی تقریب ہے اور تم لوگ روپیہ پانی کی طرح بہانے کے ساتھ ساتھ تھکن بھی خرید رہی ہو۔'' انجم صاحب نے کہا۔

''واہ ڈیڈی، یہ کیا بات ہوئی۔ میرے اکلوتے بھائی کی منگنی ہے۔ ایسے کیسے کپڑے پہن لوں؟'' رخسار چہکی۔

''او کے بابا، جو دل چاہے کرو۔ پر کرم داد کی جان چھوڑ دو۔''

''بات تو بتائیں کہ کرم داد کا مسئلہ کیا ہے؟'' فرخندہ ان کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔

''کیسا مسئلہ؟'' وہ چونکے۔

''بھئی عجیب وغریب شخصیت کا مالک ہے۔'' فرخندہ بولی۔

''کمال ہے..... ہر شریف آدمی تمہیں عجیب وغریب ہی کیوں لگتا ہے۔'' انجم صاحب حسب عادت ہنس کر بولے۔

''انجم، فار گاڈ سیک، ضروری نہیں ہے کہ ہر معاملے میں مجھے احمق سمجھو۔'' فرخندہ بگڑی۔

''چلو طے پایا کہ ہر معاملے میں نہیں لیکن کچھ معاملوں میں تمہیں احمق سمجھا جائے۔'' انہوں نے پھر چھیڑا۔

''اُف میرے خدا، آپ کبھی سنجیدہ ہو جایا کریں۔''

''لو، ہو گئے۔ اب بولو۔''

''بہت چپ، کھویا کھویا رہتا ہے۔ بات کرتے کرتے کہیں اور نکل جاتا ہے۔'' فرخندہ نے جو کچھ کرم داد کے ساتھ آ، جا کر محسوس کیا وہ انجم صاحب کو بتا دیا۔

''وہ بے چارہ ایک دکھی انسان ہے۔ اپنے دکھ میں دکھی رہتا ہے۔ تمہیں اس کے بارے میں اس قدر جاننے کی کیا ضرورت ہے؟'' انجم صاحب نے ٹال کر ریموٹ کے ذریعے ٹی وی آن کر لیا۔

''مگر پھر بھی۔'' فرخندہ عادت سے مجبور تھی۔ اصل بات جاننے کے لئے مصر رہی۔

''فرخندہ بیگم! اس معصوم انسان کی زندگی میں ایک خوشی تھی۔ وہ خوشی کہیں کھو گئی۔ وہ اس کی تلاش میں مارا مارا پھرتا ہے۔'' انجم صاحب تڑک کر بولے۔

''آپ سے تو بات کرنا محال ہے۔'' فرخندہ نے پیشانی پر سلوٹیں ڈال کر کہا۔

''اب اس غریب کو کہاں بھیج رکھا ہے۔ شوروم کی ملازمت کی بجائے رات دن گھر کی ملازمت کر رہا ہے۔ شوروم میں صاحب زادے صرف جمائیاں لے رہے ہوں گے۔''

''تو آپ کیوں نہیں چلے جاتے شوروم۔ کرم داد کو میں نے حرا کے جوتے کا ناپ لینے کے لئے بھیجا ہے۔ سب کچھ آ گیا مگر جوتوں کی خریداری ابھی باقی ہے۔''

''یہ فضول کام بھی کرم داد سے کروانا تھا؟''

''وہ اصل میں.....''

''چھوڑو اصل وصل۔ اتنے اچھے انسان کی قدر تم کیا جانو۔'' انجم صاحب بے زاری سے بولے۔

''اچھا یہ بتائیں کہ رسم کے لئے کرم داد کو ساتھ لے جائیں گے یا کہ نہیں؟''

''یا کہ نہیں سے کیا مراد ہے؟ وہ ضرور جائے گا۔'' انجم صاحب نے رعب دار آواز میں کہا۔

''مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ مگر لگتا نہیں کہ وہ چلے گا۔'' فرخندہ نے خیال ظاہر کیا۔

''کوشش تو ضرور کروں گا کہ وہ ہمارے ساتھ چلے۔ آگے کچھ کہہ نہیں سکتے۔''

''میں بھی کہوں گی۔'' فرخندہ نے کہا۔

○❖○

''کومل..... کومل بیٹا!'' بوا آوازیں دیتی ہوئی کمرے میں آ گئیں۔

''آ، چھو.....'' زوردار چھینک نے بوا کو اطلاع دی کہ اسے شدید زکام ہے۔ آنکھوں سے پانی بہہ رہا ہے۔

''ارے جان یہ زکام ایک دم سے کیسے ہو گیا؟'' وہ پریشان ہو کر اس کے قریب بیٹھ گئیں۔

''وہ بس کچھ دیر پہلے سے۔'' اس نے بمشکل کہا۔

''ہم تو کہنے آئے تھے کہ ہماری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں، کچن میں جا کر چائے بناؤ۔ ڈرائنگ روم میں مہمان بیٹھے ہیں۔ تمہارے بابا بھی ہیں۔ مگر تمہاری طبیعت تو ہم سے بھی زیادہ خراب ہے۔ حرا اور ذکا نے بھی بازار میں بڑی دیر لگا دی۔'' بوا نے تفصیل بیان کی۔

''میں بناتی ہوں چائے۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

''ارے نہیں میری چندا، تیری طبیعت بہت خراب ہے..... میں خود چائے بناتی ہوں بلکہ تمہارے لئے چائے میں جوشاندہ ڈال کر لاتی ہوں۔''

''بوا کون مہمان آیا ہے؟''

''حرا کے جوتے کا ناپ لینے کے لئے فرخندہ نے بھیجا ہے۔'' بوا نے اٹھتے ہوئے بتایا اور اسے ٹھیک سے کمبل اوڑھاتے ہوئے باہر نکل گئیں۔ ان کے جاتے ہی اس کا ذہن پھر سوچوں میں گم ہو گیا۔ کان ٹیلی فون کی طرف لگ گئے۔ اسے یقین تھا کہ اگر وہ نہیں پہنچے گی تو وہ ضرور فون کرے گا۔ اس کے کہنے کے مطابق اسے چھ بجے پہنچنا تھا اور اس وقت پونے آٹھ ہو رہے تھے۔ زکام میں مزید شدت پیدا ہو گئی تھی۔ چھو، اچھو ہونے لگی تھی۔ چھینک چھینک کر بے حال ہو گئی تھی۔ جوں ہی بوا نے گرم بھاپ اٹھتی چائے کی پیالی اس کے ہاتھ میں تھمائی تو فون بجنے لگا۔ گھبراہٹ میں کپ ہاتھ سے گر گیا..... اس کے اٹھنے سے پہلے بوا نے فون اٹھا لیا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

''ارے بھئی کومل بیٹا کو شدید زکام ہے..... وہ بات نہیں کر سکتی۔'' یہ کہہ کر بوا نے فون رکھ دیا۔ اس نے اطمینان کا سانس لیا اور چینج کرنے کی غرض سے اٹھ کر باتھ روم میں گھس گئی۔ ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارنے سے زکام کی شدت میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ گلابی سادہ سے لباس میں سیاہ شال

کاندھوں پر پھیلائے ناک رومال سے رگڑتی باہر نکلی تو گرم چائے کے ساتھ ذکاء کو منتظر پایا۔ گلابی بھاری بھاری آنکھوں میں خمار کے سے ڈورے، چہرے پر پھیلا بلا کا سا حُسن اسے چونکا گیا۔ ایک ٹک دیکھتا رہ گیا۔

''کیا ہوا؟'' اس نے محویت توڑی۔

''اوں..... ہاں، کچھ نہیں۔''

ادائے حُسن کی معصومیت کو کم کر دے
گناہ گار نظر کو حجاب آتا ہے

چونکتے ہوئے اس نے چھت کی طرف نگاہ کرتے ہوئے دھیرے سے شعر گنگنایا۔ گویا اشارہ آسمان والے کی طرف تھا۔ وہ کچھ نہ سمجھی۔

''حرا باجی کہاں ہیں؟'' بستر میں گھستے ہوئے پوچھا۔

''بابا کے پاس..... ہم نے جناب کے زکام کی بابت سنا تو بھاگے چلے آئے چائے لئے۔'' وہ چائے کا کپ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

''شکریہ.....'' وہ مسکرائی۔

''یہ بیٹھے بٹھائے زکام کرنے کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔ کل منگنی ہے اور تم بیمار۔''

''کل تک ٹھیک ہو جاؤں گی۔''

''ہونا پڑے گا..... ورنہ سرخ لباس کون پہنے گا؟'' یہ کہتے ہوئے ڈھیر ساری قندیلیں ذکاء کی آنکھوں میں لودینے لگیں۔ سرخ لباس کے سنہرے اجالے اس کی پلکوں میں مسکرانے لگے۔

''کون سا سرخ لباس؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''وہی جو میں اور حرا کل کے لئے تمہارے واسطے خرید کر لائے ہیں۔''

''اتنے بے شمار کپڑے ہیں۔ اور خریدنے کی کیا ضرورت تھی؟'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''کمال ہے..... لڑکیاں تو کپڑے خرید خرید کر گھر کو مارکیٹ بنا دیتی ہیں۔ ایک تم ہو جو کہہ رہی ہو کہ کیا ضرورت تھی۔ بھئی اپنی اس زندگی میں پہلی لڑکی دیکھی ہے میں نے جو اتنی سادہ ہے۔ ورنہ حرا کو ہی لے لیجئے۔ ایک وقت میں دو تین جوڑوں سے کم نہیں خریدتی۔'' ذکاء نے اچھی خاصی تقریر کر ڈالی۔

''مزاج اپنا اپنا۔'' اس نے اور زیادہ سنجیدگی سے جواب دیا۔

''یہی تو حیرت ہے کہ تمہارا مزاج کیا ہے؟'' اس نے پلکوں سے پرے جھانکا مگر وہاں دور دور تک خاموشی تھی، سناٹے تھے۔

''میں کیا اور میرا مزاج کیا..... دھند چھٹے گی تو آپ افسردہ ہوں گے۔'' اس نے ہنس کر عجیب سے انداز میں چائے کا کپ لبوں سے لگا لیا۔ اس سے پہلے کہ وہ اس عجیب سے جملے کا مطلب اس

سے پوچھتا بوا کی آواز آئی۔ وہ اسے بلا رہی تھیں۔ بات نامکمل چھوڑ کر وہ کمرے سے باہر نکل گیا اور اس نے مضمحل ہو کر خالی کپ بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر آنکھیں موند لیں۔ طبیعت اداس تھی۔ کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ ایک خوف اور اندیشہ اندر ہی اندر ڈرا رہا تھا۔

○❖○

''کس کو خط لکھ رہے ہیں مائی ڈیئر؟'' انجم شیرازی صاحب دفتر میں داخل ہوتے ہوئے بولے۔

کرم داد جو میز پر جھکا خط لکھنے میں منہمک تھا، ایک دم کھڑا ہو گیا۔

''آپ سر! آئیں، بیٹھیں۔'' اس نے سعادت مندی سے کہا۔

''اصل بات گول کر گئے صاحبزادے۔ کس کو خط لکھا جا رہا ہے؟'' انہوں نے بیٹھتے ہوئے شریر انداز میں پوچھا۔

''ایک چاچا ہے۔ اسی کو لکھ رہا ہوں۔'' اس نے دھیرے سے جواب دیا۔

''اوہ، میں سمجھا کہ اسی قاتل ادا کو لکھ رہے ہو۔''

''اسے کہاں لکھوں۔ کوئی اتا پتہ ہی نہیں۔'' وہ افسردگی سے بولا۔

''میاں کیوں دلبرداشتہ ہوتے ہو۔ اتا پتہ بھی مل جائے گا۔''

''سر! کبھی کبھی یوں لگتا ہے کہ یہ صرف ایک بہلاوا ہے، ایک خواب ہے۔ آنکھ کھلے گی تو سب منظر غائب ہو جائیں گے۔''

''بیٹا! کھلی آنکھوں سے تو منظر زیادہ صاف اور روشن نظر آتے ہیں۔ تمہیں حقیقت میں صاف اور روشن زندگی دیکھنی ہے۔ مایوسی کفر ہے۔'' انجم صاحب نے ہمیشہ کی طرح ڈھارس بندھائی۔

''دیکھیں کیا دیکھنے کو ملتا ہے؟''

''انشاء اللہ سب اچھا ہو گا۔ تمہیں اگر اس فیملی کا انتظار نہ ہوتا تو میں جواد سے پہلے تمہارے لئے لڑکی تلاش کرتا۔ تم بھی میرے بیٹے ہو۔'' انجم صاحب نے گرمجوشی کا مظاہرہ کیا۔

''شکریہ! عنایت ہے آپ کی۔ مگر کسی اور میں وہ بات نہیں جو اس میں ہے۔'' اس نے ہلکے سے مسکرا کر کہا۔

''مان لیا کہ وہ حورِ چمن ہے، پری وش ہے، گلبدن ہے، نازنین ہے..... مگر ہم جو لڑکی ڈھونڈتے وہ بھی اس سے کم نہ ہوتی۔''

''سر! دل میں جگہ پانے کے لئے ظاہری حُسن و لطافت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ بلاشبہ حسین ہے مگر میرے اندر کتنی گہرائی میں اس کی وسیع سلطنت ہے جس کی وہ واحد ملکہ ہے اس کے لئے لفظ حُسن بہت چھوٹا پڑ جاتا ہے۔ وہ میری رگ و پے میں ہے، میری شریانوں میں بھاگتے دوڑتے خون کی مانند۔ وہ دور بھاگتی رہی، مگر میں قریب ہوتا گیا..... یہی وجہ ہے کہ اس کی عدم دلچسپی نے مجھے دیوانہ بنا دیا اور اب میرے وجود کی حقیقت صرف وہ ہے۔ کسی اور کا تو میں تصور بھی نہیں کر سکتا۔''

''میں حیران ہوں کہ اس نفسانفسی کے دور میں بھی محبتیں اتنی سچی اور صاف مٹی سے مہکتی ہیں..... پھلتی پھولتی ہیں، یقین نہیں آتا۔'' انجم صاحب بولے۔

''یقین کرلیں سر! کیونکہ یہ کائنات محبت کا شاہکار ہے۔ دور کیسا بھی آئے، محبت کی مٹی سے صاف اور سچی خوشبو آتی رہے گی۔'' اس کی آنکھوں میں محبت کے گہرے عکس لہرا گئے۔

''خیر یہ بتاؤ کہ کل منگنی کے لئے ہمارے ساتھ چل رہے ہو نا؟''

''میں..... جی میں کیا کروں گا؟''

''آفریدی کا گھر بغیر ستونوں کے ہے۔ تم نے کندھوں پر اٹھانا ہے۔'' وہ سنجیدگی سے کہہ کر رکے اور پھر ڈپٹ کر بولے۔ ''یار کمال کرتے ہو بھئی، منگنی کی تقریب میں کیا کرتے ہیں؟ میں تو تمہیں اچھا خاصا سمجھدار نوجوان سمجھتا تھا، مگر تم تو گاؤدی نکلے۔'' انجم صاحب نے جان بوجھ کر بات کو طول دیا تاکہ اس کے انکار کی گنجائش ہی نہ رہے۔ مگر وہ دیر تک ہنسنے کے بعد بھی فقط اتنا بولا۔

''سر! آپ کو اور بیگم صاحبہ کو جواد صاحب کی منگنی مبارک ہو۔ مگر میرا جانا ضروری نہیں۔''

''بھئی ضروری کیوں نہیں۔ جواد کے بھائی ہو۔''

''سر! اس پیار کے باوجود میں نہیں جاسکوں گا..... بس دل ہی نہیں چاہتا۔''

''دل ول کے چکر میں نہ ڈالو۔ چلے چلو، مزہ رہے گا۔''

''سر! پلیز، مجبور نہ کریں۔ خوشی کے موقع پر اداس دل لے کر میں جانا نہیں چاہتا۔'' اس نے لاکھ اصرار پر بھی معذرت ہی کی۔

''یار وہاں ہمارے اور ان کے گھر والوں کے علاوہ کوئی نہیں ہوگا۔ ہنسنے بولنے میں تمہارا وقت گزر جائے گا۔ آفریدی تمہیں خود بہت پسند کرتا ہے۔''

''سب ٹھیک ہے..... مگر میری معذرت قبول کریں۔'' وہ مصر رہا۔ مجبوراً انجم صاحب شانے اچکا کر چپ ہوگئے۔

''مرضی ہے تمہاری..... میں تو چاہ رہا تھا کہ گپ شپ میں تمہارا اُداس دل خوش ہوجائے گا۔''

''عجیب پاگل دل ہے، اداس رہ کر ہی خوش ہوتا ہے۔'' وہ درد سے ہنسا۔ انجم صاحب خاموش ہو گئے۔ مزید وہ اسے دکھی کرنا نہیں چاہتے تھے۔ کچھ دیر اس کے پاس بیٹھنے کے بعد وہ خدا حافظ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

○❖○

''اگر کھانا باہر چل کر کھلاؤ تو پرس مل سکتا ہے۔'' اس نے شرط بیان کی۔

''ہرگز نہیں..... دیکھو میرے پرس سے ایک پیسہ نہیں مل سکتا۔'' وہ غصے سے چلا کر بولی۔

''تو ٹھیک ہے..... پھر بھاگتی رہو۔'' یہ کہہ کر وہ تیزی سے برآمدے کی سیڑھیاں اتر کر لان میں بھاگنے لگا۔ وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے بھاگ رہی تھی۔ غصے سے چیخ رہی تھی۔ بوا ان کا شور سن کر دانستہ خاموش رہیں۔ وہ کومل کے ساتھ بیٹھیں منگنی پر جواد کو دیئے جانے والے کپڑے اور ضروری سامان پیک کررہی تھیں۔ جب شور حد سے بڑھا تو انہوں نے کومل کو اشارہ کیا کہ جاکر انہیں منع کرے۔ وہ اٹھ کر کمرے سے باہر نکلی تو آناً فاناً وہ بھاگتا ہوا اس سے ٹکرایا اور پھر دونوں توازن برقرار نہ رکھنے کی وجہ سے فرش پر گر گئے۔ وہ تو حیران پریشان اس کے وزن تلے دبی بمشکل سانس ہموار کررہی تھی اور وہ جیسے پتھر کی سل بن گیا۔ اس کے اتنے قریب..... اس قدر قریب ہونے پر اسے خود بھی یقین نہیں آرہا تھا۔ پورا وجود جیسے سحر زدہ سا ہوگیا تھا۔ اس نے پوری قوت سے حرکت کی اور اسے اپنے اوپر سے پرے دھکیلا۔ وہ نادم سا ایک طرف ہوکر بھی ایک ٹک اسے تکتا ہی رہا۔

''آ، ہا، ہا، ہا.....'' حرا قریب پہنچ کر زور زور سے قہقہے لگانے لگی تو وہ خفت سے مسکرا کر کپڑے جھاڑتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ کومل بالکل نارمل انداز میں کھڑی تھی۔

''سوری۔'' وہ دل کی دھڑکنیں سنبھال کر فقط اتنا بولا۔ وہ مسکرادی۔

''اللہ میاں نے میرا بدلہ لے لیا ہے۔'' حرا نے اس کے دل کی حالت سے ناواقف رہتے ہوئے اسے چڑایا۔ وہ پرس اس کی طرف اچھال کر چپ چاپ نظریں جھکائے اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

''یہ تمہیں کیا ہوجاتا ہے؟ کیوں سحر زدہ ہوجاتے ہو؟ کیوں اس کی طرف کھنچے چلے جاتے ہو؟ وہ تو تمہارے ہر جذبے سے بے خبر ہے، دور ہے، تم نے اسے اپنے دل کے قریب کرلیا..... اتنا قریب۔'' اسے سوچ کر نشہ سا چڑھ گیا۔ ہاتھ سینے پر پھیرتے ہوئے وہ کھو گیا۔ کچھ دیر پہلے وہ اس کے سینے سے لگی گرم سانسیں لے رہی تھی۔ اس کے ہونٹ اس کے کشادہ سینے سے جڑے تھے۔ وہ گرمی، وہ حدت اس کے جسم کو پگھلا رہی تھی۔ اُف..... وہ میرے اتنے قریب کیوں آگئی؟ ذکاء خیال رہے وہ خود تمہارے قریب نہیں آئی، اس کے قریب تو تم ہوگئے۔ وہ تو اپنی ترنگ میں آرہی تھی۔ تمہارے ہی من کا چور تھا جو تمہاری آنکھوں پر پٹی باندھے تمہیں اس کے اتنا قریب لے گیا۔

"ہاں، شاید یہی سچ ہے۔ وہ تو قریب آ کر بھی دور رہی۔ ورنہ کیا مشکل تھی جذبوں کے اظہار میں۔ نہ اس کا چہرہ سرخ ہوا اور نہ بارِ حیا سے پلکیں جھکیں نہ رخسار دہکے۔ وہ تو بالکل نارمل تھی۔ اسے کچھ کہنا ہوتا تو ایک لمحہ ہی کافی تھا۔ عورت کو تو اظہار کے سو ڈھنگ آتے ہیں اگر اقرار کرنا چاہے۔ مگر اس کے ہاں ایسا کچھ نہیں، اسے مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ وہ جب تک خود نہ چاہے کچھ حاصل نہیں۔" دل گرفتہ سا سوچ کر بستر پر گر گیا۔ شاید دل کے معاملات ایسے ہی ہوتے ہیں، کس پر کہاں اور کیسے مر مٹے، کچھ پتہ نہیں چلتا۔ یہی کچھ اس کے ساتھ ہوا تھا۔ وہ ایسی عورت پر فدا ہوا تھا جو پیچھے مڑ کر دیکھنے کے جرم میں پتھر کی ہو چکی تھی۔ اسے ہوش کی دنیا میں لانے والا شہزادہ کہیں مسافرت میں تھا۔ جانے کب وہ اسے تلاش کر کے کان میں منتر پھونکے اور وہ ہوش و حواس کی دنیا میں لوٹ آئے۔

○❖○

"بوا! کسی شے کی کمی تو نہیں؟" آفریدی صاحب نے اخبار نظروں کے سامنے سے ہٹا کر قریب بیٹھی ہوئیں بوا سے پوچھا۔

"ہاں میاں، بس تمہاری کمی ہے۔ شام کو وقت پر مل جانا۔ آج تمہاری بیٹی کی منگنی ہے۔ لڑکے والے آ رہے ہیں۔" بوا جو کہ جلی بھنی بیٹھی تھیں، بولتی چلی گئیں۔ آفریدی صاحب مسکرا دیے۔ وہ جانتے تھے کہ مسلسل دفتر کی مصروفیات کے باعث گھر کو وقت نہیں دے پا رہے تھے اسی لئے بوا ناراض ہیں۔

"بوا! آپ برسوں سے جانتی ہیں کہ میری دفتری مصروفیت بہت زیادہ ہوتی ہے۔"

"ہاں، ہاں..... دفتر کو تو تم نے کندھوں پر اٹھا رکھا ہے۔ ہر وقت دفتر، رات دن، خوشی غمی، تمہیں فکر نہیں۔"

"اللہ تعالیٰ نے عزت دی ہے تو اس کی حفاظت بھی کرنی چاہئے۔ فرض کی ادائیگی میرا پہلا ایمان ہے اور یہ سبق تو آپ نے ہی پڑھایا ہے۔" آفریدی صاحب نے ان کے ہاتھ چومتے ہوئے کہا۔

"وہ تو سب ٹھیک ہے مگر بیٹا ہمیں بھی تمہاری ضرورت ہوتی ہے۔ اب دیکھو سب کچھ بازار سے منگوا لیا مگر مٹھائی منگوانی یاد نہیں۔ لڑکے والوں کو کیا دے کر رخصت کریں گے؟"

"آپ اس کی فکر نہ کریں، آج ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہیں۔ مٹھائی ابھی آ جائے گی۔ ویسے نہ بھی آئے تو کیا فرق پڑتا ہے۔ وہ اپنا ہی گھر ہے۔"

"لیکن شگون کی مٹھائی ضروری ہوتی ہے۔ تم فٹافٹ جاؤ، مٹھائی لاؤ اور واپسی پر پھولوں کے ہار بھی لے کر آنا۔" بوا نے ہدایت کی۔

"وہ آپ کے لاڈلے کہاں ہیں، انہیں ساتھ لے جاتا ہوں۔"

"وہ بھی مصروف ہے۔ ڈرائنگ روم میں بیٹھنے اٹھنے کا انتظام اس کے سر ہے۔"

"اس کا مطلب ہے ہم اکیلے جائیں؟"

"بالکل....." بوا نے اٹھتے ہوئے کہا۔ وہ بھی فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔ اپنے کمرے سے نکل کر ڈی لاؤنج میں پہنچے تو کومل کو فون کان سے لگائے زرد چہرے کے ساتھ دیکھ کر کچھ ٹھٹکے۔ وہ آہستہ آہستہ بات کر رہی تھی۔ بات کیا بلکہ منت کر رہی تھی۔ سخت خوفزدہ اور پریشان تھی۔ وہ اپنے قدموں پر برسے گئے، اسی اثناء میں دوسرے دروازے سے تیز تیز چلتا ہوا ذکاء آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں کیمرہ تھا۔ شاید وہ ٹھیک کام نہیں کر رہا تھا۔ اس کی جھنجلاہٹ پر اس نے جلدی سے فون رکھ دیا۔ آفریدی صاحب کی توجہ بھی ذکاء کی طرف ہو گئی۔ وہ موقع پا کر وہاں سے چلی گئی۔

"کیا مسئلہ ہے ذکاء جانی؟" انہوں نے خوشگوار لہجے میں پوچھا۔

"نجانے اسے کیا ہو گیا ہے، ریل ڈلوانی تھی مگر اس کا بٹن ہی نہیں کام کر رہا۔ یہ حرا کی بچی یونیورسٹی لے کر گئی تھی۔ دل چاہتا ہے اسے کچا چبا جاؤں۔" وہ خونخوار لہجے میں بولا۔

"بیٹا! اس میں مشکل کیا ہے..... معمولی سا فالٹ ہے۔ کوئی بھی فوٹو گرافر ٹھیک کر دے گا۔ میرے ساتھ چلو، میں جاتے وقت کسی بھی فوٹو اسٹوڈیو پر ڈراپ کر دیتا ہوں۔ واپسی پر پک کر لوں گا۔"

"اور وہ جو ڈرائنگ روم میں صوفے، کرسیاں بے ترتیب پڑی ہیں۔ ڈھائی بج رہے ہیں، پانچ بجے رسم ہے۔ اس سے پہلے محترمہ کو بیوٹی پارلر لے کر جانا ہے۔ بقول ان کے یہ موقع بار بار نہیں آتا۔ ہنہ..... سارا موڈ خراب کر دیا۔ کتنا قیمتی کیمرہ ہے میرا۔" وہ سخت غصے میں تھا۔

"کم آن ڈیئر! یہ مجھے دو۔ میں خود ٹھیک کرا کے لاؤں گا۔ ویسے جب ویڈیو بن رہی ہے تو اس کی کیا ضرورت؟" انہوں نے کیمرہ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

"اس کی اپنی اہمیت ہے بابا۔" وہ کچھ خجل سے بولا۔

"اوکے، ڈونٹ وری اباؤٹ اٹ۔" وہ یہ کہہ کر چلے گئے۔ وہ لمبی پُرسکون سانس بھر کے ایک بار پھر ڈرائنگ روم کی طرف مڑ گیا۔

○❖○

"رخسار..... جواد....." فرخندہ نے جھنجلا کر ان دونوں کو پکارا۔ مگر جواب ندارد۔ تھک ہار کے وہ خود ان دونوں کے کمروں کی طرف چل دی۔ جواد کا کمرہ خالی تھا۔ رخسار کے کمرے سے دونوں کی چیخ و پکار سنائی دے رہی تھی۔

"او..... او ہو..... او مزا آ گیا..... مزا آ گیا....." جواد لہک لہک کر گا رہا تھا اور رخسار رو رہی تھی۔

"ہیں..... ہیں یہ کیا ہو رہا ہے؟ ارے تم دونوں کو وقت کا کچھ احساس ہے کہ نہیں؟" فرخندہ کمرے میں داخل ہو کر چلائی۔

"ممی..... میرے کپڑے خراب ہو گئے۔" وہ ماں سے لپٹ کر رونے لگی۔

"خراب ہو گئے..... کیا مطلب؟"

''مطلب یہ کہ سُوپ میں نہا گئے......تر بتر ہو گئے۔'' جواد پھر چہکا۔
''او گاڈ! کتنی احمق لڑکی ہو تم۔ کپڑوں پر سُوپ گرا لیا۔ میں نیچے تم دونوں کا انتظار کر رہی ہوں اور یہاں ابھی تیاری نہیں ہوئی۔ ڈیڈی تمہارے چند ہی لمحوں میں چلانے لگیں گے۔'' فرخندہ سر پیٹ کر رہ گئی۔
''سب بھائی کا قصور ہے۔'' وہ ٹھنکی۔
''واہ، کیسے؟ سُوپ میں پی رہا تھا یا تم......وہ بھی بڑے باؤل میں۔'' جواد نے زور سے نفی کی۔
''مجھے ڈرایا کیوں تھا؟'' اس نے منہ بسورا۔
''تا کہ تم ڈر جاؤ۔'' وہ اترایا۔
''جواد! حماقتیں کم کیا کرو۔'' فرخندہ نے ڈانٹا۔
''میرا کوئی قصور نہیں ہے ممی، اس کا پیٹ ہی نہیں بھرتا۔ ہر جگہ، ہر وقت کچھ نہ کچھ کھانا چاہیے۔ یہ سُوپ پینے کا کون سا وقت تھا جو کپڑے خراب ہو گئے۔'' جواد جلی کٹی سناتا ہوا باہر نکل گیا۔
''اب میں کیا پہنوں؟''
''میں کیا بتاؤں۔ اتنا قیمتی سوٹ برباد کر دیا۔ اب جو دل چاہے نکالو اور پہنو۔ پانچ منٹ میں تیاری مکمل کر کے نیچے پہنچو۔'' فرخندہ سختی سے احکامات دے کر نیچے کی سیڑھیاں اتر آئی۔
''کیا مسئلہ ہو گیا؟'' انجم صاحب بیوی کے بگڑے تیور دیکھ کر بولے۔
''بس کچھ نہیں، آپ بتائیں کہ تیار ہیں؟''
''بالکل...... آپ دیکھ نہیں رہیں کیسے اسمارٹ لگ رہے ہیں ہم۔'' انجم صاحب شرارت سے بولے۔
''ہر وقت پٹڑی سے اترے رہتے ہیں۔''
''ارے کہاں، تم اترنے ہی نہیں دیتیں۔'' وہ معصومیت سے بولے۔ فرخندہ کو ہنسی آ گئی۔
''آپ کی صاحبزادی کی تیاری میں دیر لگے گی۔''
''چلو کوئی بات نہیں۔ ابھی کافی وقت ہے۔'' وہ گھڑی پر نگاہ ڈال کر بولے۔
''گھر پر کون رہے گا، حالات ٹھیک نہیں ہیں۔ گھر اکیلا نہیں چھوڑا جا سکتا۔''
''ہنہ......ذلفی جو ہے۔''
''اکیلے ذلفی کی کیا اہمیت سنگل پسلی ایک دھکے سے ہی مر جائے گا۔''
''یہ بھی ٹھیک ہے۔ پھر ایسا کرتے ہیں کہ کرم داد کو ذلفی کے ساتھ رہنے کو کہتے ہیں، جیسے ہی ہم آئیں گے وہ اپنے فلیٹ چلا جائے۔'' انجم صاحب نے سوچ کر کہا اور لگے کرم داد کو فون پر تاکید کرنے۔

O❖O

اخبار پڑھنے کے بعد اس نے جونہی سامنے نگاہ کی تو لبوں سے سیٹی نکل گئی۔ ایک دم ہی دل مچلنے لگا۔ اس نے خود کو چٹکی کاٹی کہ کہیں خواب تو نہیں دیکھ رہا......لیکن ایسا ہرگز نہیں تھا۔ وہ گڑیا ہی تھی۔ سرخ لباس میں گاڑی سے اتر کر جو ایک اور لڑکی کے ہمراہ اندر آ رہی تھی۔ اس کا دل بلیوں اچھلنے لگا۔ کتنا اچھا موقع ہاتھ آیا تھا......آج ہی نجمہ آنٹی ملک سے باہر گئیں اور آج ہی وہ اس کے روبرو تھی۔
''اب تمہیں بہکانا کچھ مشکل نہیں۔'' اس نے دل ہی دل میں سوچا اور سیٹ سے کھڑا ہو کر دفتر سے باہر نکلنے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ گاڑی ڈرائیو کرنے والا نوجوان گاڑی لاک کر کے لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا ان لڑکیوں کے ہمراہ ہی پارلر میں داخل ہو گیا۔ وہ دونوں اندر میک اپ روم کی طرف بڑھ گئیں اور وہ سیدھا دفتر میں گیا۔ اسے یوں اندر آتا دیکھ کر دہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ بے دم سا ہو کر کرسی پر گر سا گیا۔ آنے والا نوجوان اس کے سامنے کرسی پر مزے سے بیٹھ گیا۔ وہ جل بھن کر دوبارہ اخبار الٹنے پلٹنے لگا۔
''ایکسکیوز می، یہاں تو مسز نجمہ ہوتی ہیں۔'' مسز نجمہ کی کرسی پر اجنبی نوجوان کو دیکھ کر ذکاء نے پوچھا۔ کیونکہ کئی بار وہ حرا کے ہمراہ یہاں آ چکا تھا۔ ہر بار دفتر میں مسز نجمہ سے ملاقات ہوتی تھی۔
''جی وہ ملک سے باہر گئی ہیں۔'' اس نے جلدی سے جواب دیا۔
''آپ کی تعریف؟'' ذکاء نے پوچھا۔
''میں ان کا بھانجا رضا علی ہوں، ان کی واپسی تک پارلر کی ذمے داری میرے کندھوں پر ہے۔'' اس نے مسکرا کر جواب دیا۔
''اوہ......پھر تو آپ کو بھی پارلر کے کام کا کچھ تجربہ ہو گا۔'' ذکاء نے کہا۔
''اوہ، نہیں بس آنٹی کا جانا ضروری تھا۔ انہوں نے صرف دیکھ بھال کو کہا ہے۔ باقی تو ان کی ٹرینڈ بیوٹیشنز موجود ہیں۔ آپ کی تعریف؟'' اس نے تفصیل بیان کرتے ہوئے اس سے سوال کیا۔
''مجھے ذکاء آفریدی کہتے ہیں۔'' ذکاء نے رسماً جواب دیا۔
''پارلر میں آپ کی مسز وغیرہ آئی......''
اس کے دانستہ ادھورے سوال پر ذکاء نے جلدی سے کہا۔ ''نہ......نہیں......نہیں، میری مسز نہیں ہیں۔ دراصل سسٹر کی منگنی ہے۔ وہ ہی ساتھ ہیں۔''
''یعنی آپ کی دو سسٹر ہیں اور بھائی؟'' اس نے جان بوجھ کر ذو معنی سوال کیا۔
''ہنہ...... بھائی کوئی نہیں۔'' ذکاء کے لب بھی کومل کو بہن کہنے کی اجازت نہیں دے رہے تھے۔ اس لیے وہ اس کی بات ٹال گیا۔
''میں بھی اکیلا ہوں، نہ کوئی بہن ہے اور نہ بھائی۔ آپ خوش نصیب ہیں کہ اللہ نے آپ کو دو بہنیں تو عطا کی ہیں۔'' رضا علی جان بوجھ کر کچھ کرید رہا تھا۔ جب کہ ذکاء صرف پہلو بدل کر رہ گیا۔ اس کا دل چاہنے لگا کہ یہاں سے فوراً نکل جائے مگر مجبوری تھی۔

"آنٹی تو آپ کی فیملی کو جانتی ہوں گی۔ آپ کی بہتر طریقے سے آؤ بھگت کرتی ہوں گی۔ میں صرف شرمندگی کے ساتھ کافی پلا سکتا ہوں۔" وہ یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"کسی تکلف کی ضرورت نہیں۔ پھر سہی۔"

"ارے ذکاء صاحب! آپ نہیں جانتے یہ لڑکیوں کی تیاری کتنی دیر میں ہوتی ہے؟" وہ ہنس کر کہتا ہوا اس کی بات سنے بغیر ہی اندر بڑھ گیا۔

"مس مریم! ان لوگوں کو جلدی تیار کر دیں۔ ذکاء صاحب کو جلدی ہے۔" حرا اور گڑیا کے قریب جا کر وہ بلند آواز میں بولا۔ حرا کے ساتھ ساتھ اس نے بھی جھٹ اس کی طرف دیکھا۔ حرا کو تو کچھ فرق نہیں پڑا، وہ سمجھ گئی کہ موصوف کا تعلق پارلر سے ہوگا۔ البتہ کومل کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ گئے۔ چہرہ زرد پڑ گیا۔ آنکھیں خوف سے پھٹ گئیں۔ وہ مکاری سے مسکرا کر دوسری طرف چلا گیا اور اس کی حالت غیر ہو گئی۔ چہرے پر لگی فاؤنڈیشن بھی اس کے چہرے کی زردی کو نہ چھپا سکی۔ پسینے کی ننھی ننھی بوندیں پیشانی پر چمکنے لگیں۔

"میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، مجھے نہیں کرانا میک اپ۔" اس نے اپنے سرد ہاتھ سے میک اپ کرتی لڑکی کا ہاتھ چہرے پر سے ہٹا کر کہا۔ حرا نے آئی شیڈ لگانے کے دوران آنکھ کھول کر حیرت سے اسے دیکھا۔ اس کی طبیعت تو واقعی خراب معلوم ہو رہی تھی۔ وہ پریشان ہو گئی۔

"کیا ہوا کومل؟"

"حرا باجی! بس آپ تیار ہو جائیں۔ میں باہر جا رہی ہوں..... میرا دل گھبرا رہا ہے۔" وہ کپکپاتے ہوئے بولی۔

"ایسے نہیں، میں ذکاء بھائی کو بلواتی ہوں۔ وہ تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے جائیں۔" حرا نے کہا اور مریم کو کہا کہ دفتر سے میرے بھائی کو بلاؤ۔ کچھ ہی دیر میں ذکاء پریشانی سے اندر آ گیا۔

"بھائی! کومل کو ڈاکٹر کے پاس لے جائیں۔ اس کی طبیعت خراب ہے۔" حرا نے جلدی سے کہا۔

"بس باہر لے چلیں۔ ڈاکٹر کی ضرورت نہیں۔" اس نے بمشکل کہا۔

"چلو آؤ۔" ذکاء نے اس کی خراب حالت دیکھ کر اس کی طرف سہارا دینے کو ہاتھ بڑھایا۔ بلا تامل اس نے ہاتھ تھام لیا اور اس کے سہارے چلتی ہوئی باہر نکل آئی۔

"ہنہ..... اب بولو، کیا بات ہے؟" گاڑی کا فرنٹ ڈور کھول کر اسے بٹھایا اور پھر خود بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ نہیں..... بس ویسے ہی طبیعت گھبرا گئی تھی۔" وہ نظریں جھکائے جھکائے بولی۔

"کومل! ادھر میری طرف دیکھ کر بات کرو۔" اس کی جھکی نگاہوں کا سبب جاننے کے لئے وہ بولا۔

"جی کیا بات کروں؟" بڑی بڑی آنکھیں گھما کر اس کی طرف دیکھا تو ذکاء آفریدی کا من کہیں ڈول سا گیا۔

"کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ تمہاری طرف دیکھا جائے یا بات کی جائے۔" وہ کھویا کھویا سا کہہ گیا اور وہ دل کے اضطراب سے بچنے کے لئے اپنا نچلا ہونٹ کاٹنے لگی۔ اس کے ذومعنی جملے کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

"اب طبیعت ٹھیک ہے یا ڈاکٹر کے پاس چلیں؟"

"اب کافی بہتر ہے۔ میں دراصل تیار ہونا ہی نہیں چاہتی تھی۔ حرا باجی نے مجبور کیا تو آ گئی۔" اس نے دھیرے سے جواب دیا۔

"ماشاءاللہ تمہارے پاس کس شے کی کمی ہے..... سر سے پاؤں تک خوب فرصت سے قدرت نے سنوارا ہے۔" نہ چاہتے ہوئے بھی وہ بغور اس پر نگاہیں جمائے جمائے کہہ گیا۔ سرخ لباس میں سجی لپٹی حیران پریشان بھی وہ کسی قیامت سے کم نہیں لگ رہی تھی۔ وہ دل میں اٹھتی میٹھی سی کسک دبا کر کھڑکی سے باہر جھانکنے لگا۔

○❖○

"کمال کرتے ہو یار اتنی دیر کر دی۔" اندر داخل ہوتے ہوئے آفریدی صاحب نے ڈپٹ کر کہا۔

"بابا مجھے کچھ نہ کہیں، اپنی لاڈلی سے پوچھیں، میری تو خود ساری تیاری پڑی ہے۔ دیکھ رہے ہیں آپ۔" اس نے ساری توپوں کا منہ حرا کی طرف موڑ دیا۔

"سوری بابا مگر کومل کی طبیعت خراب تھی اس وجہ سے....." حرا بھی کچھ زیادہ سمجھدار نکلی۔ اس نے ان کی کمزوری یعنی کومل کی طبیعت کی خرابی کا سہارا لیا۔ ایسا سچ ہی ثابت ہوا۔ آفریدی صاحب فوراً کومل کے قریب پہنچے اور اسے گلے سے لگا کر پوچھنے لگے۔

"کیا ہوا میری گڑیا کو؟" وہ بجلی کی سی سرعت سے ایک لمحے کو چونک کر دور ہوئی اور پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس سے زیادہ حرا اور ذکاء پریشان ہو گئے۔ آفریدی صاحب اسے ننھی سی گڑیا کی مانند گود میں اٹھا کر اس کے کمرے کی طرف چل دیئے۔

"ہوا کیا ہے جاں عزیز، کچھ پتہ تو چلے۔" بیڈ پر لٹا کر وہ بے قراری سے بولے۔ حرا اور ذکاء بھی بیڈ کے قریب کھڑے تھے۔ کچھ ہی دیر میں بوا بھی اندر آ گئیں۔

"ارے کیا ہوا بچی کو؟"

"بس ایک دم اس کی طبیعت گھبرا گئی، پسینہ آ گیا۔" حرا نے جلدی سے بتایا۔

"تو ڈاکٹر کو بلاؤ۔" وہ بولیں۔

"نہیں..... نہیں بابا! بس مجھے آرام کرنے دیں۔" روتے روتے اس نے ان کی گود میں منہ چھپا لیا۔

"اچھا، سو جاؤ۔ آرام کر لو۔ میں تمہارے پاس ہوں۔ باقی بوا، آپ ہماری بیٹی کے لئے دودھ وغیرہ

گلاس لائیے اور حرا، ذکاء! آپ مہمانوں کے استقبال کا جائزہ لیں۔ سب آنے والے ہوں گے۔'' انہوں نے سب کو ہدایت کی اور خود اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اس کی آنکھوں سے جھرنے بہہ رہے تھے۔ جسم ہچکیوں کی وجہ سے کانپ رہا تھا۔

''کومل! جانو، رونا نہیں۔ بابا کو بہت تکلیف ہو رہی ہے۔'' انہوں نے پیار سے اس کی بھیگی پلکیں صاف کیں تو گھٹائیں اور زور سے اُمڈ کر آئیں۔

''کیوں...... کیوں یہ رونا آ رہا ہے، بولو کیا بات ہے؟'' وہ سنجیدگی سے بولے۔

''بابا! آپ کی اتنی شدید محبت برداشت نہیں ہوتی۔''

''یہ کیا بات ہوئی؟''

''میرے اندر یادوں کا طوفان اُمڈنے لگتا ہے۔ بہت سی آوازیں میرا پیچھا کرنے لگتی ہیں۔''

''تو کیوں ان یادوں کو مقفل کر کے رکھتی ہو؟ ان کو پردوں میں چھپاتی ہو...... انہیں شیئر کیا کرو۔ اس طرح دل کا بوجھ نہیں بنتیں۔ ہم کب چاہتے ہیں کہ تم اپنی یادیں بھول جاؤ۔ بیٹا اس میں کوئی شک نہیں کہ تم ہمیں حرا سے زیادہ عزیز ہو، مگر یہ بھی سچ ہے کہ تم کسی اور کے دل کا ٹکڑا ہو۔ آج نہیں تو کل تمہارے اپنے مل جائیں گے۔ جن کا ذکر تم کھل کر نہیں کرتیں، ان کے لئے تڑپتی تو ہو، تمہارے جذبوں کی تڑپ تمہیں ان سے ملائے گی۔ مگر پھر بھی ہماری محبت میں کمی نہیں آئے گی۔ ہم تم سے نہیں پوچھیں گے کہ تمہاری یادوں میں بسنے والے لوگ کون ہیں؟ کہاں رہتے ہیں؟ جب کبھی بتانا چاہو تو تمہارے ساتھ تعاون کریں گے۔'' آفریدی صاحب نے اتنے پُراثر طریقے سے ایک ایک لفظ کہا کہ وہ پُرسکون ہو گئی۔

''بابا! آپ نے مجھے زندگی دی ہے...... میں کیسے شکریہ ادا کروں؟'' محبت سے ان کے ہاتھ چوم لئے۔

''زندگی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور بیٹیاں والدین سے شکریہ نہیں کہتیں۔'' انہوں نے مسکرا کر کہا۔

''لو بھئی، گرم دودھ ہے۔ اسے فوراً پی لو۔ کچھ ہی دیر میں طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔'' اسی لمحے بوا دودھ کا گلاس لئے اندر آ گئیں۔

''اٹھو شاباش، دودھ پی کر سو جاؤ۔''

''بابا! منگنی......''

''جب رسم شروع ہو گی تو تمہیں بلا لیں گے۔ فی الحال کچھ دیر ہے۔ یہ عورتوں کے چھتیس سو بکھیڑے ہوتے ہیں۔'' آفریدی صاحب نے سہارا دے کر دودھ کا گلاس اس کے لبوں سے لگاتے ہوئے کہا۔

''اور ہاں، جب سو کر اٹھو تو بیٹا ہاتھ منہ دھو کر باہر آنا، رو رو کر حلیہ بگاڑ لیا ہے۔'' بوا نے کہا تو وہ

ہولے سے مسکرا دی۔

''ہماری بیٹی بہت بہادر ہے، ابھی کچھ ہی دیر میں توانا ہو کر باہر آ جائے گی۔'' آفریدی صاحب شفقت سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیر کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس نے اثبات میں گردن ہلا دی تو وہ مطمئن ہو کر بوا کے ہمراہ کمرے سے باہر نکل گئے۔

○❖○

ٹی وی آن تھا مگر اس کا دل اور دماغ دونوں ہی کہیں اور گم تھے۔ زلفی نے آنکھوں کے آگے ہاتھ ہرایا تو وہ خواب و خیال کی دنیا سے باہر آیا۔

''کیا بات ہے کرم داد بھائی؟'' چائے کا کپ اس کے سامنے رکھتے ہوئے زلفی نے پوچھا۔

''کوئی بات نہیں۔'' کپ ہونٹوں سے لگاتے ہوئے اس نے جواب دیا۔

''آپ چلے جاتے صاحب لوگوں کے ساتھ، مزا رہتا۔'' زلفی نے اس کی اداسی کا دوسرا مطلب لیا۔

''مزا اندر ہی نہیں تو باہر کہاں سے ملے گا۔'' وہ دھیرے سے کہہ گیا۔ زلفی کے کچھ پلے نہ پڑا۔

''سب بہت خوش ہوں گے...... جواد صاحب تو دیوانے ہو رہے تھے۔ حرا بی بی واقعی بہت حسین ہیں۔ جواد صاحب بالکل ٹھیک دیوانے ہوئے ہیں۔'' زلفی اپنی دانست میں اسے اطلاع بہم پہنچا رہا تھا۔

''یہ حُسن و عشق کی جنگ بڑی پرانی ہے۔ بات اتنی سی ہے کہ اس جنگ کا نتیجہ جانے بغیر یہ جنگ لڑتے رہتے ہیں۔ انجام خواہ کچھ بھی ہو۔'' اس نے کھوئے کھوئے جواب دیا۔

''آپ کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔ کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ کہیں آپ اللہ لوگ تو نہیں۔ ہمارے گاؤں میں ایک اللہ کا پیارا اپنی دھن میں مگن ایسی باتیں کرتا تھا جیسی آپ کی باتیں ہیں۔'' زلفی نے کہا تو اسے ہنسی آ گئی۔

''کہا نا کہ حُسن و عشق کی جنگ میں انجام نہیں معلوم ہوتا۔ کہیں دیوانگی ملتی ہے کہیں درویشی۔ مگر ویسا نہیں، تیری طرح عام سا انسان ہوں۔'' اس نے جواب میں کہا تو زلفی کو سچ مچ یقین آ گیا۔

''جواد صاحب نے پورے پانچ سو روپے دیئے ہیں مجھے خوش ہو کر۔'' زلفی نے کہا۔

''آج تو جواد صاحب اس سے بھی زیادہ دے سکتے تھے۔ موقع ہی ایسا ہے۔ بہت کم لوگوں کو محبت کی منزل ملتی ہے۔ وہ خوش نصیب ہیں۔'' دل کا کرب چھپا کر آواز بلند کرتے ہوئے اس نے کہا۔

''یہ آپ نے بالکل ٹھیک کہا۔ جواد صاحب کی خوش بختی پر شک نہیں کیا جا سکتا۔ حرا بی بی کو پسند کیا اور حاصل کر لیا۔ حرا بی بی کو بھی اللہ تعالیٰ نے فرصت سے بنایا ہے۔ وہ تو وہ، کومل بی بی تو اور بھی زیادہ حسین ہیں۔ دیکھیں تو دیکھتے رہیں۔ آپ نے دیکھا ہے کومل بی بی کو؟'' زلفی نے رشک بھرے لہجے

میں پوچھا۔

''نہیں، ایک دو مرتبہ حرابی بی کو ہی دیکھا ہے۔'' اس نے سرسری انداز میں کہا۔

''وہ تو لگتا ہے آسمان سے اتری ہیں۔ دیکھنے سے بھی میلی ہو جائیں۔''

''بس اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے۔ وہ جسے چاہے نواز دے۔''

''اللہ میاں بھی امیروں کو حُسن دیتا ہے۔ غریبوں میں تو ہر طرح کی غربت ہے۔'' زلفی دکھ بھرے انداز میں بولا۔

''کوئی ضروری نہیں..... غریبوں کی جھونپڑیوں میں اکثر چاند سورج اترتے دیکھے جاتے ہیں جنہیں دیکھ کر انسان زندگی ہر جائے۔ ہر شے ٹھکرا دے۔'' خیالات کی آباد دنیا میں وہ دور نکل گیا۔ دل و دماغ میں اپنے ماہتاب کی کرنیں پھیل گئیں۔ اردگرد اس کے حُسن کا اجالا پھیل گیا۔

''مگر ان چاند سورج کی موجودگی بھی جھونپڑی کے اندھیرے نہیں مٹا سکتی۔ اندھیروں میں ہی ان کے اجالے چھپ جاتے ہیں۔'' زلفی نے کہا تو کرم داد کو شدید حیرت ہوئی۔ وہ تو اچھا خاصا فلسفہ بول گیا تھا۔

''واہ! مزا آ گیا، کیا بات کی ہے۔'' وہ خوش دلی سے قہقہہ لگا کر بولا۔

''چلیں چھوڑیں، آپ ٹی وی دیکھیں میں آپ کے لئے کھانا بناتا ہوں۔'' زلفی نے کہا اور وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''بس ٹی وی بند کر جاؤ۔ کوئی خاص پروگرام نہیں آ رہا۔''

''آپ کہیں تو ویڈیو لگا دوں؟'' زلفی نے پوچھا۔

''نہیں، کچھ بھی نہیں..... طبیعت کچھ بوجھل ہے۔ میں خاموش بیٹھنا چاہتا ہوں۔'' اس نے کہا اور سر صوفے کی پشت سے ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔

○❖○

سنہری جھلملاتے لباس میں سمٹی سمٹائی حرا کو کچھ دیر پہلے ہی شرارت و شوخی سے مسکراتے جواد کے برابر صوفے پر بٹھایا گیا تھا، کیمرے حرکت میں آ گئے۔ حسین جوڑے پر سب کی نظریں جم گئیں۔ فرخندہ نے ہزاروں بلائیں لے ڈالیں۔ بوا اور آفریدی صاحب بھی صدقے واری جا رہے تھے۔ چاند سورج کی جوڑی بنے وہ دونوں دھیرے دھیرے مسکرا رہے تھے۔ رسم کی ادائیگی سے ذرا پہلے آفریدی صاحب نے بے چین نظروں سے چاروں جانب دیکھا۔ ذکاء سے نظر ملی تو وہ فوراً باپ کا مطلب سمجھ کر اندر کی طرف یعنی کوئل کے کمرے کی طرف چل دیا۔ اس کا اپنا من بھی بے قرار تھا۔ دل پسلیوں میں پھڑ پھڑا رہا تھا۔ سب موجود تھے، ایک وہی نگاہوں سے اوجھل تھی۔ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا وہ اس کے کمرے میں پہنچا تو وہ فون پر بات کر رہی تھی۔ اس کی آہٹ محسوس نہ کر سکی۔ وہ اس کی پشت کی طرف خاموشی سے کھڑا رہا۔

''دیکھیں صاحب! مجھے برباد کر کے آپ کو کیا ملے گا؟'' اس نے روتے ہوئے منت کی۔

''پاگل برباد تو تمہیں کرم داد نے کیا ہے..... میں تو آباد کرنا چاہتا ہوں۔''

''مجھے آپ سے کچھ لینا دینا نہیں، میں سب کچھ چھوڑ چکی ہوں۔'' وہ رو دی۔

''ہا، ہا..... کرم داد کو بھی؟ وہ تو تمہارے عشق میں پاگلوں کی طرح گھومتا ہے۔'' وہ ہنستے ہوئے بولا۔

''کہاں..... کیا آپ نے دیکھا ہے؟'' وہ مضطرب ہو گئی۔

''یہیں..... اسی شہر میں۔ مگر تم تو سب کچھ چھوڑ چکی ہو۔''

''اپنی ہی کم عقلی سے سب کچھ چھوڑا ہے۔ مجھے میرے حال پر رہنے دیں۔ یہاں سے نکل کر میں کہاں جاؤں گی؟'' اس نے منت بھرے انداز میں کہا۔

''دیکھو گڑیا! میرے پاس تو تمہیں آنا ہی ہوگا۔ اگر چاہتی ہو کہ شرافت کا بھرم قائم رہے تو مجھے ملو اور نہیں تو میں ان شریف لوگوں کو بھی تمہاری اصلیت بتا دیتا ہوں اور تمہارے بہنوئی کو بھی۔''

''نہیں، نہیں صاحب! آپ ایسا نہیں کر سکتے۔ میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔'' وہ گڑگڑانے لگی۔

''سوچ لو، آج تو تم مصروف ہو۔ تمہاری منہ بولی بہن کی منگنی ہے۔ ویسے وہ بھی بہت حسین ہے۔'' وہ مکاری سے بولا۔

''صاحب..... صاحب چپ ہو جائیں۔ میں ان کے بارے میں ایک لفظ نہیں سن سکتی۔ میری نادانی سے آپ مجھے تو تنگ کر سکتے ہیں لیکن انہیں نہیں۔'' وہ جذباتی ہو کر بولی۔

''چلو نہیں کچھ کہتے، تم سوچ لو، جگہ تو تم نے دیکھ لی ہے۔ جب چاہو آ جانا۔ بائے بائے۔'' یہ کہہ کر فون بند کر دیا۔ مردہ ہاتھوں سے اس نے ریسیور فون پر رکھا اور پلٹی تو بوکھلائی۔ قریب ہی سینے پر ہاتھ باندھے وہ کھڑا تھا۔

''وہ..... وہ..... میں وہ.....'' وہ ہکلانے لگی۔

''کس سے باتیں کر رہی تھیں؟'' وہ انجان بن کر بولا گو کہ اس نے دوسری طرف کی آواز نہیں سنی تھی۔ مگر اس کے جملوں سے ہی صاف اندازہ ہو رہا تھا کہ دوسری طرف کوئی صاحب ہیں جو اسے خوفزدہ کرتے ہیں۔ جان بوجھ کر وہ انجان بن گیا۔

''وہ..... بس ویسے ہی نمبر مل گیا تھا شاید۔''

''اوہ، رانگ نمبر۔ آج کل رانگ نمبر زیادہ تنگ کر رہے ہیں۔ بابا سے کہہ کر ٹھیک کراتے ہیں۔'' وہ سادگی سے بولا۔

''نہیں نہیں..... ایسی کوئی بات نہیں۔''

''چلو یونہی سہی، آپ مہمانوں میں تو چلیں، تیاری بھی نہیں کی۔ کیسے آنکھوں کا کاجل پھیل رہا ہے۔ بال بکھرے بکھرے ہیں۔'' بے ترتیبی میں بھی اس کے حُسن کا سحر اس کو پریشان کر گیا۔

''ہاں..... میں ایک منٹ میں آئی۔'' یہ کہہ کر وہ واش روم میں گھس گئی۔ کچھ دیر بعد بال اسکارف میں جکڑ کے ہلکی لپ اسٹک لگا کر وہ دھلے دھلے چہرے کے ساتھ چلنے کو تیار تھی۔ ذکاء نے چند لمحے جائزہ لیا اور پھر اسی طرح ساتھ لئے باہر نکل آیا۔

○❖○

''اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے، سب کام ٹھیک ہو گئے۔'' مہمانوں کو رخصت کرنے کے بعد جونہی فراغت نصیب ہوئی تو بوا بولیں۔ حرا کپڑے چینج کر کے اپنے کمرے کی طرف چل دی جب کہ آفریدی صاحب اور ذکاء تھکن سے چور ٹی وی لاؤنج میں ہی صوفوں پر گر سے گئے۔

''بوا جی! اچھی سی چائے پلائیں۔'' آفریدی صاحب نے بوا سے کہا۔

''کومل کچن میں چائے ہی تیار کر رہی ہے۔ ہماری تو ہڈی ہڈی چیخ رہی ہے۔'' بوا آفریدی صاحب کے قریب بیٹھتے ہوئے بولیں۔ ذکاء کے قریب کھڑے ہوئے نظر بچا کر کچن کی راہ لی۔

وہ کسی گہری سوچ میں غلطاں چائے بنانے میں منہمک تھی۔ وہ بڑی آہستگی سے اس کے قریب کھڑا ہو گیا۔ بدن سے اٹھتی مہک اس کی سانسوں میں اتری تو وہ چونکی۔

''آپ.....؟'' زیر لب بڑبڑائی۔

''کیوں، میرے یہاں آنے پر پابندی ہے کیا؟'' اس نے براہِ راست اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''کوئی پابندی نہیں۔'' وہ آہستہ سے بولی۔

''آج کچھ زیادہ ہی چپ ہو۔ نہیں بتاؤ گی کیا؟''

''ہمیشہ سے چپ ہوں..... کوئی نئی بات نہیں۔'' وہ کھولتے پانی میں چائے کی پتی ڈالتے ہوئے بولی۔

''لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ آج بالکل نئی بات ہے۔'' وہ دھیرے دھیرے الفاظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔

''آج..... آج کیا نیا ہے؟'' وہ چونکی۔

''میرا مطلب ہے آج سرخ لباس میں کھوئی کھوئی، سوئی سوئی تم بالکل نئی لگ رہی تھیں۔'' وہ یکسر ٹال کر مسکرایا۔ اس نے اطمینان کی سانس بھری۔

''تم نے جواب نہیں دیا.....؟'' منہ میں چینی کا چمچ بھر کر وہ بولا۔

''کیسا جواب؟'' گھنیری پلکیں جھپکتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

''یہی کہ وہ سب کیا ہے؟'' پھر ان دیکھے خدشے نے سر اٹھایا تو وہ پوچھ بیٹھا۔

''کیا وہ سب؟'' ایک بار پھر وہ پریشان ہو گئی۔

''جو تم ہم سب سے چھپاتی ہو۔''

''میں..... میں کچھ نہیں چھپاتی۔ میرے پاس ہے ہی کیا جو چھپاؤں گی۔''

''یہ تو نہ کہو، تم تو بہت مالدار ہو۔ نازک سے سراپے میں حشر سامانیاں چھپی ہوئی ہیں۔ کون سی دولت ہے جو تمہارے پاس نہیں۔'' سر سے پیر تک دیکھتے ہوئے وہ جذب کے عالم میں بولا۔

''پتہ نہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ میں چائے لے کر جا رہی ہوں۔'' وہ چائے کی پیالیاں ٹرے میں رکھ کر چھپاکے سے باہر نکل گئی اور وہ ایک دم ہی سنجیدگی سے کچھ سوچنے لگا۔

اسے یقین تو ہو چلا تھا کہ کچھ نہ کچھ ہے، کہانی کا کوئی ایسا کردار ہے جو کومل کو بلیک میل کر رہا ہے۔ مگر وہ کون ہے؟ اس کا کومل سے کیا رشتہ ہے؟ رشتہ محبت کا ہوتا تو وہ روتی کیوں؟ اس کا مطلب ہے کوئی محبت کے رشتے سے وابستہ نہیں۔ لیکن اصل قصہ کیا ہے؟ کومل ہم پر بھروسا کیوں نہیں کرتی، ہمیں قابل اعتبار کیوں نہیں سمجھتی؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ خود..... نہیں، نہیں ایسی بالکل نہیں ہو سکتی..... ذہن کے اکسانے پر دل نہ مانا۔

''اب کیسے یہ راز جانا جائے، جو کوئی بھی ہے کومل کی پریشانی کا باعث ہے۔ اس کی پریشانی کیسے دور کی جائے؟'' وہ خود سے سوال کرنے لگا۔ مگر یہ وہ سوال تھا جس کا جواب صرف کومل کے پاس ہی تھا اور اس سے وہ کھل کر پوچھنا نہیں چاہتا تھا۔ اصل بات کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے ضروری تھا کہ خاموشی سے سب کچھ جانا جائے۔ اس طرح کومل کے دل کو ٹھیس نہیں لگتی وگرنہ وہ کس قدر اس بات کا اثر قبول کر لے یہ وہ جانتا تھا۔ کومل کی معصوم صورت فوراً اس کی آنکھوں میں گھوم جاتی۔ شام سے وہ اس الجھن میں گرفتار تھا۔

○❖○

''یار کرم داد! تم نے اچھا نہیں کیا۔ ساتھ چلتے تو بہت مزا آتا۔'' انجم صاحب نے کہا۔

''بالکل، آفریدی بھائی بھی تمہارا پوچھ رہے تھے۔'' فرخندہ نے بھی شوہر کی تائید کی۔

''مہربانی ہے ان کی۔ مگر میں وہاں جا کر کیا کرتا؟''

''بھئی تقریبات میں شریک ہو کر کیا، کیا جاتا ہے؟'' انجم صاحب نے پوچھا۔

''بہت خوبصورت تقریب تھی۔ بے شک ہماری ہی دو فیملیز تھیں مگر مزا بہت آیا۔ ماشاء اللہ جواد اور حرا تو اس قدر حسین لگ رہے تھے کہ نظریں نہیں ہٹ رہی تھیں۔'' فرخندہ کی آنکھوں میں بیٹے اور بہو کے لئے محبت بھرے جذبے چھلکنے لگے۔

''اللہ مبارک کرے۔'' کرم داد نے کہا۔

''یار! اب تم بھی سہرے کے پھول کھلا ہی ڈالو۔'' انجم صاحب نے ہنس کر کہا تو وہ بجھ سا گیا۔

''انجم! اگر کرم داد میرا بیٹا ہوتا تو میں کومل کا رشتہ مانگ لیتی۔'' بے ساختہ ہی فرخندہ کہہ بیٹھی۔ کرم داد کے ساتھ ساتھ انجم صاحب نے بھی حیرت سے دیکھا۔

''یہ کیا بات ہوئی، کرم داد راضی ہو جائے تو رشتہ لینا میرا کام ہے۔'' انجم صاحب نے اس کے

محسوس کرنے سے پہلے بیوی کے غلط جملے کو سنبھال لیا۔ ویسے بھی وہ جانتے تھے کہ کرم داد کسی اور کے لئے راضی نہیں ہوسکتا۔

''شکریہ سر! مگر میرا مسئلہ آپ سمجھتے ہیں۔'' کرم داد نے انجم صاحب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''بالکل بیٹا، تم میرے بیٹے ہو۔ میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ تاہم جب کوئی کیسا بھی فیصلہ کرو مجھ پر بھروسا کر لینا۔ کومل جیسی ہزار ہا لڑکیاں مل سکتی ہیں۔'' انجم صاحب نے اسے سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔

''بہت شکریہ..... اب میں چلتا ہوں۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

''کہاں، رات یہیں آرام کرو۔ میں نے گیسٹ روم کھلوا دیا ہے۔'' فرخندہ نے جلدی سے کہا۔

''ہاں، صبح جانا۔ جاؤ اب آرام کرو۔'' انجم صاحب نے بھی کہا تو وہ اثبات میں گردن ہلا کر باہر چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی انجم صاحب خفگی سے فرخندہ پر برس پڑے۔

''فرخندہ بیگم! کبھی تو عقل استعمال کر لیا کرو، کوئی کسی اجنبی کو بھی یہ نہیں کہتا کہ اگر تم میرے بیٹے ہوتے تو ہم یہ کرتے۔ کتنی ٹھیس پہنچائی ہے تم نے اس بے چارے کے دل کو۔''

''ایسی کیا بات کہہ دی۔ بس میرے منہ سے نکل گیا کہ کومل کا رشتہ مانگ لیتے۔'' فرخندہ نے کہا۔

''بات معمولی نہیں ہے بیگم صاحبہ، کسی کا دل رکھنا بڑی بات ہے۔ آپ صرف یہ کہہ دیتیں کہ کرم داد تم چاہو تو کومل کا رشتہ مانگ لیتے ہیں، تو کچھ فرق نہ پڑتا۔ مگر تم نے پہلے جملے میں جو غلطی کی ہے وہ ٹھیک نہیں۔''

''دراصل کومل کے حُسن سے میں اتنی متاثر ہوں کہ میرے منہ سے نکل گیا۔ یہ سچ بھی ہے کہ جواد کے علاوہ میرا کوئی دوسرا بیٹا ہوتا تو میں کومل کو ہی اپنی بہو بناتی۔'' فرخندہ نے اعتراف کیا۔

''درست۔ مگر اب ایسا نہیں ہے۔ کرم داد جس لڑکی کو پسند کرتا ہے وہ کہیں کھو گئی ہے۔ یہ اس کی تلاش میں ہے۔''

''کیا مطلب کھو گئی ہے؟'' فرخندہ کو حیرت ہوئی۔

''ہاں، مطلب یہ کہ بچھڑ گئی ہے۔ اب اس کی تلاش جاری ہے۔''

''بڑی عجیب بات ہے، اس کا کوئی اتا پتہ نہیں معلوم کیا؟''

''نہیں..... بس جذبوں کی صداقت پر یقین ہے کہ وہ ضرور ملے گی۔''

''یہ تو حماقت ہے۔ جانے وہ کہاں ہو، اس کے لئے عمر ضائع کرنے سے فائدہ۔'' فرخندہ نے کہا۔

''یہ تو ہم تم کہہ سکتے ہیں کیونکہ ہم لفظ محبت سے واقف نہیں۔ جو محبت کرتے ہیں وہ زندگی ہار جاتے ہیں مگر محبوب کو نہیں بھولتے۔'' انجم صاحب نے جواب دیا۔

''آپ کچھ بھی کہیں یہ پاگل پن ہے۔'' فرخندہ نے ان کی بات مسترد کر دی۔

''میں نے کہا نا کہ محبت کرنے والے کو یہ سمجھانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ میں نے کرم داد کو بہت سمجھایا ہے مگر اس نے کہا ہے کہ واپسی ممکن نہیں۔ لہٰذا مجبوری ہے۔''

''چلو مرضی ہے اس کی۔ آپ اٹھیں، چل کر چینج کریں۔ کافی رات گزر گئی۔'' فرخندہ نے کہا اور خود بھی کمرے کی طرف چل دی۔

○❖○

''کومل!'' حرا نے اس کے قریب لیٹتے ہوئے پکارا۔

''ہنہ.....'' وہ جو چت لیٹی چھت گھور رہی تھی، دھیرے سے بولی۔

''جواد کیسا لگ رہا تھا؟'' حرا نے شرمیلے انداز میں پوچھا۔

''جواد بھائی بہت حسین، شہزادے لگ رہے تھے۔'' وہ پوری طرح کروٹ لے کر حرا کی طرف متوجہ ہوگئی۔

''کومل! انسان حسین لوگوں سے ہی محبت کیوں کرتا ہے؟'' حرا نے کھوئے کھوئے کہا۔

''حسین کون ہوتے ہیں میں نہیں جانتی؟'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''یہ بے ایمانی ہے، حسین ہو کر یہ بے نیازی کہ حسین کون ہوتے ہیں۔'' حرا نے اس کے ہاتھ پر چٹکی کاٹی۔

''اگر حسین میرے جیسے ہوتے ہیں تو اللہ کسی کو حسین نہ بنائے۔'' وہ افسردگی سے بولی۔

''کومل! یار یہ بڑی بری بات ہے۔ ہر وقت مخالف سمتوں میں سفر کرتی ہو۔ اپنی قدر و قیمت سے واقف نہیں ہو تو کسی دوسرے سے پوچھو۔'' حرا نے جھنجلا کر کہا۔

''دل پر جو گزرتی ہے اس کے بارے میں انسان خود بہتر جانتا ہے، کسی اور سے پوچھنے کی ضرورت نہیں رہتی۔''

''یہ آج پھر کوئی دورا پڑا ہے۔ الجھی الجھی، پریشان پریشان ہو۔'' حرا نے اس کی سنجیدگی کو محسوس کرتے ہوئے خود بھی سنجیدہ ہو کر پوچھا۔

''یہ کوئی نئی بات نہیں۔ آپ پریشان نہ ہوں بلکہ بتائیں کہ جواد بھائی کی تعریف میں کیا سننا چاہتی ہیں؟'' وہ کمال ہوشیاری سے بات کا رخ ہی بدل گئی۔

''میں کچھ سننا نہیں چاہتی۔ بس ویسے ہی پوچھ لیا تھا۔'' حرا لجا گئی۔

''ویسے ہی بتا دیتی ہوں کہ وہ بہت اچھے ہیں۔ آپ سے بہت پیار کرتے ہیں۔ آپ کی خاطر کچھ بھی کر سکتے ہیں۔'' کومل نے کہا تو حرا شرم سے گلنار ہوگئی۔

''کومل! پتہ نہیں کیسے جواد میری زندگی میں آ گیا ہے..... کل ہی کی تو بات ہے اور اب ایسا لگتا ہے کہ اس کے بغیر ایک پل گزارنا بھی مشکل ہو۔'' حرا نے لجاتے ہوئے اعتراف محبت کیا۔

''واقعی..... مگر آپ تنگ تو اس قدر کرتی ہیں جواد بھائی کو۔ وہی بے چارے مرے جاتے ہیں

آپ کے لئے۔"

"وہ تو میں شرارتاً کرتی ہوں۔ تنگ کرنے کے لئے، اپنے سے دور رکھنے کے لئے۔" حرا نے مسکرا کر کہا تو وہ یکلخت سنجیدہ ہوگئی۔

"نہ کیا کریں، شرارت سے بھی نہیں۔ کیونکہ کبھی بھول کر بھی چاہنے والے دور ہو جائیں تو پھر قریب نہیں آتے۔ چاہنے والوں کو تنگ کرنا اچھی بات نہیں۔ وہ روٹھ جاتے ہیں، دور ہو جاتے ہیں۔ لاکھ پکاریں پھر بھی نہیں آتے۔" وہ جنونی انداز میں روتے ہوئے بڑبڑاتی چلی گئی۔ حرا حیران پریشان ہو کر اسے جھنجھوڑنے لگی۔ یہ رویہ خلاف توقع تھا۔

"کومل! کومل کیا ہو گیا ہے تمہیں؟" وہ بولی۔

"کچھ نہیں۔" کہہ کر وہ کروٹ لے کر لیٹ گئی۔ حرا نے خاموشی اختیار کر لی مگر ذہنی طور پر وہ الجھن کا شکار ہو گئی تھی کہ کومل کا مسئلہ کیا ہے؟

"کومل وہ کون ہے جو تمہارے پکارنے پر بھی نہیں لوٹتا۔ جس نے دور ہو کر تمہاری آنکھوں میں ویرانیاں بھر دی ہیں۔ کبھی کھل کر بتاؤ۔ شاید ہم میں سے کوئی اسے لا سکے، ہم تمہارے لئے کچھ کر سکیں۔" وہ دل ہی دل میں سوچنے لگی۔ بہت زیادہ خوشی کے احساس سے سرشار تھی۔ چاہتی تھی کہ رات بھر جواد کی محبت کے ان گنت سپنوں میں کھو کر محبت کا مزہ لے۔ لیکن اب بہت افسردہ اور پریشان تھی۔ دل اور دماغ دونوں صرف کومل کے بارے میں الجھے ہوئے تھے۔

اس نے اپنے طور پر فیصلہ کیا کہ صبح اور کسی سے نہیں تو ذکاء بھائی سے ضرور مشورہ کیا جائے گا۔ شاید اس کی بہتری کا کوئی راستہ اسی کے پاس ہو۔ وہ کچھ کر سکے۔ "اے اللہ، تُو دلوں کے بھید جانتا ہے، تُو بہتر جانتا ہے کہ کومل کے دل میں کیا ہے؟ اس کے دل کے راز تجھ پر آشکار ہیں..... اپنی رحمتوں سے سب ٹھیک کر دے۔ یہ معصوم بھولی سی لڑکی کڑھ کڑھ کر اپنی جان جلا رہی ہے، اس کی مدد فرما، اس کو دل چاہی خوشی عطا فرما (آمین)" اس نے صدقِ دل سے دعا کی اور محبت سے اس کے بالوں میں اپنی انگلیاں پھیرنے لگی۔ اس طرح گویا وہ اس کے غم میں شریک ہو گئی تھی۔ اس کے خلوص کا لمس کومل کے دل میں اتر گیا، پُرسکون ہو کر بوجھل پلکیں موند لیں۔

○❖○

"اوہو، یہ اس قدر تیاری کے ساتھ کہاں جایا جا رہا ہے؟" آئینے میں اس کا حسین سراپا دیکھ کر وہ شوخی سے بولا۔

"یہی بات جناب سے پوچھی جائے تو؟" حوریہ نے ادا سے لہرا کر ٹائی کی ناٹ درست کرتے ہوئے رضا سے کہا۔ وہ ہنس دیا۔

"پرانے کی منزل کیا ہوتی ہے مائی ڈیئر۔" اس نے چہک کر جواب دیا۔

"کوئی خاص منزل نہیں ہوتی۔ بے چارہ جل مر کر قربان ہو جاتا ہے۔" حوریہ نے کندھے اچکا کر

کہا۔

"جان رضا، یہ ماڈرن پروانہ ہے۔ جلا تو سکتا ہے جل نہیں سکتا۔" مڑ کر وہ قریب آتے ہوئے بولا۔

"خیر، بتاؤ آج کل کیا مصروفیت ہے؟ تمہارے پاپا کا فون بھی آیا تھا۔"

"کیا کہہ رہے تھے؟"

"تمہارا پوچھ رہے تھے۔ غصے میں تھے۔"

"تم نے کیا کہا؟"

"میں جھوٹ تو بول نہیں سکتی تھی، ہسپتال کا کام مکمل ہو چکا ہے۔ افتتاح ہو چکا ہے۔ میرے پاس تمہارے رہنے کا جواز کوئی ہے نہیں۔ لہٰذا کہہ دیا کہ تم اپنی نجمہ آنٹی کی طرف ہو۔" اس نے تفصیل بتائی۔

"ٹھیک کہا۔ اب دوبارہ فون آئے تو مزید کہہ دینا کہ میں نجمہ آنٹی کے آتے ہی آجاؤں گا۔"

"تم انہیں فون تو کر لیا کرو۔"

"یار مصروفیت بڑی ہے۔"

"ایسی بھی کیا مصروفیت ہے..... اب تو کئی کئی دن ہمیں بھی چہرہ نہیں دکھاتے۔" حوریہ نے گلہ کیا تو وہ کھسیانیت سے ہنسنے لگا۔

"کمال کرتی ہو ڈارلنگ، تم سے دور کیسے رہ سکتا ہوں..... عنقریب یہ دوری ختم کرنے والا ہوں۔ پاپا سے بات کروں گا۔"

وہ کچھ سٹپٹا سی گئی، نظریں چراتے ہوئے بولی۔ "اپنی بات کرو، کہاں مصروف ہو؟"

"بس ایک ہی پراجیکٹ پر کام کر رہا ہوں..... حسین پراجیکٹ پر۔ تمہیں ایک بات بتاؤں، میں جس کام کے پیچھے پڑ جاؤں وہ کر کے ہی رہتا ہوں۔ تمہارے سابقہ نک چڑے شوہر کو تمہاری زندگی سے نکالنے کا عزم کیا تھا، دیکھو کیسے نکال باہر پھینکا۔ تمہیں زندگی بنانا ہے، سو بنا کر رہوں گا۔ اور وہ میرے دام سے بچ نہیں سکتی۔" وہ اکڑ کر بولا۔

"وہ کون؟"

"وہ..... میرا مطلب ہے جناب آپ۔"

"رضا! کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کہ تم میرے لئے کس قدر سیریس ہو؟"

"جتنا بھی ہوں اپنے اور میرے مراسم سے اندازہ کر لو۔ کوئی فاصلہ ہے تو صرف ایک تم نے ہی رکھا۔"

"رضا! کیا یہ ضروری ہے کہ ہم اچھے دوستوں کی جگہ میاں بیوی کے رشتے سے بندھیں؟"

"ہاں، اس میں حرج کیا ہے؟"

''اگر حرج ہو تو؟'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''کوئی حرج نہیں ہو سکتا ہے۔ سمجھیں تم.....''

''میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔'' اس نے کہا۔

''فی الحال تو پارلر پہنچنا ضروری ہے۔ تم بھی ہسپتال پہنچو۔ پھر کسی وقت بات کریں گے۔'' وہ اس کی سنجیدگی کا نوٹس لئے بغیر گاڑی کی چابی اٹھاتے ہوئے بولا۔

''ویسے بات کچھ خاص معلوم ہوتی ہے۔'' حوریہ نے کریدا۔

''کوئی خاص نہیں، بس معمولی سی خبر ہے میرے پاس۔'' وہ رکا۔

''کیسی خبر؟''

''وہ تمہاری پرانی ملازمہ گڑیا اسی شہر میں ہے۔ بہت مزے میں ہے۔''

''گڑیا..... تمہیں کیسے پتہ؟ اور اس میں خبر والی بات میرے لئے کوئی نہیں۔ چھتیس سو ملازم آتے جاتے رہتے ہیں۔'' وہ تمکنت سے بولی۔

''اب وہ ملازم نہیں ہے مالکن ہے۔'' وہ لفظوں کو چبا چبا کر بولا۔

''سو وہاٹ، وہ کبھی بھی میرے لئے اہم نہیں تھی۔ تم بہت خوش ہو اس کے ملنے پر۔'' حوریہ نے استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔

''بالکل غلط۔ وہ میرے لئے بھی اہم نہیں۔ میں نے ایک مرتبہ دیکھا تھا۔ ایسے ہی کہہ دیا۔'' وہ صاف جھوٹ بول گیا۔

''اینی وے، رات ڈنر ساتھ کریں گے۔'' حوریہ نے کہا۔

''ضروری ہے کیا؟''

''ہاں! کچھ ضروری بات ہی کرنی ہے۔'' وہ مستقل سنجیدہ تھی۔

''بہت سنجیدہ ہو۔'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''ہنہ..... بڑی دیر بعد سنجیدہ ہونے کا خیال آیا۔'' وہ آہستہ سے کہتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی اور وہ کندھے اچکا کر خود بھی باہر نکل آیا۔

○❖○

''بوا، بوا..... جلدی سے کھانا دیں، بہت بھوک لگی ہے۔'' زور زور سے چلا کر اس نے گھر سر پر اٹھا لیا۔

''توبہ استغفار، کیا ایک منٹ صبر ہے کہ نہیں۔'' گھبرا کر اپنا کرتا اور سوئی دھاگا رکھ کر وہ کھانے کے کمرے میں پہنچیں۔

''پیٹ میں سے خوفناک آوازیں آ رہی ہیں اور آپ کہتی ہیں کہ صبر کروں۔'' وہ بولا۔

''تو ہم نے نہیں کہا تھا کہ کھانے کے وقت گھر سے غائب ہو جاؤ۔ پورے گھنٹہ بھر انتظار کرکے ہم

نے کھانا کھایا ہے۔ تمہارے پیر کے چکر سے ہم تو پریشان ہیں، روز کہتے ہیں کہ کھانے پینے کے وقت گھر پہنچ جایا کرو۔'' بوا تقریر کرتی ہوئی کھانا لانے کچن میں گھس گئیں۔

''بھائی! آپ تھے کہاں؟'' حرا نے آکر پوچھا۔

''میں..... ذرا بابا کے آفس گیا تھا۔''

''کیوں، کوئی کام تھا؟''

''ہاں، وہ ایک جگہ ملازمت کے لئے درخواست دینی تھی۔ بابا سے پوچھنے گیا تھا۔'' وہ سرسری کہتے ہوئے میز پر پہلے سے موجود سلاد کھانے لگا۔

''اس کا مطلب ہے پیزا اور آئس کریم پکے۔'' وہ تقریباً جھوم اٹھی۔

''وہ کس خوشی میں؟'' وہ حیرت سے بولا۔

''ملازمت کی خوشی میں۔''

''چلو یہ تو طے ہوا کہ تمہاری قوت سماعت کمزور ہے۔ بے چارے جواد کا کچھ تو بھلا ہوا۔'' وہ سنجیدہ سی شکل بنا کر بولا۔

''یہ جواد درمیان میں کہاں سے آ گیا؟'' وہ تنک کر بولی۔

''جہاں سے پیزا اور آئس کریم درمیان میں آ گئے۔'' وہ منہ بنا کر بولا۔

''ہر وقت چٹورپنے کی بات ہوتی ہے، کبھی سلیقہ شعار لڑکی کی طرح بات کر لیا کرو۔'' بوا کھانا میز پر ذکاء کے سامنے رکھتے ہوئے بولیں۔ حرا کا منہ پھول گیا۔ دراصل بوا اس سے ہی تو مخاطب تھیں۔

''بالکل ٹھیک کہا بوا آپ نے۔ جب دیکھو کھانے پینے کی فرمائش۔ میں تو پریشان ہوں کہ انجم انکل کا کیا بنے گا۔ رخسار جیسی پیٹو قسم کی لڑکی تو پہلے ان کے ہاں موجود ہے اوپر سے حرا صاحبہ چلی گئیں تو.....'' اس نے چھیڑا۔

''بھائی، بھائی بس.....'' وہ سر سے پیر تک شعلہ بن گئی۔

''ذکاء! اب زیادہ تنگ نہیں کرو بہن کو۔'' بوا نے فوراً ذکاء کو تاکید کی اور خود اپنے کمرے کی طرف چلی گئیں جبکہ حرا خاموشی سے بیٹھی رہی۔

''بھائی!'' اس کو خاموشی سے کھانے میں مصروف دیکھ کر حرا نے دھیرے سے پکارا۔

''ہنہ..... کیا بات ہے؟'' ذکاء نے بغور اس کے چہرے کا جائزہ لیا۔

''میں پریشان ہوں۔''

''کھی، کھی، کھی.....'' ایک دم ہی اس کی ہنسی چھوٹ گئی۔ منہ میں نوالے کے باوجود وہ ہنس رہا تھا۔

''یہ تو آج کے دن کا سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ حرا آفریدی اور پریشان، یہ کیسے ممکن ہے؟'' ہنستے ہنستے آنکھوں میں آئے پانی کو صاف کرتے ہوئے بولا۔

''بھائی، بھائی! فار گاڈ سیک، میں کومل کے لئے پریشان ہوں۔'' وہ جھنجلا کر بولی۔

"وہ کیوں.....؟" اب کی بار وہ سنجیدگی سے بولا۔

"دراصل وہ کسی وجہ سے سخت پریشان ہے۔ اس کی پریشانی بابا کے لئے دکھ کا باعث ہوگی۔ بابا کو میں دکھی کرنا نہیں چاہتی کیونکہ کومل انہیں بہت عزیز ہے۔" وہ اٹک اٹک کر بولی۔

"تمہارا مطلب ہے کہ ہمیں کومل عزیز نہیں؟"

"یہ مطلب نہیں ہے..... آپ کو تو وہ بہت عزیز ہے۔" حرا نے لفظ "آپ کو" پر خاص زور ڈال کر کہا۔ ذکاء دھیرے سے مسکرا دیا۔ اس کی بات سمجھ چکا تھا۔

"مسئلہ کیا ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم، لیکن کوئی مسئلہ ہے ضرور۔"

"ٹھیک ہے..... تم فکر نہ کرو۔ سب کچھ جلد ٹھیک ہو جائے گا۔" اس نے تحمل سے کہا۔

"بس کچھ کریں، کومل کو خوشی ملنی چاہئے۔" حرا دکھی تھی۔

"بالکل ایسا ہی ہوگا انشاء اللہ۔ تم ایسا کرو اچھی سی چائے بنا کر میرے کمرے میں لاؤ۔" ذکاء یہ کہہ کر میز سے اٹھ کھڑا ہوا۔

○❖○

لمبی سی سفید گاڑی بالکل اس کے قریب سے گزری۔ اسے تقریباً ذہنی جھٹکا لگا۔ منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اسے فالو کرنے لگا۔ کچھ دور چلنے کے بعد آگے والی سفید گاڑی ایک بڑے سے گاڑیوں کے شوروم کے باہر رکی۔ وہ باہر نکلا، گاڑی لاک کی اور شوروم کے اندر سے ہو کر دفتر میں داخل ہو گیا۔ وہ حیران سا دانتوں میں انگوٹھا دبائے چند لمحے اسی طرف دیکھتا رہا پھر دل نے اکسایا تو خود بھی گاڑی لاک کر کے اسی طرح اندر کی طرف چل دیا۔

"ٹھک، ٹھک....." ہلکی سی دستک دروازے پر پیدا ہوئی۔

"آیئے....." اندر سے اس نے مخصوص انداز میں کہا۔ وہ مسکرا کر اندر داخل ہو گیا۔ ریوالونگ چیئر پر بیٹھا وہ میز کی دراز سے کچھ تلاش کر رہا تھا۔ دروازے پر نظر نہ ہونے کی وجہ سے وہ آہستہ آہستہ چل کر میز کے قریب پہنچ گیا۔ سخت متحیر تھا کہ دفتر میں اس طرح مالکان کی کرسی پر براجمان وہ کیسے ہے؟

"تم.....؟" اس سے پہلے وہ پیشانی پر ہزار سلوٹیں ڈال کر بولا۔

"واٹ اے سرپرائز۔" وہ حسب عادت کندھے اچکا کر مسکراتے ہوئے بولا۔

"کام کی بات کرو۔" اس نے ناگوار لہجے میں کہا۔

"مسٹر کرم داد! یار یہ فن مجھے بھی بتاؤ کہ لمبا مال کیسے حاصل کیا جا سکتا ہے؟" دفتر کا ستائشی انداز میں جائزہ لیتے ہوئے وہ بولا۔

"تمہیں رضا علی، مال حاصل کرنے کی تمنا کیوں ہے؟ تمہاری تو پانچوں گھی میں ہیں۔" کرم داد

طنزیہ مسکرایا۔

"ہاں! مگر پھر بھی نقصان میں ہوں۔ میری تو صرف پانچ گھی میں ہیں، تم دونوں کی دس گھی میں ہیں۔" وہ پوری طرح خباثت سے بولا۔

"کون دونوں؟" اس نے پوچھا۔

"تم اور تمہاری سابقہ محبوبہ۔"

"بکواس بند کرو۔" وہ غصے سے چلایا۔

"چلو کر لیتے ہیں۔ تم اس کا ذکر سننا نہیں چاہتے تو میں کیوں بتاؤں؟" وہ شانِ بے نیازی دکھانے لگا۔

"دیکھو! جس مقصد سے آئے ہو بیان کرو، میں زیادہ دیر تم جیسے شخص کو برداشت نہیں کر سکتا۔" کرم داد نے غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا۔

"اے مسٹر! زیادہ اسمارٹ بننے کی کوشش مت کرو۔ میں یہاں کسی مقصد سے نہیں آیا، صرف تمہارے ٹھاٹ دیکھنے آیا تھا، ماشاء اللہ دونوں نے لمبا ہاتھ مارا ہے۔ آخر کو پروفیشنل جو ہوئے۔" رضا علی زور سے چلایا۔

"اپنی بکواس بند کرو اور نکل جاؤ۔ اپنی طرح گھٹیا سمجھتے ہو سب کو..... ہر طرح کی بے ایمانی کر کے معزز کہلواتے ہو خود کو۔ میں لعنت بھیجتا ہوں اس دولت پر جو بغیر محنت کے کمائی جائے۔" کرم داد سخت بپھر گیا۔

"آل رائٹ..... مان لیا..... مان لیا..... کیا تمہاری گڑیا بیگم بھی محنت ہی کر رہی ہیں؟" وہ طنزیہ نظروں سے گھورتے ہوئے بولا۔

"کہاں ہے گڑیا؟" وہ چیخا۔

"اب آئے ہو اصل مطلب کی طرف..... گویا تمہیں نہیں معلوم کہ وہ کہاں ہے؟"

"اگر علم ہوتا تو تمہیں یہاں اتنا بھونکنے کی اجازت نہ دیتا۔"

"مائی ڈیئر! وہ بہت اونچی اڑان میں ہے، تم سے بہتر صاحب تاڑ لیا ہے اس نے۔" وہ آنکھ دبا کر بولا تو کرم داد کا دایاں ہاتھ اٹھ گیا۔ ایک بار پھر رضا علی کے چہرے کا نقشہ بگڑ گیا۔ آنکھیں سرخ ہو گئیں۔

"کرم داد! بہت مشکل کر دوں گا میں تمہارا جینا اور اس کا بھی۔ سمجھے تم۔" گال سہلاتا ہوا انگارے برساتا ہوا وہ آندھی اور طوفان کی طرح باہر نکل گیا۔ وہ اپنی جگہ ساکت زلزلوں کی زد میں تھا۔ دل پر ثریدہ وار کر کے اس کی سانسیں مشکل بنا گیا تھا۔ زور زور سے مکے میز پر مارنے لگا۔

"ارے..... یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟" اسی لمحے جواد دفتر میں داخل ہوتے ہوئے بولا۔ وہ چونک کر حواس یکجا کرنے لگا۔

"بس، کچھ نہیں۔"

"اور یہ میز سے جو باکسنگ ہو رہی تھی وہ؟"

"اپنے آپ سے انتقام لے رہا تھا۔" اس نے دھیرے سے جواب دیا۔

"ویری اسٹرینج۔" جواد نے حیرت سے کہا۔

"آپ بتائیے انجم صاحب نے دفتر آنا ہے یا نہیں؟" وہ موضوع بدلتے ہوئے بولا مگر حد درجہ پریشان دکھائی دے رہا تھا۔

"آپ مجھے ڈسٹرب لگ رہے ہیں، آرام کرلیں۔ میں آفس میں ہوں۔" جواد نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں..... مگر میں باہر جانا چاہتا ہوں۔" وہ مضمحل سا بولا۔

"کہاں؟"

"کہیں کسی کی تلاش میں۔" وہ تیزی سے کہہ کر پلٹا۔

"گاڑی تو لے جاؤ۔" جواد نے آواز دے کر کہا۔

"نہیں، میں ویسے ہی ٹھیک ہوں۔"

"مگر..... گاڑی تمہیں لے جانی پڑے گی۔ ممی اور رخسار آفریدی انکل کی طرف ہیں۔ میں نے واپسی پر انہیں پک کرنا تھا، اب میں یہاں ہوں تو تم انہیں لے لینا۔" جواد نے گاڑی کی چابی اس کی طرف اچھالی۔ اس نے کیچ کرلی۔

○❖○

"یار! یہ تم نے بڑی بے وقوفی کی۔ کم از کم اس کا پتہ تو پوچھ لیتے۔" انجم صاحب نے کہا۔

"کیسے پوچھ لیتا۔ اس نے بکواس ہی ایسی کی۔ میں نے بتایا تو ہے آپ کو۔" وہ غصہ ضبط کرتے ہوئے بولا۔

"غصہ بجا سہی، مگر یار مجبوری میں گدھے کو باپ بناتے ہیں۔ تم اس سے اداکاری کے ذریعے معلومات حاصل کرلیتے۔"

"وہ بہت گھٹیا انسان ہے، آپ سمجھ نہیں سکتے۔"

"خیر..... خیر اب تم اس کا پتہ جانتے ہو تو اس کے پاس جاؤ اور....."

"سر! وہ نہیں بتائے گا۔" اس نے درمیان سے ان کا جملہ اچکتے ہوئے کہا۔

"مجھے اس کا پتہ دے دو، میں مل لیتا ہوں۔"

"ہرگز نہیں، وہ بلیک میلر ہے، آپ کو بھی گرفت میں لے سکتا ہے اور وہ مجھے پریشان کرنا چاہتا ہے۔ لہٰذا کچھ فائدہ نہیں۔"

"یار! پھر یہ مسئلہ کیسے حل ہو..... اس کی باتوں سے لگتا ہے کہ وہ واقعی اس لڑکی کو جانتا ہے۔ اے

کاش یہ چانس مس نہ ہوتا۔" انجم صاحب افسردہ سے ہوگئے۔

"بس ایسا ہی کچھ زندگی کے ساتھ ہو رہا ہے، سب کچھ چانس پر ہے۔"

"اینی وے، ہمت نہیں ہارتے۔ وہ لڑکی یہیں اسی شہر میں زندہ سلامت ہے یہ کم خوشی کی خبر نہیں۔ آج اس کی خبر ملی ہے کل خود مل جائے گی۔" انجم صاحب نے اس کا کندھا تھپتھپایا۔

"لیکن رضا علی ٹھیک آدمی نہیں ہے۔ یہ اسے نقصان پہنچا سکتا ہے۔"

"اللہ پر بھروسہ رکھو، اب اسے تم ملنا نہیں چاہتے۔ کیا، کیا جائے؟"

"اس بدتمیز آدمی سے ملنے کا کوئی فائدہ نہیں، وہ ہرگز نہیں بتائے گا۔" اس نے پریشانی سے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔

"تمہیں مشتعل نہیں ہونا چاہئے تھا، تحمل سے بات کرتے۔" انجم صاحب بھی پریشان ہوگئے۔

"میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں اسے کہاں تلاش کروں، وہ اس شہر میں ہے تو کہاں ہے؟"

"یہی تو مسئلہ ہے کہ اس کا پتہ نہیں معلوم۔"

"سر! میرا دل چاہنے لگا ہے کہ اس زندگی سے نجات پاؤں۔"

"یار! کم ہمتی کی باتیں مت کرو، کوئی سبیل بن جائے گی۔ میرا دل کہتا ہے کہ وہ مل جائے گی۔" انجم صاحب نے ہمت بندھائی۔

"آپ کا دل تو جھوٹی تسلیاں دیتا ہے، کوئی سولڈ بات کرو، عملی طور پر جو نہیں ہوسکتا اس کا مشورہ کیوں دیتے ہو؟" فرخندہ نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"چلو اب ہوگئی بات۔ پہلے کم ہمت کو سمجھانا مشکل تھا اب ایک نادان کو بھی سبق پڑھانا پڑے گا۔" انجم نے بیوی کے آتے ہی شرارت شروع کردی۔

"انجم! آپ سنجیدگی سے کرم داد کو سمجھائیں کہ ایسا ہونا یقینی بھی نہیں۔ ہو جائے تو کچھ کہا نہیں جا سکتا لیکن....."

"لیکن ویکن کچھ نہیں..... بس آپ چونچ بند رکھیں، میں ایک جوان، صحت مند انسان کو بزدل کیسے بنا دوں؟ زندگی آزمائش کا نام ہے۔ کیا ہے کرم داد کو جو یہ ہمت ہار جائے۔" انجم صاحب ذرا بگڑ کر بولے۔

"تو کوئی حل بھی تو بتائیں۔" فرخندہ جل کر بولی۔

"حل..... فی الحال یہی نہیں ہے ہمارے پاس۔ لیکن حل نہ ہونے کی صورت میں کوئی دوسری آپشن بھی تو نہیں ہے فرخندہ بیگم۔" وہ سنجیدگی سے بولے۔

"اخبار میں اشتہار لگوا دیں، تھانے میں رپورٹ درج کرا دیں۔" فرخندہ نے اپنی دانست میں بہت اہم حل بتایا۔

"اوہ خدا! بیگم صاحبہ اس کے پاس کوئی تصویر نہیں ہے۔ اور پھر یہ مناسب طریقہ بھی نہیں ہے۔"

انجم صاحب نے کہا۔

"اگر تصویر ہوتی بھی تو اخبار میں چھپنے کی وجہ سے وہ کسی مشکل میں گرفتار ہو سکتی ہے۔" وہ کافی دیر سے خاموش ان دونوں کی باتیں سن رہا تھا۔ پھر آہستہ سے بولا۔

"میری مانو تو تم اس شخص کے پاس جاؤ۔ کوشش کرو کچھ جاننے کی۔" انجم صاحب نے کہا تو اس بار اس نے مخالفت نہیں کی بس خاموشی اختیار کی۔

"آفریدی بھائی گھر پر ہی تھے، انہوں نے دو مرتبہ کرم داد کو اندر بلوایا مگر یہ آیا ہی نہیں کہ جلدی ہے۔ یہ کچھ دیر انتظار کر لیتا تو ہم مووی لے کر آتے۔ ذکاء لینے گیا ہوا تھا۔" فرخندہ نے بتایا۔

"کیوں میاں! کیا جلدی تھی؟"

"کچھ نہیں سر! بس دل نہیں چاہ رہا تھا۔" اس نے آہستہ سے جواب دیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"اب آج ہی اس کی طرف جاؤ۔ ہمت سے کام لو، مجبوری ہے۔ ہلکا سا اشارہ بھی مل جائے تو کام بن جائے گا۔" انجم صاحب نے ایک بار پھر اسے سمجھایا۔ وہ اثبات میں گردن ہلا کر باہر نکل گیا۔

O❖O

"یہ آئس کریم کھائی جا رہی ہے یا اس سے نہایا جا رہا ہے؟" ذکاء زور سے بولا تو وہ چونک کر شرمندگی سے سینے پر پھیلے دوپٹے پر نقش و نگار بناتی آئس کریم صاف کرنے لگی۔ آفریدی صاحب نے بغور اس کی طرف دیکھا، وہ پریشان اور اداس لگ رہی تھی۔ حالانکہ حرا اور ذکاء کی فرمائش پر وہ آئس کریم لائے تھے، وہ دونوں مزے لے لے کر کھا رہے تھے جب کہ وہ گونگی بہری بنی دنیا و مافیہا سے بے خبر تھی۔

"کومل!" انہوں نے پکارا۔

"جی..... جی بابا!" اس نے غلافی آنکھوں پر سے ریشمی پلکوں کی جھالریں اٹھائیں۔

"آئس کریم پسند نہیں آئی کیا؟"

"بہت اچھی ہے بابا..... بہت مزے کی ہے۔" وہ جلدی جلدی بتانے لگی۔

"ہمیں بھی اپنی محفل میں شریک کر لیا کرو۔" ذکاء کے لبوں پر شکوہ مچل گیا۔

"یہ کیا بات ہوئی بھائی، ہم ایک ہی محفل میں بیٹھے ہیں۔" حرا نے دانستہ ذکاء کو چھیڑا۔

"ذکاء اور حرا! خاموش رہو۔ میری بیٹی کو تنگ نہیں کرو۔ اور کومل بیٹی! آپ بابا کے پاس آؤ، ہمارے سینے پر سر رکھو۔" بابا نے شدید محبت سے اس کو پکارا تو وہ تڑپ کر ان سے لپٹ گئی۔ ساتھ ہی آنکھوں سے ساون کی جھڑی لگ گئی۔ حرا اور ذکاء پریشان ہو گئے۔ مگر کسی کے کچھ بولنے سے پہلے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

"ٹرن..... ٹرن....." ذکاء نے تیزی سے ریسیور اٹھایا۔

"ہیلو..... جی، کس سے بات کرنی ہے؟"

"کومل سے....." مختصراً کہا گیا۔ وہ چونکا۔ ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کے کومل کو پکارا۔ وہ زردی پڑ گئی۔

"جاؤ تمہارا فون ہے۔" بابا نے کہا تو وہ لڑکھڑاتے قدموں سے فون کی طرف بڑھی۔ ذکاء اس کو ریسیور تھما کر تیز قدموں سے باہر نکل گیا۔ بابا اور حرا بھی اس کے پیچھے غیر محسوس طریقے سے نکل گئے۔ اس نے کچھ پُرسکون ہو کر فون کی طرف توجہ کی۔

"ہیلو....." آواز تھرا رہی تھی۔

"یار بڑا انتظار کراتی ہو۔" رضا علی کی آواز ابھری۔

"جی..... وہ....."

"اس کے علاوہ بھی کچھ بول لیا کرو۔"

"رضا صاحب! میں منت کرتی ہوں۔"

"کیا فضول راگنی چھیڑ دی ہے۔ یہ بتاؤ کہ تمہارے صاحب کی خبر دوں تو....."

"جی..... چھوٹے صاحب کی..... کہاں ہیں وہ..... کیسے ہیں؟" وہ بے قرار ہو گئی۔

"اوہ! دونوں طرف ہے برابر آگ لگی ہوئی۔"

"صاحب! بتا دیں، اللہ کے واسطے۔" وہ گڑگڑائی۔

"واہ! ایسے ہی بتا دوں..... پہلے میری بات مان لو۔" وہ قہقہہ لگا کر بولا۔

"کون سی بات؟"

"ایک بار ملنے آؤ بس، اپنے صاحب کا پتہ لے جاؤ۔" وہ خباثت سے بولا۔

"صاحب! یہ تو مشکل ہے۔" وہ رو دی۔

"تو اپنے صاحب کو بھی بھول جاؤ، اسے تڑپنے دو، مرنے دو۔" وہ سفاکی سے بولا۔

"مگر....."

"مگر کیا..... تم ان سے ڈرتی ہو۔ جن کے پاس رہتی ہو وہ تمہارے کیا لگتے ہیں؟ اجنبی ہیں، انہیں تمہاری حقیقت بھی نہیں معلوم۔ زیادہ سے زیادہ بے عزت کر کے گھر سے نکال دیں گے۔ تو تمہارے اس دیوانے کے گھر کے، دل کے دونوں دروازے تمہارے لئے کھلے ہیں۔" وہ کمینگی سے بولتا چلا گیا۔

"میں بے عزت نہیں ہونا چاہتی۔" وہ سسکی۔

"کون سی عزت؟ وہ جو تمہارے صاحب کے پاس رہ گئی؟ دیکھو، یہ عزت وزت کا ڈراما مت رچاؤ۔ ورنہ یہ جھوٹی عزت بھی برباد ہو جائے گی۔" وہ سختی سے بولا۔

"پہلے صاحب کا پتہ دے دیں۔" اس نے منت کی۔

"واہ! کیا سادگی ہے..... پہلے پتہ دے دوں۔ تاکہ پھر انتظار ہی کرتا رہوں۔" وہ بولا۔

"پھر میں کروں تو کیا کروں؟"

"بس ایک بار چلی آؤ، جب دل چاہے کہ صاحب کا پتہ چاہئے..... یہ تم پر ہے کہ تم صاحب کے لئے کیا کر سکتی ہو؟" یہ کہہ کر فون بند کر دیا۔ وہ لرزتے ہاتھوں سے ریسیور کریڈل پر رکھ کر وہیں صوفے پر گر سی گئی۔ ذکاء نے دروازے کی اوٹ سے اس کی آنکھوں کے بھیگے کنارے دیکھے اور واپس لوٹ گیا۔ اسے پتہ بھی نہ چل سکا۔ چلتا بھی کیسے، اس وقت تو وہ درد کی اذیت سے گزر رہی تھی۔ محبت کے منہ زور جذبوں سے ٹکرا رہی تھی۔ جس کے لئے بے قرار تھی، اس کا پتہ مل بھی گیا اور نہیں بھی ملا۔ اس تک پہنچنے کے درمیان گہری کھائی تھی۔ کیسے پار کر اس تک پہنچ سکتی تھی۔ "یا اللہ! کیا میں کبھی دل کو قرار نہیں پا سکوں گی؟ میں اس سے کبھی نہیں مل سکوں گی؟" شدتِ غم سے لبوں پر حسرت آ گئی۔ اس سے پہلے کہ وہ بہت تڑپ تڑپ کر اس کی یاد میں آنسو بہاتی، مغرب کی اذان گونج اٹھی۔ پلو سے آنکھیں رگڑ کر نماز کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

○❖○

"مائی ڈیئر! ڈار کہاں کروا رہی ہیں آپ؟" حوریہ کے گلے میں بازو حائل کرتے ہوئے پوچھا تو وہ کسمسا کر پرے ہو گئی۔

"یہ کیا..... کیا گستاخی ہو گئی؟" وہ پھر اسے کھینچ کر قریب کرتے ہوئے بولا۔

"رضا جو بات مجھے تم سے کرنی ہے اس کے لئے گھر کی فضا بہتر ہے۔" وہ سنجیدگی سے الگ ہو کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ وہ بھی خاموش ہو کر اس کے سامنے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"بولو، کیا بات ہے؟"

"حوریہ بی بی!" اسی اثناء میں دروازے پر حمید کی آواز آئی۔

"کیا بات ہے؟" اس نے کہا۔

"چھوٹے صاحب آئے ہیں۔" حمید نے جواب دیا۔ رضا کے لبوں سے سیٹی نکل گئی۔ خوش ہو کر چلایا۔

"ارے بھیج دو، فوراً، یہیں بھیج دو۔"

"کرم داد کو کیا کام آ پڑا؟" حوریہ کو حیرت ہو رہی تھی۔

"دیکھتی جاؤ، کیسے دیوانہ بنا چلا آ رہا ہے۔" رضا علی آنکھ دبا کر مسکرایا۔

چند لمحوں بعد ہی جھٹکے سے کمرے کا دروازہ کھلا۔ وہ پوری آن بان کے ساتھ ان کے سامنے کھڑا تھا۔ حوریہ نظریں چرا سی گئی جب کہ رضا علی سینہ اکڑا کر بولا۔

"آیئے، مسٹر کرم داد..... محبوبہ کی یاد میں بے قرار ہو کر چلے ہی آئے۔"

"رضا علی! مجھے گڑیا کا پتہ چاہئے۔" وہ تحمل سے بولا۔

"بہت بے قرار ہو....."

"کہاں ہے گڑیا؟" حوریہ نے رضا علی سے پوچھا۔

"ڈارلنگ! ہے ایک سونے کے پنجرے میں۔ رضا علی جانتا ہے اس پنجرے کا راستہ مگر ابھی بتائے گا نہیں۔" وہ مکاری سے ہنستا چلا گیا۔

"کم آن رضا، تم جانتے ہو تو بتاتے کیوں نہیں؟" حوریہ نے کہا۔

"مائی ڈیئر، تم بیچ میں نہ آؤ۔ دیکھو یہ شخص تمہارا بھی بہت بڑا بددیانت ہے۔" رضا علی نے طنزیہ کہا۔

"رضا! کون بددیانت ہے تم کیا جانو؟" حوریہ چلائی۔

"رضا علی! میں التماس کرتا ہوں کہ گڑیا کا پتہ دے دو۔" کرم داد نے انتہائی عاجزی سے کہا۔

"کرتے رہو، مگر اتنی جلدی تمہیں اس کا پتہ کیسے بتا دوں؟"

"رضا! کیوں انوالو ہو رہے ہو؟" حوریہ بگڑی۔

"تمہیں اس شخص سے ہمدردی ہے؟" وہ بولا۔

"میں کرم داد کی مجرم ہوں..... میں کرم داد! تم سے معافی چاہتی ہوں، میں نے جس طرح زندگی کو لینا چاہا وہ طریقہ بالکل غلط تھا۔ مجھے اپنے کئے پر ندامت ہے۔ تمہاری سادگی سے فائدہ میں نے اٹھایا ہے۔ مجھے معاف کر دینا۔" وہ کرم داد کے سامنے کھڑی بولتے بولتے رونے لگی۔ کرم داد کی آنکھیں حیرت سے کھلی رہ گئیں۔

"حوریہ! کیا پاگل پن ہے؟" رضا علی جھنجلا کر بولا۔

"کوئی پاگل پن نہیں ہے، میں سچ کہہ رہی ہوں۔ میں اس شخص کی گناہ گار ہوں اور میرا ضمیر مجھے ملامت کرتا ہے۔" وہ بولی۔

"خیر مجھے آپ سے کوئی گلہ نہیں، آپ کے اور میرے درمیان کسی خلش کا رشتہ باقی نہیں..... میں صرف گڑیا کا پتہ لینے آیا ہوں۔" کرم داد متانت سے بولا۔

"تو فی الحال واپس لوٹ جاؤ، میں اتنی جلدی پتہ نہیں دوں گا۔" رضا علی اکڑ کر بولا۔ اس کی غصے سے رگیں تن گئیں۔

"رضا! دے دو۔ تم کیوں ایسا کر رہے ہو؟" حوریہ نے مداخلت کی۔

"حوریہ! فار گاڈ سیک، وکالت مت کرو۔" رضا علی غصے سے چلایا اور گاڑی کی چابی اٹھا کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ کرم داد غصہ ضبط کرنے کی کوشش میں ہونٹ دانتوں تلے دبائے تیز قدموں سے باہر نکلا۔ حوریہ کی پلکوں سے ندامت کے قطرے بہنے لگے۔ وقت اور حالات نے اسے بالکل بدل کے رکھ دیا تھا۔

○❖○

"بوا..... بوا....." وہ آوازیں دیتا ہوا اس کے کمرے کی طرف آ گیا۔ آواز سن کر وہ سلیپر پاؤں

میں ڈالتے ہوئے کمرے سے باہر نکلی۔ اسے دیکھ کر وہ اس کی طرف آ گیا۔ آنکھوں کے لال لال ڈورے، چہرے پر پھیلی اداسی اعلان کر رہی تھی کہ وہ دکھ اور اذیت کے لمحوں سے جنگ لڑ رہی تھی۔

"بوا، حرا باجی اور بابا شاپنگ کے لئے گئے ہیں۔" اس نے پلکیں جھکائے جھکائے متانت سے کہا۔

"اور تم.....؟" گہری نظروں سے اس کے بے ترتیب سراپے کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میرا دل نہیں چاہ رہا تھا۔" وہ کہہ کر پلٹی۔

"دل کیوں نہیں چاہ رہا تھا؟"

"بس ویسے ہی۔"

"دل کی بات کبھی ہمیں بھی بتاؤ۔" ایک دم ہی اس نے اسے چونکا دیا۔

"کوئی بات ہو تو بتاؤں۔" وہ پلٹی۔

"کومل! تمہارے دل کی کہانی تمہارے چہرے پر رقم ہوتی ہے، میری طرف دیکھو، ایک ایک لفظ سناتا ہوں۔" وہ کچھ دکھی سا ہو کر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

"جو کچھ آنکھ دیکھتی ہے ویسا سچ بھی نہیں ہوتا۔" وہ نظریں چرا گئی۔

"جو آنکھ دیکھتی ہے وہی تو سچ ہوتا ہے۔" وہ اس کے کمرے کی کھڑکی سے باہر جھانکنے لگا۔

"میں آپ کی بات نہیں سمجھ سکی۔" انگلیاں مروڑتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا کر اس کی طرف پلٹا۔

"اچھا ہی ہے کہ تم نے میری بات نہیں سمجھی۔"

"جی....." اس نے حیرت سے پلکیں اٹھائیں۔

"جی۔ یہ بتاؤ کہ کچھ کھانے کو بھی ملے گا یا نہیں؟" وہ یکسر موڈ بدلتے ہوئے بولا۔

"میں لاتی ہوں۔" اس نے کہا اور قدم اٹھائے۔

"سنو، پریشان نہیں ہوتے۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ جیسا چاہتی ہو ویسا ہو گا۔ جس کو چاہتی ہو وہی ملے گا۔" وہ اس کے برابر کھڑے ہو کر سنجیدگی سے بولا اور تیز قدموں سے آگے نکل گیا۔ وہ سکتے کے عالم میں کچھ لمحے کھڑی کی کھڑی رہ گئی اور پھر دھیرے دھیرے قدم کچن کی طرف بڑھا دیئے۔ مگر کچن سے دور لان کے دائیں طرف لان میں اترنے والی سیڑھیوں پر سر جھکائے وہ بیٹھا تھا۔ کچھ سوچ کر وہ اسی طرف آ گئی۔

"آپ پریشان ہیں؟" اس نے پکارا تو وہ چونکا۔

"ہنہ، نہیں۔"

"میری وجہ سے پریشان ہیں؟"

"کیوں بھئی، تمہاری کیا پریشانی ہو سکتی ہے۔ بس ذرا دل اداس ہے۔" وہ بولا۔

"آپ کا بھی دل اداس ہے؟" سادگی سے بے خیالی میں پوچھ گئی۔

"ہاں، دل اداس ہو سکتا ہے۔"

"مگر کیوں؟"

"بس پاگل ہے۔" وہ ہنسا۔

"یہ آپ کہہ رہے ہیں۔" وہ بے ساختہ ہنسنے لگی۔ ذکاء کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہونے لگیں۔ ایک ٹک اس پاگل لڑکی کو ہنستا ہوا دیکھتا رہا اور پھر انگوٹھا دانتوں میں دبا کر رخ موڑ لیا۔

"آپ تو سچ مچ اداس ہیں۔" وہ اس کی سنجیدگی بھانپتے ہوئے بولی۔

"کچھ نہیں ہے، پلیز کھانا میز پر لگا دو۔" وہ بولا تو وہ بنا کچھ کہے چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد اس نے ایک طویل سرد آہ فضا میں چھوڑ دی۔

"نادان لڑکی! کیا بتاؤں تمہیں، تم نے کیسے میرے دل میں نقب لگائی ہے۔ تمہارے خیال نے کیسے مجھے اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے..... کس طرح میں نے ضبط اور حوصلے کے ساتھ تمہارا خیال دل سے نکالا ہے۔ میں بد دیانت نہیں، میں نے کوئی گستاخی نہیں کی، بس تمہارا خیال دل و دماغ میں گھس آتا تھا۔ میں اسے دھتکار کر نکالتا تھا لیکن ناکام ہو جاتا تھا۔ اب جب کہ تمہارے بارے میں اتنا کچھ جان لینے کے بعد دل کا سنبھالنا مشکل ہو رہا ہے، پہلے جو امید سی تھی وہ ختم ہو گئی، اب تم میرے لئے اجنبی ہو۔ میں تمہارے جذبوں کو پامال نہیں ہونے دوں گا۔ تمہاری دنیا تمہیں لوٹاؤں گا۔" اس نے سوچا اور اندر کی طرف چل دیا۔

"ذکاء!"

"جی بابا۔"

"میرے قریب آؤ۔" آفریدی صاحب نے اپنے بازو کھول دیئے۔ وہ مسکرا کر ان کے سینے سے لگ گیا۔

"ہم نے تمہاری تربیت میں فولاد اور سیسے سے کام لیا ہے، مضبوط انسان بنایا ہے..... یہ پھر لرزہ کہاں طاری ہے؟" اس کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے وہ بولے۔

"کیسا لرزہ بابا؟" وہ علیحدہ ہو کر قالین پر بیٹھ گیا ان کے گھٹنوں پر سر رکھ کے۔

"بابا کی جان، کچھ تو ہے۔"

"بابا! آپ کی تربیت میں کوئی کسر نہیں ہے تو لرزہ کہاں سے آئے گا۔ آئی ایم فائن۔" وہ مکمل اعتماد کے ساتھ بولا۔

"ذکاء جانی! مجھے بتاؤ میں تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں؟" انہوں نے بغور اس کا چہرہ پڑھنے کے بعد کہا تو وہ سٹپٹا سا گیا۔

"کچھ نہیں..... آپ نے یہی سکھایا ہے کہ دوسروں کے لئے کچھ کرو۔"

"ہاں! مگر بابا کی جان، ہم تمہیں تھکن اور ماندگی کے ساتھ نہیں دیکھ سکتے۔ ہم اسے کہہ دیتے ہیں۔" آفریدی صاحب باپ تھے، بیٹے کے دل کی باتوں سے بخوبی واقف تھے۔ اپنی آرزو قربان کر

سکتے تھے مگر اکلوتے لاڈلے بیٹی کی خوشی کیسے نظر انداز کر دیتے۔

"بابا! آپ تو ایسی باتیں نہ کریں۔ مجھے اس کی خوشی عزیز ہے۔ اسے اس کی دنیا دینی ہے بس۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"اللہ تمہیں خوش رکھے، میری تربیت کی لاج رکھی ہے تم نے۔" آفریدی صاحب نے دفورِ محبت سے اس کی پیشانی چوم لی۔

"بابا! میں اس کوشش میں ہوں کہ وہ جلد از جلد پکڑا جائے۔"

"انشاء اللہ، ایک دو فون اور آ جائیں تو سمجھو کہ پکڑا گیا۔"

"کومل کو ہمیشہ کی خوشی مل جائے گی۔" وہ وثوق سے بولا۔

"ہاں! پھر وہ چلی جائے گی۔" بابا کی آواز بھرا گئی۔

"ارے نہیں بابا ہم اسے یہیں رکھیں گے۔" باپ کا دل رکھنے کو وہ بولا۔

"یہ کیسے ممکن ہوگا...... اس کے اپنے کب چھوڑیں گے؟" وہ رنجیدہ سے بولے۔

"کیا ہم کومل کے اپنے نہیں ہیں؟"

"اس کا جواب تو وہی دے سکتی ہے۔" بابا نے کہا۔

"کوئی بات نہیں بابا، ہم سمجھ لیں گے کہ وہ کبھی یہاں آئی ہی نہیں تھی۔" وہ دل پر پتھر رکھ کر بولا۔

"کہنے میں اور سمجھنے میں بہت فرق ہے۔ یہ سوچ کہ اسے اس گھر میں دیکھ کر کبھی یہ خیال آیا کہ وہ کہیں سے آئی ہے؟"

"آپ کی بات درست ہے...... مگر ہم اور کر بھی کیا سکتے ہیں؟"

"میں تو فکر مند ہوں بوا کی طرف سے۔ وہ تو اداس ہو جائیں گی۔" آفریدی صاحب دکھی ہو گئے۔

"بابا! سب لمحاتی ہوتا ہے، وہ بھی سنبھل جائیں گی۔"

"چلو اللہ بہتر کرے، پرائی بچی کا اپنی بچی کی طرح بھلا ہو جائے۔ ہماری تو یہ دعا ہے۔" آفریدی صاحب نے خلوصِ دل سے دعا کی اور کرسی کی پشت سے سر ٹکا دیا جب کہ ذکاء مضبوط قدموں کے ساتھ باہر نکل گیا۔

○❖○

وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ حلق خشک ہو رہا تھا، بیڈ پر نظر ڈالی، حرا موجود نہیں تھی۔ حالانکہ کچھ دیر پہلے دوپہر کا کھانا کھا کر وہ دونوں ساتھ لیٹی تھیں، پانی پینے کے لئے باہر نکل آئی۔ وہاں بھی کوئی نہیں تھا۔ عجیب سا سناٹا تھا۔ آوازیں دیتی ہوئی بوا کے کمرے کی طرف آئی۔ وہ غالباً ظہر کی نماز سے فارغ ہوئی تھیں۔ کیونکہ ابھی تسبیح پڑھ رہی تھیں۔

"بوا! سب کہاں ہیں؟"

"تمہارے بابا تو دفتر سے نہیں آئے۔ حرا اور ذکاء کہیں باہر گئے ہیں۔" بوا نے تسبیح ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔

"اس وقت؟" اسے حیرت ہو رہی تھی۔

"ارے جن بھوتوں کا بھی کوئی وقت ہوتا ہے، بس جب منہ اٹھایا چل دیئے۔"

"میں سوتے سوتے ڈر گئی تھی۔" وہ ان کے بستر پر لیٹ گئی۔

"کیوں میری جان......" بوا فوراً اس پر جھک گئیں۔ ابھی اس نے لب کھولے بھی نہیں تھے کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

"ایک تو سارا دن یہ موا فون تگنی کا ناچ نچاتا ہے۔" بوا فون کو برا بھلا کہنے لگیں۔

"آپ اٹھائیں۔" اس نے بوا سے کہا۔

"ہم تو پچھلے گھنٹے بھر سے اٹھا رہے ہیں مگر کوئی بولتا ہی نہیں، اب تم جا کر سنو۔" بوا نے کہا اور کمر سیدھی کرنے کو لیٹ گئیں۔ وہ پریشان سی اٹھی، مردہ قدموں سے باہر نکلی۔ فون پوری شدت سے چلا رہا تھا۔

"ہیہ، ہیلو......" پوری ہمت یکجا کر کے اس نے کہا۔

"ہیلو......" دوسری طرف رضا کی آواز ابھری۔ وہ سر تا پا لرز اٹھی۔

"سنو، فون بند نہ کرنا، کیونکہ میں مسلسل گھنٹے بھر سے فون ملا رہا ہوں۔" وہ کچھ غصے سے بولا۔

"صاحب جی، کیوں ملا رہے ہیں؟" وہ سہمی سہمی بولی۔

"تمہیں یہ بتانے کے لئے کہ تم ملنے نہیں آئیں...... اب میں آج اور ابھی تمہیں ملنے آ رہا ہوں۔" اس نے بے باکی سے اطلاع دی۔

"کہاں...... یہاں...... نہیں رضا صاحب......" وہ زور سے بولی۔

"ہا، ہا، ہا...... یہ لوگ تمہارے بارے میں جاننے کے بعد کسی سڑک ناپنے والی لڑکی کو گھر میں جگہ نہیں دیں گے۔" یہ کہہ کر ہنستے ہوئے اس نے فون بند کر دیا اور وہ دیوانوں کی طرح ٹی وی لاؤنج میں بھاگنے لگی۔ چیخنے چلانے لگی۔

"وہ آ جائے گا...... نہیں، اسے روکو...... وہ آ رہا ہے...... وہ آ رہا ہے۔" اس کے رونے پیٹنے چیخنے چلانے کے شور نے بوا کو بے کل کر دیا۔ ننگے پاؤں وہ بھاگیں۔ اسے کسی بات کا ہوش نہیں تھا۔ بس روتے ہوئے ایک ہی جملہ دہرا رہی تھی۔

"وہ آ رہا ہے...... وہ آ جائے گا۔"

"کومل! کومل...... کون آ رہا ہے؟ کون آئے گا؟" انہوں نے پریشانی سے اسے سینے سے لگا لیا مگر وہ فرش پر گرتی چلی گئی۔ لبوں سے وہی جملہ چپک گیا تھا۔ بوا نے اس کے گال تھپتھپائے۔

"ارے بیٹی کچھ بول تو، کون آ رہا ہے؟" یہ سنتے ہی وہ پھر اٹھ کر باہر بھاگی۔

"چوکیدار بابا..... چوکیدار بابا..... گیٹ بند کردو، وہ آرہا ہے....." وہ مسلسل چلاتی ہوئی گیٹ کی طرف بھاگی۔ پیچھے پیچھے بوا تھیں۔ برآمدے کی سیڑھیاں اترتے ہی وہ نڈھال ہو کر فرش پر گر گئی۔ بوا اس کا سر گود میں رکھ کر رونے لگیں۔ انہیں کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا کریں۔ چوکیدار کی مدد سے اسے بمشکل سہارا دے کر کمرے تک لے گئیں۔ وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔ بوا کے اپنے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ گئے۔ خوش قسمتی سے گاڑی کا ہارن سنائی دیا۔

"ارے کہاں چلے گئے تھے تم دونوں؟" بوا گھبرا کر بولیں۔

"کیا ہوا..... کیا ہوا.....؟" ذکاء اور حرا بوکھلا کر بولے۔

"ارے، ہمیں کیا معلوم کون آرہا ہے..... بس فون سن کر دیوانوں کی طرح رونے لگی، چلانے لگی، وہ آرہا ہے، وہ آجائے گا۔ باہر جا کر بے ہوش ہو کے گر پڑی۔ ہمارے تو ہاتھ پاؤں پھولے ہوئے ہیں۔" بوا نے تفصیل سنائی تو ذکاء جلدی سے فون کی طرف بھاگا۔ حرا اس کی پٹی سے لگ گئی۔

○❖○

ڈاکٹر صاحب کے انجکشن کے بعد وہ ہوش میں تو آگئی تھی مگر نیم مردہ نظروں سے چھت گھور رہی تھی۔ آنکھوں سے خاموشی سے آنسو بہہ رہے تھے۔ خشک لب گویا آپس میں جڑ گئے تھے۔ اس کے اندر کی ٹوٹ پھوٹ اتنی شدید تھی کہ اسے اردگرد کی بھی خبر نہیں رہی تھی۔ اس کے بستر کے چاروں طرف کتنے لوگ جمع تھے وہ ان سب سے بے خبر تھی۔ انجم صاحب کی فیملی سمیت سب اداس پریشان اس کے لئے فکرمند کھڑے تھے۔ ان سب میں کمی تھی تو صرف آفریدی صاحب کی تھی۔ جونہی وہ آئے تو ذکاء نے بے تابی سے ان کی طرف دیکھا۔ وہ اطمینان سے مسکرا کر اس کے بیڈ کے سرہانے بیٹھ کر بولے۔

"کومل! بیٹا اٹھو، باتیں کرو۔ دھند چھٹ گئی ہے۔" مگر وہ اسی طرح چھت گھورتی رہی۔ باقی سب لوگوں نے آفریدی صاحب کی طرف سوالیہ نظریں اٹھائیں۔

"کومل! اپنے بابا پر یقین ہے نا؟" آفریدی صاحب نے اس کی پیشانی چومی تو اس میں پھر بھی کوئی حرکت نہیں ہوئی..... بس آنسوؤں کی رفتار میں اضافہ ہو گیا۔

"بابا! ہم سب کو باہر چلنا چاہئے۔ کچھ دیر لگے گی کومل کو نارمل ہونے میں..... یہ خود ٹھیک ہو جائے گی۔" ذکاء نے کہا۔

"ذکاء ٹھیک کہہ رہا ہے..... ہم ٹی وی لاؤنج میں بیٹھ کر چائے پیتے ہیں۔" انجم صاحب نے ذکاء کی تائید کی۔ باقی سب لوگوں نے بھی اثبات میں سر ہلایا تو آفریدی صاحب اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کی معیت میں سب باہر نکل گئے۔ ٹی وی لاؤنج میں سینٹر والے صوفے پر وہ بیٹھ گئے۔ سب ان کے اردگرد کچھ جاننے کے منتظر تھے۔ انہوں نے لب کھولے اور وہ کچھ بتانے لگے جو بستر پر آنسو بہاتی گڑیا کے وہم سے بھی باہر تھا۔ وہ تو ان کے کمرے سے جاتے ہی پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی، ہچکیاں،

سسکیاں کمرے کی دیواروں سے سر ٹکرانے لگیں۔

اسے یقین تھا کہ اب تک رضا علی نے آکر انہیں اس کی اصلیت بتا دی ہوگی۔ وہ تو بے ہوش تھی۔ نجانے تیز آندھی کے جھکڑ میں کیا کیا خس و خاشاک کی طرح اڑ گیا ہوگا..... کیسے کیسے غلیظ، بے ہودہ جملوں سے اس کی پاکیزگی کی دھجیاں اڑائی ہوں گی..... اور یہ سب کچھ سوچتے ہوں گے؟ کیسے دکھ پہنچا ہوگا؟ کیسے اعتبار کی کرچیاں دل و دماغ میں کھب گئی ہوں گی..... اسے تو پوچھنے اور کہنے کی ہمت بھی نہیں تھی۔ تذلیل کے احساس نے پتھر کی سل بنا دیا تھا۔ ہل بھی نہیں پا رہی تھی۔ بالکل ایسے مجرم کی طرح بن گئی تھی جس کے جرائم کے ثبوت مل گئے ہوں اور اب عدالت کے فیصلے کا انتظار ہو۔ احساسِ ندامت کا شدید احساس نہ مرنے دے رہا تھا اور نہ جینے دے رہا تھا۔ یہاں سے نہ بھاگنے کی خواہش تھی اور نہ رہنے کی..... بس ایک جبرِ مسلسل تھا جو اس کے ساتھ ہو رہا تھا۔ اپنے دکھ پر آنسو ہی بہا سکتی تھی۔ آنسو کیا تھے ایک سیل رواں تھا جس میں لگتا تھا سب کچھ بہہ جائے گا، کچھ نہیں بچے گا۔ ویسے بھی کچھ بچانے کی آرزو نہیں رہی تھی۔ زندگی کی قبا پامال ہو گئی تھی، تار تار ہو گئی تھی۔ یہ خیال ہی جان لیوا تھا، اسے نہیں معلوم تھا کہ اب اس کے ساتھ کیا ہوگا؟ کیا فیصلہ سنایا جائے گا؟ کس طرح حقیر نظروں سے سب دیکھیں گے۔ کیسے اپنے کندھوں پر لاشہ اٹھا کر یہاں سے نکلنا ہوگا..... اسے نہیں اندازہ تھا..... وہ ہر فیصلے سے بے خبر تھی..... مگر منتظر تھی..... تیار تھی۔

○❖○

''سر! آپ نے مجھے بلایا تھا؟ خیریت ہے.....؟'' رات گئے کرم داد کو بلانے پر تشویش تھی۔

''ہاں، خیریت ہے.....بیٹھو۔'' انجم صاحب نے کہا۔ وہ بیٹھ گیا۔

''کرم داد! جو میں کہنے جا رہا ہوں وہ یقینی بھی ہے اور غیر یقینی بھی۔ مگر میرا دل کہتا ہے کہ یقینی ہے۔'' انجم صاحب نے بات شروع کی۔ وہ مبہم سا ان کا منہ تکنے لگا۔

''آپ بلا جھجک کہہ ڈالیں۔''

''جھجک کوئی نہیں ہے، بس الفاظ اکٹھے کرنے میں ذرا دشواری ہو رہی ہے۔'' انجم صاحب نے کہا۔

''کیسی دشواری؟''

''بات دراصل یہ ہے کہ میں ایک ایسی لڑکی کے بارے میں جانتا ہوں جو اپنوں سے دور ہو کر کسی کے پاس امانتاً زندگی گزار رہی ہے۔''

''کہاں.....کون.....؟'' اس نے بے تاب ہو کر درمیان سے ان کا جملہ اچک لیا۔

''میری بات توجہ سے سنو، پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ ضروری نہیں ہے کہ وہی لڑکی ہو جسے تم ڈھونڈ رہے ہو.....لہٰذا تحمل سے میری بات سن لو۔''

''جی بتایئے۔'' وہ مطمئن ہو کر بولا۔

''میرے ایک دوست کے پاس ایک لڑکی محفوظ ہے۔ اس نے اپنی بیٹی سے بڑھ کر اسے سمجھا ہے، رکھا ہے۔ اس کے بارے میں کچھ حقائق اب سامنے آئے ہیں کہ وہ کون ہے؟ کون اس کے والی وارث ہیں.....اور.....''

''کون ہے.....کیا نام بتایا ہے اس نے؟'' وہ پھر جذباتی ہو کر درمیان میں بولا۔

''پہلے تم یہ بتاؤ کہ تم نے جس شخص کا ذکر کیا تھا، وہ اس کا اتا پتہ جانتا ہے.....اس کا نام کیا ہے؟'' انجم صاحب ذہن پر زور ڈالتے ہوئے بولے۔

''رضا.....رضا علی.....لیکن.....''

''لیکن ویکن کچھ نہیں، رضا علی نام بتایا ہے نا؟'' انہوں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''جی.....کیا آپ اسے جانتے ہیں؟'' وہ پھر بے صبرے پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا جبکہ انجم صاحب صوفے پر ایسے اطمینان سے بیٹھ گئے جیسے انہیں اس بات سے کوئی غرض ہی نہ ہو۔

''نہیں.....میں جسے جانتا ہوں وہ رضا علی نہیں ہے شاید۔ اور.....''

''اور کیا سر؟''

''اور یار وہ لڑکی پھر بھی وہ نہیں ہے جو میں سمجھ رہا تھا۔'' وہ افسردگی سے بولے۔

''لیکن ہو سکتا ہے کہ وہ وہی ہو۔'' اس نے پھر کہا۔

''میرا خیال ہے کہ وہ نہیں ہے۔ کیونکہ جس آدمی نے اس کے بارے میں بتایا ہے وہ رضا علی نہیں ہے۔ بس کچھ تیقن سا تھا کہ شاید وہ وہی لڑکی ہو۔'' انہوں نے ایک سرد آہ بھری۔ اس کا دل جتنی تیزی سے دھڑکا تھا اتنی ہی تیزی سے بیٹھنے لگا۔ انجم صاحب نے اس کا چہرہ غور سے دیکھا اور پھر بولے۔

''یار ہمت نہیں ہارتے، اللہ سب ٹھیک کر دے گا۔''

''کیا ٹھیک کر دے گا، کیا نہیں کرے گا۔'' وہ بیزار سا اٹھ کھڑا ہوا۔

''کہاں چل دیئے؟''

''فلیٹ۔''

''او کے، لیکن حوصلے کے ساتھ آنے والے کل پر امید رکھو۔'' انجم صاحب نے مسکرا کر اس کی پیٹھ تھپتھپائی۔ وہ مُردہ قدموں سے باہر نکل گیا۔ انجم صاحب نے تقریباً فون کی طرف چھلانگ لگائی۔

''ہیلو.....''

''ہیلو۔'' دوسری طرف سے آفریدی صاحب بولے۔

''یار! کمال ہو گیا، یہ وہی کرم داد ہے.....اس خبیث کا نام بھی رضا علی ہی ہے۔''

''واقعی کمال ہو گیا.....قسمت کبھی کبھی عجیب کھیل کھیلتی ہے۔'' آفریدی صاحب کے لہجے سے مسرت چھلک رہی تھی۔

''اس کا کیا بنا؟''

''اس کے والد صاحب نے ضمانت پر رہا کروا لیا ہے۔'' آفریدی صاحب بولے۔

''او، میں اس مردار کے بارے میں نہیں پوچھ رہا، بلکہ اپنی بیٹی کومل کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔'' انجم صاحب نے جھنجلا کر کہا۔

''وہ.....وہ ٹھیک ہے۔ مگر اسی حالت میں بیڈ پر ہے۔ نہ ہنستی ہے نہ بولتی ہے۔'' آفریدی صاحب افسردہ ہو گئے۔

''چلو صبح تک اسے اسی طرح برداشت کرو، میں پروگرام کے مطابق اسے لے کر پہنچتا ہوں۔'' انجم صاحب نے ہنس کر کہا۔

''بھابی اور بچوں کو بھی لے آنا، ہنگامہ ہی رہے گا۔'' آفریدی صاحب نے کہا۔

''ٹھیک ہے، لیکن تُو نے یہ بات کل تک کسی کو نہیں بتانی۔ ذکاء بیٹے کو بھی نہیں۔'' انجم صاحب نے تاکید کی۔

''او کے۔ خدا حافظ۔''

''خدا حافظ۔'' انہوں نے کہا اور فون چوم کر بند کر دیا۔

○❖○

''آفریدی! ہماری سمجھ سے تو باہر ہے، بچی بستر پر پڑی ہے اور تمہیں دعوت کی پڑ گئی۔'' بوا نے جھنجلا کر کہا۔

آفریدی صاحب حسب عادت دھیمے سے مسکرائے اور بولے۔ ''بوا جی! دعوت گھر پر ہے، آپ کی بچی بھی اس میں شریک ہوگی۔''

''کیا خاک شریک ہوگی۔ اس کا تو ننھا سا منہ نکل آیا، تم کچھ بتاؤ تو پتہ چلے کہ اس کو کیا ہوا ہے۔ ہر ایک نے اس گھر میں چپ سادھ رکھی ہے۔'' وہ ان کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولیں۔

''آج سب کی چپ ختم ہو جائے گی۔ انجم اور بچوں کے آنے سے ان سب کا دل بہل جائے گا۔'' وہ زیر لب مسکراتے ہوئے اطمینان سے بولی۔

''اور کومل کا.....؟''

''اس کا بھی..... سب چڑچڑاہٹ دور ہو جائے گی۔''

''تو یہ دعوت آج ہی ہوگی؟'' بوا نے غیر یقینی انداز میں پوچھا۔

''ہاں، آج سارا دن دعوت ہی دعوت رہے گی۔ آپ کی مدد زلفی، حرا اور رخسار کریں گی۔ میں نے انجم سے کہہ دیا ہے کہ زلفی اور رخسار کو فوراً بھیج دے۔ وہ پہنچتے ہی ہوں گے۔''

''اچھا جیسے تمہاری مرضی، مجھے انجم کو دعوت دینے پر اعتراض نہیں ہے..... ہم تو کومل کی وجہ سے کہہ رہے تھے کہ اسے جانے کیا ہو گیا ہے؟ فون پر کس نے کیا کہا جو بچی یوں پتھر کی بن گئی۔'' وہ کہتی ہوئی چلی گئیں۔

''بابا! کون آرہا ہے؟'' حرا اور ذکاء عین اسی وقت ان کے کمرے میں داخل ہوئے۔

''آپ کے انجم انکل، فرخندہ آنٹی، جواد اور رخسار۔'' انہوں نے جھٹ جواب دیا۔

''کوئی خاص بات ہے کیا بابا؟'' ذکاء نے پوچھا۔

''کیوں..... وہ ہمارے گھر نہیں آسکتے کیا؟'' انہوں نے الٹا سوال کر دیا۔

''کیوں نہیں؟''

''حرا! آپ جاؤ، بوا کا ہاتھ بٹاؤ۔'' آفریدی صاحب نے کہا۔ حرا فوراً چلی گئی۔

''بابا! اب کومل کا، آئی مین گڑیا کا کیا ہوگا؟'' ذکاء نے پوچھا۔

''کیا ہو سکتا ہے..... بولو۔''

''میرا مطلب ہے جو کچھ رضا علی نے کہا اس کے حساب سے ہمیں گڑیا کے گھر والوں کو ڈھونڈنا چاہئے..... اس نے پتہ بھی نہیں بتایا تو کیا ہوا، ڈھونڈا جا سکتا ہے۔ گڑیا کی جو پوزیشن ہے وہ اس بات کا تقاضا کر رہی ہے کہ اسے واپس لوٹنا چاہئے۔'' ذکاء متفکر سا بولا۔

''کیوں..... اس نے ایسا کچھ کہا ہے تم سے؟''

''نہیں، وہ تو اب ایک لفظ کسی سے نہیں بولی۔ لگتا ہے سکتے میں ہے۔ اسے تو یہ بھی معلوم نہیں کہ اس کی زندگی حرام کرنے والا جیل کی سزا بھی کھا چکا ہے۔''

''بعض اوقات زندگی کی دشواریاں ہی حقیقت میں آسانیاں ہوتی ہیں۔ سزا ہی میں جزا ہوتی ہے۔'' انہوں نے دھیرے سے کہا۔

''سمجھا نہیں۔'' ذکاء نے حیرت سے پوچھا۔

''سمجھ جاؤ گے۔ فی الحال مارکیٹ جاؤ۔ مٹھائی اور فروٹ لے کر آؤ۔''

''جی، مٹھائی اور فروٹ.....؟'' ذکاء کو حیرت سی تھی۔

''یار! مٹھائی اور فروٹ بھی دعوت کا حصہ ہوتے ہیں۔ اتنی حیرت کی کیا بات ہے؟''

''بابا! ویسے یہ دعوت پراسرار معلوم ہو رہی ہے۔'' وہ متجسس نظروں سے دیکھتا ہوا باہر نکل گیا اور آفریدی صاحب نے پُرسکون ہو کر اخبار پڑھنے کے لئے اٹھا لیا۔

○❖○

ٹی..... ٹی..... ٹی.....

گاڑی کے ہارن پر آفریدی صاحب مسکرا کر باہر نکلے۔ انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ انجم کی گاڑی کا ہارن ہے اور یہ اندازہ بالکل درست ہے۔ انجم صاحب گاڑی لاک کر کے مع فیملی ان کی طرف بڑھے۔ دونوں محبت سے بغل گیر ہو گئے۔

''السلام علیکم!'' فرخندہ اور بچوں نے آفریدی صاحب کو سلام کیا تو انہوں نے گرم جوشی سے جواب دیا اور پھر چاروں طرف نظر دوڑائی۔ کچھ نظر نہ آیا تو انجم صاحب کی طرف دیکھا۔

''پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ابھی تھوڑی دیر تک پہنچے گا۔'' انجم صاحب نے کہا۔

''اوکے، چلو اندر چلیں۔'' آفریدی صاحب نے کہا تو سب اندر کی طرف چل دیئے۔

''بوا! مہمان آچکے ہیں۔ ان کی خاطر تواضع شروع کر دیں۔'' آفریدی صاحب نے آواز دے کر کہا۔ ان کی آواز سن کر حرا اور ذکاء ٹی وی لاؤنج میں آگئے۔

''آداب آنٹی اور انکل۔'' بیک وقت حرا اور ذکاء نے کہا۔

''جیتے رہو۔'' فرخندہ نے محبت سے انہیں گلے لگاتے ہوئے کہا۔

''ہیلو.....'' جونہی سب صوفوں پر براجمان ہوئے تو جواد نے حرا کے قریب آتے ہوئے کہا۔ وہ سٹپٹا سی گئی۔ سب ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔

''وہ کیا ہے جواد..... سب ہماری طرف دیکھ رہے ہیں۔'' وہ دھیرے سے بولی۔

''تو پھر؟'' وہ تیکھے لہجے میں بولا۔

''تو یہ کہ میں بوا کی مدد کرنے جا رہی ہوں۔'' وہ بھی تیز لہجے میں کہہ کر جلدی سے باہر نکل گئی۔

''ہونہہ..... دیکھ لوں گا۔'' جواد ہولے سے غرایا۔ اس کی اس حرکت پر بھی سب کی نظر تھی۔ لہٰذا

سب ہنسنے لگے۔ وہ کھسیانیت اتارتے ہوئے بیٹھ گیا۔

''یار جواد! اتنی بھی کیا بے قراری، آہستہ آہستہ چلو۔'' انجم صاحب نے چھیڑا۔

''یس ڈیڈی.....'' جواد نے بوکھلا کر ہاں میں ہاں ملائی تو سب کا زوردار قہقہہ فضا میں گونجنے لگا۔

''ذکاء! جواد اور رخسار کو اپنے کمرے میں لے جاؤ۔'' آفریدی صاحب نے کہا تو ذکاء فوراً حکم کی تعمیل کے لئے کھڑا ہو گیا۔

''آپ دونوں چلیں، میں ذرا کچن میں حراباجی کے پاس جا رہی ہوں۔'' رخسار نے جلدی سے کہا۔

''توبہ ہے ندیدے پن کی۔'' جواد نے کانوں کو ہاتھ لگائے اور ذکاء کے ہمراہ اس کے کمرے کی طرف بڑھ گیا جبکہ رخسار کندھے جھٹک کر کچن کی طرف چل دی۔

''وہ ابھی تک آیا نہیں.....؟'' آفریدی صاحب نے وال کلاک پر نظر ڈالی۔

''بس پہنچتا ہی ہوگا۔'' انجم صاحب نے اطمینان سے جواب دیا۔

''تو اس کا مطلب ہے میں اطمینان رکھوں؟'' آفریدی صاحب نے جواب دیا۔

''بالکل، بالکل۔'' انجم صاحب بولے۔ فرخندہ ان دونوں کی باتیں سن ضرور رہی تھی مگر سمجھنے سے قاصر تھی۔ اپنے طور پر اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی تھی۔ حرا چائے کی ٹرالی مکمل اہتمام کے ساتھ لئے گئی تو اسے بھیج کر فرخندہ چائے بنانے لگی۔ اسی اثناء میں ٹی وی لاؤنج میں کرم داد داخل ہوا۔

''کیا میں آسکتا ہوں؟'' نہایت ادب اور احترام سے اس نے پوچھا۔

''برخوردار یہ محفل تو آج سجی ہی ہے آپ کے اعزاز میں ہے۔ بلاتکلف آؤ۔'' آفریدی صاحب نے بہت تپاک سے اس کا استقبال کیا۔

''شکریہ.....'' وہ متانت سے بولا۔

''یار! بڑا انتظار کروایا۔'' انجم صاحب نے کہا۔

''وہ دراصل ایک کسٹمر آ گیا تھا۔'' اس نے جواب دیا۔

''دفع کرتے۔ آج بڑا خاص دن ہے، یہ سب قربان کیا جاسکتا ہے۔'' انجم صاحب چہکے۔

''میں سمجھا نہیں؟'' وہ بولا۔

''چھوڑو، یہ لو چائے پیو۔'' فرخندہ نے چائے کی پیالی اس کی طرف بڑھائی۔

''اسے ہم بوڑھوں کے ساتھ چائے پینے میں خاک مزا آئے گا۔ اسے جانے دو اپنے ایج فیلو کے درمیان۔'' انجم صاحب نے کہا۔

''ہاں میاں، ایسا کرو نوجوانوں میں جاؤ۔'' آفریدی صاحب نے باقاعدہ اٹھ کر اسے بھی اٹھنے کہا اور آگے آگے چل کر دروازے کی طرف بڑھے اور بولے۔

''یہ راہداری سے آخری کمرہ دیکھ رہے ہو، اس میں چلے جاؤ۔''

''جی بہتر۔'' وہ سعادت مندی سے کہتا ہوا اس کمرے کی طرف چل دیا۔

''بیسٹ آف لک۔'' آفریدی صاحب نے دھیرے سے دل میں کہا اور واپس مسکرا کر اپنی جگہ پر آ گئے۔

○❖○

کائنات ساکت ہو گئی..... بے ساختہ، بے اختیار اٹھنے والے بھاری قدم جم گئے۔ آنکھیں ایک ہی مرکز پر رک گئیں۔ سانسیں گویا اپنا کام بھول گئیں۔ دھڑکنوں کے شور کو مدتوں بعد قرار مل گیا۔ کمرے کی ہر شے نے مسکرا کر اس کا استقبال کیا تھا..... مگر وہ تو اپنے ہوش کھو چکا تھا۔ اس کی جان غزل بالکل اس کی نظروں کے سامنے بستر پر دراز تھی۔ تکیے پر بکھری زلفیں، بند آنکھوں پر جھکی پلکوں کی جھالریں، ایک دوسرے میں پیوست لب، سب کچھ وہی تھا..... ویسے کا ویسا تھا..... بس اداس اور بیمار دکھائی دے رہی تھی۔ کمزور اور پریشان دکھائی دے رہی تھی۔ دل چاہا کہ اس کا کومل کومل وجود شدتوں کے ساتھ، محبتوں کے ساتھ بانہوں میں بھر لے اور اس طرح سانسوں سے قریب کر لے کہ یہ جاننا مشکل ہو جائے کہ کون کس کی سانس پر زندہ ہے۔ تڑپ نے تڑپایا تو وہ جلدی سے اس کی طرف بڑھا مگر یکلخت رک گیا۔ تھوڑا سا پرے ہو کر سوچا۔

اسی ساعت اس کی آنکھیں نیم وا ہوئیں اور پھر گویا پتھر کی ہو گئیں..... اس کے لب کپکپائے۔ وفور مسرت سے وہ چلایا۔

''گڑیا..... گڑیا..... دیکھو میں آ گیا ہوں.....'' وہ گھٹنوں پر بیڈ کے قریب بیٹھ گیا۔ مگر اس میں کوئی جنبش نہیں ہوئی۔

''گڑیا..... گڑیا! آنکھیں کھولو..... یہ میں ہوں..... تمہارا کرم داد.....'' اس کا مرمریں ہاتھ دیوانوں کی طرح چومتے ہوئے وہ بولتا چلا گیا مگر اس کی حالت بدستور وہی رہی۔ پھر ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا۔

''گڑیا..... گڑیا..... میں نے کہاں کہاں تمہیں تلاش کیا..... میں کیسے بھٹکتا رہا..... تم نے میرا انتظار کیوں نہیں کیا؟'' اس نے گڑیا کو جھنجھوڑ ڈالا۔ وہ دیوانہ ہو رہا تھا۔

پھر اچانک جامد وجود میں حرکت پیدا ہوئی اور اس نے آنکھیں کھول دیں۔ ساکت لبوں میں جان پڑ گئی۔

''چھوٹے..... چھوٹے صاحب! آپ وہ.....''

''میں جان لے لوں گا تمہاری اگر چھوٹے صاحب کا لفظ استعمال کیا۔'' وہ ایک دم گرجا۔

''میں..... میں بہت بری ہوں..... بہت بری ہوں۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

اسی لمحے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ وہ یونہی بیٹھا اسے تکے گیا۔ دوسری، پھر تیسری دستک کے بعد انجم صاحب اندر آ گئے۔

''ارے..... یہ کومل کو کیا ہوا؟'' وہ قطعاً انجان بنتے ہوئے بولے۔

''سر! یہ میری گڑیا ہے..... دیکھیں میری کھوئی ہوئی گڑیا..... میں نے آپ کو بتایا تھا نا کہ میری گڑیا سب سے جدا ہے، اور آپ نے کہا تھا کہ وہ مجھے ضرور ملے گی۔ دیکھیں سر! یہ مجھے مل گئی ہے۔'' وہ دیوانوں کی طرح انجم صاحب کی طرف بڑھا۔

''واقعی.....؟'' وہ حیرت سے بولے۔

''یہ سچ ہے..... یہ میری گڑیا ہے..... اس سے پوچھ لیں..... یہ خود بتائے گی کہ میں کون ہوں؟'' وہ بولا۔

''مگر یہ تو لگتا ہے کہ بے ہوش ہے۔ دیکھو آنکھیں بند ہیں..... میں آفریدی کو بلاتا ہوں۔'' انجم صاحب یہ کہہ کر دروازے سے باہر نکل گئے اور وہ اس کے کومل ہاتھ سہلانے لگا۔

○❖○

''تمہاری پوری کہانی سن کر مجھے حیرت ہو رہی ہے۔'' انجم صاحب نے کرم داد سے کہا۔

کافی دیر سے وہ تینوں آفریدی صاحب کے کمرے میں موجود تھے۔ آفریدی صاحب گڑیا کے متعلق بہت کچھ جاننا چاہتے تھے۔ کرم داد نے لفظ بہ لفظ سچ بیان کر دیا۔ اپنے بارے میں بھی سب کچھ کہہ ڈالا۔

''حیرت کی تو کوئی بات ہی نہیں ہے۔ ہاں ہمارے ذہن میں یہ حقیقت اس طرح نہیں تھی۔ گڑیا تو بہت مظلوم ہے، بہت ستم رسیدہ ہے۔'' آفریدی صاحب افسردگی سے بولے۔

''اپنی سادگی اور نادانی کی بہت قیمت ادا کی ہے بے چاری نے۔'' انجم صاحب بھی دکھی ہو گئے۔

''نہ جانے اللہ میاں نے کم بخت دل کیوں بنا دیا..... اگر بنایا تھا تو اس میں اندھی خواہشیں کیوں بھر دیں۔ انسان بنائے تو سب الگ الگ..... امیر بنائے تو رحم کے اور غریب بنائے تو بے حساب۔'' کرم داد جذباتی ہو گیا۔

''اگر سب انسان ایک جیسے ہوتے تو باہمی کشش کا اصول ختم ہو جاتا۔ کون کس کی خواہش کرتا۔ کیا ہم ایک دوسرے میں سب ایک سا دیکھ کر خوش ہوتے؟ تم محبت کس سے کرتے؟ سب چہرے ایک سے ہوتے تو محبت کا الوہی جذبہ کب کا مر چکا ہوتا۔ تم حوریہ اور گڑیا میں فرق کیسے محسوس کرتے؟ محبت کے جدا جدا گوشے کیسے بناتے؟ تمہیں اور ہم سب کو محبت کے لئے، زندگی کے لئے اپنے اپنے افق چاہئے تھے۔ ہم سب ایک افق پر نہیں اکتفا کر سکتے تھے برخوردار!'' آفریدی صاحب بڑی سنجیدگی سے بول رہے تھے۔

''آفریدی نے بالکل ٹھیک کہا ہے کرم داد! دراصل خواہش اور محبت کا جذبہ دونوں الگ ہیں۔ محبت کس سے، کہاں ہو جائے یہ پہلے سے کسی دل میں خواہش نہیں ہوتی۔ اگر ہوتی تو تم حوریہ سے محبت کر رہے ہوتے۔ حالانکہ وہ امیر کبیر، صاحب ثروت ہے..... مگر تم نے محبت کے جذبے کو جس کے لئے محسوس کیا وہ ایک معمولی سی ملازم، گڑیا تھی۔ گڑیا محبت کی نہیں، خواہشات کی اسیر تھی۔ جب اس

نے محبت کے جذبے کو چھوا تو ہر بڑے آدمی کا سحر ٹوٹ گیا۔ وہ تمہارے لئے روتی رہی ہو گی، تمہیں پکارتی رہی ہو گی۔'' انجم صاحب نے بھی دھیرے دھیرے اس کے بے قرار دل کو سکون سے بھر دیا۔ اس کے لب خود بخود مسکرانے لگے۔

''سر! گڑیا ٹھیک تو ہو جائے گی نا؟''

''ہاں، ہاں..... اسے کچھ نہیں ہوا..... بس ڈر گئی ہے..... آہستہ آہستہ ٹھیک ہو جائے گی۔ تمہارے سامنے ہی تو ڈاکٹر کہہ کر گیا ہے۔'' آفریدی صاحب نے تسلی دی۔

''میں اس خبیث رضا علی کو چھوڑوں گا نہیں۔'' اس نے دانت کچکچائے۔

''دھت تیرے کی..... تم اسے بھول نہیں سکتے یار۔ وہ اپنے انجام کو پہنچ گیا۔ تم اپنی حور پری کو سنبھالو، اس کی فکر کرو، بے چاری کس قدر تنہا ہے۔'' انجم صاحب نے لتاڑا۔

''سوری سر! لیکن اب وہ اکیلی نہیں ہے، بلکہ پہلے بھی اکیلی نہیں تھی۔ میں اس کی باجی کو بھی ابھی جا کر لاتا ہوں۔ اس غفور کا بھی بندوبست کرنا ہے۔''

''تم کہیں نہیں جا رہے، ہمارے ہاں مایوں بیٹھے لڑکیاں لڑکیاں گھر سے باہر نہیں نکلتے۔ ہم نے خود جس کو بلانا ہو گا بلا لیں گے۔'' انجم صاحب نے شرارت سے کہا۔

اس سے لمبا چوڑا نوجوان بہت سا شرما کر نظریں چرانے لگا۔

''تم نے دیکھا نہیں کہ جیسے ہی بچوں کو پتہ چلا ہے کہ تمہارا اور گڑیا کا کیا رشتہ ہے؟ وہ کتنی تیزی سے خرید و فروخت کے لئے نکل گئے ہیں۔'' آفریدی صاحب بھی خوش ہو کر بولے۔

''مگر یہ سب.....'' وہ رکا۔

''یار! ہماری لڑکی بن بیاہی تو تمہارے ساتھ نہیں جا سکتی۔'' انجم صاحب نے کہا۔

''جانا کہاں ہے..... یہیں رہنا ہے ہمارا بیٹا بن کر۔'' آفریدی صاحب نے اس کی پیٹھ ٹھونکی۔ وہ ایک دم کھڑا ہو گیا۔

''معذرت کے ساتھ سر! یہ ممکن نہیں۔''

''کیا مطلب؟'' آفریدی صاحب پریشان ہو کر اس کے برابر کھڑے ہو گئے۔

''ہمیں خواہش کی رنگین دنیا راس نہیں آئی۔ ہم محبت کی چھوٹی سی دنیا وہاں بسانا چاہتے ہیں جہاں محبت کا پاک، کھرا جذبہ ہماری خواہش اور ضرورت ہو کوئی ولایتی بوتل میں بند خوشبو نہیں، جسموں سے اٹھنے والی مہک قیمتی لباس کی آرزو فنا کر دے، جہاں کچے در و دیوار سے نغمے پھوٹیں سکوں کی جھنکار نہیں..... میں اپنی گڑیا کے ساتھ اپنے گاؤں جاؤں گا۔''

''میاں! جو تلخ تجربہ تمہیں ہوا ہے، ہمیں اس کا افسوس ہے۔ مگر ہمارے بارے میں اتنا غلط اندازہ نہ لگاؤ۔ اگر ہم اتنے مصنوعی ہوتے تو تمہیں کھوئی ہوئی گڑیا کہاں ملتی۔ ہم نے تو اس کی معصومیت کی حفاظت کی ہے۔ تمہیں کومل کے وجود سے گڑیا نکال کر دی ہے۔ ہم محبت کے امین ہیں بیٹا۔'' آفریدی

صاحب نے سنجیدگی سے کہا۔

''معافی چاہتا ہوں..... میرا مطلب ہرگز یہ نہیں تھا۔ بس میں اپنی زندگی اپنے گاؤں کی فضاؤں میں شروع کرنا چاہتا ہوں۔ اگر آپ بخوشی اجازت دیں۔'' وہ سعادت مندی سے بولا۔

''چھوڑو اس وقت اس بحث کو۔ گڑیا بیٹی فیصلہ کرے گی کہ اسے کہاں رہنا ہے؟'' انجم صاحب نے کہا۔

○❖○

''بوا!'' اس نے دھیرے سے پکارا۔

''جی بیٹا!'' بوا اس کے قریب ہوگئیں۔

''آپ لوگوں کو مجھ پر بالکل غصہ نہیں آیا، کیوں؟'' ان کی گود میں سر رکھ کے اس نے پوچھا۔

''غصہ کس بات کا..... جو بدقسمتی تمہارا پیچھا کرتی رہی وہ ہمارے ساتھ بھی ہوتی تو ہم بھی تمہاری طرح ہی کرتے۔'' بوا نے اس کے بالوں میں انگلیوں کی کنگھی بنا کر پھیرتے ہوئے کہا۔

''مگر میری حیثیت تو بہت معمولی ہے۔ بابا کیا سوچتے ہوں گے؟'' وہ شرمندگی سے بولی۔

''بابا کچھ نہیں سوچ رہے..... سوائے اس کے کہ تمہاری رخصتی کتنی دھوم دھام سے کریں، اور رہی بات حیثیت کی تو تم نے دیکھ ہی لیا ہوگا کہ ہمارے ہاں کسی قسم کا فرق روا نہیں رکھا جاتا۔'' بوا نے کہا۔

''میرے ذہن میں یہ خیال بار بار آرہا ہے کہ.....''

''کوئی خیال نہیں آنا چاہئے..... خوش رہو، ورنہ طبیعت خراب ہو جائے گی۔ سب ٹھیک ہوگیا ہے پھر پریشانی کیسی..... پریشان تو ہم ہیں کہ ہماری بیٹی ہم سے دور چلی جائے گی۔'' بوا رنجیدہ ہوگئیں۔

''بوا! آپ چھوٹے صاحب کو منع کر دیں..... میں تو آپ کے ساتھ بہت خوش ہوں۔'' وہ جذباتی ہو کر ان کے گلے سے لپٹ گئی۔

''ہش! بری بات منہ سے نہیں نکالتے۔ بیٹی کی شادی ہو رہی ہے..... ہم بہت خوش ہیں۔ دیکھا نہیں تم نے، کیسے انتظامات ہو رہے ہیں..... انجم شریر نے اپنے گھر کو تمہارا سسرال بنا دیا ہے۔ کرم داد کو بیٹا بنا لیا ہے۔ وہ اب لڑکے والے ہیں، ہم لڑکی والے۔'' بوا نے بتایا تو وہ شرما گئی۔

''حرا باجی کہاں ہیں؟'' اس نے بات بدل دی۔

''فرخندہ لے گئی ہے خریداری کے لئے۔ ذکاء اور آفریدی الگ خریداری کے لئے گئے ہیں۔''

''بوا! شادی کی اتنی جلدی تاریخ طے کر دی۔''

''کرم داد سے زیادہ تمہارے بابا کو جلدی تھی۔ کہتے ہیں کہ ہماری بیٹی جن خوشیوں کے لئے اتنا ترسی ہے وہ اسے لمحہ بھی ضائع کئے بغیر دیں گے۔''

''اور چھوٹے صاحب نے.....؟'' جملہ ادھورا چھوڑ کر وہ لجائی۔

''یہ کیا چھوٹے صاحب، چھوٹے صاحب لگا رکھی ہے۔ وہ کرم داد ہے بس۔'' بوا نے پیار سے

ڈانٹا تو وہ عرصے کے بعد کھل کھلا کر ہنس دی۔ گو کہ اس خواب کی سی کیفیت کے علاوہ اس سے نہیں ملی تھی۔ اب وہ اس سے ملنا چاہتی تھی، اسے دیکھنا چاہتی تھی، مگر وہ انجم صاحب کے ہمراہ جا چکا تھا۔ اس کے تصور کے ساتھ باتیں کرتے کرتے اسے اونگھ آگئی۔ بوا نے اس کا سر تکیے پر رکھا اور اٹھ کھڑی ہوئیں۔ کمرے سے نکلنے والی تھیں کہ گاڑی کے ہارن پر ذرا بھر کو رکیں۔ کچھ ہی دیر میں کمرے سے باہر بھاری قدموں کی آہٹ پیدا ہوئی۔ پردہ ہٹا اور کرم داد اندر داخل ہوگیا۔

''آداب بوا!'' وہ سعادت مندی سے بولا۔

''جیتے رہو، آؤ بیٹھو۔'' وہ خوش دلی سے بولیں۔

''گڑیا کی طبیعت کیسی ہے؟'' اس نے اس کے مخمور سراپے پر نظر ڈالتے ہوئے پوچھا۔

''ٹھیک ہے..... ابھی پیاری پیاری باتیں کرتے ہوئے سوئی ہے۔ جگا لو۔ تمہارے لئے چائے بنا کر لاتے ہیں۔''

''جی بہتر.....'' اس نے کہا تو بوا چلی گئیں۔ ان کے جانے کے بعد اس نے ایک لمحے کو اسے بغور دیکھا۔ پنک سادہ سوٹ میں وہ آج بہت فریش دکھائی دے رہی تھی۔ ہلکی ہلکی رنگت اس کے اندر کی خوشیوں کا اظہار کر رہی تھی۔ اندر کی بات جاننے کے لئے ہی وہ بے قرار تھا۔ موقع نہیں ملا تھا۔ شادی کی تاریخ بھی طے ہوگئی تھی مگر اندر ایک خوف سا تھا کہ پہلے اس سے اس کی رضامندی معلوم کرنا ضروری تھی۔ یہی سوچ کر وہ بہانے سے نکل آیا۔

''گڑیا..... گڑیا.....'' دوبار اس نے دھیرے سے پکارا تو وہ خواب سے چونکی۔ اپنے اتنے قریب اسے دیکھ کر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

''آپ.....''

''آپ نہیں، کرم داد.....'' وہ برجستہ بولا۔

''چھوٹے صاحب! وہ.....'' وہ کچھ شرما سی گئی۔

''اگر چھوٹے صاحب آئندہ کہا تو گلا دبا دوں گا۔ صرف کرم داد کہو۔'' وہ غصے سے بولا۔

''کرم داد.....'' وہ سہمی سہمی بولی۔

''جی خوش کر دیا۔'' وہ خوشی سے جھوم اٹھا۔ ''صرف یہ کہو گڑیا کہ بانہوں میں چھپا کر دور کہیں لے چل کرم داد۔ تیرے ہونٹوں سے یہ کلمہ سننے کے لئے میرا دل بے قرار ہے۔ میں تیری مرضی سے اس رنگ و بو کی دنیا سے دور جانا چاہتا ہوں۔'' وہ اپنے پرانے مخصوص انداز میں بولا تو وہ جھٹ پرانی گڑیا بن گئی۔

''کہا تو ہے کہ لے چل، اب میں ساری زندگی تیری مرضی سے جینا چاہتی ہوں..... میں نے بہت دکھ جھیلے ہیں، بڑا لمبا سفر کیا ہے تب جا کر یہ جان سکی کہ سکھ اور خوشی تو کہیں دور رہ گئے۔'' وہ دھیرے دھیرے بولی۔

''تُو نے خود ہی تو سکھ اور خوشی کو دھتکار دیا تھا۔ اپنی خوشی کے ساتھ ساتھ میری ساری خوشیاں بھی چھین لی تھیں۔''

''لیکن تُو تو بہت کڑوا بولتا تھا، نفرت کرتا تھا مجھ سے۔''

''جب تُو نے مجھے کرم داد سے چھوٹے صاحب بنا دیا تو میں ٹوٹ کر رہ گیا...... رات دن اجنبی دنیا میں جلتا رہا۔ تُو میری نظروں میں قصوروار تھی۔ اسی لئے میں تجھے ستاتا رہا۔ نفرت تو وہ نہیں تھی۔ اس کے پردے میں بھی صرف محبت ہی محبت چھپی ہوئی تھی۔ تیری تلاش اور تڑپ چھپی ہوئی تھی۔'' وہ سادگی سے بولا۔

''تُو کہہ دیتا مجھے...... بتا دیتا۔''

''کہنے اور بتانے سے پہلے تُو نے مجھے پرایا کر دیا تھا...... اور جب بتانے کا وقت آیا تو پھر مجھے بھٹکتا چھوڑ کر یہاں چھپ گئی۔''

''تُو نے مجھے تلاش کیوں کیا؟'' وہ بھولپن سے بولی۔

''دھت تیرے کی...... پھر وہی بے وقوفی کی بات۔'' وہ سر پیٹ کر رہ گیا۔

''پھر مجھے بے وقوف کہا۔'' وہ اکڑ کر بولی۔

''وہ تو تُو ہے۔ اگر بے وقوف نہ ہوتی تو میری محبت پہچان نہ لیتی...... مجھے اتنا کیوں ستاتی؟'' وہ سرشاری سے گھورتے ہوئے بولا۔

''تُو سچ کہہ رہا ہے...... میں نے جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ جانا، لوہے کو سونا اور سونے کو لوہا جانا۔'' وہ اداس ہو گئی۔

''اچھا چل چھوڑ، یہ بتا کہ کیا واقعی تُو اس شادی پر خوش ہے...... میں تیرے قابل ہوں کہ نہیں؟'' گہری نگاہوں سے اس کی گھنیری پلکوں کے ار ، پار تک اس نے دیکھا اور جواب فوراً مل گیا۔ مگر وہ اس کی زبان سے اقرار چاہتا تھا۔

''بول گڑیا......''

''کیا بولوں...... اب کچھ نہیں بولنا، بس چپ رہنا ہے۔'' شرما کر اس نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا۔ کرم داد کے بے قرار دل میں ڈھیروں قرار اتر گیا۔ محبت سے چور نگاہوں سے اس کا شکریہ ادا کرنے لگا۔

O❖O

''کون......؟'' اندر سے آواز آئی۔

''صفیہ باجی! میں ہوں، کرم داد۔'' آواز پہچان کر اس نے کہا تو بجلی کی سی سرعت سے دروازہ کھل گیا۔

''آپ...... آؤ، اندر آ جاؤ۔'' صفیہ خوش دلی سے بولی۔ وہ اندر داخل ہو گیا۔

''میری گڑیا کا کچھ پتہ چلا؟'' وہ بے تابی سے بولی۔

''نیت اچھی ہو تو منزل آسان ہو جاتی ہے۔ آپ کی گڑیا بالکل خیریت سے ہے۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔

''سچ، کہاں ہے؟'' وہ خوشی سے پھولی نہ سمائی۔

''اپنوں میں...... بہت چاہنے والوں میں ہے...... آپ کو لینے آیا ہوں۔''

''واقعی...... اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ میری گڑیا کے راستے کے سب کانٹے تُو نے چن لئے۔'' وہ آنکھوں سے تشکر کے آنسو بہانے لگی۔

''اب رونا نہیں ہے، چلیں میرے ساتھ۔ بچوں کو بھی لے چلیں۔''

''اس وقت...... مغرب کے بعد تو شکور آ جائے گا۔ وہ بہت ناراض ہو گا۔ ویسے بھی وہ اب پہلے جیسا شکور نہیں رہا، بہت بہتر ہو گیا ہے۔ غفور کی وجہ سے جو مجھ پر بگڑتا تھا۔ اب جب سے غفور جیل گیا ہے تو اس کی آنکھیں کھل گئی ہیں۔'' صفیہ نے کہا۔

''غفور جیل گیا ہے، کیا مطلب؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں، اللہ نے اس سے میری گڑیا کو دربدر کرنے کا انتقام لے لیا ہے۔ نشے کے سگریٹ بیچتے ہوئے پکڑا گیا ہے۔'' وہ اطمینان سے بولی۔

''اللہ کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے۔ خیر آپ صبح آ جائیں، اس پتے پر۔ گڑیا آپ کو دیکھ کر بہت خوش ہو گی اور وہاں پہنچ کر آپ کو ایک اور بڑی خوشی ملے گی۔'' وہ ذو معنی جملہ کہہ گیا۔

''کیا مطلب......؟''

''مطلب وہاں پہنچ کر، اب اجازت دیں۔'' وہ مسکرایا۔

''ایسے کیسے...... چائے پی کر جانا۔'' وہ چائے بنانے کے لئے تیزی سے کھڑی ہو گئی۔

''نہیں، پھر کبھی۔ چائے کے ساتھ مٹھائی بھی کھائیں گے۔'' یہ کہہ کر اس نے ہاتھ میں پکڑی پتے کی پرچی اس کو تھما دی۔

''مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے، بلکہ منت کرنی ہے۔'' وہ ایک دم سنجیدہ سی ہو گئی۔

''آپ مجھے کرم داد کہیں، میں آپ کے قریب ہوں تو آپ کا ہوں۔ آپ منت نہ کریں حکم کریں۔'' وہ سعادت مندی سے بولا۔

''یہ تو بڑا پن ہے تمہارا...... مگر میں نے التجا کرنی تھی کہ میری گڑیا کی نادانی معاف کر دو، اسے بچپن سے رنگوں، خوشبوؤں کے پیچھے بھاگنے کی عادت تھی۔ کبھی نہ رنگ ہی ہاتھ آئے اور نہ کبھی خوشبوئیں ہی اس کے حصے میں آئیں۔ میری گڑیا نے چھوٹی سی زندگی میں بڑے بڑے دکھ اٹھائے ہیں۔ اسے خواہشات کے اژدھوں نے نگل لیا ہے۔ اب تم ہی اسے بچا سکتے ہو۔ اسے سمیٹ سکتے ہو، اسے ایک بار معاف کر دو۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''اوہو، صفیہ باجی! آپ شرمندہ کر رہی ہیں، سب ٹھیک ہو جائے گا۔ بس آپ کل آئیں۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے بہت ہمدردی سے اس کی بھیگی پلکیں صاف کیں۔

''کرم داد! میری گڑیا کو بچالو۔'' وہ سسکیاں بھرنے لگی۔

''سمجھ لیں وہ بچ گئی۔'' وہ مسکرایا۔

''اللہ تمہیں خوش رکھے۔ وہ روتے روتے مسکرائی۔

''اب میں چلتا ہوں، کل آپ پہنچ جائیں۔'' کرم داد نے ایڈریس دیتے ہوئے کہا۔

''میں پہنچ جاؤں گی، بلکہ شکور کے ساتھ آؤں گی۔'' وہ مسکرا کر بولی۔

''اللہ حافظ۔'' اس نے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

''اللہ حافظ.....'' وہ بھی جواباً بولی۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا باہر نکل گیا۔

○❖○

رات کو سب کھانے کے بعد پھر بازار کی طرف نکل گئے۔ صرف وہ اور زلفی گھر پر تھے۔ جواد کے برابر والا کمرا فرخندہ نے اس کے لئے سیٹ کرایا تھا۔ وہ کمرے میں آ گیا..... تنہائی میں ایک دو منٹ ٹہلتا رہا اور پھر ٹیلی فون کی طرف خود بخود ہاتھ بڑھ گیا۔ دل مچل رہا تھا کہ اس کی آواز سنی جائے، جیسے ہی نمبر ڈائل کیا تو دل کی دھڑکنوں کا شور بڑھ گیا۔

''ہیلو.....'' دوسری طرف سے ذکاء کی آواز تھی۔

''وہ، ذکاء بھائی میں کرم داد بول رہا ہوں۔ اگر آپ برا نہ مانیں تو گڑیا سے بات کرا دیں۔''

''کیوں نہیں، ہم برا ماننے والے کون ہوتے ہیں۔ آپ ہولڈ کریں۔'' ذکاء نے کہا اور ریسیور رکھ کر غالباً گڑیا کو بتانے چلا گیا۔

بات درست تھی۔ وہ اس کو آوازیں دیتا ہوا سیدھا اس کے کمرے میں پہنچا اور جھٹکے سے دروازے پر ہی جھجک کر رک گیا۔ قدم من من کے ہو گئے۔ چہرہ پھیکا پڑ گیا اور نظریں چرانے لگا۔ دراصل حرا نے سرخ زرتاری آنچل اسے اوڑھا رکھا تھا اور تنگ کر رہی تھی۔ جب کہ وہ چھوئی موئی کی طرح خود میں سمٹی جا رہی تھی۔ اس کے چہرے کا گلال اور آنکھوں کا نشہ اسے بے قرار کر گیا۔ اسے دیکھ کر جلدی سے دوپٹہ اتار دیا۔ حرا ہنسنے لگی۔

''گڑیا، تمہارا فون ہے۔'' وہ تیزی سے کہہ کر باہر نکل گیا۔ گڑیا نے جلدی سے سلیپر پاؤں میں ڈالے اور باہر بھاگی۔ حرا نے بغور بھائی کے چہرے پر پھیلا کرب حسرتوں میں بدلتے دیکھا تھا اس لئے خود بھی سنجیدہ سی اس سے بات کرنے کو اس کے پیچھے ہی کمرے میں پہنچ گئی۔

''بھائی! بہن کیا کر سکتی ہے تمہارے لئے؟''

''کیا مطلب؟'' وہ حیرت سے پلٹا۔

''بھائی! ایک بار کہو، میں خود غرض بن جاؤں گی۔ چھین لوں گی گڑیا کو کرم داد سے۔'' وہ نم آلود لہجے

میں بولی۔

''کیا بکواس ہے یہ حرا، اب تم بچی نہیں ہو۔ ہر بات کی ایک حد ہوتی ہے، مذاق کی عمر سے اب تم بہت آگے ہو۔'' وہ سختی سے بولا۔

''بھائی آپ خوب سمجھتے ہیں کہ میں مذاق نہیں کر رہی۔ آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔ کومل سے آپ کو شدید محبت ہے۔ زبان سے اقرار کریں، میں اس کے قدموں میں اپنا آنچل پھیلا کر بھیک مانگ لوں گی۔'' حرا بھائی کی محبت میں دیوانوں کی طرح رونے لگی۔

''حرا پلیز، یوں توہین مت کرو۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔'' وہ ذرا نرمی سے بولا۔

''نہیں بھائی، یہ سچ ہے۔ کہہ دو، ابھی کچھ نہیں بگڑا۔ میں بابا سے کہوں گی، بابا اس کی منت کر لیں گے۔''

''حرا! مجھے کومل سے محبت تھی، یہ گڑیا ہے جو کہ صرف کرم داد کی ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے لئے لمبا سفر طے کر کے پہنچے ہیں، مجھے اپنے جذبوں کو اتنا کمتر نہیں کرنا۔'' اس نے انگلی کی پور سے اس کے رخسار صاف کرتے ہوئے دھیرے سے کہا۔

''کیا آپ اپنی محبت بھول سکتے ہیں؟'' اس نے سوال کیا تو وہ لمحہ بھر رک کر بولا۔

''دل نے ابھی اس کا فیصلہ نہیں کیا۔''

''مجھے یقین ہے آپ نہیں بھول سکتے۔''

''شاید ہاں یا شاید نہیں۔''

''تو مجھے کوشش تو کر لینے دیں، ابھی تو پورے دس دن باقی ہیں شادی میں۔'' وہ مصر رہی۔

''حرا! احمقوں جیسی باتیں نہیں کرتے۔ یہ بد دیانتی ہمارے گھر کا شعار نہیں۔ میں اتنا کمزور نہیں ہوں کہ یہ آواز سینے میں دفن نہ کر سکوں۔ تم پلیز کسی کو اس بات کا احساس مت ہونے دو۔'' اس نے دھیرے دھیرے اسے سمجھایا۔ وہ چپ ہو گئی۔

''زندگی میں ایسے لوگ قریب آتے ہی کیوں ہیں جو ہمارے نہیں ہوتے۔'' اس نے گلہ کیا۔

''زندگی اسی کا نام ہے، ویسے وہ میرے قریب کبھی نہیں آئی۔ میں ہی دل کے ہاتھوں بے اختیار ہو گیا۔'' اس نے صاف گوئی سے اعتراف کیا۔

''اب کیا ہو گا؟''

''کچھ نہیں، بالکل نارمل رہو۔ سب اچھا ہو گا۔'' اس نے مسکرا کر اس کے گال تھپتھپائے۔ وہ اداس سی پلکیں صاف کرتی ہوئی باہر نکل آئی۔

○❖○

''بابا! مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔'' اسٹڈی روم میں داخل ہوتے ہوئے اس نے کہا۔ آفریدی صاحب نے عینک اتار کر میز پر رکھ دی اور مسکرا کر کتاب بند کی۔ وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی

ان کے قریب قالین پر بیٹھ گئی۔

"خیریت ہے.....؟" آفریدی صاحب نے بغور اس کے اداس چہرے کو پڑھا۔

"بابا! کبھی کبھی انسان غلط فیصلے کر ڈالتا ہے۔ پھر اسے جلد ہی احساس ہو جاتا ہے کہ یہ غلط فیصلہ ہے۔" وہ بولی۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"بابا! سمجھ لیں کہ میں نے بھی آج کل میں کوئی غلط فیصلہ نہیں کیا تھا۔ آج احساس ہوا ہے کہ یہ مناسب نہیں۔" وہ نظریں قالین پر جمائے جمائے بولی۔

"کیا کہنا چاہتی ہو؟" وہ جز بز سے بولے۔

"بابا! آپ انجم انکل کو انکار کر دیں۔ مجھے فی الحال شادی نہیں کرنی۔" وہ عجلت میں کہہ کر ہونٹ چبانے لگی۔

"کیا..... کیا کہا؟" وہ جیسے سکتے میں آ گئے۔

"آپ میری خاطر انکار کر دیں بابا!" اس نے منت بھرے انداز میں کہا۔

"شاید آپ ہوش میں نہیں ہو۔ انکار انجم سے نہیں بلکہ کرم داد سے ہے، اس شخص سے ہے جس کا آپ نے انتظار کیا ہے، جس سے کل اقرار کیا ہے۔" وہ گہری سنجیدگی سے بولے۔

"بابا! بس غلطی ہو گئی۔"

"کیسی بات کرتی ہو؟ فیصلے مذاق نہیں ہوتے۔ یقیناً آپ کے اس فیصلے میں بھی کسی خاص وجہ کا ہاتھ ہے، بولو کون سی وجہ ہے؟" وہ ڈپٹ کر بولے۔

"بس میں آپ کے پاس رہنا چاہتی ہوں۔" وہ برجستہ بولی۔

"تو بیٹا اس میں کیا حرج ہے..... آپ ہماری بیٹی ہو، کرم داد ہمارا بیٹا بن کر رہے گا۔ دونوں ہمارے پاس رہو۔ یہ تو شادی میں شور ہنگامے کی فضا پیدا کرنے کے لئے انجم نے کرم داد کو اپنے پاس رکھا ہے، خود کو لڑکے والے ظاہر کر رہے ہیں۔ ویسے بھی میں نے کہہ دیا ہے کرم داد کو کہ ہماری بیٹی چاہے گی تو آپ گاؤں جاؤ گے ورنہ نہیں۔" وہ مطمئن ہو کر بولے۔

"بابا! آپ سمجھ نہیں رہے۔"

"تو سمجھاؤ بیٹا۔" وہ مسکرائے۔

"میں بس کرم داد کے ساتھ شادی نہیں کر سکتی۔" وہ پوری ہمت جمع کر کے بولی تو آفریدی صاحب کی آنکھیں حیرت سے کھلی رہ گئیں۔

"لیکن کیوں..... وہ تو آپ کو شدید چاہتا ہے، آپ کی تلاش میں سرگرداں رہا ہے۔ میں اس کو ناکام و نامراد نہیں لوٹا سکتا۔" وہ تعجب سے بولے۔

"بابا..... بابا! میری خاطر انکار کر دیں۔ میں مجبور ہوں۔"

"کیا مجبوری ہے؟" وہ بگڑے۔

"یہ میں نہیں بتا سکتی۔ آپ بس کرم داد سے انکار کر دیں کہ وہ ایک بار پھر لوٹ جائے۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ کر..... اور پھر کبھی نہ آئے۔" وہ رندھے ہوئے لہجے میں کہتی ہوئی باہر بھاگ گئی اور آفریدی صاحب کے چاروں طرف بڑے زور کا طوفان آ گیا۔ وہ خود کو زلزلے کی زد میں محسوس کر رہے تھے۔ وجود جیسے پتھر کا ہو گیا تھا۔ یہ صبر آزما کام وہ نہیں کر سکتے تھے۔ ایک مسرور و شاد ماں انسان کے چہرے سے خوشیوں کے رنگ نہیں چھین سکتے تھے۔ ڈھولک کی تھاپ کو درد کی شہنائی میں نہیں بدل سکتے تھے۔ یہ سب کچھ جانے بغیر ہی وہ چلی گئی تھی۔

○❖○

کھٹ سے دروازہ کھلا اور وہ شعلے برساتی نگاہوں کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔

"چٹاخ، چٹاخ، چٹاخ۔" مسلسل تین زوردار تھپڑ اس کے رخساروں پر جڑ دیئے..... وہ پتھر کی مورت بنی پلکیں جھکائے فرش گھورتی رہی۔

"بہت گھٹیا ضمیر ہے تمہارا..... میں تھوکتا ہوں تم پر..... تم کیا انکار کرو گی، میں لعنت بھیجتا ہوں تم پر..... جتنی شدید محبت نے مجھے تمہاری تلاش میں سرگرداں رکھا اب اتنی ہی نفرت کے ساتھ میں سب راستے بند کر کے جا رہا ہوں، تم سونے کے پنجرے کی قیدی ہو، یہاں سے نکل کر تم کوئی دوسرا پنجرہ تلاش کر لو گی۔ یہ فطرت ہے تمہاری۔" وہ خونخوار لہجے میں انتہائی حقارت سے کہہ کر آندھی اور طوفان کی طرح واپس چلا گیا اور وہ اس کے جانے کے بعد سسکیاں سینے میں دبائے آنسو بہانے لگی۔

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟" اسی لمحے ذکاء نے کمرے میں داخل ہو کر پوچھا۔ اس نے ہتھیلی سے آنکھیں رگڑ ڈالیں۔

"اس میں میری مرضی شامل ہے۔" اس نے دھیرے سے کہا۔

"جانتا ہوں..... لیکن پھر بھی آپ کی مرضی میں یہ اوٹ پٹانگ فیصلہ کہاں سے آیا؟"

"اللہ کے واسطے مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔" اس کا گلہ رندھ گیا۔

"تمہارے لہجے سے تمہارے اندر کی چغلی ہو رہی ہے۔ تم نے کس وجہ سے یہ فیصلہ کیا ہے بولو؟" ذکاء کا لہجہ سخت ہو گیا۔

"بس ہے ایک وجہ۔"

"وجہ کیا ہے..... کیا کوئی اور پسند ہے؟" ذکاء نے کہا۔

"کوئی اور مجھے پسند کرتا ہے۔" وہ جلدی سے کہہ گئی۔

"کون.....؟" اس کی نگاہوں میں جھانکتے ہوئے سنجیدگی سے بولا۔

"بتانا ضروری ہے کیا؟" اس کی نگاہوں کی سختی سے وہ ڈر سی گئی۔

"بہت ضروری ہے۔"

''آپ..... آپ مجھے پسند کرتے ہیں۔ میں آپ کو دکھ نہیں دے سکتی۔ ایک ہزار محبتیں آپ پر سے قربان کرسکتی ہوں۔'' وہ رودی۔

''شٹ اپ..... اپنے دماغ سے یہ خیال نکال دو کہ میں بھیک میں تمہاری محبت حاصل کروں گا۔ میں تمہیں پسند کرتا ہوں، کرتا رہوں گا..... لیکن تم نے تو مجھے پسند نہیں کیا۔ تمہاری محبت تو کرم دادی ہے۔ میں ون وے ٹریک پر چل کر تمہارا مشکور ہو جاؤں، ایسے برے حالات نہیں ہیں میرے۔'' ذکاء نے شدید غم و غصے کے ساتھ ڈانٹا۔

''میں نے اس گھر میں زندگی پائی ہے۔ اس گھر کی خوشیاں برقرار رکھنا چاہتی ہوں۔''

''بھول ہے تمہاری..... اس گھر کی خوشیوں کو کچھ نہیں ہوا، جس پُرخلوص انسان کی محبت کو پامال کر رہی ہو اس کا احساس کرو۔ وہ تمہیں شدت سے چاہتا ہے، مجھ سے بھی زیادہ..... بلکہ تم بھی اسے چاہتی ہو۔ بولو، ہے نا؟'' اس نے پوچھا۔

''ہاں، لیکن آپ بھی تو مجھے شدت سے چاہتے ہیں۔ اس کی محبت میری زندگی ہے مگر میں آپ کو بھی تو دکھ دے کر نہیں جاسکتی۔''

''مت کرو محبت کی تذلیل، کس نے ٹھیکیدار بنایا ہے تمہیں میری محبت کا کہ فیصلے کرتی پھرو۔ میں یہ کبھی نہیں چاہوں گا کہ میری خاطر تم یہ سب احمقانہ حرکتیں کرو۔ اسے روک لو..... منالو..... وہ تمہارے بن جی نہیں سکے گا۔''

''وہ اب نہیں مانے گا۔'' وہ سا گی سے بولی۔

''تو کیوں کیا یہ سب کچھ..... میں نے کب تمہیں مجبور کیا تھا؟'' وہ دہاڑا۔

''میں نے آپ کی اور حرا باجی کی باتیں سن لی تھیں۔ میں احسان فراموش نہیں ہوں۔'' وہ پھر رونے لگی۔

''اور ہم خودغرض نہیں ہیں..... جاؤ، جا کر اسے روکو۔ وہ ایک بار چلا گیا تو نارسائی کا دکھ تمہیں چاٹ جائے گا۔'' وہ برہمی سے بولا۔

''میں..... میں اسے اب کیسے روک سکتی ہوں..... وہ بہت ناراض ہو کر گیا ہے۔'' وہ اپنی بے بسی پر آنسو بہانے لگی۔

''اب رونا دھونا بند کرو، میں جا کر اسے منانے کی کوشش کرتا ہوں، ورنہ بہت خرابی ہوگی۔ شادی کی تیاری مکمل ہے اور اس طرح تمہارا انکار بہت سے شکوک پیدا کرے گا۔'' وہ بولا۔

''مجھے معاف کردیں..... میری غلطی نہیں ہے۔ یہ بس میں حرا باجی کا رونا نہیں دیکھ سکی۔ سوچا اس طرح احسانات کا بدلہ بھی اتر جائے گا۔''

''ہونہہ، احسانات کا بدلہ..... کون سے احسانات؟ ہم اتنے بے غیرت لگتے ہیں کہ ایک کمزور لڑکی کو سہارا دے کر اس سے صلہ مانگیں، میری محبت صرف میری ہے، اس پر کسی کا کوئی حق نہیں۔ آئندہ

ایسی بات ہرگز نہ سوچنا۔'' وہ یہ کہہ کر پلٹا اور چلا گیا۔ وہ ایک بار پھر اپنی بے بسی اور کم عقلی پر آنسو بہانے لگی۔

○❖○

''ہیلو انکل۔''

''ہیلو جی ذکاء بیٹا۔'' انجم صاحب نے کہا۔

''انکل وہ کرم داد سے تو بات کروائیں۔'' وہ تیزی سے بولا۔

''خیر ہے، پریشان لگتے ہو۔'' انجم صاحب نے اس کے لہجے کی تیزی سے محسوس کیا۔

''بس خیریت ہے، آپ پلیز اسے بلائیں۔''

''اچھا دیکھتا ہوں۔ اپنے کمرے میں ہوشاید۔'' انجم صاحب نے کہا اور کچھ دیر کے لئے فون رکھ کر وہ شاید اسے بلانے چلے گئے۔ چند لمحوں بعد انہوں نے ریسیور اٹھا کر کہا۔ ''ذکاء! آپ کی آنٹی کہہ رہی ہیں کہ وہ اپنے فلیٹ پر گیا ہے اور کہہ کر گیا ہے کہ کوئی ضروری کام ہے، اس کا رات انتظار نہ کیا جائے۔''

''کیا مطلب؟'' وہ حیرت سے بولا۔

''مطلب تو اسے ہی معلوم ہوگا۔ فلیٹ پر فون کرلو۔ ویسے کوئی خاص بات ہے کیا؟''

''بس خاص ہی سمجھ لیں۔''

''چند دن کی تو بات ہے۔ پھر وہ آپ لوگوں کا ہو جائے گا۔'' انجم صاحب نے ہنس کر کہا۔

''اگر ذرا بھی دیر ہوگئی تو پھر یہ کام کبھی نہیں ہو سکے گا۔ میں اسے ٹریس کرتا ہوں۔ آپ سے پھر بات ہوگی۔'' وہ معذرتی انداز میں بولا۔

''مجھے خیریت نہیں لگ رہی یار۔ کچھ تو بتاؤ۔'' انجم صاحب سنجیدہ ہو کر بولے۔

''واپسی پر، یا کچھ دیر بعد۔'' اس نے کہا اور خدا حافظ کہے بغیر ہی فون بند کردیا۔ انجم صاحب متفکر سے صوفے پر بیٹھ گئے۔ فرخندہ نے کرم داد کی بری کے جوڑے وارڈروب میں رکھ کر غور سے ان کو دیکھا اور بولی۔

''کیا بات ہے؟''

''ہنہ..... فی الحال تو معلوم نہیں لیکن کوئی نہ کوئی پریشانی والی بات ہے ضرور۔'' وہ گہری سوچ سے نکلتے ہوئے بولے۔

''کیا مطلب؟''

''ذکاء کچھ پریشان تھا اور عجلت میں تھا۔ کرم داد کے لئے اس کا اس طرح پوچھنا شک میں مبتلا کر رہا ہے۔''

''کیسا شک؟''

''کم عقل عورت مجھے معلوم ہوتا تو بتا نہ دیتا؟'' وہ بگڑ کر بولے۔

''ویسے کرم داد کا موڈ کچھ ٹھیک نہیں تھا، سرخ انگارہ آنکھیں ہو رہی تھیں۔ جبڑے بھنچے ہوئے تھے، میں نے بات کی تو کوئی جواب دیئے بغیر پہلے کمرے میں گیا اور پھر واپس آ کر کہا کہ ضروری کام سے فلیٹ تک جا رہا ہوں، دیر ہو جائے تو انتظار نہ کیا جائے۔'' فرخندہ نے تفصیل دی۔

''کیا ضروری کام ہو سکتا ہے؟'' انجم صاحب بڑبڑائے۔

''اللہ جانے۔''

''چلو کچھ دیر انتظار کرتا ہوں، پھر میں خود آفریدی کی طرف جاؤں گا۔''

''آپ پریشان نہ ہوں، میں آفریدی بھائی کو فون کر کے پوچھ لیتی ہوں۔'' فرخندہ نے کہا۔

''نہیں..... میرا خیال ہے ذکاء کے فون کا انتظار کیا جائے۔'' انجم صاحب اطمینان سے بولے۔

''چلیں ٹھیک ہے، لیکن آپ بستر پر آرام کریں، میں دودھ لے کر آتی ہوں۔'' فرخندہ نے کہا۔

''نہیں، دودھ کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں لان میں چہل قدمی کرنا چاہتا ہوں۔'' وہ کہہ کر اٹھے اور کمرے سے باہر نکل گئے۔ فرخندہ نے اٹھ کر دوبارہ سے شادی کے کاموں کی فہرست دیکھنی شروع کر دی۔

○❖○

''کرم داد! آپ کو میری بات سننی ہی پڑے گی۔ جب تک میں اپنی بات نہ کر لوں آپ یہاں سے نہیں جا سکتے۔'' ذکاء نے چیخ کر کہا۔ کافی دیر سے وہ اس کی منت کر رہا تھا کہ اس کی بات سنی جائے مگر اپنے سامان کی پیکنگ کے دوران وہ سخت لہجے میں کچھ نہ سننے کا کہہ رہا تھا۔ جوں ہی اس نے سامان کی پیکنگ مکمل کر کے چلنے کا ارادہ کیا تو ذکاء جھنجلا گیا۔

''اگر بات گڑیا کے حوالے سے کرنی ہے تو میں ایک لفظ بھی سننا نہیں چاہتا، بلکہ اس کا ذکر سننا بھی نہیں چاہتا۔'' اس نے گرج کر کہا۔

''میں اسی کی بات ضرور کروں گا..... کیونکہ تم اس سے شدید محبت کرتے ہو۔ وہ تمہاری پہلی اور آخری محبت ہے۔'' ذکاء نے اس سے زیادہ چلا کر کہا تو وہ غصے سے پاگل ہو گیا۔

''نہیں، یہ جھوٹ ہے۔ وہ میری محبت نہیں ہے۔ وہ اونچے محلوں، تجوریوں میں بند دولت سے محبت کرنے والی ہے۔ وہ موسموں کی طرح مزاج بدلنے والی مکار لڑکی ہے۔ اس کے اندر کی ہوس اسے سفر میں رکھتی ہے۔ جب کہیں کوئی چھوٹے صاحب مل گئے وہ فریفتہ ہو گئی۔'' آخری جملہ اس نے طنزیہ نظروں سے ذکاء کو گھورتے ہوئے ادا کیا..... وہ سمجھ کر بھی انجان بن گیا۔

''دیکھو کرم داد! حقیقت یہ نہیں ہے جو تم سمجھ رہے ہو۔ وہ معصوم اور بھولی ہے، نادان ہے مگر بہت مخلص اور باوفا ہے۔ اس پر اتنے بڑے الزام مت لگاؤ۔''

''ذکاء صاحب! اگر اس کی صفائی میں بولنا ہے تو کیوں؟ میرا اب اس سے کوئی واسطہ نہیں۔ وہ

سادہ ہے، بھولی ہے جو کچھ بھی ہے آپ لوگوں کے پاس ہے۔'' وہ تحمل سے بولا۔

''کرم داد! ہمیں بیٹھ کر آرام سے بات کرنی چاہئے۔ پلیز بیٹھو۔'' ذکاء نے بہت نرمی سے کہا تو وہ کچھ دیر چھت گھورنے کے بعد صوفے پر بیٹھ گیا۔ ذکاء اس کے قریب بیٹھ گیا۔

''میں تو آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ گڑیا کے چھوٹے صاحب بن جائیں۔ اس کی بیگم صاحبہ بننے کی آرزو پوری کر دیں۔'' وہ طنزیہ ہنس کر بولا۔ ذکاء نے قطعاً برا نہیں منایا۔

''کرم داد! وہ پھولوں کی ملاحت اور شبنم کی ٹھنڈک لئے ہوئے ہے۔ اس کے لئے کوئی بھی اپنا آپ اس کے قدموں پر نچھاور کر سکتا ہے۔ میں نے دل ہی دل میں اس سے شدید محبت کی ہے، مگر میری محبت صرف میری ہی حد تک ہے، میں نے اس کے دل میں نقب لگانے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ وہ تمہاری محبت میں سر سے پیر تک چور تھی۔ اظہار تو کبھی نہیں کرتی تھی، مگر اس کی آنکھوں سے بہتے آنسو سب کچھ بیان کرتے تھے۔ تمہیں پا کر وہ بہت خوش تھی، اس وقت تم نے اس سے فون پر بات کی، میں اوپر کمرے میں تھا، میری بہن حرا نے میرے کمرے میں آ کر مجھ سے محبت کے اقرار کی ضد کی، گڑیا کو منانے کا وعدہ کیا مگر میں نے سختی سے اسے جھڑک دیا۔ میں نے حرا کے لبوں پر تو تالے ڈال دیئے مگر میری بدقسمتی تھی کہ گڑیا نے کمرے کے باہر رک کر ہم دونوں کی ساری باتیں سن لی تھیں اور پھر اس بے وقوف لڑکی نے اس گھر کو یہ خوشی دینے کے لئے اپنے جذبوں کی قربانی دے دی..... اس نے مجھ سے محبت نہیں کی بلکہ ہمدردی کرنی چاہی، وہ حساس دل کے ہاتھوں مجبور تھی۔ اس نے ہمارے احسانات کا بدلہ اتارنا چاہا۔ وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ میں یہ کبھی برداشت نہیں کروں گا، تمہیں رخصت کر کے وہ پھوٹ پھوٹ کے روئی ہے، میں نے اسے تمہاری محبت میں تڑپتے ہوئے دیکھا ہے۔'' ذکاء نے دھیرے دھیرے، لفظ بہ لفظ اس کو ساری بات بتا دی۔ اس کی پیشانی کی سلوٹیں کم نہیں ہوئیں۔

''جو بھی کہو، مگر میں اب سراب کے پیچھے نہیں بھاگ سکتا۔'' وہ بولا۔

''وہ سراب نہیں ہے..... وہ حقیقت ہے۔ تمہاری روشن صبح ہے، اسے اس کی سادگی کی اتنی بڑی سزا نہ دو۔'' ذکاء نے کہا۔

''خدا کے واسطے ذکاء صاحب مجھے مجبور نہ کریں۔ بار بار سمٹ کر بکھرنا اور بکھر کر سمٹنا آسان نہیں ہوتا۔ گو کہ وہ روح میں سمائی ہے لیکن میں پھر بھی اسے بھلانے کی کوشش کروں گا۔'' اس نے کہا اور پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

''کرم داد! یہ اتنا آسان کام نہیں ہے۔ اگر تم اسے بھلا سکتے تو بہت پہلے بھلا چکے ہوتے۔'' ذکاء نے اس کے دل کی دنیا میں ہلچل مچانے کی کوشش جاری رکھی۔

''اسی کی سزا تو بھگت رہا ہوں۔'' وہ تاسف سے بولا۔

''اسے غلط مت سمجھو، وہ بہت باکمال سیرت کی مالک ہے..... اپنی غلطی پر نادم ہے۔ اسے معاف کر دو۔'' ذکاء نے کھڑے ہو کر اس سے منت بھرے انداز میں کہا۔

''مگر.....''

''اگر مگر کچھ نہیں.....بس میرے ساتھ چلو۔ یا میں اسے یہاں لے آتا ہوں۔'' ذکاء نے مسکرا کر کہا تو وہ صوفے پر گر سا گیا۔

''اوکے، میں اسے یہاں لاتا ہوں۔ تم اسے اس طرح خوش آمدید کہو کہ اس کی ساری تھکن مٹ جائے۔'' وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔ ذکاء تیزی سے فلیٹ کی سیڑھیاں اتر گیا۔

○❖○

''ارے میاں! دروازہ کھولو، ہم پوچھتے ہیں کہ شادی سے پہلے لڑکی کو کون گھر بلاتا ہے؟'' بوا کی گھن گرج سن کر اس نے جھٹ دروازہ کھول دیا جس کے انتظار میں دھڑکنیں شور مچا رہی تھیں وہ نہیں آئی۔ یہ خیال ہی اسے تڑپا گیا۔

''آپ؟''

''ہاں ہم.....ہم یہ پوچھنے آئے ہیں کہ یہ آدھی رات کو لڑکی کو کیوں بلایا ہے؟''

''وہ.....جی.....میں.....وہ.....'' وہ بری طرح ہکلانے لگا۔

''وہ، میں، کیا.....کیا ہو گیا ہے تم نوجوانوں کو۔ چار دن انتظار نہیں کر سکتے۔ ارے وہ بھی انسان ہیں جو بارڈر پر جا کر لڑتے ہیں، سالوں بیوی اور منگیتروں کا چہرہ نہیں دیکھتے اور ایک تم جیسے بھی ہیں جو ٹہل ٹہل کر آدھی رات کو مایوں بیٹھی دلہن کا انتظار کر رہے ہیں۔'' بوا آندھی اور طوفان کی طرح گرجتی برستی سیدھی صوفے پر جا کر بیٹھ گئیں۔

''میں نے.....میں نے تو کسی کو نہیں بلایا۔ وہ تو.....'' وہ صفائی میں بولنا چاہتا تھا کہ انہوں نے پھر لتاڑا۔

''وہ تو کیا.....خود سوچو، کچی پھولوں کی مہک نکال کر باہر کیسے لے آتے۔ ارے چٹکتی چاندنی بنی ہے ہماری بچی۔'' بوا نے اس کی ایک نہ سننے کی گویا قسم کھا رکھی تھی۔

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ مگر میں نے واقعی گڑیا کو نہیں بلایا۔ وہ ذکاء نے کہا تھا کہ وہ اسے لے کر آ رہا ہے۔'' اس نے جلدی سے ایک ہی سانس میں جملہ مکمل کیا۔ بوا جیسے چونکیں۔

''ہیں.....یہ ذکاء کہاں رہ گیا؟ ہمارے ساتھ ہی تو آیا تھا۔''

''وہ اسی لئے آپ کو چھوڑ کر فرار ہو گیا ہے۔'' کرم داد نے مطمئن ہو کر کہا۔

''خیر.....خیر کم تو تم بھی نہیں ہو۔ تم نے کون سا انکار کیا ہے۔ تم اسے منع کر دیتے۔ مگر جواب ہوتا تو کرتے۔ شادی سے پہلے دلہن کی بلائیں لینے کو تم بھی بے قرار تھے۔'' بوا نے اس کی پھر بھی جاں بخشی نہ کی۔

''آپ نے ٹھیک کہا ہے بوا.....'' اسی لمحے ذکاء ہمت کر کے اندر آ گیا۔ اس کی خیر خبر لینا سن کر اس نے ہمت کی۔ ورنہ پہلے باہر ہی کھڑا ہو گیا تھا۔

''یار! تم نے کہا تھا کہ گڑیا کو.....'' کرم داد نے اسے گھورا۔

''کیا میں نے.....میں بھلا کیسے ایسا کہہ سکتا ہوں.....کوئی شادی سے پہلے اپنی دلہن کا منہ دیکھتا ہے؟ بس صرف مل سکتا ہے۔'' ذکاء نے آنکھ دبا کر شرارت سے کہا۔ کرم داد کی ہنسی چھوٹ گئی۔ بوا نے اٹھ کر اس کا کان پکڑ لیا۔

''صرف مل سکتا ہے۔''

''ہائے بوا چھوڑیں۔'' وہ شور مچانے لگا۔

''اچھا معاف کر دیں۔'' کرم داد نے منت کی۔

''ارے تم جاؤ، گاڑی سے مرہم نکال کر لاؤ۔ لگتا ہے کان صفحہ ہستی سے ہی اتر گیا۔ جاؤ، جلدی جاؤ۔'' ذکاء نے آنکھ کے اشارے سے اسے جانے کو کہا، وہ کچھ سمجھتے ہوئے باہر نکلا اور فلیٹ کی سیڑھیاں اتر گیا۔

گاڑی میں فرنٹ سیٹ پر حیران پریشان بیٹھی وہ چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ ٹھٹکا۔ ''ہوں، شکریہ دوست۔'' اس نے دل ہی دل میں ذکاء کا شکریہ ادا کیا اور ڈرائیونگ سیٹ والا ڈور کھول کر اندر بیٹھ گیا۔ نگاہیں چار ہوئیں۔ وہ خوفزدہ سی پلکیں جھپکنے لگی۔ اس نے آہستہ سے مسکرا کر گاڑی اسٹارٹ کی۔

''کہاں جا رہے ہیں؟''

''تمہیں دریا میں دھکا دینے۔ خس کم جہاں پاک۔'' وہ سختی سے بولا۔

''کیا.....میں اتنی بری ہوں؟''

''خاموشی سے بیٹھی رہو۔'' وہ گرجا۔

''دیکھو کرم داد! میں معافی مانگنے آئی تھی۔ اگر تم بہت ناراض ہو تو میں پاؤں پکڑ لیتی ہوں۔'' وہ تقریباً رونے کے قریب تھی۔

''پاؤں تو پکڑنے ہی پڑیں گے۔'' وہ بڑبڑایا۔ گاڑی سنسان کشادہ سڑک پر ڈالتے ہوئے اس نے گھور کر دیکھا۔ وہ سچ مچ سہم گئی۔

''غلطی ہو گئی۔''

''اس کی سزا ملے گی۔''

''کیسی سزا؟''

''سنگین۔''

''مجھے مار کر کیا ملے گا؟''

''سکون.....کیونکہ بار بار مجھے بے سکون کرنے کا تم نے ٹھیکا لے رکھا ہے۔ میری محبت کو اندھا دھند لٹانے کا لائسنس ہے تمہارے پاس۔ آج قصہ ہی ختم ہو جائے گا۔'' اس نے شعلہ بار نگاہوں سے

چنگاریاں اس کی طرف پھینکیں اور ایک ہاتھ سے سختی سے اس کی گردن دبوچ کر اسے رونے پر مجبور کر دیا۔

''چپ.....'' وہ زور سے چلایا، مگر وہ روتی رہی۔

''ساری زندگی کا رونا نہیں دیکھنا مجھے۔'' وہ برسا۔

''تو ٹھیک ہے..... مار ڈالو مجھے..... میں ہمیشہ کے لئے چپ ہو جاؤں گی۔ ابا اماں کے پاس چلی جاؤں گی۔'' وہ ننھی سی پیاری سی ناک سے سوں سوں کرتے ہوئے بولی۔

''اور میرے لئے کس ابا اماں کی لاڈلی کا انتظام کر کے جاؤ گی۔'' اس نے اس کی سادگی سے لطف لیتے ہوئے دھیرے سے کہا۔

''مجھے کیا معلوم؟''

''ٹھیک ہے، شادی کے بعد مار ڈالوں گا۔ پھر تم چلی جانا، وہ میرے پاس رہے گی۔ میری اور چاچا اسلم کی خدمت کرے گی۔''

''ٹھیک ہے.....'' وہ بے خیالی میں کہہ گئی۔ وہ قہقہہ لگا کے ہنس دیا۔

''میں سچ بول رہی ہوں۔'' وہ معصوم صورت بنا کر اسے ہنستا دیکھتے ہوئے بولی۔

''میں نے کب کہا ہے کہ جھوٹ بول رہی ہو۔ بس یاد رکھنا کہ شادی کے بعد تمہیں جانا ہے۔'' وہ بے دردی سے بولا تو وہ دکھی سی ہو گئی، بولی کچھ نہیں۔

''بولو، جواب دو۔''

''کیا بولوں؟'' وہ روئی روئی سی بولی۔

''کہ ہاں مجھے جانا ہے۔''

''آپ مجھے ابھی مار دیں۔'' وہ رونے لگی۔

''ابھی کیوں؟''

''بعد میں، میں کیسے جاؤں گی؟''

''میں بتاتا ہوں... آنکھیں بند کرو۔'' اس نے کہا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے آنکھیں موند لیں۔ گاڑی جھٹکے سے رکی اور وہ اس کی دھڑکنوں کے شور میں اپنا نام سن رہی تھی۔ پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔

وہ اس کے مضبوط بازوؤں میں سمٹی تھی اور وہ محبت کے ان گنت جگنوؤں کی جھلملاہٹ نظروں میں سجائے اس کی بلائیں لے رہا تھا۔ بنا کچھ بولے اس نے دھیرے سے پلکیں موند کر اپنی پیاری پناہ کو گویا دل و جان سے قبول کر لیا..... زندگی کے اندھیرے مسکرانے لگے۔

(ختم شد)